فتح السلام

بشرح

صحيح البخاري الامام

كتاب الأذان — كتاب الجنائز

أحاديث : 603 — 1394

تالیف

أمیر المؤمنین فی الحدیث و سید الفقہاء

امام المحدثین ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ

2

ترجمہ و شرح

حافظ عبد السلام بن محمد بھٹوی حفظہ اللہ

أصح الكتب بعد كتاب الله

أصحّ الکتب بعد کتاب اللہ

فتح السلام

بشرح

صحیح البخاری الامام

کتاب الأذان — کتاب الجنائز

أحادیث : 603 — 1394

تالیف

أمیر المؤمنین فی الحدیث وسید الفقہاء

امام المحدثین ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ

2

ترجمہ وشرح

حافظ عبدالسلام بن محمد بھٹوی حفظہ اللہ

Dar-ul-Andlus

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً

سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا، فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم اور شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اسے حفظ کیا اور یاد رکھا تا کہ اسے (دوسروں تک) پہنچائے۔''

[سنن أبي داؤد: ٣٦٦٠]

فہرست (جلد دوم)

١٣ - كِتَابُ الْعِيدَيْنِ | 13۔ کتاب العیدین 404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

١٠- كِتَابُ الْأَذَانِ
اذان کی کتاب

لغت میں اذان کا معنی اطلاع دینا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ ﴾ [التوبة : ٣] ''اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان ہے۔'' شریعت میں مخصوص الفاظ میں نماز کے وقت کی اطلاع دینا اذان کہلاتا ہے۔ قرطبی وغیرہ نے کہا: ''اذان تھوڑے سے الفاظ ہونے کے باوجود عقیدے کے بنیادی مسائل پر مشتمل ہے، کیونکہ سب سے پہلے اس میں اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑا ہونے کا ذکر ہے، پھر توحید کے اقرار اور شرک کی نفی کی شہادت ہے، پھر محمد ﷺ کی رسالت کی شہادت ہے، پھر رسالت کی شہادت کے بعد مخصوص بندگی (نماز) کی دعوت ہے، کیونکہ وہ رسول ہی سے سیکھی جا سکتی ہے، پھر فلاح کی دعوت ہے جو دائمی بقا ہے اور اس میں آخرت کا اشارہ ہے۔ اس کے بعد ابتدائی کلمات کو تاکید کے لیے دوبارہ کہا جاتا ہے۔''

اذان کے ساتھ نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع، جماعت کے لیے دعوت اور اسلام کے شعائر کے اظہار کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعلان کے لیے آگ جلانے، گھنٹہ بجانے یا بگل بجانے کی بجائے اذان کے الفاظ مقرر فرمائے ہیں، کیونکہ یہ سب سے آسان طریقہ ہے اور ہر جگہ، ہر زمانے میں اور ہر شخص کو میسر ہے، جب کہ کسی اور طریقے میں یہ خوبی نہیں ہے۔ امامت کروانے والا اذان بھی کہہ سکتا ہے، بیہقی (۶۳۶/۱، ح: ۲۰۴۰) کی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع حدیث جس میں اس سے منع کیا گیا ہے اس کی سند ضعیف ہے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے کہا: ''اگر میں خلافت کے ساتھ اذان کہہ سکوں تو ضرور کہوں۔'' اسے سعید بن منصور وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری)

١- بَابُ بَدْءِ الْأَذَانِ

وَقَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴾ [المائدة : ٥٨] وَ قَوْلُهُ : ﴿ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ ﴾ [الجمعة : ٩]

1- باب: اذان کی ابتدا

اور اللہ عزوجل کا فرمان: ''اور جب تم نماز کی طرف آواز دیتے ہو تو وہ اسے مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں، یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے۔'' اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''(اے لوگو جو ایمان لائے ہو!) جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے (تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو)۔''

فائدہ یہ دونوں آیتیں لا کر امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اذان کا اصل قرآن سے ثابت ہے اور یہ کہ اذان مدینہ میں شروع ہوئی، کیونکہ سورۂ مائدہ اور سورۂ جمعہ دونوں مدینہ میں اتری ہیں اور صحیح یہ ہے کہ اذان ہجرت کے پہلے یا دوسرے سال شروع ہوئی۔

٦٠٣- حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَنَا خَالِدُ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوسَ، فَذَكَرُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى، فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ. [انظر: ٦٠٥، ٦٠٦، ٦٠٧، ٣٤٥٧۔ أخرجه مسلم: ٣٧٨]

603۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: صحابہ نے آگ اور ناقوس (گھنٹے) کا ذکر کیا اور انھوں نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا تو بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو، دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار کہیں۔

٦٠٤- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ فَيَتَحَيَّنُونَ الصَّلَاةَ، لَيْسَ يُنَادَى لَهَا، فَتَكَلَّمُوا يَوْمًا فِي ذَلِكَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اتَّخِذُوا نَاقُوسًا مِثْلَ نَاقُوسِ النَّصَارَى، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ بُوقًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُودِ، فَقَالَ عُمَرُ: أَوَلَا تَبْعَثُونَ رَجُلًا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «يَا بِلَالُ! قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ» [أخرجه مسلم: ٣٧٧]

604۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مسلمان جب مدینہ آئے تو وہ جمع ہوا کرتے تھے اور نماز کے وقت کے اندازے پر آتے تھے، اس کے لیے اذان نہیں کہی جاتی تھی، پھر ایک دن انھوں نے اس کے بارے میں بات کی تو ان میں سے کسی نے کہا: نصاریٰ کے گھنٹے جیسا گھنٹہ بنا لو اور کسی نے کہا: بلکہ یہود کے بگل کی طرح ایک بگل بنا لو۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو کیا تم ایک آدمی نہیں بھیج دیتے جو نماز کے لیے آواز دے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے بلال! اٹھ اور نماز کے لیے آواز دے۔“

فوائد 1 ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اذان عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے سے شروع ہوئی، مگر تمام احادیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرنے کا کام تین مرحلوں سے گزرا، کچھ مدت تک مسلمان نماز کے وقت کا اندازہ کر کے مسجد میں آ جاتے، مگر اس میں یہ نقصان ہوتا کہ پہلے آنے والوں کو انتظار میں دیر تک ٹھہرنا پڑتا، جس سے ان کے کام کاج کا نقصان ہوتا اور دیر سے آنے والوں کی وجہ سے نماز میں تاخیر ہو جاتی۔ دوسرا مرحلہ وہ ہے جو اس حدیث میں ہے کہ کسی نے نماز کے وقت ”ناقوس“ یعنی گھنٹہ بجانے کی تجویز دی۔ اس پر یہ اعتراض ہوا کہ یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے۔ بگل کا ذکر ہوا تو اسے یہود کا طریقہ قرار دے کر رد کر دیا گیا۔ بعض احادیث میں آگ جلانے کی تجویز

کا بھی ذکر ہے جو یہ کہہ کر رد کر دی گئی کہ یہ مجوس کا طریقہ ہے۔ بعض روایتوں میں نماز کے وقت ایک جھنڈا بلند کرنے کا بھی ذکر ہے۔ (دیکھیے ابو داود: ۴۹۸) یہ تجویز بھی پسند نہ کی گئی۔ آخر عمر ؓ کے مشورے سے رسول اللہ ﷺ نے بلال ؓ کو نماز کا اعلان کرنے کا حکم دیا، مگر یہ اعلان اذان کی صورت میں نہیں تھا بلکہ طبقات ابن سعد (۲۴۶/۱، ۲۴۷) میں سعید بن مسیب ؒ کی مرسل روایت میں ہے کہ یہ اعلان ان الفاظ کے ساتھ کیا جاتا تھا کہ " اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ ۔"

تیسرا مرحلہ عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ ؓ نے بیان کیا ہے، انھوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس (گھنٹہ) بنانے کا حکم دیا، تاکہ لوگوں کو نماز میں جمع کرنے کے لیے اسے بجایا جائے تو میں سویا ہوا تھا کہ میرے پاس سے ایک آدمی گزرا جو ہاتھ میں ناقوس اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے بندے! کیا تو یہ ناقوس بیچے گا؟ اس نے کہا: تم اسے کیا کرو گے؟ میں نے کہا: ہم اس کے ساتھ نماز کی طرف بلائیں گے۔ اس نے کہا: کیا میں تمھیں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ اس نے کہا: تم یوں کہو: " اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " پھر وہ تھوڑی دیر مجھ سے پیچھے ہٹا، پھر اس نے کہا: پھر جب تم نماز کھڑی کرو تو یوں کہو: " اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور جو دیکھا تھا آپ کو بتایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: « إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَأَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَأَيْتَ، فَلْيُؤَذِّنْ بِهِ، فَإِنَّهُ أَنْدٰى صَوْتًا مِنْكَ » ”یقیناً یہ سچا خواب ہے، ان شاء اللہ، اس لیے تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور تم نے جو دیکھا ہے اسے بتاتے جاؤ اور وہ ان الفاظ میں اذان کہے، کیونکہ وہ تم سے زیادہ خوش آواز اور بلند آواز ہے۔“ تو میں بلال ؓ کے ساتھ کھڑا ہو کر انھیں بتانے لگا اور وہ اس طرح اذان کہنے لگے۔ عمر بن خطاب ؓ نے اسے سنا جب وہ اپنے گھر میں تھے تو اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے اور وہ یہ کہہ رہے تھے: یا رسول اللہ! اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے بھی اسی طرح دیکھا ہے جس طرح اس نے دیکھا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ » ”تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔“ [أبو داوٗد: ۴۹۹، وقال الألباني: حسن صحيح] یہ حدیث صحیح ہے مگر امام بخاری ؒ نے اپنی شرط پر نہ ہونے کی وجہ سے اسے ذکر نہیں کیا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عمر ؓ کے مشورے سے صرف نماز کے اعلان کا فیصلہ ہوا تھا، ابھی تک اذان شروع نہیں ہوئی تھی، کیونکہ اذان کی ابتدا اس کے بعد عبد اللہ بن زید ؓ کے خواب سے ہوئی، جس کی تائید رسول اللہ ﷺ نے وحی الٰہی کے ساتھ کی اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر فرمایا۔ عمر ؓ نے بلال ؓ سے اذان سننے کے بعد ذکر کیا کہ انھوں نے بھی ایسا خواب دیکھا ہے۔

2 بلال رضی اللہ عنہ کا انتخاب ان کے خوش آواز اور بلند آواز ہونے کی وجہ سے کیا گیا، کیونکہ " أَنْدَى " کے معنی میں دونوں باتیں شامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مؤذن خوش آواز اور بلند آواز ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں آئے تو مکہ کے لڑکوں نے اذان کی نقل اتاری تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ان میں ایک خوش آواز لڑکا سنا ہے، انھیں بلاؤ۔'' پھر آپ نے سب سے ایک ایک کر کے اذان سنی اور آخر میں ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو خود اذان سکھائی اور انھیں مؤذن مقرر فرمایا۔ ان کی اذان انیس (١٩) کلمات اور اقامت سترہ (١٧) کلمات پر مشتمل تھی۔

٢- بَابٌ: اَلْأَذَانُ مَثْنَى مَثْنَى

2- باب: اذان کے کلمات دو، دو بار ہیں

٦٠٥ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ عَطِيَّةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ إِلَّا الْإِقَامَةَ. [راجع: ٦٠٣ - أخرجه مسلم: ٣٧٨]

605- انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان (کے کلمات) جفت (دو، دو بار) کہیں اور اقامت (کے کلمات) طاق (ایک، ایک بار) کہیں، سوائے " قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ " کے۔

٦٠٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ قَالَ: ذَكَرُوا أَنْ يَعْلَمُوا وَقْتَ الصَّلَاةِ بِشَيْءٍ يَعْرِفُونَهُ، فَذَكَرُوا أَنْ يُورُوا نَارًا أَوْ يَضْرِبُوا نَاقُوسًا، فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ. [راجع: ٦٠٣ - أخرجه مسلم: ٣٧٨]

606- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب (مدینہ میں) لوگ زیادہ ہو گئے تو انھوں نے ذکر کیا کہ نماز کے وقت کے لیے کسی چیز کی نشانی مقرر کر لیں جس سے وہ سب (وقت) جان لیں۔ تو انھوں نے ذکر کیا کہ آگ جلا دیا کریں یا ناقوس (گھنٹہ) بجا دیا کریں، پھر بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان جفت (دو، دو بار) اور اقامت طاق (ایک، ایک بار) کہیں۔

فوائد 1 ان حدیثوں میں اذان کے کلمات دو، دو بار اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہنے کا ذکر ہے، مگر دوسری صحیح احادیث میں اذان کے شروع میں " اَللّٰهُ أَكْبَرُ " چار بار کہنے کا اور آخر میں " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " صرف ایک بار کہنے کا ذکر موجود ہے، جیسا کہ اس سے پہلے صحیح بخاری کی حدیث (٦٠٤) میں گزرا ہے۔ ان احادیث کے ساتھ اس حدیث میں " اَللّٰهُ أَكْبَرُ " دو بار کہنے کی تطبیق یہ ہے کہ اس میں " اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ " کو ایک کلمہ شمار کیا گیا ہے، اس لیے یہ دونوں ایک سانس میں اکٹھے کہے جاتے ہیں اور آخر میں " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " ایک دفعہ کہنے پر سب کا اتفاق ہے۔

2 اذان کی ایک اور صورت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے بھی آئی ہے، اسے اذان میں ترجیع کہتے ہیں، یعنی شہادت کے کلمات چار دفعہ

ادا کرنا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اذان انیس (۱۹) کلمات اور اقامت سترہ (۱۷) کلمات سکھائی۔ وہ اذان یہ ہے: " اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ " ان کلمات کو بلند آواز سے کہو، پھر کہو: " أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ " ان کلمات کو نیچی آواز کے ساتھ کہو، پھر شہادت کے الفاظ بلند آواز سے کہو: " أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " اور اقامت یہ ہے: " اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ . " [أبو داؤد : ۵۰۲، حسن صحیح]

سنن ابی داؤد کی حدیث (۵۰۰) میں ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اذان میں شہادت کے دو، دو کلمات پہلے آہستہ آواز میں اور اس کے بعد وہی کلمات دو، دو بار بلند آواز سے کہنے کا حکم دیا تھا اور آپ ﷺ نے انھیں صبح کی اذان میں دو دفعہ " اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ " کہنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے، اس سے ثابت ہوا کہ " اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ " کے الفاظ خود رسول اللہ ﷺ نے سکھائے ہیں اور ان لوگوں کی تردید ہو گئی جو کہتے ہیں " اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ " کے الفاظ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کہنے پر اذان میں بڑھائے گئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بلال رضی اللہ عنہ والی اذان میں دو، دو کلمات ہیں اور اقامت میں ایک ایک کلمہ ہے جب کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان میں ترجیع ہے اور اس میں اقامت کے کلمات دو، دو بار ہیں۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر اذان ابو محذورہ رضی اللہ عنہ والی کہی جائے تو تکبیر بھی دوہری اور اگر اذان بلال رضی اللہ عنہ والی ہو تو تکبیر اکہری کہنی چاہیے۔ (فتح الباری)

٣- بَابٌ : اَلْإِقَامَةُ وَاحِدَةٌ إِلَّا قَوْلَهُ : قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ

3۔ باب: اقامت کے کلمات " قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ " کے سوا ایک ایک بار ہیں

٦٠٧- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ، وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ .

قَالَ إِسْمَاعِيلُ : فَذَكَرْتُ لِأَيُّوبَ، فَقَالَ : إِلَّا الْإِقَامَةَ . [راجع : ٦٠٣- أخرجه مسلم : ٣٧٨]

607۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان (کے کلمات) جفت (دو، دو بار) کہیں اور اقامت (کے کلمات) طاق (ایک ایک بار) کہیں۔

اسماعیل نے کہا: میں نے ایوب سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا: سوائے " قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ " کے۔

فوائد ومسائل: 1 اذان دو، دو بار اور اقامت ایک ایک بار کہنے میں حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اذان دور والوں کے لیے اور اقامت حاضرین کے لیے ہوتی ہے، اس لیے اذان دو، دو بار اونچی جگہ ٹھہر ٹھہر کر اور اقامت ایک ایک کلمہ تیزی کے ساتھ کہی جاتی ہے۔ اور اقامت میں "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کو دو بار اس لیے کہا جاتا ہے کہ اقامت کا اصل مقصود یہی ہے۔ 2 کچھ لوگ اذان اور اقامت میں نبی ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں کو لگاتے ہیں، یہ عمل صریح بدعت ہے، قرآن وسنت کی کسی دلیل سے ثابت نہیں، صرف من گھڑت روایتوں کے ساتھ اسے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

٤ـ بَابُ فَضْلِ التَّأْذِينِ

4۔ باب: اذان کہنے کی فضیلت

٦٠٨ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ أَقْبَلَ حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ، حَتَّى إِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ، حَتَّى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا، اذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ، حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى» [انظر: ١٢٢٢، ١٢٣١، ١٢٣٢، ٣٢٨٥ـ أخرجه مسلم: ٣٨٩، في المساجد (٨٢)]

608۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب نماز کے لیے اذان کہی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے، تاکہ اذان کی آواز نہ سنے، پھر جب اذان پوری ہوتی ہے تو آ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب نماز کے لیے اقامت کہی جاتی ہے تو بھاگ جاتا ہے، یہاں تک کہ جب اقامت پوری ہو جاتی ہے تو پھر آ جاتا ہے، حتیٰ کہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، وہ کہتا ہے: فلاں چیز یاد کر، فلاں چیز یاد کر، وہ چیزیں جنھیں وہ یاد نہیں کر رہا ہوتا، حتیٰ کہ آدمی کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے۔"

فوائد ومسائل: 1 "تثویب" کا لفظی معنی لوٹانا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی کپڑا ہلا کر کسی کو مدد کے لیے بلانا ہے، پھر مطلق کسی کو اطلاع دینے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اس حدیث میں تثویب سے مراد اقامت کہنا ہے، تاکہ لوگ نماز کے لیے جمع ہو جائیں۔ اس کے علاوہ اذان میں "اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کہنے کو بھی تثویب کہتے ہیں۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ تثویب کی کچھ صورتیں بدعت ہیں، مثلاً اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے لوگوں کو بلند آواز سے نماز کے لیے بلانا بھی تثویب ہے اور بدعت ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مسجد میں ظہر یا عصر کے وقت کسی شخص کو اس طرح کہتے سنا تو انھوں نے فرمایا: "مجھے یہاں سے لے چلو، بے شک یہ بدعت ہے۔" (ابوداود: ۵۳۸) اسی طرح نماز سے پہلے "اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ" کہنا بھی تثویب ہے اور بدعت ہے۔ اذان کے دوران "حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَلِ" کہنا بھی تثویب ہے اور بدعت ہے۔ اس کے علاوہ اذان میں "أَشْهَدُ أَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللهِ، وَصِيُّ رَسُوْلِ

اللّٰہِ ، خَلِیْفَةٌ بِلَا فَصْلٍ" کے الفاظ بدعی اضافہ ہیں اور "وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ، خَلِیْفَةٌ بِلَا فَصْلٍ" کے الفاظ صاف جھوٹ ہیں۔

2 اذان سن کر شیطان اس لیے بھاگتا اور اتنی دور چلا جاتا ہے کہ اذان نہ سن سکے۔ صحیح مسلم (۳۸۸) میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''حتیٰ کہ وہ روحاء مقام پر پہنچ جاتا ہے۔'' اور صحیح مسلم کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ مدینہ اور روحاء میں چھتیس (۳۶) میل کا فاصلہ ہے۔

3 اذان سن کر شیطان کا گوز مارتے ہوئے بھاگنا خوف کی وجہ سے بے اختیار بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اذان کے کلمات کے بوجھ کو برداشت نہ کرسکتا ہو اور جان بوجھ کر بھی، تاکہ اذان کے کلمات نہ سنے۔ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: شیطان اذان سے ایسا بھاگتا ہے جیسا چور کوتوال سے۔ بعضوں نے کہا: اذان میں چونکہ نماز کے لیے بلاوا ہوتا ہے اور نماز میں سجدہ ہے، اس کو اپنا قصہ یاد آتا ہے کہ آدم کو سجدہ نہ کرنے سے وہ راندۂ درگاہ ہوا، اس لیے اذان سننا نہیں چاہتا۔ بعض نے کہا: اس لیے کہ اذان کی گواہی آخرت میں نہ دینا پڑے، چونکہ جہاں تک اذان کی آواز جاتی ہے وہ سب گواہ بنتے ہیں، آخرت میں گواہی دیں گے، جیسے دوسری حدیث میں ہے۔ (تیسیر الباری)

4 بعض لوگ قبر پر اذان دیتے ہیں، یہ بدعت ہے۔

5 اذان کی فضیلت میں اور بھی احادیث آئی ہیں جن میں سے بعض کو امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے ابواب میں ذکر کیا ہے، مگر خاص اذان کی فضیلت کے باب میں صرف یہ ایک حدیث بیان کی ہے، کیونکہ دوسرے فضائل بعض دوسرے اعمال کے بھی ہوسکتے ہیں مگر اذان سن کر شیطان کا اس طرح بھاگنا صرف اذان ہی کی خصوصیت ہے۔ (واللہ اعلم) (فتح الباری)

6 ابن بطال نے فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کی ممانعت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس میں اذان سن کر بھاگنے کی شیطان سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ (فتح الباری)

7 شیطان نماز میں وہ چیزیں یاد کرواتا ہے جنھیں وہ اس وقت یاد نہیں کر رہا ہوتا، کیونکہ ایسی باتوں سے آدمی کو زیادہ دلچسپی ہوتی ہے، خواہ دینی باتیں ہوں یا دنیوی، ہوسکتا ہے کسی علمی نکتے کے ساتھ ہی اس کی نماز کا بیڑا غرق کر دے، اس لیے اس کے فریب سے ہوشیار رہنا لازم ہے۔

٥ ـ بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالنِّدَاءِ

5۔ باب: اونچی آواز سے اذان کہنا

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ : أَذِّنْ أَذَانًا سَمْحًا وَإِلَّا فَاعْتَزِلْنَا .

اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے (اپنے مؤذن سے) کہا: اذان سادہ کہو، ورنہ ہم سے الگ ہو جاؤ۔

٦٠٩ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ الْأَنْصَارِيِّ ثُمَّ الْمَازِنِيِّ،

609۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ تم بھیڑ بکریوں اور صحرا سے محبت کرتے ہو، تو جب تم اپنی بھیڑ بکریوں

عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، قَالَ لَهُ: إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ، فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ، أَوْ بَادِيَتِكَ، فَأَذَّنْتَ بِالصَّلَاةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ، فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ، إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ.
[انظر: ٣٢٩٦، ٧٥٤٨]

کے ہمراہ ہو یا اپنے صحرا میں ہو اور نماز کے لیے اذان کہو تو بلند آواز سے اذان کہو، کیونکہ مؤذن کی آواز کو اس کی آخری حد تک جو بھی جن یا انسان یا کوئی چیز سنے گی وہ قیامت کے دن اس کے لیے شہادت دے گی۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

فوائد: 1 اذان کا اصل مقصود زیادہ سے زیادہ دور تک اسلام کا شعار اور نماز کی دعوت پہنچانا ہے اور ظاہر ہے کہ تصنّع اور سُر کے ساتھ اذان کہنے میں توجہ آواز کی بلندی کی بجائے زیادہ تر نغمے اور لہجے کی طرف رہتی ہے۔ ویسے بھی تصنّع اور تکلف شریعت میں مذموم ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ [ص: ۸۶] ''کہہ دے میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔'' مصنف ابن ابی شیبہ (۲۰۷/۱، ح: ۲۳۷۵) میں ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ایک مؤذن نے اذان میں سُر لگائی تو انھوں نے کہا: ''سادہ اذان کہو، ورنہ ہم سے الگ ہو جاؤ۔''

2 '' غَنَمٌ '' کا لفظ بھیڑ بکریوں دونوں پر بولا جاتا ہے اور '' بَادِيَةٌ '' کا معنی صحرا ہے جس میں آبادی نہ ہو (اس کا ترجمہ جنگل نہیں ہے)۔ (فتح الباری)

3 عبداللہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ یتیم تھے، ابوسعید رضی اللہ عنہ کی گود میں پلے، کیونکہ ان کی والدہ نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ (فتح الباری)

4 ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بات سے معلوم ہوا کہ شہر میں ہو یا صحرا میں نماز کے وقت اذان تو کہنی ہی کہنی ہے، اس لیے انھوں نے اذان کہنے کی نہیں بلکہ اذان کہتے وقت اونچی آواز کے ساتھ کہنے کی تاکید کی اور اس کی فضیلت کی حدیث بیان فرمائی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلصَّلَاةُ فِي جَمَاعَةٍ تَعْدِلُ خَمْسًا وَ عِشْرِينَ صَلَاةً، فَإِذَا صَلَّاهَا فِي فَلَاةٍ فَأَتَمَّ رُكُوعَهَا وَسُجُودَهَا بَلَغَتْ خَمْسِينَ صَلَاةً» [أبو داؤد: ۵۶۰، صحیح] ''جماعت میں نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے، پھر جب اسے کسی بیابان میں پڑھے اور اس کا رکوع و سجود پورا کرے تو پچاس نمازوں کو پہنچ جاتی ہے۔'' سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جو شخص بیابان میں نماز پڑھے اس کے دائیں طرف ایک فرشتہ اور بائیں طرف ایک فرشتہ نماز پڑھتا ہے، پھر جب اذان کہے اور اقامت کہے تو اس کے پیچھے پہاڑوں کی طرح فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ [الموطأ: ۲۴۰، باب النداء في السفر] مگر یہ تابعی کا قول ہے، اس سے کوئی مسئلہ یا فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے دو فرشتوں سے ان کی مراد کراماً کاتبین ہوں، مگر ان کا ساتھ نماز پڑھنا پھر بھی دلیل کا محتاج ہے۔

5 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحرا میں اکیلے آدمی کا اذان کہنا مستحب (ثواب کا کام) ہے، خواہ وہاں کسی آدمی کے آ کر ساتھ ملنے کی امید نہ ہو، کیونکہ اگر نمازی نہ بھی آ سکے تو ان تمام چیزوں کی شہادت تو ضرور حاصل ہو گی جن تک اس کی آواز پہنچے گی۔ (فتح الباری)

6 ''جن یا انسان یا کوئی چیز'' کے الفاظ میں تمام جمادات، نباتات اور حیوانات شامل ہیں، چنانچہ ابن خزیمہ کی روایت میں ہے: «لَا يَسْمَعُ صَوْتَهُ شَجَرٌ وَلَا مَدَرٌ وَلَا حَجَرٌ وَلَا جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ» [صحیح ابن خزیمۃ : ۳۸۹] ''اس کی آواز جو بھی درخت یا اینٹ روڑا یا پتھر یا جن یا انسان سنے گا وہ اس کے لیے گواہی دے گا۔'' اور ابوداؤد اور نسائی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کے الفاظ یہ ہیں: «اَلْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهُ مَدَى صَوْتِهِ وَيَشْهَدُ لَهُ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ» [أبو داؤد : ۵۱۵۔ نسائي : ۶۴۵] ''مؤذن کو اس کی آواز کی انتہا تک بخش دیا جاتا ہے اور ہر تر اور خشک چیز اس کے لیے شہادت دیتی ہے۔'' (فتح الباری) ہر خشک و تر کی شہادت کی بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ملتی جلتی ہے: ﴿ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾ [بني إسرائيل : ٤٤] ''اور جو بھی چیز ہے وہ اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔'' کیونکہ ان سب میں ادراک موجود ہے، یہ صرف زبانِ حال کی بات نہیں، کیونکہ یہ سمجھنا تو کچھ مشکل نہیں۔ صحیح مسلم (۲۲۷۷) میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں جو مجھے مکہ میں بعثت سے قبل سلام کہا کرتا تھا۔'' (فتح الباری) اور قیامت کے دن زمین وہ سب کچھ بتائے گی جو اس پر کیا گیا۔ سورۂ زلزال میں فرمایا: ﴿ يَوْمَىِٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴾ [الزلزال : ٤] ''اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی۔''

7 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھیڑ بکریوں اور صحرا بیابان سے محبت اور خصوصاً فتنے کے ایام میں وہاں چلے جانا سلف صالحین کا عمل ہے، بشرطیکہ علم سے غافل نہ رہے اور بادیہ نشینوں کی سختی طبع سے بچے، ورنہ شہر میں رہنا بہت بڑی نعمت ہے، جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین اور بھائیوں کے شہر میں آنے کو اللہ کا احسان قرار دیا: ﴿ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ ﴾ [یوسف : ۱۰۰] ''اللہ نے مجھ پر احسان فرمایا جب اس نے مجھے قید سے نکالا اور تمھیں بادیہ سے لے آیا'' اور تمام انبیاء علیہم السلام شہروں اور بستیوں ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں دعوت کا کام کرتے رہے۔ [دیکھیے یوسف : ۱۰۹۔ القصص : ۵۹] یاد رہے کہ فتنے کے ایام میں صحرا اور بادیہ میں بھیڑ بکریاں چرا کر زندگی گزارنے کو رہبانیت سے کوئی نسبت نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ رَهْبَانِيَّةَ اِبْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ ﴾ [الحدید : ۲۷] ''اور دنیا سے کنارہ کشی تو انھوں نے خود ہی ایجاد کر لی، ہم نے اسے ان پر نہیں لکھا تھا مگر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے (انھوں نے یہ کام کیا)۔''

8 اس حدیث سے لاؤڈ سپیکر کے استعمال کا مستحب ہونا بھی ثابت ہوا، کیونکہ آواز جتنی دور جائے گی مسلمانوں اور مؤذن کے حق میں مفید اور شیطان کے لیے باعث تکلیف ہے۔

٦ - بَابُ مَا يُحْقَنُ بِالْأَذَانِ مِنَ الدِّمَاءِ

6۔ باب: اذان کی وجہ سے خونوں کا محفوظ کیا جانا

٦١٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا لَمْ يَكُنْ يَغْزُو بِنَا حَتَّى يُصْبِحَ وَ يَنْظُرَ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ، وَ إِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ، قَالَ : فَخَرَجْنَا إِلَى خَيْبَرَ، فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ لَيْلًا، فَلَمَّا أَصْبَحَ وَلَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا رَكِبَ وَرَكِبْتُ خَلْفَ أَبِي طَلْحَةَ وَ إِنَّ قَدَمِي لَتَمَسُّ قَدَمَ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ : فَخَرَجُوا إِلَيْنَا بِمَكَاتِلِهِمْ وَمَسَاحِيهِمْ، فَلَمَّا رَأَوُا النَّبِيَّ ﷺ قَالُوا : مُحَمَّدٌ وَاللّٰهِ! مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ! قَالَ : فَلَمَّا رَآهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ » [الصافات : ١٧٧]
[راجع : ٣٧١ـ أخرجه مسلم : ١٣٦٥، و في الجهاد (١٢٠) بزيادة]

610۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب ہمارے ہمراہ کسی قوم سے جنگ کرتے تو (ان پر) حملہ نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ صبح ہوتی اور آپ انتظار کرتے، پھر اگر کوئی اذان سنتے تو ان سے رک جاتے اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کر دیتے۔ (انس رضی اللہ عنہ نے) کہا: تو ہم خیبر کی طرف نکلے اور رات کو ان کی طرف پہنچے، جب صبح ہوئی اور آپ نے کوئی اذان نہ سنی تو سوار ہوئے اور میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سواری پر بیٹھا اور میرا قدم نبی ﷺ کے قدم کو چھو رہا تھا، تو وہ لوگ اپنی ٹوکریاں اور کسیاں لے کر ہماری طرف نکلے، جب انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے: محمد (آ گئے) اللہ کی قسم! محمد لشکر سمیت آ گئے۔ (انس رضی اللہ عنہ نے) کہا: جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں دیکھا تو فرمایا: ”اللہ اکبر، اللہ اکبر، خیبر خراب (ویران) ہو گیا۔ بے شک ہم جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ان لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے جنھیں ڈرایا جا چکا ہوتا ہے۔“

فوائد و مسائل: 1 یہ حدیث اور اس کے بعض فوائد (۳۷۱) میں گزر چکے ہیں، چند فوائد درج ذیل ہیں: زین بن منیر (نون کے فتحہ اور یاء مشددہ کے کسرہ کے ساتھ) نے کہا: اس باب اور اس سے پہلے دو بابوں سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اذان کے فوائد و ثمرات کا بیان ہے، چنانچہ پہلے باب میں نماز کے اجتماع کے لیے اذان کی فضیلت کا ذکر ہے، دوسرے باب میں اکیلے آدمی کی اذان سے ہر چیز کی شہادت کے حصول کا بیان ہے اور اس تیسرے باب میں اذان کی وجہ سے لوگوں کی جانوں کے محفوظ ہونے کا بیان ہے۔ (فتح الباری)

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان اسلام کا شعار (علامت) ہے، اسے ترک کرنا جائز نہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کسی علاقے کے لوگ اتفاق کر لیں کہ وہ اذان نہیں کہیں گے تو مسلمانوں کے امیر پر ان سے قتال کرنا واجب ہے اور جس علاقے کے لوگ اذان دیں ان پر حملہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہاں توحید و رسالت کی شہادت کا اعلان ہو رہا ہے۔ الا یہ کہ

کسی کفرِ صریح کی وجہ سے ان کا ارتداد یا بغاوت ثابت ہو جائے۔

3 ابو طلحہ رضی اللہ عنہ انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کے دوسرے خاوند تھے۔

4 إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ ...... : یہ سورۂ صافات کی ایک آیت سے اقتباس ہے: ﴿ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴾ [الصافات : ١٧٧] ''پھر جب وہ ان کے صحن میں اترے گا تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بری ہو گی۔''

5 جمعرات کے دن کو عربی میں '' يَوْمُ الْخَمِيسِ '' کہتے ہیں، مگر یہاں '' خَمِيسٌ '' کا معنی لشکر ہے، کیونکہ اس کے پانچ حصے ہوتے ہیں: مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ۔

٧۔ بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا سَمِعَ الْمُنَادِي؟

7۔ باب: جب اذان کہنے والے کو سنے تو کیا کہے؟

٦١١۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ »

[أخرجه مسلم : ٣٨٣]

611۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم اذان سنو تو وہی کہو جو مؤذن کہتا ہے۔''

فوائد 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان سن کر اس کا جواب دینا چاہیے۔ آج کل عموماً لوگ اذان کے وقت باتیں کرتے رہتے ہیں یا اپنے کام میں اس طرح مصروف رہتے ہیں کہ اذان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، نہ اس کا جواب دیتے ہیں، حالانکہ حق یہی ہے کہ باتیں چھوڑ کر اذان سنے اور سننے کے ساتھ ساتھ جواب دیتا جائے۔ اگر کسی وجہ سے ساتھ ساتھ جواب نہ دے سکے تو بعد میں دے دے۔ اگر قرآن کی تلاوت کر رہا ہو تب بھی تلاوت چھوڑ کر جواب دینا چاہیے، کیونکہ جواب دینے کا حکم ہے جب کہ عام قرآن کی تلاوت کسی حکم کی وجہ سے نہیں ہو رہی ہوتی۔ ہاں! اگر نماز پڑھ رہا ہو تو اذان کا جواب یا چھینک والے کی ''الحمد للہ'' کا جواب یا کسی آنے والے کے سلام کا لفظوں میں جواب دینا جائز نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا » [بخاري، باب لا يرد السلام في الصلاة : ١٢١٦] ''یقیناً نماز میں عظیم مشغولیت ہے۔'' قضائے حاجت میں مشغول ہو تو بعد میں جواب دے دے۔ اگر متعدد اذانیں ہوں تو کم از کم پہلی اذان کا جواب ضرور دے، بعد والی اذانوں کا جواب دے سکے تو ثواب ہے ورنہ ضروری نہیں، جس طرح نماز ایک دفعہ ضروری ہے۔

2 اس حدیث میں ہر کلمہ کے جواب میں وہی کلمہ کہنے کا حکم ہے، البتہ اس کے بعد والی حدیث سے معلوم ہوا کہ '' حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ '' کے جواب میں '' لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ '' کہنا چاہیے، کیونکہ تکبیر اور شہادتین کا جواب تو انھی کلمات کے ساتھ دیا جائے گا مگر مؤذن کے '' حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ '' (آؤ نماز کی طرف) کے جواب میں یہی کہنا کہ ''آؤ نماز کی طرف''

بے فائدہ بات ہے۔ اس لیے جب آپ اس کے جواب میں " لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ " کہتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ نماز اور فلاح کی طرف آنے کی دعوت تو قبول ہے مگر یہ کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق اور مدد کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔ البتہ " اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ " کے جواب میں یہی کلمہ کہا جائے گا، کیونکہ اس کے جواب میں کچھ اور بتایا نہیں گیا۔

٦١٢۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يَوْمًا، فَقَالَ مِثْلَهُ إِلَى قَوْلِهِ: وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ.

612۔ عیسیٰ بن طلحہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک دن معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انھوں نے (مؤذن کے جواب میں) اس کے کلمات ہی کی طرح " أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ " تک کہا۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ ابْنُ جَرِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى نَحْوَهُ. [انظر: ٦١٣، ٩١٤]

ہمیں اسحاق بن راہویہ نے بیان کیا کہ ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں ہشام نے یحییٰ سے اسی طرح بیان کیا۔

٦١٣۔ قَالَ يَحْيَى: وَحَدَّثَنِي بَعْضُ إِخْوَانِنَا، أَنَّهُ قَالَ لَمَّا قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، وَقَالَ: هٰكَذَا سَمِعْنَا نَبِيَّكُمْ ﷺ يَقُولُ. [راجع: ٦١٢]

613۔ یحییٰ نے کہا: اور ہمارے بعض بھائیوں نے مجھے بیان کیا کہ جب مؤذن نے " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ " کہا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: " لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ " اور کہا: ہم نے تمھارے نبی ﷺ کو اسی طرح کہتے سنا ہے۔

فوائد: 1 حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں یہ حدیث ہشام مذکور سے کئی سندوں سے مکمل حاصل ہوئی ہے، جن میں سے ایک اسماعیلی کی روایت (جو سنن کبریٰ بیہقی: ۶۰۲/۱، ح: ۱۹۲۸ میں) ہے: " مِنْ طَرِيقِ مُعَاذِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَحْيَى، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ طَلْحَةَ ...... الخ. " عیسیٰ بن طلحہ نے کہا: ہم معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو مؤذن نے اذان کہی اور کہا: " اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ " تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: " اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ " مؤذن نے کہا: " أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: " وَ أَنَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " مؤذن نے کہا: " أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ " تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: " وَ أَنَا أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ " یحییٰ نے کہا: تو میرے ایک ساتھی نے مجھے بیان کیا کہ جب مؤذن نے " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ " کہا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: " لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ " پھر کہا: "میں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح سنا ہے۔" (فتح الباری)

2 اس حدیث میں " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ " کے جواب میں " لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ " کا ذکر ہے، مگر " حَيَّ عَلَى

الْفَلَاحِ " کے جواب کا ذکر نہیں، سو وہ نسائی میں معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث میں " لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ " موجود ہے۔ [نسائي، باب القول إذا قال المؤذن ...... : ٦٧٧] اور صحیح مسلم (٣٨٥) میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت میں دونوں کلمات کا جواب " لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ " مروی ہے۔

٨ - بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ النِّدَاءِ

8۔ باب: اذان کے وقت دعا

٦١٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ ابْنُ أَبِي حَمْزَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: « مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ، وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ » [انظر : ٤٧١٩]

614۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص جب اذان سنے اور یہ کہے: اے اللہ! اس کامل دعوت اور دائمی نماز کے مالک! محمد (ﷺ) کو خاص قرب اور کامل برتری عطا فرما اور انھیں اس مقام محمود پر کھڑا کر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، تو قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔“

فوائد 1 یہ دعا اذان پوری ہونے کے بعد پڑھنی چاہیے، کیونکہ صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی حدیث ان لفظوں میں ہے: « إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ ...... ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ » [مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن ...... : ٣٨٤] ”جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جیسے وہ کہے، پھر مجھ پر صلاۃ بھیجو...... پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلے کا سوال کرو۔“

2 " اَللّٰهُمَّ " اصل میں ”یا اللہ“ تھا، ”یا“ کو حذف کر کے آخر میں میم مشدد لگا دیا گیا، اس لیے ”یا“ اور میم مشدد اکٹھے نہیں آتے۔

3 " اَلدَّعْوَةِ التَّامَّةِ " (کامل دعوت) سے مراد اللہ کی کبریائی، اس کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کی شہادت اور اس کی دعوت ہے، کیونکہ اللہ کی توحید اور نبی ﷺ کی رسالت میں کوئی نقص نہیں، نہ کبھی ان کو زوال ہے، جب کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نقص ہی نقص ہے اور محمد ﷺ کے سوا کسی کو نبی مان کر یا اس کے بغیر ہی کسی کی ہر بات کو واجب الاطاعت ماننا نقص ہی نقص ہے اور یہ سب کچھ باطل اور فنا ہونے والا ہے۔

4 " وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ " سے مراد " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ " یعنی اس نماز کی دعوت ہے جو قیامت تک ہمیشہ رہنے والی ہے، اس میں کوئی تبدیلی یا کمی بیشی نہیں ہوگی، نہ وہ کبھی منسوخ ہوگی۔

5 " آتِ " " أَتٰى يَأْتِي إِتْيَانًا " آنا اور " آتٰى يُؤْتِي إِيتَاءً " دینا۔ " آتِ “فعل امر ہے: دے، عطا کر۔ لغت میں "الْوَسِيلَةُ " کا معنی ہے: قرب، قریب ہونے کا ذریعہ، ”الف لام“ سے تخصیص ہو گئی۔ حدیث میں اس کی تفسیر رسول اللہ ﷺ سے آئی ہے: « ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ، لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ

اللّٰهِ، وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ » [مسلم، الصلاۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن ...... : ۳۸۴] یعنی وسیلہ جنت کا ایک مرتبہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لائق ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں گا۔

" اَلْفَضِيْلَةَ " ایسا مرتبہ جو تمام مراتب سے برتر ہو، اس سے مراد وہی مرتبۂ وسیلہ ہے اور ممکن ہے اس کے علاوہ کوئی اور مرتبہ ہو۔ " مَقَامًا مَّحْمُوْدًا " ایسا مقام جس پر فائز ہونے والے کی ہر ایک تعریف کرے، یہ اشارہ ہے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف: ﴿ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾ [بني إسرائيل : ۷۹] ''قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقامِ محمود پر کھڑا کرے۔'' اس میں اگرچہ " عَسٰى " کا لفظ آیا ہے جس کا معنی ہے ''امید ہے'' یا ''قریب ہے'' مگر یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے فرمان میں آئے تو وہ یقین کے معنی میں ہوتا ہے، کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ بادشاہوں کا بادشاہ امید دلا کر اسے پورا نہ کرے۔ اس لیے اسے اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہا گیا ہے، چنانچہ اس دعا میں نبی ﷺ کو مقامِ محمود عطا کرنے کی درخواست ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے وعدے کو بھی بطورِ وسیلہ پیش کیا گیا ہے۔

6 اکثر اہلِ علم مقامِ محمود سے مراد شفاعتِ کبریٰ کا مقام لیتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نبی ﷺ کو عرش پر بٹھانا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کرسی پر بٹھانا ہے اور یہ دونوں قول ایک جماعت سے بیان کیے گئے ہیں۔ اگر اسے صحیح فرض کریں تو یہ پہلے قول کے خلاف نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عرش یا کرسی پر بٹھانا شفاعتِ کبریٰ کی اجازت کی علامت ہو۔'' (فتح الباری) حافظ رحمہ اللہ نے اگرچہ بفرضِ صحت کہہ کر اس کے بے بنیاد ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے، مگر واضح طور پر اس کی نفی نہیں کی، حالانکہ اگر ان کے پاس معراج کے موقع پر یا قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کو عرش یا کرسی پر بٹھانے کی کوئی دلیل ہوتی تو اسے ضرور پیش کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات کہیں بھی قرآن یا حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ قرآن کی ایک آیت اللہ کے سوا کسی کے بھی عرش پر جانے کی نفی کرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴾ [بني إسرائيل : ۴۲، ۴۳] ''کہہ دے! اگر اس کے ساتھ کچھ اور معبود ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو اس وقت وہ عرش والے کی طرف کوئی راستہ ضرور ڈھونڈتے، پاک ہے وہ اور وہ بہت بلند ہے اس سے جو یہ کہتے ہیں، بہت زیادہ بلند ہونا۔''

7 عام لوگ اس دعا میں " وَالْفَضِيْلَةَ " کے بعد " وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ " اور اس کے آخر میں " وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ " پڑھتے ہیں، یہ الفاظ کسی حدیث سے ثابت نہیں، البتہ سنن کبریٰ بیہقی (۶۰۳/۱، ح: ۱۹۳۳) میں اس دعا کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں: « إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ » ''یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔''

8 اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مقامِ محمود عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، اس لیے اس نے آپ کو وہ مقام دینا ہی دینا ہے، پھر ہمیں آپ کے لیے وہ مقام عطا کرنے کی دعا کی تعلیم کیوں دی گئی ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر صلاۃ وسلام بھیجتے ہیں، اس کے باوجود ہمیں آپ پر صلاۃ و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی

حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ، فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا » [مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه …… : ٣٨٤] ''جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جیسے وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر صلاۃ پڑھو، کیونکہ جو مجھ پر ایک بار صلاۃ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس بار صلاۃ بھیجتا ہے۔''

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس نیت سے صلاۃ وسلام نہیں پڑھنا چاہیے، نہ ہی اس نیت سے آپ کے لیے وسیلہ وفضیلہ اور مقامِ محمود کی دعا کرنی چاہیے کہ ہماری دعا سے آپ کو یہ نعمتیں اور مقامات حاصل ہوں گے، بلکہ اس نیت سے صلاۃ وسلام پڑھنا اور یہ دعائیں کرنی چاہییں کہ آپ کو تو یہ مقام ملنا ہی ملنا ہے، اس صلاۃ وسلام اور دعا سے ہمارا شمار بھی آپ ﷺ کے محبین اور حلقہ بگوشوں میں ہو جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: « مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدْعُوْ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ، إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ » [مسلم : ٢٧٣٢۔ أبو داوٗد : ١٥٣٤] ''جو بھی مسلمان بندہ اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعا کرتا ہے تو اس پر فرشتہ کہتا ہے: اور تجھے بھی اس کی مثل عطا ہو۔'' تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے صلاۃ وسلام میں سے اور جنت کے مقامات میں سے کوئی حصہ مل جائے۔

9 حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ : اس کا معنی ''اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جائے گی'' درست نہیں، کیونکہ وہ اس دعا کے بغیر بھی حرام نہیں، اس لیے '' حَلَّتْ '' کا معنی '' اِسْتَحَقَّتْ '' یا '' وَجَبَتْ '' یا '' نَزَلَتْ عَلَيْهِ '' ہے، کیونکہ '' حَلَّ يَحُلُّ '' (بالضم) کا معنی '' إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ '' ہے۔ ''لام'' بمعنی '' عَلٰى '' ہے۔ اس کی تائید ابوداوٗد (۵۲۳) اور ترمذی (۳۶۱۴) کی روایت '' حَلَّتْ عَلَيْهِ '' سے ہوتی ہے۔ طحاوی (۱۴۵/۱) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں '' وَجَبَتْ لَهُ '' کے الفاظ ہیں، اس لیے ترجمہ ''واجب ہو جائے گی'' کیا گیا ہے۔

٩ - بَابُ الْاِسْتِهَامِ فِي الْأَذَانِ

9۔ باب: اذان کہنے کے لیے قرعہ ڈالنا

فائدہ: ''استہام'' کا لفظ ''سہم'' سے نکلا ہے، جس کا معنی تیر ہے۔ جب ایک چیز کے دعوے دار کئی ہوتے تو وہ ایک ایک تیر پر ایک ایک کا نام لکھ کر ایک تھیلے میں ڈال دیتے، پھر اس میں سے ایک تیر نکالتے، جس کا نام نکلتا اسے وہ چیز دے دی جاتی، پھر یہ لفظ ''قرعہ'' پر استعمال ہونے لگا خواہ وہ کسی طرح بھی ڈالا جائے، جیسے اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴾ [الصافات : ١٤١] ''پھر وہ قرعہ میں شریک ہوا تو ہارنے والوں میں سے ہو گیا۔''

وَ يُذْكَرُ أَنَّ أَقْوَامًا اخْتَلَفُوْا فِي الْأَذَانِ فَأَقْرَعَ بَيْنَهُمْ سَعْدٌ .

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اذان کہنے میں جھگڑا کیا تو سعد (بن ابی وقاص) رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان قرعہ ڈالا۔

فائدہ: تاریخ طبری (۵۶۶/۳) میں طبری نے اپنی سند کے ساتھ ابو وائل شقیق بن سلمہ سے روایت کی ہے، انھوں

نے کہا: ہم نے دن کے شروع حصے میں قادسیہ فتح کیا، واپس ہوئے تو مؤذن قتل ہو چکا تھا، اذان کا وقت ہوا تو کئی آدمیوں نے اذان میں جھگڑا کیا تو (امیر لشکر) سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان قرعہ ڈالا تو جس کا نام نکلا اس نے اذان کہی۔ (فتح الباری) ''قادسیہ'' عراق میں مشہور جگہ کا نام ہے جو ''قادس'' نامی آدمی کی طرف منسوب ہے۔ سنہ ۱۵ ہجری میں عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وہاں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان مشہور جنگ ہوئی جس سے آتش پرستوں کی کمر ٹوٹ گئی اور سلطنت فارس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس جنگ کے سپہ سالار سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔

٦١٥۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا»

[انظر: ٦٥٤، ٧٢١، ٢٦٨٩، و انظر في مواقيت الصلاة، باب: ٢٠۔ أخرجه مسلم: ٤٣٧ مختصرًا بقطعة، الصف الأول]

615۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر لوگ جان لیں کہ اذان اور پہلی صف میں کیا ہے، پھر قرعہ ڈالنے کے سوا اسے حاصل نہ کر سکیں تو ضرور اس پر قرعہ ڈالیں اور اگر وہ جان لیں کہ دوپہر کو (نماز کے لیے) جانے میں کیا ہے تو ضرور اس کی طرف جانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھیں اور اگر وہ جان لیں کہ عشاء اور صبح (کی نمازوں) میں کیا ہے تو ضرور ان میں آئیں خواہ گھٹتے ہوئے آئیں۔''

فوائد **1** اذان اور پہلی صف میں کیا ہے: ابوالشیخ کی ایک روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ''مِنَ الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ'' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی اذان اور پہلی صف میں کیا خیر و برکت ہے۔ (فتح الباری) اس خیر و برکت کو مبالغہ کے لیے مبہم رکھا ہے، یہ نہیں بتایا کہ وہ کتنی ہے، مطلب یہ کہ وہ اتنی ہے کہ اس کا بیان میں آنا مشکل ہے اور لوگوں کو اس کا علم ہونا مشکل ہے، اگر انھیں علم ہو جائے تو...... الخ۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جھگڑا ختم کرنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ قرعہ اندازی بھی ہے۔ جب ایک چیز کے متعدد دعوے دار ہوں اور کسی کے پاس ثبوت نہ ہو یا سب کے پاس ثبوت ہو مگر وہ صرف ایک ہی کو دی جا سکتی ہو تو قرعہ ڈال کر فیصلہ کر لیا جاتا ہے اور شریعت نے اسے معتبر مانا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے لیے متعدد ابواب قائم کیے ہیں، مثلاً: «هَلْ يُقْرَعُ فِي الْقِسْمَةِ؟» [كتاب الشركة، باب: ٦]، «اَلْقُرْعَةُ فِي الْمُشْكِلَاتِ» [كتاب الشهادات، باب: ٣٠] اور «اَلْقُرْعَةُ بَيْنَ النِّسَاءِ» [كتاب النكاح، باب: ٩٨] اور امام صاحب ان میں متعدد احادیث لائے ہیں، اس کے باوجود بعض لوگ قرعہ اندازی کو جوا قرار دے کر اس کا انکار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں حق بات ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔

١٠ - بَابُ الْكَلَامِ فِي الْأَذَانِ

10۔ باب: اذان کے دوران بات کرنا

وَتَكَلَّمَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ فِي أَذَانِهِ . وَ قَالَ الْحَسَنُ : لَا بَأْسَ أَنْ يَضْحَكَ وَهُوَ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ .

اور سلیمان بن صُرد رضی اللہ عنہ نے اپنی اذان کے درمیان بات کی۔ اور حسن نے کہا: اذان کہتے ہوئے یا اقامت کہتے ہوئے ہنسنے میں کوئی حرج نہیں۔

فائدہ سلیمان بن صُرد رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول ﷺ ہیں اور حسن بصری رحمہ اللہ معروف تابعی ہیں۔ سلیمان بن صُرد رضی اللہ عنہ کا اثر بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ (۱۲۲/۱) میں بیان کیا ہے کہ وہ لشکر میں اذان کہتے تھے اور اذان کے دوران اپنے غلام کو کوئی کام کہہ دیتے تھے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کے قول سے استدلال اس طرح ہے کہ جب ہنسنے میں کوئی حرج نہیں تو بات کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ نماز ان دونوں کاموں سے ٹوٹ جاتی ہے، مگر اذان میں یہ دونوں جائز ہیں، کیونکہ اذان پر نماز کے احکام لاگو نہیں ہوتے، مثلاً وضو واجب ہونا، ادھر ادھر نہ دیکھنا، نماز کے دوران دنیا کا کوئی کام نہ کرنا، نہ ہنسنا، نہ بات کرنا، نہ ادھر ادھر چلنا وغیرہ، یہ سب صرف نماز کے لیے واجب ہیں، اذان کے لیے نہیں۔

٦١٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ وَعَبْدِ الْحَمِيدِ صَاحِبِ الزِّيَادِيِّ وَعَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ : خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِي يَوْمٍ رَدْغٍ، فَلَمَّا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ : حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، فَأَمَرَهُ أَنْ يُنَادِيَ : الصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ، فَنَظَرَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَقَالَ : فَعَلَ هٰذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ، وَإِنَّهَا عَزْمَةٌ. [انظر : ٦٦٨، ٩٠١۔ أخرجه مسلم : ٦٩٩]

616۔ عبداللہ بن حارث نے کہا: (عبداللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما نے ہمیں ایک کیچڑ والے دن میں خطبہ دیا، جب مؤذن " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ " پر پہنچا تو انھوں نے اسے حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کرے: " اَلصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ " (گھروں میں نماز پڑھو) تو لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تو انھوں نے کہا: یہ کام اس نے کیا جو اس سے بہتر تھا اور یہ (جمعہ) عزیمت ہے۔

فوائد 1 ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اذان کے دوران مؤذن کو " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ " کی جگہ " اَلصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ " کہنے کا حکم دیا جو روزانہ اذان کا حصہ نہیں ہے، اس سے اذان کے دوران کلام کرنے کا جواز ثابت ہوا۔ 2 إِنَّهَا عَزْمَةٌ : یعنی اذان سن کر جمعہ کے لیے آنا عزیمت (ضروری) ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ﴾ [الجمعة : ٩] (اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو) اگر میں " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ " کہلواتا تو سب لوگوں کے لیے جمعہ میں آنا فرض ہو جاتا اور کیچڑ میں آنے سے انھیں تکلیف ہوتی، اس لیے میں

نے " اَلصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ " کہلوا دیا کہ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھو، اب رخصت ہوگئی، جو چاہے آئے جو چاہے نہ آئے۔

3 " اَلصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ " یا " أَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ " کے الفاظ "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کی جگہ کہے جائیں یا پوری اذان کے بعد آخر میں کہے جائیں دونوں طرح جائز ہے۔ بعد میں کہنے کی حدیث (۶۳۲) پر آ رہی ہے اور وہی راجح ہے۔

4 مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ : یعنی اس طرح اس مؤذن نے کیا جو اس مؤذن سے بہتر تھا، یعنی نبی ﷺ کے مؤذن نے ایسے کیا جو یقیناً اس مؤذن سے بہتر تھا۔ صحیح بخاری کے ایک نسخہ میں یہ لفظ ہیں: « مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي » یعنی یہ اس نے کیا جو مجھ سے بہتر تھا، یعنی رسول اللہ ﷺ نے مؤذن کو ایسے ہی فرمایا جو مجھ سے بہتر تھے۔

۱۱۔ بَابُ أَذَانِ الْأَعْمَى إِذَا كَانَ لَهُ مَنْ يُخْبِرُهُ

11۔ باب: نابینے کا اذان کہنا جب اسے کوئی بتانے والا ہو

۶۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : « إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ » ثُمَّ قَالَ : وَ كَانَ رَجُلًا أَعْمَى، لَا يُنَادِي حَتَّى يُقَالَ لَهُ : أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ . [انظر : ۶۲۰، ۶۲۲، ۱۹۱۸، ۲۶۵۶، ۷۲۴۸۔ أخرجه مسلم : ۱۰۹۲ دون قوله « و كان ...... »]

617۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلال رات کو اذان کہتا ہے تو تم کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان کہے۔'' پھر انھوں نے کہا: اور وہ نابینا آدمی تھا، اذان نہیں کہتا تھا یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا: تم نے صبح کر دی، تم نے صبح کر دی۔

فوائد 1 بعض لوگ نابینا آدمی کی اذان کو ناجائز، بعض مکروہ اور بعض خلافِ اولیٰ قرار دیتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم فرمایا کہ اگر نابینے آدمی کو کوئی وقت بتانے والا ہو تو اس کی اذان بلا کراہت جائز ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا ایک مؤذن نابینا تھا اور اب تو گھڑیوں اور موبائل نے نابینا حضرات کے لیے مسئلہ ہی حل کر دیا ہے۔

2 ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا نام عبد اللہ ہے، انھیں عمرو بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے والد کا نام قیس بن زائدہ القرشی العامری ہے، یہ ام المومنین خدیجہ بنت خُویلد رضی اللہ عنہا کے ماموں کے بیٹے ہیں۔ شروع اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ نبی ﷺ ان کا اکرام کرتے تھے اور آپ ﷺ نے متعدد مرتبہ انھیں مدینہ میں اپنا نائب بنایا۔ سورۂ عبس انھی کے بارے میں اتری۔ مدینہ میں ایک وقت میں نبی ﷺ کے بلال اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما دو مؤذن تھے۔ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جنگِ قادسیہ میں شریک ہوئے اور اسی میں شہید ہوئے۔ (فتح الباری)

١٢ ـ بَابُ الْأَذَانِ بَعْدَ الْفَجْرِ

12۔ باب: فجر کے بعد اذان کہنا

٦١٨ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِي حَفْصَةُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا اعْتَكَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ، وَبَدَا الصُّبْحُ، صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ تُقَامَ الصَّلَاةُ. [انظر: ١١٧٣، ١١٨١ـ أخرجه مسلم: ٧٢٣]

618۔ حفصہ ؓ سے روایت ہے کہ مؤذن جب صبح کی اذان کے لیے جم کر بیٹھا ہوتا اور صبح ظاہر ہو جاتی تو رسول اللہ ﷺ نماز کھڑی کی جانے سے پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھتے۔

فوائد 1 امام بخاری ؒ نے یہ باب اس لیے قائم کیا ہے کہ بعض اہل علم فجر سے پہلے اذان کو فجر کی نماز کے لیے کافی سمجھتے ہیں، بلکہ بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ آدھی رات کے بعد اذان کہہ دی جائے تو صبح کی اذان کی جگہ کافی ہے۔ بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ صبح کی نماز کے لیے اذان فجر کے بعد کہنا ضروری ہے، اس سے پہلے کہی ہوئی اذان نمازِ فجر کے لیے کافی نہیں، کیونکہ اس کا مقصد صبح کی نماز کی اطلاع دینا نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ اس لیے امام صاحب نے فجر کے بعد اذان کہنے کا باب پہلے ذکر کیا اور فجر سے پہلے اذان کہنے کا باب بعد میں ذکر کیا۔

2 صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں " كَانَ إِذَا اعْتَكَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ " کے الفاظ ہیں، حافظ ابن حجر ؒ کی تحقیق کے مطابق یہ کسی کاتب کی خطا ہے، اسے یوں ہونا چاہیے: " كَانَ إِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ " کہ جب مؤذن صبح کی اذان کہہ کر خاموش ہوتا۔ کیونکہ امام بخاری نے یہ حدیث امام مالک سے روایت کی اور امام مالک کی موطا میں ایسے ہی ہے کہ " إِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ " یعنی جب مؤذن صبح کی اذان کہہ کر خاموش ہو جاتا، اور امام مسلم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ (تیسیر الباری)

بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ " اِعْتَكَفَ " کا معنی ہے کہ مؤذن صبح کے انتظار میں جم کر بیٹھا ہوتا کہ جوں ہی صبح روشن ہو اذان کہہ دے، جب وہ اذان کہتا تو نبی ﷺ جماعت سے پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھتے۔ چنانچہ بخاری ؒ نے " بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ " میں "عن ایوب عن نافع" کے طریق سے ان الفاظ میں روایت بیان کی ہے: « كَانَ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ وَطَلَعَ الْفَجْرُ ...... » "جب مؤذن اذان کہتا اور فجر طلوع ہوتی تو آپ دو ہلکی رکعتیں پڑھتے۔" (فتح الباری)

٦١٩ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْإِقَامَةِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ. [انظر: ٦٢٦، ٩٩٤، ١١٢٣،

619۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ صبح کی اذان اور اقامت کے درمیان دو ہلکی رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

١١٥٩، ١١٦٠، ١١٦١، ١١٦٨، ١١٦٩، ١١٧٠، ١١٧١، ٦٣١٠، وانظر في الوتر، باب : ٢٠۔ أخرجه مسلم : ٧٢٤، ٧٣٦، مختصرًا بقطعة : ركعتي الفجر]

فائدہ اس حدیث سے تو باب کا مطلب نہیں نکلتا، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ کیا ہے جو آگے حدیث (٦٢٦) میں آئے گا۔ اس میں صاف وضاحت ہے کہ صبح کی نماز کے لیے اذان فجر واضح ہونے کے بعد کہی جاتی تھی۔ (فتح الباری) بعضوں نے کہا: اذان اور تکبیر کے بیچ میں یہ رکعتیں پڑھنے سے باب کا مطلب نکل آیا، کیونکہ اگر رات سے اذان ہوگی تو یہ رکعتیں بیچ میں نہ ہوں گی بلکہ تکبیر سے قریب ہوں گی۔ (تیسیر الباری)

٦٢٠۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « إِنَّ بِلَالًا يُنَادِي بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ » [راجع : ٦١٧۔ أخرجه مسلم : ١٠٩٢]

620۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بلال رات کو اذان کہتا ہے تو تم کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان کہے۔“

فوائد 1 اس حدیث میں ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان رات کو ہوتی تھی، اس سے ظاہر ہے کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان رات ختم ہونے کے بعد ہوتی تھی، اسی کا نام فجر ہے اور باب کا مقصد بھی یہی ہے۔

2 واضح رہے کہ بعض روایات اس کے برعکس ہیں، ان میں ہے کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ رات کے وقت اذان کہتے ہیں، اس لیے کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ بلال رضی اللہ عنہ اذان کہیں، بلکہ صحیح ابن خزیمہ (٢١٢/١، ح: ٤٠٨) کی روایت میں صراحت ہے کہ جب عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان کہیں تو کسی کو دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے، وہ نابینا ہیں، اس لیے اذان کے بعد سحری کھانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب بلال رضی اللہ عنہ اذان کہیں تو کھانا پینا بند کر دیا جائے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق روایات میں ہے کہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیان کے برعکس کہتی تھیں۔ فرماتی تھیں کہ بلال رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری تھی کہ وہ طلوع فجر کو دیکھتے رہیں۔ (صحیح ابن خزیمہ: ٢١١/١، ح: ٤٠٧) ان متعارض روایات کی تطبیق اس طرح ہے کہ جب اذان کا آغاز ہوا تو (رات کی اذان اور) صبح کی اذان بھی بلال رضی اللہ عنہ کہتے تھے، جیسا کہ ایک صحابیہ فرماتی ہیں کہ میرا مکان مدینے میں سب سے اونچا تھا، بلال رضی اللہ عنہ میرے مکان کی چھت پر چڑھ جاتے اور طلوعِ فجر کو دیکھتے رہتے، جب فجر طلوع ہو جاتی تو انگڑائی لیتے اور اذان شروع کر دیتے۔ اس کے بعد سحری کی اذان (پہلی اذان) پر ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا گیا۔ ایک مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخر میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو فجر کی اذان پر مقرر کر دیا گیا اور بلال رضی اللہ عنہ کو سحری کی اذان سونپ دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض اوقات بلال رضی اللہ عنہ نیند کے غلبے کی وجہ سے فجر کی اذان وقت سے پہلے کہہ دیتے جس کی بعد میں تلافی کرنا پڑتی۔ (دیکھیے ابوداود: ٥٣٢، صحیح) اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اذانِ فجر کے لیے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی لگا دی، چونکہ وہ نابینا تھے، اس

لیے وہ اس وقت اذان کہتے جب انھیں طلوعِ فجر کے متعلق اطلاع دی جاتی۔ [فتح الباري : ٢/١٣٥، ١٣٦] [هداية القاري بتغيير يسير]

١٣ـ بَابُ الْأَذَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ

13۔ باب: فجر سے پہلے اذان کہنا

٦٢١ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ ـ أَوْ أَحَدًا مِنْكُمْ ـ أَذَانُ بِلَالٍ مِنْ سَحُورِهِ، فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ ـ أَوْ يُنَادِي ـ بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ، وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ، وَلَيْسَ أَنْ يَقُولَ الْفَجْرُ أَوِ الصُّبْحُ» وَقَالَ بِأَصَابِعِهِ وَرَفَعَهَا إِلَى فَوْقُ وَطَأْطَأَ إِلَى أَسْفَلُ: «حَتَّى يَقُولَ هَكَذَا»

وَقَالَ زُهَيْرٌ: بِسَبَّابَتَيْهِ إِحْدَاهُمَا فَوْقَ الْأُخْرَى، ثُمَّ مَدَّهَا عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ. [انظر: ٥٢٩٨، ٧٢٤٧، وانظر في الصوم، باب: ١٧ـ أخرجه مسلم: ١٠٩٣]

621۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کسی کو بلال کی اذان اس کی سحری سے نہ روکے، کیونکہ وہ رات کو اذان دیتا ہے، تاکہ تمھارے قیام کرنے والے کو واپس لے آئے اور تمھارے سونے والے کو جگا دے (تاکہ جو روزہ رکھنا چاہے تو رکھ لے) اور فجر اس طرح نہیں ہوتی۔“ اور آپ نے اپنی انگلیوں کے ساتھ اشارہ کر کے سمجھایا، ان انگلیوں کو اوپر کی طرف اٹھایا، پھر نیچے کی طرف لے آئے: ”(فجر نہیں ہوتی) یہاں تک کہ اس طرح ہو جائے۔“

اور زہیر (راوی) نے اپنی دونوں شہادت کی انگلیوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھا، پھر دونوں کو اپنی دائیں اور بائیں جانب کھینچ دیا۔

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلی اذان صبح کاذب کے وقت ہوتی ہے جب رات کی تاریکی میں مشرق کی طرف سے ایک روشنی نمودار ہوتی ہے جو بھیڑیے کی دم کی طرح نیچے سے اوپر کی طرف پھیلتی ہے۔ یہ رات ہی کا حصہ ہوتی ہے، پھر کچھ دیر کے بعد صبح صادق یعنی اصل صبح نمودار ہوتی ہے جس کی روشنی دائیں سے بائیں طرف پھیلتی ہے، اس کے ساتھ صبح کی اذان اور نماز کا وقت ہو جاتا ہے اور روزہ دار کا کھانا پینا بند ہو جاتا ہے۔ امام صاحب کے اس باب کا مقصد یہ ہے کہ فجر سے پہلے بھی اذان ہوتی ہے مگر وہ صبح کی نماز کی اذان نہیں بلکہ سونے والے کو جگانے اور قیام والے کو آگاہ کرنے کے لیے ہوتی ہے۔

٦٢٢، ٦٢٣ ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَ: عُبَيْدُ اللَّهِ حَدَّثَنَا عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، وَعَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ

622، 623۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”بلال رات کو اذان کہتا ہے، تو تم کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان کہے۔“

رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : (ح) وَحَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ عِيسَى الْمَرْوَزِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا الْفَضْلُ، قَالَ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ : « إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ » [راجع : ٦١٧، وانظر : ١٩١٩ - أخرجه مسلم : ١٠٩٢]

فائدہ: اس حدیث کی شرح پچھلی حدیثوں میں گزر چکی ہے۔

١٤ - بَابٌ : كَمْ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ، وَمَنْ يَنْتَظِرُ الْإِقَامَةَ

14۔ باب: اذان اور اقامت کے درمیان کتنا وقت ہونا چاہیے اور جو آدمی اقامت کا انتظار کرے

٦٢٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ - ثَلَاثًا - لِمَنْ شَاءَ » [انظر : ٦٢٧ - أخرجه مسلم : ٨٣٨]

624۔ عبد اللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر دو اذانوں کے درمیان کچھ نہ کچھ نماز ہے۔ تین دفعہ فرمایا۔ اس کے لیے جو چاہے۔“

فوائد: 1 اذان اور نماز کے درمیان وقفے کے متعلق مشہور حدیث وہ ہے جو جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: « اجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَإِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْآكِلُ مِنْ أَكْلِهِ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهِ وَالْمُعْتَصِرُ إِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ » [ترمذي : ١٩٥] ”(اے بلال!) اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ رکھو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے، پینے والا اپنے پینے سے اور قضائے حاجت والا جو اپنی حاجت کے لیے گیا ہو اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے۔“ مگر یہ حدیث بہت ہی ضعیف ہے، کیونکہ اس کے راویوں میں سے بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عبدالمنعم متروک اور یحییٰ بن مسلم مجہول ہے۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث اور اس کی ہم معنی احادیث کے ضعف کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ان سب سے صرف نظر کر کے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کم از کم اتنا فاصلہ ضرور ہونا چاہیے کہ اگر کوئی اس میں نفل نماز پڑھنا چاہے تو دو رکعت ضرور پڑھ لے۔ یاد رہے کہ حدیث میں ”أَذَانَيْنِ“ سے مراد اذان اور اقامت ہے، کیونکہ اقامت کے الفاظ بھی وہی ہیں جو اذان کے ہیں اور ”صَلَاةٌ“ سے مراد نفل نماز ہے، کیونکہ ”اذانین“ سے مراد اگر دو اذانیں ہی ہوں تو ان کے درمیان تو فرض نماز ہے جو ہر ایک کو پڑھنا لازم ہے۔

جب کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « لِمَنْ شَاءَ » ”جو چاہے۔“ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ” أَذَانَيْنِ “ سے مراد دو اذانیں ہی ہوں، مگر ” صَلَاةٌ “ سے مراد نفل نماز ہو اور مطلب یہ ہو کہ ہر دو اذانوں کے درمیان فرض نماز کے علاوہ نفل نماز ہے، اس لیے ممنوع اوقات کے علاوہ جو نفل نماز پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

2 بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث مغرب کی اذان اور اقامت کے لیے نہیں، ان کے کہنے کے مطابق مغرب کی اذان کے بعد نفل پڑھنا جائز نہیں، یہ حدیث صرف دوسری نمازوں کے لیے ہے، کیونکہ مغرب کا وقت بہت کم ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صحابہ کثرت سے مغرب کی اذان کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے، جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث میں ہے۔ رہی وقت تنگ ہونے کی بات تو نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ ”یہ بات کہ ان دو رکعتوں سے مغرب کے اول وقت سے تاخیر ہوتی ہے یہ سنت کو پرے پھینک دینے والی فاسد بات ہے۔“ خود رسول اللہ ﷺ بعض اوقات مغرب کی نماز میں سورۂ اعراف پڑھا کرتے تھے جو سوا پارے کی سورت ہے، تو کیا مغرب میں اذان کے بعد دو رکعت کی گنجائش بھی نہیں؟ اگر گنجائش ہی نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے خاص مغرب کا نام لے کر کیوں فرمایا: « صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، قَالَ فِي الثَّالِثَةِ : لِمَنْ شَاءَ ، كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً » [بخاري : ١١٨٣] ”مغرب کی نماز سے پہلے نماز پڑھو۔“ تیسری دفعہ فرمایا: ”جو چاہے“ اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ لوگ اسے ضروری طریقہ نہ سمجھ لیں۔“

٦٢٥ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ : سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْأَنْصَارِيَّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ : كَانَ الْمُؤَذِّنُ إِذَا أَذَّنَ قَامَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يَبْتَدِرُونَ السَّوَارِيَ، حَتَّى يَخْرُجَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُمْ كَذٰلِكَ، يُصَلُّونَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ، وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ شَيْءٌ .

قَالَ عُثْمَانُ بْنُ جَبَلَةَ وَأَبُو دَاوُدَ ، عَنْ شُعْبَةَ : لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إِلَّا قَلِيلٌ . [راجع : ٥٠٣ـ أخرجه مسلم : ٨٣٧]

625۔ انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مؤذن جب اذان کہتا تو نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ جلدی سے ستونوں کی طرف جاتے تھے یہاں تک کہ نبی ﷺ (گھر سے) نکلتے تو وہ اسی حال میں ہوتے کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھ رہے ہوتے تھے اور ان دونوں (اذان اور اقامت) کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا تھا۔

اور عثمان بن جبلہ اور ابوداؤد نے شعبہ سے بیان کیا کہ ان دونوں (اذان اور اقامت) کے درمیان تھوڑا ہی فاصلہ ہوتا تھا۔

فائدہ یہ روایت اس سے پہلے حدیث (٥٠٣) میں گزر چکی ہے، اس روایت میں ہے: « كَانَ الْمُؤَذِّنُ إِذَا أَذَّنَ » اور مسند السراج (٥٧٤) میں ہے: « إِذَا أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي أَذَانِ الْمَغْرِبِ » ”جب مؤذن مغرب کی اذان کہنا شروع کرتا۔“ اس جگہ ہے: « قَامَ نَاسٌ » اور شرح مشکل الآثار (٥٣٩٩) کی روایت میں ہے: « قَامَ كِبَارُ أَصْحَابِ رَسُولِ

اللّٰهِ ﷺ » "رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ کھڑے ہو جاتے۔" صحیح مسلم (۸۳۷) میں ہے کہ اجنبی آدمی آتا تو وہ یہ سمجھتا کہ نماز پڑھی جا چکی ہے، ان لوگوں کی کثرت کی وجہ سے جو یہ دو رکعتیں پڑھ رہے ہوتے تھے۔ " شَيْءٌ " پر تنوین تعظیم کے لیے ہے، اس لیے ترجمہ کیا گیا ہے: "کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا تھا۔" اس کی تائید شعبہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ دونوں کے درمیان تھوڑا ہی فاصلہ ہوتا تھا۔

١٥- بَابُ مَنِ انْتَظَرَ الإِقَامَةَ

15- باب: جو شخص اقامت کا انتظار کرے

فائدہ اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد کوئی شخص اگر اقامت تک گھر میں رہے اور اقامت کا وقت ہونے پر مسجد میں جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ صرف امام کے لیے ہے کہ وہ اقامت کا وقت ہونے تک گھر میں اقامت کا انتظار کرے، کیونکہ مقتدی کو معلوم نہیں امام کب نماز کھڑی کر دے، ہاں! جس کا گھر مسجد کے قریب ہو اور وہ اقامت شروع ہونے پر شامل ہو سکتا ہو اس کے لیے اجازت ہے۔ آج کل گھڑیاں تقریباً سب کے پاس موجود ہیں، اس لیے اس انتظار کی گنجائش ہر ایک کے پاس ہے، البتہ پہلے جا کر نماز کے انتظار میں بیٹھنا افضل ہے، سوائے امام کے کہ اس کا اقامت کے وقت مسجد میں آنا مسنون ہے۔

٦٢٦- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ، بَعْدَ أَنْ يَسْتَبِينَ الْفَجْرُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ، حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْإِقَامَةِ. [راجع: ٦١٩]

626- عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مؤذن جب فجر کی پہلی اذان سے خاموش ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے اور فجر کی نماز سے پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھتے، اس کے بعد کہ فجر خوب واضح ہو جاتی، پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے، یہاں تک کہ مؤذن اقامت کے لیے آپ کے پاس آتا۔

فوائد 1 فجر کی پہلی اذان سے مراد وہ اذان ہے جو فجر طلوع ہونے کے بعد اقامت سے پہلے ہوتی ہے، اسے اقامت کے لحاظ سے پہلی کہا گیا ہے، کیونکہ اقامت بھی اذان کے الفاظ پر مشتمل ہے۔ " اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ " کے کلمات بھی اسی اذان میں کہے جاتے ہیں۔ اس سے مراد وہ اذان نہیں جو صبح صادق سے پہلے کہی جاتی ہے، کیونکہ صبح کی دو رکعتیں اس اذان کے بعد نہیں ہوتیں بلکہ اقامت سے پہلے والی اذان کے بعد ہوتی ہیں۔ 2 باب کے ساتھ حدیث کا تعلق یہ ہے کہ آپ ﷺ اذان کے بعد دو رکعتیں پڑھ کر مؤذن کے آنے تک دائیں پہلو پر لیٹ جاتے، اس سے معلوم ہوا کہ اذان کے بعد اقامت کے انتظار میں گھر کے اندر لیٹ سکتا ہے، خصوصاً امام اور جس کا گھر

مسجد کے اتنا قریب ہو کہ وہ اقامت سن کر تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ مل سکتا ہو۔ دوسرے لوگوں کے لیے افضل یہ ہے کہ مسجد میں آ کر انتظار کریں، تاکہ پہلی صف اور تکبیرِ تحریمہ کی فضیلت سے محروم نہ رہیں۔

١٦ـ بَابٌ : بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ لِمَنْ شَاءَ

16۔ باب: ہر دو اذانوں کے درمیان کچھ نہ کچھ نماز ہے اس شخص کے لیے جو چاہے

٦٢٧ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ، قَالَ : حَدَّثَنَا كَهْمَسُ بْنُ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ، بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ » ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ : « لِمَنْ شَاءَ » [راجع : ٦٢٤ ـ أخرجه مسلم : ٨٣٨]

627۔ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہر دو اذانوں کے درمیان کچھ نہ کچھ نماز ہے، ہر دو اذانوں کے درمیان کچھ نہ کچھ نماز ہے۔“ پھر تیسری بار فرمایا: ”اس کے لیے جو چاہے۔“

فائدہ اس کی شرح حدیث (۶۲۴) میں گزر چکی ہے۔

١٧ـ بَابُ مَنْ قَالَ : لِيُؤَذِّنْ فِي السَّفَرِ مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ

17۔ باب: جس نے کہا: سفر میں ایک ہی مؤذن اذان کہے

٦٢٨ـ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ : أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي نَفَرٍ مِنْ قَوْمِي، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً، وَكَانَ رَحِيمًا رَفِيقًا، فَلَمَّا رَأَى شَوْقَنَا إِلَى أَهَالِينَا قَالَ : « ارْجِعُوا فَكُونُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَصَلُّوا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ » [انظر : ٦٣٠، ٦٣١، ٦٥٨، ٦٨٥، ٨١٩، ٢٨٤٨، ٦٠٠٨، ٧٢٤٦، وانظر في العلم، باب : ٢٥ـ أخرجه مسلم : ٦٧٤]

628۔ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ہمراہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور ہم آپ کے پاس بیس راتیں رہے۔ آپ بے حد رحم والے، بہت نرم دل تھے۔ جب آپ نے ہمارے گھر والوں کی طرف ہمارا شوق دیکھا تو فرمایا: ”واپس جاؤ اور ان میں رہو اور انھیں دین سکھاؤ اور نماز پڑھو، جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک تمھارے لیے اذان کہے اور جو تم میں سے بڑا ہے وہ تمھیں امامت کروائے۔“

فوائد ① بعض لوگوں نے یہ بدعت ایجاد کر لی تھی کہ ایک سے زیادہ مؤذن کورس کی شکل میں اذان کہتے تھے، یعنی ہر کلمہ دو یا زیادہ مؤذن اکٹھے کہتے، تاکہ آواز زیادہ اونچی ہو اور دور تک جائے۔ بعض نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوا تھا کہ

مسجد کے چاروں کونوں کے میناروں پر ایک ایک مؤذن کھڑا ہوتا، پہلے اذان کا ایک کلمہ ایک مؤذن کہتا، پھر وہی کلمہ دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا کہتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ طریقے بدعت ہیں، ایک جگہ صرف ایک ہی مؤذن کو اذان کہنی چاہیے۔ واضح رہے کہ یہ طریقے اس وقت اختیار کیے گئے تھے جب لاؤڈ سپیکر ایجاد نہیں ہوا تھا، اب لاؤڈ سپیکر کی ایجاد نے مسئلہ ہی حل کر دیا ہے، زیادہ مؤذنوں کی ضرورت ہی نہیں رہی۔

2 باب میں سفر کا ذکر ہے جب کہ یہاں حدیث میں سفر کا ذکر نہیں، دراصل امام صاحب اشارہ کر رہے ہیں کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں سفر کا ذکر بھی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: دو آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، وہ دونوں سفر کا ارادہ رکھتے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « إِذَا أَنْتُمَا خَرَجْتُمَا، فَأَذِّنَا، ثُمَّ أَقِيمَا، ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا » [بخاري : ٦٣٠] ”جب تم دونوں نکلو تو اذان کہو، پھر اقامت کہو، پھر جو تم میں سے بڑا ہے وہ امامت کرائے۔“ الغرض تمام حدیثوں کو جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ سفر ہو یا حضر ایک جگہ ایک ہی مؤذن کو اذان کہنی چاہیے۔

3 مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی قوم بنو لیث بن بکر بن عبد مناف بن کنانہ تھی۔ ابن سعد (۳۰۵/۱) نے متعدد سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ بنو لیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب آپ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔ (فتح الباری) یہ سنہ ۹ ہجری کی بات ہے جسے ”عام الوفود“ کہا جاتا ہے، کیونکہ سنہ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہونے کے بعد ہر جانب سے وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا عرب حلقہ بگوشِ اسلام بن گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلطنت اور غلبے کے ہوتے ہوئے اسلام جس قدر پھیلتا ہے ضعف کی حالت میں اس قدر نہیں پھیلتا۔ ضعف کی حالت میں لوگوں کے پاس جایا جاتا ہے جب کہ غلبے کی صورت میں لوگ خود آتے ہیں، جیسا کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی آئے۔

4 استاذ سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے لیے ایک دو راتیں کافی نہیں ہوتیں، اسی لیے مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی آپ کے پاس بیس راتیں ٹھہرے۔ ٹھیک ہے ایک دو راتیں بھی فائدے سے خالی نہیں، مگر حصولِ علم کے لیے طولِ زمان اپنی جگہ ضروری ہے۔

5 اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ رحمت و رفق کا ذکر ہے، ایمان والوں کے ساتھ آپ کا یہی معاملہ تھا، فرمایا: ﴿ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [التوبة : ١٢٨] ”مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔“ البتہ کفار کے ساتھ یہ معاملہ نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ [الفتح : ٢٩] ”محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [المائدة : ٥٤] ”تو اللہ عنقریب ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے، مومنوں پر بہت نرم ہوں گے، کافروں پر بہت سخت۔“ اس لیے ہمیں بھی مسلم و کافر کے ساتھ معاملے میں اس فرق کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔

6 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کی زبانِ حال سے کوئی بات سمجھ میں آ رہی ہو تو اسی کو کافی سمجھنا چاہیے، زبانِ قال کا انتظار نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ آپ نے ان نوجوانوں کا شوق دیکھ کر ہی انھیں واپسی کی اجازت دے دی، ان کی زبان سے درخواست کا انتظار نہیں کیا۔

7 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو بلا ضرورت گھر سے باہر نہیں رہنا چاہیے، اسی لیے نبی ﷺ نے مسافر کو حکم دیا کہ وہ اپنی ضرورت پوری ہونے پر جلدی گھر واپس آ جائے۔ [دیکھیے بخاري : ۳۰۰۱]

8 نبی ﷺ نے ان دونوں بھائیوں کو فرمایا تھا: « وَصَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ »[بخاري : ٦٣١] ''اور اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ زبان کے ساتھ ہر بات تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی بجائے فعل کا حوالہ دے دینا بھی کافی ہوتا ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر اوقات وضو کی تفصیلات زبان سے بیان کرنے کی بجائے اس طرح وضو کر کے بتا دیتے جس طرح انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ بعض اوقات نبی ﷺ کی طرح نماز پڑھ کر بتا دیتے۔ حدیث سے جان چھڑانے والوں کا عجیب حال ہے کہ اگر انھیں نبی ﷺ کا کوئی قول سنایا جائے تو کہتے ہیں آپ کا عمل پیش کرو اور اگر آپ کا عمل بتایا جائے تو کہتے ہیں آپ کا حکم پیش کرو، حالانکہ اطاعت بھی ضروری ہے اور اتباع بھی۔ اطاعت حکم کی ہوتی ہے اور اتباع عمل کا، فرمایا: ﴿ فَاتَّبِعُوْنِيْ ﴾ [آل عمران : ۳۱] ''تو میری پیروی کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ [المائدة : ۹۲] ''اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو۔''

9 اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان اصحاب کو حکم دیا کہ وہ گھر والوں کے ساتھ رہیں اور انھیں تعلیم دیں۔ دین کی تعلیم سبھی لوگوں کو دینی چاہیے، پھر گھر والوں کا تو زیادہ حق ہے کہ انھیں دین کی تعلیم دی جائے۔

10 " فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ " سے معلوم ہوا کہ اذان نماز کا وقت ہونے کے بعد کہنی چاہیے، اس سے پہلے نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان کہنا فرض ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سفر و حضر میں اذان کہنے کا حکم دیا ہے اور یہ فرضِ کفایہ ہے، ایک آدمی کہہ دے تو سب کا فرض ادا ہو گیا، اگر کوئی بھی نہ کہے تو سب گناہ گار ہوں گے۔ اسی طرح جماعت بھی فرض ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے بڑے کو امامت کا حکم دیا اور ظاہر ہے کہ امامت جماعت ہی کی ہوتی ہے۔

11 اذان کہنے کے لیے علمی قابلیت یا عمر کی کوئی خاص حد مقرر نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک اذان کہہ دے۔ اس لیے بڑی عمر والوں کی موجودگی میں کم عمر اور زیادہ علم والوں کی موجودگی میں کم علم بھی اذان کہہ سکتا ہے۔ ہاں! امامت کے لیے قرآن و سنت کے علم میں برتری ضروری ہے۔ اگر علم میں سب برابر ہوں تو بڑی عمر والا جماعت کروائے گا۔ یہ دونوں بھائی چونکہ بیس راتیں رسول اللہ ﷺ کے پاس رہے تھے اس لیے علم میں اور صحابی ہونے میں دونوں برابر تھے، اس لیے آپ ﷺ نے ان میں سے بڑے کو امامت کا حکم دیا۔

١٨ - بَابُ الْأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ إِذَا كَانُوا جَمَاعَةً وَالْإِقَامَةِ، وَكَذٰلِكَ بِعَرَفَةَ وَجَمْعٍ، وَقَوْلِ الْمُؤَذِّنِ: الصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوِ الْمَطِيرَةِ

18۔ باب: مسافر جب زیادہ ہوں تو ان کا اذان اور اقامت کہنا، اسی طرح عرفات اور مزدلفہ میں بھی (اذان اور اقامت کہنا) اور مؤذن کا سردی والی یا بارش والی رات میں "اَلصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ" کہنا

٦٢٩ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْمُهَاجِرِ أَبِي الْحَسَنِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ، فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ، فَقَالَ لَهُ: «أَبْرِدْ» ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ، فَقَالَ لَهُ: «أَبْرِدْ» ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ، فَقَالَ لَهُ: «أَبْرِدْ» حَتَّى سَاوَى الظِّلُّ التُّلُولَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ»

[راجع: ٥٣٥۔ أخرجه مسلم: ٦١٦]

629۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، مؤذن نے ارادہ کیا کہ اذان کہے تو آپ ﷺ نے اس سے کہا: "ٹھنڈا ہونے دو۔" اس نے پھر اذان کہنے کا ارادہ کیا تو آپ نے اس سے فرمایا: "ٹھنڈا ہونے دو۔" اس نے پھر اذان کہنے کا ارادہ کیا تو آپ نے اسے فرمایا: "ٹھنڈا ہونے دو۔" یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: "گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہے۔"

فائدہ یہ حدیث (٥٣٥) میں گزر چکی ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سفر میں اذان اور اقامت نہیں کہنی چاہیے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے کہ سفر میں اذان نہیں صرف اقامت ہونی چاہیے، کیونکہ اذان صرف لشکر یا ایسے قافلے میں ہونی چاہیے جس کا امیر ہو، ہاں! فجر کے وقت وہ دو اذانیں کہتے تھے۔ (فتح الباری) امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ باب لانے سے مقصد یہ ہے کہ سفر میں بھی اگر ایک سے زیادہ آدمی ہیں تو انھیں تمام نمازوں کے لیے اذان اور اقامت کہنی چاہیے، جیسا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سفر میں تھے اس کے باوجود آپ نے مؤذن (بلال رضی اللہ عنہ۔ فتح الباری) سے ظہر کی اذان کچھ تاخیر سے دلوائی، اسی طرح مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کو بھی آپ نے اذان اور اقامت کا حکم دیا، جیسا کہ اس کے بعد والی احادیث میں آ رہا ہے۔ عرفات اور مزدلفہ میں بھی اسی طرح اذان کہنی چاہیے۔ اس سے ان احادیث کی طرف اشارہ ہے جن میں ہے کہ نبی ﷺ نے حج کے موقع پر عرفات میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر اور عصر اور ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء پڑھی۔

٦٣٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، قَالَ: أَتَى رَجُلَانِ النَّبِيَّ ﷺ

630۔ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس دو آدمی آئے جو سفر کا ارادہ کر رہے تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم دونوں نکلو تو اذان کہو، پھر اقامت کہو،

يُرِيدَانِ السَّفَرَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا أَنْتُمَا خَرَجْتُمَا فَأَذِّنَا، ثُمَّ أَقِيمَا، ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا»

[راجع: ٦٢٨۔ أخرجه مسلم: ٦٧٤]

پھر تم دونوں میں سے بڑا تمھیں امامت کروائے۔"

فائدہ: اس حدیث کی شرح کے لیے (۶۲۸) ملاحظہ فرمائیں۔

٦٣١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ: أَتَيْنَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ يَوْمًا وَلَيْلَةً، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَحِيمًا رَفِيقًا، فَلَمَّا ظَنَّ أَنَّا قَدِ اشْتَهَيْنَا أَهْلَنَا - أَوْ قَدِ اشْتَقْنَا - سَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا بَعْدَنَا، فَأَخْبَرْنَاهُ قَالَ: «ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ، فَأَقِيمُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ - وَذَكَرَ أَشْيَاءَ أَحْفَظُهَا أَوْ لَا أَحْفَظُهَا - وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ» [راجع: ٦٢٨۔ أخرجه مسلم: ٦٧٤]

631۔ مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کے پاس آئے اور ہم قریب قریب عمر والے جوان تھے۔ ہم آپ کے پاس بیس دن راتیں رہے اور رسول اللہ ﷺ بے حد رحم والے، بہت نرم دل تھے۔ جب آپ نے سمجھا کہ ہمیں گھر والوں کے پاس جانے کی خواہش ہے یا شوق ہے تو آپ نے ہم سے پوچھا کہ تم اپنے پیچھے کن کن کو چھوڑ آئے ہو، تو ہم نے آپ کو بتایا۔ آپ نے فرمایا: "اپنے گھر والوں کے پاس واپس جاؤ، ان میں رہو اور انھیں تعلیم دو اور انھیں احکام بتاؤ" اور آپ نے کچھ چیزوں کا ذکر کیا جو مجھے یاد ہیں یا (یہ کہا کہ) وہ مجھے یاد نہیں ہیں۔ (نیز فرمایا:) "اور اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے دیکھا ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ تو جب نماز کا وقت ہو تو تم میں سے ایک تمھارے لیے اذان کہے اور تم میں سے جو بڑا ہے وہ تمھیں امامت کروائے۔"

فائدہ: اس کی شرح حدیث (۶۲۸) میں ملاحظہ فرمائیں، یہاں لانے سے مقصود سفر میں اذان اور اقامت کہنے کا حکم ہے۔

٦٣٢۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، قَالَ: أَذَّنَ ابْنُ عُمَرَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ بِضَجْنَانَ، ثُمَّ قَالَ: صَلُّوا فِي رِحَالِكُمْ، فَأَخْبَرَنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ مُؤَذِّنًا يُؤَذِّنُ، ثُمَّ يَقُولُ عَلَى إِثْرِهِ: «أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ» فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوِ الْمَطِيرَةِ فِي السَّفَرِ.

[انظر: ٦٦٦۔ أخرجه مسلم: ٦٩٧]

632۔ نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سردی والی رات میں (مکہ کے قریب واقع پہاڑ) ضجنان پر اذان کہی، پھر فرمایا: اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو، پھر ہمیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں سردی والی یا بارش والی رات میں مؤذن کو حکم دیتے کہ اذان کہے، پھر اس کے بعد یوں کہے: "سنو! اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو۔"

فائدہ اس سے پہلے حدیث (۶۱۶) میں ابن عباس ؓ کی روایت گزری ہے کہ انھوں نے جمعہ کے دن مؤذن کو " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ " اور " حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ " کی جگہ " اَلصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ " کہنے کا حکم دیا۔ زیر شرح حدیث میں ابن عمر ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ مؤذن کو اذان کہنے کے بعد " أَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ " کہنے کا حکم دیتے تھے۔ اس لیے دونوں طرح عمل جائز ہے، البتہ ابن عمر ؓ والی روایت پر عمل زیادہ جامع ہے، تاکہ جو " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ " سن کر نماز کے لیے آنا چاہے آجائے اور جو " أَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ " سن کر نہ آنا چاہے نہ آئے۔

٦٣٣- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِالْأَبْطَحِ، فَجَاءَهُ بِلَالٌ فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ خَرَجَ بِلَالٌ بِالْعَنَزَةِ حَتَّى رَكَزَهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِالْأَبْطَحِ، وَأَقَامَ الصَّلَاةَ. [راجع: ١٨٧- أخرجه مسلم: ٥٠٣ مطولاً]

633- ابو جحیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ابطح میں دیکھا کہ آپ کے پاس بلال ؓ آئے اور انھوں نے آپ کو نماز کی اطلاع دی، پھر بلال ؓ برچھی لے کر نکلے، یہاں تک کہ انھوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ابطح میں گاڑ دیا اور نماز کی اقامت کہہ دی۔

فائدہ یہ حدیث (۱۸۷) میں گزر چکی ہے۔ ابطح، بطحاء اور محصب سیلاب کی وسیع گزرگاہ جس میں مٹی اور سنگریزے بچھے ہوئے ہوں۔ منیٰ کے قریب ایک جگہ ہے جہاں رسول اللہ ﷺ حج کے موقع پر ٹھہرے تھے۔ اس حدیث سے باب کا مسئلہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر میں اذان اور اقامت کہلوائی۔

١٩- بَابٌ: هَلْ يَتَتَبَّعُ الْمُؤَذِّنُ فَاهُ هَاهُنَا وَهَاهُنَا، وَهَلْ يَلْتَفِتُ فِي الْأَذَانِ؟

19- باب: کیا مؤذن اپنا منہ اِدھر اُدھر پھیرے اور کیا اذان میں اِدھر اُدھر دیکھے؟

وَيُذْكَرُ عَنْ بِلَالٍ أَنَّهُ جَعَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ. وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَجْعَلُ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ. وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: لَا بَأْسَ أَنْ يُؤَذِّنَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ. وَقَالَ عَطَاءٌ: الْوُضُوءُ حَقٌّ وَسُنَّةٌ. وَقَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللَّهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ.

اور بلال ؓ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالیں۔ اور ابن عمر ؓ کانوں میں انگلیاں نہیں ڈالتے تھے۔ اور ابراہیم نے کہا: کوئی حرج نہیں کہ وضو کے بغیر اذان کہے۔ اور عطاء نے کہا: وضو حق اور سنت ہے۔ اور عائشہ ؓ نے کہا: نبی ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

فوائد 1 اس باب میں امام صاحب نے تین مسائل بیان کیے ہیں: ایک یہ کہ کیا مؤذن اذان میں دائیں اور

بائیں جانب اپنا منہ پھیر سکتا ہے؟ دوسرا یہ کہ کیا مؤذن اذان کہتے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالے گا؟ اور تیسرا یہ کہ کیا اذان کے لیے وضو ضروری ہے؟ ان تمام مسائل کا اصل یہ ہے کہ اذان نماز سے الگ ایک عبادت ہے، اس میں وہ پابندیاں نہیں ہیں جو نماز میں ہیں، مثلاً نماز کے لیے باوضو ہونا، قبلہ رخ رہنا، ادھر ادھر نہ دیکھنا، کسی سے بات نہ کرنا، ہنسنے سے اجتناب کرنا اور خشوع وخضوع لازم ہے اور ان سب باتوں کی دلیل قرآن یا حدیث میں موجود ہے جب کہ اذان کے لیے ان میں سے کوئی پابندی قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔

2 اذان کے دوران دائیں بائیں طرف پھرنے اور دیکھنے کے بارے میں آئندہ حدیث کے تحت بات ہوگی۔

3 اذان کے دوران کانوں میں انگلیاں ڈالنے سے متعلق امام صاحب نے دو آثار نقل کیے ہیں: ایک یہ کہ بلال ؓ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ڈالیں۔ دوسرا یہ کہ ابن عمر ؓ اپنے کانوں میں انگلیاں نہیں ڈالتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس میں وسعت ہے، کانوں میں انگلیاں ڈالے یا نہ ڈالے دونوں طرح ٹھیک ہے۔ البتہ ایک بات قابلِ توجہ ہے کہ انھوں نے بلال ؓ کے اثر کو "يُذْكَرُ" (ذکر کیا جاتا ہے) کے الفاظ سے بیان کیا ہے، جو وہ عام طور پر ایسی روایت کے متعلق استعمال کرتے ہیں جس میں کوئی کمزوری ہوتی ہے، جب کہ ابن عمر ؓ کے اثر کو ایسے الفاظ سے بیان کیا ہے جن میں جزم ویقین ہے، اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ ان کے نزدیک ابن عمر ؓ کا عمل راجح ہے، اگرچہ دوسرا بھی جائز ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر ؒ نے کچھ آثار وشواہد کے ساتھ اسے قوی بنایا ہے، جن میں سے ایک ابو جحیفہ ؓ سے مروی ترمذی کی حدیث ہے کہ میں نے بلال ؓ کو اذان کہتے ہوئے دیکھا، وہ گھوم رہے تھے اور منہ کو ادھر اور اُدھر لے جا رہے تھے اور ان کی انگلیاں ان کے کانوں میں تھیں۔ (ترمذی: ۱۹۷) ترمذی نے اسے حسن صحیح اور شیخ البانی ؒ نے صحیح کہا ہے۔ حافظ ؒ فرماتے ہیں کہ کانوں میں انگلیاں ڈالنے کے دو فائدے ہیں: ایک یہ کہ اس سے آواز بلند ہو جاتی ہے، دوسرا یہ کہ یہ اذان کی علامت ہے، دور والا یا بہرا آدمی اسے دیکھ کر جان لیتا ہے کہ مؤذن اذان کہہ رہا ہے۔ آج کل لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں ڈالنے یا دائیں بائیں پھرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہی، اس لیے اگر یہ عمل نہ بھی کیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

4 اذان باوضو ہو کر کہنے کے متعلق امام صاحب نے ایک قول ابراہیم نخعی کا بیان کیا ہے کہ وضو کے بغیر اذان کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ دوسرا عطاء کا کہ وضو حق اور سنت ہے مگر ساتھ ہی ام المومنین عائشہ ؓ سے مروی حدیث ذکر کی ہے کہ نبی ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ ابراہیم نخعی ؒ کی بات کو ترجیح دے رہے ہیں کہ اذان کے لیے وضو ضروری نہیں۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ باوضو اذان کہنا یا اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی ذکر کرنا بے وضو سے افضل ہے، کیونکہ وضو اپنی جگہ خود ایک عبادت ہے۔

٦٣٤ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ

634۔ ابو جحیفہ ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے بلال ؓ کو اذان کہتے ہوئے دیکھا تو میں بھی اذان میں ان کے منہ

رَأَى بِلَالًا يُؤَذِّنُ، فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُ فَاهُ هَاهُنَا وَ هَاهُنَا بِالْأَذَانِ. [راجع : ١٨٧- أخرجه مسلم : ٥٠٣ مطولاً]

کی پیروی کرتے ہوئے اِدھر اور اُدھر منہ پھیرنے لگا۔

فائدہ ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا کچھ حصہ حدیث (١٨٧) میں گزر چکا ہے۔ اس حدیث میں مؤذن کے منہ کو اِدھر اُدھر پھیرنے کا ذکر ہے۔ صحیح مسلم میں اس کے راوی سفیان سے وکیع کی روایت مفصل ہے۔ اس کے لفظ یہ ہیں: « فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُ فَاهُ هَاهُنَا وَهَاهُنَا - يَقُوْلُ : يَمِيْنًا وَشِمَالًا - يَقُوْلُ : حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ »[مسلم : ٥٠٣/٢٤٩] ''تو میں بھی ان کے منہ کی پیروی کرتے ہوئے اِدھر اُدھر یعنی دائیں اور بائیں طرف اپنا منہ پھیرنے لگا، جب وہ " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ " اور " حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ " کہہ رہے تھے۔'' اس میں اذان میں منہ اِدھر اُدھر پھیرنے کا موقع بھی بیان ہوا ہے کہ وہ " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ " کے وقت ہے اور یہ کہ اِدھر اُدھر صرف منہ پھیرنا ہے، پورا جسم نہیں پھیرنا۔ ابن خزیمہ نے اس حدیث (٣٨٧) پر ان دونوں باتوں کا باب قائم کیا ہے۔ پھر اس بات میں اختلاف ہے کہ " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ " میں دونوں دفعہ دائیں طرف اور " حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ " میں دونوں دفعہ بائیں طرف منہ پھیرنا چاہیے یا " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ " اور " حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ " دونوں میں ایک دفعہ دائیں اور ایک دفعہ بائیں طرف منہ پھیرنا چاہیے۔ ابن بطال نے ''شرح صحیح بخاری'' میں فرمایا: پہلی صورت حدیث کے الفاظ کے زیادہ قریب ہے جب کہ دوسری صورت میں دونوں کلموں کو دائیں اور بائیں جانب کا حصہ مل جاتا ہے۔

واضح رہے کہ اس منہ پھیرنے کا فائدہ اس وقت ہے جب کسی اونچی جگہ اذان کہہ رہا ہو اور دائیں اور بائیں دونوں جانب آواز دور تک پہنچانا مقصود ہو۔ لاؤڈ سپیکر میں اس کی ضرورت نہیں، ہاں! بلال رضی اللہ عنہ سے مشابہت کا شرف حاصل کرنے کے لیے منہ پھیر لے تو بہتر ہے۔ اس حدیث سے بھی اذان اور نماز کا فرق واضح ہو رہا ہے کہ نماز میں نہ دائیں بائیں منہ پھیرنا جائز ہے نہ اِدھر اُدھر دیکھنے کی اجازت ہے جب کہ اذان میں بلال رضی اللہ عنہ یہ دونوں کام کرتے تھے۔

یہاں اذان سے متعلقہ مسائل ختم ہیں، اس کے بعد نماز باجماعت کے مسائل ذکر ہوں گے۔

٢٠ - بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ : فَاتَتْنَا الصَّلَاةُ

20- باب: آدمی کا یہ کہنا کہ ہم سے نماز رہ گئی (کیسا ہے؟)

وَكَرِهَ ابْنُ سِيْرِيْنَ أَنْ يَقُوْلَ : فَاتَتْنَا الصَّلَاةُ، وَلٰكِنْ لِيَقُلْ : لَمْ نُدْرِكْ ، وَقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ أَصَحُّ .

اور ابن سیرین نے اس طرح کہنا ناپسند کیا کہ ہم سے نماز رہ گئی، بلکہ یوں کہے کہ ہم نماز نہیں پا سکے۔ اور نبی ﷺ کی بات بہت صحیح ہے۔

٦٣٥- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ

635- ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس دوران کہ ہم

يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ سَمِعَ جَلَبَةَ رِجَالٍ، فَلَمَّا صَلَّى قَالَ: « مَا شَأْنُكُمْ ؟ » قَالُوا: اسْتَعْجَلْنَا إِلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: « فَلَا تَفْعَلُوا، إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا » [وانظر في الأذان، باب: ٢١ـ أخرجه مسلم: ٦٠٣]

نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے کچھ آدمیوں کی حرکت کا شور سنا۔ جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا: ''تمھارا معاملہ کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: ہم نے نماز کے لیے آنے کی وجہ سے جلدی کی، آپ نے فرمایا: ''ایسا مت کرو، جب تم نماز کے لیے آؤ تو آرام سکون کو لازم رکھو، پھر جو تم پالو اتنی نماز پڑھ لو اور جو تم سے رہ جائے اسے پورا کرلو۔''

فائدہ ابن سیرین کی بات کا مقصد یہ ہے کہ رہ جانے یا فوت ہو جانے کی نسبت نماز کی طرف نہیں کرنی چاہیے کہ وہ رہ گئی، بلکہ اپنی طرف کرنی چاہیے اور یوں کہنا چاہیے کہ ہم نماز نہیں پا سکے۔ ان کی یہ بات مصنف ابن ابی شیبہ (٢٦٥/٢، ح: ٨٨٢٦) میں مروی ہے۔ امام بخاری نے اس پر حدیث ذکر کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: « وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا » ''اور جو تم سے رہ جائے (فوت ہو جائے) اسے پورا کرو۔'' مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ یہ الفاظ کہہ رہے ہیں اور فوت ہونے کی نسبت نماز کی طرف کر رہے ہیں تو یہ کہنا ناپسند اور مکروہ کیوں ہے۔ امام صاحب کے الفاظ " وَقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ أَصَحُّ " (اور نبی ﷺ کا فرمان زیادہ صحیح ہے) کا یہ مطلب نہیں کہ ابن سیرین کی بات بھی صحیح ہے مگر نبی ﷺ کی بات زیادہ صحیح ہے، کیونکہ جو بات نبی ﷺ کے خلاف آئے گی وہ غیر صحیح ہے، اس کے صحیح ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسم تفضیل ہمیشہ مقابلے کے لیے نہیں آتا بلکہ مبالغے کے لیے بھی آتا ہے، مطلب یہ ہوگا کہ نبی ﷺ کی بات بہت صحیح ہے۔ مسند احمد (٢٢٥٧٥) میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں صحابہ کے نماز سے سوئے رہنے کا ذکر ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: « فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَاتَتْنَا الصَّلَاةُ » ''میں نے کہا: یا رسول اللہ! ہماری نماز رہ گئی۔'' تو نبی ﷺ نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا۔ اگر اس طرح کہنا درست نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس پر خاموش نہ رہتے۔

٢١ ـ بَابٌ: لَا يَسْعَى إِلَى الصَّلَاةِ وَلْيَأْتِ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ

21۔ باب: نماز کے لیے دوڑ کر نہ آئے، بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ آئے

وَقَالَ: « مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا » قَالَهُ أَبُو قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اور (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا: ''جتنی نماز تم پالو پڑھو اور جو تم سے رہ جائے اسے پورا کرو۔'' اسے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فائدہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ الفاظ حدیث (٦٣٥) میں گزر چکے ہیں۔

٦٣٦۔ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ، فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ، وَلَا تُسْرِعُوا، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا» [انظر: ٩٠٨۔ أخرجه مسلم: ٦٠٢]

636۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم اقامت سنو تو نماز کے لیے چل کر آؤ اور سکون اور وقار کو لازم پکڑو اور دوڑ کر نہ آؤ، پھر تم جتنی نماز پالو پڑھو اور جو تم سے رہ جائے اسے پورا کرو۔''

فوائد 1 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے پچھلے باب میں مروی حدیث میں ایک فرق ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اقامت سن کر سکون اور وقار سے آنے اور دوڑ کر نہ آنے کا حکم ہے جب کہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہے کہ جب تم نماز کے لیے آؤ، یعنی خواہ اقامت سن کر آؤ یا اس سے پہلے آؤ، سکون اور وقار سے چل کر آؤ، دوڑ کر نہ آؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف اقامت سننے کے بعد ہی نہیں پہلے بھی سکون اور وقار کے ساتھ ہی آنا لازم ہے، دوڑ کر نہیں آنا چاہیے، کیونکہ یہ وقار اور سکون کے خلاف ہے، دوڑ کر آنے سے سانس بھی چڑھ جاتا ہے اور آدمی گھبرایا ہوا ہوتا ہے۔ اس سے نماز کے خشوع و خضوع میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ سکینت کا تعلق دل سے ہے، فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [الفتح: ٤] ''وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی۔'' اور وقار کا اظہار اعضا سے ہوتا ہے، جو دل کی سکینت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

2 اقامت سن کر دوڑ کر آنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ تکبیر تحریمہ اور رکعت نہ رہ جائے۔ اقامت سے پہلے دوڑ کر آنے کی وجہ بھی یہی ہو سکتی ہے کہ نماز پوری مل جائے، اس کا کچھ حصہ رہ نہ جائے۔ دونوں صورتوں میں دوڑ کر آنے کی ممانعت کی حکمت اسی حدیث کے ان زائد الفاظ سے معلوم ہوتی ہے جو مسلم نے '' اَلْعَلَاءُ عَنْ أَبِيْهِ '' کے طریق سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیے ہیں، چنانچہ انھوں نے اس باب میں مذکور حدیث کی طرح نقل کرنے کے بعد اس کے آخر میں یہ الفاظ روایت کیے ہیں: « فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ يَعْمِدُ إِلَى الصَّلَاةِ فَهُوَ فِيْ صَلَاةٍ » [مسلم: ٦٠٢/١٥٢] ''کیونکہ تم میں سے کوئی شخص جب نماز کے ارادے سے جا رہا ہو تو وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔'' یعنی وہ نمازی کے حکم میں ہوتا ہے، اس لیے اسے نمازی ہی کی طرح سکون و وقار کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور ان چیزوں سے بچنا چاہیے جن سے نمازی اجتناب کرتا ہے۔ یہ حکمت اس حدیث میں زیادہ صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے جو ابو داؤد نے '' عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ '' کے طریق سے مرفوع بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: « إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ خَرَجَ

إِلَى الصَّلَاةِ لَمْ يَرْفَعْ قَدَمَهُ الْيُمْنَى إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ حَسَنَةً، وَلَمْ يَضَعْ قَدَمَهُ الْيُسْرَى إِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْهُ سَيِّئَةً فَلْيُقَرِّبْ أَحَدُكُمْ أَوْ لِيُبْعِدْ فَإِنْ أَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى فِي جَمَاعَةٍ غُفِرَ لَهُ، فَإِنْ أَتَى الْمَسْجِدَ وَقَدْ صَلَّوْا بَعْضًا وَبَقِيَ بَعْضٌ صَلَّى مَا أَدْرَكَ وَأَتَمَّ مَا بَقِيَ كَانَ كَذٰلِكَ، فَإِنْ أَتَى الْمَسْجِدَ وَقَدْ صَلَّوْا فَأَتَمَّ الصَّلَاةَ كَانَ كَذٰلِكَ » [أبو داؤد : ٥٦٣، وقال الألباني : صحيح] ”جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے، پھر نماز کے لیے نکلے تو وہ دایاں قدم نہیں اٹھاتا مگر اللہ عزوجل اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور نہ بایاں قدم رکھتا ہے مگر اللہ عزوجل اس سے ایک برائی مٹا دیتا ہے، تو تم میں سے ہر شخص چاہے قریب قدم رکھے یا دور رکھے، پھر اگر وہ مسجد میں آ جائے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو اسے بخش دیا جاتا ہے اور اگر وہ مسجد میں آئے اور لوگ کچھ نماز پڑھ چکے ہوں اور کچھ باقی ہو تو اسے جتنی نماز ملے وہ پڑھ لے اور جو باقی ہو اسے پورا کر لے تو وہ بھی اسی طرح ہوتا ہے اور اگر وہ مسجد میں آئے اور لوگ نماز پڑھ چکے ہوں، پھر اس نے (اکیلے ہی) نماز پوری کی تو وہ بھی اسی طرح ہوتا ہے۔“ ابوداؤد کی اس روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ گھر سے تیار ہو کر یعنی اچھی طرح وضو کر کے آنے والے کو کچھ نماز ملے یا کچھ بھی نہ ملے تو بھی ثواب (مغفرت) پورا ہی ملے گا، تو بھاگ کر آنے کا فائدہ کیا ہے؟

3 وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا (اور جو تم سے رہ جائے اسے پورا کرو): ان الفاظ سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص دوسری، تیسری یا چوتھی رکعت میں امام کے ساتھ ملے اس کی پہلی رکعت وہ ہوگی جس میں وہ امام کے ساتھ ملا ہے، کیونکہ کسی چیز کو پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس کے آخر تک پہنچایا جائے، مثلاً اگر کوئی شخص امام کے ساتھ آخری رکعت میں ملا ہے تو سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت پڑھ کر اسے تشہد میں بیٹھنا ہوگا اور اس کے مطابق باقی نماز پڑھنا ہوگی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ بعد میں آنے والے مقتدی (مسبوق) نے امام کے ساتھ جو رکعت یا رکعتیں پڑھی ہیں وہ اس کی آخری رکعت ہیں، امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر جو رکعت یہ پڑھے گا یہ اس کی سب سے پہلی رکعت ہوگی اور اسی کے مطابق وہ ہر دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھے گا۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس حدیث کی بعض روایات میں " وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوْا " کے الفاظ ہیں جس کا مطلب ان کے کہنے کے مطابق یہ ہے کہ جو رہ جائے اس کی قضا دو۔ اور قضا اسی طرح ہوتی ہے جس طرح ادا ہے، اس لیے یہ اٹھ کر جو رکعت پڑھے گا وہ اس کی پہلی رکعت ہوگی۔ مگر " فَاقْضُوْا " کا یہ مطلب کرنے سے ایک ہی حدیث کی روایات آپس میں متعارض ہو جائیں گی، اس لیے حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کی جن روایات میں " فَاقْضُوْا " آیا ہے ان کا مطلب بھی " فَأَتِمُّوْا " ہی ہے، کیونکہ " قَضَى يَقْضِيْ " کا معنی اتمام یعنی پورا کرنا بھی معروف ہے، جیسے فرمایا: ﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ ﴾ [الجمعة : ١٠] ”پھر جب نماز پوری کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔“ اور فرمایا: ﴿ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ ﴾ [حم السجدة : ١٢] ”تو انھیں دو دنوں میں پورے سات آسمان بنا دیا۔“ تو جب دونوں الفاظ ایک ہی صحابی سے آئے ہیں تو ان کا معنی ایک ہی مراد لینا چاہیے۔

4 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب فرض نماز کی جماعت کھڑی ہو تو الگ نوافل پڑھنا منع ہے، کیونکہ حکم یہ ہے: « مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا » ''جتنی نماز تمھیں ملے وہ پڑھو۔'' یہ نہیں کہ سنتیں یا نوافل پڑھتے رہو۔ ایک حدیث میں یہ حکم صریح الفاظ میں آیا ہے: « إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ » [مسلم : ٧١٠] ''جب نماز کے لیے اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں۔'' اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ امام جس حال میں ہے اسی میں شامل ہو جانا چاہیے، قیام میں ہے تو قیام میں، رکوع میں ہے تو رکوع میں۔ [وَ عَلٰى هٰذَا الْقِيَاسِ]

٢٢ - بَابٌ : مَتَى يَقُوْمُ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْإِمَامَ عِنْدَ الْإِقَامَةِ ؟

22۔ باب: اقامت کے وقت جب لوگ امام کو دیکھ لیں تو کب کھڑے ہوں؟

٦٣٧- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ : كَتَبَ إِلَيَّ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : « إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِي » [انظر : ٦٣٨، ٩٠٩- أخرجه مسلم : ٦٠٤]

637۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کی اقامت کہی جائے تو تم اس وقت تک کھڑے نہ ہو کہ تم مجھے دیکھ لو۔''

فوائد: 1 اس حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ اس وقت اقامت کہہ دیتے تھے جب ابھی تک رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف نہیں لائے ہوتے تھے، اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر بلال رضی اللہ عنہ پہلے اقامت کس طرح کہہ دیتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی آمد کا خاص خیال رکھتے تھے، اس لیے انھیں دروازے یا پردے کی حرکت سے یا آپ کے کھانسنے سے یا آپ کے معمول کے وقت سے آپ کی تشریف آوری کا اندازہ ہو جاتا تھا، اس لیے وہ اقامت کہہ دیتے تھے، مگر آپ نے مقتدیوں کو اس وقت تک کھڑے ہونے سے منع کر دیا کہ وہ آپ کو دیکھ لیں، کیونکہ بعض اوقات اقامت کہنے والا اقامت کہہ دیتا ہے، مگر اس کے دوران امام کو کوئی عذر پیش آ جاتا ہے تو وہ آنے سے رک جاتا ہے، اس لیے فرمایا: ''تم مجھے دیکھ لینے تک کھڑے نہ ہو۔'' خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب امام مسجد میں موجود نہ ہو تو اس کی آمد اور اسے دیکھ لینے تک مقتدیوں کو کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔

2 رہی یہ بات کہ اگر امام مسجد میں موجود ہو تو اقامت کہے جانے پر لوگ کس وقت کھڑے ہوں تو اس کے متعلق اہل علم کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ اس وقت کھڑے ہوں جب اقامت پوری ہو جائے۔ بعض نے کہا کہ اقامت کہنے والے کے '' اَللّٰهُ أَكْبَرُ '' کہنے پر کھڑے ہو جائیں۔ بعض نے کہا '' حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ '' پر کھڑے ہو جائیں اور جب مؤذن '' قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ '' کہے تو امام '' اَللّٰهُ أَكْبَرُ '' کہہ کر نماز شروع کر دے مگر اس صورت میں امام کے لیے صفیں درست کروانے کا موقع ہی نہیں رہتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث میں اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی، اس لیے اس میں وسعت

ہے۔ اقامت کے شروع میں کھڑے ہو جائیں یا اس کے درمیان میں یا آخر میں ہر طرح درست ہے، کیونکہ شریعت نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔

3 صحیح بخاری ہی میں اس کے قریب باب (۲۴) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث آ رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نکلے جب کہ اقامت ہو چکی تھی اور صفیں درست ہو گئی تھیں، پھر آپ تشریف لا کر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ ابو داؤد (۵۴۱) میں انھی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے نماز کی اقامت ہو جاتی تھی، لوگ آپ کے آنے سے پہلے اپنی اپنی جگہ پکڑ لیتے تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ان احادیث اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تطبیق یہ ہے کہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ کی آمد سے پہلے کھڑے ہونے سے منع ہی اس لیے کیا گیا کہ لوگ پہلے کھڑے ہو جاتے تھے، جب آپ نے منع کر دیا تو ظاہر ہے کہ صحابہ سے یہ امید نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ منع کرنے کے باوجود آپ کو دیکھنے سے پہلے صفیں مکمل کر لیتے ہوں گے۔

٢٣- بَابٌ: لَا يَسْعَى إِلَى الصَّلَاةِ مُسْتَعْجِلًا، وَلْيَقُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ

23- باب: نماز کی طرف جلدی کرتے ہوئے دوڑ کر نہ جائے، بلکہ اس کی طرف سکون اور وقار کے ساتھ اٹھ کر جائے

٦٣٨- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي، وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ»

تَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ. [راجع: ٦٣٧- أخرجه مسلم: ٦٠٤]

638- ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب نماز کی اقامت کہی جائے تو مجھے دیکھنے تک تم کھڑے نہ ہو اور سکینت کو لازم رکھو۔“

علی بن مبارک نے اس کی متابعت کی۔

فائدہ یہ حدیث اس سے پہلے (٦٣٧) میں گزر چکی ہے۔ اس باب کا عنوان اور باب (۲۱) کا عنوان بظاہر ایک ہی ہے۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا: دونوں کے درمیان یہ فرق کیا جا سکتا ہے کہ پہلے باب میں اس شخص کے لیے دوڑ کر آنے سے ممانعت کا بیان ہے جو مسجد سے باہر ہے اور دوسرے باب میں اس کے لیے جو مسجد کے اندر یعنی مسجد کی ایک طرف ہے اور جلدی سے اٹھ کر نماز کی طرف آتا ہے۔

٢٤- بَابٌ: هَلْ يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ لِعِلَّةٍ؟

24- باب: کیا (اذان یا اقامت کے بعد) کسی ضرورت سے مسجد سے نکل سکتا ہے؟

٦٣٩- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ:

639- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوفُ، حَتّٰى إِذَا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ، انْتَظَرْنَا أَنْ يُكَبِّرَ، انْصَرَفَ قَالَ: «عَلٰى مَكَانِكُمْ» فَمَكَثْنَا عَلٰى هَيْئَتِنَا، حَتّٰى خَرَجَ إِلَيْنَا يَنْطِفُ رَأْسُهُ مَاءً وَقَدِ اغْتَسَلَ. [راجع: ٢٧٥- أخرجه مسلم: ٦٠٥]

(گھر سے) نکلے جب کہ نماز کی اقامت ہو چکی تھی اور صفیں برابر ہو چکی تھیں، یہاں تک کہ جب آپ اپنی نماز کی جگہ پر کھڑے ہو گئے، ہم آپ کی تکبیر کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ پلٹے اور فرمایا: ''اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔'' چنانچہ ہم اپنی جگہ ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ آپ ہماری طرف اس حال میں نکلے کہ آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا اور آپ نے غسل کیا ہوا تھا۔

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب اس لیے قائم کیا ہے کہ مسلم اور ابوداؤد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ مؤذن کے اذان کہنے کے بعد مسجد سے نکل گیا تو انھوں نے کہا: «أَمَّا هٰذَا، فَقَدْ عَصٰى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» [مسلم: ٦٥٥- أبو داوٗد: ٥٣٦] ''یہ شخص، یقیناً اس نے ابو القاسم ﷺ کی نافرمانی کی ہے۔'' مقصد یہ ہے کہ اگر واقعی کوئی ضرورت ہو، مثلاً پیشاب یا خانے کی حاجت ہو جائے یا نکسیر آ جائے یا کسی اور مسجد میں جا کر نماز پڑھانی ہو تو اذان یا اقامت کے بعد مسجد سے نکل سکتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ یاد آنے پر مسجد سے واپس چلے گئے تھے۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز سے پہلے صفیں درست کرنے کا خاص اہتمام ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات بہ نفسِ نفیس صفیں درست کرتے تھے۔ آپ صف کے شروع سے آخر تک جاتے، لوگوں کے کندھوں اور سینوں کو ہاتھ لگا کر سیدھا کرتے اور فرماتے: «لَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ» [مسلم: ٤٣٢- أبو داوٗد: ٦٦٤] ''آگے پیچھے نہ ہوا کرو، ورنہ تمھارے دلوں میں بھی اختلاف ہو جائے گا۔'' پھر جب عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں لوگ زیادہ ہو گئے تو انھوں نے صفیں درست کرنے کے لیے آدمی مقرر کر دیے، چنانچہ جب صفیں درست ہو جاتیں تو وہ نماز کے لیے تکبیر کہتے۔ [الموطأ: ٥٤٢، ٥٤٣] رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عمل کے مقابلے میں آپ ان لوگوں کے فتوے اور عمل پر غور کریں جن کا کہنا ہے کہ اقامت کہنے والے کے ''حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ'' کہنے پر لوگ کھڑے ہو جائیں اور اس کے ''قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ'' کہنے پر امام ''اَللّٰهُ أَكْبَرُ'' کہہ کر نماز شروع کر دے۔ بتایئے! صفیں کب درست ہوں گی؟ اسی کا نتیجہ ہے کہ دلوں میں باہمی محبت ہے نہ نماز میں اطمینان وخشوع ۔

مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے ۔۔۔ محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق ۔۔۔ کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

3 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کافی وقفہ بھی ہو جائے تو دوبارہ اقامت کہنے کی ضرورت نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ہمارے دور والی سہولت نہیں تھی کہ ٹونٹی کھولی اور غسل ہو گیا، بلکہ پانی رکھنے اور نہانے میں کچھ وقت لگتا تھا۔ اس کے باوجود صحابہ منتظر رہے اور آپ نے غسل کے بعد آ کر پہلی اقامت پر ہی نماز پڑھا دی۔

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بھول سکتے تھے، کیونکہ آپ کو یہ بات بھول گئی کہ آپ پر غسل فرض ہے، پھر یاد آیا تو گھر واپس گئے اور غسل فرمایا، جب کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے، فرمایا: ﴿ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ﴾ [طٰہٰ : ۵۲] ''میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔'' اور یہ کہ یاد آنے کے بعد کہ مجھ پر غسل فرض ہے یا میرا وضو نہیں امام یا مقتدی کو حیا کی وجہ سے غسل یا وضو کے بغیر نماز نہیں پڑھنی چاہیے، بلکہ غسل یا وضو کے لیے نکل جانا چاہیے۔

5 اس حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے تکبیر نہیں کہی تھی اور یاد آنے پر غسل کے لیے چلے گئے تھے، صحیح مسلم (۶۰۵) میں صراحت ہے: « قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ ذَكَرَ فَانْصَرَفَ » یعنی آپ تکبیر سے پہلے ہی یاد آنے پر پلٹ کر چلے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے نماز شروع نہیں کی تھی، جبکہ سنن ابی داؤد اور ابن حبان میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: « أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ أَنْ مَكَانَكُمْ، ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَصَلَّى بِهِمْ » [ابو داؤد : ۲۳۳۔ ابن حبان : ۲۲۳۵] ''یعنی رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں داخل ہوئے اور اپنے ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ کیا کہ ٹھہرے رہو، پھر آپ ﷺ واپس آئے اور آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے تو آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔'' ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے، اب یا تو ان کے درمیان تطبیق دی جائے اور کہا جائے کہ ابو داؤد کی حدیث میں تکبیر کہنے سے مراد یہ ہے کہ آپ نے تکبیر کہنے کا ارادہ کیا تھا، یا یہ کہا جائے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ اگر دونوں تطبیقوں پر تسلی نہ ہو تو صحیحین کی روایت کو بہر حال ترجیح حاصل ہے۔ (فتح الباری)

6 صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہاں کچھ عبارت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''ابو عبد اللہ یعنی بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر ہم میں سے کسی کو یہ معاملہ پیش آ جائے تو وہ ایسے ہی کرے؟ تو انھوں نے کہا: ہاں! پوچھا گیا: تو لوگ کھڑے ہو کر امام کا انتظار کریں یا بیٹھ کر؟ انھوں نے کہا: اگر تکبیر سے پہلے ہو تو بیٹھ جانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر تکبیر کے بعد ہو تو کھڑے رہ کر اس کا انتظار کریں۔'' بعض نسخوں میں یہ عبارت اس کے بعد والے باب کے آخر میں ہے۔

۲۵۔ بَابٌ : إِذَا قَالَ الْإِمَامُ : مَكَانَكُمْ، حَتَّى رَجَعَ انْتَظَرُوْهُ

25۔ باب: جب امام یہ کہے کہ اس کے واپس آنے تک اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو لوگ اس کا انتظار کریں

۶۴۰۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ : حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ

640۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نماز کی اقامت کہہ دی گئی اور لوگوں نے اپنی صفیں درست کر

أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَسَوَّى النَّاسُ صُفُوفَهُمْ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَتَقَدَّمَ، وَهُوَ جُنُبٌ، ثُمَّ قَالَ: «عَلَى مَكَانِكُمْ» فَرَجَعَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ خَرَجَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ مَاءً، فَصَلَّى بِهِمْ. [راجع: ٢٧٥- أخرجه مسلم: ٦٠٥]

پس تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آگے کھڑے ہو گئے، جب کہ آپ جنبی تھے، پھر فرمایا: ''اپنی جگہوں پر ٹھہرو۔'' اور آپ واپس گئے، غسل کیا، پھر نکلے اور آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا اور آپ نے انھیں نماز پڑھائی۔

فائدہ اس حدیث کی شرح پچھلے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

٢٦- بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لِلنَّبِيِّ ﷺ: مَا صَلَّيْنَا

26- باب: آدمی کا نبی ﷺ سے یہ کہنا کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی

٦٤١- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ يَقُولُ: أَخْبَرَنَا جَابِرُ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَاللَّهِ! مَا كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ، حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ، وَذَلِكَ بَعْدَ مَا أَفْطَرَ الصَّائِمُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَاللَّهِ! مَا صَلَّيْتُهَا» فَنَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى بُطْحَانَ وَأَنَا مَعَهُ، فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلَّى يَعْنِي الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ. [راجع: ٥٩٦- أخرجه مسلم: ٦٣١]

641- جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ خندق کے دن نبی ﷺ کے پاس عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نماز پڑھنے کے قریب بھی نہیں ہو سکا جب تک سورج غروب کے قریب نہیں ہوا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب روزے دار نے روزہ افطار کر لیا تھا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں نے بھی یہ نماز نہیں پڑھی۔'' تو نبی ﷺ بطحان (نالے) کی طرف اترے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا، آپ نے وضو کیا، پھر نماز عصر سورج غروب ہونے کے بعد پڑھی، پھر اس کے بعد مغرب پڑھی۔

فائدہ اس حدیث کی شرح (٥٩٦) میں ملاحظہ فرمائیں۔ بظاہر اس باب کا کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا مگر دراصل ایسے ابواب سے امام بخاری کسی شخص کی کسی بات کا رد کر رہے ہوتے ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے ابن سیرین کے اس قول کا حدیث کے ساتھ رد کیا تھا کہ ''ہم سے نماز رہ گئی۔'' یہاں فتح الباری میں ابراہیم نخعی کا قول ذکر کیا ہے کہ یہ کہنا مکروہ ہے کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی۔ ان کے خیال میں اس سے نماز سے بے اعتنائی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہاں ایک سوال ہے کہ باب ہے ''آدمی کا نبی ﷺ سے کہنا'' جب کہ اس حدیث میں کسی آدمی نے نبی ﷺ سے نہیں بلکہ نبی ﷺ نے ایک آدمی

(عمر رضی اللہ عنہ) سے کہا: « وَاللّٰهِ ! مَا صَلَّيْتُهَا » "اللہ کی قسم ! میں نے بھی نماز نہیں پڑھی۔" جواب اس کا یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ حدیث کے کسی اور طریق کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں، چنانچہ صحیح بخاری میں اسی حدیث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ کہے: « يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَا صَلَّيْتُ الْعَصْرَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ تَغِيْبَ » [بخاري : ٩٤٥] "یا رسول اللہ ! میں نے عصر نہیں پڑھی، یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا۔" خلاصہ یہ کہ یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی، خصوصاً اس لیے کہ اس حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ کہے ہیں۔

٢٧ - بَابُ الْإِمَامِ تَعْرِضُ لَهُ الْحَاجَةُ بَعْدَ الْإِقَامَةِ

27 - باب: امام کو اقامت کے بعد کوئی ضرورت پیش آ جائے

٦٤٢ - حَدَّثَنَا أَبُوْ مَعْمَرٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ : أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَالنَّبِيُّ ﷺ يُنَاجِي رَجُلًا فِي جَانِبِ الْمَسْجِدِ، فَمَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ حَتّٰى نَامَ الْقَوْمُ . [انظر : ٦٤٣، ٦٢٩٢ - أخرجه مسلم : ٣٧٦]

642- انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: نماز کی اقامت کہی گئی جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی ایک جانب میں ایک آدمی سے سرگوشی کر رہے تھے، تو آپ نماز کے لیے کھڑے نہیں ہوئے یہاں تک کہ لوگ سو گئے۔

فوائد 1 اس میں ان لوگوں کا رد ہے جن کا کہنا ہے کہ اقامت کہنے والا جب " قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ " کہے تو امام پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ " اَللّٰهُ أَكْبَرُ " کہہ کر نماز شروع کر دے۔

2 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورت ہو تو اقامت اور نماز کے درمیان لمبا وقفہ بھی ہو سکتا ہے۔ ہاں ! بلا ضرورت ایسا نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول نہیں تھا۔

3 لوگوں کے سونے سے مراد بیٹھے بیٹھے سونا ہے، ایسی نیند نہیں جس میں آدمی کو وضو ٹوٹنے کا پتا نہ چل سکتا ہو، کیونکہ ایسی نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جو دوبارہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ابن حبان (٢٠٣٥) میں حمید سے ہشام کی روایت میں ہے: « حَتّٰى نَعَسَ بَعْضُ الْقَوْمِ » "یہاں تک کہ بعض لوگ اونگھنے لگے۔" اس سے بھی معلوم ہوا کہ سونے سے اونگھنا مراد ہے۔

4 لوگوں کی موجودگی میں دو آدمی علیحدہ ہو کر باتیں کر سکتے ہیں، البتہ تین آدمی ہوں تو ان میں سے دو کو الگ ہو کر بات کرنا منع ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

5 اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ خلق اور حلم بھی ظاہر ہے کہ اس آدمی کی بات اتنی دیر تک تحمل سے سنتے رہے کہ کچھ لوگ سو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

٢٨ـ بَابُ الْكَلَامِ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ

٦٤٣ـ حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى، قَالَ : حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، قَالَ : سَأَلْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ عَنِ الرَّجُلِ يَتَكَلَّمُ بَعْدَ مَا تُقَامُ الصَّلَاةُ ، فَحَدَّثَنِي عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ : أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَعَرَضَ لِلنَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ، فَحَبَسَهُ بَعْدَ مَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ .

وَقَالَ الْحَسَنُ : إِنْ مَنَعَتْهُ أُمُّهُ عَنِ الْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ شَفَقَةً لَمْ يُطِعْهَا . [راجع : ٦٤٢ـ أخرجه مسلم : ٣٧٦]

28۔ باب: جب نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے اس وقت بات کرنا

643۔ حمید کہتے ہیں: میں نے ثابت بنانی سے پوچھا کہ نماز کی اقامت کہہ دی جانے کے بعد آدمی بات کرسکتا ہے، تو انھوں نے مجھے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ انھوں نے کہا: نماز کی اقامت کہہ دی گئی تو نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آپ کو نماز کی اقامت کہے جانے کے بعد روک لیا۔

اور حسن (بصری) نے کہا: اگر کسی کی ماں شفقت کی بنا پر اسے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے سے روکے تو اس کی بات مت مانے۔

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے اس سے پچھلا باب ملاحظہ کریں، اس میں اقامت کے بعد کوئی ضرورت پیش آنے کا ذکر ہے، یہاں اقامت کے بعد بات کرنے کا ذکر ہے۔ حدیث سے دونوں باتیں ثابت ہو رہی ہیں۔

٢٩ـ بَابُ وُجُوبِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ

وَقَالَ الْحَسَنُ : إِنْ مَنَعَتْهُ أُمُّهُ عَنِ الْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ شَفَقَةً لَمْ يُطِعْهَا .

29۔ باب: جماعت کا واجب ہونا

اور حسن (بصری) نے کہا: اگر کسی کی ماں شفقت کی بنا پر اسے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے سے روکے تو اس کی بات مت مانے۔

فائدہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے حسین بن حسن مروزی کی ''کتاب الصیام'' میں صحیح سند کے ساتھ حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ اثر دیکھا ہے کہ ''انھوں نے اس شخص کے بارے میں جو نفل روزہ رکھتا ہے تو اس کی ماں اسے روزہ کھولنے کا حکم دیتی ہے، کہا کہ وہ روزہ کھول دے اور اس کے ذمے کوئی قضا نہیں ہے اور اسے روزے کا اجر اور ماں سے حسنِ سلوک کا اجر ملے گا۔ پوچھا گیا: اگر وہ اسے جماعت کے ساتھ عشاء پڑھنے سے منع کرے، تو کہا: اسے یہ حق نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک فرض ہے۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ اثر اس بات کی تائید کے لیے ذکر کیا ہے کہ با جماعت نماز فرض ہے۔

٦٤٤ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ! لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ! لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ، أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ، لَشَهِدَ الْعِشَاءَ »
[انظر : ٦٥٧، ٢٤٢٠، ٧٢٢٤، وانظر في مواقيت الصلاة، باب : ٢٠ـ أخرجه مسلم : ٦٥١]

644۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں ایندھن کا حکم دوں کہ اکٹھا کیا جائے، پھر میں نماز کا حکم دوں اور اس کے لیے اذان کہی جائے، پھر میں ایک آدمی کو حکم دوں اور وہ لوگوں کو امامت کروائے، پھر میں انھیں پیچھے چھوڑ کر کچھ آدمیوں کی طرف جاؤں اور ان سمیت ان کے گھروں کو جلادوں۔ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کوئی جان لے کہ اسے ایک موٹی گوشت والی ہڈی یا دو اچھی کھریاں مل جائیں گی تو وہ ضرور عشاء میں حاضر ہو۔''

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے جزم ویقین کے ساتھ جماعت واجب ہونے کا باب قائم فرمایا ہے، کیونکہ اس کے دلائل بہت مضبوط ہیں۔ یاد رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور محدثین کے نزدیک واجب اور فرض ایک ہی چیز کا نام ہے۔ اہلِ علم میں سے کچھ لوگ جماعت کو سنتِ مؤکدہ کہتے ہیں، بعض فرضِ کفایہ اور بعض فرضِ عین۔ بعض جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو شرط قرار دیتے ہیں کہ اگر بلا عذر اکیلا فرض نماز پڑھے تو وہ ادا ہی نہیں ہوتی۔ صرف فرضِ عین قرار دیں تو اکیلے کی نماز ہو جائے گی، مگر ترکِ واجب کا گنہگار ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے باب سے ظاہر ہے کہ وہ اسے فرضِ عین سمجھتے ہیں، کیونکہ اگر باجماعت نماز صرف سنت ہوتی تو آپ اس کے ترک کرنے والوں کو گھروں سمیت جلانے کا کبھی ارادہ نہ کرتے، بلکہ اس سے جماعت ہی نہیں مسجد میں آ کر باجماعت نماز پڑھنا فرض ثابت ہو رہا ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث سے الٹا مطلب نکالا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ جماعت فرض نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارادہ کیا ہے، عمل تو نہیں کیا، حالانکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس ارادے پر اس لیے عمل نہیں کیا کہ گھروں میں عورتیں اور بچے بھی ہوتے ہیں، جن پر جماعت کے لیے آنا فرض نہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ آدمی اپنے طے کردہ مذہب کو درست ثابت کرنے کے لیے کیا کیا اجتہاد کر گزرتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کسی غلط کام کا ارادہ کر سکتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ نماز باجماعت کی فرضیت قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن مجید کے دلائل یہ ہیں: ① اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ [البقرة : ٤٣] ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' اس آیت سے رکوع کرنے والوں کے ساتھ مل کر رکوع کرنے کے حکم سے جماعت کا وجوب ثابت ہو رہا ہے۔ ایک حضرت صاحب نے اس کی عجیب تاویل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہاں رکوع سے مراد خشوع

ہے، اس لیے اس سے جماعت کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ بندہ پوچھے آپ خشوع کرنے والوں کے ساتھ مل کر خشوع کی صورت بھی بیان فرما دیں کہ وہ کیا ہوگی؟ ② اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ﴾ [النساء : ١٠٢] ''اور جب تو ان میں موجود ہو، پس ان کے لیے نماز کھڑی کرے تو لازم ہے کہ ان میں سے ایک جماعت تیرے ساتھ کھڑی ہو اور وہ اپنے ہتھیار پکڑے رکھیں، پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمھارے پیچھے ہو جائیں۔'' جب حالتِ خوف میں باجماعت نماز کا حکم ہے تو حالتِ امن میں تو وہ بالاولیٰ واجب ہے۔ حدیث میں بھی نماز باجماعت فرض ہونے کے بہت سے دلائل ہیں: ① ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا آدمی آیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرا کوئی قائد نہیں جو مجھے لے کر مسجد میں جائے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ آپ اسے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت دے دیں۔ آپ نے اسے اجازت دے دی، پھر جب وہ جانے لگا تو اسے بلایا اور فرمایا: ''کیا تم نماز کی اذان سنتے ہو؟'' اس نے کہا: جی ہاں! فرمایا: ''پھر اسے قبول کرو۔'' [مسلم : ٦٥٣] ② ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ، فَلَا صَلَاةَ لَهُ، إِلَّا مِنْ عُذْرٍ » [ابن ماجه : ٧٩٣، صحيح] ''جو شخص اذان سنے پھر اس کی طرف نہ آئے تو اس کی نماز نہیں، مگر عذر سے۔'' ③ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ » [بخاري : ٦٢٨] ''جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور جو تم میں سے بڑا ہے وہ جماعت کرائے۔'' ④ ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: « مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ، فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ، فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ » [أبو داؤد : ٥٤٧، حسن] ''کوئی بھی تین آدمی کسی بستی میں ہوں یا بادیہ میں، جن میں نماز قائم نہ کی جاتی ہو مگر ان پر شیطان غالب آ چکا ہوتا ہے، اس لیے جماعت کو لازم پکڑ، کیونکہ بھیڑیا دور جانے والی ہی کو پکڑتا ہے۔''

رہا اجماع تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے باجماعت نماز پر صحابہ کا اجماع ذکر فرمایا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: « مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُسْلِمًا، فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ، فَإِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُنَنَ الْهُدٰى، وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى، وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهِ، لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ، ثُمَّ يَعْمِدُ إِلٰى مَسْجِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ، إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوْهَا حَسَنَةً، وَيَرْفَعُهُ بِهَا دَرَجَةً، وَيَحُطُّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً، وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ ، مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهِ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ » [مسلم : ٦٥٤/٢٥٧] ''جس شخص کو پسند ہو کہ کل اللہ تعالیٰ سے مسلم ہونے کی حالت میں ملے وہ ان نمازوں کو وہاں ادا کرنے کی پابندی کرے جہاں ان کے لیے اذان

کہی جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی کے لیے ہدایت کے طریقے مقرر فرما دیے ہیں اور یہ (باجماعت نمازیں) ہدایت کے طریقوں میں سے ہیں۔ اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو جیسے فلاں گھر میں بیٹھا رہنے والا پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ کوئی آدمی جو پاکیزگی حاصل کرتا ہے (وضو کرتا ہے) اور اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر ان مساجد میں سے کسی مسجد کا رخ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے جو وہ اٹھاتا ہے ایک نیکی لکھتا ہے اور اس کے سبب اس کا ایک درجہ بلند فرماتا ہے اور اس کا ایک گناہ کم کر دیتا ہے اور میں نے دیکھا کہ ہم (صحابہ) میں سے اس (جماعت) سے ایسے منافق کے سوا کوئی پیچھے نہیں رہتا تھا جس کا نفاق سب کو معلوم ہوتا تھا اور آدمی کو اس حال میں بھی مسجد میں لایا جاتا تھا کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان سہارے سے لایا جا رہا ہوتا حتیٰ کہ اسے صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔"

2 " عَرْقًا " (عین کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ) ہڈی جس کے ساتھ کچھ گوشت ہو۔ " مِرْمَاةٌ " بکرے کی کھری کے درمیان کا گوشت۔ عشاء کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا کہ اس وقت جماعت سے غیر حاضر زیادہ ہوتے ہیں، ورنہ ہر نماز کا یہی معاملہ ہے۔

٣٠ - بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ

30۔ باب: جماعت کے ساتھ نماز کی فضیلت

وَكَانَ الْأَسْوَدُ إِذَا فَاتَتْهُ الْجَمَاعَةُ ذَهَبَ إِلَى مَسْجِدٍ آخَرَ، وَجَاءَ أَنَسٌ إِلَى مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ، فَأَذَّنَ وَأَقَامَ وَصَلَّى جَمَاعَةً .

اور اسود (بن یزید) رحمہ اللہ سے جب جماعت رہ جاتی تو وہ کسی اور مسجد میں چلے جاتے۔ اور انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں آئے جس میں نماز ہو چکی تھی تو انھوں نے اذان اور اقامت کہی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔

فائدہ اس باب کا یہ مطلب نہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز واجب نہیں، صرف فضیلت اور ثواب کا کام ہے، کیونکہ فضیلت صرف نفل یا مستحب ہی کی نہیں فرض کی ادائیگی کی بھی ہوتی ہے، بلکہ فرض کی ادائیگی نفل سے زیادہ فضیلت اور زیادہ ثواب رکھتی ہے، جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: « مَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ » [بخاري : ٦٥٠٢] "میرا بندہ کسی چیز کے ساتھ میرا قرب حاصل نہیں کرتا جو مجھے اس کام سے زیادہ محبوب ہو جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔"

٦٤٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: « صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَ عِشْرِينَ دَرَجَةً » [انظر : ٦٤٩ - أخرجه

645۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے ستائیس درجے زیادہ ہوتی ہے۔"

مسلم: ٦٥٠]

٦٤٦- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً»

646- ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے سنا: ''جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے پچیس درجے زیادہ ہوتی ہے۔''

٦٤٧- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوقِهِ خَمْسًا وَعِشْرِينَ ضِعْفًا، وَذَلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ، اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ، وَلَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ» [راجع: ١٧٦- أخرجه مسلم: ٣٦٢ بقطعة لم ترد في هذه الطريق، وأخرجه: ٦٤٩ أوله، وأخرجه بطوله في المساجد (٢٧٢)]

647- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جماعت میں آدمی کی نماز اس کے گھر میں اور بازار میں نماز سے پچیس گنا زیادہ ہوتی ہے اور یہ اس لیے کہ جب وہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے، پھر مسجد کی طرف نکلے، اسے نماز کے سوا کوئی چیز نہ نکال رہی ہو تو وہ کوئی قدم نہیں اٹھائے گا مگر اس کے ذریعے سے اس کا ایک درجہ بلند کیا جائے گا اور اس کے ذریعے سے اس کا ایک گناہ معاف کیا جائے گا۔ پھر جب وہ نماز پڑھ لے گا تو فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہیں گے، جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ میں رہے گا: اے اللہ! اس پر مہربانی فرما، اے اللہ! اس پر رحمت فرما۔ اور تم میں سے کوئی جب تک نماز کا انتظار کرتا رہے وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔''

فوائد ومسائل: 1 بہت سے حضرات نے ان احادیث کو باجماعت نماز فرض نہ ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ بے شک باجماعت نماز میں پچیس یا ستائیس درجے زیادہ فضیلت ہے، مگر گھر یا بازار میں نماز سے ایک نماز کا ثواب تو مل ہی جاتا ہے، حالانکہ اس سے پچھلے باب میں متعدد دلائل سے جماعت کا فرض ہونا ثابت کیا گیا ہے اور یہ کہ اذان سننے کے بعد عذر کے بغیر گھر یا بازار میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ ان احادیث سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے جماعت سے رہ جائے، مثلاً نیند یا قضائے حاجت وغیرہ کی وجہ سے جماعت کے ساتھ شامل نہ ہو سکے اور اسے گھر یا

بازار میں نماز پڑھنی پڑے تو اسے صرف ایک درجہ حاصل ہوگا جب کہ وہ مسجد میں جا کر نماز باجماعت پڑھے تو اسے پچیس یا ستائیس درجے حاصل ہوں گے۔

2 یہاں ایک مشہور سوال ہے کہ بعض احادیث میں باجماعت نماز کو پچیس درجے زیادہ قرار دیا گیا ہے اور بعض میں ستائیس درجے، دونوں میں بظاہر تعارض ہے تو ان میں تطبیق کیا ہے؟ اس کے مختلف جواب دیے گئے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ ستائیس پچیس کے خلاف نہیں، بلکہ ستائیس درجوں میں پچیس بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متعدد جواب ذکر کیے ہیں اور ان سب میں سے اس جواب کو ترجیح دی ہے جس کی طرف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اشارہ موجود ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانے والے کو ہر قدم پر کیا اجر ملتا ہے، پھر انتظار میں کیا اجر ہے۔ اس اشارے سے شارحین حدیث نے یہ بات اخذ کی ہے کہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے کو پچیس ایسی فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں جو گھر یا بازار میں پڑھنے والے کو حاصل نہیں ہوتیں۔ رہا پچیس اور ستائیس کا فرق تو وہ سری اور جہری نمازوں کے فرق کی وجہ سے ہے کہ جہری نمازوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے دو مزید فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں، ایک امام کی قراءت سننا اور دوسری اس کی ”وَلَا الضَّآلِّيْنَ“ کے بعد ”آمین“ کہنا۔

3 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے صرف وہ فضیلتیں منتخب کی ہیں جن کا تعلق جماعت کے ساتھ ہے اور وہ یہ ہیں:

① جماعت کے ساتھ نماز کی نیت سے مؤذن کی اذان کا جواب دینا۔ ② اول وقت میں نماز کے لیے جلدی جانا۔ ③ مسجد کی طرف سکون کے ساتھ چل کر جانا۔ ④ مسجد میں داخلے کی دعا پڑھ کر داخل ہونا۔ ⑤ مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد ادا کرنا۔ ⑥ جماعت کا انتظار کرنا۔ ⑦ فرشتوں کی اس کے لیے صلاۃ اور استغفار۔ ⑧ فرشتوں کا اس کے حق میں شہادت دینا۔ ⑨ اقامت کا جواب دینا۔ ⑩ اقامت سن کر شیطان کے بھاگ جانے کی وجہ سے اس کے شر سے محفوظ رہنا۔ ⑪ امام کی تکبیرِ تحریمہ کے انتظار میں کھڑا ہونا یا امام جس حال میں ہو اس کے ساتھ شامل ہو جانا۔ ⑫ تکبیرِ تحریمہ میں امام کے ساتھ شامل ہونا۔ ⑬ صفیں درست کرنا اور خالی جگہ پُر کرنا۔ ⑭ امام کے ”سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ“ کا جواب دینا۔ ⑮ اکثر و بیشتر سہو سے محفوظ رہنا اور امام کی سہو پر اسے متنبہ کرنا یا لقمہ دینا۔ ⑯ خشوع کا حصول اور بے کار باتوں سے اکثر و بیشتر سلامت رہنا۔ ⑰ عموماً گھر کی بہ نسبت ہیئت و کیفیت کا بہتر ہونا۔ ⑱ فرشتوں کا اس کے گرد گھیرا ڈالنا۔ ⑲ قرآن کی تجوید کی مشق اور نماز کے ارکان اور اس کی دوسری چیزوں کا علم حاصل کرنا۔ ⑳ اسلام کے شعائر کا اظہار۔ ㉑ عبادت کے لیے جمع ہو کر شیطان کی ناک کو مٹی میں ملانا اور اسے ذلیل کرنا، نیکی میں تعاون اور سست آدمی کا ہوشیار ہونا۔ ㉒ نفاق کی صفت سے اور لوگوں کی اس بدگمانی سے محفوظ رہنا کہ یہ صاحب نماز نہیں پڑھتے۔ ㉓ امام کے سلام کا جواب دینا۔ ㉔ مسلمانوں کی اجتماعی دعا، ذکر سے فائدہ اٹھانا اور ان میں سے کم درجہ والوں کا کامل لوگوں کی برکت سے فائدہ اٹھانا۔ ㉕ ہمسایوں کے درمیان الفت و محبت کے نظام کا قائم ہونا، نمازوں کے وقت میں مسجد میں آ کر ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہنا اور

حسب مقدور ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ یہ تمام چیزیں سری اور جہری سب نمازوں میں پائی جاتی ہیں۔ جہری نمازوں میں دو چیزیں سری نمازوں سے زیادہ ہیں: ایک امام کی قراءت سننا، دوسری سورۂ فاتحہ کے خاتمے پر آمین کہنا۔ ان تمام چیزوں کے متعلق کوئی نہ کوئی حکم یا ترغیب موجود ہے۔ (فتح الباری)

شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ نے فتح الباری کے حاشیہ میں اس پر لکھا ہے کہ ستائیس درجوں کو جہری نمازوں کے ساتھ خاص کرنے کو راجح قرار دینے میں نظر ہے۔ زیادہ ظاہر یہ بات ہے کہ ستائیس درجے سری اور جہری سب نمازوں کے لیے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا زائد عطیہ ہے جو وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کو عطا فرماتا ہے۔ گویا شیخ صاحب کے نزدیک پہلا جواب راجح ہے جو اس فائدے کے شروع میں ذکر ہوا ہے۔

٣١- بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ فِي جَمَاعَةٍ

31۔ باب: فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی فضیلت

٦٤٨- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «تَفْضُلُ صَلَاةُ الْجَمِيعِ صَلَاةَ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا، وَتَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ» ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ [الإسراء: ٧٨]

[راجع: ١٧٦- أخرجه مسلم: ٣٦٢ بقطعة لم ترد في هذه الطريق، و أخرجه: ٦٤٩ بهذا اللفظ، و أخرجه مطولاً ببعضه في المساجد (٢٧٢)]

648۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''جماعت کی نماز تم میں سے اکیلے کی نماز سے پچیس حصے زیادہ ہوتی ہے اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے فجر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔'' پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر چاہو تو پڑھو: ''(اور فجر کا قرآن یعنی نماز پڑھ) بے شک فجر کا قرآن (نماز) ہمیشہ سے حاضر ہونے کا وقت رہا ہے۔''

٦٤٩- قَالَ شُعَيْبٌ: وَحَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: تَفْضُلُهَا بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً.

[راجع: ٦٤٥- أخرجه مسلم: ٦٥٠]

649۔ شعیب نے کہا: اور مجھے نافع نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ وہ اس (اکیلے کی نماز) سے ستائیس درجے زیادہ ہوتی ہے۔

٦٥٠- حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي،

650۔ اُم درداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: ابو درداء رضی اللہ عنہ

قَالَ : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ : سَمِعْتُ سَالِمًا، قَالَ : سَمِعْتُ أُمَّ الدَّرْدَاءِ تَقُولُ: دَخَلَ عَلَيَّ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ، فَقُلْتُ : مَا أَغْضَبَكَ؟ فَقَالَ : وَاللَّهِ ! مَا أَعْرِفُ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ شَيْئًا إِلَّا أَنَّهُمْ يُصَلُّونَ جَمِيعًا .

بہت غصے کی حالت میں میرے پاس آئے، میں نے کہا: آپ کو کس بات نے غصہ چڑھا دیا؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں امت محمد ﷺ کے کاموں میں اس کے سوا کوئی چیز نہیں پہچانتا کہ وہ با جماعت نماز پڑھتے ہیں۔

فوائد 1 پچھلے باب میں جماعت کی فضیلت کا ذکر تھا، اس باب میں خصوصاً فجر کی نماز با جماعت پڑھنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ اس میں رات اور دن کے فرشتے جو انسان کی حفاظت پر مقرر ہیں یا اس کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں جمع ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے صبح (اور عصر) کی نماز دوسری نمازوں پر فضیلت رکھتی ہے۔

2 ابو درداء رضی اللہ عنہ اس زمانے میں جو بعد کے سب زمانوں سے بہتر زمانہ تھا، یہ کہہ رہے ہیں کہ صرف جماعت باقی ہے، تو ہمارے زمانے کا کیا حال ہوگا۔ افسوس! ہمارے زمانے میں لوگوں نے جماعت کا خیال بھی چھوڑ دیا۔ پانچوں وقت مسجد میں آنا اور جماعت سے نماز پڑھنا تو بڑی بات ہے آٹھویں دن جمعہ کو بھی مسجد میں نہیں آتے۔ اس پر اسلام کا دعویٰ اور مسلمانوں کے خیر خواہ بننے کا جوش، یہ عجب تماشا ہے۔ (تیسیر الباری)

٦٥١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « أَعْظَمُ النَّاسِ أَجْرًا فِي الصَّلَاةِ أَبْعَدُهُمْ فَأَبْعَدُهُمْ مَمْشًى، وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الَّذِي يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ » [أخرجه مسلم : ٦٦٢]

651۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں میں سے نماز کا سب سے زیادہ اجر پانے والا وہ شخص ہے جو ان میں سب سے دور جگہ سے چل کر آنے والا ہے، پھر جو اس کے بعد دور سے چل کر آنے والا ہے، اور جو شخص نماز کا انتظار کرتا ہے یہاں تک کہ اسے امام کے ساتھ ادا کرتا ہے وہ اجر میں اس سے زیادہ ہے جو نماز پڑھتا ہے، پھر سو جاتا ہے۔“

فائدہ اس حدیث کی باب سے مناسبت اس طرح نکلتی ہے کہ جب دور سے آنے والے کو زیادہ ثواب ہوا اس وجہ سے کہ اسے مشقت زیادہ ہوتی ہے تو صبح کی جماعت کا بھی زیادہ ثواب ہوگا، کیونکہ صبح سویرے جماعت میں حاضر ہونا نفس پر بہت شاق ہوتا ہے۔ (تیسیر الباری)

٣٢ - بَابُ فَضْلِ التَّهْجِيرِ إِلَى الظُّهْرِ

32۔ باب: ظہر کے لیے جلدی جانے کی فضیلت

٦٥٢۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ :

652۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک آدمی نے راستے میں چلتے ہوئے ایک راستے

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : « بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ فَأَخَّرَهُ، فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ » [انظر : ٢٤٧٢۔ أخرجه مسلم : ١٩١٤ مع الحديث الآتي]

پر کانٹوں والی ایک ٹہنی پائی تو اسے ہٹا دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر فرمائی اور اسے بخش دیا۔"

فائدہ اس حدیث کی شرح آئندہ حدیث (۲۴۷۲) میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٦٥٣۔ ثُمَّ قَالَ : « الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ : الْمَطْعُونُ، وَالْمَبْطُونُ، وَالْغَرِيقُ، وَصَاحِبُ الْهَدْمِ، وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ » وَ قَالَ : « لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا لَاسْتَهَمُوا عَلَيْهِ » [انظر : ٧٢٠، ٢٨٢٩، ٥٧٣٣۔ أخرجه مسلم : ١٩١٤، أوله مع الحديث السابق]

653۔ پھر فرمایا: "شہداء پانچ ہیں: طاعون سے مرنے والا، پیٹ کی بیماری سے مرنے والا، غرق ہونے والا، دیوار وغیرہ گرنے سے مرنے والا اور اللہ کے راستے میں شہید ہونے والا۔" اور فرمایا: "اگر لوگ جان لیں کہ اذان اور پہلی صف میں کیا (اجر) ہے، پھر وہ اس پر قرعہ ڈالنے کے سوا حاصل نہ کر سکیں تو یقیناً اس پر قرعہ ڈالیں۔"

فائدہ اس حدیث کے پہلے حصے کی شرح کتاب الجہاد (۲۸۲۹) میں آئے گی (ان شاء اللہ) اور دوسرے حصے کی شرح (۶۱۵) میں گزر چکی ہے۔

٦٥٤۔ « وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا » [راجع : ٦١٥۔ أخرجه مسلم : ٤٣٧]

654۔ "اور اگر وہ جان لیں کہ دوپہر کو جلدی جانے میں کیا (اجر) ہے تو ضرور ایک دوسرے سے پہلے اس کی طرف جائیں اور اگر وہ جان لیں کہ عشاء اور صبح میں کیا ہے تو ضرور ان کے لیے آئیں خواہ گھسٹتے ہوئے آئیں۔"

فائدہ "تَهْجِيرٌ" کا لفظ "هَاجِرَةٌ" سے نکلا ہے، جس کا معنی دوپہر ہے، کیونکہ "هَجَرَ يَهْجُرُ" کا معنی چھوڑنا ہے اور دوپہر کو لوگ گرمی کی شدت کی وجہ سے کام چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، اس لیے دوپہر کو "هَاجِرَةٌ" کہتے ہیں۔ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ دوپہر کو اول وقت ظہر کی نماز کے لیے جانے کا یہ اجر و ثواب ہے۔

یہ تینوں احادیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک وقت بیان کیں اور بعد والوں نے بھی، حتیٰ کہ بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح اکٹھی بیان کیں، باب سے تعلق صرف آخری حدیث کا ہے۔

٣٣ ـ بَابُ احْتِسَابِ الْآثَارِ

33۔ باب: قدموں کے نشانوں پر ثواب کی امید رکھنا

٦٥٥ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَوْشَبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا بَنِي سَلِمَةَ! أَلَا تَحْتَسِبُونَ آثَارَكُمْ؟» وَقَالَ مُجَاهِدٌ فِي قَوْلِهِ: ﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ﴾ [يس: ١٢] قَالَ: خُطَاهُمْ. [انظر: ٦٥٦، ١٨٨٧]

655۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے بنوسلمہ! کیا تم اپنے قدموں پر ثواب کی امید نہیں رکھتے؟'' اور مجاہد نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ﴾ (اور ہم لکھ رہے ہیں جو عمل انھوں نے آگے بھیجے اور ان کے چھوڑے ہوئے نشان بھی) کے متعلق کہا کہ ''آثَارَهُمْ'' سے مراد ان کے قدموں کے نشان ہیں۔

٦٥٦ـ وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ، حَدَّثَنِي أَنَسٌ: أَنَّ بَنِي سَلِمَةَ أَرَادُوا أَنْ يَتَحَوَّلُوا عَنْ مَنَازِلِهِمْ فَيَنْزِلُوا قَرِيبًا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: فَكَرِهَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُعْرُوا الْمَدِينَةَ، فَقَالَ: «أَلَا تَحْتَسِبُونَ آثَارَكُمْ؟»

656۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنوسلمہ (لام کے کسرہ کے ساتھ) نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے مکانوں سے منتقل ہو جائیں اور نبی ﷺ کے قریب آ بسیں۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: تو رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ مدینے کو ننگا کریں اور فرمایا: ''کیا تم اپنے قدموں کے نشانوں پر ثواب کی امید نہیں رکھتے؟''

قَالَ مُجَاهِدٌ: خُطَاهُمْ آثَارُهُمْ، أَنْ يُمْشَى فِي الْأَرْضِ بِأَرْجُلِهِمْ. [راجع: ٦٥٥]

مجاہد نے کہا: ''آثَارُهُمْ'' سے مراد ان کے قدم اور زمین پر پیدل چلنا ہے۔

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے ''مسجد کی طرف آنے پر قدموں کے نشانات'' کا عنوان قائم نہیں کیا، بلکہ باب مطلق رکھا ہے کہ کسی بھی نیکی کے لیے چل کر جانے سے قدموں کے نشانات کا اجر ملتا ہے، ان پر ثواب حاصل کرنے کی نیت اور ثواب کی امید رکھنی چاہیے۔

2 مدینہ کے اردگرد کو خالی چھوڑنے سے بے خبری میں دشمن کے نقصان پہنچا جانے کا خطرہ تھا، اس لیے آپ نے انھیں ان کے مکان چھوڑ کر قریب آنے سے منع فرما دیا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہمارے گھر مسجد سے دور تھے، ہم نے ارادہ کیا کہ دوسرے مکان خرید کر مسجد کے قریب ہو جائیں تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرما دیا اور فرمایا: «إِنَّ لَكُمْ بِكُلِّ خَطْوَةٍ دَرَجَةً» [مسلم: ٦٦٤/٢٧٩] ''تمھارے لیے ہر قدم کے بدلے ایک درجہ ہے۔''

٣٤ - بَابُ فَضْلِ الْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ

34۔ باب: جماعت کے ساتھ عشاء کی فضیلت

٦٥٧ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ الْمُؤَذِّنَ، فَيُقِيمَ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا يَؤُمُّ النَّاسَ، ثُمَّ آخُذَ شُعَلًا مِنْ نَارٍ، فَأُحَرِّقَ عَلَى مَنْ لَا يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ بَعْدُ» [راجع: ٦٤٤ - أخرجه مسلم: ٦٥١]

657۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''منافقین پر فجر اور عشاء سے زیادہ کوئی نماز بھاری نہیں ہے اور اگر وہ جان لیں کہ ان دونوں میں کیا ہے تو ضرور ان میں آئیں، خواہ گھسٹتے ہوئے آئیں۔ یقیناً میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں مؤذن کو حکم دوں کہ وہ اقامت کہے، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو امامت کروائے، پھر میں آگ کے شعلے لوں اور جو اس کے بعد نہیں نکلتا اس پر اس کا گھر جلا دوں۔''

فائدہ: اس حدیث سے امام بخاری نے یہ نکالا ہے کہ عشاء اور صبح کی جماعت اور نمازوں کی جماعت سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے اور شریعت میں ان دو نمازوں کا بڑا اہتمام ہے، تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جلا دینے کا قصد کیا جو ان میں شریک نہ ہوں اور باب کا یہی مطلب ہے۔ (تیسیر الباری)

٣٥ - بَابٌ: اثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ

35۔ باب: دو اور دو سے زیادہ آدمی جماعت ہیں

٦٥٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا، ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا» [راجع: ٦٢٨ - أخرجه مسلم: ٦٧٤]

658۔ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کہو اور اقامت کہو، پھر تم دونوں میں سے جو بڑا ہے وہ تمہیں امامت کرائے۔''

فوائد: 1 اس حدیث کی شرح (٦٢٨) میں گزر چکی ہے۔ ''جماعت'' کا لفظ ''جَمْعٌ'' سے نکلا ہے جس کا معنی ملانا، اکٹھا کرنا ہے۔ نماز میں ایک آدمی کے ساتھ دوسرا مل جائے تو یہ جماعت ہے، خواہ مقتدی مرد ہو یا عورت یا بچہ۔ رسول اللہ ﷺ نے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کو جماعت کروانے کا حکم دیا، حالانکہ وہ کل دو آدمی تھے۔ بعض روایات میں بنولیث کے زیادہ آدمیوں کے وفد کا ذکر آیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں، ایک واقعہ میں وہ دو ہی تھے اور ایک میں زیادہ۔ خود رسول اللہ ﷺ نے ابن عباس، حذیفہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم میں سے

ہر ایک کو الگ الگ رات کی نماز میں اپنے ساتھ کھڑا کیا ہے۔

2 جماعت کا لفظ نماز کے معاملے میں دو یا دو سے زیادہ پر بولا جاتا ہے۔ اسی طرح میراث کے مسائل میں جماعت کا لفظ دو یا دو سے زیادہ پر بولا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ عموماً جماعت کا لفظ تین یا اس سے زیادہ پر بولا جاتا ہے۔ (ابن عثیمین)

٣٦ ـ بَابُ مَنْ جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ وَفَضْلِ الْمَسَاجِدِ

36۔ باب: جو شخص مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا رہے اور مسجدوں کی فضیلت

٦٥٩ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «اَلْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، لَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا دَامَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ، لَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْقَلِبَ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا الصَّلَاةُ» [راجع: ١٧٦ـ أخرجه مسلم: ٣٦٢ و ٦٤٩، بقطعة لم ترد في هذه الطريق، و أخرجه مطولاً في المساجد (٢٧٢)]

659۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص جب تک اپنی نماز کی جگہ میں رہے فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ وضو نہ توڑے: اے اللہ! اسے بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم کر۔ تم میں سے کسی کو جب تک نماز روکے ہوئے ہو وہ نماز ہی میں ہوتا ہے، جب تک اسے گھر واپس جانے سے روکنے والی نماز کے سوا کوئی چیز نہ ہو۔“

فائدہ یہ حدیث اس سے پہلے (۴۴۵) میں گزر چکی ہے، اس کے فوائد وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

٦٦٠ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ،

660۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”سات آدمی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا: عادل حکمران، اور وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں بڑا ہوا، اور وہ آدمی جس کا دل مسجدوں میں لٹکا ہوا ہے، اور وہ دو آدمی جنھوں نے اللہ کی خاطر دوستی کی، اسی پر اکٹھے ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے، اور وہ آدمی جسے کسی مرتبے والی خوبصورت عورت نے بلایا تو اس نے کہا: میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں،

وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ» [انظر : ١٤٢٣، ٦٤٧٩، ٦٨٠٦، وانظر في الزكاة، باب : ٣۔ أخرجه مسلم : ١٠٣١ بقلب في لفظ الشمال و زيادة لفظ «امرأة»]

اور وہ آدمی جس نے چھپا کر صدقہ کیا یہاں تک کہ اس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے، اور وہ آدمی جس نے اکیلے میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں بہ پڑیں۔''

فوائد 1 اس حدیث میں ایسے سات آدمیوں کا ذکر ہے جنھیں اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عطا کرے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے سوا کسی اور کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی، بلکہ یہ عدد حدیث حفظ کرنے میں مدد کے لیے ہے، کیونکہ حدیث میں ان کے علاوہ بھی کئی لوگوں کے لیے یہ فضیلت آئی ہے، چنانچہ ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: « مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظَلَّهُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهِ » [مسلم : ٣٠٠٦] ''جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے یا اس کا کچھ قرض معاف کر دے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے سائے میں سایہ دے گا۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے ان کے علاوہ ایسی خصلتیں تلاش کیں تو وہ دس سے زیادہ نکلیں، میں نے ان میں سے سات کا انتخاب کیا جو جید سندوں کے ساتھ آئی ہیں: ① غازی کو خیمہ دینا ② اس کی مدد کرنا ③ تنگدست کو مہلت دینا ④ اسے کچھ حصہ معاف کر دینا ⑤ تاوان والے کو دینا ⑥ مکاتب کی مدد کرنا ⑦ اور قول و فعل میں سچا تاجر۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان ساتوں کے متعلق احادیث کے حوالے ذکر کیے ہیں۔ ان سات کے بعد حافظ رحمہ اللہ نے مزید ایسے سات آدمیوں کا ذکر کیا ہے، پھر اور سات آدمیوں کا، مگر آخری سات کے بارے میں کہا ہے کہ ان کے متعلق احادیث ضعیف ہیں۔

2 ''اللہ تعالیٰ انھیں اپنے سائے میں سایہ دے گا'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کا سایہ نہیں ہے، بلکہ اس کا عطا کردہ سایہ ہے اور اسے اللہ کا سایہ اسی طرح کہا گیا ہے جیسے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو '' نَاقَةُ اللّٰهِ '' کہا گیا ہے اور کعبہ کو '' بَيْتُ اللّٰهِ '' کہا گیا ہے، جب کہ تمام اونٹنیاں اور تمام گھر اللہ کے ہیں، مگر ان دونوں کی تعظیم و تشریف کے لیے انھیں اللہ کی اونٹنی اور اللہ کا گھر قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اس وقت جب زمین پر کسی درخت یا عمارت یا پتھر یا پہاڑ یا مکان یا غار یا کسی اور چیز کا سایہ نہیں ہوگا اور سورج ایک میل پر ہوگا اس وقت انسان کے اعمال کی بدولت اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ سایہ ہی سایہ مہیا کرے گا۔ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « كُلُّ امْرِئٍ فِيْ ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتّٰى يُفْصَلَ بَيْنَ النَّاسِ » [مسند أحمد : ١٧٣٣٣] ''ہر آدمی اپنے صدقے کے سائے میں ہوگا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔'' مسند احمد کے محققین نے فرمایا: اس کی سند صحیح ہے۔

اس کے علاوہ ایک حدیث میں عرش کے سائے کا لفظ بھی آیا ہے۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے تو اس کے متعلق کہا ہے: " هٰذَا الْحَدِيْثُ فِيْهِ نَظَرٌ، لِأَنَّهُ تَحْتَاجُ إِلَى تَثَبُّتٍ فِيْ صِحَّةِ نَقْلِهِ " ''اس حدیث میں نظر ہے، کیونکہ اس کی روایت کو صحیح قرار دینے کے لیے تحقیق کی ضرورت ہے۔'' مگر مسند احمد (۳۵۹/۲، ح: ۸۷۱۱) اور سنن ترمذی (۱۳۰۶) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ لَهُ، أَظَلَّهُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ » ''جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے یا اس سے کچھ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے گا۔'' ترمذی نے فرمایا: " حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ " اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا: " صَحِيْحٌ " اور مسند احمد کے محققین نے کہا ہے: " إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ، رِجَالُهُ ثِقَاتٌ، رِجَالُ الشَّيْخَيْنِ غَيْرَ حَرْمَلَةَ ابْنِ عِمْرَانَ، فَإِنَّهُ مِنْ رِجَالِ مُسْلِمٍ وَغَيْرُهُ عَلِيُّ بْنُ إِسْحَاقَ فَمِنْ رِجَالِ التِّرْمِذِيِّ، وَهُوَ ثِقَةٌ . " حاکم، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کی رو سے اللہ کے سائے سے اس کے عرش کا سایہ بھی مراد ہو سکتا ہے، البتہ یہ بات اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ان لوگوں کو ایک میل پر آئے ہوئے سورج سے اللہ کے عرش کا سایہ جو ساری مخلوق سے اوپر ہے اور سب سے بڑا ہے، کیسے عطا ہو گا، کیونکہ آخرت کے معاملات ہماری ناقص عقل سے بہت بلند ہیں۔

3 إِمَامٌ عَادِلٌ : ان سات خوش بختوں میں سب سے پہلے عادل حکمران کا ذکر فرمایا، جو اپنی قرابت یا دوستی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے کسی کو حق کے مقابلے میں ترجیح نہیں دیتا۔ اسے سب سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ کام بہت ہی مشکل ہے، پھر حکمران کے پاس حکومت اور قوت ہونے کی وجہ سے ظلم آسان ہوتا ہے، کیونکہ اگر وہ ظلم پر اتر جائے تو اس سے باز پرس کون کرے گا، لیکن جب وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا تو وہ اپنے ماتحت تمام لوگوں اور تمام کاموں میں عدل کرے گا۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ، الَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا » [مسلم، کتاب الإمارۃ، باب فضيلة الإمام العادل : ۱۸۲۷] ''انصاف کرنے والے لوگ رحمٰن عزوجل کی دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے، اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلے میں اور اپنے گھر والوں میں اور ان چیزوں میں جن کے وہ ذمہ دار ہوں سب میں عدل کرتے ہیں۔'' اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے سائے یا اس کے عرش کے سائے کی کیفیت کا کچھ اندازہ بھی ہوتا ہے۔

4 وہ جوان جو بچپن ہی سے اپنے رب کی عبادت میں بڑا ہوا: اس طرح عبادت اس کی طبیعت بن گئی، جس کے خلاف کرنے سے اسے تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جس کی نشو ونما فسق و فجور پر ہو توبہ کے بعد بھی اس کے لیے توبہ پر قائم

رہنا مشکل ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہمیں اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو بچپن ہی سے اللہ کی بندگی کا عادی بنانا چاہیے، مثلاً ننگے بازوؤں والا یا گھٹنوں تک لباس یا تنگ لباس اگرچہ چھوٹی بچیوں کے حق میں حرام نہیں ہے، کیونکہ ابھی تک ان کے اعمال لکھے نہیں جاتے مگر جب انھیں اس کی عادت ہوگئی تو بڑے ہونے پر اس سے انھیں ہٹانا مشکل ہو جائے گا۔ اسی طرح بچپن میں انھیں انٹرنیٹ پر حرام تصویریں دیکھنے یا موسیقی سننے کی عادت ہوگئی تو بڑے ہوکر اسے ترک کرنا ان کے لیے مشکل ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جوان کی بندگی بوڑھے کی بندگی سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے، کیونکہ جوانی میں بے راہ روی کا امکان زیادہ ہوتا ہے اور جوانی کے منہ زور جوش کے آگے بند باندھنا مشکل ہوتا ہے، پھر جوانی میں یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ ابھی بہت وقت ہے توبہ کر ہی لیں گے، جب کہ بڑھاپے میں قبر کا خیال سامنے ہوتا ہے، تو قوتیں بھی مضمحل ہو جاتی ہیں۔

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است   وقت پیری گرگ ظالم مے شود پرہیزگار

اگرچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بے حساب ہے کہ وہ بڑھاپے میں بھی توبہ قبول کرتا ہے مگر جوانی کی بات کچھ اور ہے۔

5 وہ آدمی جس کا دل مساجد سے لٹکا ہوا ہے: وہ مسجد سے نکلتا ہے تب بھی دل میں اگلی نماز کے لیے مسجد میں جانے کا انتظار رہتا ہے۔ اس میں وہ مریض بھی شامل ہیں جن کا دل مسجد سے لٹکا ہوا ہے، مگر وہ بیماری کی وجہ سے مسجد میں نہیں جا سکتے۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وہ شخص جس کا دل ہمیشہ اللہ کے ساتھ معلق ہو وہ اس شخص سے بھی زیادہ اس سائے کا حق دار ہوگا جس کا دل مسجدوں سے معلق ہے۔ اس لیے ہمیں ہر وقت جلوت وخلوت میں رب تعالیٰ کو یاد رکھنا چاہیے اور ہر کام کرتے ہوئے دل کا لگاؤ اسی کی طرف ہونا چاہیے۔

6 وہ دو آدمی جن کی دوستی اللہ کی خاطر ہے: وہ دنیا میں کہیں جمع ہوتے ہیں یا موت، سفر یا کسی اور وجہ سے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو تمام صورتوں میں یہ محبت بدستور قائم رہتی ہے، کیونکہ یہ دوستی نہ کسی قرابت کی وجہ سے ہے نہ کسی دنیوی مفاد کے لیے جو حاصل نہ ہونے سے محبت میں فرق آجائے۔

7 رَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ: یعنی اس آدمی کے سامنے گناہ کی ترغیب کی سب چیزیں موجود ہیں، زنا کی دعوت خود عورت دے رہی ہے، جو مرتبے والی بھی اور خوب صورت بھی، پھر کوئی تیسرا وہاں موجود نہیں، پوری طرح خلوت میسر ہے، کیونکہ اگر خلوت میسر نہ ہوتی تو وہ یہ کہنے کی بجائے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں یہ کہتا کہ لوگ دیکھ اور سن رہے ہیں۔ غرض اسے زنا سے بچانے والی چیز صرف اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے، جس پر اسے اللہ کے سائے کی بشارت دی گئی ہے۔ یوسف صدیق علیہ السلام کا واقعہ اس کی بہترین مثال ہے۔

8 اس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا خرچ کرتا ہے: اس سے مراد صدقہ چھپانے میں مبالغہ ہے۔

9 ساتواں آدمی جس نے تنہائی میں ہر خیال سے الگ ہو کر اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، یعنی اس کا رونا لوگوں کے سامنے نہیں کہ کسی کو دکھانے کے لیے ہو، خلوت میں بھی کسی صدمے کو یا کسی دوست یا رشتہ دار کی جدائی کو یا کسی نقصان وغیرہ کو یاد کر کے نہیں رویا، بلکہ صرف اللہ کو یاد کر کے رویا ہے، اسے بھی اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عطا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا کے یہ سب کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور قیامت کے دن ہمیں بھی اپنا سایہ عطا فرمائے۔

٦٦١ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، قَالَ : سُئِلَ أَنَسٌ : هَلِ اتَّخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَاتَمًا ؟ فَقَالَ : نَعَمْ ، أَخَّرَ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ بَعْدَ مَا صَلَّى، فَقَالَ : « صَلَّى النَّاسُ وَرَقَدُوا، وَلَمْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مُنْذُ انْتَظَرْتُمُوهَا » قَالَ : فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ خَاتَمِهِ . [راجع : ٥٧٢ـ أخرجه مسلم : ٦٤٠]

661۔ حمید سے روایت ہے کہ انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھی بنوائی تھی؟ انھوں نے کہا: ہاں! آپ نے ایک رات عشاء کی نماز آدھی رات تک مؤخر کر دی، پھر نماز ادا کرنے کے بعد ہماری طرف منہ پھیرا اور فرمایا: ''لوگ نماز پڑھ کر سو گئے اور تم جب سے اس کا انتظار کرتے رہے نماز ہی میں رہے۔'' انس رضی اللہ عنہ نے کہا: تو گویا میں آپ کی انگوٹھی کی چمک کو دیکھ رہا ہوں۔

فائدہ یہ حدیث اس سے پہلے (٥٧٢) میں گزر چکی ہے۔

٣٧ـ بَابُ فَضْلِ مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ وَمَنْ رَاحَ

37۔ باب: اس شخص کی فضیلت جو صبح مسجد کی طرف جائے اور جو پچھلے پہر جائے

٦٦٢ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ ابْنُ هَارُونَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ وَرَاحَ، أَعَدَّ اللَّهُ لَهُ نُزُلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ » [أخرجه مسلم : ٦٦٩]

662۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص صبح مسجد کی طرف جائے اور پچھلے پہر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت سے اس کی مہمانی تیار کرے گا، جب بھی صبح جائے یا پچھلے پہر جائے۔''

فوائد 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت بنائی جا چکی ہے، کیونکہ اس میں مہمانی تبھی تیار ہو گی جب وہ موجود ہو۔ اسی طرح جہنم بھی موجود ہے، جیسا کہ متعدد آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ صبح اور پچھلے پہر مسجد کی طرف جانے میں فجر اور عصر کی نمازیں سب سے پہلے داخل ہیں۔

2 صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں " فَضْلُ مَنْ غَدَا " کی بجائے " فَضْلُ مَنْ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ وَمَنْ رَاحَ " کے الفاظ ہیں۔ " خَرَجَ " کا لفظ صبح ہو یا شام کسی بھی وقت نکلنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے " رَاحَ " کا معنی لوٹنا اور واپس آنا ہوگا۔ اس صورت میں مسجد میں جانے کا ثواب بھی ہے اور وہاں سے گھر واپس آنے کا بھی ثواب ہے۔

٣٨- بَابٌ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ

38- باب: جب نماز کی اقامت کہی جائے تو فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں

٦٦٣- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ. قَالَ: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: سَمِعْتُ حَفْصَ ابْنَ عَاصِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلًا مِنَ الْأَزْدِ يُقَالُ لَهُ: مَالِكُ ابْنُ بُحَيْنَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَاثَ بِهِ النَّاسُ، وَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «آلصُّبْحَ أَرْبَعًا؟ آلصُّبْحَ أَرْبَعًا؟»

663- ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے اپنے باپ سے، انھوں نے حفص بن عاصم سے، انھوں نے عبداللہ بن مالک ابن بحینہ سے بیان کیا، انھوں نے کہا: نبی ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے۔ (دوسری سند) امام بخاری نے کہا: اور مجھے عبدالرحمٰن (بن بشر) نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں بہز بن اسد نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا: مجھے سعد بن ابراہیم نے خبر دی، انھوں نے کہا: میں نے حفص بن عاصم سے سنا، انھوں نے کہا: میں نے ازد قبیلے کے ایک آدمی سے سنا، جسے مالک ابن بحینہ کہا جاتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دو رکعتیں پڑھ رہا تھا جب کہ نماز کی اقامت ہو چکی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو لوگوں نے اس آدمی کو گھیر لیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا: "کیا صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟ کیا صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟"

تَابَعَهُ غُنْدَرٌ وَ مُعَاذٌ، عَنْ شُعْبَةَ فِي مَالِكٍ، وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: عَنْ سَعْدٍ، عَنْ حَفْصٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ، وَقَالَ حَمَّادٌ: أَخْبَرَنَا سَعْدٌ،

بہز بن اسد کے ساتھ غندر اور معاذ نے بھی شعبہ سے اسی طرح بیان کیا کہ مالک (ابن بحینہ) نے کہا۔ اور ابن اسحاق نے اس حدیث کو سعد سے بیان کیا، انھوں نے حفص

عَنْ حَفْصٍ، عَنْ مَالِكٍ . [أخرجه مسلم : ٧١١] سے، انھوں نے عبداللہ ابن بحینہ سے۔ اور حماد نے کہا: ہمیں سعد نے حفص سے، انھوں نے مالک سے بیان کیا۔

فوائد 1 اس باب کا عنوان ایک حدیث کے الفاظ ہیں جو صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[دیکھیے مسلم، كتاب المساجد، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن : ٧١٠] اصحاب السنن، ابن حبان اور ابن خزیمہ نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ حدیث صحیح ہے مگر عمرو بن دینار کے بعض شاگرد اسے مرفوع اور بعض موقوف بیان کرتے ہیں۔ بعض اہلِ علم کے خیال کے مطابق بخاری نے اس وجہ سے اسے متن میں روایت نہیں کیا مگر مسئلہ ثابت ہونے کی وجہ سے اسے باب کا عنوان بنا دیا اور دوسری حدیث کے ساتھ اسے ثابت کر دیا۔ (فتح الباری)

2 یہاں ایک سوال ہے کہ " إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ " (جب نماز کی اقامت کہی جائے) سے کیا مراد ہے؟ کیا جب پوری اقامت کہہ دی جائے اس وقت فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں، یا جب مؤذن اقامت کہنا شروع کرے اس وقت فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ مؤذن کے اقامت شروع کرنے کے ساتھ ہی ہر نماز جو وہاں کوئی بھی شخص پڑھ رہا ہو ختم ہو جاتی ہے، خواہ نفل پڑھ رہا ہو یا سنتِ راتبہ۔ بلکہ احمد (۸۶۲۳) نے ایک اور سند کے ساتھ یہ الفاظ روایت کیے ہیں: « فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الَّتِيْ أُقِيمَتْ » یعنی اس نماز کے سوا کوئی نماز نہیں جس کی اقامت کہی گئی ہے۔ اقامت شروع ہونے کے ساتھ ہر نماز ختم ہونے کی دلیل صحیح ابن حبان (۲۱۹۰) میں محمد بن جُحادہ کے عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہوئے یہ صریح الفاظ ہیں: « إِذَا أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْإِقَامَةِ » ''جب مؤذن اقامت کہنا شروع کر دے۔'' (فتح الباری) اس سے معلوم ہوا کہ مؤذن کے اقامت شروع کرنے کے ساتھ ہی جو بھی نماز پڑھ رہا ہے اسے ختم کر کے صفیں درست کرنی چاہییں۔ بعض لوگ جو رکعت پوری کرتے رہتے ہیں یا تشہد پورا کرتے رہتے ہیں ان کا عمل درست نہیں۔

3 اقامت کے بعد چونکہ فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں اس لیے اگر کوئی صبح کی اقامت کے بعد امام سے الگ دو رکعتیں پڑھے، پھر امام کے ساتھ شامل ہو جائے تو اس نے صبح کے دو نہیں بلکہ چار فرض پڑھے اور اگر ظہر میں ایسا کرے گا تو گویا اس نے چھ فرض پڑھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی سے فرمایا کہ کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟ یعنی یہ کام مت کرو۔

4 یہ صاحب جو اقامت کے بعد نماز پڑھ رہے تھے خود حدیث کے راوی عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ امام احمد (۲۲۹۲۷) اور حاکم (۳/۴۸۶، ح: ۵۸۱۸) نے ایک طریق میں روایت کیا ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی پیش آیا، وہ کہتے ہیں: میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مؤذن نے اقامت شروع کر دی تو نبی ﷺ نے مجھے کھینچا اور فرمایا: « أَتُصَلِّي الصُّبْحَ أَرْبَعًا ؟ » ''کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟'' اسے ابن خزیمہ (۱۱۲۴) اور ابن حبان (۲۴۶۹) وغیرہم نے روایت کیا۔ (فتح الباری)

5 بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ دوسری نمازوں میں تو نہیں البتہ صبح کی نماز میں اقامت کے بعد بھی اگر ایک رکعت جماعت کے ساتھ ملنے کی امید ہو تو مسجد کی ایک جانب سنتیں پڑھ سکتا ہے۔ اس کی دلیل وہ سنن کبری بیہقی (۲/۶۷۹، ح: ۴۵۵۰)

کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ إِلَّا رَكْعَتَيِ الصُّبْحِ » ''جب نماز کی اقامت کہی جائے تو فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں، مگر صبح کی دو رکعتیں۔'' مگر ان لوگوں کا بیہقی رحمہ اللہ سے یہ روایت نقل کرنا اور اس پر بیہقی کا کلام ذکر نہ کرنا علمی خیانت ہے، جس کا ارتکاب صحیح بخاری کے بعض حاشیہ لکھنے والوں نے بھی کیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ اس روایت پر لکھتے ہیں: '' وَهٰذِهِ الزِّيَادَةُ لَا أَصْلَ لَهَا، وَحَجَّاجُ بْنُ نُصَيْرٍ وَعَبَّادُ بْنُ كَثِيرٍ ضَعِيفَانِ. '' ''ان زائد الفاظ (إِلَّا رَكْعَتَيِ الصُّبْحِ) کا کوئی اصل نہیں اور حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر دونوں ضعیف ہیں۔'' خلاصہ یہ ہے کہ اقامت کے بعد فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں ہوتی حتیٰ کہ اس وقت صبح کی سنتیں پڑھنا بھی جائز نہیں۔

6 یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے صحابی عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ عبداللہ کے والد کا نام مالک ہے اور والدہ کا بحینہ ہے۔ اس لیے بحینہ سے پہلے ''ابن'' کے لفظ میں ''الف'' لکھا جاتا ہے، تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ بحینہ مالک کا والد یا والدہ ہے، جیسا کہ عبداللہ بن أبي ابن سلول لکھا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے اس کی درست سند درج کی ہے، اس کے ساتھ شعبہ کی بیان کردہ سند ذکر کی ہے، جس میں انھیں دو جگہ وہم ہوا ہے: ایک یہ کہ انھوں نے حدیث کا راوی عبداللہ کی بجائے مالک کو قرار دیا ہے، دوسرا یہ کہ بحینہ کو مالک کی والدہ قرار دیا ہے، حالانکہ وہ مالک کی بیوی ہے اور عبداللہ کی والدہ ہے۔ اس لیے اس سے پہلے ''ابن'' کا لفظ ''الف'' کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ عبداللہ اور ان کی والدہ بحینہ مسلمان ہو گئے تھے، مگر مالک مسلمان نہیں ہوا۔

٣٩ - بَابُ حَدِّ الْمَرِيضِ أَنْ يَشْهَدَ الْجَمَاعَةَ

39- باب: جماعت میں حاضر ہونے کے لیے مریض کی حد

٦٦٤ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، فَذَكَرْنَا الْمُوَاظَبَةَ عَلَى الصَّلَاةِ وَالتَّعْظِيمَ لَهَا، قَالَتْ: لَمَّا مَرِضَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَأُذِّنَ، فَقَالَ: « مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ » فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ،

664- اسود سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے، اس دوران ہم نے نماز پر ہمیشگی اور اس کی تعظیم کا ذکر کیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ اپنی اس بیماری میں تھے جس میں آپ فوت ہوئے، نماز کا وقت ہو گیا تو اذان کہی گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' آپ سے کہا گیا: ابوبکر غمگین آدمی ہیں، جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ آپ نے دوبارہ

وَأَعَادَ فَأَعَادُوا لَهُ، فَأَعَادَ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: «إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ» فَخَرَجَ أَبُو بَكْرٍ فَصَلَّى فَوَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً، فَخَرَجَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، كَأَنِّي أَنْظُرُ رِجْلَيْهِ تَخُطَّانِ مِنَ الْوَجَعِ، فَأَرَادَ أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَتَأَخَّرَ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ مَكَانَكَ، ثُمَّ أُتِيَ بِهِ حَتَّى جَلَسَ إِلَى جَنْبِهِ.

وہی حکم دیا، انھوں نے آپ ﷺ سے پھر وہی بات کہی، آپ نے تیسری دفعہ پھر حکم دیا اور فرمایا: ”تم یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ والیاں ہو، ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نکلے، نماز پڑھاتے رہے، پھر نبی ﷺ نے اپنی طبیعت کچھ ہلکی محسوس کی تو آپ نکلے، آپ کو دو آدمیوں کے سہارے سے لایا جا رہا تھا، گویا میں آپ کے قدموں کو دیکھ رہی ہوں، درد کی وجہ سے (زمین پر) لکیریں کھینچتے جاتے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا تو نبی ﷺ نے انھیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہو، پھر آپ کو لایا گیا یہاں تک کہ آپ ان کی ایک جانب بیٹھ گئے۔

قِيلَ لِلْأَعْمَشِ: وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي، وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلَاتِهِ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ؟ فَقَالَ بِرَأْسِهِ: نَعَمْ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ بَعْضَهُ، وَزَادَ أَبُو مُعَاوِيَةَ: جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي قَائِمًا. [راجع: ١٩٨ - أخرجه مسلم: ٤١٨ مطولاً]

اعمش سے کہا گیا: تو نبی ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی نماز کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے؟ تو انھوں نے سر کے اشارے سے کہا کہ ہاں۔ اور ابوداود (طیالسی) نے شعبہ سے اور انھوں نے اعمش سے اس حدیث کا بعض حصہ بیان کیا ہے۔ اور ابومعاویہ نے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ آپ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں طرف بیٹھ گئے، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے رہے۔

٦٦٥ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي، فَأَذِنَّ لَهُ، فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ الْأَرْضَ، وَكَانَ بَيْنَ الْعَبَّاسِ وَرَجُلٍ آخَرَ.

665۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ کی طبیعت بوجھل ہو گئی اور آپ کی تکلیف بہت شدید ہو گئی تو آپ نے اپنی بیویوں سے اجازت مانگی کہ آپ کی بیماری کی دیکھ بھال میرے گھر میں کی جائے۔ انھوں نے آپ کو اجازت دے دی تو آپ دو آدمیوں کے درمیان نکلے، آپ کے دونوں پاؤں زمین پر لکیریں کھینچتے جا رہے تھے اور آپ عباس رضی اللہ عنہ اور ایک اور آدمی کے درمیان تھے۔

قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ، فَقَالَ لِي: وَهَلْ تَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الَّذِي لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: هُوَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ. [راجع: ١٩٨ـ أخرجه مسلم: ٤١٨ مطولاً]

عبید اللہ (بن عبد اللہ) نے کہا: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس بات کا ذکر کیا جو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہی تھی تو انھوں نے مجھ سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ وہ آدمی کون تھا جس کا عائشہ رضی اللہ عنہا نے نام نہیں لیا؟ میں نے کہا: نہیں، تو انھوں نے کہا: وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

فوائد 1 اس حدیث (۶۶۴، ۶۶۵) کے بعض جملوں کی شرح (۱۹۸) میں گزر چکی ہے، بعض جملوں کی شرح یہاں کی جاتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ انسان تھے، آپ بیمار بھی ہوتے تھے، آپ پر بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں بھی آئیں اور آپ فوت بھی ہوئے۔

2 اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ نکالا کہ رسول اللہ ﷺ باوجود یہ کہ سخت بیمار تھے، مگر جب طبیعت کچھ ہلکی ہوئی تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر بھی مسجد میں تشریف لائے۔ معلوم ہوا بیماری میں طبیعت کچھ ہلکی ہو تو سہارا لے کر بھی مسجد میں آنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اسی پر عمل تھا، چنانچہ سنن ابی داود (۵۵۰) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: « وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ » ''اور میں نے صحابہ کو دیکھا کہ آدمی دو آدمیوں کے درمیان سہارے سے لایا جاتا تھا، یہاں تک کہ صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔'' یہ روایت صحیح ہے، اس میں جماعت کی تاکید ظاہر ہے۔ طبری نے کہا: آپ نے اس لیے ایسا کیا کہ آپ کے بعد ائمہ اور حکام معمولی بیماری کو بہانہ بنا کر مسجد میں آنا اور جماعت کروانا چھوڑ نہ دیں۔ بعض علماء نے فرمایا: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ بیماری میں مسجد میں نہ آنے کی رخصت ہے مگر عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے۔

3 رسول اللہ ﷺ نے جب فرمایا کہ ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھائیں تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ابوبکر غمگین آدمی ہیں، آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، اس لیے آپ عمر سے کہیں کہ وہ نماز پڑھائیں۔ آپ نے پھر فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ انھوں نے دوبارہ کہا، آپ نے پھر فرمایا: ''ابوبکر کو نماز پڑھانے کے لیے کہو۔'' اب عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہی بات کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم یوسف کے ساتھ والیاں ہو، ابوبکر سے کہو نماز پڑھائے۔'' یہاں سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کیوں فرمایا کہ تم یوسف کے ساتھ والیاں ہو؟ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: ''زلیخا کی طرح تم بھی ہو کہ دل میں کچھ ہے ظاہر میں بہانہ کچھ کرتی ہو۔ زلیخا نے عورتوں کو دعوت کے بہانے سے بلایا تھا اور دل مطلب یہ تھا کہ وہ یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھیں اور زلیخا کو ان کے عشق و محبت میں معذور رکھیں، یہاں بھی عائشہ رضی اللہ عنہا نے ظاہر میں تو یہ بیان کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نرم دل ہیں، وہ امامت نہ کر سکیں گے اور مطلب یہ تھا کہ اگر آپ ﷺ اس بیماری سے اچھے نہ ہوئے اور گزر گئے تو ہمیشہ کے لیے لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نحس قدم سمجھیں گے، ان سے نفرت کرنے لگیں گے۔'' ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ بات جو ان کے دل میں تھی خود بیان کی ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

« لَقَدْ رَاجَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذٰلِكَ، وَمَا حَمَلَنِيْ عَلٰى كَثْرَةِ مُرَاجَعَتِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَقَعْ فِيْ قَلْبِيْ : أَنْ يُّحِبَّ النَّاسُ بَعْدَهُ رَجُلًا قَامَ مَقَامَهُ أَبَدًا، وَلَا كُنْتُ أُرٰى أَنَّهُ لَنْ يَّقُوْمَ أَحَدٌ مَقَامَهُ إِلَّا تَشَاءَمَ النَّاسُ بِهِ، فَأَرَدْتُ أَنْ يَّعْدِلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ » [بخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ و وفاته : ٤٤٤٥] ”میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بار بار بات کی اور میں نے اتنی زیادہ دفعہ صرف اس لیے بات کی کہ میرے دل میں نہیں آتا تھا کہ لوگ آپ ﷺ کے بعد کبھی اس آدمی سے محبت کریں گے جو آپ کی جگہ پر کھڑا ہوگا اور میں سمجھتی تھی کہ آپ کی جگہ جو شخص بھی کھڑا ہوگا لوگ اسے منحوس سمجھیں گے، اس لیے میں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکر سے ہٹ کر کسی اور کو نماز پڑھانے کا حکم دیں۔“ خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو یوسف علیہ السلام کے ساتھ والیوں کے ساتھ مشابہت اس لیے دی کہ وہ ظاہر کچھ اور کر رہی تھیں اور دل میں اور بات تھی۔ علامہ وحید الزمان اور دوسرے شارحین و مفسرین نے عزیز مصر کی بیوی کے متعلق یہی لکھا ہے کہ وہ بظاہر دعوت کر رہی تھی، مگر اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ عورتیں یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھیں اور عزیز مصر کی بیوی کو یوسف علیہ السلام کے عشق میں معذور سمجھیں۔ مگر قرآنِ مجید پر غور کرنے سے سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اس دعوت کا مقصد یہ تھا کہ وہ سب عورتیں یوسف علیہ السلام کو گناہ میں پھنسانے کی کوشش کریں، پھر اگر وہ کسی کے فریب میں آگئے تو عزیز مصر کی بیوی بھی اپنی خواہش پوری کرنے کا مطالبہ کر سکے گی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی عز بن عبد السلام سے یہ تفسیر نقل کی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے میری تالیف تفسیر القرآن الکریم، سورۂ یوسف آیت (۳۰ تا ۵۱) کی تفسیر۔

4 ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کو سہارا دے کر لانے والوں میں سے عباس رضی اللہ عنہ کا نام لیا، دوسرے آدمی یعنی علی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا، بعض علماء نے فرمایا: اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی ﷺ کو سہارا دینے والے صرف علی رضی اللہ عنہ نہیں تھے، بلکہ بعض اوقات انھوں نے سہارا دیا، بعض اوقات فضل رضی اللہ عنہ نے اور بعض اوقات اسامہ رضی اللہ عنہ نے سہارا دیا، البتہ ہر دفعہ عباس رضی اللہ عنہ ساتھ ہوتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ گمان درست نہیں کہ انھوں نے کسی رنجش کی وجہ سے علی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ ہر بار آپ کے ساتھ نہیں تھے، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے رنجش ہی کی وجہ سے علی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: اسماعیلی نے عبد الرزاق عن معمر کی روایت سے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: « وَلٰكِنْ عَائِشَةُ لَا تَطِيْبُ نَفْسًا لَهُ بِخَيْرٍ » [مصنف عبد الرزاق : ٤٢٩/٥، ح : ٩٧٥٤] ”لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے لیے کسی خیر کا خوش دلی سے ذکر نہیں کرتیں۔“ اور بلاذری کی انساب (۵۴۵/۱) میں زہری سے ہے: « وَلٰكِنَّهَا لَا تَقْدِرُ أَنْ تَذْكُرَهُ بِخَيْرٍ » ”لیکن وہ ان کا ذکر خیر سے نہیں کر سکتیں۔“ تفصیل فتح الباری میں ملاحظہ فرمائیں۔ رہی صحابہ کی باہمی رنجش تو وہ کوئی ناممکن بات نہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے نیک اعمال کی بدولت ان کی لغزشیں معاف کر دی ہیں اور وہ سب جنت میں جائیں گے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے سینے ایک دوسرے کے خلاف رنجش سے پاک صاف کر دے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴾ [الحجر : ٤٧] ”اور ہم ان کے سینوں میں جو بھی کینہ ہے نکال دیں گے، بھائی بھائی بن کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔“

5 پہلے فوائد کے علاوہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے نزدیک تمام صحابہ سے مقدم اور افضل تھے۔ ❀ ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے۔ ❀ اس میں رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اشارہ بھی ہے۔ ❀ اس میں نبی ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات خصوصاً عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نرمی اور محبت کے سلوک کا اظہار بھی ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری ازواج پر فضیلت بھی کہ آپ نے دوسری بیویوں سے اجازت لے کر بیماری کے ایام ان کے گھر میں گزارے، انھی کی گود میں فوت ہوئے اور انھی کے حجرے میں دفن ہوئے۔ ❀ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف سے معلوم ہوا کہ جس شخص پر خود پسندی کا خطرہ نہ ہو اس کی حقیقی خوبی اس کی موجودگی میں بیان کی جا سکتی ہے۔ ❀ چھوٹا آدمی بڑے کے سامنے اپنی رائے دوبارہ، سہ بارہ پیش کر سکتا ہے۔ ❀ عام معاملے میں مشورہ کرنا چاہیے۔ ❀ چھوٹے کو بڑے کا ادب کرنا چاہیے، جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی آمد پر پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا۔ ❀ فضیلت والے کا اکرام کرنا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیچھے ہٹ کر صف میں شامل ہونے سے روک دیا۔ ❀ اشارہ بھی تصریح کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ❀ آپ ﷺ کے اشارے کی وجہ کمزوری بھی ہو سکتی ہے اور اس بات کا اشارہ بھی کہ نمازی کو بات زبان کی بجائے اشارے سے سمجھانا بہتر ہے۔ ❀ اس میں جماعت کے ساتھ نماز کی تاکید اور اس معاملے میں رخصت کی بجائے عزیمت اختیار کرنے کا سبق ہے۔ ❀ مکبر کی آواز کے ساتھ مقتدی امام کی پیروی کر سکتا ہے۔ ❀ بڑا امام آنے پر عارضی امام اس کا مقتدی بن سکتا ہے۔ ❀ بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے عارضی امام اور دوسرے مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (فتح الباری)

٤٠ ۔ بَابُ الرُّخْصَةِ فِي الْمَطَرِ وَالْعِلَّةِ أَنْ يُصَلِّيَ فِي رَحْلِهِ

٦٦٦۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِي لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيحٍ، ثُمَّ قَالَ : أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ، ثُمَّ قَالَ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ، يَقُولُ : «أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ» [راجع : ٦٣٢۔ أخرجه مسلم : ٦٩٧]

40۔ باب: بارش اور عذر میں اپنے ٹھکانے پر نماز پڑھنے کی رخصت

666۔ نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سردی اور آندھی والی رات میں اذان کہی، پھر کہا: ''سنو! اپنے ٹھکانوں پر نماز پڑھ لو۔'' پھر کہا: جب سردی اور آندھی والی رات ہوتی تو رسول اللہ ﷺ مؤذن کو حکم دیتے کہ وہ یہ کہے: ''سنو! اپنے ٹھکانوں پر نماز پڑھ لو۔''

فائدہ اس حدیث کی شرح حدیث (٦٣٢) میں گزر چکی ہے۔ عینی نے ابن حبان کے حوالے سے لکھا ہے کہ مختلف احادیث کے پیش نظر دس عذر ایسے ہیں جو نماز باجماعت میں شرکت سے رکاوٹ بن سکتے ہیں: ❀ شدید بیماری۔ ❀ کھانے کا سامنے آ جانا، جب بھوک لگی ہو۔ ❀ سہو و نسیان۔ ❀ بہت زیادہ موٹاپا۔ ❀ پیشاب پاخانے کی حاجت۔ ❀ راستے میں مال و جان کا خطرہ۔ ❀ سخت سردی۔ ❀ تکلیف دہ بارش۔ ❀ زیادہ اندھیرا جس میں آنا جانا مشکل ہو۔ ❀ لہسن، پیاز یا

مولی وغیرہ کا استعمال جس سے ناگوار بو آتی ہو۔ (ہدایۃ القاری)

٦٦٧ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ كَانَ يَؤُمُّ قَوْمَهُ وَهُوَ أَعْمَى، وَأَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّهَا تَكُونُ الظُّلْمَةُ وَالسَّيْلُ، وَأَنَا رَجُلٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ، فَصَلِّ يَا رَسُولَ اللَّهِ! فِي بَيْتِي مَكَانًا أَتَّخِذُهُ مُصَلًّى، فَجَاءَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: «أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ؟» فَأَشَارَ إِلَى مَكَانٍ مِنَ الْبَيْتِ، فَصَلَّى فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ. [راجع: ٤٢٤ـ أخرجه مسلم: ٣٣، وفي المساجد (٢٦٣)]

667۔ محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی قوم کو امامت کرواتے تھے اور وہ نابینا تھے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ! قصہ یہ ہے کہ اندھیرا اور پانی کا ریلا ہوتا ہے اور میں خراب نظر والا آدمی ہوں، اس لیے یا رسول اللہ! آپ میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ دیں، میں اسے نماز کی جگہ بنا لوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے اور فرمایا: ''تم کس جگہ پسند کرتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟'' انھوں نے گھر میں سے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا تو آپ ﷺ نے اس میں نماز پڑھ دی۔

فائدہ حدیث کی باب سے مناسبت ظاہر ہے، اس کے کچھ فوائد حدیث (۴۲۴) میں گزر چکے ہیں۔

٤١ـ بَابٌ: هَلْ يُصَلِّي الْإِمَامُ بِمَنْ حَضَرَ؟ وَهَلْ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمَطَرِ؟

41۔ باب: کیا (بارش میں) امام موجود لوگوں کو نماز پڑھائے؟ اور کیا جمعہ کے دن بارش میں خطبہ دے؟

٦٦٨ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْحَارِثِ، قَالَ: خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِي يَوْمٍ ذِي رَدْغٍ، فَأَمَرَ الْمُؤَذِّنَ لَمَّا بَلَغَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: قُلِ: الصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ، فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَكَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوا، فَقَالَ: كَأَنَّكُمْ أَنْكَرْتُمْ هَذَا، إِنَّ هَذَا فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي، يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ، إِنَّهَا عَزْمَةٌ، وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ.

668۔ عبداللہ بن حارث سے روایت ہے کہ (عبداللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک کیچڑ والے دن میں ہمیں خطبہ دیا تو مؤذن جب " حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ " پر پہنچا تو کہا: یوں کہو " اَلصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ " (اپنے اپنے ٹھکانوں پر نماز پڑھو)۔ لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، گویا انھوں نے اسے انوکھا سمجھا تو (ابن عباس رضی اللہ عنہما نے) کہا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اسے انوکھا محسوس کیا ہے، یہ عمل اس شخص نے کیا ہے جو مجھ سے بہتر تھا، یعنی نبی ﷺ نے۔ یہ (جمعہ) ضروری فریضہ ہے اور میں نے ناپسند کیا کہ تمھیں مشقت

میں ڈالوں۔

وَعَنْ حَمَّادٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: كَرِهْتُ أَنْ أُؤَثِّمَكُمْ فَتَجِيئُونَ تَدُوسُونَ الطِّينَ إِلَى رُكَبِكُمْ. [راجع: ٦١٦- أخرجه مسلم: ٦٩٩]

اور حماد سے روایت ہے، وہ عاصم سے، وہ عبداللہ بن حارث سے، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسے ہی بیان کرتے ہیں، ہاں! اس کے (آخر میں) یہ الفاظ ہیں کہ میں نے ناپسند کیا کہ میں تمھیں گناہ گار کروں کہ تم اپنے گھٹنوں تک کیچڑ کو روندتے ہوئے آؤ۔

فائدہ یہ حدیث اپنے بعض فوائد کے ساتھ (۶۱۶) میں گزر چکی ہے۔ باب کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن کے "أَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ" یا "اَلصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ" کہنے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ لوگ گھروں ہی میں نماز پڑھیں، بلکہ اس سے مراد گھروں میں نماز پڑھنے کی رخصت ہے۔ اگر کوئی عزیمت پر عمل کرتے ہوئے بارش یا طوفان میں مسجد میں آ جائے تو کوئی حرج نہیں، وہ اپنی مشقت کے اجر سے محروم نہیں رہے گا۔ یہی معاملہ خطبۂ جمعہ کا ہے کہ اگر کچھ لوگ آ جائیں تو خطبہ اور جماعت ہونی چاہیے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حاضرین کو جمعہ کا خطبہ دیا۔

٦٦٩- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، فَقَالَ: جَاءَتْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ حَتَّى سَالَ السَّقْفُ، وَكَانَ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ، فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ، حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ فِي جَبْهَتِهِ. [انظر: ٨١٣، ٨٣٦، ٢٠١٦، ٢٠١٨، ٢٠٢٧، ٢٠٣٦، ٢٠٤٠- أخرجه مسلم: ١١٦٧]

669۔ ابوسلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے (لیلۃ القدر کے بارے میں) پوچھا تو انھوں نے کہا: بادل کا ایک ٹکڑا آیا اور برسنے لگا یہاں تک کہ چھت ٹپک پڑی، جو کھجور کی ٹہنیوں کی بنی ہوئی تھی، پھر نماز کھڑی کی گئی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہے تھے، یہاں تک کہ میں نے کیچڑ کا نشان آپ کی پیشانی پر دیکھا۔

فائدہ اس حدیث کی شرح "کتاب الاعتکاف" میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٦٧٠- حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ سِيرِينَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، يَقُولُ: قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ الصَّلَاةَ مَعَكَ، وَكَانَ رَجُلًا ضَخْمًا، فَصَنَعَ لِلنَّبِيِّ ﷺ طَعَامًا،

670۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: انصار کے ایک آدمی نے (رسول اللہ ﷺ سے) کہا: میں آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا اور وہ بھاری بھرکم آدمی تھا۔ چنانچہ اس نے نبی ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا اور آپ ﷺ کو

فَدَعَاهُ إِلَى مَنْزِلِهِ، فَبَسَطَ لَهُ حَصِيرًا، وَنَضَحَ طَرَفَ الْحَصِيرِ، صَلَّى عَلَيْهِ رَكْعَتَيْنِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ آلِ الْجَارُودِ لِأَنَسٍ: أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَ: مَا رَأَيْتُهُ صَلَّاهَا إِلَّا يَوْمَئِذٍ. [انظر: ۱۱۷۹، ۶۰۸۰]

اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور آپ کے لیے ایک چٹائی بچھا دی اور چٹائی کی ایک جانب پر پانی چھڑک دیا، تو آپ نے اس پر دو رکعتیں پڑھیں۔ آلِ جارود کے ایک آدمی نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا نبی ﷺ ضحیٰ کی نماز پڑھتے تھے؟ انھوں نے کہا: میں نے اس دن کے سوا آپ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

فائدہ اس حدیث پر سوال ہے کہ اس کی باب سے مطابقت کیسے ہے، کیونکہ اس میں حاضرین کو نماز پڑھانے کا ذکر نہیں ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث کا باب کے ہر جزء کے مطابق ہونا ضروری نہیں، ایک جزء کے ساتھ مطابقت بھی کافی ہے۔ یہاں اس ضخیم آدمی نے کہا: میں آپ کے ساتھ مسجد میں حاضر ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، اس کے نہ آنے کے باوجود آپ ﷺ دوسرے لوگوں کو جو حاضر ہوتے تھے جماعت کرواتے تھے اور یہی باب کا مطلب ہے۔ مطابقت کی ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: دوسری جگہ اس روایت میں ہے: « فَصَلَّى وَصَلَّيْنَا مَعَهُ » یعنی آپ نے اس ضخیم آدمی کے گھر نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس سے حاضرین کو نماز پڑھانا ثابت ہوا۔ (فتح الباری) شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی شرح بخاری میں ہے کہ یہ الفاظ صحیح بخاری میں نہیں ہیں۔ بندہ عبد السلام عرض کرتا ہے کہ یہ الفاظ ابن ماجہ (۷۵۶) میں موجود ہیں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن ماجہ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ " صَلَاةُ الضُّحَى " کی تفصیل اس کے باب میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

۴۲۔ بَابٌ: إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ

42۔ باب: جب کھانا آ جائے اور نماز کی اقامت کہی جائے

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِالْعَشَاءِ. وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: مِنْ فِقْهِ الْمَرْءِ إِقْبَالُهُ عَلَى حَاجَتِهِ، حَتَّى يُقْبِلَ عَلَى صَلَاتِهِ وَقَلْبُهُ فَارِغٌ.

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما (اس صورت میں) پہلے شام کا کھانا کھا لیتے تھے۔ اور ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: آدمی کی سمجھداری میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی حاجت کی طرف متوجہ ہو، تا کہ نماز شروع کرے تو اس کا دل (دوسری باتوں سے) خالی ہو۔

فائدہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کے قول میں اشارہ ہے کہ اگر دل کی توجہ کھانے کی طرف ہو تو کھانا پہلے کھانا چاہیے، ورنہ ضروری نہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر مطلق ہے کہ ہر حال میں کھانا کھالے۔

۶۷۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ،

671۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب شام کا کھانا (سامنے) رکھا جائے اور اقامت کہہ دی

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: « إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَابْدَؤُوا بِالْعَشَاءِ » [انظر: ٥٤٦٥- أخرجه مسلم : ٥٥٨]

جائے تو پہلے شام کا کھانا کھاؤ۔"

٦٧٢- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: « إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَؤُوا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ، وَلَا تَعْجَلُوا عَنْ عَشَائِكُمْ » [انظر: ٥٤٦٣- أخرجه مسلم : ٥٥٧]

672- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب شام کا کھانا پیش کیا جائے تو مغرب کی نماز سے پہلے اسے کھاؤ اور اپنے کھانے سے پہلے نماز کی جلدی نہ کرو۔"

٦٧٣- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: « إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَابْدَؤُوا بِالْعَشَاءِ، وَلَا يَعْجَلْ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ » وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ، فَلَا يَأْتِيهَا حَتَّى يَفْرُغَ، وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ.
[انظر: ٦٧٤، ٥٤٦٤- أخرجه مسلم : ٥٥٩]

673- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کا شام کا کھانا (سامنے) رکھ دیا جائے اور نماز کی اقامت ہو جائے تو پہلے کھانا کھا لو اور اس سے فارغ ہونے تک جلدی نہ کرو۔" اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور نماز کھڑی ہو جاتی تو وہ فارغ ہونے تک نماز کے لیے نہیں جاتے تھے، حالانکہ وہ امام کی قراءت سن رہے ہوتے تھے۔

٦٧٤- وَقَالَ زُهَيْرٌ وَوَهْبُ بْنُ عُثْمَانَ، عَنْ مُوسَى ابْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: « إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ، فَلَا يَعْجَلْ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ، وَإِنْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ »

674- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص کھانے پر بیٹھا ہو تو جلدی نہ کرے، حتیٰ کہ اپنی حاجت پوری کر لے خواہ نماز کھڑی کر دی جائے۔"

رَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، عَنْ وَهْبِ بْنِ عُثْمَانَ وَوَهْبٌ مَدِينِيٌّ. [أخرجه مسلم : ٥٥٩]

ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: اسے ابراہیم بن منذر نے وہب بن عثمان سے بیان کیا اور وہب مدنی ہے۔

فائدہ امام صاحب نے یہ چار احادیث تین صحابہ سے روایت کی ہیں۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب کھانا سامنے رکھ دیا جائے اور ساتھ ہی جماعت کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھانا چاہیے، البتہ اگر کھانا ابھی دیگ میں ہو تو پہلے ہی کھانے کے انتظار میں نماز چھوڑ کر نہیں بیٹھ رہنا چاہیے اور جب کھانا شروع کر دے تو کھانا کھانے میں جلدی کر کے چند لقمے کھا کر نماز میں شامل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھنی چاہیے۔ صحیح ابن حبان (۲۰۶۷) میں ابن جریج

عن نافع کے طریق سے ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سورج غروب ہوتا (مغرب کی نماز پڑھتے تھے) اور کبھی کبھی وہ روزہ دار ہوتے اور کھانا پیش کیا جاتا جب کہ نماز کی اذان ہو جاتی، پھر اقامت ہوتی اور وہ قراءت سن رہے ہوتے مگر کھانا ترک نہ کرتے، نہ ہی جلدی کرتے یہاں تک کہ کھانا پورا کر لیتے، پھر نکلتے اور نماز پڑھتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کھانا پیش کر دیا جائے تو جلدی نہ کرو۔'' (فتح الباری) پہلی تین حدیثوں میں شام کے کھانے کا ذکر ہے، مگر کسی اور وقت کے کھانے کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ چوتھی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: « إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ » ''جب تم میں سے کوئی شخص کھانے پر بیٹھا ہو۔'' البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ یہ معمول نہیں بنانا چاہیے کہ کھانے کا وقت نماز باجماعت کے وقت پر ہی رکھے، کیونکہ جماعت سے مسلسل محرومی سے بچنا لازم ہے۔ ان احادیث سے نماز میں خشوع کی اہمیت بھی واضح ہے کہ کھانے یا حاجت کی موجودگی میں نماز ہوتی ہی نہیں، کیونکہ توجہ ان کی طرف رہتی ہے، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ » [مسلم، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام : ٥٦٠] ''کھانے کی موجودگی میں کوئی نماز نہیں اور نہ ہی جب پیشاب پاخانہ اسے دھکیل رہے ہوں۔''

٤٣ - بَابٌ : إِذَا دُعِيَ الْإِمَامُ إِلَى الصَّلَاةِ وَبِيَدِهِ مَا يَأْكُلُ

43۔ باب: جب امام کو نماز کے لیے بلایا جائے اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز ہو جو وہ کھا رہا ہو

٦٧٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ، أَنَّ أَبَاهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَأْكُلُ ذِرَاعًا يَحْتَزُّ مِنْهَا، فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَقَامَ فَطَرَحَ السِّكِّينَ، فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. [راجع : ٢٠٨ - أخرجه مسلم : ٣٥٥]

675۔ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بکرے کی دستی سے گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے، پھر آپ کو نماز کے لیے بلایا گیا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور چھری کو پھینک دیا، چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

فوائد: 1 اس حدیث پر کلام حدیث (۲۰۸) میں گزر چکا ہے، مزید چند فوائد یہ ہیں۔ علامہ وحید الزمان رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس باب سے امام بخاری کو یہ ثابت کرنا منظور ہے کہ پہلا حکم استحباباً تھا نہ کہ وجوباً، ورنہ آپ کھانے کو چھوڑ کر نماز کے لیے کیوں جاتے۔ بعضوں نے کہا: امام کا حکم علیحدہ ہے، کیونکہ اس کے نہ جانے سے لوگوں کو انتظار کرنا پڑے گا اور تکلیف ہوگی۔'' (تیسیر الباری) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو پہلے حکم کے استحباب پر محمول کرنے کی دلیل بنانے کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں، اس لیے نماز کے لیے بلانے پر چلے گئے ہوں۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پرہیز گاری اور زہد کا یہ مقصد نہیں کہ آدمی اچھا کھانا چھوڑ دے، کیونکہ تمام پرہیز گاروں اور زاہدوں کے سردار نبی کریم ﷺ تھے اور آپ گوشت کھاتے تھے۔ خود ساختہ وظائف کے ساتھ جلالی و جمالی چیزوں سے پرہیز کہ نہ کسی جاندار کا گوشت کھایا جائے نہ ان سے نکلنے والی کوئی چیز مثلاً دودھ، گھی یا شہد کھایا جائے۔ یہ ہندوؤں کا مذہب ہے جو صوفیوں نے ان سے لیا ہے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

3 جانور کے گوشت میں سے دستی کا گوشت سب سے عمدہ ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ اسے پسند فرماتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جانور کے ہر اگلے حصے کا گوشت زیادہ مفید اور لذیذ ہوتا ہے۔ (ابن عثیمین)

٤٤ـ بَابٌ: مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَهْلِهِ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَخَرَجَ

44۔ باب: جو شخص گھر والوں کے کام کاج میں مشغول ہو، پھر نماز کی اقامت کہی جائے تو نکل جائے

فائدہ اس سے پہلے ابواب میں یہ مسئلہ تھا کہ کھانے کے وقت اگر اقامت کہی جائے اور کھانا سامنے ہو تو کھانے سے فارغ ہو کر نماز کے لیے جائے، اس باب میں یہ ہے کہ اگر آدمی گھر کے کام کاج میں مصروف ہو اور اقامت کہہ دی جائے تو کام مکمل ہونے کا انتظار نہ کرے، بلکہ کام چھوڑ کر نماز کے ساتھ جا کر ملے۔ گھر کے کام کاج کے علاوہ دنیا کے دوسرے کاموں کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ وہ کام تو آج تک کسی نے نہ پورے کیے ہیں نہ کرے گا۔ ایک شاعر نے کہا ہے

وَمَا قَضَى أَحَدٌ مِنْهَا لُبَانَتَهُ وَلَا انْتَهَى أَرَبٌ إِلَّا إِلَى أَرَبِ

"اور کسی نے بھی اس دنیا سے اپنی خواہش پوری نہیں کی اور ہر خواہش کسی نہ کسی اور خواہش پر جا کر ہی ختم ہوئی۔"

٦٧٦ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ: مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْنَعُ فِي بَيْتِهِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ - تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ - فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ. [انظر: ٥٣٦٣، ٦٠٣٩]

676۔ اسود سے روایت ہے کہ میں نے عائشہ ؓ سے پوچھا: نبی ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟ انھوں نے کہا: آپ گھر والوں کے کام کاج، یعنی ان کی خدمت میں مشغول رہتے تھے، جب نماز کا وقت آ جاتا تو نماز کے لیے نکل جاتے تھے۔

فوائد 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر کام جس کا دل میں شوق ہو کھانے کا حکم نہیں رکھتا، کیونکہ اگر ہر کام جس کا شوق ہو پورا کرنے کے بعد نماز پڑھی جائے تو نماز کے لیے وقت مشکل ہی سے نکلے گا۔ علاوہ ازیں کھانا سامنے رکھنے کے بعد جتنی دیر کے بعد کھانا کھائے گا اس کا انتظار اور شوق بڑھتا ہی جائے گا جب کہ دوسرے کاموں کا یہ معاملہ نہیں۔ (فتح الباری)

2 گھر والوں کے کام کاج میں آپ کے ذاتی کام بھی شامل ہیں، چنانچہ شمائل ترمذی (۳۴۳) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: «مَا كَانَ إِلَّا بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يُفَلِّي ثَوْبَهُ وَيَحْلُبُ شَاتَهُ وَ يَخْدُمُ نَفْسَهُ» ''آپ بشر میں سے ایک بشر تھے، اپنے کپڑے کی جوئیں دیکھ لیتے تھے، اپنی بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور اپنا کام خود کر لیتے تھے۔'' احمد (۲۴۹۰۳) اور ابن حبان (۵۶۷۶) نے عروہ کے واسطے سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے: «يَخِيطُ ثَوْبَهُ وَيَخْصِفُ نَعْلَهُ» ''آپ اپنا کپڑا سی لیتے اور اپنا جوتا گانٹھ لیتے تھے۔'' ابن حبان نے یہ لفظ زیادہ بیان کیے ہیں: «وَيَرْقَعُ دَلْوَهُ» ''اور اپنے ڈول کو پیوند لگا لیتے تھے۔'' اور امام مسلم نے صحیح مسلم (۲۳۲۸) میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: «مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهِ، وَلَا امْرَأَةً وَلَا خَادِمًا» ''اور میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو مارا ہو، نہ کسی عورت کو اور نہ کسی خادم کو۔'' (فتح الباری)

3 اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی تواضع اور عاجزی کا اظہار ہوتا ہے اور اپنے کام خود کرنے کا سبق ملتا ہے۔

٤٥ ـ بَابٌ: مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ وَهُوَ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يُعَلِّمَهُمْ صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ وَسُنَّتَهُ

45۔ باب: جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے اور اس کا ارادہ صرف یہ ہو کہ انھیں نبی ﷺ کی نماز اور آپ کی سنت سکھائے

٦٧٧ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: جَاءَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ فِي مَسْجِدِنَا هٰذَا، فَقَالَ: إِنِّي لَأُصَلِّي بِكُمْ، وَمَا أُرِيدُ الصَّلَاةَ، أُصَلِّي كَيْفَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي، فَقُلْتُ لِأَبِي قِلَابَةَ: كَيْفَ كَانَ يُصَلِّي؟ قَالَ: مِثْلَ شَيْخِنَا هٰذَا، قَالَ: وَكَانَ شَيْخًا يَجْلِسُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ قَبْلَ أَنْ يَنْهَضَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى. [انظر: ٨٠٢، ٨١٨، ٨٢٤، وانظر في الأذان، باب: ١١٥]

677۔ ابو قلابہ سے روایت ہے کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہماری اس مسجد میں آئے اور کہنے لگے: میں تمھیں نماز پڑھاؤں گا، حالانکہ میرا ارادہ نماز پڑھنے کا نہیں، میں اس طرح نماز پڑھوں گا جیسے میں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ایوب کہتے ہیں) میں نے ابو قلابہ سے کہا: وہ کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: ہمارے اس شیخ کی طرح پڑھتے تھے، اور وہ شیخ ایسا کرتے تھے کہ پہلی رکعت سے اٹھنے سے پہلے جب سجدے سے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے تھے۔

فوائد: 1 مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے پاس بیس دن رہے اور آپ نے ان سے فرمایا: «صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّيْ» [بخاري: ٦٣١] ''اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے دیکھا ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔'' ان کا تبلیغ کا شوق اور جذبہ دیکھیے کہ ابو قلابہ کے محلے کی مسجد میں آئے تو خود ہی نماز پڑھانے کی پیش کش کی،

کیونکہ زبانی بتانے کی بجائے عمل کے ساتھ تعلیم زیادہ یاد رہتی ہے۔ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اب کسی نماز کا وقت تو نہیں جو میں نے پڑھنی ہو، بلکہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سکھانے کے لیے تمھیں نماز پڑھا رہا ہوں۔ یہاں ایک سوال ہے کہ نماز تو اللہ کے لیے ہونی چاہیے جبکہ مالک رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لیے پڑھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اب بھی وہ نماز اللہ ہی کے لیے پڑھ رہے تھے مگر اب دو نیتیں تھیں: ایک اللہ کی عبادت اور ایک لوگوں کو دین کی تعلیم، اس میں بھی نیت اللہ کی رضا ہی تھی، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر بنوانے کے بعد اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھائی اور فرمایا: ''لوگو! میں نے یہ کام اس لیے کیا ہے: «لِتَأْتَمُّوا بِي وَلِتَعَلَّمُوا صَلَاتِي» [بخاري: ٩١٧- نسائي: ٧٣٩] ''تاکہ تم میری اقتدا کرو اور تاکہ تم میری نماز سیکھ لو۔'' اب یہ تو خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لیے نماز پڑھ رہے تھے۔

2 جس شیخ کا حدیث میں ذکر ہے کہ وہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی طرح نماز پڑھتے تھے ان کا نام عمرو بن سلمہ ہے، جیسا کہ "بَابُ الْمُكْثِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ" میں آئے گا۔

3 اس حدیث سے جلسۂ استراحت کا ثبوت بھی ملتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی رکعت اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائے، پھر دوسری اور چوتھی رکعت کے لیے کھڑا ہو۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٤٦ - بَابٌ: أَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ

٦٧٨- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: مَرِضَ النَّبِيُّ ﷺ فَاشْتَدَّ مَرَضُهُ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّهُ رَجُلٌ رَقِيقٌ، إِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، قَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ» فَعَادَتْ، فَقَالَ: «مُرِي أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ» فَأَتَاهُ الرَّسُولُ، فَصَلَّى بِالنَّاسِ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٣٣٨٥- أخرجه مسلم: ٤٢٠]

46- باب: علم و فضل والے امامت کے زیادہ حق دار ہیں

678- ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور آپ کی بیماری شدید ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ نرم دل آدمی ہیں، جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوبارہ وہی بات کی تو آپ نے فرمایا: ''ابو بکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، تم تو یوسف کے ساتھ والیاں ہو۔'' تو قاصد ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، چنانچہ وہ لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نماز پڑھاتے رہے۔

٦٧٩ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِي مَرَضِهِ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ» قَالَتْ عَائِشَةُ: قُلْتُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ، فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَهْ، إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ» فَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ: مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا. [راجع: ١٩٨ـ أخرجه مسلم: ٤١٨ مطولاً]

679۔ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری میں فرمایا: ”ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے کہا: ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہیں سکیں گے، اس لیے آپ عمر کو حکم دیں وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا: تم آپ ﷺ سے کہو کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہیں سکیں گے، اس لیے آپ عمر کو حکم دیں وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایسے ہی کہہ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ٹھہرو! یقیناً تم یوسف کے ساتھ والیاں ہو، ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ اس پر حفصہ رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: میں کبھی تم سے خیر پانے والی نہیں۔

٦٨٠ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ ـ وَكَانَ تَبِعَ النَّبِيَّ ﷺ وَخَدَمَهُ وَصَحِبَهُ ـ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُصَلِّي لَهُمْ فِي وَجَعِ النَّبِيِّ ﷺ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْإِثْنَيْنِ وَهُمْ صُفُوفٌ فِي الصَّلَاةِ، فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ سِتْرَ الْحُجْرَةِ يَنْظُرُ إِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ، فَهَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ، وَظَنَّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَارِجٌ إِلَى الصَّلَاةِ،

680۔ انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے — اور وہ نبی ﷺ کی پیروی کرنے والے تھے، انھوں نے آپ کی خدمت کی اور آپ کے ساتھ رہے تھے — کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی اس تکلیف کے دوران نماز پڑھاتے رہے جس میں آپ فوت ہوئے، یہاں تک کہ جب سوموار کا دن ہوا اور صحابہ صفوں کی صورت نماز میں مشغول تھے کہ نبی ﷺ صحن کا پردہ کھول کر ہمیں دیکھنے لگے۔ آپ اس وقت کھڑے تھے گویا آپ کا چہرہ قرآن کا ورق تھا، پھر آپ مسکرا کر ہنسنے لگے، ہمیں فکر ہوئی کہ ہم نبی ﷺ کو دیکھنے کی خوشی میں آزمائش میں پڑ جائیں گے (یعنی نماز توڑ بیٹھیں

فَأَشَارَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ، وَأَرْخَى السِّتْرَ فَتُوُفِّيَ مِنْ يَوْمِهِ. [انظر: ٦٨١، ٧٥٤، ١٢٠٥، ٤٤٤٨، وانظر في الطلاق، باب: ٢٤- أخرجه مسلم: ٤١٩]

گے)۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑیوں پر پیچھے ہٹے تاکہ صف میں مل جائیں، انھوں نے سمجھا کہ نبی ﷺ نماز کے لیے آنے والے ہیں، تو نبی ﷺ نے ہمیں اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کرو اور پردہ گرا دیا، پھر اسی دن آپ ﷺ فوت ہو گئے۔

٦٨١- حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمْ يَخْرُجِ النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثًا، فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ يَتَقَدَّمُ فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ بِالْحِجَابِ فَرَفَعَهُ، فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ، مَا نَظَرْنَا مَنْظَرًا كَانَ أَعْجَبَ إِلَيْنَا مِنْ وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ وَضَحَ لَنَا، فَأَوْمَأَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنْ يَتَقَدَّمَ، وَأَرْخَى النَّبِيُّ ﷺ الْحِجَابَ، فَلَمْ يُقْدَرْ عَلَيْهِ حَتَّى مَاتَ. [راجع: ٦٨٠- أخرجه مسلم: ٤١٩]

681- انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ تین دن (گھر سے) نہیں نکلے، پھر (ایک دن) نماز کی اقامت کہی گئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے ہونے لگے تو نبی ﷺ نے پردہ اٹھایا۔ جب نبی ﷺ کا چہرہ ظاہر ہوا تو ہم نے کوئی منظر نہیں دیکھا جو ہمارے لیے نبی ﷺ کے چہرے سے زیادہ خوبصورت ہو جب وہ ہمارے سامنے ظاہر ہوا، تو نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ آگے ہو جائیں اور نبی ﷺ نے پردہ گرا دیا، پھر آپ کو دیکھا نہیں جا سکا یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے۔

٦٨٢- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَمَّا اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَجَعُهُ قِيلَ لَهُ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ» قَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيقٌ، إِذَا قَرَأَ غَلَبَهُ الْبُكَاءُ، قَالَ: «مُرُوهُ فَيُصَلِّي» فَعَاوَدَتْهُ، قَالَ: «مُرُوهُ فَيُصَلِّي، إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ»

682- عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی تکلیف بہت شدید ہو گئی تو آپ کو نماز کے لیے کہا گیا۔ آپ نے فرمایا: ''ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ابوبکر نرم دل آدمی ہیں، جب قرآن پڑھیں گے تو ان پر رونے کا غلبہ ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا: ''انھیں کہو وہ نماز پڑھائیں۔'' میں نے دوبارہ آپ سے یہ بات کہی تو آپ نے فرمایا: ''انھیں کہو وہ نماز پڑھائیں، یقیناً تم یوسف کے ساتھ والیاں ہو۔''

تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ وَ إِسْحَاقُ ابْنُ يَحْيَى الْكَلْبِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ.

زبیدی اور زہری کے بھتیجے اور اسحاق بن یحییٰ کلبی نے بھی اسے یونس کی طرح زہری سے روایت کیا ہے۔

وَقَالَ عُقَيْلٌ وَ مَعْمَرٌ: عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حَمْزَةَ،

اور عقیل اور معمر نے کہا کہ یہ روایت زہری نے حمزہ

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کی ہے۔

فوائد: 1 ان تمام احادیث کی شرح کے لیے حدیث (۶۶۴) کی شرح ملاحظہ فرمائیں، چند باتیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان احادیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امامت کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، کیونکہ وہ علم و فضل میں سب صحابہ سے بڑھ کر تھے، جیسا کہ صحیح بخاری (۴۶۶) میں ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: « وَ كَانَ أَبُوْ بَكْرٍ أَعْلَمَنَا » ''ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔'' بعض حضرات نے اس پر یہ سوال وارد کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: « يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ، فَإِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِلْمًا » [مسلم : ۶۷۳/۲۹۰] ''لوگوں کی امامت وہ کرائے جو ان میں سے کتاب اللہ کا بڑا قاری ہے، اگر وہ قراءت میں برابر ہوں تو جو سنت کا زیادہ عالم ہے، اگر وہ سنت میں برابر ہوں تو جو ہجرت میں زیادہ قدیم ہے، اگر ہجرت میں برابر ہوں تو جو ان میں پہلے مسلمان ہوا ہے۔'' بعض راویوں نے یہاں '' أَقْدَمُهُمْ سِنًّا '' کہا، یعنی جس کی عمر زیادہ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام بنانے میں سب سے پہلے زیادہ قاری کو دیکھا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: « وَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ » [ابن ماجه : ۱۵۴، صحيح] ''اور ان میں سے اُبی بن کعب کتاب اللہ کے سب سے بڑے قاری ہیں۔'' سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی بجائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کیوں امام بنایا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانا دلیل ہے کہ صحابہ میں '' أَقْرَأُ '' یعنی قرآن کے سب سے بڑے عالم وہی تھے بلکہ سنت کے علم، اسلام میں سبقت اور دوسری تمام فضیلتوں میں سب سے بڑھ کر تھے۔ اسی لیے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: « كَانَ أَبُوْ بَكْرٍ أَعْلَمَنَا » [بخاري : ۴۶۶] اس علم میں قرآن و سنت اور فہم و فراست سب چیزیں شامل ہیں، جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بندے کا ذکر فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی اور اللہ کے پاس موجود نعمتوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس موجود نعمتوں کو اختیار کیا، اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ ان کے سوا کسی کو پتا نہیں چلا کہ اس بندے سے مراد خود رسول اللہ ﷺ ہیں۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانے پر یہ باب قائم کیا ہے کہ اہلِ علم و فضل امامت کے زیادہ حق دار ہیں۔ رہی وہ حدیث کہ '' وَأَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ '' (اور ان میں سے اُبی بن کعب کتاب اللہ کے سب سے بڑے قاری ہیں) تو یہ اپنی جگہ درست ہے کہ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ قراءت میں سب سے بڑھ کر تھے، مگر قرآن کا علم اور اس کا فہم ابوبکر رضی اللہ عنہ میں زیادہ تھا، اس لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔ اس لیے اگر ایک طرف ایسا آدمی ہو جسے قرآن زیادہ یاد ہو مگر علم و فضل میں کوئی دوسرا اس سے برتر ہو تو ایسے شخص کو امام بنانا چاہیے جسے بقدرِ ضرورت قرآن یاد ہو اور علم و فضل میں برتری رکھتا ہو، کیونکہ امامت کے لیے '' أَقْرَأُ '' میں صرف پڑھنا شامل نہیں بلکہ فہمِ مطالب بھی شامل ہے۔

2 كَأَنَّهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ : قرآن کے ورق کے ساتھ رنگ اور پاکیزگی میں تشبیہ دی ہے، کیونکہ بیماری کی وجہ سے

آپ ﷺ کا رنگ زردی مائل تھا اور اس وقت کاغذ بھی اسی رنگ کے ہوتے تھے۔

3 فَأَتَاهُ الرَّسُوْلُ : یہ قاصد بلال رضی اللہ عنہ تھے۔

4 فَصَلَّى بِالنَّاسِ فِيْ حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخر تک نماز پڑھاتے رہے۔ یہ ان کی خلافت کا واضح اشارہ تھا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے آخر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت سے معزول کر دیا تھا مگر حدیث کے الفاظ: « فَأَشَارَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتِمُّوْا صَلَاتَكُمْ وَ أَرْخَى السِّتْرَ » (تو نبی ﷺ نے ہمیں اشارہ کیا کہ نماز پوری کرو اور پردہ گرا دیا) اور « فَأَوْمَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ إِلَى أَبِيْ بَكْرٍ أَنْ يَتَقَدَّمَ » (نبی ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ آگے ہو جائیں) اور « وَ أَرْخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِجَابَ ، فَلَمْ يُقْدَرْ عَلَيْهِ حَتَّى مَاتَ » (اور نبی ﷺ نے پردہ گرا دیا تو پھر آپ کو دیکھا نہیں جا سکا، یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے) کے الفاظ شیعہ کے اس بہتان کی صاف تردید کر رہے ہیں۔

٤٧ - بَابُ مَنْ قَامَ إِلَى جَنْبِ الْإِمَامِ لِعِلَّةٍ

47- باب: جو شخص کسی وجہ سے امام کے پہلو میں کھڑا ہو جائے

٦٨٣- حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فِي مَرَضِهِ فَكَانَ يُصَلِّي بِهِمْ .

قَالَ عُرْوَةُ : فَوَجَدَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ، فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ يَؤُمُّ النَّاسَ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ اسْتَأْخَرَ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ أَنْ كَمَا أَنْتَ، فَجَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِذَاءَ أَبِي بَكْرٍ إِلَى جَنْبِهِ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ . [راجع : ١٩٨ - أخرجه مسلم : ٤١٨ مطولاً]

683- عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ کی بیماری میں وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تو وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

عروہ نے کہا: تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی طبیعت میں ہلکا پن محسوس کیا تو آپ نکلے، دیکھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کرا رہے تھے۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹے۔ آپ نے انھیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہو اور رسول اللہ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر ان کے پہلو میں بیٹھ گئے، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

فائدہ اس حدیث کی شرح پچھلی احادیث میں گزر چکی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اصل یہ ہے کہ امام مقتدیوں کے آگے ہو، سوائے دو صورتوں کے: ایک یہ کہ جگہ تنگ ہو اور دوسری یہ کہ مقتدی صرف ایک ہو۔ اسی طرح اگر

امام اور مقتدی ننگے ہوں۔" (فتح الباری)

٤٨ - بَابُ مَنْ دَخَلَ لِيَؤُمَّ النَّاسَ فَجَاءَ الْإِمَامُ الْأَوَّلُ فَتَأَخَّرَ الْأَوَّلُ أَوْ لَمْ يَتَأَخَّرْ، جَازَتْ صَلَاتُهُ

فِيهِ عَائِشَةُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [راجع : ١٩٨]

٦٨٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ، فَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ، فَقَالَ : أَتُصَلِّي لِلنَّاسِ فَأُقِيمَ؟ قَالَ : نَعَمْ ، فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالنَّاسُ فِي الصَّلَاةِ، فَتَخَلَّصَ حَتَّى وَقَفَ فِي الصَّفِّ، فَصَفَّقَ النَّاسُ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيقَ الْتَفَتَ، فَرَأَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَدَيْهِ، فَحَمِدَ اللَّهَ عَلَى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ ذَلِكَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ، وَ تَقَدَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَصَلَّى، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ : « يَا أَبَا بَكْرٍ ! مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ ؟ » فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « مَا لِي رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيقَ، مَنْ رَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ ، فَإِنَّهُ

48۔ باب: جو شخص امامت کرانے کے لیے (نماز میں) داخل ہو، پھر اصل امام آ جائے تو پہلا پیچھے ہٹے یا نہ ہٹے اس کی نماز جائز ہے

اس میں عائشہ ؓ کی نبی ﷺ سے حدیث مروی ہے۔

684۔ سہل بن سعد ساعدی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنو عمرو بن عوف کی طرف گئے، تاکہ ان کے درمیان صلح کروائیں، تو نماز کا وقت ہو گیا، مؤذن ابو بکر ؓ کے پاس آیا اور کہا: کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے تو میں اقامت کہہ دوں؟ انھوں نے کہا: ہاں! تو ابو بکر ؓ نماز پڑھانے لگے، اتنے میں رسول اللہ ﷺ آ گئے جبکہ لوگ نماز میں مشغول تھے، تو آپ ﷺ صفوں میں سے نکلتے ہوئے آگے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ پہلی صف میں کھڑے ہو گئے۔ تو لوگ تالی بجانے لگے، ابو بکر ؓ نماز میں ادھر ادھر توجہ نہیں کرتے تھے، جب لوگوں نے زیادہ ہی تالیاں بجائیں تو انھوں نے جھانکا تو رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو، ابو بکر ؓ نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور اس پر اللہ کی حمد کی کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہ حکم دیا ہے، پھر ابو بکر ؓ پیچھے ہٹے یہاں تک کہ صف میں آ کر برابر کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے اور آپ نے نماز پڑھائی۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا: "اے ابو بکر! تمھیں اپنی جگہ ٹھہرے رہنے سے کس چیز نے روکا جب کہ میں نے تمھیں حکم دیا تھا؟" تو ابو بکر ؓ نے کہا: ابو قحافہ کے بیٹے کے لیے ممکن نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے نماز پڑھائے، پھر رسول

إذا سبح التفت إليه، وإنما التصفيق للنساء »[انظر : ۱۲۰۱، ۱۲۰۴، ۱۲۱۸، ۱۲۳۴، ۲۶۹۰، ۲۶۹۳، ۷۱۹۰، وانظر في الأذان، باب : ۹۴، وفي العمل في الصلاة، باب : ۳، وباب : ۱۳ـ أخرجه مسلم : ۴۲۱]

اللہ ﷺ نے (لوگوں سے) کہا: ''مجھے کیا ہے کہ میں نے تمھیں دیکھا تم نے بہت زیادہ تالیاں بجائیں، جسے نماز میں کوئی چیز پریشان کرے وہ '' سُبْحَانَ اللّٰہِ '' کہے، کیونکہ جب وہ '' سُبْحَانَ اللّٰہِ '' کہے گا تو اس کی طرف توجہ کی جائے گی، تالیاں بجانا تو صرف عورتوں کے لیے ہے۔''

فوائد: 1 باب میں مذکور مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ کسی جگہ نماز کے وقت وہاں کا مقرر امام موجود نہ ہو اور کوئی اور شخص نماز پڑھانے لگے اور اس دوران اصل امام آ جائے تو یہ عارضی امام اپنی جگہ رہ کر نماز پڑھاتا رہے، تب بھی اس کی اور لوگوں کی نماز جائز ہے اور اگر وہ پیچھے صف میں آ جائے اور مقرر شدہ امام آگے بڑھ کر نماز پڑھا دے تو یہ بھی جائز ہے۔ امام صاحب نے ترجمۃ الباب میں فرمایا: اس میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے، تو اس سے مراد اس سے پچھلے باب میں عروہ سے مروی حدیث ہے: « فلما رآه أبو بكر استأخر »[بخاري : ۶۸۳] ''جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو پیچھے ہٹے۔'' اور نہ ہٹنے کی روایت بھی عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے جسے اسود نے بیان کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: « فأراد أبو بكر أن يتأخر، فأومأ إليه النبي صلى الله عليه وسلم أن مكانك »[بخاري : ۶۶۴] ''تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا تو نبی ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہو۔''

2 باب کے تحت مذکور حدیث سے باب میں مذکور دونوں صورتیں ثابت ہو رہی ہیں، اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اشارے سے حکم دیا تھا کہ وہ اپنی جگہ پر رہیں۔ اس کے مطابق اگر وہ آپ کے فرمان کے مطابق نماز پوری ہونے تک پڑھاتے رہتے تب بھی نماز درست تھی اور اگر وہ پیچھے ہٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھا دی تو یہ عمل بھی درست تھا۔

3 واضح رہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ میں آپ ﷺ پہلی رکعت کے شروع ہی میں پہنچ گئے تھے، اس لیے آپ صفوں سے گزرتے ہوئے پہلی صف میں جا کھڑے ہوئے، اس سے ظاہر ہے کہ آپ کا ارادہ جماعت کروانے کا تھا۔ غزوۂ تبوک میں ایک موقع پر آپ قضائے حاجت کے لیے دور نکل گئے، آپ کی آمد میں دیر ہوئی تو لوگوں نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو صبح کی نماز کے لیے آگے کر دیا۔ وہ ایک رکعت پڑھا چکے تھے کہ نبی ﷺ تشریف لے آئے، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا تو پیچھے ہٹنے لگے، آپ نے انھیں اشارے سے منع کر دیا تو انھوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور آپ ﷺ نے ایک رکعت ان کے پیچھے پڑھی اور ایک رکعت بعد میں اٹھ کر ادا کی۔ [دیکھیے مسلم : ۸۱/ ۲۷۴]

4 بنو عمرو بن عوف قبیلہ اوس میں سے تھے، ان کی آبادی قبا میں تھی۔ ان کی آپس میں کسی بات پر تکرار ہو گئی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں طرف سے پتھر پھینکے گئے، رسول اللہ ﷺ کو نماز ظہر کے بعد اس کی اطلاع ملی تو فرمایا: ''آؤ ہم ان کے درمیان صلح کروائیں۔'' چنانچہ آپ اپنے کچھ صحابہ کے ہمراہ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ (فتح الباری)

5 سنن ابی داود (۹۴۱) میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے جاتے ہوئے بلال رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ اگر عصر کا وقت ہو جائے اور میں نہ آؤں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ وہ جماعت کروا دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کا اگر غائب رہنے کا ارادہ ہو تو اسے اپنا نائب مقرر کرنا چاہیے۔

6 امام کا نائب نماز پڑھا رہا ہو تو اصل امام کے آنے پر اسے اختیار ہے چاہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لے اور چاہے تو جماعت کروائے اور نائب اس کا مقتدی بن جائے، دونوں صورتوں میں نماز جائز ہے۔

7 نماز کی ادائیگی میں اول وقت کا اہتمام کرنا چاہیے، خصوصاً عصر کی نماز میں، جیسا کہ بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی آمد کا انتظار کرنے کی بجائے وقت ہونے پر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر نماز کھڑی کر دی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کی اقامت اور امام سے نماز پڑھانے کی درخواست مؤذن کا کام ہے، مگر اسے امام کی اجازت کے بغیر اقامت نہیں کہنی چاہیے۔

8 نماز میں کسی نعمت کے حصول پر ہاتھ اٹھا کر اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنا جائز ہے اور نماز کی حالت کے علاوہ کسی نعمت کے حصول پر ہاتھ اٹھا کر اس کی حمد کرنا بالاولی جائز ہے۔

9 امام صفوں میں سے گزر کر آگے جا سکتا ہے، اسی طرح اگر اگلی صفوں میں جگہ ہو تو صفوں میں سے گزر کر آگے جا سکتے ہیں۔

10 نماز میں مردوں کا تالی بجانا جائز نہیں، نماز کے علاوہ بھی تالی بجانا مسلمانوں کا عمل نہیں، ہاں! عورتیں امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے تالی بجا سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تالیاں اور سیٹیاں بجانے کو کفار کی عبادت بتایا ہے، فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً ﴾ [الأنفال : ۳۵] ”اور ان کی نماز اس گھر کے پاس سیٹیاں بجانے اور تالیاں بجانے کے سوا کبھی کچھ نہیں ہوتی۔“ افسوس! آج کل مسلمان تقریر وغیرہ میں داد دینے کے لیے کفار کی تقلید میں تالیاں بجا کر داد دیتے ہیں۔

11 جب قرینے سے معلوم ہو کہ امر وجوب کے لیے نہیں تو ادب کے تقاضے کے مطابق اس پر عمل ترک کر سکتا ہے، جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے اپنی جگہ پر رہنے کے حکم کے باوجود پیچھے ہٹ آئے۔ قرینہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ صفوں سے گزرتے ہوئے پہلی صف میں آ کھڑے ہوئے تھے، جس سے آپ کے جماعت کروانے کے ارادے کا اظہار ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی عتاب سے پہلے وجہ پوچھی اور ان کا جواب سن کر خاموشی اختیار فرمائی، ناراض نہیں ہوئے۔ اس حدیث میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے حد تواضع کا اظہار ہے کہ یہ کہنے کی بجائے کہ میرے لیے ممکن نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے نماز پڑھاتا، یہ کہا کہ ابو قحافہ کے بیٹے کے لیے ممکن نہ تھا، کیونکہ ابو قحافہ کوئی مشہور و معروف شخصیت نہیں تھے۔

12 اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں عمل قلیل سے نماز میں فرق نہیں آتا، جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے پیچھے صف میں آ گئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں حرکت کے وقت رخ قبلے ہی کی طرف رکھنا چاہیے، کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں پیچھے آئے۔

13 ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس سے امام کو لقمہ دینے کے جواز کا استدلال کیا ہے، کیونکہ جب امام کی خطا پر ”سُبْحَانَ اللّٰهِ“ کہنا جائز ہے تو قرآن کے الفاظ بولنا تو بالاولی جائز ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ امام جب اتنی تلاوت کر لے جس سے نماز

ہو جاتی ہے، جو ان حضرات کے نزدیک ایک آیت ہے تو اس کے بعد امام کو لقمہ دینا جائز نہیں۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے، اس کے لیے اس حدیث کے علاوہ بھی متعدد دلائل ہیں۔

14 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کم مرتبے والا اپنے سے افضل کی امامت کروا سکتا ہے۔

15 ضرورت کے وقت آدمی نماز میں جھانک سکتا ہے، اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ ہاں! بلا ضرورت ایسا کرنا شیطان کے اکسانے سے ہوتا ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔

16 اپنے ساتھیوں میں صلح کروانا نہایت ضروری ہے، امام کو اس کے لیے خود پیش قدمی کرنی چاہیے، بجائے اس کے کہ انھیں اپنے پاس بلائے خود ان کے پاس جا کر یہ فریضہ سر انجام دینا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ خبر ملتے ہی اس کام کے لیے تشریف لے گئے، کیونکہ دیر کرنے سے بعض اوقات ایسا نقصان ہو جاتا ہے جس کی تلافی مشکل ہوتی ہے۔

٤٩- بَابٌ: إِذَا اسْتَوَوْا فِي الْقِرَاءَةِ فَلْيَؤُمَّهُمْ أَكْبَرُهُمْ

49- باب: جب نمازی قراءت میں برابر ہوں تو ان میں سے بڑا ان کی امامت کروائے

٦٨٥- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، قَالَ: قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ، فَلَبِثْنَا عِنْدَهُ نَحْوًا مِنْ عِشْرِينَ لَيْلَةً، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ رَحِيمًا، فَقَالَ: «لَوْ رَجَعْتُمْ إِلَى بِلَادِكُمْ فَعَلَّمْتُمُوهُمْ، مُرُوهُمْ فَلْيُصَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، وَصَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ» [راجع: ٦٢٨- أخرجه مسلم: ٦٧٤]

685- مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے پاس آئے اور ہم جوان تھے، ہم آپ کے پاس بیس راتوں کے قریب رہے۔ نبی ﷺ بہت مہربان تھے، آپ نے فرمایا: ''اگر تم اپنے علاقوں کی طرف جاؤ تو انھیں تعلیم دو، انھیں کہو کہ وہ فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھیں اور فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھیں اور جب نماز کا وقت ہو تو تم میں سے ایک تمھارے لیے اذان کہے اور جو تم میں سے بڑا ہے وہ تمھیں امامت کروائے۔''

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۶۲۸)۔

٥٠- بَابٌ: إِذَا زَارَ الْإِمَامُ قَوْمًا فَأَمَّهُمْ

50- باب: جب امام کچھ لوگوں کی ملاقات کے لیے جائے تو ان کی امامت کروا سکتا ہے

٦٨٦- حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَخْبَرَنَا

686- عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں

مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ رَبِيعٍ، قَالَ : سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ : اسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ، فَقَالَ : ((أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ ؟)) فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي أُحِبُّ، فَقَامَ وَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا. [راجع : ٤٢٤۔ أخرجه مسلم : ٣٣، وفي المساجد (٢٦٣)]

نے کہا: نبی ﷺ نے میرے گھر آنے کی اجازت مانگی، میں نے آپ کو اجازت دے دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے گھر میں کس جگہ پسند کرتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟'' میں نے اس جگہ کی طرف اشارہ کر دیا جہاں میں پسند کرتا تھا، تو آپ کھڑے ہو گئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صفیں بنا لیں، پھر آپ نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیر دیا۔

فائدہ یہ حدیث (۴۲۵) میں گزر چکی ہے۔ اس باب سے متعلق فائدہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے، مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا يَؤُمَّهُمْ وَلْيَؤُمَّهُمْ رَجُلٌ مِنْهُمْ)) [أبو داوٗد : ۵۹۶۔ ترمذي : ۳۵۶] ''آدمی جن لوگوں کی ملاقات کے لیے جائے ان کی امامت نہ کروائے بلکہ انھی میں سے کوئی شخص ان کی امامت کروائے۔'' اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ)) [مسلم : ۶۷۳/۲۹۰] ''کوئی آدمی دوسرے آدمی کی سلطنت میں امامت نہ کروائے اور نہ اس کے گھر میں اس کی عزت کی جگہ پر بیٹھے مگر اس کی اجازت سے۔'' ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جب کسی سے ملنے کے لیے جائے تو وہاں امامت نہ کروائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے باب اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی امام یعنی حاکم اگر اپنے ماتحت کسی شخص کے ہاں جائے تو وہ وہاں امامت کروا سکتا ہے، کیونکہ وہ اپنی سلطانی ہی میں امامت کروا رہا ہے۔ اس کے علاوہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں '' إِلَّا بِإِذْنِهِ '' (مگر اس کی اجازت سے) کے الفاظ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دوسرے کے گھر میں اس کی عزت کی جگہ پر اس کی اجازت سے بیٹھ سکتا ہے اور اس کی سلطانی میں اس کی اجازت سے امامت بھی کروا سکتا ہے۔ عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دونوں چیزیں موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ امام اعظم تھے، اپنی سلطنت ہی میں جماعت کروا رہے تھے، اس کے علاوہ خود عتبان رضی اللہ عنہ نے آپ کو امامت کی دعوت دی تھی، اس لیے دوسری جگہ امامت کی ممانعت سے یہ دو صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں ان دونوں میں سے ایک کی نشاندہی کی ہے کہ امام کچھ لوگوں کی ملاقات کے لیے جائے تو امامت کروا سکتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ امام اعظم تھے۔

٥١ - بَابٌ : إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ

51۔ باب: امام اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے

وَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ

اور نبی ﷺ نے لوگوں کو اپنی اس بیماری میں بیٹھ کر نماز

بِالنَّاسِ وَهُوَ جَالِسٌ . [راجع : ١٩٨]

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ : إِذَا رَفَعَ قَبْلَ الْإِمَامِ يَعُودُ، فَيَمْكُثُ بِقَدْرِ مَا رَفَعَ، ثُمَّ يَتْبَعُ الْإِمَامَ . وَقَالَ الْحَسَنُ فِيمَنْ يَرْكَعُ مَعَ الْإِمَامِ رَكْعَتَيْنِ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى السُّجُودِ : يَسْجُدُ لِلرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ يَقْضِي الرَّكْعَةَ الْأُولَى بِسُجُودِهَا . وَ فِيمَنْ نَسِيَ سَجْدَةً حَتَّى قَامَ : يَسْجُدُ .

پڑھائی جس میں آپ فوت ہوئے۔

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جب امام سے پہلے سر اٹھالے تو پھر (رکوع یا سجدے میں) واپس جائے اور اتنی دیر ٹھہرا رہے جو اس نے سر اٹھایا تھا، پھر امام کی پیروی کرے۔ اور حسن (بصری) نے اس شخص کے بارے میں کہا جو امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے اور سجدے پر قادر نہ ہو سکے کہ وہ آخری رکعت کے لیے دو سجدے کرے، پھر پہلی رکعت اس کے سجدوں سمیت پوری کرے۔ اور اس شخص کے بارے میں جو کوئی سجدہ بھول جائے یہاں تک کہ کھڑا ہو جائے، (حسن نے کہا کہ) وہ سجدہ کرے۔

فوائد 1 وَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ ...... : امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس حدیث کے ذکر سے یہ ہے کہ اگرچہ امام مقرر کرنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس لیے اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو اقتدا کا تقاضا یہ ہے کہ مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فرمان بھی موجود ہے، جو اسی باب کی احادیث میں آ رہا ہے کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو بیٹھ کر نماز پڑھو۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ بے شک اقتدا کا تقاضا یہی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل اس فرمان کے خلاف ہے، کیونکہ آپ نے اپنی بیماری میں آخری نماز جو پڑھائی اس میں آپ بیٹھے ہوئے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام صحابہ کھڑے ہوئے تھے۔ آپ کا آخری عمل ہونے کی وجہ سے پہلا فرمان منسوخ سمجھا جائے گا اور امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھنا ہوگی۔ آگے چل کر امام صاحب اپنے استاد حمیدی کے حوالے سے اس بات کی تصریح بھی کریں گے۔ مگر بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ جب دو حدیثوں میں تطبیق دی جا سکے تو نسخ کا حکم لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی، یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مقتدیوں نے بیٹھ کر نماز شروع کی تو آپ نے مقتدیوں کو اشارے کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا اور نماز کے بعد فرمایا کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو بیٹھ کر نماز پڑھو اور آخری نماز جو آپ نے پڑھائی اس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے کھڑے ہو کر نماز شروع کی تھی، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ ان کے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر خاموشی اختیار فرمائی۔ ان ائمہ کی بات راجح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جمع ممکن ہونے کی صورت میں نسخ کے حکم سے گریز ہونا چاہیے۔

2 وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ : إِذَا رَفَعَ ...... : امام کے عمل کے ساتھ مقتدی کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں: ① امام سے پہلے

دوسرے رکن میں چلا جائے، یہ مسابقت ہے۔ ② امام کے ساتھ دوسرے رکن میں چلا جائے، یہ مقارنت ہے۔ ③ امام کے دوسرے رکن میں پوری طرح جانے کے بعد فوراً دوسرے رکن میں جانا شروع کر دے، یہ متابعت ہے۔ ④ امام کے پوری طرح دوسرے رکن میں جانے کے بعد بھی پہلے رکن میں باقی رہے، یہ مخالفت ہے۔ ان چاروں میں سے متابعت صحیح ہے، باقی تینوں غلط ہیں۔ کچھ لوگ امام کے ساتھ ہی یا اس کے منتقل ہونے کے دوران دوسرے رکن کی طرف جانا شروع کر دیتے ہیں، یہ رسول اللہ ﷺ کی صریح نافرمانی ہے، جیسا کہ حدیث (۶۹۰) میں آ رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رکوع کے بعد جب سجدے میں جاتے تو نبی ﷺ جب تک پوری طرح سجدے میں نہیں جاتے تھے صحابہ میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ نہیں جھکاتا تھا۔

3 عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع میں یا سجدے میں جائے، پھر کسی وجہ سے مثلاً کسی آواز کو امام کی آواز سمجھ کر یا غفلت یا بھول وغیرہ سے امام سے پہلے اٹھ جائے تو اسے چاہیے کہ دوبارہ رکوع یا سجدے میں چلا جائے اور جتنی دیر وہ رکوع یا سجدے سے اٹھنے کی حالت میں رہا ہے امام کے اٹھنے کے بعد اتنی دیر تک رکوع یا سجدے میں رہے، تاکہ اس کا رکوع یا سجدہ بھی امام کے رکوع یا سجدے کے برابر ہو جائے، مثلاً اگر وہ اتنی دیر اٹھا رہا ہے کہ اس میں دو دفعہ " سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى " پڑھا جا سکتا ہے تو اسے چاہیے کہ دوبارہ سجدے میں جائے اور امام کے سجدے سے اٹھنے کے بعد اتنی دیر سجدے میں رہے جس میں دو دفعہ " سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى " پڑھا جا سکے، تاکہ جو اس سے فوت ہوا ہے اس کی قضا ہو جائے۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ اس پر لکھتے ہیں: اس میں شک نہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات تفقہ سے کہی ہے اور عقل کو بھی کچھ کچھ لگتی ہے، کیونکہ امام کے بعد اتنی دیر سے اٹھنا اس کی قضا کی طرح ہے جو اس سے فوت ہوا ہے۔ لیکن عقل و فقہ کی یہ بات نبی ﷺ کے اس فرمان کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: «فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَ إِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا ...... وَ إِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا» [بخاري : ۷۳٤] ''جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو...... اور جب سجدہ کرے تو سجدہ کرو۔'' اس کے مطابق امام کے رکوع یا سجدے سے اٹھنے کے بعد مقتدی کو اٹھ جانا چاہیے، اس کے بعد اس کا رکوع یا سجدے کی حالت میں رہنا درست نہیں۔ شیخ عثیمین رحمہ اللہ کی یہ بات مرفوع حدیث کے مطابق ہونے کی وجہ سے راجح ہے۔

4 وَقَالَ الْحَسَنُ فِيمَنْ يَرْكَعُ ......: حسن بصری کے قول کا پہلا حصہ سعید بن منصور نے " عَنْ هُشَيْمٍ، عَنْ يُوْنُسَ عَنِ الْحَسَنِ " روایت کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: ''اس آدمی کے بارے میں جو جمعہ کے دن رکوع کرتا ہے، پھر لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے سجدہ نہیں کر سکتا، تو حسن (بصری) نے کہا کہ جب لوگ اپنی نماز سے فارغ ہوں تو پہلی رکعت کے لیے دو سجدے کرے، پھر کھڑا ہو کر ایک رکوع اور دو سجدے کر لے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ امام مقتدیوں کی جگہ ان کے ارکان ادا نہیں کر سکتا، چنانچہ جو شخص بھیڑ وغیرہ کی وجہ سے اس کے ساتھ سجدہ نہ کر سکے اس کی رکعت صحیح نہیں ہوئی، اس لیے وہ پہلے سجدے کر کے پہلی رکعت پوری کرے۔ دوسری رکعت پہلی کے بعد ہونی ضروری ہے، جب پہلی رکعت نہیں ہوئی تو دوسری کا بھی اعتبار نہیں، اس لیے پہلی رکعت کے سجدے کرنے کے بعد دوسری رکعت دوبارہ پڑھے۔

5 وَفِيمَنْ نَسِيَ سَجْدَةً ......: یہ حسن بصری رحمہ اللہ کے قول کا دوسرا حصہ ہے۔ ابن ابی شیبہ (۱/۳۸۳، ح: ۴۳۹۸) نے اسے اس سے زیادہ مکمل بیان کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: ''اس شخص کے بارے میں جو اپنی نماز کے شروع سے ایک سجدہ بھول گیا اور اسے آخری رکعت ہی میں یاد آیا، حسن نے کہا: وہ تین سجدے کرے، پھر اگر اسے سلام سے پہلے وہ سجدہ یاد آ جائے تو ایک سجدہ کرلے اور اگر نماز پوری ہونے کے بعد یاد آئے تو نماز نئے سرے سے پڑھے۔''

٦٨٧۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ: أَلَا تُحَدِّثِينِي عَنْ مَرَضِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟ قَالَتْ: بَلَى، ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «أَصَلَّى النَّاسُ؟» قُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ، قَالَ: «ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ» قَالَتْ: فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ، فَذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ ﷺ: «أَصَلَّى النَّاسُ؟» قُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: «ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ» قَالَتْ: فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ: «أَصَلَّى النَّاسُ؟» قُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَقَالَ: «ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ» فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ: «أَصَلَّى النَّاسُ؟» فَقُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَالنَّاسُ عُكُوفٌ فِي الْمَسْجِدِ، يَنْتَظِرُونَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ، فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى أَبِي بَكْرٍ بِأَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَأَتَاهُ الرَّسُولُ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَأْمُرُكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَقَالَ أَبُو

687۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے کہا کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور میں نے کہا: کیا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے متعلق بیان نہیں کریں گی؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں، (جب) نبی ﷺ کی طبیعت بوجھل ہوگئی تو آپ نے فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں، وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میرے لیے لگن (ٹب) میں پانی رکھو۔'' کہتی ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا، چنانچہ آپ نے غسل کیا، پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے، پھر ہوش میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں، یا رسول اللہ! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا: ''میرے لیے لگن (ٹب) میں پانی رکھو۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تو آپ نے بیٹھ کر غسل کیا، پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے، پھر ہوش میں آئے تو فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں، یا رسول اللہ! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ تو فرمایا: ''میرے لیے لگن (ٹب) میں پانی رکھو۔'' تو آپ نے بیٹھ کر غسل کیا، پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے، پھر ہوش آیا تو فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں، یا رسول اللہ! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور لوگ مسجد میں رکے ہوئے عشاء کی نماز کے لیے نبی ﷺ

بَكْرٍ ـ وَكَانَ رَجُلًا رَقِيقًا ـ : يَا عُمَرُ! صَلِّ بِالنَّاسِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ : أَنْتَ أَحَقُّ بِذَلِكَ، فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ تِلْكَ الْأَيَّامَ ، ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَجَدَ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً، فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ ذَهَبَ لِيَتَأَخَّرَ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ بِأَنْ لَا يَتَأَخَّرَ، قَالَ : «أَجْلِسَانِي إِلَى جَنْبِهِ» فَأَجْلَسَاهُ إِلَى جَنْبِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ : فَجَعَلَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي وَهُوَ يَأْتَمُّ بِصَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّاسُ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ، وَالنَّبِيُّ ﷺ قَاعِدٌ .

کا انتظار کر رہے تھے۔ تو نبی ﷺ نے ابوبکر ؓ کی طرف آدمی بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پیغام لانے والا ان کے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ ابوبکر ؓ نے کہا۔ اور وہ نرم دل آدمی تھے۔ : اے عمر! آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عمر ؓ نے ان سے کہا: آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ تو ابوبکر ؓ ان دنوں میں نماز پڑھاتے رہے، پھر نبی ﷺ نے اپنی طبیعت میں کچھ ہلکا پن محسوس کیا تو آپ دو آدمیوں کے درمیان، جن میں سے ایک عباس ؓ تھے، ظہر کی نماز کے لیے نکلے۔ ابوبکر ؓ اس وقت نماز پڑھا رہے تھے، جب ابوبکر ؓ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے، نبی ﷺ نے انھیں اشارہ کیا کہ پیچھے نہ ہٹیں، فرمایا: ''مجھے ان کے پہلو میں بٹھا دو۔'' تو ان دونوں نے آپ کو ابوبکر ؓ کے پہلو میں بٹھا دیا۔ کہتے ہیں: تو ابوبکر ؓ نماز پڑھانے لگے، اس طرح کہ وہ نبی ﷺ کی نماز کی اقتدا کرتے تھے اور لوگ ابوبکر ؓ کی نماز کی اقتدا کرتے تھے اور نبی ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔

قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ : فَدَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهُ : أَلَا أَعْرِضُ عَلَيْكَ مَا حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ عَنْ مَرَضِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ : هَاتِ، فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَدِيثَهَا، فَمَا أَنْكَرَ مِنْهُ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ : أَسَمَّتْ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ؟ قُلْتُ : لَا، قَالَ : هُوَ عَلِيٌّ . [راجع : ١٩٨ ـ أخرجه مسلم : ٤١٨]

عبید اللہ نے کہا: پھر میں عبد اللہ بن عباس ؓ کے پاس گیا اور میں نے کہا: کیا میں آپ کے سامنے عائشہ ؓ کی حدیث پیش نہ کروں جو انھوں نے مجھے نبی ﷺ کی بیماری کے متعلق بیان کی ہے۔ انھوں نے کہا: لاؤ، تو میں نے ان کے سامنے ان کی حدیث پیش کی تو انھوں نے اس میں سے کسی بات کا انکار نہیں کیا، صرف اتنا کہا کہ کیا انھوں نے تمھیں اس آدمی کا نام بتایا جو عباس ؓ کے ساتھ تھے؟

میں نے کہا: نہیں، تو انھوں نے کہا: وہ علی رضی اللہ عنہ تھے۔

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے حدیث (۱۹۸) اور (۶۶۴) ملاحظہ فرمائیں۔

٦٨٨- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ : صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي بَيْتِهِ وَهُوَ شَاكٍ، فَصَلَّى جَالِسًا وَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ : « إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا » [انظر : ١١١٣، ١٢٣٦، ٥٦٥٨- أخرجه مسلم : ٤١٢]

688- عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر میں نماز پڑھی اور آپ بیمار تھے، چنانچہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور کچھ لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ تو آپ نے انھیں اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ، پھر جب (نماز سے) فارغ ہوئے تو فرمایا: ”امام صرف اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، تو جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم سر اٹھاؤ اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو بیٹھ کر نماز پڑھو۔“

٦٨٩- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَكِبَ فَرَسًا، فَصُرِعَ عَنْهُ، فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، فَصَلَّى صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ : « إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَ إِذَا قَالَ : سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا : رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ »

689- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے تو اس سے گر گئے اور آپ کی دائیں جانب زخمی ہو گئی۔ تو آپ نے نمازوں میں سے ایک نماز بیٹھ کر پڑھی تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی، پھر جب آپ (نماز سے) فارغ ہوئے تو فرمایا: ”امام صرف اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، تو جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم سر اٹھاؤ اور جب وہ ” سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ “ کہے تو تم ” رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ “ کہو اور جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔“

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : قَالَ الْحُمَيْدِيُّ : قَوْلُهُ : « إِذَا

ابو عبداللہ (بخاری) نے کہا کہ حمیدی نے کہا: آپ ﷺ

صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا ﴾ هُوَ فِي مَرَضِهِ الْقَدِيمِ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ ﷺ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامًا، لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُودِ، وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ فَالْآخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ۳۷۸۔ أخرجه مسلم: ۴۱۱]

کا فرمان: ''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بیٹھ کر نماز پڑھو'' یہ آپ ﷺ کے قدیم مرض کی بات ہے، پھر اس کے بعد نبی ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے، آپ نے انھیں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور نبی ﷺ کے افعال میں سے آخری پر، پھر اس کے بعد آخری پر عمل کیا جاتا ہے۔

فوائد 1 ان حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ کی بیماری کا مذکور واقعہ آپ کی آخری بیماری سے پہلے کا ہے۔ ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ واقعہ ذوالحجہ پانچ ہجری کا ہے۔ (فتح الباری) ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اس بیماری کی وجہ بیان نہیں کی، البتہ انس اور جابر رضی اللہ عنہما کی روایات میں بیان ہوا ہے کہ آپ گھوڑے پر سوار ہوئے تو کھجور کے درخت کے ایک ٹنڈ سے ٹکرانے کی وجہ سے آپ کی دائیں جانب زخمی ہوگئی اور پاؤں کی ہڈی اپنی جگہ سے اتر گئی اور آپ کچھ دن مسجد میں نہیں جا سکے بلکہ گھر کے بالا خانے میں نماز پڑھتے رہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس دوران کچھ صحابہ دو بار آپ کی بیمار پرسی کے لیے آئے، چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں گھوڑے پر سوار ہوئے، اس نے آپ کو کھجور کے درخت کے ایک ٹنڈ (کٹا ہوا درخت جس کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہو) پر گرا دیا تو آپ کے قدم کی ہڈی اپنی جگہ سے اتر گئی۔ ہم آپ کے پاس بیمار پرسی کے لیے آئے تو ہم نے آپ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک بالا خانے میں پایا، آپ بیٹھ کر نفل پڑھ رہے تھے، ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، تو آپ نے ہمیں کچھ نہیں کہا، پھر ہم ایک اور مرتبہ بیمار پرسی کے لیے آئے اور آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے تو آپ نے اشارہ کیا اور ہم بیٹھ گئے، جب آپ نے نماز پوری کر لی تو فرمایا: ﴿ إِذَا صَلَّى الْإِمَامُ جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا، وَ إِذَا صَلَّى الْإِمَامُ قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا، وَلَا تَفْعَلُوْا كَمَا يَفْعَلُ أَهْلُ فَارِسَ بِعُظَمَائِهَا ﴾ [أبو داؤد: ۶۰۲، صحیح] ''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بیٹھ کر نماز پڑھو اور جب امام کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اس طرح نہ کرو جیسے اہل فارس اپنے بڑے لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔''

2 حمیدی کا نام عبد اللہ بن زبیر ہے، امام بخاری کے استاد اور امام شافعی کے شاگرد ہیں۔ امام بخاری نے ان کا قول جس انداز میں ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ان کا فیصلہ بھی یہی ہے، مگر جیسا کہ اس باب کے شروع میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ راجح یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے حکم کو منسوخ نہ کہا جائے، کیونکہ جب تطبیق ہو سکتی ہو تو فعل کے ساتھ قول کو منسوخ کہنا بڑی جرأت کا کام ہے، کیونکہ قول میں عموم ہوتا ہے۔ اگرچہ آپ کے نماز کے افعال میں بھی عموم ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿ صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ ﴾ [بخاري: ۶۳۱] (اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے دیکھا کہ میں نماز پڑھتا ہوں) مگر بیٹھنے والے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز سے منع ہونے کی وجہ امام کی

اقتدا کے علاوہ اہلِ فارس سے مشابہت بھی ہے۔ رہی تطبیق کی صورت تو وہ باب کے شروع میں ذکر ہو چکی ہے۔

3 بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اب بیٹھ کر جماعت کروانا جائز نہیں، یہ صرف رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے، مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: «صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّي» [بخاري : ٦٣١] ”اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔“ حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ کے بعد صحابہ کی ایک جماعت نے بیٹھ کر امامت کی ہے جن میں اُسید بن حضیر، جابر بن عبد اللہ، قیس بن قہد اور انس بن مالک ؓ شامل ہیں۔ ان سب کی اسانید صحیح ہیں، جن کے ساتھ انھیں عبدالرزاق (۴۵۸/۲ تا ۴۶۳، ح: ۴۰۷۴ تا ۴۰۸۸)، سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ (۱۱۵/۲، ح: ۷۱۳۴ تا ۷۱۴۳) وغیرہم نے روایت کیا ہے، بلکہ ابن حبان نے بیٹھ کر امامت کے درست ہونے پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔ (فتح الباری)

٥٢ ـ بَابٌ : مَتَى يَسْجُدُ مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ ؟

52۔ باب: امام کے پیچھے والے کب سجدہ کریں؟

قَالَ أَنَسٌ : فَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا . [راجع : ٣٧٨]

انس ؓ نے کہا: جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو۔

فائدہ امام کے پیچھے والے شخص کے سجدہ کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ امام سے پہلے سجدے میں چلا جائے، یہ مسابقت ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ امام کے ساتھ ہی سجدے میں جانا شروع کر دے، یا امام منتقل ہو رہا ہو تو سجدے میں جانا شروع کر دے، یہ مقارنت ہے۔ یہ دونوں منع ہیں۔ اکثر لوگ مقارنت پر عمل کرتے ہیں، یعنی امام کے ”اللہ اکبر“ کے لفظ ”اللہ“ کے ”ہمزہ“ کے ساتھ ہی ”اللہ اکبر“ کہنا اور اس کے نیچے جانے کے ساتھ ہی نیچے جانا شروع کر دیتے ہیں، ایسا کرنا ناجائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مقتدی امام کی تکبیر کے ختم ہونے کے بعد ”اللہ اکبر“ کہنا شروع کرے اور اس کے زمین پر سر رکھنے کے بعد سجدے کے لیے جھکنا شروع کرے، اسی طرح دوسرے ارکان میں امام کے دوسرے رکن میں منتقل ہونے کے بعد منتقل ہونا شروع کرے، اسے متابعت کہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اسی کا حکم دیا ہے، جیسا کہ اس باب میں مذکور حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

٦٩٠ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَالَ: «سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ، حَتَّى

690۔ عبد اللہ بن یزید نے بیان کیا ہے کہ مجھے براء ؓ نے بیان کیا اور وہ جھوٹ بولنے والے نہیں تھے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ جب ” سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ کہتے تو ہم میں سے ایک شخص بھی اپنی پیٹھ نہیں جھکاتا تھا یہاں تک کہ نبی ﷺ سجدے میں چلے جاتے، پھر ہم آپ

يَقَعَ النَّبِيُّ ﷺ سَاجِدًا، ثُمَّ نَقَعُ سُجُودًا بَعْدَهُ . کے بعد سجدے میں جاتے تھے۔

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، نَحْوَهُ بِهٰذَا . [انظر : ٧٤٧، ٨١١ ـ أخرجه مسلم ٤٧٤] ہمیں ابونعیم نے بیان کیا، انھوں نے سفیان سے، انھوں نے ابواسحاق سے اس کی مثل بیان کیا۔

فوائد 1 عبداللہ بن یزید نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما کے متعلق جو کہا کہ وہ جھوٹ بولنے والے نہیں تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی نے انھیں جھوٹا کہا ہے، یا جھوٹا گمان کیا ہے، جس کی تردید کے لیے انھوں نے یہ بات کہی ہے، بلکہ وہ ان الفاظ کے ساتھ صحابیٔ رسول ﷺ کی روایت سچی ہونے کی تاکید کر رہے ہیں، کیونکہ پوری امت کے نزدیک تمام صحابہ عدول ہیں، یعنی رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے ان میں سے کسی نے کبھی غلط بیانی نہیں کی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق کہا کرتے تھے: " سَمِعْتُ خَلِيلِي الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ ." [مسند أبي داوٗد الطيالسي : ٢٥٩١] اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: " حَدَّثَنِي الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ ." [بخاري : ٣٢٠٨] اور ابو مسلم خولانی (تابعی کبیر) نے کہا: " حَدَّثَنِي الْحَبِيبُ الْأَمِينُ أَمَّا هُوَ فَحَبِيبٌ إِلَيَّ وَأَمَّا هُوَ عِنْدِي فَأَمِينٌ عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ . " [مسلم : ١٠٤٣/١٠٨] ان سب مثالوں میں حدیث سچی ہونے کی تاکید کے لیے یہ الفاظ کہے گئے ہیں۔

2 عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ صغیر صحابی ہیں۔ طبرانی نے مسند عبداللہ بن یزید میں ان کے اس حدیث کو بیان کرنے کا سبب ذکر کیا ہے، چنانچہ انھوں نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کوفہ میں لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ وہاں لوگ ان کے سر زمین پر رکھنے سے پہلے اپنے سر زمین پر رکھ دیتے اور ان کے سر اٹھانے سے پہلے اپنے سر اٹھا لیتے، تو انھوں نے ان کے عمل کے انکار کے لیے یہ حدیث پیش کی۔ (فتح الباری) اور صحابی کے متعلق " وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ " کے الفاظ حدیث کا یقین دلانے کے لیے کہے۔

3 " لَمْ يَحْنِ " کے نون پر کسرہ اور ضمہ دونوں پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ یہ باب " حَنَى يَحْنِيْ " اور " حَنَا يَحْنُوْ " دونوں طرح آتا ہے: جھکانا۔

4 یہاں حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم میں سے ایک بھی اپنی پیٹھ نہیں جھکاتا تھا، یہاں تک کہ نبی ﷺ سجدے میں چلے جاتے۔ " إِسْرَائِيْلُ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ " کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: « حَتّٰى يَضَعَ جَبْهَتَهٗ عَلَى الْأَرْضِ » ''یہاں تک کہ آپ اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے۔'' یہ روایت " بَابُ سُجُوْدِ السَّهْوِ (٨١١) " میں آ رہی ہے۔ اور احمد (١٨٥١١) نے " عَنْ غُنْدَرٍ عَنْ شُعْبَةَ " کے طریق سے یہ الفاظ ذکر کیے ہیں: « حَتّٰى يَسْجُدَ ثُمَّ يَسْجُدُوْنَ » ''یہاں تک کہ آپ سجدہ کرتے، پھر صحابہ سجدہ کرتے تھے۔'' اور صحیح مسلم (٤٧٥) میں عمرو بن حریث کی حدیث میں ہے: « وَكَانَ لَا يَحْنِيْ رَجُلٌ مِنَّا ظَهْرَهٗ حَتّٰى يَسْتَتِمَّ سَاجِدًا » ''اور ہم میں سے کوئی بھی آدمی اپنی پیٹھ نہیں جھکاتا تھا

یہاں تک کہ آپ پوری طرح سجدے میں چلے جاتے۔'' اور ابو یعلیٰ (۴۰۸۲) نے انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے: « حَتّٰی يَتَمَكَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ السُّجُوْدِ » ''یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح سجدے میں پہنچ جاتے۔'' (فتح الباری)

سنن ابی داؤد (۶۱۹) میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « لَا تُبَادِرُوْنِيْ بِرُكُوْعٍ وَلَا بِسُجُوْدٍ، فَإِنَّهُ مَهْمَا أَسْبِقْكُمْ بِهِ إِذَا رَكَعْتُ تُدْرِكُوْنِيْ بِهِ إِذَا رَفَعْتُ، إِنِّيْ قَدْ بَدَّنْتُ » ''رکوع اور سجدے میں مجھ سے جلدی نہ کرو، کیونکہ میں جتنی دیر تم سے پہلے رکوع کروں گا تم اتنی دیر اس میں پالو گے جب میں سر اٹھاؤں گا، کیونکہ میں عمر رسیدہ ہو گیا ہوں (یا میرا جسم بھاری ہو گیا ہے)۔'' مطلب یہ ہے کہ میں جتنی دیر رکوع میں یا سجدے میں تم سے پہلے جاؤں گا اتنی دیر تم بعد میں جاؤ گے، اسی طرح جب میں سر اٹھاؤں گا تو تم بعد میں سر اٹھاؤ گے، تو رکوع یا سجدے میں میرا اور تمھارا وقت برابر ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنی صراحت کے بعد بھی لوگ امام سے پہلے یا اس کے ساتھ ہی سجدے میں اور دوسرے ارکان میں چلے جاتے ہیں، کوئی امام کے دوسرے رکن میں پوری طرح پہنچنے کا انتظار نہیں کرتا، حالانکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نافرمانی ہے اور اس سے نماز ضائع ہو جاتی ہے۔

٥٣ - بَابُ إِثْمِ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ

53۔ باب: اس شخص کا گناہ جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھائے

٦٩١ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: « أَمَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ - أَوْ لَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ - إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ، أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ صُوْرَتَهُ صُوْرَةَ حِمَارٍ » [أخرجه مسلم: ٤٢٧]

691۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی شخص جب امام سے پہلے اپنا سر اٹھائے تو اس سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا سر بنا دے، یا اللہ تعالیٰ اس کی شکل گدھے کی شکل بنا دے۔''

فوائد: 1 حدیث کے الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کے ارکان میں امام سے پہل کرنا حرام ہے، کیونکہ اس پر مسخ، یعنی شکل بدل دیے جانے کی وعید بیان کی گئی ہے جو جائز کام پر کبھی نہیں ہو سکتی۔ البتہ اسے حرام کہنے کے باوجود جمہور علماء کہتے ہیں کہ ایسا کرنے والا گناہگار ہے لیکن اس کی نماز ہو جائے گی۔ مگر یہ بات درست نہیں، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: ''اس کی نماز باطل ہے۔'' امام احمد رحمہ اللہ کا بھی ایک روایت کے مطابق یہی قول ہے اور اہل ظاہر بھی یہی کہتے ہیں۔ اس بنا پر کہ جس کام سے منع کیا گیا ہو وہ کیا جائے تو عمل فاسد ہوتا ہے۔ مغنی میں امام احمد سے نقل کیا گیا ہے:

کہ انھوں نے اپنے رسالے میں کہا ہے کہ اس حدیث کی رو سے امام سے پہل کرنے والے کی کوئی نماز نہیں، کیونکہ اگر اس کی نماز ہوتی تو اس پر ثواب کی امید ہوتی، اس پر عذاب کا ڈر نہ ہوتا۔ (فتح الباری)

2 علامہ سندی نے لکھا ہے کہ ایسے آدمی کی نماز کو درست کہنے والوں پر تعجب ہے، یہ حضرات امام سے آگے نماز پڑھنے والے کی نماز کو تو درست نہیں کہتے لیکن افعال میں آگے بڑھنے والے کی نماز کو درست قرار دیتے ہیں، حالانکہ اقتدا نماز کے افعال ہی میں کرنی ہوتی ہے، اس اعتبار سے اگر جگہ میں امام سے آگے بڑھنے والے کی نماز فاسد ہے تو افعال میں آگے بڑھنے والے کی نماز تو بالاولی فاسد ہونی چاہیے۔ (حاشیہ سندی)

3 بعض حضرات نے کہا کہ حدیث سے مراد مجازی معنی ہے، یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ امام سے پہل کرنے والا گدھے کی طرح بے وقوف اور جاہل ہے۔ لیکن اگر یہ مطلب ہوتا تو یہ کہنے سے کچھ حاصل نہیں تھا کہ کیا وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا سر بنا دے، کیونکہ اس حرکت سے گدھے کی طرح بے وقوف اور جاہل تو وہ بن چکا، اب تو اس کے لیے اس سے آگے عذاب کی وعید ہے، جس سے مراد شکل بدلنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کا خاص فضل نہ ہوتا تو ایسا بھی ہوسکتا تھا کہ اس کی شکل ہی بدل جاتی، اس لیے اس سے ڈرنا چاہیے، کیونکہ اس امت میں بھی مسخ ہوگا، جیسا کہ صحیح بخاری میں ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو قیامت تک بندروں اور خنزیروں کی شکل میں بدل دے گا۔ (بخاری: ۵۵۹۰) علاوہ ازیں ابن حبان (۲۲۸۳) میں ایک اور سند "محمد بن زیاد عن ابی ہریرۃ" سے یہ الفاظ مروی ہیں: « أَنْ يُحَوِّلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ كَلْبٍ » کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر کتے کا سر بنا دے۔ اس لیے اس سے مراد مجازی نہیں حقیقی معنی ہے۔

4 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "لطیفہ: صاحب القبس نے کہا ہے کہ امام سے پہل کرنے کا سبب جلدی فارغ ہونے کی خواہش کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا، اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی ذہن میں یہ بات رکھے کہ وہ امام سے پہلے سلام تو پھیر نہیں سکتا، پھر جلد بازی کیوں کرتا ہے۔" (فتح الباری) حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر نماز پڑھنے والوں نے بہت ہی کم عمل کیا ہے۔ آپ کسی مسجد میں جا کر دیکھ لیں اتنا انتظار ہزاروں میں سے ایک دو ہی کریں گے کہ امام پوری طرح دوسرے رکن میں منتقل ہو تو وہ اس رکن میں جانا شروع کریں۔ اتنی وعید کے باوجود کسی کو اس کی پروا ہی نہیں۔ [إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ]

٥٤ ـ بَابُ إِمَامَةِ الْعَبْدِ وَالْمَوْلَى

وَكَانَتْ عَائِشَةُ يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ . وَوَلَدِ الْبَغِيِّ وَالْأَعْرَابِيِّ وَالْغُلَامِ الَّذِي لَمْ يَحْتَلِمْ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : « يَؤُمُّهُمْ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ »

54۔ باب: غلام اور آزاد شدہ غلام کی امامت

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کا غلام ذکوان قرآن دیکھ کر امامت کرواتا تھا۔ اور ولد الزنا اور اعرابی اور نابالغ لڑکے کی امامت، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "لوگوں کی امامت وہ کروائے جو ان میں سے زیادہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہے۔"

٦٩٢ـ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ الْأَوَّلُونَ الْعُصْبَةَ - مَوْضِعٌ بِقُبَاءٍ - قَبْلَ مَقْدَمِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ، وَكَانَ أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا. [انظر: ٧١٧٥]

692۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلے مہاجرین رسول اللہ ﷺ کے آنے سے پہلے قبا میں واقع ایک جگہ "عصبہ" میں آئے۔ انھیں ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم رضی اللہ عنہ امامت کروایا کرتے تھے اور انھیں ان سب سے زیادہ قرآن یاد تھا۔

٦٩٣ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ» [انظر: ٦٩٦، ٧١٤٢]

693۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سنو اور اطاعت کرو، خواہ تم پر کوئی حبشی حاکم بنا دیا جائے جس کا سر منقے کی طرح ہو۔''

فوائد: 1 بعض لوگ ان پانچ طرح کے لوگوں کی امامت کو ناجائز کہتے ہیں، بعض اسے مکروہ قرار دیتے ہیں، بعض فرائض میں منع اور نوافل میں جائز کہتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر ان میں امامت کے زیادہ مستحق ہونے کا وصف پایا جائے تو ان کی امامت بلا کراہت جائز ہے۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ''ترجمۃ الباب'' میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو اس کے جواز کی دلیل کے لیے نقل فرمایا ہے: «يَؤُمُّهُمْ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ» ''لوگوں کی امامت وہ کروائے جو ان میں سے زیادہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہے۔'' خواہ وہ غلام ہو یا آزاد شدہ غلام یا ولد الزنا یا اعرابی یا نابالغ لڑکا، کیونکہ جب وہ ''أَقْرَأُ'' ہے تو امامت وہی کروائے گا خواہ ان پانچوں میں سے کوئی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کسی کی امامت کو ناجائز قرار نہیں دیا۔ حدیث: «يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ» صحیح مسلم (۶۷۳/۲۹۰) میں ہے۔ 2 ذکوان کا اثر ابن ابی شیبہ (۱۲۳/۲، ح: ۶۲۱۷) نے باسند بیان کیا ہے کہ ہمیں وکیع نے ہشام بن عروہ سے، انھوں نے ابو بکر بن ابی ملیکہ سے، انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ انھوں نے اپنے ایک غلام کو اپنی وفات کے بعد آزاد کرنے کا اعلان کر دیا، تو وہ انھیں رمضان میں قرآن سے دیکھ کر امامت کروایا کرتا تھا اور ابن ابی داود نے ''کتاب المصاحف'' (ص: ۲۵۷) میں ایوب عن ابن ابی ملیکہ کے طریق سے روایت کی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کا غلام ذکوان قرآن سے دیکھ کر امامت کروایا کرتا تھا۔ اور شافعی (۱۴۲/۱) اور عبدالرزاق (۳۸۲۴) نے ایک اور سند سے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی ہے کہ وہ (ابن ابی ملیکہ) اور ان کا والد اور عبید بن عمیر اور مسور بن مخرمہ اور بہت سے لوگ وادی کی بالائی جانب میں آیا کرتے تھے اور انھیں عائشہ رضی اللہ عنہا کا مولیٰ ابو عمرو (ذکوان) امامت کرواتا تھا اور وہ ان دنوں غلام تھا، آزاد نہیں ہوا تھا۔

(فتح الباری) اس اثر سے مقصود اس بات کی تائید ہے کہ غلام کا امام بننا جائز ہے، پھر جب غلام امام بن سکتا ہے تو آزاد شدہ غلام تو بالاولیٰ امام بن سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور صحابہ نماز میں قرآن سے قراءت کو جائز سمجھتے تھے۔

3 ولد الزنا کی امامت اور اعرابی کی امامت جمہور کے نزدیک جائز ہے، بعض نے اسے مکروہ کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مکروہ کہنے والوں کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ ولد الزنا امامت کروائے گا تو لوگ اس کی پیٹھ پیچھے اس کی غیبت کریں گے، جس سے وہ گناہ گار ہوں گے۔ علاوہ ازیں عام طور پر اس کا باپ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اسے دین کی تعلیم و تربیت دینے والا کوئی نہیں ہوتا، اس لیے اس پر جہل کا غلبہ ہوتا ہے۔ اعرابی کی امامت مکروہ ہونے کی دلیل بھی یہی ہے کہ اعراب پر عموماً جہل کا غلبہ ہوتا ہے۔ (فتح الباری) مگر ظاہر ہے کہ انھیں امام تبھی بنایا جائے گا جب وہ قرآن کریم کے زیادہ قاری ہوں اور ان کی امامت ناجائز یا مکروہ ہونے کے یہ عذر جو بیان کیے گئے ہیں حدیثِ رسول ﷺ " يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ " کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔

4 نابالغ کی امامت ناجائز کہنے والے حضرات عبدالرزاق (۱۸۷۲، ۳۸۴۷) کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « لَا يَؤُمُّ الْغُلَامُ حَتّٰى يَحْتَلِمَ » ''لڑکا بالغ ہونے تک جماعت نہ کروائے۔'' مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔ اس کے مقابلے میں صحیح بخاری (۴۳۰۲) میں عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ (لام کے کسرہ کے ساتھ) کی حدیث موجود ہے کہ وہ اپنی قوم کو سات سال کی عمر میں امامت کروایا کرتے تھے، کیونکہ ان میں ان سے زیادہ کسی کو قرآن یاد نہ تھا۔ سنن ابی داؤد (۵۸۷) میں ہے کہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں اپنے قبیلہ بنو جرم میں جس موقع پر بھی موجود ہوتا ان کی امامت کرتا تھا۔'' اس میں فرائض و نوافل سب کی امامت شامل ہے۔

5 جب قریش کے اولین مہاجرین قبا میں واقع مقام عصبہ میں آئے تو سالم رضی اللہ عنہ جو ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام تھے مسجد قبا میں انھیں جماعت کروایا کرتے تھے۔ ان مہاجرین میں ابوبکر، عمر، ابوسلمہ بن عبدالاسد، زید بن حارثہ اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ بھی ہوتے تھے۔ (بخاری: ۷۱۷۵) یہاں ایک سوال ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو شروع میں مدینہ نہیں آئے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بعد میں ہجرت کر کے آئے، تو ان کا ذکر مہاجرین اولین کے ساتھ کیسے آ گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ان صحابہ میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آنے کے بعد بھی مسجد قبا میں سالم رضی اللہ عنہ ہی نماز پڑھاتے رہے۔

6 سالم رضی اللہ عنہ انصار کی ایک عورت کے غلام تھے، جس نے انھیں آزاد کر دیا تھا، وہ آزاد ہونے سے پہلے ان مہاجرین کی امامت کروایا کرتے تھے، کیونکہ انھیں قرآن سب سے زیادہ یاد تھا۔ انھیں مولی ابی حذیفہ اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ آزاد ہونے کے بعد ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنے لگے تو ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے انھیں بیٹا بنا لیا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا بنانے سے منع کر دیا تو پھر انھیں سالم مولی ابی حذیفہ کہا جانے لگا۔ (فتح الباری)

7 انس رضی اللہ عنہ کی حدیث (۶۹۳) میں غیر عربی آدمی کی امامت کی اس طرح دلیل ہے کہ جب حبشی کو حاکم بنایا جا سکتا ہے اور حاکم بنائے جانے کی صورت میں اس کی اطاعت لازم ہے تو دوسرے عجمیوں کو بھی حاکم بنایا جا سکتا ہے اور ان کی اطاعت بھی لازم ہے۔ حاکم بن کر وہ نماز بھی پڑھائیں گے تو ان کے پیچھے نماز بھی لازم ہے۔ منقے کی طرح سر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ وہ خوش شکل نہ ہو اور زیادہ سمجھدار بھی نہ ہو، کیونکہ چھوٹے سر میں دماغ بھی چھوٹا ہوگا، مگر جب اسے امیر بنا دیا جائے تو ہر حال میں اس کی اطاعت کرو، جب تک اللہ کے حکم کے خلاف حکم نہ دے۔

٥٥ ـ بَابٌ : إِذَا لَمْ يُتِمَّ الْإِمَامُ وَأَتَمَّ مَنْ خَلْفَهُ

55۔ باب: جب امام اپنی نماز پوری نہ کرے اور اس کے مقتدی اسے پورا کرلیں

٦٩٤ـ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ ابْنُ مُوسَى الْأَشْيَبُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «يُصَلُّونَ لَكُمْ، فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ، وَإِنْ أَخْطَؤُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ»

694۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(امام) تمھیں نماز پڑھائیں گے، اگر درست پڑھائیں تو تمھارے لیے ثواب ہے اور اگر وہ خطا کریں تو تمھارے لیے ثواب ہے اور ان پر گناہ ہے۔''

فائدہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر امام کی نماز درست نہ ہو تو مقتدیوں کی بھی درست نہ ہوگی، امام بخاری رحمہ اللہ اس بات کا رد کر رہے ہیں۔ امام کی نماز میں اگر کسی اعتبار سے بھی نقص ہو یا وہ کسی وجہ سے فاسد ہو تو مقتدی کی نماز درست ہوگی۔ مثلاً امام بے وقت نماز پڑھے یا بے وضو یا نجس کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھے مگر مقتدیوں کو علم نہ ہو، یا وہ ارکان صحیح ادا نہ کرے یا ان میں اطمینان نہ کرے اور ''اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ'' (دوبارہ جا کر نماز پڑھ، تو نے نماز نہیں پڑھی) کا مصداق ہو یا کوئی رکن چھوڑ دے، جب کہ مقتدی سب کچھ صحیح ادا کریں تو مقتدیوں کی نماز درست ہے اور انھیں اس کا ثواب ہوگا۔ البتہ ایسے امام پر اس کی غلطیوں کا وبال ہوگا۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: «إِنَّهَا سَتَكُونُ عَلَيْكُمْ أَئِمَّةٌ مِنْ بَعْدِي، فَإِنْ صَلَّوُا الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، فَأَتَمُّوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، فَهِيَ لَكُمْ وَلَهُمْ، وَ إِنْ لَمْ يُصَلُّوا الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، وَلَمْ يُتِمُّوا رُكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا، فَهِيَ لَكُمْ وَعَلَيْهِمْ» [مسند أحمد: ١٧٣٢٣] ''میرے بعد تم پر امام ہوں گے، اگر وہ نماز کو اس کے وقت پر پڑھیں اور اس کے رکوع اور سجود کو پورا کریں تو وہ تمھارے لیے اور ان کے لیے ثواب ہے اور اگر وقت پر نماز نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کے رکوع اور سجود کو پورا کریں تو وہ تمھارے لیے ثواب ہے اور ان پر گناہ ہے۔'' بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس سے مراد ایسے امام ہیں جن کے پیچھے آدمی نماز پڑھنے پر مجبور ہو، مثلاً وہ حاکم ہوں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنے سے ان کے ظلم کا اندیشہ ہو۔ یہ بات

کسی حد تک درست ہے، کیونکہ ایسے حاکموں کو چھوڑ کر دوسری جگہ نماز کے لیے جانا مشکل ہے، البتہ بے وقت نماز پڑھانے والے حاکموں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَعَلَّكُمْ سَتُدْرِكُونَ أَقْوَامًا يُصَلُّونَ الصَّلَاةَ لِغَيْرِ وَقْتِهَا، فَإِنْ أَدْرَكْتُمُوهُمْ فَصَلُّوا الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، وَصَلُّوا مَعَهُمْ وَاجْعَلُوهَا سُبْحَةً » [نسائي : ٧٧٩] ''شاید تم ان لوگوں کو پاؤ جو نماز بے وقت پڑھیں گے، تو اگر تم انھیں پاؤ تو نماز کو اس کے وقت پر پڑھ لو اور ان کے ساتھ بھی پڑھو اور اسے نفل بنالو۔''

٥٦ - بَابُ إِمَامَةِ الْمَفْتُونِ وَالْمُبْتَدِعِ

56۔ باب: فتنے میں مبتلا شخص اور بدعتی کی امامت

وَقَالَ الْحَسَنُ : صَلِّ وَعَلَيْهِ بِدْعَتُهُ .

اور حسن (بصری) نے کہا: تم نماز پڑھو اور اس کی بدعت (کا وبال) اسی پر ہے۔

٦٩٥ - قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : وَقَالَ لَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَدِيِّ ابْنِ خِيَارٍ : أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ مَحْصُورٌ، فَقَالَ : إِنَّكَ إِمَامُ عَامَّةٍ، وَنَزَلَ بِكَ مَا تَرَى، وَيُصَلِّي لَنَا إِمَامُ فِتْنَةٍ، وَنَتَحَرَّجُ، فَقَالَ : الصَّلَاةُ أَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ، فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ، فَأَحْسِنْ مَعَهُمْ، وَإِذَا أَسَاءُوا فَاجْتَنِبْ إِسَاءَتَهُمْ .

695۔ عبید اللہ بن عدی بن خیار سے روایت ہے کہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، جب وہ محاصرے میں تھے اور ان سے کہا: آپ تمام لوگوں کے امام ہیں اور آپ پر وہ مصیبت اتری ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں اور ہمیں فتنے کا امام نماز پڑھاتا ہے اور ہم گناہ محسوس کرتے ہیں۔ تو انھوں نے کہا: نماز سب سے اچھے کاموں میں سے ہے جو لوگ کرتے ہیں، تو جب لوگ اچھا کام کریں تو ان کے ساتھ اچھا کام کرو اور جب وہ برا کام کریں تو ان کی برائی سے الگ رہو۔

وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ : قَالَ الزُّهْرِيُّ : لَا نَرَى أَنْ يُصَلَّى خَلْفَ الْمُخَنَّثِ إِلَّا مِنْ ضَرُورَةٍ لَا بُدَّ مِنْهَا .

اور زبیدی نے کہا کہ زہری نے کہا: ہم مخنث کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے سوائے ایسی مجبوری کے جس سے کوئی چارہ نہ ہو۔

فوائد 1 فتنے میں مبتلا شخص سے مراد یہاں مسلمانوں کے حاکم سے بغاوت کرنے والا ہے۔ بعض نے اسے عام رکھا ہے، یعنی عورتوں یا بے ریش لڑکوں کا پیچھا کرنے کے فتنے میں گرفتار ہو یا سود خوری یا خیانت یا جھوٹ وغیرہ کے فتنے میں مبتلا ہو۔ بدعتی بھی اگرچہ فتنے میں گرفتار ہے مگر اس کا فتنہ اور زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ وہ عقیدے کے فتنے میں گرفتار ہے اور اس کام کو نیکی سمجھ کر کر رہا ہے جو دین میں نئی چیز ہونے کی وجہ سے سراسر گمراہی ہے، اس لیے اسے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔

2 یاد رہے کہ امتِ مسلمہ کا دعویٰ کرنے والے کچھ تو ایسے ہیں جنھوں نے نیا نبی بنا لیا، جیسے قادیانی اور کچھ ایسے ہیں جو قرآن یا حدیث کے منکر ہیں، یہ لوگ ملتِ اسلام سے خارج ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو اسلام میں رہ کر بدعت کے مرتکب ہیں۔ پھر بدعت دو قسم کی ہے، ایک مکفرہ یعنی جس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کو ایک قرار دینا، ہر چیز کو رب سمجھنا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب یا کائنات میں غیبی تصرف کرنے والا ماننا، غیر اللہ سے مافوق الاسباب مدد مانگنا، جیسا کہ قبر پرستوں کا حال ہے، یا چند صحابہ کرام کے سوا سب کو مرتد سمجھنا اور گالیاں دینا، قرآن مجید کو محرف قرار دینا، جیسا کہ غالی رافضیوں کا حال ہے، یا عامۃ المسلمین کو کافر قرار دے کر بے دریغ قتل کرنے والے اور ان کی عورتوں اور بچوں کے غلام بنانے کو جائز سمجھنے والے اور بت پرستوں کو کچھ نہ کہنے والے، جیسا کہ خوارج کا حال ہے۔ غرض ایسی بدعات کے مرتکبین کلمۂ اسلام پڑھنے اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے کی وجہ سے اگرچہ دنیوی احکام میں مسلمان ہیں مگر اُخروی احکام میں بدترین کافر ہیں، جیسا کہ عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی شہادت ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾ کے مطابق ہرگز مومن نہیں تھے۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق وہ کبھی کبھی اپنے کفر کا اظہار بھی کرتے تھے۔ (دیکھیے سورۂ منافقون) مگر کلمہ پڑھنے، مسلمان ہونے کے دعوے اور مسجد میں آ کر نماز پڑھنے کی وجہ سے انھیں دنیوی احکام میں مسلمان سمجھا گیا اور ان کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کیا گیا جبکہ آخرت میں وہ بدترین کافر ہیں، فرمایا: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾ [النساء: ۱٤٥] ”بے شک منافق لوگ آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔“ غرض بدعتِ مکفرہ والے لوگ بھی دنیوی طور پر امتِ مسلمہ میں شامل ہیں اور قرآن مجید اور کلمۂ اسلام کا صاف انکار نہ کرنے کی وجہ سے دنیا میں انھیں مسلمانوں کے حقوق حاصل ہیں۔ بدعت کی دوسری قسم ”مفسقہ“ ہے جس سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے مگر کفر تک نہیں پہنچتا، جیسے تیجہ، ساتا، دسواں کرنا اور قبروں پر چراغ جلانا وغیرہ۔

3 امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے تیسرے خلیفۂ برحق تھے۔ عبداللہ بن سبا یہودی نے اسلام کا لبادہ اوڑھا اور اس نے اور کچھ دوسرے لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کر کے لوگوں کے ایک طبقے کو ان کے خلاف کر دیا۔ یہ لوگ مصر اور کوفہ وغیرہ سے گروہوں کی شکل میں آئے اور انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا اور ان سے استعفا پر اصرار کرنے لگے۔ انھوں نے استعفا دینے سے انکار کر دیا، بالآخر ان فسادیوں نے دیواریں پھلانگ کر امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اس محاصرے کے دوران یہی فسادی مدینے پر قابض رہے اور ان کا امام کنانہ بن بشر مسجد نبوی میں جماعت کرواتا رہا، جسے عبیداللہ بن عدی نے فتنے کا امام کہا ہے۔ بعض نے عبدالرحمن بن عدیس کو امامِ فتنہ لکھا ہے مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کنانہ بن بشر کے امامِ فتنہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔ اگرچہ بعض صحابہ نے بھی اس دوران کچھ نمازیں پڑھائیں، جیسے ابو امامہ سہل بن حنیف، ابو ایوب انصاری اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائی، مگر باغیوں کی طرف سے فتنے کا امام کنانہ بن بشر ہی تھا۔

4 امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ لوگ فتنے کے امام کے پیچھے نماز کو گناہ محسوس کر رہے ہیں مگر محاصرے

میں ہونے کے باوجود امیر المومنین نے امام فتنہ کے پیچھے نماز کے متعلق یہی فرمایا کہ نماز مسلمانوں کے بہترین اعمال میں سے ہے، جب وہ اچھا کام کریں تو ان کے ساتھ اچھا کام کرو اور جب وہ بغاوت اور دوسرے برے کام کریں تو ان کے برے کاموں سے اجتناب کرو۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے عثمان رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ فتنے میں مبتلا لوگوں اور بدعتیوں کے پیچھے نماز جائز سمجھتے ہیں، انھوں نے حسن بصری رحمہ اللہ کا قول بھی اسی بات کی تائید کے لیے ذکر کیا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ایسے لوگوں خصوصاً بدعتِ مکفرہ کا ارتکاب کرنے والوں کے پیچھے نماز ان کی شوکت اور غلبے کی وجہ سے پڑھی جا سکتی ہے، ورنہ جس کے کفر کا یقین ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مجبوری کے بغیر جائز نہیں۔

5 امام زہری نے مخنث کے متعلق یہی بات کہی ہے کہ ہم اس کے پیچھے شدید مجبوری کے سوا نماز جائز نہیں سمجھتے۔ وہ شدید مجبوری یہی ہے کہ وہ زبردستی حکومت پر قابض ہو یا اسے کسی ایسے شخص نے مقرر کیا ہو جو زبردستی حکومت پر قابض ہو۔ بدعتِ مکفرہ کے مرتکب کا بھی یہی حکم ہے۔

٦٩٦۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِي ذَرٍّ: «اسْمَعْ وَأَطِعْ وَلَوْ لِحَبَشِيٍّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ» [راجع: ٦٩٣]

696۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”سنو اور اطاعت کرو، خواہ حبشی ہو، گویا اس کا سر ایک منقی ہے۔“

فائدہ: اس حدیث پر اس سے ایک باب پہلے بات ہو چکی ہے۔ (دیکھیے حدیث: ٦٩٣) ”اِبْنُ الْمُنَيِّر“ نے کہا: اس باب میں یہ حدیث لانے کی مناسبت یہ ہے کہ یہ صفت عموماً ایسے عجمیوں میں پائی جاتی تھی جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور دینی احکام کا علم نہیں رکھتے تھے۔ ایسے لوگ بدعت کے ارتکاب سے خالی نہیں ہوتے، کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ وہ اس فتنے میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہ حاکم بننے کے اہل ہیں، حالانکہ ان میں یہ اہلیت نہیں ہوتی۔ (فتح الباری)

٥٧ - بَابٌ: يَقُومُ عَنْ يَمِينِ الْإِمَامِ، بِحِذَائِهِ سَوَاءً، إِذَا كَانَا اثْنَيْنِ

57۔ باب: جب دو آدمی ہوں تو مقتدی امام کی دائیں جانب بالکل برابر کھڑا ہو

٦٩٧۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْعِشَاءَ، ثُمَّ جَاءَ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ نَامَ، ثُمَّ قَامَ،

697۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک رات رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر گھر آئے اور چار رکعتیں پڑھیں، پھر سو گئے، پھر آپ اٹھے تو میں آ کر آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، تو آپ نے مجھے اپنی دائیں جانب کر لیا، پھر

فَجِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ نَامَ حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ - أَوْ قَالَ: خَطِيطَهُ - ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ. [راجع: ١١٧۔ أخرجه مسلم: ٧٦٣]

آپ نے پانچ رکعتیں پڑھیں، پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر آپ سو گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی، پھر آپ نماز کے لیے نکل آئے۔

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد کے لیے حدیث (۱۱۷) ملاحظہ فرمائیں۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر دو آدمی ہوں تو مقتدی امام کی دائیں طرف اس سے تھوڑا سا پیچھے کھڑا ہو، امام صاحب نے اس کا رد کرتے ہوئے یہ باب قائم کیا ہے کہ ایسی صورت میں مقتدی کو امام کی دائیں جانب امام کے بالکل برابر کھڑا ہونا چاہیے، نہ اس سے آگے کھڑا ہو اور نہ اس سے پیچھے بلکہ بالکل برابر ساتھ کھڑا ہو، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دائیں جانب کھڑا کرنے کا اولین مصداق یہی ہے کہ دائیں جانب برابر کھڑا ہو، دائیں جانب آگے یا پیچھے کھڑا ہونا نہیں۔ علاوہ ازیں امام اور مقتدی جب ایک صف میں ہوں تو اس کا تقاضا برابر کھڑا ہونا ہے۔

٥٨۔ بَابٌ: إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الْإِمَامِ فَحَوَّلَهُ الْإِمَامُ إِلَى يَمِينِهِ، لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُمَا

58۔ باب: جب آدمی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو اور امام اسے اپنی دائیں جانب لے جائے تو دونوں میں سے کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی

٦٩٨۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو، عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ ابْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: نِمْتُ عِنْدَ مَيْمُونَةَ وَالنَّبِيُّ ﷺ عِنْدَهَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ، فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَقُمْتُ عَلَى يَسَارِهِ، فَأَخَذَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، فَصَلَّى ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، ثُمَّ نَامَ حَتَّى نَفَخَ، وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ، ثُمَّ أَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ، فَخَرَجَ فَصَلَّى، وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

قَالَ عَمْرٌو: فَحَدَّثْتُ بِهِ بُكَيْرًا، فَقَالَ: حَدَّثَنِي كُرَيْبٌ بِذَلِكَ. [راجع: ١١٧۔ أخرجه مسلم: ٧٦٣]

698۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک رات میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس سویا، اس رات نبی ﷺ ان کے پاس تھے تو نبی ﷺ نے وضو کیا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو میں بھی آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ نے مجھے پکڑا اور اپنی دائیں جانب کر لیا، چنانچہ آپ نے تیرہ رکعتیں پڑھیں، پھر آپ سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے اور آپ جب سوتے تھے تو خراٹے لیتے تھے، پھر مؤذن آپ کے پاس آیا تو آپ نکلے اور نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

عمرو نے کہا: میں نے بکیر کو یہ حدیث سنائی تو انھوں نے کہا: مجھے کریب نے یہ حدیث بیان کی۔

فوائد: 1 اس حدیث کے بعض فوائد کے لیے حدیث (۱۱۷) ملاحظہ فرمائیں۔ یہ حدیث مختصر ہے، مفصل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سر سے پکڑا اور پیچھے سے لا کر دائیں طرف کھڑا کر لیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اتنی حرکت کے باوجود نبی ﷺ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔ اس لیے اگر امام اور مقتدی کھڑا ہونے کی جگہ کی درستگی کے لیے جو عمل نماز کے دوران کریں اس سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ 2 حدیث کے آخر میں عمرو بن حارث کے حوالے سے جو سند بیان کی گئی ہے وہ عالی سند ہے، یعنی اس میں واسطے کم ہیں، کیونکہ اس میں عمرو اور کریب کے درمیان صرف ایک واسطہ بکیر کا ہے جب کہ پہلی سند میں عمرو اور کریب کے درمیان دو واسطے ہیں: ایک عبدربہ بن سعید کا اور دوسرا مخرمہ بن سلیمان کا۔

٥٩ ـ بَابٌ: إِذَا لَمْ يَنْوِ الْإِمَامُ أَنْ يَؤُمَّ ثُمَّ جَاءَ قَوْمٌ فَأَمَّهُمْ

59۔ باب: جب امام نے امامت کی نیت نہ کی ہو، پھر کچھ لوگ آ جائیں اور وہ انھیں امامت کروا دے

٦٩٩ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، فَقُمْتُ أُصَلِّي مَعَهُ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَأَخَذَ بِرَأْسِي فَأَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ. [راجع: ١١٧ ـ أخرجه مسلم: ٧٦٣]

699۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک رات اپنی خالہ (میمونہ رضی اللہ عنہا) کے پاس رہا تو نبی ﷺ رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے لگے، تو میں بھی اٹھ کر آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگا، چنانچہ میں آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا، تو آپ نے میرا سر پکڑا اور مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا۔

فائدہ: اس کے بعض فوائد کے لیے حدیث (۱۱۷) ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ اکیلے نماز پڑھ رہے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ کھڑے ہونے کے بعد انھیں دائیں طرف کھڑا کرنا دلیل ہے کہ پھر آپ انھیں امامت کروانے لگے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اکیلا نماز شروع کرنے والا بعد میں نفل کی امامت تو کر سکتا ہے مگر فرض کی نہیں، لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے فرض اور نفل دونوں کے لیے عام رکھا ہے، بلکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ فرض کی امامت کی نیت بھی بعد میں کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ان سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو اکیلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''کیا کوئی ایسا آدمی نہیں جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے۔'' [أبو داود: ٥٧٤، صحيح] صدقے کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ نماز فرض تھی، کیونکہ اسی کو جماعت کے ساتھ پڑھنے سے پچیس یا ستائیس درجے زیادہ اجر ملتا ہے، نفل نماز تو گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

٦٠- بَابٌ: إِذَا طَوَّلَ الْإِمَامُ وَكَانَ لِلرَّجُلِ حَاجَةٌ فَخَرَجَ فَصَلَّى

60- باب: جب امام نماز لمبی کرے اور کسی آدمی کو کوئی ضرورت ہو اور وہ نکل کر اکیلا نماز پڑھ لے

٧٠٠- حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ: أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ.

[انظر: ٧٠١، ٧٠٥، ٧١١، ٦١٠٦- أخرجه مسلم: ٤٦٥]

700- جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، پھر واپس آ کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے۔

فائدہ یہ روایت مختصر ہے، اگلی روایت میں اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ البتہ اس میں یہ خوبی ہے کہ بخاری رحمہ اللہ کے استاد مسلم بن ابراہیم اور شعبہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، اس لیے سند عالی ہے، یعنی اس میں واسطے کم ہیں جب کہ اگلی حدیث میں بخاری کے استاد محمد بن بشار اور شعبہ کے درمیان غندر کا واسطہ ہے، اس لیے یہ سند پہلی کے مقابلے میں سند سافل ہے۔ دوسری سند کی یہ خوبی ہے کہ اس میں عمرو کی جابر رضی اللہ عنہ سے سننے کی صراحت ہے۔

٧٠١- وَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ، فَصَلَّى الْعِشَاءَ فَقَرَأَ بِالْبَقَرَةِ، فَانْصَرَفَ الرَّجُلُ، فَكَأَنَّ مُعَاذًا تَنَاوَلَ مِنْهُ، فَبَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «فَتَّانٌ، فَتَّانٌ، فَتَّانٌ» ثَلَاثَ مِرَارٍ - أَوْ قَالَ: «فَاتِنًا، فَاتِنًا، فَاتِنًا» - وَأَمَرَهُ بِسُورَتَيْنِ مِنْ أَوْسَطِ الْمُفَصَّلِ.

قَالَ عَمْرٌو: لَا أَحْفَظُهُمَا. [راجع: ٧٠٠- أخرجه مسلم: ٤٦٥]

701- جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، پھر واپس آتے اور اپنی قوم کی امامت کرتے۔ (ایک دن) انھوں نے عشاء کی نماز پڑھائی اور سورۂ بقرہ پڑھی تو ایک آدمی (نماز توڑ کر) واپس چلا گیا۔ گویا معاذ رضی اللہ عنہ نے اسے برا بھلا کہا تھا۔ یہ بات نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے (معاذ رضی اللہ عنہ کو) فرمایا: ''بہت فتنہ ڈالنے والا، بہت فتنہ ڈالنے والا، بہت فتنہ ڈالنے والا ہے۔'' تین بار فرمایا، یا فرمایا: ''فتنہ ڈالنے والا، فتنہ ڈالنے والا، فتنہ ڈالنے والا ہے۔'' اور آپ ﷺ نے انھیں مفصل کی درمیانی دو سورتیں پڑھنے کا حکم دیا۔

عمرو (بن دینار) نے کہا: مجھے وہ دو سورتیں یاد نہیں رہیں (کہ کون سی تھیں)۔

فوائد 1 یہ باب پچھلے باب کا الٹ ہے، وہاں یہ تھا کہ کسی شخص نے امامت کی نیت نہیں کی، مقتدیوں کے آنے

پر درمیان میں امامت کی نیت کر لی۔ اس باب میں یہ ہے کہ شروع میں اس شخص نے امام کی اقتدا کی نیت کی، پھر کسی مجبوری سے نیت توڑ کر الگ نماز پڑھ لی۔ صحیح مسلم (۱۷۸/۴۶۵) میں ہے کہ اس نے سلام پھیر کر نماز ختم کر دی، پھر ایک گوشے میں اکیلے نماز پڑھ لی۔

2 اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے مقتدی فرض پڑھ سکتا ہے، کیونکہ معاذ رضی اللہ عنہ اپنی عشاء کی نماز تو نبی ﷺ کے پیچھے پڑھ آتے تھے، اب وہ نفل پڑھتے اور مقتدی فرض ادا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اس کی دلیل وہ روایت ہے جو عبدالرزاق (۸/۲، ح: ۲۲۶۵) اور شافعی (۲۰۰/۱) اور طحاوی (۴۰۹/۱، ح: ۲۳۶۰) اور دارقطنی (۱۰۷۵، ۱۰۷۶) اور دوسرے ائمہ نے ابن جریج کے طریق سے عمرو بن دینار عن جابر کے طریق سے یہی روایت بیان کی ہے، جو اس باب میں ہے اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: « هِيَ لَهُ تَطَوُّعٌ وَلَهُمْ فَرِيْضَةٌ » ''وہ معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے نفل اور مقتدیوں کے لیے فرض ہوتی تھی۔'' اور یہ حدیث صحیح ہے، اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' (فتح الباری) اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نفل پڑھانے والے کے پیچھے فرض پڑھنے کے جواز پر پیش کیے جانے والے تقریباً تمام اشکالات، شبہات اور تاویلات کا بہترین جواب دیا ہے۔ [فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ] اس کی تائید کہ پہلی دفعہ نماز فرض اور دوسری دفعہ ادا کرنے پر نفل ہوتی ہے ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں آپ ﷺ نے وقت گزرنے کے بعد نماز پڑھنے والے حکام کے متعلق فرمایا: ''تم وقت پر اپنی نماز پڑھ لو، پھر اگر تمھیں ان کے ساتھ (بھی) نماز مل جائے تو (ان کے ساتھ بھی) پڑھ لو، وہ تمھارے لیے نفل ہو جائے گی۔'' (صحیح مسلم: ۶۴۸/۲۳۸) اور آپ ﷺ نے ان دو آدمیوں سے فرمایا جنھوں نے اپنے ٹھکانوں پر نماز پڑھ لی تھی: « إِذَا صَلَّيْتُمَا فِيْ رِحَالِكُمَا، ثُمَّ أَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ، فَإِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ » [ترمذي : ۲۱۹، صحيح] ''جب تم اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ چکو، پھر جماعت والی مسجد میں آؤ تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لو، وہ تمھارے لیے نفل ہو گی۔'' اس کے علاوہ آپ ﷺ نے صلاۃ خوف میں ایک جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا، پھر دوسری جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔ (دیکھیے ابو داؤد: ۱۲۴۸، صحیح) اس حدیث میں دوسری جماعت کو جو دو رکعتیں پڑھائیں وہ رسول اللہ ﷺ کی نفل نماز تھی جب کہ مقتدیوں کی فرض نماز تھی، کیونکہ آپ پہلی جماعت کے ساتھ اپنے فرض پڑھ چکے تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے بھی صلاۃ خوف میں رسول اللہ ﷺ کا چار رکعت اور دو جماعتوں کا آپ کے پیچھے دو، دو رکعتیں پڑھنا ثابت ہے۔ (دیکھیے مسلم: ۸۴۳/۳۱۱) اور پہلی دو رکعتیں فرض اور بعد والی نفل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دن میں ایک نماز کو دو بار پڑھنے سے منع فرمایا۔ [دیکھیے أبو داؤد : ۵۷۹، حدیث حسن صحیح]

3 قرآن مجید کے ''سورۂ قٓ'' کے شروع سے ''وَالنَّاسِ'' تک کے حصے کو مفصل کہا جاتا ہے۔ پھر بعض ''سورۂ قٓ'' سے ''عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ'' تک کو طوال (لمبی سورتیں)، پھر وہاں سے ''وَالضُّحٰى'' تک کو اوساط (درمیانی) اور وہاں سے ''وَالنَّاسِ'' تک کو قصار (چھوٹی) کہتے ہیں۔ مگر عموماً ''قٓ'' سے ''بروج'' تک کو طوال، پھر وہاں سے ''بینہ'' تک کو اوساط، پھر آخر تک کو

قصار کہا جاتا ہے۔ عمرو بن دینار نے کہا: مجھے وہ دو سورتیں یاد نہیں رہیں، مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب انھوں نے شعبہ کو یہ حدیث بیان کی، اس کے برعکس جب انھوں نے سلیم بن حیان کو حدیث بیان کی تو انھیں بتایا کہ وہ دو سورتیں "وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا" اور "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" تھیں۔ بعض روایات میں "وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى" اور "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ" کا بھی ذکر ہے۔ (فتح الباری)

4 معاذ رضی اللہ عنہ کے انھیں برا بھلا کہنے سے مراد یہ ہے کہ جب انھیں اس آدمی کے نماز توڑ کر الگ پڑھنے کا علم ہوا تو انھوں نے کہا کہ وہ منافق ہے۔ اس باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے متعدد بار یہ بات کہی۔ جب رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا اور آپ نے اس آدمی کو بلا کر پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہم سارا دن کھیتوں میں کام کرتے ہیں، رات تھکے ہوئے آتے ہیں تو معاذ عشاء کی نماز میں سورۂ بقرہ اور اس جیسی لمبی سورتیں پڑھنے لگتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے تین دفعہ "فَتَّانٌ" کہہ کر معاذ رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ عشاء کی نماز میں مفصل کی درمیانی دو سورتیں پڑھا کریں۔ "فَاتِنًا" کو منصوب پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ محذوف "صِرْتَ" کی خبر ہے۔

5 اس حدیث کے فوائد میں سے چند یہ بھی ہیں: ❀ مقتدیوں کے حالات کا خیال رکھتے ہوئے نماز میں تخفیف مستحب ہے۔ ❀ دنیاوی کام نماز کی تخفیف کے لیے جائز عذر ہیں۔ ❀ مقتدی واقعی کسی عذر کی وجہ سے جماعت سے نکل سکتا ہے۔ ❀ عذر کی وجہ سے مسجد میں جماعت سے الگ اکیلا نماز پڑھ سکتا ہے۔ ❀ ہر شخص کو اس کے حسب حال تعزیر کی جاتی ہے۔ ❀ بعض اوقات صرف زبانی تعزیر ہی کافی ہوتی ہے۔ ❀ تاکید کے لیے تین دفعہ تکرار کرنا چاہیے۔ ❀ بظاہر غلط کام کرنے والے کا عذر سننا چاہیے۔ ❀ صحیح تاویل کی وجہ سے کوئی عمل کرنے والے کو ملامت نہ کرنا۔ ❀ جماعت سے پیچھے رہنا منافق کا کام ہے۔ (فتح الباری)

٦١- بَابُ تَخْفِيفِ الْإِمَامِ فِي الْقِيَامِ، وَإِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

61۔ باب: امام کا قیام میں تخفیف کرنا اور رکوع و سجود کو مکمل کرنا

٧٠٢- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَيْسًا، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو مَسْعُودٍ: أَنَّ رَجُلًا قَالَ: وَاللّٰهِ! يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا، فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ مِنْكُمْ

702۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میں صبح کی نماز سے فلاں آدمی کی وجہ سے پیچھے رہتا ہوں، کیونکہ وہ ہمیں نماز لمبی پڑھاتا ہے۔ تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی نصیحت میں اس دن سے زیادہ غصے کی حالت میں نہیں دیکھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کچھ لوگ نفرت دلانے والے ہیں، سو تم میں

مُنَفِّرِينَ، فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ » [راجع : ٩٠۔ أخرجه مسلم : ٤٦٦]

سے جو شخص بھی لوگوں کو نماز پڑھائے وہ مختصر پڑھائے، کیونکہ ان میں کمزور، بوڑھے اور کام والے ہوتے ہیں۔"

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد کے لیے حدیث (۹۰) ملاحظہ فرمائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب اس لیے قائم کیا ہے کہ حدیث میں تخفیف سے مراد قیام میں تخفیف ہے، رکوع و سجود کو پوری طرح ادا کرنا چاہیے، کیونکہ اس میں شکایت کرنے والے نے امام کے صبح کی نماز لمبی پڑھانے کی شکایت کی ہے۔ یہ امام اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے جو قباء میں نماز پڑھاتے تھے، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نہیں، کیونکہ وہ عشاء کی نماز پڑھاتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "ابو یعلیٰ (۱۷۹۸) نے حسن اسناد کے ساتھ عیسیٰ بن جاریہ سے، انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اہل قباء کو نماز پڑھاتے تھے، (ایک دفعہ) انھوں نے ایک لمبی سورت شروع کر دی، انصار کا ایک نوجوان ان کے ساتھ نماز میں شامل ہوا، جب اس نے سنا کہ انھوں نے لمبی سورت شروع کر دی ہے تو وہ نماز سے پیچھے نکل گیا۔ تو اُبی رضی اللہ عنہ غصے ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کے لیے چلے گئے، وہ نوجوان بھی اُبی رضی اللہ عنہ کی شکایت کے لیے آ گیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آ گئے، حتیٰ کہ آپ کے چہرے میں غصہ نظر آنے لگا، پھر فرمایا: "تم میں سے کچھ لوگ نفرت دلانے والے ہیں، جب تم نماز پڑھاؤ تو مختصر پڑھاؤ، کیونکہ تمھارے پیچھے کمزور، بوڑھے، مریض اور کام والے ہوتے ہیں۔" اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کے الفاظ " مِمَّا يُطِيلُ بِنَا " (کیونکہ وہ ہمیں نماز لمبی پڑھاتا ہے) سے مراد لمبی قراءت ہے، سجدہ، رکوع یا دوسرے ارکان نہیں، کیونکہ وہ نوجوان لمبی سورت شروع کرنے پر نماز چھوڑ گیا تھا، رکوع سجود لمبے ہونے کی وجہ سے اس نے نماز نہیں چھوڑی تھی، اس لیے رکوع سجود وغیرہ پورے ادا کرنے چاہییں۔

٦٢ ۔ بَابٌ : إِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ

62۔ باب: جب اپنی نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی پڑھے

٧٠٣ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ مِنْهُمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ » [أخرجه مسلم : ٤٦٧]

703۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے، کیونکہ ان میں بعض کمزور اور بیمار اور بوڑھے ہوتے ہیں اور جب اپنے لیے نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی پڑھے۔"

فائدہ: اس حدیث میں کمزور سے مراد وہ ہیں جو پیدائشی طور پر کمزور ہوتے ہیں۔ ایک اور سند کے ساتھ مسلم (۱۸۳/ ۴۶۷) نے " وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ " کے الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں اور طبرانی (۸۳۷۹) نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے " وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ " (حاملہ اور دودھ پلانے والی) اور طبرانی (۹۳/۱۷، ح: ۲۲۲) ہی نے عدی بن حاتم سے " وَابْنُ السَّبِيلِ " (راہ گیر) کے الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں۔ (فتح الباری)

٦٣ - بَابُ مَنْ شَكَا إِمَامَهُ إِذَا طَوَّلَ

63۔ باب: جو امام کی شکایت کرے جب وہ نماز لمبی کرے

وَقَالَ أَبُو أُسَيْدٍ: طَوَّلْتَ بِنَا يَا بُنَيَّ!

اور ابو اُسید رضی اللہ عنہ نے کہا: اے پیارے بیٹے! تو نے ہمیں نماز پڑھاتے ہوئے اسے لمبا کر دیا۔

٧٠٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الْفَجْرِ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فُلَانٌ فِيهَا، فَغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، مَا رَأَيْتُهُ غَضِبَ فِي مَوْضِعٍ كَانَ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ قَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ، فَمَنْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيَتَجَوَّزْ، فَإِنَّ خَلْفَهُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ» [راجع: ٩٠- أخرجه مسلم: ٤٦٦]

704۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! میں فجر میں نماز سے پیچھے رہتا ہوں، اس وجہ سے کہ فلاں ہمیں لمبی نماز پڑھاتا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ اتنے غصے ہوئے کہ میں نے کسی موقع پر اس دن سے زیادہ آپ کو غصے میں نہیں دیکھا۔ پھر فرمایا: "اے لوگو! تم میں سے بعض نفرت دلانے والے ہیں، سو تم میں سے جو نماز پڑھائے وہ مختصر پڑھائے، کیونکہ اس کے پیچھے کمزور اور بوڑھے اور کام والے ہوتے ہیں۔"

فائدہ: "ابو اُسید" ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے، ان کا نام مالک بن ربیعہ ہے۔ ابن ابی شیبہ (۳۲/۲، ح: ۶۱۱۷) میں ہے کہ منذر بن ابو اُسید نے کہا: "میرے والد میرے پیچھے نماز پڑھتے تھے، تو کئی دفعہ کہتے: بیٹا! تم نے آج ہمیں نماز پڑھاتے ہوئے اسے لمبا کر دیا۔" اس سے ابو اُسید رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا نام بھی معلوم ہو گیا اور یہ بھی کہ آدمی اپنے والد کی امامت کر سکتا ہے۔

٧٠٥- حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيَّ، قَالَ: أَقْبَلَ

705۔ جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی اپنے پانی کھینچنے والے دو اونٹ لے کر آیا جبکہ رات چھپ چکی تھی۔ اس نے معاذ رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھاتے ہوئے

رَجُلٌ بِنَاضِحَيْنِ وَقَدْ جَنَحَ اللَّيْلُ، فَوَافَقَ مُعَاذًا يُصَلِّي، فَتَرَكَ نَاضِحَهُ وَأَقْبَلَ إِلَى مُعَاذٍ، فَقَرَأَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ - أَوِ النِّسَاءِ - فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ وَبَلَغَهُ أَنَّ مُعَاذًا نَالَ مِنْهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَشَكَا إِلَيْهِ مُعَاذًا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا مُعَاذُ! أَفَتَّانٌ أَنْتَ؟» أَوْ «أَفَاتِنٌ؟» ثَلَاثَ مِرَارٍ، «فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ، وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى، فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ الْكَبِيرُ وَالضَّعِيفُ وَذُو الْحَاجَةِ» أَحْسِبُ هَذَا فِي الْحَدِيثِ.

پایا تو اپنے اونٹ چھوڑے اور معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف آ گیا۔ انھوں نے سورۂ بقرہ یا نساء پڑھی تو وہ آدمی (نماز چھوڑ کر) چلا گیا۔ اسے یہ بات پہنچی کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے اسے برا بھلا کہا ہے، تو وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ کے پاس معاذ رضی اللہ عنہ کی شکایت کر دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے معاذ! کیا تو فتان (بہت فتنہ ڈالنے والا) ہے؟'' یا (فرمایا:) ''کیا تو فاتن (فتنہ ڈالنے والا) ہے؟'' تین بار فرمایا (پھر فرمایا:) ''تم نے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾، ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾، ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى﴾ کیوں نہ پڑھیں، کیونکہ تمھارے پیچھے بوڑھے اور کمزور اور کام والے بھی نماز پڑھتے ہیں۔'' (شعبہ نے کہا) میں گمان کرتا ہوں کہ یہ جملہ حدیث میں داخل ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: وَتَابَعَهُ سَعِيدُ بْنُ مَسْرُوقٍ وَمِسْعَرٌ وَالشَّيْبَانِيُّ. قَالَ عَمْرٌو وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مِقْسَمٍ وَأَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ: قَرَأَ مُعَاذٌ فِي الْعِشَاءِ بِالْبَقَرَةِ. وَتَابَعَهُ الْأَعْمَشُ، عَنْ مُحَارِبٍ. [راجع: ٧٠٠ـ أخرجه مسلم: ٤٦٥]

ابوعبداللہ (بخاری) کہتے ہیں: سعید بن مسروق اور مسعر اور شیبانی نے اس (شعبہ) کی متابعت کی ہے۔ عمرو اور عبید اللہ بن مقسم اور ابوالزبیر نے جابر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ روایت کیے کہ ''معاذ رضی اللہ عنہ نے عشاء میں بقرہ پڑھی۔'' اور اعمش نے محارب سے اس کی متابعت کی۔

فائدہ اس کی شرح حدیث (۷۰۰) میں گزر چکی ہے۔ ''میں گمان کرتا ہوں......'' یہ شعبہ کا قول ہے، مطلب یہ ہے کہ ''فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ ......'' یہ جملہ حدیث کا حصہ ہونے کا شعبہ نے گمان کیا ہے، یقین نہیں۔ '' وَتَابَعَهُ سَعِيدُ بْنُ مَسْرُوقٍ '' اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ شعبہ کے علاوہ سعید بن مسروق اور مسعر اور شیبانی نے بھی یہ حدیث محارب بن دثار سے بیان کی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان حضرات نے شعبہ کی اصل حدیث میں متابعت کی ہے، تمام الفاظ میں نہیں۔ (فتح الباری)

٦٤ـ بَابُ الْإِيجَازِ فِي الصَّلَاةِ وَإِكْمَالِهَا

64۔ باب: نماز میں اختصار کرنا اور اسے مکمل کرنا

٧٠٦ـ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ،

706۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ

قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُوجِزُ الصَّلَاةَ وَيُكْمِلُهَا . [انظر : ٧٠٨- أخرجه مسلم : ٤٦٩]

نماز مختصر پڑھتے تھے اور اسے مکمل کرتے تھے۔

فائدہ ''مختصر پڑھتے تھے'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ قیام زیادہ لمبا نہیں کرتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ رکوع، قومہ یا سجدہ اور سجدوں کے درمیان جلسہ یا جلسۂ استراحت پوری طرح اطمینان سے نہیں کرتے تھے، کیونکہ یہ نماز کے ارکان ہیں اور رکن کے ناقص رہنے سے نماز ناقص ہو جاتی ہے، اس لیے آپ کی نماز اختصار کے باوجود کامل ہوتی تھی۔

٦٥ - بَابُ مَنْ أَخَفَّ الصَّلَاةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ

65- باب: جو امام بچے کے رونے پر نماز مختصر کر دے

٧٠٧- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، قَالَ : أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ ، قَالَ : حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : «إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ»

تَابَعَهُ بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَبَقِيَّةُ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ . [انظر : ٨٦٨]

707- ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اسے لمبا کروں، پھر میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز میں اختصار کر دیتا ہوں، اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ میں اس کی ماں کو مشکل میں ڈالوں گا۔''

اس (ولید) کی متابعت بشر بن بکر اور ابن مبارک اور بقیہ نے اوزاعی سے کی ہے۔

٧٠٨- حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ ابْنُ بِلَالٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ : مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ قَطُّ أَخَفَّ صَلَاةً وَلَا أَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ، وَ إِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ . [راجع : ٧٠٦- أخرجه مسلم : ٤٦٩]

708- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو نبی ﷺ سے زیادہ ہلکی اور مکمل نماز پڑھاتا ہو اور یقین مانو کہ آپ بچے کا رونا سنتے تو نماز ہلکی کر دیتے، اس ڈر سے کہ اس کی ماں آزمائش میں پڑ جائے گی۔

٧٠٩- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ ابْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ،

709- انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نماز میں داخل ہوتا ہوں اور اسے لمبا کرنے کا

أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ» [انظر: ٧١٠- أخرجه مسلم: ٤٧٠]

ارادہ رکھتا ہوں، پھر بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز میں اختصار کر دیتا ہوں، کیونکہ میں اس کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں کے غم کی شدت کو جانتا ہوں۔"

٧١٠- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ فَأُرِيدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ»

وَقَالَ مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبَانُ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ. [راجع: ٧٠٩- أخرجه مسلم: ٤٧٠]

710- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "میں نماز میں داخل ہوتا ہوں اور میں اسے لمبا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، پھر میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مختصر کر دیتا ہوں، کیونکہ میں اس کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں کے غم کی شدت کو جانتا ہوں۔"

اور موسیٰ نے کہا: ہمیں ابان نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اس حدیث کی مثل بیان کیا۔

فوائد و مسائل 1 ان احادیث سے ظاہر ہے کہ امام اتنی لمبی نماز پڑھا سکتا ہے جو اس کے مقتدیوں کے لیے قابل برداشت ہو، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: "میں نماز لمبی پڑھانے کا ارادہ کرتا ہوں۔" اور کسی وجہ سے اسے مختصر بھی کر سکتا ہے، مثلاً کوئی بچہ رونے لگے یا بارش شروع ہو جائے یا آندھی طوفان آ جائے وغیرہ۔ اس کے علاوہ ان احادیث سے عورتوں کے مسجد میں آنے اور بچوں کو مسجد میں لانے کا جواز بھی صاف ظاہر ہے، بعض لوگ بچوں کے آنے پر بہت تلخی کا مظاہرہ کرتے ہیں جو یقیناً نامناسب ہے۔ ان احادیث سے رسول اللہ ﷺ کا نماز لمبی پڑھنے کا شوق اور امت کے کمزور افراد اور عورتوں اور بچوں پر شفقت اور رحم بھی ظاہر ہے۔

2 حدیث (۷۱۰) کے آخر میں موسیٰ سے مراد ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی ہیں۔ ان کی سند لانے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں یہ صراحت ہے کہ قتادہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے۔ اس طرح اس سے پہلی سند میں قتادہ نے "عن انس رضی اللہ عنہ" کے الفاظ سے جو حدیث بیان کی ہے اس میں قتادہ کی تدلیس کا جو اندیشہ تھا وہ موسیٰ کی اس سند سے دور ہو گیا۔

٦٦- بَابٌ: إِذَا صَلَّى ثُمَّ أَمَّ قَوْمًا

66- باب: جب نماز پڑھ چکا ہو، پھر کچھ لوگوں کی امامت کرے

٧١١- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو النُّعْمَانِ،

711- جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے

قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَمْرِو ابْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ. [راجع: ٧٠٠ـ أخرجه مسلم: ٤٦٥]

ساتھ نماز پڑھتے تھے، پھر اپنی قوم کے پاس آتے اور انھیں نماز پڑھاتے تھے۔

فائدہ اس کی شرح اور فوائد کے لیے حدیث (٧٠٠) ملاحظہ فرمائیں۔

٦٧ـ بَابُ مَنْ أَسْمَعَ النَّاسَ تَكْبِيرَ الْإِمَامِ

67۔ باب: جو لوگوں کو امام کی تکبیر سنائے

فائدہ اگر امام کی آواز پست ہو یا نمازی زیادہ ہوں اور لاؤڈ سپیکر نہ ہو تو کوئی مقتدی امام کی تکبیر لوگوں تک پہنچا سکتا ہے، اسے مکبر کہا جاتا ہے۔

٧١٢ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: لَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ ﷺ مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَتَاهُ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ» قُلْتُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ، إِنْ يَقُمْ مَقَامَكَ يَبْكِي، فَلَا يَقْدِرُ عَلَى الْقِرَاءَةِ، قَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ» فَقُلْتُ: مِثْلَهُ، فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ: «إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ» فَصَلَّى، وَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَخُطُّ بِرِجْلَيْهِ الْأَرْضَ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ: أَنْ صَلِّ، فَتَأَخَّرَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَقَعَدَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى جَنْبِهِ، وَأَبُو بَكْرٍ يُسْمِعُ النَّاسَ التَّكْبِيرَ.

712۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ اپنی اس بیماری میں تھے جس میں آپ فوت ہوئے تو بلال رضی اللہ عنہ آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے آئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو بکر سے کہو وہ نماز پڑھائیں۔'' میں نے کہا: ابو بکر غمگین آدمی ہیں، اگر آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو روئیں گے اور قراءت نہیں کر سکیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو بکر سے کہو وہ نماز پڑھائیں۔'' میں نے پھر وہی بات کہی تو آپ ﷺ نے تیسری یا چوتھی بار فرمایا: ''تم یوسف کے ساتھ والیاں ہو، ابو بکر سے کہو وہ نماز پڑھائیں۔'' چنانچہ انھوں نے نماز پڑھائی اور نبی ﷺ دو آدمیوں کے درمیان سہارے سے نکلے۔ گویا میں آپ کو دیکھ رہی ہوں آپ کے پاؤں زمین پر لکیریں کھینچتے جاتے تھے۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے، آپ نے انھیں اشارہ کیا کہ نماز پڑھاتے رہو، تو ابو بکر رضی اللہ عنہ

کچھ پیچھے ہٹے اور نبی ﷺ ان کے پہلو میں بیٹھ گئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو (آپ کی) تکبیر سنانے لگے۔

تَابَعَهُ مُحَاضِرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ . [راجع : ۱۹۸۔ أخرجه مسلم : ۴۱۸ مطولاً]

محاضر نے اعمش سے روایت کرنے میں عبداللہ بن داؤد کی متابعت کی ہے۔

فائدہ اس کی شرح اور فوائد حدیث (۱۹۸) اور (۶۶۴) میں ملاحظہ فرمائیں۔

۶۸۔ بَابُ الرَّجُلِ يَأْتَمُّ بِالْإِمَامِ وَيَأْتَمُّ النَّاسُ بِالْمَأْمُومِ

68۔ باب: ایک آدمی امام کی اقتدا کرے اور دوسرے لوگ اس کی اقتدا کریں

وَيُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : « اِئْتَمُّوا بِي وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ »

اور نبی ﷺ سے ذکر کیا جاتا ہے (کہ آپ ﷺ نے فرمایا): ''تم میری اقتدا کرو اور تمھارے بعد والے تمھاری اقتدا کریں۔''

فائدہ یہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ایک حصہ ہے، انھوں نے کہا: « أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِيْ أَصْحَابِهِ تَأَخُّرًا ، فَقَالَ لَهُمْ : « تَقَدَّمُوْا فَأْتَمُّوْا بِيْ، وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ، لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُوْنَ حَتّٰى يُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ » [مسلم : ۴۳۸/۱۳۰] ''رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب میں کچھ پیچھے رہنا دیکھا تو آپ نے انھیں فرمایا: ''آگے بڑھو اور میری اقتدا کرو اور تمھارے بعد والے تمھاری اقتدا کریں، کچھ لوگ پیچھے رہتے رہیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ بھی انھیں پیچھے کر دے گا۔'' یہ اس وقت کی بات ہے جب لاؤڈ سپیکر نہیں تھے، امام کی آواز صفوں کے آخر تک نہیں پہنچتی تھی، اس لیے امام کی اقتدا کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مقتدی حضرات مکبر کی آواز کی اقتدا کریں اور ایک یہ جو اس حدیث میں ہے کہ امام کے قریب والے امام کو دیکھ کر اس کی اقتدا کریں اور پچھلی صفوں والے اپنے سامنے والی صف کو دیکھ کر ان کی اقتدا کریں۔ حدیث کے الفاظ میں اس معنی کی بھی گنجائش ہے کہ آپ نے صحابہ کو فرمایا کہ شریعت کے احکام تم مجھ سے سیکھو اور تمھارے بعد تابعین تم سے سیکھیں۔ اسی طرح دنیا کے خاتمے تک پیچھے آنے والے پہلوں سے دین کی تعلیم حاصل کریں۔

۷۱۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ : « مُرُوا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ » فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ

713۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی طبیعت بوجھل ہو گئی تو بلال رضی اللہ عنہ آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے آئے، آپ نے فرمایا: ''ابو بکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' میں نے کہا: یا رسول اللہ! ابو بکر غمگین آدمی ہیں، جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں

أَسِيفٌ وَإِنَّهُ مَتَى مَا يَقُمْ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعُ النَّاسَ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ، فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ» فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ، وَ إِنَّهُ مَتَى يَقُمْ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعُ النَّاسَ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ، قَالَ: «إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ» فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ وَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي نَفْسِهِ خِفَّةً، فَقَامَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، وَرِجْلَاهُ يَخُطَّانِ فِي الْأَرْضِ، حَتَّى دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَلَمَّا سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ حِسَّهُ، ذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ يَتَأَخَّرُ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي قَائِمًا، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي قَاعِدًا، يَقْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَالنَّاسُ مُقْتَدُونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ. [راجع: ١٩٨ـ أخرجه مسلم: ٤١٨ مطولاً]

کو سنا نہیں سکیں گے، اس لیے اگر آپ عمر کو حکم دیں (تو بہتر ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم آپ سے کہو کہ ابو بکر غمگین آدمی ہیں، وہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو سنا نہیں سکیں گے، اس لیے اگر آپ عمر کو حکم دیں (تو بہتر ہے)۔ آپ نے فرمایا: ''تم یوسف کے ساتھ والیاں ہو، ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' جب انھوں نے نماز شروع کی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی طبیعت کچھ ہلکی محسوس کی، تو آپ اٹھے اور آپ کو دو آدمیوں کے درمیان سہارے سے لے جایا جانے لگا، آپ کے پاؤں زمین پر لکیریں کھینچتے جا رہے تھے۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی آہٹ سنی تو وہ پیچھے ہٹنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں (اپنی جگہ پر رہنے کا) اشارہ کیا، پھر رسول اللہ ﷺ آئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی اقتدا کرتے تھے۔

فائدہ: اس حدیث کی شرح کے لیے بھی حدیث (۱۹۸) اور (۶۶۴) ملاحظہ فرمائیں۔

٦٩ـ بَابٌ: هَلْ يَأْخُذُ الْإِمَامُ إِذَا شَكَّ بِقَوْلِ النَّاسِ؟

69۔ باب: کیا جب امام کو شک ہو تو لوگوں کی بات قبول کر لے؟

٧١٤ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ

714۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو رکعتیں پڑھ کر نماز سے واپس پھرے (سلام پھیر دیا) تو ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا نماز کم کر دی گئی ہے؟

ﷺ انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَيْنِ، فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ : أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ !؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ ؟ » فَقَالَ النَّاسُ : نَعَمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَصَلَّى اثْنَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ، فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ . [راجع : ٤٨٢ـ أخرجه مسلم : ٥٧٣ مطولاً]

یا آپ بھول گئے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا ذوالیدین نے سچ کہا ہے؟'' لوگوں نے کہا: جی ہاں ! تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور دو اور رکعتیں پڑھیں، پھر سلام پھیر دیا، پھر آپ نے تکبیر کہی اور اپنے پہلے سجدوں کی طرح یا ان سے لمبے سجدے کیے۔

فائدہ یہ حدیث (۴۸۲) میں گزر چکی ہے۔ ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا نام خرباق تھا، ان کے ہاتھ کچھ لمبے تھے، اس لیے ان کا یہ لقب پڑ گیا۔

٧١٥ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، فَقِيلَ : صَلَّيْتَ رَكْعَتَيْنِ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ. [راجع : ٤٨٢ـ أخرجه مسلم : ٥٧٣ مطولاً]

715۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر کی نماز دو رکعتیں پڑھی تو آپ سے کہا گیا کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ اس پر آپ نے دو اور رکعتیں پڑھیں، پھر سلام پھیر دیا، پھر دو سجدے کیے۔

فائدہ ان دونوں حدیثوں کی باب کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔ سہو کے مسائل آئندہ اپنے باب میں بیان ہوں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٧٠ ـ بَابٌ : إِذَا بَكَى الْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ

70۔ باب: جب امام نماز میں روئے

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ : سَمِعْتُ نَشِيجَ عُمَرَ وَأَنَا فِي آخِرِ الصُّفُوفِ، يَقْرَأُ : ﴿ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللّٰهِ ﴾ [يوسف : ٨٦]

اور عبد اللہ بن شداد نے کہا: میں نے عمر رضی اللہ عنہ کی ہچکیوں کی آواز سنی جب کہ میں سب سے آخری صف میں تھا اور انھوں نے یہ آیت پڑھی تھی: ﴿ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللّٰهِ ﴾ ''میں تو اپنی ظاہر ہو جانے والی بے قراری اور اپنے غم کی شکایت صرف اللہ کی جناب میں کرتا ہوں۔''

فائدہ سنن سعید بن منصور میں ہے کہ یہ صبح کی نماز تھی۔ (فتح الباری) اس سے معلوم ہوا کہ امیر المومنین اتنے قوی ہونے کے باوجود کس قدر رقیق القلب تھے اور یہ بھی کہ رونے کی آواز نکل جانے سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر رونے کے ساتھ الفاظ کی آواز نکل جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ ان بے چاروں کو معلوم نہیں کہ اس

سے زیادہ کون خوش بخت ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سامنے رونا نصیب ہو جائے۔ عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: « رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ صَدْرِهِ أَزِيْزٌ كَأَزِيْزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ » [مسند أحمد : ۱۶۳۱۲] ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا (آپ ہمیں نماز پڑھا رہے تھے) اور آپ کے سینے میں اُبلنے جیسی آواز تھی، جیسے ہانڈی اُبلنے کی آواز ہوتی ہے۔'' بعض روایتوں میں " كَأَزِيْزِ الرَّحٰى " کے الفاظ ہیں، یعنی چکی جیسی آواز ہوتی تھی۔ [دیکھیے ابو داؤد : ۹۰۴، صحیح]

۷۱۶۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ : حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِي مَرَضِهِ : « مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ » قَالَتْ عَائِشَةُ : قُلْتُ : إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ، فَقَالَ : « مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ » قَالَتْ عَائِشَةُ لِحَفْصَةَ : قُولِي لَهُ : إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ، فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « مَهْ إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ » قَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ : مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا . [راجع : ۱۹۸۔ أخرجه مسلم : ٤١٨ مطولاً]

716۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں فرمایا: ''ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے کہا: ابوبکر جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو آواز نہیں سنا سکیں گے، اس لیے آپ عمر کو حکم دیں کہ وہ (لوگوں کو) نماز پڑھائیں۔ آپ نے فرمایا: ''ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا: تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ ابوبکر جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو آواز سنا نہیں سکیں گے، اس لیے آپ عمر کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایسے ہی کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ٹھہرو، تم یوسف کے ساتھ والیاں ہوں، ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' حفصہ رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: میں کبھی تم سے بھلائی پانے والی نہیں۔

فائدہ اس کی شرح کے لیے حدیث (۱۹۸) اور (۶۶۴) ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز میں رونے کی عادت کا ذکر ہے، یہی اس کی باب کے ساتھ مناسبت ہے کہ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے آواز نہیں پہنچا سکیں گے۔ معلوم ہوا نماز میں امام کے رونے سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

٧١۔ بَابُ تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ عِنْدَ الْإِقَامَةِ وَبَعْدَهَا

71۔باب: اقامت کے وقت اور اس کے بعد صفیں سیدھی کرنا

٧١٧ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ أَبِي الْجَعْدِ، قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ، أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ» [أخرجه مسلم: ٤٣٦]

717۔نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنی صفیں ضرور برابر کرو گے یا اللہ تمھارے چہروں کے درمیان ضرور مخالفت ڈال دے گا۔''

فوائد ومسائل: 1 ''لَتُسَوُّنَّ'' یہ قسم مقدر ''وَاللّٰهِ!'' (اللہ کی قسم!) کا جواب ہے، اس لیے نون تاکید ثقیلہ کے ساتھ اس کی تاکید کی گئی ہے۔صفوں کے برابر کرنے میں انھیں سیدھا کرنا، ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا سب کچھ شامل ہے۔اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ دلوں میں محبت پیدا کرے گا، جس کا اظہار چہروں کے ایک دوسرے کی طرف خوش دلی سے متوجہ ہونے سے ہوگا اور اگر نمازی ایسا نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کے درمیان مخالفت ڈال دے گا کہ ایک کا چہرہ ایک طرف ہوگا تو دوسرے کا اس کی طرف ہونے کی بجائے الٹی جانب ہوگا، جو دلوں کے ایک دوسرے کے خلاف ہونے کی علامت ہوگی، جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے۔

دل بدلتے ہیں تو چہرے بھی بدل جاتے ہیں
اپنے تیور تو سنبھالو کہ کوئی یہ نہ کہے

ابوداود کی اس حدیث (٦٦٢) میں یہ الفاظ ہیں: «أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ» ''یا اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں کے درمیان مخالفت ڈال دے گا۔'' معلوم ہوا کہ ''وُجُوهِكُمْ'' سے مراد بھی ''قُلُوبِكُمْ'' ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفوں کی درستی فرض ہے، کیونکہ اس کا حکم ہے اور حکم فرض کے لیے ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس کی تعمیل نہ کرنے پر وعید آئی ہے۔

2 بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مکبر کے اقامت کہتے ہوئے ''قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ'' کہنے کے ساتھ ہی امام کو ''اللہ اکبر'' کہہ کر نماز شروع کر دینی چاہیے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کا رد کرنے کے لیے یہ باب باندھا ہے کہ ضروری نہیں کہ اقامت سے پہلے ہی صفیں درست کی جائیں بلکہ اقامت کے دوران اور اس کے بعد بھی صفیں درست کروانی چاہییں۔

3 امام صاحب جو حدیث لائے ہیں اس میں اگرچہ اقامت کے دوران یا اس کے بعد کے الفاظ نہیں مگر مطلق صفیں سیدھی کرنے کے حکم میں اقامت سے پہلے، اس کے درمیان اور اس کے بعد تینوں وقتوں میں جب ضرورت محسوس ہو امام کو صفیں درست کروانے کا حکم شامل ہے، اس لیے مقتدیوں کو ہر حال میں صفیں درست کرنے کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے۔ یہ پابندی کہ مکبر کے ''قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ'' کہنے کے ساتھ ہی صفوں کو درست کرنے کا معاملہ ختم کر کے نماز شروع کرنا لازم ہے

قرآن وسنت میں کہیں موجود نہیں۔ اس کے علاوہ امام بخاری ؒ نے حسب عادت اس حدیث کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ صحیح مسلم (۴۳۶/۱۲۸) میں نعمان بن بشیر ؓ ہی سے روایت ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: «فَقَامَ حَتّٰى كَادَ يُكَبِّرُ......» یعنی آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور تکبیر تحریمہ کہنے ہی والے تھے کہ ایک آدمی کو دیکھا جس کا سینہ دوسرے نمازیوں سے آگے نکلا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے: «عِبَادَ اللّٰهِ! لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ، أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ» اور صحیح بخاری میں اس باب کے بعد والے باب میں انس ؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اقامت ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا چہرہ ہماری طرف کر کے فرمایا: «أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ وَتَرَاصُّوا» ''اپنی صفیں سیدھی کرو اور چونا گچ ہو جاؤ۔''

۷۱۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «أَقِيمُوا الصُّفُوفَ، فَإِنِّي أَرَاكُمْ خَلْفَ ظَهْرِي» [انظر: ۷۱۹، ۷۲۵۔ أخرجه مسلم: ۴۳۴]

718۔ انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اپنی صفیں سیدھی کرو، کیونکہ میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔''

فائدہ: اس کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۷۱۸)۔

۷۲۔ بَابُ إِقْبَالِ الْإِمَامِ عَلَى النَّاسِ عِنْدَ تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ

72۔ باب: صفیں درست کرتے وقت امام کا لوگوں کی طرف منہ کرنا

۷۱۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ بْنُ قُدَامَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: «أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ وَتَرَاصُّوا، فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي» [راجع: ۷۱۸۔ أخرجه مسلم: ۴۳۴]

719۔ انس ؓ نے بیان کیا کہ نماز کی اقامت کہی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا چہرہ ہماری طرف کیا اور فرمایا: ''اپنی صفیں سیدھی کرو اور چونا گچ ہو جاؤ، کیونکہ میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔''

فائدہ: اس کی شرح کے لیے حدیث (۷۱۸) ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفیں درست اور سیدھی کرنے کی تاکید ہمیشہ امام کو صرف قبلہ رخ رہتے ہوئے ہی کافی نہیں بلکہ کبھی کبھی اسے لوگوں کی طرف منہ کر کے بھی صفیں درست کروانی چاہییں، جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے، بلکہ آپ ﷺ کبھی کبھی نمازیوں کے کندھوں کو پکڑ کر بھی صفیں درست کیا کرتے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم (۴۳۲) میں ابو مسعود ؓ سے مروی ہے۔

٧٣ - بَابُ الصَّفِّ الْأَوَّلِ

73۔باب: پہلی صف (کی فضیلت)

٧٢٠ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلشُّهَدَاءُ: اَلْغَرِقُ، وَالْمَطْعُونُ، وَالْمَبْطُونُ، وَالْهَدِمُ» [راجع: ٦٥٣- أخرجه مسلم: ١٩١٤ مطولاً]

720۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''شہداء یہ ہیں: غرق ہونے والا اور طاعون سے مرنے والا اور پیٹ کی تکلیف سے مرنے والا اور گرنے والی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا۔''

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے حدیث (٦٥٣) ملاحظہ کریں۔

٧٢١ - وَقَالَ: «وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَاسْتَهَمُوا» [راجع: ٦١٥- أخرجه مسلم: ٤٣٧]

721۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر لوگ جان لیں کہ دوپہر کو (مسجد کی طرف) جانے میں کیا اجر ہے تو (اس کی طرف) ایک دوسرے سے جلدی آگے بڑھیں اور اگر وہ جان لیں کہ عشاء اور صبح کی نماز میں کیا ہے تو ضرور ان دونوں میں آئیں خواہ گھسٹتے ہوئے آئیں اور اگر وہ جان لیں کہ پہلی صف میں کیا اجر ہے تو ضرور (اس کے لیے) قرعہ اندازی کریں۔''

فائدہ اس کے لیے بھی حدیث (٦٥٣) ملاحظہ کریں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ علماء نے فرمایا: پہلی صف کی ترغیب ان فضائل کی وجہ سے ہے: ❀ نماز کے فریضے کو جلد از جلد ادا کرنا۔ ❀ مسجد میں پہلے جانا۔ ❀ امام کے قریب ہونا۔ ❀ اس کی قراءت کی طرف کان لگانا۔ ❀ اس سے علم سیکھنا۔ ❀ اسے بھولا ہوا لفظ بتا دینا۔ ❀ اس کی نماز پچھلے لوگوں کو پہنچانا۔ ❀ صفیں چیر کر کسی کے آگے آنے سے محفوظ رہنا۔ ❀ آگے والوں کو دیکھنے سے محفوظ رہنا۔ ❀ اور اس کے سجدے کی جگہ کا اگلی صف والوں کے کپڑوں سے محفوظ رہنا۔ [اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ السَّابِقِيْنَ إِلَى الصَّلَاةِ وَالْخَيْرَاتِ]

٧٤ - بَابٌ: إِقَامَةُ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ

74۔باب: صف سیدھی کرنا نماز کو مکمل کرنے کا حصہ ہے

٧٢٢- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا

722۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: « إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ وَأَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ »
[انظر: ٧٣٤- أخرجه مسلم: ٤١٤، بدون ذكر و أقيموا ...... الخ]

''امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، تو تم اس کے خلاف مت کرو۔ سو جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " کہے تو تم " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو اور نماز میں صف سیدھی کرو، کیونکہ صف سیدھی کرنا نماز کے حسن کا حصہ ہے۔''

فائدہ: اس کی شرح کے لیے حدیث (٦٨٩) ملاحظہ کریں۔

٧٢٣- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: « سَوُّوا صُفُوفَكُمْ، فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ »
[أخرجه مسلم: ٤٣٣ بذكر « تمام » بدل « إقامة »]

723- انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اپنی صفیں برابر کرو، کیونکہ صفوں کو سیدھا کرنا نماز درست کرنے کا حصہ ہے۔''

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے کہ ''صف سیدھی کرنا " إِتْمَامِ الصَّلَاةِ " (نماز کو مکمل کرنے کا حصہ) ہے'' اور اس باب میں ایک حدیث یہ لائے ہیں کہ ''صف سیدھی کرنا نماز کے حسن کا حصہ ہے'' اور دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ''صفیں سیدھی کرنا نماز درست کرنے کا حصہ ہے۔'' سوال یہ ہے کہ " إِتْمَام " (مکمل کرنے) کے ساتھ ''حسن'' اور " إِقَامَة " (درست کرنے) کی کیا مناسبت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حسن ایک تو اجزا کی تکمیل سے ہوتا ہے اور ایک اوصاف کی تکمیل سے ہوتا ہے۔ امام بخاری کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں حسن صلاۃ سے مراد وہ حسن ہے جو اجزا کی تکمیل سے ہوتا ہے، جیسے اگر کسی کی ایک ٹانگ یا ایک آنکھ نہ ہو تو اس کے مقابلے میں دونوں ٹانگوں اور دونوں آنکھوں والا حسن والا ہے۔ اس بات کی تاکید کے لیے اگلی حدیث ذکر فرمائی ہے جس میں صفوں کی درستی کو " إِقَامَةِ الصَّلَاةِ " یعنی نماز کے درست کرنے کا حصہ قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں امام بخاری نے ابو الولید سے " مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ " ذکر کیا ہے جب کہ دوسرے محدثین مثلاً اسماعیلی اور ابوداؤد (٦٦٨) وغیرہ نے " مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ " ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری) اس سے معلوم ہوا کہ بخاری نے ان روایات کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں " مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ " کے الفاظ ہیں۔ بعض لوگ صفوں کی درستی کو محض سنت قرار دیتے ہیں، واجب نہیں، ان کے مطابق صف کی درستی سے صرف نماز کا حسن حاصل ہوتا ہے جو اتمام سے زائد چیز ہے۔ جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ اسے واجب سمجھتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس

کا حکم دیا ہے، فرمایا: « أَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا » [بخاري : ٧١٩] اور فرمایا: « لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ » [بخاري : ٧١٧] اس کے علاوہ اسے " إِقَامَةِ الصَّلَاةِ " اور " إِتْمَامِ الصَّلَاةِ " کا حصہ قرار دیا ہے۔ رہا " مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ " تو بخاری رحمہ اللہ نے باب کے ذریعے واضح فرمایا کہ " حُسْنِ الصَّلَاةِ " سے مراد وہ حسن ہے جو اجزا کے پورے ہونے سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے اگر کچھ لوگ صفیں درست نہیں کرتے تو ان کی نماز مکمل نہیں ہوتی بلکہ ناقص رہتی ہے۔

تنبیہ: باب کے الفاظ " إِقَامَةُ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ " عبد الرزاق (۲۴۲۵) نے جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیے ہیں۔ (فتح الباری)

٧٥ - بَابُ إِثْمِ مَنْ لَمْ يُتِمَّ الصُّفُوفَ

٧٢٤ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ ابْنُ مُوسَى، قَالَ : أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّائِيُّ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ : أَنَّهُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ، فَقِيلَ لَهُ : مَا أَنْكَرْتَ مِنَّا مُنْذُ يَوْمِ عَهِدْتَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ؟ قَالَ : مَا أَنْكَرْتُ شَيْئًا إِلَّا أَنَّكُمْ لَا تُقِيمُونَ الصُّفُوفَ .

وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ : قَدِمَ عَلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْمَدِينَةَ، بِهٰذَا .

75۔ باب: اس شخص کا گناہ جو صفیں مکمل نہ کرے

724۔ بُشیر بن یسار انصاری نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ وہ مدینہ میں آئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ نے اس وقت سے جب آپ نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ دیکھا ہم میں کون سی چیز منکر (خلافِ معمول) پائی ہے؟ تو انھوں نے کہا: میں نے اس کے سوا کسی چیز کو منکر (خلافِ معمول) نہیں پایا کہ تم صفیں درست نہیں کرتے۔

اور عقبہ بن عبید نے بُشیر بن یسار سے بیان کیا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہمارے پاس مدینہ میں آئے، آگے یہی حدیث بیان کی۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کے باب کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ وہ صفیں درست کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں، کیونکہ انھوں نے اس پر " إِثْمٌ " (گناہ) کا لفظ بولا ہے اور گناہ ترکِ واجب ہی پر ہوتا ہے اور انس رضی اللہ عنہ نے صفیں درست نہ کرنے پر انکار کیا ہے اور منکر معروف کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ [آل عمران : ١١٠] "تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔" انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مدینہ میں صفیں درست کرنے میں اتنی کوتاہی شروع ہو گئی کہ انس رضی اللہ عنہ نے اسے واضح طور پر محسوس کیا اور اس کی نشاندہی فرمائی اور اب تو اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی جاتی۔ (الا ماشاء اللہ)

٧٦۔ بَابُ إِلْزَاقِ الْمَنْكِبِ بِالْمَنْكِبِ وَالْقَدَمِ بِالْقَدَمِ فِي الصَّفِّ

76۔ باب: صف میں کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم چپکا دینا

وَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ: رَأَيْتُ الرَّجُلَ مِنَّا يُلْزِقُ كَعْبَهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهِ.

اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے دیکھا ہم میں سے ہر آدمی اپنا ٹخنہ اپنے ساتھی کے ٹخنے کے ساتھ چپکا دیتا تھا۔

٧٢٥۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ، فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي»، وَكَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ، وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ.

[راجع: ٧١٨۔ أخرجه مسلم: ٤٣٤]

725۔ انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی صفیں سیدھی کرو، کیونکہ میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔'' اور ہم میں سے ایک اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے اور اپنا قدم اپنے ساتھی کے قدم کے ساتھ چپکا دیتا تھا۔

فوائد ومسائل: 1 ترجمۃ الباب میں مذکور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کی معلق روایت ابوداود (٦٦٢) میں صحیح متصل سند کے ساتھ ان الفاظ میں آئی ہے: «سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ، يَقُولُ: أَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ـ ثَلَاثًا ـ وَاللّٰهِ! لَتُقِيمُنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ، قَالَ: فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ وَكَعْبَهُ بِكَعْبِهِ» ''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اپنا چہرہ لوگوں کی طرف متوجہ کر کے فرمایا: ''اپنی صفیں درست کرو۔'' تین بار فرمایا۔ ''اللہ کی قسم! تم اپنی صفیں ضرور سیدھی کرو گے یا اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں کے درمیان ایک دوسرے کی مخالفت ڈال دے گا۔'' نعمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''پھر میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر آدمی اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے کے ساتھ اور اپنا گھٹنا اپنے ساتھی کے گھٹنے کے ساتھ اور اپنا ٹخنہ اس کے ٹخنے کے ساتھ چپکا دیتا تھا۔'' شارحین نے نعمان رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ وضو کی آیت میں ''کَعْبٌ'' سے مراد ٹخنہ یعنی وہ ہڈی ہے جو پیر کے دونوں جانب اُبھری ہوتی ہے۔ (فتح الباری)

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: کندھے کو کندھے اور قدم کو قدم کے ساتھ چپکا دینے سے مراد صف برابر کرنے اور اس کی خالی جگہوں کو پُر کرنے میں مبالغہ ہے اور صف کی خالی جگہ پُر کرنے کے حکم اور اس کی ترغیب میں بہت سی احادیث آئی ہیں جن میں سب سے جامع حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے جو ابوداود (٦٦٦) میں ہے اور اسے ابن خزیمہ (١٥٤٩) اور حاکم (٢١٣/١، ح:٧٧٤) نے صحیح کہا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صفیں سیدھی کرو اور کندھے ایک دوسرے کے برابر کرو اور خالی جگہ پُر کرو اور شیطان کے لیے خالی جگہ مت چھوڑو اور جو صف کو ملائے اللہ اسے ملائے اور جو صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کرے۔''

3 نعمان بن بشیر اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کی احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام نبی ﷺ کے زمانے میں ایک دوسرے کے ٹخنے کے ساتھ ٹخنہ اور کندھے کے ساتھ کندھا اس طرح ملاتے تھے کہ نعمان بن بشیر اور انس رضی اللہ عنہم دونوں نے اس کے لیے " يُلْزِقُ " کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کا معنی ہے چپکا دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ خوب اچھی طرح ملاتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "اسماعیلی نے معمر عن حمید کی سند کے ساتھ اسے ان لفظوں میں روایت کیا ہے: " قَالَ أَنَسٌ : فَلَقَدْ رَأَيْتُ أَحَدَنَا ...... " "انس رضی اللہ عنہ نے کہا: تو میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا کندھا......" اس تصریح سے معلوم ہوا کہ یہ کام نبی ﷺ کے زمانے میں ہوتا تھا۔ اس سے اس بات کی دلیل مکمل ہوتی ہے کہ صف کے سیدھا کرنے اور برابر کرنے سے مراد وہ ہے جو انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور معمر نے اپنی روایت میں (انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول) زیادہ کیا ہے: « وَلَوْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ بِأَحَدِهِمُ الْيَوْمَ لَنَفَرَ كَأَنَّهُ بَغْلٌ شَمُوْسٌ » "اور اگر تم آج ان میں سے کسی کے ساتھ ایسا کرو تو وہ اس طرح بدکے گا جیسے وہ بدکا ہوا خچر ہے۔" (فتح الباری)

4 علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے " السلسلة الصحيحة " میں حدیث (۳۱) کے تحت لکھا ہے: "انس رضی اللہ عنہ کی صحیح بخاری والی یہ حدیث "المخلص" میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: « قَالَ أَنَسٌ : فَلَقَدْ رَأَيْتُ أَحَدَنَا يُلْصِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ، فَلَوْ ذَهَبْتَ تَفْعَلُ هٰذَا الْيَوْمَ لَنَفَرَ أَحَدُكُمْ كَأَنَّهُ بَغْلٌ شَمُوْسٌ » [المخلصيات : ١٤٤/١ ، ح : ٩٣] "انس رضی اللہ عنہ نے کہا: تو میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے اور اپنا قدم اس کے قدم کے ساتھ چپکا دیتا تھا، اگر آج تم یہ کام کرنے لگو تو تم میں سے ہر ایک اس طرح بدکے گا جیسے وہ بدکا ہوا خچر ہو۔" اور اس کی سند بھی شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور حافظ رحمہ اللہ نے اسے سعید بن منصور اور اسماعیلی کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ المخلص، سنن سعید بن منصور اور اسماعیلی کی روایات سے معلوم ہوا کہ خچر کی طرح بدکنے کی بات انس رضی اللہ عنہ نے کہی ہے۔

5 البانی رحمہ اللہ نے " السلسلة الصحيحة " میں حدیث (۳۲) کے تحت لکھا ہے کہ "ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صفوں کی مذکورہ درستی کندھے کو کندھے اور قدم کے کنارے کو قدم کے ساتھ ملانے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، کیونکہ صحابہ کو جب صفیں درست کرنے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے ایسے ہی کیا ہے۔ اسی لیے حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں " قَالَ أَنَسٌ : فَلَقَدْ رَأَيْتُ ...... " والے زائد الفاظ ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ "اس تصریح سے معلوم ہوا کہ مذکورہ عمل (قدم سے قدم ملانا) نبی ﷺ کے زمانے میں ہوتا تھا اور یہ اس بات کی کامل دلیل ہے کہ صفوں کو سیدھا اور درست کرنے کا مطلب وہی ہے جو صحابہ نے سمجھا ہے۔"

افسوس کہ مسلمانوں نے صفیں درست کرنے کی اس سنت میں بہت سستی کی ہے، بلکہ بہت تھوڑے لوگوں کے سوا سب نے اسے ضائع ہی کر دیا ہے، کیونکہ میں نے اہل حدیث کے سوا اسے مسلمانوں کے کسی گروہ میں نہیں دیکھا، جیسا کہ میں نے سنہ ۱۳۶۸ھ سے انھیں مصطفیٰ ﷺ کی دوسری سنتوں کی طرح اس سنت پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرنے کے حریص پایا، جب کہ ان کے علاوہ چاروں مذاہب کے پیروکاروں کے ہاں یہ سنت " نَسْيًا مَنْسِيًّا " ہو چکی ہے، حتیٰ کہ حنابلہ کا بھی یہی حال

ہے بلکہ انھوں نے اسے مسلسل چھوڑ رکھا ہے اور اس سے بے رخی اختیار کر رکھی ہے، کیونکہ ان کے اکثر مذاہب نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ قیام میں سنت یہ ہے کہ آدمی دونوں قدم اتنے کھولے کہ ان کے درمیان چار انگل کا فاصلہ ہو، اگر زیادہ کھولے تو مکروہ ہے، جیسا کہ " الفقه علي المذاهب الأربعة (۱/ ۲۳۴)، باب إطالة القراءة في الركعة الأولى عن القراءة في الثانية وتفريج القدمين حال القيام " میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ چار انگل کی یہ مقدار مقرر کرنے کی سنت میں کوئی دلیل نہیں، یہ محض رائے ہے۔ اگر اسے درست بھی کہا جائے تو یہ امام اور اکیلے نمازی کے متعلق کہی جا سکتی ہے، تا کہ یہ بات اس صحیح ثابت سنت کے خلاف نہ ہو، جیسا کہ اصولی قواعد کا تقاضا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں تمام مسلمانوں خصوصاً ائمہ مساجد کو خبردار کرتا ہوں جو آپ ﷺ کے اتباع اور آپ کی سنت زندہ کرنے کی حرص رکھتے ہیں کہ وہ اس سنت پر عمل کریں اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیں، تا کہ سب اس پر متفق ہو جائیں۔ اسی طرح وہ اس وعید سے بچ سکیں گے کہ "ورنہ اللہ تمھارے دلوں کے درمیان مخالفت ڈال دے گا۔"

6 تقریباً وہ سبھی لوگ جو اس سنت پر عمل نہیں کرتے، نہ ایک دوسرے کے پاؤں سے پاؤں ملاتے ہیں، نہ درمیانی خلا پُر کرتے ہیں، نہ ہی شیطان کے داخل ہونے کی جگہیں بند کرتے ہیں ان کا فی الواقع وہی حال ہے جو انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ان کے پاؤں کے ساتھ پاؤں ملائے جائیں تو وہ بدکے ہوئے خچر ہی کی طرح بدکتے ہیں۔ بعض تو پاؤں کے اوپر زور سے پاؤں مار دیتے ہیں۔ ان سب حضرات اور ان کے علماء کی دلیل یہ ہے کہ پاؤں کے ساتھ پاؤں ملانے سے قدم زیادہ کھولنے پڑتے ہیں اور چار انگل اور بقول بعض ایک بالشت کھلے ہوئے پاؤں دوسرے آدمی کے پاؤں کے ساتھ مل ہی نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ خود ساختہ مذہب کی زنجیر ہی نے انھیں اس سنت سے محروم کر رکھا ہے۔ ان بھائیوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ کون سی آیت یا حدیث ہے جس میں چار انگل کا یہ فاصلہ مقرر کیا گیا ہے کہ اس سے زیادہ، مثلاً پانچ یا چھ انگل یا بالشت یا اس سے زیادہ کھولنا جائز نہیں، جب ایسی کوئی حدیث نہیں تو اپنے پاس سے چار انگل کس طرح مقرر کی جا سکتی ہے۔ بتایئے! یہ اپنے پاس سے شریعت بنانا نہیں تو اور کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جب کندھوں سے کندھے اور قدم سے قدم ملانے ہوں تو دونوں پاؤں کو دونوں کندھوں کے برابر کھولنا پڑے گا۔ اگر سب نمازی اپنے اپنے کندھوں کے برابر قدم کھولیں تو سب کے کندھے بھی ایک دوسرے سے مل جائیں گے اور قدم بھی۔ پھر اگر ایڑیوں کو تنگ اور قدم کے اگلے حصوں کو کھلے رکھنے کی بجائے قدم سیدھے قبلہ رخ رکھے جائیں اور سب لوگ اس کا اہتمام کریں تو کندھوں کے علاوہ ٹخنوں سے ٹخنے بھی آسانی سے مل جاتے ہیں۔ جو لوگ اس طرح صف نہیں ملاتے انھوں نے بہت سے عذر تراش رکھے ہیں، مثلاً یہ کہ ایسا کرنا ممکن ہی نہیں، لوگوں کے قد مختلف ہیں تو کندھے کیسے مل سکتے ہیں اور گھٹنوں سے گھٹنے تو مل ہی نہیں سکتے۔ ان تمام عذروں کا واضح جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ممکن ہی نہیں تو اللہ کی کتاب کے بعد دنیا کی تمام کتابوں سے زیادہ صحیح کتاب صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کے دو جلیل القدر صحابی نعمان اور انس رضی اللہ عنہما کے اس بیان کا آپ کیا کریں گے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ صفیں سیدھی اور درست کریں تو انھوں نے

دیکھا کہ ہر آدمی اپنے ساتھی کے کندھے کے ساتھ کندھا اور قدم کے ساتھ قدم کو چپکا رہا ہوتا تھا، تو کیا وہ صحابہ ایک ناممکن کام کی کوشش کر رہے ہوتے تھے!؟ اس میں شک نہیں کہ حکم پر اتنا ہی عمل کرنا لازم ہے جتنا ممکن ہو، جو ہو ہی نہ سکتا ہو وہ لازم ہی نہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ » [بخاري : ۷۲۸۸] ''تو جب میں تمھیں کسی چیز سے منع کر دوں تو اس سے بچ جاؤ اور جب میں تمھیں کسی کام کا حکم دوں تو اس میں سے اتنا کرو جتنی تم میں طاقت ہے۔'' اب اگر قدموں کے اختلاف کی وجہ سے کندھے برابر نہیں ہو سکتے تو جتنے وہ مل سکتے ہوں کیا ہمیں انھیں ملانے کی اتنی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیے؟ کیا ہم رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق خالی جگہیں بھی پُر نہیں کر سکتے؟ شیطان کے گھسنے کی جھیوں کو بند نہیں کر سکتے اور کیا ہم ایک دوسرے سے قدم سے قدم بھی نہیں ملا سکتے؟ یقیناً کر سکتے ہیں اور اگر ہمیں قدم سے قدم ملانے پر بھی وحشت ہوتی ہے تو ہمیں اس عمل پر انس رضی اللہ عنہ کے تبصرے کو مدنظر رکھنا چاہیے، شاید یہ وحشت کچھ کم ہو جائے۔

7 بعض اہلِ علم نے فرمایا ہے کہ نماز شروع کرتے وقت اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ ٹخنے سے ٹخنے مل جائیں تاکہ صف سیدھی ہو جائے، اس کے بعد پوری نماز میں ایسا کرنا ضروری نہیں، کیونکہ یہ تکلف ہے، مگر کم از کم پاؤں کے ساتھ پاؤں پوری نماز میں ضرور ملے رہنے چاہئیں۔ یہ بات حدیث پر بالکل عمل نہ کرنے سے بہر حال بہتر ہے۔

8 اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے بعض حضرات دونوں طرف پاؤں ملانے کی کوشش کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں آدمی مذاق بن جاتا ہے اور اس حدیث پر عمل سے گریز کرنے والوں کے طعن کا نشانہ بن جاتا ہے، کیونکہ پاؤں حد سے زیادہ کھل جاتے ہیں اور کندھے سے کندھے الگ ہو جاتے ہیں، حالانکہ دونوں کو ملانا ضروری ہے۔ اس لیے ایک تو اس بات کا خیال رکھیں کہ صف سے ملنے کے لیے صرف اس طرف ملنا چاہیے جس طرف امام ہے، اس طرف بھی آپ صرف اس صورت میں پاؤں ملا سکتے ہیں جب وہ نمازی بھی جو امام کی طرف ہے اپنے پاؤں سینے کے برابر کھول کر رکھے۔ اگر اس نے پاؤں کے درمیان چار انگل ہی کا فاصلہ رکھا ہوا ہے تو پھر اس کے ساتھ پاؤں ملانا ضروری نہیں، کیونکہ یہ بہت تکلیف کے ساتھ ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة : ۲۸۶] ''اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔'' پوری صف میں ہر آدمی کا دوسرے کے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم اسی صورت میں مل سکتا ہے جب ہر نمازی اس کی کوشش کرے، اپنے پاؤں اپنے سینے کے برابر کھولے اور دونوں پاؤں کا رخ قبلہ کی طرف سیدھا رکھے، پھر دیکھیں کندھے سے کندھا اور ٹخنے سے ٹخنہ ملتا ہے یا نہیں۔ یقین نہ ہو تو آپ اہلِ حدیث کے ساتھ نماز پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے زمانے کا نقشہ دیکھ سکتے ہیں، کیونکہ ان کے پیشِ نظر ہمیشہ وہی نقشہ رہتا ہے اور انھیں اس پر عمل میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی، نہ کوئی تکلف کرنا پڑتا ہے۔ ہاں! ان میں سے اگر کوئی غلطی کرے تو وہ اس کی اپنی نادانی ہے، جماعت یا جماعت کے عقیدہ و عمل کا اس میں کوئی قصور نہیں۔

٧٧۔ بَابٌ : إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الْإِمَامِ وَحَوَّلَهُ الْإِمَامُ خَلْفَهُ إِلَى يَمِينِهِ تَمَّتْ صَلَاتُهُ

77۔ باب: جب آدمی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو جائے اور امام اسے اپنے پیچھے سے لا کر اپنی دائیں جانب کرے تو اس کی نماز مکمل ہو گی

٧٢٦۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا دَاوُدُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِرَأْسِي مِنْ وَرَائِي، فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، فَصَلَّى وَرَقَدَ، فَجَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ وَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. [راجع : ١١٧۔ أخرجه مسلم : ٧٦٣]

726۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ایک رات نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے میرے پیچھے سے میرا سر پکڑا اور مجھے اپنی دائیں جانب کر لیا، پھر نماز پڑھی اور سو گئے، پھر آپ کے پاس مؤذن آیا تو آپ اٹھے اور نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۱۱۷) اور (۶۹۸)۔ اس سے پہلے باب (۵۸) میں دوسری سند کے ساتھ اسی حدیث پر یہ باب گزرا ہے کہ ”جب آدمی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو پھر امام اسے اپنی دائیں جانب لے جائے تو دونوں کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔“ زیر شرح باب میں دو باتیں نئی ہیں: ایک یہ کہ ”امام مقتدی کو پیچھے سے دائیں جانب لائے“ اور دوسری یہ کہ ”دونوں کی نماز فاسد نہیں ہو گی“ کے بجائے یہ الفاظ ہیں کہ ”اس کی نماز مکمل ہو گی۔“ اس میں حکمت یہ ہے کہ پہلے باب کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل سے امام اور مقتدی میں سے کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ یہ عمل خفیف ہے اور نماز کی اصلاح ہی کے لیے ہے اور موجودہ باب میں ”اس کی نماز مکمل ہو گی“ کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی پہلے بائیں طرف کھڑا ہوا، جو کھڑا ہونے کی درست جگہ نہیں تھی، پھر امام کے پیچھے سے اسے دائیں طرف لایا گیا، اس میں امام اگرچہ کسی کے آگے سے گزرنے سے محفوظ رہا مگر مقتدی تو نماز کی حالت میں دائیں طرف جاتے ہوئے امام کے سامنے ہونے سے نہ بچ سکا، اس لیے بظاہر اس کی نماز میں نقص تو ضرور ہو گا۔ امام صاحب نے اس باب کے ساتھ واضح فرمایا کہ اس کے باوجود مقتدی کی نماز مکمل ہے، کیونکہ اس نے جو کیا علم نہ ہونے کی وجہ سے کیا۔ اس کی اصلاح سے اس کی نماز میں اگر کوئی نقص پیدا ہوا ہوتا تو یقیناً رسول اللہ ﷺ اسے آگاہ فرما دیتے۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ امام کی نماز مکمل ہو گی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مقتدی کو بائیں سے دائیں جانب لانے میں توجہ اس کی طرف ہونے اور اس عمل اور حرکت سے نہ صرف یہ کہ اس امام کی نماز فاسد نہیں ہوئی بلکہ وہ ناقص بھی نہیں ہوئی، بلکہ بالکل کامل ہے، کیونکہ یہ عمل رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے اور آپ کی نماز ناقص ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ [فتح الباري بأدنى تصرف]

٧٨- بَابٌ : اَلْمَرْأَةُ وَحْدَهَا تَكُونُ صَفًّا

78- باب: عورت اکیلی ہی صف ہوتی ہے

٧٢٧- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْحَاقَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ : صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيمٌ فِي بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ، وَأُمِّي أُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا . [راجع : ٣٨٠- أخرجه مسلم : ٦٥٨ مطولاً، و ٦٦٠ باختلاف وزيادة]

727- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے اور ایک یتیم نے ہمارے گھر میں نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور میری والدہ اُم سُلَیم (رضی اللہ عنہا) ہمارے پیچھے تھیں۔

فوائد: 1 اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۳۸۰)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مقتدی دو ہوں تو انھیں امام کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے، جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی گزشتہ حدیث کے مطابق مقتدی ایک مرد ہو تو اسے امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے۔ دوسری بات اس حدیث سے یہ ثابت ہوئی کہ عورت اکیلی بھی ہو تو وہ مردوں کی صف یا امام کے ساتھ کھڑی نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے، اس لیے وہ اکیلی ہی صف کی طرح ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اگر مقتدی دو مرد ہوں تو وہ امام کی دائیں اور بائیں جانب کھڑے ہوں گے، ان کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انھوں نے علقمہ کو اپنی دائیں جانب اور اسود کو اپنی بائیں جانب کھڑا کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ابو داود: ۶۱۳) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں رکوع کے دوران تطبیق یعنی دونوں ہاتھوں کو اکٹھا کر کے گھٹنوں کے درمیان رکھنے کا بھی ذکر ہے۔ طحاوی نے شرح معانی الآثار میں رکوع کے دوران گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کے عمل کو متواتر اور گھٹنوں کے درمیان رکھنے کے عمل کو منسوخ کہا ہے اور اس کے لیے کئی دلائل ذکر کیے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں عمل شروع زمانے کے ہیں، جبکہ زیر شرح حدیث کا واقعہ مدینہ منورہ کا ہے، اس لیے اہل علم فرماتے ہیں کہ تطبیق کی طرح یہ عمل بھی منسوخ ہے۔ 2 اگر صف میں جگہ ہو اور کوئی آدمی صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھے تو اسے نماز دہرانی پڑے گی، کیونکہ دارمی (۱۳۲۲) میں وابصہ بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: « أَنَّهُ رَأَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ صَلّٰى خَلْفَهُ رَجُلٌ، وَلَمْ يَتَّصِلْ بِالصُّفُوْفِ، فَأَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعِيْدَ الصَّلَاةَ » ''انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کے پیچھے ایک آدمی نے نماز پڑھی اور صفوں کے ساتھ نہیں ملا تو اسے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ دوبارہ نماز پڑھے۔'' اس حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس آدمی کو صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے پر دوبارہ نماز کا حکم دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ صف میں نہیں ملا تھا۔ یہ دلیل ہے کہ اگر وہ ملتا تو مل سکتا تھا۔
3 اگر صف میں جگہ نہ ہو تو دو ہی صورتیں ممکن ہیں، ایک یہ کہ وہ آگے سے کوئی آدمی کھینچ لے اور اسے ساتھ ملا کر صف بنا لے، مگر ایسا کرنے کی حدیث ضعیف ہے اور یہ عمل اس صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: « مَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ » [أبو داود : ٦٦٦- نسائي : ٨١٩] ''جو صف کو ملائے اللہ

اسے ملائے اور جو صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کرے۔" اس لیے اسے اکیلے ہی کھڑے ہونا چاہیے، کیونکہ اس کا اکیلا کھڑا ہونا عذر کی بنا پر ہے۔ اس صورت میں اس کی نماز درست ہے اور اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

٧٩- بَابُ مَيْمَنَةِ الْمَسْجِدِ وَالْإِمَامِ

79- باب: مسجد اور امام کی دائیں جانب (کی فضیلت)

٧٢٨- حَدَّثَنَا مُوسَى، حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا عَاصِمٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قُمْتُ لَيْلَةً أُصَلِّي عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَخَذَ بِيَدِي أَوْ بِعَضُدِي حَتَّى أَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ، وَقَالَ بِيَدِهِ مِنْ وَرَائِي . [راجع: ١١٧۔ أخرجه مسلم: ٧٦٣]

728- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک رات میں نبی ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا تو آپ نے میرا ہاتھ یا میرا بازو پکڑا حتیٰ کہ مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا، آپ ﷺ نے مجھے میرے پیچھے سے اپنے ہاتھ کے ساتھ پکڑا۔

فوائد و مسائل 1 اس حدیث کے فوائد کے لیے حدیث (117) ملاحظہ کریں۔ اس حدیث سے امام کی دائیں جانب کی فضیلت ظاہر ہے، رہی مسجد کی دائیں جانب تو امام کی دائیں جانب مسجد کی بھی دائیں جانب ہوگی۔ مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ صرف اس وقت ہے جب مقتدی اکیلا ہو، اگر زیادہ ہوں تو اس میں مسجد کی دائیں جانب کی فضیلت نہیں نکلتی۔ اس کا حل یہ ہے کہ امام بخاری بعض اوقات باب قائم کر کے ان صحیح احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو صحیح ہوتی ہیں مگر ان کی شرط یعنی ان کے سخت معیار کے مطابق نہیں ہوتیں۔ چنانچہ صف کی دائیں جانب کے متعلق صحیح مسلم (٧٠٩) اور نسائی (٨٢٢) میں صحیح سند کے ساتھ براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو یہ پسند کرتے تھے کہ آپ کی دائیں جانب ہوں۔ اور ابوداود (٦٧٦) میں حسن سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صفوں کی دائیں جانبوں پر صلاۃ بھیجتے ہیں۔ (فتح الباری)

2 ابن ماجہ (١٠٠٧) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے کہا گیا کہ مسجد کا بایاں حصہ خالی ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جو مسجد کی بائیں جانب آباد کرے گا اسے دوہرا اجر ملے گا۔" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی سند میں کلام ہے، اگر ثابت بھی ہو تو یہ ایک عارضی مفہوم کی بنا پر ہے، وہ نہ رہا تو وہ فضیلت بھی نہیں رہے گی۔ (فتح الباری)

٨٠- بَابٌ: إِذَا كَانَ بَيْنَ الْإِمَامِ وَبَيْنَ الْقَوْمِ حَائِطٌ أَوْ سُتْرَةٌ

80- باب: جب مقتدی اور امام کے درمیان کوئی دیوار یا پردہ ہو

وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ أَنْ تُصَلِّيَ وَبَيْنَكَ وَبَيْنَهُ

اور حسن نے کہا: کوئی حرج نہیں کہ تم نماز پڑھو اور

نَهْرٌ. وَقَالَ أَبُو مِجْلَزٍ: يَأْتَمُّ بِالْإِمَامِ وَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا طَرِيقٌ أَوْ جِدَارٌ إِذَا سَمِعَ تَكْبِيرَ الْإِمَامِ.

تمھارے اور امام کے درمیان کوئی نہر ہو۔ اور ابو مجلز نے کہا: امام کی اقتدا کرسکتا ہے خواہ اس کے اور امام کے درمیان کوئی راستہ یا دیوار ہو، جب امام کی تکبیر سن رہا ہو۔

٧٢٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فِي حُجْرَتِهِ، وَجِدَارُ الْحُجْرَةِ قَصِيرٌ، فَرَأَى النَّاسُ شَخْصَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَامَ أُنَاسٌ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ، فَأَصْبَحُوا فَتَحَدَّثُوا بِذَلِكَ، فَقَامَ اللَّيْلَةَ الثَّانِيَةَ، فَقَامَ مَعَهُ أُنَاسٌ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ، صَنَعُوا ذَلِكَ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، حَتَّى إِذَا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ جَلَسَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَلَمْ يَخْرُجْ، فَلَمَّا أَصْبَحَ ذَكَرَ ذَلِكَ النَّاسُ، فَقَالَ: «إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ» [انظر: ٧٣٠، ٩٢٤، ١١٢٩، ٢٠١١، ٢٠١٢، ٥٨٦١ـ أخرجه مسلم: ٧٦١ و أخرجه بشيء من القصة مختلف: ٧٨٢]

729۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ رات کو اپنی چار دیواری میں نماز پڑھتے تھے اور چار دیواری کی دیوار چھوٹی تھی، لوگوں نے نبی ﷺ کی ذات کو دیکھ لیا تو کچھ لوگ کھڑے ہو کر آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔ صبح ہوئی تو انھوں نے یہ واقعہ بیان کیا، دوسری رات آپ ﷺ نے قیام کیا تو آپ کے ساتھ (پھر) کچھ لوگوں نے قیام کیا۔ انھوں نے دو یا تین راتیں ایسے ہی کیا، حتیٰ کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ بیٹھے رہے اور نہیں نکلے، جب صبح ہوئی تو لوگوں نے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ڈرا کہ تم پر رات کی نماز فرض کر دی جائے گی۔''

فوائد ومسائل: 1 ترجمۃ الباب میں مذکور حسن بصری ؒ کے قول کے متعلق حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ یہ روایت مجھے ان الفاظ میں متصل سند سے نہیں ملی، البتہ سعید بن منصور نے ان سے صحیح سند کے ساتھ اس آدمی کے متعلق روایت کی ہے جو امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے یا چھت پر اس کی اقتدا کرتا ہے، انھوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ (فتح الباری)

2 عائشہ ؓ کی حدیث میں جو آیا ہے کہ آپ ﷺ رات کو اپنے حجرے (چار دیواری) میں نماز پڑھتے تھے اور اس حجرے (چار دیواری) کی دیوار چھوٹی تھی۔ اس حجرے سے بعض لوگوں نے نبی ﷺ کے گھر کی چار دیواری لی ہے، بڑی دلیل ان کی دیوار کا لفظ ہے، حالانکہ یہ بات ہرگز درست نہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ رات کو مسجد میں چٹائی کی چار دیواری بنا کر اس میں نماز پڑھا کرتے تھے، کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ حجرہ میں لوگوں نے دیوار چھوٹی ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو دیکھ لیا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔ اب کیا ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھروں کی چار دیواری

ایسی بنا رکھی تھی کہ باہر سے لوگوں کو اندر کے آدمی نظر آ جائیں۔ یہ عام آدمی بھی قبول نہیں کرتا، رسول اللہ ﷺ کے متعلق تو یہ سوچنا بھی درست نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے جیسا کہ اس کے بعد والی دونوں حدیثوں میں صراحت ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسجد میں لوگوں سے تنہائی حاصل کرنے کے لیے چٹائی کا حجرہ، یعنی چار دیواری بنا لیتے تھے، ظاہر ہے چٹائی یا دری کی ایسی چار دیواری خصوصاً اس زمانہ میں زیادہ اونچی بنانا مشکل تھا، اس لیے وہ پردہ زیادہ اونچا نہیں تھا۔ جب لوگوں نے آپ ﷺ کو اس حجرے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان کوئی دیوار ہو یا راستہ وغیرہ تو ان کی نماز درست ہے جب امام کی آواز یا اس کے مکبر کی آواز سنائی دیتی ہو۔ آج کل لاؤڈ سپیکر نے یہ مسئلہ ہی حل کر دیا ہے۔ (والحمد للہ) اس لیے چھت پر یا تہ خانے میں یا راستے یا دیوار کی اوٹ میں امام کے پیچھے نماز درست ہے، بشرطیکہ صفوں میں کسی طرح کا اتصال موجود رہے۔ صفوں کے تسلسل کے ساتھ خواہ کتنی دور جماعت مل جائے، درمیان میں معمول کی رکاوٹوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ دور بالکل الگ جگہ میں صرف آواز کے پیچھے جماعت سے نماز پڑھنا جائز نہیں، جیسے پاکستان میں حرم کے امام کے پیچھے یا اپنے شہر میں محلے کے امام کے پیچھے جو شخص اپنے گھر یا گلی میں جو مسجد کی صفوں سے متصل نہ ہو، اسے مسجد کے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ یہ جماعت کے مقصد کے خلاف ہے اور رسول اللہ ﷺ سے ایسا کرنا ثابت نہیں۔ اگرچہ اس حدیث میں نفل نماز کا ذکر ہے مگر نماز کی جماعت کے احکام میں نفل اور فرض کا کوئی فرق نہیں۔

4 امام نے شروع میں امامت کی نیت نہ کی ہو بعد میں لوگوں کے شامل ہونے کی وجہ سے دورانِ نماز امامت کی نیت کر لے تو جائز ہے۔

5 اس حدیث میں نفل نماز باجماعت پڑھنے کا ثبوت ہے اور اس کا بھی کہ نفل نماز مسجد کی بجائے گھر میں ادا کرنا افضل ہے، جیسا کہ اسی باب کی ذیلی حدیث (۷۳۱) میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت آ رہی ہے کہ فرض نماز کے سوا آدمی کی سب سے بہتر نماز وہ ہے جو وہ گھر میں پڑھے۔ یہ بات متعدد احادیث میں آئی ہے، سب سے صریح حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « صَلَاةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا، إِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ » [أبو داؤد : ۱۰۴۴] ”آدمی کی اپنے گھر میں نماز میری اس مسجد میں نماز سے افضل ہے، سوائے فرض نماز کے۔“

۸۱ ـ بَابُ صَلَاةِ اللَّيْلِ

81۔ باب: رات کی نماز

فائدہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ باب مستملی کے سوا تمام نسخوں میں ترجمۃ الباب کے بغیر ہے۔ درحقیقت یہ باب پہلے باب ہی کی وضاحت کے لیے ہے اور اسی کی فصل کے طور پر ہے، مقصد یہ بتانا ہے کہ دیوار سے کیا مراد ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نسخے میں پچھلی حدیث کے آخر میں " صَلَاةُ اللَّيْلِ " کا لفظ غلطی سے دو دفعہ لکھا گیا، کسی نقل کرنے والے نے

دوسرے کو باب کا عنوان سمجھ کر اس کے ساتھ لکھا دیا۔ اسی لیے یہ صرف ایک نسخے میں ہے، اس کے سوا کسی میں نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کی مراد " صَلَاةُ اللَّيْلِ جَمَاعَةً " ہو، یعنی جماعت کے ساتھ رات کی نماز، کیونکہ یہاں امامت اور جماعت کے ابواب چل رہے ہیں۔ " صَلَاةُ اللَّيْلِ " کا عنوان " أَبْوَابُ التَّهَجُّدِ " میں بھی آئے گا، وہاں " صَلَاةُ اللَّيْلِ " کے دوسرے احکام، مثلاً اس کی رکعات وغیرہ مراد ہیں۔ (فتح الباری ملخص)

٧٣٠ ـ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَهُ حَصِيرٌ، يَبْسُطُهُ بِالنَّهَارِ وَيَحْتَجِرُهُ بِاللَّيْلِ فَثَابَ إِلَيْهِ نَاسٌ فَصَلَّوْا وَرَاءَهُ . [راجع :٧٢٩، انظر : ٥٨٦١، ٦٤٦٤، ٦٤٦٥، ١٩٧٠ـ أخرجه مسلم : ٧٦١ مطولاً باختلاف، وأخرجه بنحوه وزاد عليه : ٧٨٢]

730۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی ایک چٹائی تھی، آپ اسے دن کو بچھا لیتے تھے اور رات کو اس کی چار دیواری بنا لیتے تھے، تو لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔

٧٣١ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اتَّخَذَ حُجْرَةً ـ قَالَ : حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ : مِنْ حَصِيرٍ ـ فِي رَمَضَانَ، فَصَلَّى فِيهَا لَيَالِيَ، فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَلَمَّا عَلِمَ بِهِمْ جَعَلَ يَقْعُدُ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ : « قَدْ عَرَفْتُ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ صَنِيعِكُمْ، فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ، فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَاةِ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ »

731۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں ایک چار دیواری بنائی۔ راوی نے کہا: میرا خیال ہے کہ انھوں نے کہا تھا: چٹائی سے۔ اور اس میں کئی راتیں نماز پڑھی، تو آپ کی نماز کے ساتھ آپ کے اصحاب میں سے کچھ لوگوں نے نماز پڑھی۔ جب آپ کو ان کا علم ہوا تو آپ بیٹھے رہنے لگے، پھر آپ ان کی طرف نکلے اور فرمایا: "میں نے تمھارا کام جو دیکھا اس کا مطلب خوب سمجھ لیا، تو اے لوگو! تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو، کیونکہ آدمی کی سب سے بہتر نماز وہ ہے جو اس کے گھر میں ہو، سوائے فرض نماز کے۔"

قَالَ عَفَّانُ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا مُوسَى، سَمِعْتُ أَبَا النَّضْرِ، عَنْ بُسْرٍ، عَنْ زَيْدٍ، عَنِ

عفان نے کہا: ہمیں وہیب نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں موسیٰ نے بیان کیا کہ میں نے ابو النضر سے سنا،

النَّبِيِّ ﷺ . [انظر : ٦١١٣، ٧٢٩٠۔ أخرجه مسلم : ٧٨١ بدون لفظة « في رمضان »]

انھوں نے بُسر سے، انھوں نے زید سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

فوائد 1 اس باب اور دونوں حدیثوں کو یہاں ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے مسجد میں جو حجرہ یعنی چار دیواری بنائی تھی وہ چٹائی کی تھی جسے آپ دن کو بچھا لیتے تھے اور رات کو اس کا پردہ بنا لیتے تھے۔

2 میں نے تمھارا کام جو دیکھا اس کا مطلب خوب سمجھ لیا: دراصل یہ حدیث مختصر ہے، مفصل حدیث میں ہے کہ جب آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا چھوڑ دیا تو لوگوں نے سمجھا شاید آپ سو گئے ہیں۔ آپ کو بیدار اور آگاہ کرنے کے لیے کوئی صاحب کھانسنے لگے، کسی نے اونچی آواز سے "سُبْحَانَ اللّٰهِ" کہنا شروع کر دیا، بعض پردے کے دروازے پر کنکر مارنے لگے، تاکہ آپ ﷺ جاگ جائیں، تو رسول اللہ ﷺ نے نکل کر یہ بات فرمائی جو حدیث کے آخر میں ذکر ہوئی ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے "كِتَابُ الْأَدَبِ" (٦١١٣) اور "كِتَابُ الْاِعْتِصَامِ" (٧٢٩٠) میں ذکر فرمایا ہے۔

3 حدیث کے آخر میں عفان سے جو سند بیان کی گئی ہے اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے یہ حدیث ابو النضر سے سنی ہے، تاکہ تدلیس کا شبہ نہ رہے۔

٨٢۔ بَابُ إِيجَابِ التَّكْبِيرِ وَافْتِتَاحِ الصَّلَاةِ

٨٢۔ باب: نماز کے شروع کرنے کے ساتھ تکبیر کا واجب ہونا

فوائد 1 یہاں سے "كِتَابُ الْأَذَانِ" کا تیسرا حصہ شروع ہوتا ہے، جس میں نماز کا طریقہ بیان ہوا ہے، یہ حصہ بہت اہم ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: « صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ » [بخاري : ٦٣١] "نماز اس طرح پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا وہ نماز کے ارکان صحیح ادا نہیں کر رہا تھا تو فرمایا: « اِرْجِعْ فَصَلِّ ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ » [بخاري : ٧٩٣] "واپس جاؤ اور دوبارہ نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں۔" حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو رکوع و سجود مکمل نہیں کر رہا تھا تو اس سے کہا: تم نے نماز نہیں پڑھی اور اگر تم فوت ہو گئے تو اس فطرت کے خلاف پر فوت ہو گے جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیدا فرمایا تھا۔ [بخاري : ٧٩١] اس لیے ہمیں اس حصے کو خاص توجہ سے پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے، کیونکہ کلمۂ اسلام پڑھنے کے بعد سب سے اہم فریضہ نماز ہے۔

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "بخاری کے سیاق سے ظاہر یہ ہے کہ باب کی عبارت میں "واؤ" بمعنی "مَعَ" ہے اور مراد یہ ہے کہ تکبیر کہنا نماز شروع کرنے کے ساتھ واجب ہے۔ گویا امام صاحب نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے: « كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيْرِ » [أبو داوٗد : ٧٨٣] "رسول اللہ ﷺ

نماز تکبیر کے ساتھ شروع کیا کرتے تھے۔" اور دو باب کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث (۷۳۸) آ رہی ہے: «رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افْتَتَحَ التَّكْبِيرَ بِالصَّلَاةِ» "میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ نے تکبیر کو نماز کے ساتھ شروع کیا۔" (فتح الباری)

۷۳۲ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَكِبَ فَرَسًا فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، قَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: فَصَلَّى لَنَا يَوْمَئِذٍ صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا، ثُمَّ قَالَ لَمَّا سَلَّمَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَ إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» [راجع: ۳۷۸۔ أخرجه مسلم: ۴۱۱]

732۔ انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپ کی دائیں جانب چھل گئی۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: تو آپ نے اس دن ہمیں نمازوں میں سے ایک نماز بیٹھ کر پڑھائی، اس لیے ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی، پھر آپ نے جب سلام پھیرا تو فرمایا: "امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس لیے جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم سر اٹھاؤ اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور جب وہ " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہے تو تم " رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ " کہو۔"

فائدہ: اس کے بعض فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۳۷۸) اور (۶۸۹)۔

۷۳۳ ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: خَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ فَرَسٍ فَجُحِشَ، فَصَلَّى لَنَا قَاعِدًا فَصَلَّيْنَا مَعَهُ قُعُودًا، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَقَالَ: «إِنَّمَا الْإِمَامُ ـ أَوْ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ ـ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا» [راجع: ۳۷۸۔ أخرجه مسلم: ۴۱۱]

733۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایک گھوڑے سے گر پڑے تو آپ کا بدن چھل گیا، آپ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی تو ہم نے بھی آپ کے ساتھ بیٹھ کر نماز پڑھی، پھر آپ (نماز سے) پھرے تو آپ نے فرمایا: "امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، تو جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم سر اٹھاؤ اور جب وہ " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " کہے تو تم کہو: " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو۔"

فائدہ اس کے بعض فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۳۷۸) اور (۶۸۹)۔

٧٣٤ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَ إِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ» [راجع: ٧٢٢ـ أخرجه مسلم: ٤١٤]

734۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، تو جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ ” سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ “ کہے تو تم کہو ” رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ “ اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔“

فوائد 1 اس کے بعض فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۷۲۲) اور (۶۸۹)۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ نماز تکبیر کے ساتھ شروع فرمائی ہے، اس کے علاوہ کسی اور لفظ کے ساتھ آپ کا نماز شروع کرنا ثابت نہیں، جیسا کہ قریب ہی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزری ہے۔ اب بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ نماز کسی بھی لفظ سے شروع کی جا سکتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو، مثلاً ” اَللّٰهُ عَظِيْمٌ “ یا ” كَبِيْرٌ “ یا ” جَلِيْلٌ “ یا ” سُبْحَانَ اللّٰهِ “ یا ” اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ “ یا ” لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ “۔ غور فرمائیں یہ حضرات کیا فرما رہے ہیں اور کیا ان کی تجویز کردہ نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی نماز تو ” اَللّٰهُ أَكْبَرُ “ سے شروع ہوتی تھی، آپ نے تعلیم بھی اسی کی دی۔ چنانچہ سنن ابی داود میں رفاعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں اس آدمی کا ذکر ہے جس نے نماز درست نہیں پڑھی تھی اور آپ ﷺ نے تین دفعہ اسے فرمایا تھا کہ واپس جا کر دوبارہ نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، آخر اس کی درخواست پر کہ آپ مجھے نماز سکھائیں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: « إِنَّهُ لَا تَتِمُّ صَلَاةٌ لِأَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ فَيَضَعَ الْوُضُوْءَ ـ يَعْنِيْ مَوَاضِعَهُ ـ ثُمَّ يُكَبِّرُ » [أبو داؤد: ٨٥٧، بسند صحيح] ”لوگوں میں سے کسی ایک کی نماز پوری نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ وضو کرے اور وضو کو صحیح طریقے سے کرے، پھر تکبیر کہے۔“ طبرانی نے ”معجم کبیر“ (۴۵۲۶) میں اسے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: « ثُمَّ يَقُوْلُ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ » یعنی پھر وہ ”اللہ اکبر“ کہے۔ اور ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انھوں نے دس صحابہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز بیان کی اور کہا: « كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ اعْتَدَلَ قَائِمًا وَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ » [ابن ماجه: ٨٦٢، بسند صحيح، وصححه ابن خزيمة (٥٨٧) وابن حبان (١٨٧٠)] ”رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے اور اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے، پھر کہتے: اللہ اکبر۔“ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُوْرُ وَ تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَ

تَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ » [ترمذي : ٢٣٨٠٣ ، عن علي رضي الله عنه] ”نماز کی کنجی صرف وضو ہے اور اس میں دنیا کے دوسرے کام حرام کرنے والی چیز صرف تکبیر ہے اور حلال کرنے والی چیز صرف سلام پھیرنا ہے۔“ یہ قاعدہ ہے کہ مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو کلام میں حصر پیدا ہو جاتا ہے، اس لیے تینوں جملوں کے ترجمہ میں ”صرف“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے عبدالرحمن بن مہدی سے نقل کیا ہے، انھوں نے کہا: ”اگر آدمی اللہ تعالیٰ کے ستر (۷۰) ناموں کے ساتھ نماز شروع کرے اور تکبیر نہ کہے تو وہ اس کے لیے کافی نہیں ہوگی۔“ (ترمذی: ۲۳۸)

2 اس باب کی پہلی حدیث پر بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ اس میں تکبیر کا ذکر ہی نہیں تو اسے یہاں لانے کا کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس باب کی پہلی اور دوسری حدیث دراصل ایک ہی حدیث ہے جو زہری نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ پہلی مختصر ہے، دوسری کچھ مفصل۔ پہلی صرف اس لیے لائے ہیں کہ دوسری روایت میں زہری رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے لفظ ” عَنْ “ کے ساتھ روایت کی ہے جب کہ زہری مدلس ہیں اور مدلس کی صرف وہ روایت قبول ہوتی ہے جس میں وہ اپنے شیخ سے سننے کی تصریح کرے۔ چونکہ پہلی حدیث میں زہری کا قول ” أَخْبَرَنِي أَنَسٌ “ موجود ہے، اس لیے پہلے اسے لا کر سند کی صحت ثابت کر دی، اگرچہ اس میں تکبیر کا لفظ نہیں ہے، پھر دوسری حدیث کے ساتھ مسئلہ کی دلیل بیان فرما دی، اگرچہ اس میں زہری نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

3 ان احادیث میں تکبیر کا وجوب رسول اللہ ﷺ کے فرمان ” فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا “ سے ثابت ہوتا ہے۔

4 نماز میں ہر کام سے پہلے نیت ضروری ہے، اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب الایمان“ کے آخر میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، انھوں نے فرمایا: ” بَابٌ : مَا جَاءَ إِنَّ الْأَعْمَالَ بِالنِّيَّةِ وَالْحِسْبَةِ، وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، فَدَخَلَ فِيهِ الْإِيمَانُ وَالْوُضُوءُ وَالصَّلَاةُ وَالزَّكَاةُ وَالْحَجُّ وَالصَّوْمُ وَالْأَحْكَامُ “ ”باب جو آیا ہے کہ تمام اعمال نیت اور ثواب کی امید کے ساتھ ہیں اور ہر آدمی کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی تو اس میں ایمان، وضو، نماز، زکاۃ، حج، روزہ اور احکام سب شامل ہو گئے۔“ ”کتاب الایمان“ کی حدیث (۵۴) کے فوائد پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔

5 نیت دل کا فعل ہے، اسے زبان سے ادا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، اس لیے یہ بدعت ہے۔ البتہ عمرہ اور حج کے احرام کے وقت ان کی نیت کے علاوہ ان کا اعلان بھی ضروری ہے، مثلاً ” لَبَّيْكَ بِالْحَجِّ “ یا ” لَبَّيْكَ بِالْعُمْرَةِ “ وغیرہ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا یہی عمل ہے۔

٨٣ - بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مَعَ الْافْتِتَاحِ سَوَاءً

83۔ باب: پہلی تکبیر میں نماز شروع کرنے کے ساتھ برابر ہی دونوں ہاتھوں کا اٹھانا

٧٣٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ،

735۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ أَيْضًا، وَقَالَ: «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُودِ. [انظر: ٧٣٦، ٧٣٨، ٧٣٩- أخرجه مسلم: ٣٩٠]

اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو ان دونوں کو اسی طرح اٹھاتے تھے اور یہ کہتے: " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ " اور آپ سجدے میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

فوائد 1 " يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ " کے الفاظ کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ نماز شروع کرتے وقت تکبیر کے ساتھ ہی رفع الیدین کرنا چاہیے، اس طرح کہ تکبیر کے شروع کے ساتھ ہاتھ اٹھائے جائیں اور اس کے ختم کے ساتھ نیچے پہنچ جائیں۔ اس باب کے ایک باب بعد شعیب نے زہری سے یہی حدیث بیان کی ہے، اس میں بھی یہ ہے: « فَرَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ يُكَبِّرُ » " آپ اپنے ہاتھ اس وقت اٹھاتے جب تکبیر کہتے۔" یہ بھی تکبیر اور رفع الیدین اکٹھے ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ پہلے رفع الیدین اور بعد میں تکبیر بھی ثابت ہے۔[دیکھیے مسلم: ۳۹۰/۲۲] اور پہلے تکبیر اور بعد میں رفع الیدین بھی ثابت ہے۔[دیکھیے مسلم: ۳۹۱/۲۴] غرض رفع الیدین تکبیر کے ساتھ یا اس سے پہلے یا اس کے بعد تینوں طرح جائز ہے۔ اس مسئلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ان روایات میں سے تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنے کی روایت کو ترجیح دی ہے، البتہ اسلام کا مزاج آسانی پیدا کرنے کا ہے، اس لیے ان تمام روایات کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں وسعت ہے۔

2 رفع الیدین اس لیے کی جاتی ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے اور آپ کا حکم ہے کہ " اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔" اب ہمارا کام ان مواقع پر رفع الیدین کرنا ہے خواہ ہمیں اس کی حکمت معلوم ہو یا نہ ہو، مگر حکمت معلوم ہونے سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، اس لیے اہل علم نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کی حکمتیں بیان کی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے چند حکمتیں نقل کی ہیں کہ بعض نے کہا: رفع الیدین میں ہاتھ اٹھانے کے ساتھ اللہ کے سوا تمام معبودوں کی نفی اور تکبیر کے ساتھ ایک اللہ کی کبریائی کا اعلان ہے۔ بعض نے کہا: ہاتھ اٹھانے سے بہرے بھی جان لیں گے کہ اس نے نماز شروع کر دی ہے اور تکبیر سے اندھوں کو بھی یہ بات معلوم ہو جائے گی۔ بعض نے کہا: ہاتھ اٹھانے میں دنیا کو پھینک کر کلی طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا اظہار ہے۔ بعض نے کہا: یہ اللہ کے سامنے مکمل طور پر تابع اور عاجز ہونے کا اظہار ہے، جس طرح کوئی ہاتھ اٹھا کر اپنے آپ کو دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے۔ بعض نے کہا: اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کا اتباع ہے۔ ابن عبد البر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: رفع الیدین نماز کی زینت کا حصہ ہے۔ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہر رفع الیدین کے ساتھ دس نیکیاں ہیں، ہر انگلی کے ساتھ ایک نیکی

ہے۔ (فتح الباری)

3 نماز شروع کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کے رفع الیدین کرنے پر امت کا اتفاق ہے، کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہے۔ اگر اس بات کو مدنظر رکھا جائے تو جو حضرات دوسرے مقامات پر رفع الیدین پر مختلف اعتراض کرتے ہیں ان کے اکثر اعتراض پہلی رفع الیدین پر بھی وارد ہوتے ہیں جس کے وہ خود قائل و فاعل ہیں، مثلاً یہ کہ کچھ منافقین بغلوں میں بت لے آتے تھے اس لیے رفع الیدین کا حکم ہوا، تاکہ بت گر جائیں، بعد میں یہ منسوخ ہوگئی، مگر پھر تو پہلی بھی منسوخ ہونی چاہیے۔ ایک یہ کہ آخر دم تک رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین ثابت کریں۔ مگر یہی سوال پہلی رفع الیدین پر بھی وارد ہوتا ہے، جن الفاظ کے ساتھ اس کا دوام ثابت ہوتا ہے وہی الفاظ حدیث میں دوسری ہر رفع الیدین کے لیے آتے ہیں۔

4 امام کو رکوع سے سر اٹھاتے وقت " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ " دونوں کلمات کہنے چاہئیں، جو لوگ کہتے ہیں کہ امام صرف " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " کہے اور مقتدی صرف " رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ " کہے ان کی بات درست نہیں، مزید تفصیل آگے آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

٨٤ - بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ

84۔ باب: تکبیر کہتے وقت اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع الیدین کرنا

٧٣٦- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى تَكُونَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ حِينَ يُكَبِّرُ لِلرُّكُوعِ، وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، وَيَقُولُ: «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» وَلَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُودِ. [راجع: ٧٣٥]

٧٣٥- أخرجه مسلم: ٣٩٠

736۔ عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے کندھوں کے برابر ہو جاتے اور آپ اس وقت بھی ایسے ہی کرتے جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور ایسے ہی کرتے تھے جب رکوع سے سر اٹھاتے اور " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " کہتے تھے اور سجدے میں آپ ایسے نہیں کرتے تھے۔

فوائد 1 امام بخاری ؒ نے اس مسئلہ میں ایک مستقل رسالہ " جُزْءُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ " تصنیف کیا ہے، اس کا اردو ترجمہ بھی مل جاتا ہے۔ اس میں انھوں نے یہ حدیث حسن بصری اور حمید بن ہلال سے نقل کی ہے کہ صحابہ یہ عمل کرتے تھے۔ بخاری ؒ نے کہا: ”حسن بصری نے کسی صحابی کو مستثنیٰ نہیں کیا۔“ اور ابن عبدالبر نے کہا: ”رکوع کو جاتے اور اس سے اٹھتے وقت جس صحابی سے بھی رفع الیدین نہ کرنے کی روایت بیان کی گئی ہے اس سے رفع الیدین کرنے کی روایت بھی آئی

ہے۔'' اور محمد بن نصر مروزی نے کہا: ''اہل کوفہ کے سوا تمام شہروں کے علماء اس کے ثابت ہونے پر متفق ہیں۔'' تاج الدین سبکی نے بھی اس پر ایک رسالہ " جُزْءُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ " لکھا ہے جو طبع شدہ ہے۔ اس کے علاوہ محمد بن نصر مروزی، امام بزار، ابو نعیم اصبہانی اور حافظ ابن قیم الجوزیہ نے بھی اس مسئلہ پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، ان کا تذکرہ حافظ زبیر علی زئی نے اپنی کتاب " نُوْرُ الْعَيْنَيْنِ فِيْ مَسْئَلَةِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ " میں کیا ہے جو اردو میں اس موضوع پر بہت عمدہ کتاب ہے اور طبع شدہ ہے۔ پہلے علماء کے زمانے کے کسی عالم کا ''رفع الیدین'' نہ کرنے پر کوئی رسالہ ہمارے علم میں نہیں ہے، البتہ ہمارے دور میں کئی تارکین نے ''رفع الیدین'' نہ کرنے پر کتابیں لکھی ہیں جن میں کئی تاویلات، مغالطات اور تحریفات سے کام لیا گیا ہے۔ عامل بالحدیث علماء کی طرف سے ان کے جواب میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: ① ہمارے استاذ امام حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کی کتاب " اَلتَّحْقِيْقُ الرَّاسِخُ فِيْ أَنَّ أَحَادِيْثَ رَفْعِ الْيَدَيْنِ لَيْسَ لَهَا نَاسِخٌ " المعروف ''مسئلہ رفع الیدین پر محققانہ نظر۔'' ② مولانا حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ کی ''رفع الیدین اور آمین۔'' ③ سید بدیع الدین راشدی کی ''جلاء العینین'' ④ مولانا رحمت اللہ ربانی کی ''مسئلہ رفع الیدین مع آمین بالجہر۔'' ⑤ مولانا حکیم محمود بن اسماعیل سلفی کی ''شمس الضحیٰ بجواب نور الصباح۔'' ⑥ مولانا خالد گھرجاکھی کی ''جزء رفع الیدین۔'' ⑦ حافظ عبدالمنان نور پوری کی ''مسئلہ رفع الیدین تحریری مناظرہ۔'' ⑧ ڈاکٹر محمد بشیر صابر کی " دلائل الجانبين في تحقيق رفع اليدين۔" ⑨ عبدالرشید انصاری کی "الرسائل في تحقيق المسائل۔" ⑩ مولانا محمد ایوب اثری حیدر آبادی کی ''حصول الفلاح۔'' (از نور العینین حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ)

2 رفع الیدین نہ کرنے والے حضرات عام طور پر کہتے ہیں کہ بے شک رفع الیدین رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، مگر یہ منسوخ ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بعد میں اس سے منع فرما دیا تھا۔ دلیل کے طور پر وہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں، انھوں نے کہا: « خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : مَا لِيْ أَرَاكُمْ، رَافِعِيْ أَيْدِيْكُمْ، كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ، اسْكُنُوْا فِي الصَّلَاةِ » [مسلم : ۴۳۰] ''رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے تو فرمایا: ''مجھے کیا ہے کہ میں تمھیں اس طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھ رہا ہوں جیسے وہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہوں؟ نماز میں ساکن رہو۔'' اس حدیث میں نماز شروع کرتے وقت یا رکوع جاتے یا رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین (ہاتھ اٹھانے) کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ صحیح مسلم میں اس کے بعد والی جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث میں وضاحت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس رفع الیدین یعنی ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا تھا جو وہ سلام پھیرتے وقت دونوں طرف ہاتھ مصافحے کے لیے اٹھاتے تھے۔ چنانچہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: « كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا : اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الْجَانِبَيْنِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : عَلَامَ تُوْمِئُوْنَ بِأَيْدِيْكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ إِنَّمَا يَكْفِيْ أَحَدَكُمْ أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عَلٰى فَخِذِهِ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلٰى أَخِيْهِ مَنْ عَلٰى يَمِيْنِهِ وَشِمَالِهِ » [مسلم : ۴۳۱] ''ہم جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز

پڑھتے تو ''السلام علیکم و رحمة الله، السلام علیکم و رحمة الله'' کہتے اور اپنے ہاتھ کے ساتھ دونوں طرف اشارہ کیا کرتے، تو رسول الله ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے ہاتھوں کے ساتھ اس طرح کیوں اشارہ کرتے ہو جیسے وہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہوں؟ تم میں سے ہر ایک کو یہی کافی ہے کہ وہ اپنا ہاتھ اپنی ران پر رکھے پھر اپنے بھائی کو اپنی دائیں طرف اور اپنی بائیں طرف سلام کہے۔''

اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کو منسوخ قرار دینے والے کے متعلق فرمایا: ''رہا بعض بے علم لوگوں کا اس حدیث سے دلیل پکڑنا تو یہ صرف تشہد میں تھا قیام میں نہیں، صحابہ ایک دوسرے کو سلام کہتے تھے، تو نبی ﷺ نے تشہد میں ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا۔ اس حدیث سے وہ شخص کبھی دلیل نہیں پکڑے گا جسے علم سے کوئی حصہ حاصل ہو۔ یہ معروف و مشہور ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں اور اگر وہ بات ہوتی جو اس نے کہی ہے تو پہلی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین اور نمازِ عید کی تکبیروں میں رفع الیدین بھی ممنوع ہوگی، کیونکہ اس میں کسی رفع الیدین کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔'' لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات جو رکوع کو جاتے اور اس سے اٹھتے وقت کی مسنون و متواتر رفع الیدین کو سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح قرار دیتے ہیں خود وتر میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت سے پہلے رفع الیدین کرتے ہیں جو کسی صحیح حدیث سے ثابت بھی نہیں اور اسے سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح نہیں ہونے دیتے۔

3 پہلی رفع الیدین کے بعد رفع الیدین نہ کرنے کی کوئی حدیث رسول الله ﷺ سے ثابت نہیں۔ تفصیل امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب ''جزء رفع الیدین'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ اگر پہلی رفع الیدین کے بعد کوئی رفع الیدین نہیں ہے تو رکوع کے وقت رفع الیدین نہ کرنے والے حضرات رکوع سے پہلے قنوتِ وتر میں رفع الیدین کیوں کرتے ہیں اور عیدین کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد ہر تکبیر پر رفع الیدین کیوں کرتے ہیں؟ اگر کسی دلیل کی وجہ سے وہ یہ عمل کرتے ہیں تو رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رسول الله ﷺ کے رفع الیدین کرنے کی احادیث تو بہت سے صحابہ سے بہترین سندوں کے ساتھ صحیحین اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں، جنھیں علماء نے متواتر قرار دیا ہے، ان سے نفرت اور انکار کیوں ہے؟

٧٣٧۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ : أَنَّهُ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلّٰى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ صَنَعَ هٰكَذَا . [أخرجه مسلم : ٣٩١]

737۔ ابو قلابہ سے روایت ہے کہ انھوں نے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب انھوں نے نماز پڑھی تو تکبیر کہی اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب رکوع سے سر اٹھایا تو دونوں ہاتھ اٹھائے اور انھوں نے بیان کیا کہ رسول الله ﷺ نے ایسے ہی کیا۔

فوائد 1 مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنولیث کے لوگ رسول الله ﷺ کے پاس اس وقت آئے تھے جب

آپ تبوک کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ ابن سعد نے یہ بات متعدد سندوں کے ساتھ ذکر کی ہے۔ [فتح الباري، تحت الحديث : ٦٢٨] یاد رہے کہ غزوۂ تبوک سنہ ۹ ہجری میں ہوا ہے۔ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ واپس جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا: « اِرْجِعُوْا إِلٰی أَهْلِيْكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ وَ مُرُوْهُمْ وَصَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ » [بخاري : ٦٠٠٨] ''اپنے گھر والوں کی طرف واپس جاؤ اور انھیں (دین) سکھاؤ اور انھیں (نماز کا) حکم دو اور اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے دیکھا ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔'' اس سے ظاہر ہے کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے کتنی توجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھا ہوگا، پھر انھوں نے آپ کی نماز کا طریقہ امت تک پہنچایا۔ دوسری بات اس سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر تک رفع الیدین کرتے رہے، کیونکہ مالک رضی اللہ عنہ آپ کی عمر کے آخری حصے، یعنی نو ہجری میں حاضر ہوئے تھے۔

2 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے آخری حصے میں آپ کے رفع الیدین کرنے کا ذکر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے بھی کیا ہے، چنانچہ ان سے روایت ہے: « أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ ـ وَصَفَ هَمَّامٌ حِيَالَ أُذُنَيْهِ ـ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَّرْكَعَ أَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ، ثُمَّ رَفَعَهُمَا، ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ، فَلَمَّا قَالَ : سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ، فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ » [مسلم : ٤٠١] ''وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جب نماز میں داخل ہوئے تو رفع الیدین کیا۔ ہمام نے کانوں تک بیان کیا۔ پھر کپڑا لپیٹ لیا، پھر اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ لیا، پھر جب رکوع کا ارادہ کیا تو ہاتھوں کو کپڑے سے نکالا اور رفع الیدین کیا، پھر تکبیر کہی اور رکوع کیا، پھر جب '' سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ '' کہا تو رفع الیدین کیا، پھر جب سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کیا۔''

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ یمن کے عظیم بادشاہ تھے اور بادشاہوں کی اولاد سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے آنے سے تین دن پہلے ہی آپ کے آنے کی بشارت دی تھی۔ [الثقات لابن حبان : ٣/ ٤٢٤، ٤٢٥۔ مشاهير علماء الأمصار لابن حبان ، ص : ٧٧، رقم : ٢٧٦] سنہ ۹ ہجری میں جو وفود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے حافظ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ نے ان میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی آمد کا ذکر کیا ہے۔ [البداية والنهاية : ٧/ ٣٣٠] صحیح ابن حبان (۱۶۷/۵، ح: ۱۸۶۰) وغیرہ میں ہے کہ اس سے اگلے سال سنہ ۱۰ ہجری میں آپ رضی اللہ عنہ دوبارہ آئے تھے۔ (نقل از نور العینین از حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ) وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے دوبارہ آنے کا تذکرہ انھوں نے خود فرمایا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: « ثُمَّ جِئْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ فِيْ زَمَانٍ فِيْهِ بَرْدٌ شَدِيْدٌ، فَرَأَيْتُ النَّاسَ عَلَيْهِمْ جُلُّ الثِّيَابِ تَحَرَّكُ أَيْدِيْهِمْ تَحْتَ الثِّيَابِ » [أبو داؤد : ٧٢٧، صحيح] ''پھر اس کے بعد میں ایسے وقت میں آیا جس میں شدید سردی تھی تو میں نے لوگوں کو دیکھا ان پر بھاری کپڑے تھے اور ان کے ہاتھ کپڑوں کے نیچے حرکت کر رہے تھے۔'' اس سے ۱۰ ہجری میں رفع الیدین کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کے چند ماہ بعد سنہ ۱۱ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے۔ اب جو لوگ رفع الیدین کو منسوخ کہتے ہیں ان پر لازم ہے کہ سنہ ۹ یا ۱۰ ہجری کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع الیدین نہ کرنے یا اسے چھوڑنے کا حکم دینے کا ثبوت پیش کریں، جو فی الواقع نہ سنہ ۹

ہجری سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے نہ بعد میں آپ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اور جب آپ لوگ پہلی رفع الیدین کا دوام مانتے ہیں تو انھی صحیح احادیث میں رکوع کے ساتھ رفع الیدین کا ذکر ہے جن میں نماز شروع کرتے وقت رفع الیدین کا ذکر ہے۔

3 ابن عمر، مالک بن حویرث اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہم کے علاوہ صحیح سندوں کے ساتھ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین مروی ہے: ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، ابوحمید ساعدی (جنھوں نے دس صحابہ کی موجودگی میں رفع الیدین کی حدیث بیان کی)، ابوموسیٰ اشعری، ابوہریرہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم۔ یہ کل دس صحابی ہیں، اتنے صحابہ سے مروی روایت بلاشک وشبہ متواتر ہوتی ہے جس سے رفع الیدین کا ثبوت قطعی ہے۔ الکتانی، ابن جوزی، ابن حجر، ابن حزم، سیوطی، العراقی، سخاوی اور ابن تیمیہ رحمہم اللہ اور دوسرے کئی علماء نے رفع الیدین کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے۔ (ہدایۃ القاری) اختصار کے پیش نظر ان صحابہ کی روایات یہاں نقل نہیں کی گئیں۔ عبدالرشید انصاری نے "اَلرَّسَائِلُ فِيْ تَحْقِيْقِ الْمَسَائِلِ" میں رفع الیدین کرنے اور نہ کرنے کی احادیث جمع کر دی ہیں۔

٨٥ ـ بَابٌ: إِلَى أَيْنَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ؟

85۔ باب: نمازی کہاں تک اپنے ہاتھوں کو اٹھائے؟

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ فِي أَصْحَابِهِ: رَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ. [راجع: ٨٢٨]

اور ابوحمید رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے صحابہ میں بیان کیا کہ نبی ﷺ نے اپنے کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے۔

فوائد ومسائل: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں واضح الفاظ میں نہیں بتایا کہ رفع الیدین کہاں تک کرے، مگر انھوں نے باب میں جو احادیث ذکر کی ہیں ان سے ظاہر ہے کہ وہ کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھانے کو راجح سمجھتے ہیں۔

2 ابوحمید رضی اللہ عنہ نے جن صحابہ میں یہ حدیث بیان کی ان کی تعداد دس تھی۔ [دیکھیے ابو داود: ٧٣٠]

3 صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوحمید رضی اللہ عنہ کی احادیث میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے مگر صحیح مسلم (٣٩١/٢٥) میں مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے کانوں کے برابر ہاتھ اٹھانے کی حدیث بھی آئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس میں وسعت ہے کہ کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائیں یا کانوں کے برابر یا ان کے درمیان تینوں طرح درست ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے دونوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ ہاتھوں کا نچلا حصہ کندھوں کے برابر ہو اور انگلیاں کانوں کے برابر تو دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے گا۔

٧٣٨ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ افْتَتَحَ التَّكْبِيرَ فِي الصَّلَاةِ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ

738۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ نے نماز میں تکبیر شروع کی، چنانچہ آپ جب تکبیر کہتے تو رفع الیدین کرتے یہاں تک کہ دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر کرتے اور جب رکوع

حِينَ يُكَبِّرُ حَتَّى يَجْعَلَهُمَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ فَعَلَ مِثْلَهُ، وَ إِذَا قَالَ : « سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ » فَعَلَ مِثْلَهُ، وَقَالَ : « رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ » وَلَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ حِينَ يَسْجُدُ، وَلَا حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ . [راجع : ٧٣٥ـ أخرجه مسلم : ٣٩٠]

کے لیے تکبیر کہتے تو ایسے ہی کرتے اور جب " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " کہتے تو ایسے ہی کرتے اور " رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ " کہتے اور جب آپ سجدہ کرتے تو ایسے نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اس وقت جب آپ سجدے سے سر اٹھاتے تھے۔

فوائد 1 بعض لوگوں نے یہ بات بنائی ہے کہ مرد کانوں کے برابر اور عورتیں کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائیں، کیونکہ اس میں عورتوں کے لیے زیادہ پردہ ہے، مگر یہ بات بے دلیل ہے۔ رفع الیدین یا نماز کے دوسرے اعمال میں مرد اور عورت کا کوئی فرق ثابت نہیں۔

2 اس حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سجدے میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع الیدین نہیں کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ بعض روایات میں جو یہ الفاظ آئے ہیں: « أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَ رَفْعٍ » (یعنی آپ ہر بار نیچے جاتے اور اٹھتے وقت رفع الیدین کرتے تھے) اس میں سجدے کے لیے جانا یا اٹھنا شامل نہیں ہے۔ بعض روایات میں سجدے کے وقت رفع الیدین کا ذکر بھی آیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''سجدے کے وقت رفع الیدین کرنے کی سب سے صحیح حدیث جو مجھے ملی ہے وہ ہے جو نسائی نے " سعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث " کی سند سے روایت کی ہے کہ ''مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو نماز میں رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا جب آپ رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اور جب سجدہ کرتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے یہاں تک کہ دونوں ہاتھوں کو کانوں کی کونپلوں، یعنی لو کے برابر کرتے۔'' (نسائی کبریٰ: ٦٧٦) اور سعید اس میں اکیلے نہیں بلکہ ابو عوانہ (١٥٩٠) میں ''ہمام عن قتادۃ'' اس کی متابعت بھی موجود ہے اور اس مسئلہ میں صحابہ کی ایک جماعت سے روایات آئی ہیں، جن میں سے کوئی بھی کلام سے خالی نہیں۔ اور بخاری نے " جزء رفع اليدين " میں علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے: « وَلَا يَرْفَعُ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهِ وَهُوَ قَاعِدٌ » [قرة العينين برفع اليدين في الصلاة، ص : ١٣، ح : ٩] ''یعنی آپ ﷺ بیٹھنے کی حالت میں کسی وقت بھی رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔'' اور اس طرح بخاری رحمہ اللہ نے سجدے میں رفع الیدین کی روایات کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔'' (فتح الباری) خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ سجدے کو جاتے یا اٹھتے وقت رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ نسائی والی روایت قتادہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

3 پاک و ہند کے سنن نسائی کے نسخوں میں ''سعید عن قتادۃ'' کی جگہ ''شعبہ عن قتادۃ'' طبع ہو گیا ہے، جو کاتب کی غلطی ہے۔ اگر یہ ''شعبہ عن قتادۃ'' ہو تو محدثین کے نزدیک روایت صحیح ہے، کیونکہ شعبہ قتادہ سے وہی روایت بیان کرتے ہیں جس میں انھوں نے تدلیس نہ کی ہو۔ مگر محقق علماء نے اسے وہم قرار دیا ہے اور روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اگر اسے صحیح مانا جائے تو

یہی کہا جائے گا کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ سجدوں میں بھی رفع الیدین کر لیتے تھے مگر ہمیشہ نہیں، کیونکہ عبداللہ بن عمر اور علی رضی اللہ عنہم نے صاف الفاظ میں اس کی نفی کی ہے۔

٨٦ - بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ

86۔ باب: دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا

٧٣٩ - حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَرَفَعَ ذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ.

رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَرَوَاهُ ابْنُ طَهْمَانَ، عَنْ أَيُّوبَ وَمُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، مُخْتَصَرًا. [راجع: ٧٣٥ـ أخرجه مسلم: ٣٩٠]

739۔ نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کرتے تو رفع الیدین کرتے اور جب "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہتے تو رفع الیدین کرتے اور جب دو رکعتوں سے اٹھ کر کھڑے ہوتے تو رفع الیدین کرتے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس عمل کو اللہ کے نبی ﷺ کا عمل بیان کیا۔

اور اسے حماد بن سلمہ نے ایوب سے، انھوں نے نافع سے، انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا۔ اور اسے ابن طہمان نے ایوب اور موسیٰ بن عقبہ سے مختصراً روایت کیا ہے۔

فوائد ومسائل: 1 اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی ان چار مقامات پر رفع الیدین کرتے تھے اور انھوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض روایات جن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے رفع الیدین نہ کرنے کا ذکر ہے وہ سند کی کمزوری کے علاوہ صحیح بخاری کی روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہیں۔

2 اتنی واضح اور صحیح حدیث کے باوجود رکوع کو جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنے والے بہت سے حضرات بھی دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع الیدین کے قائل و فاعل نہیں۔ ان کا یہ عمل درست نہیں، جب صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرنا چاہیے اور کسی امتی کی بات کا بہانہ بنا کر حدیث پر عمل سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے کہ "إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي" [التهذيب في فقه الإمام الشافعي: ٦٧/١] "جب حدیث ثابت ہو جائے تو میرا مذہب وہی ہے۔" دو رکعتوں سے اٹھ کر رفع الیدین کے متعلق امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں فرمایا: "وَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ أَبُو حُمَيْدٍ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا قَامَ مِنَ

السَّجْدَتَيْنِ كُلُّهُ صَحِيحٌ . " [قرة العينين برفع اليدين، ص : ٧٠، ح : ٩٨] ابوحمید ڈٹاٹڈ نے نبی ﷺ کے دس صحابہ میں دو رکعتوں سے اٹھتے وقت ایک زائد رفع الیدین کی جو روایت بیان کی ہے وہ صحیح ہے۔'' (فتح الباری) اس سے معلوم ہوا کہ اس موقع پر رفع الیدین کی روایت صرف ابن عمر ؓ سے نہیں بلکہ ابوحمید ساعدی ؓ اور ان کے ساتھ دس صحابہ ؓ کی تائید کے ساتھ بھی مروی ہے۔

3 حدیث کے آخر میں حماد بن سلمہ اور ابن طہمان کی روایات لانے کا مقصد ان لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ نافع اس روایت کو ابن عمر ؓ سے موقوف بیان کرتے ہیں جب کہ سالم اسے مرفوع بیان کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ نافع نے بھی اسے مرفوع بیان کیا ہے۔ (ہدایۃ القاری)

٨٧ - بَابُ وَضْعِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى

87۔ باب: دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنا

٧٤٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ : كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ .

قَالَ أَبُو حَازِمٍ : لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا يَنْمِي ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ . قَالَ إِسْمَاعِيلُ : يُنْمَى ذَلِكَ، وَلَمْ يَقُلْ : يَنْمِي .

740۔ سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں بازو پر رکھے۔

ابوحازم نے کہا: میں اس کے متعلق یہی جانتا ہوں کہ اس (سہل بن سعد ؓ) نے یہ حکم نبی ﷺ ہی کی طرف منسوب کیا۔ اسماعیل نے کہا کہ یہ حکم آپ ﷺ ہی کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، انھوں نے یہ الفاظ نہیں کہے کہ وہ اس حکم کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: 1 نماز کے قیام میں ہاتھوں سے متعلق دو باتوں میں اختلاف ہے، ایک یہ کہ ہاتھ باندھنے چاہییں یا کھلے چھوڑنے چاہییں۔ جہاں تک ہاتھ باندھنے کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ باندھنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ زیر شرح حدیث میں ہے۔ نماز میں ہاتھ چھوڑنے کی کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں ہے۔ اہل السنہ کا اسی پر عمل ہے، امام مالک ؒ نے موطا میں اسی کا ذکر کیا ہے اور ابن المنذر وغیرہ نے امام مالک سے یہی قول نقل کیا ہے۔ البتہ ابن القاسم نے امام مالک سے ہاتھ چھوڑنے کا ذکر کیا ہے، ان کے اکثر پیروکاروں نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے، مگر یہ سنت کے خلاف ہے۔ رہی یہ بات کہ ہاتھ کہاں باندھنے چاہییں تو صحیح بخاری کی اس حدیث میں صرف "ذِرَاع" کا ذکر ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ذراع پر رکھنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ "ذِرَاع" (بازو) کہنی کے سرے سے درمیانی انگلی کے سرے تک کو کہا جاتا ہے۔ اس کے مطابق بائیں بازو کے جس حصے پر دایاں ہاتھ رکھ لیں حدیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ البتہ وائل بن حجر ؓ کی صحیح حدیث میں

وہ جگہ بھی بیان ہوئی ہے جہاں رسول اللہ ﷺ دایاں ہاتھ بائیں بازو پر رکھتے تھے: « ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ » [أبو داؤد : ۷۲۷] ''پھر آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی اور رُسغ اور کلائی پر رکھا۔'' اس طرح ہاتھ رکھنے سے دونوں ہاتھ ناف یا اس سے نیچے جا ہی نہیں سکتے، بے شک آپ تجربہ کر لیں۔ وہ سینے پر یا اس کے قریب ہی رہیں گے۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: « صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهِ » [صحيح ابن خزيمة : ۴۷۹، صحيح] ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر اپنے سینے پر رکھا۔'' مسند بزار (۳۵۵/۱، ح: ۴۴۸۸) میں ہے کہ انھوں نے فرمایا: « عِنْدَ صَدْرِهِ » یعنی آپ ﷺ نے ہاتھ سینے کے پاس رکھے اور مسند احمد (۲۱۹۶۷) میں ہلب طائی رضی اللہ عنہ سے بھی آپ ﷺ کا اپنے سینے پر ہاتھ رکھنے کی حدیث آئی ہے۔ ناف یا اس سے نیچے ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ (فتح الباری)

بعض لوگوں نے جب دیکھا کہ ان کے اختیار کردہ موقف زیر ناف ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث صحیح نہیں تو انھوں نے یہ کہہ دیا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث صحیح ہے نہ ہی سینے پر باندھنے کی، اس لیے اب ہم قیاس اور عقل سے ہاتھ باندھنے کی جگہ کا تعین کریں گے۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ مرد کے لیے زیر ناف ہاتھ باندھنے میں ستر زیادہ ہے اور عورت کے لیے سینے پر ہاتھ باندھنے میں ستر زیادہ ہے، اس لیے مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھیں اور عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں۔ مگر اس پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں، ایک یہ کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہاتھ باندھنے کی جگہ نہیں بتائی تو یقیناً دین میں کمی رہ گئی، جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ [المائدة : ۳] ''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔'' دوسرا سوال یہ کہ نامکمل دین کو اپنی عقل سے پورا کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے کسے عطا کیا ہے۔ قرآن و حدیث میں اس شخصیت کا نام ذکر ہونا چاہیے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کی ضمانت کی وجہ سے یہ سوچنا ہی غلط ہے کہ دین میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ چنانچہ صحیح احادیث کے مطابق نماز میں سینے پر یا اس کے قریب ہاتھ باندھنے چاہییں، اس میں مرد اور عورت کی کوئی تفریق نہیں۔

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: علماء نے کہا کہ ہاتھ باندھنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ سوال کرنے والے عاجز آدمی کی صفت ہے اور یہ عبث حرکت سے روکنے والی اور خشوع کے زیادہ قریب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ نے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے بعد خشوع کا باب مقرر کیا ہے۔ بعض نے یہ نکتہ ذکر کیا ہے کہ دل نیت کا مقام ہے اور عام طور پر جو شخص جس چیز کی حفاظت کرتا ہے وہ اس پر ہاتھ رکھتا ہے۔ (فتح الباری)

۸۸ - بَابُ الْخُشُوْعِ فِي الصَّلَاةِ

88- باب: نماز میں خشوع

۷۴۱- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ

741- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هَاهُنَا؟ وَاللّٰهِ! مَا يَخْفَى عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ وَلَا خُشُوعُكُمْ، وَإِنِّي لَأَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِي» [راجع: ٤١٨- أخرجه مسلم: ٤٢٤]

فرمایا: ''کیا تم میرا منہ اس طرف سمجھتے ہو؟ اللہ کی قسم! مجھ پر نہ تمھارا رکوع پوشیدہ ہے اور نہ تمھارا خشوع اور بے شک میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔''

٧٤٢- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَقِيمُوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ فَوَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِي - وَرُبَّمَا قَالَ: مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي - إِذَا رَكَعْتُمْ وَسَجَدْتُمْ» [راجع: ٤١٩- أخرجه مسلم: ٤٢٥]

742- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''رکوع اور سجود ٹھیک ادا کرو، کیونکہ اللہ کی قسم! میں تمھیں اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں - اور بعض اوقات فرمایا: میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں- جب تم رکوع کرتے ہو اور سجدہ کرتے ہو۔''

فائدہ ان احادیث کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۴۱۸) اور (۴۱۹)۔ یہاں ایک سوال ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی باب سے موافقت نہیں، کیونکہ اس میں خشوع کا ذکر نہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ امام صاحب جتانا چاہتے ہیں کہ اعضا کے سکون سے دل کے خشوع کا پتا چلتا ہے، کیونکہ آدمی کا ظاہر اس کے باطن کا آئینہ ہوتا ہے، جیسا کہ بیہقی (۳۹۸/۲، ح: ۳۵۲۲) نے صحیح سند کے ساتھ مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما جب نماز میں کھڑے ہوتے تو اس طرح جیسے ایک لکڑی ہو اور انھوں نے بیان کیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی تھے۔ اور کہا جاتا تھا کہ یہ نماز میں خشوع ہے۔ (فتح الباری)

٨٩ - بَابُ مَا يَقُولُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ؟

89- باب: تکبیر کے بعد کیا کہے؟

٧٤٣ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِـ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [أخرجه مسلم: ٣٩٩ مطولاً]

743- انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نماز کو ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کے ساتھ شروع کرتے تھے۔

٧٤٤- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو

744- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر اور قراءت کے درمیان تھوڑی دیر خاموش رہتے تھے تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ

هُرَيْرَةَ، قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً — قَالَ : أَحْسِبُهُ قَالَ : هُنَيَّةً — فَقُلْتُ : بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ ؟ قَالَ : « أَقُولُ : اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَ بَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ » [أخرجه مسلم : ٥٩٨]

تکبیر اور قراءت کے درمیان اپنے خاموش رہنے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں یہ کہتا ہوں : اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری کر دے جتنی تو نے مشرق و مغرب کے درمیان دوری رکھی ہے، اے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح صاف کر دے جیسے سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے، اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں کے ساتھ دھو دے۔“

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلی حدیث میں تکبیر کے بعد قراءت یعنی قرآن مجید میں سے پڑھی جانے والی سورت کا ذکر کیا ہے، کیونکہ اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں، جیسا کہ آگے آئے گا۔ اس کے بعد قراءت سے پہلے آہستہ پڑھی جانے والی دعا کا ذکر فرمایا، اسے بعد میں اس لیے ذکر کیا کہ یہ مسنون اور مستحب ہے، اگر نہ بھی پڑھی جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔

2 انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ قراءت کا افتتاح سورۂ فاتحہ سے کرتے تھے اور یہ بھی کہ اس جملے یعنی ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ“ سے کرتے تھے، اس سے پہلے دعائے استفتاح، ”أَعُوْذُ بِاللّٰهِ“ اور ”بِسْمِ اللّٰهِ“ اونچی آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔ صحیح بخاری کی یہ روایت ”شعبہ عن قتادۃ عن انس“ کی سند سے مروی ہے۔ صحیح مسلم میں ”شعبہ عن قتادۃ عن انس“ ہی کی سند سے یہ الفاظ آئے ہیں: « صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ » ”میں نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی، میں نے ان میں سے کسی کو ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔“ اور ”اوزاعی عن قتادۃ عن انس“ کی سند سے یہ الفاظ آئے ہیں: « صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ فَكَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ بِـ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ فِيْ أَوَّلِ قِرَاءَةٍ وَ لَا فِيْ آخِرِهَا » [مسلم، كتاب الصلاة، باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة : ٥٠، ٥٢/٣٩٩] ”میں نے نبی ﷺ اور ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ“ سے شروع کرتے تھے، ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ کا ذکر نہ قراءت کے شروع میں کرتے تھے اور نہ اس کے آخر میں کرتے تھے۔“ صحیح مسلم کی ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے ثلاثہ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ“ کے جملے سے قراءت شروع کرتے تھے، ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ یا تو پڑھتے ہی نہیں تھے یا آہستہ پڑھتے تھے۔ ان دونوں میں سے آہستہ پڑھنے والی بات راجح ہے، کیونکہ سورۂ توبہ کو چھوڑ کر قرآن مجید کی ہر سورت کے شروع میں ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ لکھی ہوئی ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک یہ سورۂ فاتحہ کا جزو ہے۔ خلاصہ یہ کہ زیادہ صحیح اور

واضح روایات کی رو سے سورۂ فاتحہ کے شروع میں "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" آہستہ آواز سے پڑھنی چاہیے، جو لوگ اونچی آواز سے "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" پڑھنے کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ نعیم مجمر کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" پڑھی، پھر اُم القرآن پڑھی، یہاں تک کہ "غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ" تک پہنچے تو "آمِیۡنَ" کہی اور لوگوں نے بھی "آمِیۡنَ" کہی۔ جب سلام پھیرا تو کہا: قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نماز میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں۔ [نسائي: ٩٠٥۔ السنن الكبرى للبيهقي: ٨٤/٢، ح: ٢٤٥١] یہ حدیث نہ سنداً اس پائے کی ہے جتنی انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے نہ اتنی واضح مگر دونوں میں تطبیق دی جا سکتی ہے کہ "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" اونچی آواز سے بھی پڑھی جا سکتی ہے، البتہ پوشیدہ پڑھنے کی احادیث زیادہ صحیح اور زیادہ واضح ہیں۔

3 سورۂ فاتحہ سے پہلے استفتاح کی اور دعائیں بھی ثابت ہیں، مثلاً "سُبۡحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمۡدِكَ ......" اور "وَجَّهۡتُ وَجۡهِيَ لِلَّذِيۡ ......" اس لیے ان میں سے بھی کوئی دعا پڑھی جا سکتی ہے، مگر سند کے لحاظ سے "اَللّٰهُمَّ بَاعِدۡ بَيۡنِيۡ ......" سب سے زیادہ صحیح ہے۔

4 "اَللّٰهُمَّ بَاعِدۡ بَيۡنِيۡ" میں سب سے پہلے گناہوں سے دور رکھنے کی دعا کی ہے کہ یا اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری ڈال دے جتنی تو نے مشرق و مغرب کے درمیان ڈالی ہے، یعنی یہ توفیق عطا فرما کہ میں گناہوں کے قریب ہی نہ جاؤں، ان سے اتنا دور رہوں جتنا مشرق و مغرب ایک دوسرے سے دور ہیں۔ اس کے بعد گناہوں سے پاک کرنے کی دعا کی کہ جب میں گناہ کر بیٹھوں تو مجھے ان سے اس طرح پاک صاف کر دے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے پاک صاف کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کامل صفائی کے لیے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں کے ساتھ دھونے کی درخواست کی۔

5 یہاں ایک سوال ہے کہ عموماً گرم پانی کے ساتھ زیادہ صفائی حاصل ہوتی ہے تو یہاں پانی، برف اور اولوں کے ساتھ دھونے کی دعا کیوں کی؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ دھونا کپڑے کو دھونا نہیں گناہوں کو دھونا ہے، جن کا نتیجہ آگ کا عذاب ہے اور ظاہر ہے اسے بجھانے کے لیے ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہے۔

٩٠ ۔ بَابٌ

٧٤٥ ۔ حَدَّثَنَا ابۡنُ أَبِي مَرۡيَمَ، قَالَ: أَخۡبَرَنَا نَافِعُ بۡنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابۡنُ أَبِي مُلَيۡكَةَ، عَنۡ أَسۡمَاءَ بِنۡتِ أَبِي بَكۡرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى صَلَاةَ الۡكُسُوفِ، فَقَامَ فَأَطَالَ الۡقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الۡقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ

90۔ باب (بلا عنوان)

745۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی اور قیام کیا اور لمبا قیام کیا، پھر رکوع کیا تو لمبا رکوع کیا، پھر قیام کیا تو لمبا قیام کیا، پھر رکوع کیا تو لمبا رکوع کیا، پھر سر اٹھایا، پھر سجدہ کیا تو لمبا سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا پھر سجدہ کیا تو لمبا سجدہ کیا، پھر قیام کیا تو لمبا

سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ ثُمَّ رَفَعَ، فَسَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ رَفَعَ، ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَقَالَ: «قَدْ دَنَتْ مِنِّي الْجَنَّةُ، حَتَّى لَوِ اجْتَرَأْتُ عَلَيْهَا، لَجِئْتُكُمْ بِقِطَافٍ مِنْ قِطَافِهَا، وَدَنَتْ مِنِّي النَّارُ، حَتَّى قُلْتُ: أَيْ رَبِّ! وَ أَنَا مَعَهُمْ!؟ فَإِذَا امْرَأَةٌ - حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ - تَخْدِشُهَا هِرَّةٌ، قُلْتُ: مَا شَأْنُ هٰذِهِ؟ قَالُوا: حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا، لَا أَطْعَمَتْهَا وَلَا أَرْسَلَتْهَا تَأْكُلُ» قَالَ نَافِعٌ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: «مِنْ خَشِيشِ - أَوْ خَشَاشِ - الْأَرْضِ»

[انظر: ٢٣٦٤۔ أخرجه مسلم: ٩٠٦ مختصرًا بقطعة وصف طول القيام]

قیام کیا، پھر رکوع کیا تو لمبا رکوع کیا، پھر سر اٹھایا تو لمبا قیام کیا، پھر رکوع کیا تو لمبا رکوع کیا، پھر سر اٹھایا پھر سجدہ کیا تو لمبا سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا پھر سجدہ کیا تو لمبا سجدہ کیا، پھر فارغ ہوئے تو فرمایا: ''جنت مجھ سے اتنی قریب ہوئی کہ اگر میں اس پر دلیری کرتا تو اس کے خوشوں میں سے ایک خوشہ تمھارے پاس لے آتا اور آگ مجھ سے اتنی قریب ہوئی کہ میں نے کہا: اے رب! تو کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں!؟ پھر اچانک ایک عورت (نظر آئی) - میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا - اسے ایک بلی نوچ رہی تھی، میں نے پوچھا: اس کا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا: اس نے اسے باندھ دیا تھا یہاں تک کہ یہ بھوک سے مرگئی، نہ اس نے اسے کھانے کو کچھ دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ (خود) کھائے۔'' نافع نے کہا: میرا گمان ہے کہ یہ فرمایا: ''زمین کے کیڑے مکوڑے کھائے۔''

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کا عنوان قائم نہیں کیا، ایسے ابواب پہلے باب کی فصل ہی کی طرح ہوتے ہیں، بعض اوقات وہ قارئین کی ذہنی استعداد تیز کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں کہ وہ خود عنوان قائم کریں۔ اس حدیث میں آیا ہے کہ جہنم کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَيْ رَبِّ! وَأَنَا مَعَهُمْ!؟» اس سے معلوم ہوا کہ قراءت سے پہلے دعائے استفتاح کے بعد اور قراءت کے دوران بھی عاجزی پر مشتمل دعائیہ کلمات کہے جا سکتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ استفتاح کے بعد قیام میں قرآنی دعا کے سوا کچھ نہیں پڑھ سکتا، ان کے رد کے لیے یہ حدیث لائے ہیں کہ استفتاح کے بعد دوران قیام بھی غیر قرآنی دعا کی جا سکتی ہے۔ اس حدیث کے مزید فوائد ''باب صلاۃ الکسوف'' (۲۳۶۴) میں ذکر ہوں گے۔ اور بلی والی عورت کے قصے کے متعلق ''کتاب بدء الخلق'' (۳۳۱۸) میں بات ہوگی۔ (ان شاء اللہ العزیز)

٩١ - بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى الْإِمَامِ فِي الصَّلَاةِ

91 - باب: نماز میں امام کی طرف نگاہ اٹھانا

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فِي صَلَاةِ

اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی ﷺ نے سورج گرہن کی

الْكُسُوفِ : « فَرَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَأَخَّرْتُ » [راجع : ١٠٤٤]

نماز کے بارے میں فرمایا: ''تو میں نے جہنم کو دیکھا اس کا بعض بعض کو توڑ رہا تھا، یہ اس وقت کی بات ہے جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا۔''

٧٤٦ـ حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، قَالَ : قُلْنَا لِخَبَّابٍ : أَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ : نَعَمْ، قُلْنَا : بِمَ كُنْتُمْ تَعْرِفُونَ ذَاكَ؟ قَالَ : بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ . [انظر : ٧٦٠، ٧٦١، ٧٧٧]

746۔ ابو معمر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے خباب رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر میں قراءت کرتے تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں! ہم نے کہا: تم لوگ اس بات کو کیسے پہچانتے تھے؟ انھوں نے کہا: آپ کی ڈاڑھی کے ہلنے سے۔

٧٤٧ـ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ : أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، قَالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ يَخْطُبُ، قَالَ : حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ - وَكَانَ غَيْرَ كَذُوبٍ - أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، قَامُوا قِيَامًا حَتَّى يَرَوْنَهُ قَدْ سَجَدَ .
[راجع : ٦٩٠ـ أخرجه مسلم : ٤٧٤]

747۔ عبد اللہ بن یزید نے خطبہ دیتے ہوئے کہا: ہمیں براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور وہ جھوٹ بولنے والے نہیں تھے (بیان یہ کیا) کہ صحابہ جب نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے اور آپ ﷺ رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو وہ سیدھے کھڑے رہتے یہاں تک کہ آپ کو دیکھ لیتے کہ آپ سجدے میں جا چکے ہیں۔

٧٤٨ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَصَلَّى، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلُ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ ؟ قَالَ : « إِنِّي أُرِيتُ الْجَنَّةَ، فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا، وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا » [راجع : ٢٩ـ أخرجه مسلم : ٩٠٧ مطولاً]

748۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی جگہ کسی چیز کو پکڑنے کا ارادہ کیا ہے، پھر ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے اس میں سے ایک گچھا پکڑنے کا ارادہ کیا اور اگر میں اسے پکڑ لیتا تو جب تک دنیا باقی ہے تم اس میں سے کھاتے رہتے۔''

٧٤٩ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ :

749۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر آپ منبر پر چڑھے

صَلَّى لَنَا النَّبِيُّ ﷺ، ثُمَّ رَقَا الْمِنْبَرَ، فَأَشَارَ بِيَدَيْهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ قَالَ: «لَقَدْ رَأَيْتُ الْآنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلَاةَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِي قِبْلَةِ هَذَا الْجِدَارِ، فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ» ثَلَاثًا. [راجع: ٩٣ - أخرجه مسلم: ٢٣٥٩ مطولاً]

اور اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مسجد کے قبلہ کی طرف اشارہ کیا، پھر فرمایا: ''میں نے ابھی ابھی جب تمھیں نماز پڑھائی جنت اور آگ کو اس دیوار کے سامنے دیکھا ہے، دونوں کی تصویریں بنائی ہوئی تھیں، تو میں نے خیر اور شر میں آج جیسا منظر کبھی نہیں دیکھا۔'' تین دفعہ فرمایا۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب یہ بتانے کے لیے مقرر کیا ہے کہ مقتدی نماز میں اپنی نگاہ کہاں رکھے؟ نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا تو سخت منع ہے، جیسا کہ اس کے بعد والے باب میں آ رہا ہے۔ باب میں مذکور تمام احادیث میں مقتدیوں کے نماز میں رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھنے کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی نماز میں امام کی طرف دیکھ سکتے ہیں، اس سے ان کی نماز میں کچھ خلل نہیں آتا بلکہ امام کی پیروی کے لیے اسے دیکھنا مقتدی کی مجبوری ہے، جیسا کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ صحابہ رکوع کے بعد سیدھے کھڑے رہتے، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے کہ آپ سجدے میں جا چکے ہیں۔ اکثر اہلِ علم کا کہنا ہے کہ نمازی کو اپنی نظر سجدے کی جگہ پر رکھنی چاہیے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''اس کے بارے میں ایک حدیث بھی آئی ہے، جسے سعید بن منصور نے محمد بن سیرین کی مرسل روایت بیان کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ بیہقی (۲/۲۸۳، ح: ۳۵۳۹) نے اسے متصل سند سے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ مرسل ہی محفوظ ہے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آیت: ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ [المؤمنون: ۲] کے نزول کا سبب یہی مسئلہ ہے۔'' (فتح الباری) روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں اِدھر اُدھر جھانک لیتے تھے، اسی پر یہ آیت اتری: ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ [السنن الكبرى للبيهقي: ٤٠١/٢، ح: ٣٥٤٠] محقق اہلِ علم کے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں ہوتی، اس لیے اس مسئلے میں قرآن مجید کی یہ آیت ہی کافی ہے، چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نظر وہیں رکھنی چاہیے جہاں آدمی کے خشوع میں فرق واقع نہ ہو اور وہ جگہ اپنے سامنے سجدے کی جگہ سے اس کے پاؤں کے درمیان اور اس کے قریب دائیں بائیں جگہ ہے، جہاں وہ بلا تکلف نظر رکھ سکے، البتہ ضرورت کے مطابق امام کی طرف یا اپنے سامنے نگاہ ڈال سکتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سامنے کی دیوار کی طرف دیکھا۔ البتہ تشہد میں شہادت کی انگلی کی طرف نظر رکھنی چاہیے اور دعا کرنی چاہیے۔

٩٢ - بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلَاةِ

92۔ باب: نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا

٧٥٠- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى

750۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے

ابْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَاتِهِمْ؟» فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِي ذَلِكَ حَتَّى قَالَ: «لَيَنْتَهُنَّ عَنْ ذَلِكَ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ»

فرمایا: ''کیا حال ہے ان لوگوں کا جو اپنی نماز میں آسمان کی طرف اپنی نگاہیں اٹھاتے ہیں؟'' چنانچہ اس کے متعلق آپ ﷺ کی گفتگو بہت سخت ہو گئی، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: ''یہ لوگ ہر صورت اس سے باز آجائیں گے یا ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔''

٩٣ـ بَابُ الْالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ

93۔ باب: نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا

٧٥١ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: «هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ» [انظر: ٣٢٩١]

751۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز میں اُدھر اُدھر جھانکنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ ایک طرح کا اچک کر لے جانا ہے جو شیطان بندے کی نماز سے اچک کر لے جاتا ہے۔''

٧٥٢ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى فِي خَمِيصَةٍ لَهَا أَعْلَامٌ، فَقَالَ: «شَغَلَتْنِي أَعْلَامُ هَذِهِ، اذْهَبُوا بِهَا إِلَى أَبِي جَهْمٍ وَأْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةٍ» [راجع: ٣٧٣ـ أخرجه مسلم: ٥٥٦]

752۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک چادر پہن کر نماز پڑھی جس پر نقش و نگار تھے تو فرمایا: ''اس کے نقش و نگار نے مجھے مشغول کر دیا، اسے ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور مجھے سادہ چادر لا دو۔''

فائدہ اس کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۳۷۳)۔

٩٤ـ بَابٌ: هَلْ يَلْتَفِتُ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ، أَوْ يَرَى شَيْئًا أَوْ بُصَاقًا فِي الْقِبْلَةِ؟

94۔ باب: کیا آدمی اپنے آپ کو پیش آنے والے کسی معاملے کے لیے اِدھر اُدھر جھانکے، یا قبلہ میں کوئی انوکھی چیز یا تھوک دیکھے؟

وَقَالَ سَهْلٌ: الْتَفَتَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَرَأَى النَّبِيَّ ﷺ. [راجع: ٦٨٤]

اور سہل نے کہا: ابوبکر ؓ نے جھانکا تو نبی ﷺ کو دیکھ لیا۔

٧٥٣۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ وَهُوَ يُصَلِّي بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ، فَحَتَّهَا، ثُمَّ قَالَ حِينَ انْصَرَفَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ اللَّهَ قِبَلَ وَجْهِهِ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ أَحَدٌ قِبَلَ وَجْهِهِ فِي الصَّلَاةِ»

رَوَاهُ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ وَابْنُ أَبِي رَوَّادٍ، عَنْ نَافِعٍ.

[راجع: ٤٠٦۔ أخرجه مسلم: ٥٤٧]

753۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: نبی ﷺ نے مسجد کے قبلہ والی دیوار میں ایک کھنگار دیکھا، آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے تو اسے کُھرچ دیا، پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص جب نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کے سامنے ہوتا ہے، اس لیے کوئی شخص نماز میں اپنے سامنے کی طرف ہرگز کھنگار نہ پھینکے۔“

اسے موسیٰ بن عقبہ اور ابن ابی رواد نے نافع سے روایت کیا ہے۔

فائدہ اس کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۴۰۵، ۴۰۶)۔

٧٥٤۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثُ ابْنُ سَعْدٍ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسٌ قَالَ: بَيْنَمَا الْمُسْلِمُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ لَمْ يَفْجَأْهُمْ إِلَّا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ، فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ وَهُمْ صُفُوفٌ، فَتَبَسَّمَ يَضْحَكُ، وَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ لَهُ الصَّفَّ، فَظَنَّ أَنَّهُ يُرِيدُ الْخُرُوجَ، وَهَمَّ الْمُسْلِمُونَ أَنْ يَفْتَتِنُوا فِي صَلَاتِهِمْ، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ: أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ، فَأَرْخَى السِّتْرَ وَتُوُفِّيَ مِنْ آخِرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ. [راجع: ٦٨٠۔ أخرجه مسلم: ٣٤١٩]

754۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمان فجر کی نماز میں مصروف تھے کہ اس دوران اچانک انھیں رسول اللہ ﷺ دکھائی دیے، آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی چار دیواری کا پردہ کھولا اور صحابہ کی طرف اس حال میں دیکھا کہ وہ صفوں میں تھے، آپ مسکرا کر ہنس پڑے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑیوں پر پیچھے ہٹے تاکہ آپ کے لیے صف میں مل جائیں، انھوں نے سمجھا کہ آپ آنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ اپنی نماز میں فتنے میں پڑ جائیں (یعنی نماز توڑ دیں) تو آپ نے انھیں اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کرو، پھر آپ نے پردہ گرا دیا اور اس دن کے آخری حصے میں فوت ہو گئے۔

فائدہ ابن بطال نے کہا: ”باب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے پردہ ہٹایا تو صحابہ نے آپ کی طرف جھانکا، اس کی دلیل انس رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا ہے کہ آپ نے انھیں اشارہ کیا، اگر وہ آپ کی طرف نہ جھانکتے تو آپ کا اشارہ نہ دیکھتے۔“ اس کی وضاحت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا حجرہ قبلے کی بائیں طرف تھا، اب اس حجرے میں موجود آدمی کے اشارے کو وہی شخص دیکھ سکتا ہے جو ادھر جھانک رہا ہو۔ نبی ﷺ نے ان کے جھانکنے کے باوجود اس اشارے کے ساتھ ان کی نماز کو قائم قرار دیا۔ (واللہ اعلم) (فتح الباری)

٩٥ - بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، وَمَا يُجْهَرُ فِيهَا وَمَا يُخَافَتُ

95۔ باب: امام اور مقتدی کے لیے تمام نمازوں میں قراءت کا واجب ہونا خواہ حضر میں ہوں یا سفر میں اور جن نمازوں میں اونچی آواز سے قراءت کی جاتی ہے اور جن میں آہستہ کی جاتی ہے

٧٥٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: شَكَا أَهْلُ الْكُوفَةِ سَعْدًا إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَعَزَلَهُ، وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ عَمَّارًا، فَشَكَوْا حَتَّى ذَكَرُوا أَنَّهُ لَا يُحْسِنُ يُصَلِّي، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا أَبَا إِسْحَاقَ! إِنَّ هَؤُلَاءِ يَزْعُمُونَ أَنَّكَ لَا تُحْسِنُ تُصَلِّي، قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ: أَمَّا أَنَا وَاللَّهِ! فَإِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، مَا أَخْرِمُ عَنْهَا، أُصَلِّي صَلَاةَ الْعِشَاءِ فَأَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأُخِفُّ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، قَالَ: ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ يَا أَبَا إِسْحَاقَ! فَأَرْسَلَ مَعَهُ رَجُلًا - أَوْ رِجَالًا - إِلَى الْكُوفَةِ، فَسَأَلَ عَنْهُ أَهْلَ الْكُوفَةِ وَلَمْ يَدَعْ مَسْجِدًا إِلَّا سَأَلَ عَنْهُ، وَيُثْنُونَ مَعْرُوفًا، حَتَّى دَخَلَ مَسْجِدًا لِبَنِي عَبْسٍ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ: أُسَامَةُ بْنُ قَتَادَةَ يُكْنَى أَبَا سَعْدَةَ، قَالَ: أَمَّا إِذْ نَشَدْتَنَا فَإِنَّ سَعْدًا كَانَ لَا يَسِيرُ بِالسَّرِيَّةِ، وَلَا يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ، وَلَا يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ، قَالَ سَعْدٌ: أَمَا وَاللَّهِ! لَأَدْعُوَنَّ بِثَلَاثٍ: اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ عَبْدُكَ هَذَا كَاذِبًا قَامَ رِيَاءً وَسُمْعَةً فَأَطِلْ عُمُرَهُ، وَأَطِلْ فَقْرَهُ، وَعَرِّضْهُ بِالْفِتَنِ، وَكَانَ

755۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہلِ کوفہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سعد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو انھوں نے انھیں معزول کر دیا اور عمار رضی اللہ عنہ کو ان کا عامل مقرر کر دیا۔ تو کوفے والوں نے سعد رضی اللہ عنہ کی کئی شکایتیں کیں، حتی کہ انھوں نے یہ کہہ دیا کہ وہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھاتے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بلا بھیجا اور کہا: اے ابو اسحاق! یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ آپ نماز اچھی طرح نہیں پڑھاتے۔ ابو اسحاق (سعد رضی اللہ عنہ) نے کہا: میں تو اللہ کی قسم! انھیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح نماز پڑھاتا ہوں، اس میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ میں عشاء کی نماز پڑھاتا ہوں تو پہلی دو رکعتوں میں ٹھہرتا ہوں اور پچھلی دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابو اسحاق! تمھارے بارے میں صحیح گمان یہی ہے۔ تو انھوں نے ان کے ساتھ ایک آدمی یا کچھ آدمی کوفہ بھیجے۔ تو اس نے اہلِ کوفہ سے سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا اور اس نے کوئی مسجد نہیں چھوڑی جس میں ان کے بارے میں سوال نہ کیا ہو۔ وہ سب ان کی بہت اچھی تعریف کرتے تھے یہاں تک کہ وہ بنو عبس کی ایک مسجد میں گئے تو ان میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا جسے اسامہ بن قتادہ کہا جاتا تھا، کنیت اس کی ابو سعدہ تھی۔ اس نے کہا: جب آپ نے ہمیں قسم دے کر پوچھا

بَعْدُ إِذَا سُئِلَ يَقُولُ: شَيْخٌ كَبِيرٌ مَفْتُونٌ، أَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعْدٍ.

ہے تو حقیقت یہ ہے کہ سعد (ؓ) نہ کوئی لشکر لے کر نکلتے ہیں اور نہ برابری کے ساتھ تقسیم کرتے ہیں اور نہ ہی فیصلے میں انصاف کرتے ہیں۔ تو سعد ؓ نے کہا: سن، اللہ کی قسم! میں تین دعائیں کروں گا، اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے، صرف دکھلاوے اور شہرت کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر لمبی کر دے اور اس کی فقیری لمبی کر دے اور اسے فتنوں کا نشانہ بنا دے۔ (تو اس کا یہی حال ہوا) چنانچہ بعد میں جب اس سے اس کا حال پوچھا جاتا تو وہ کہا کرتا تھا: بہت زیادہ بوڑھا ہوں، فتنے میں پڑا ہوں، مجھے سعد کی بددعا لگ گئی ہے۔

قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ: فَأَنَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ قَدْ سَقَطَ حَاجِبَاهُ عَلَى عَيْنَيْهِ مِنَ الْكِبَرِ، وَ إِنَّهُ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوَارِي فِي الطُّرُقِ يَغْمِزُهُنَّ. [انظر: ۷۵۸، ۷۷۰۔ أخرجه مسلم: ۴۵۳ مختصرًا]

عبد الملک نے کہا: پھر میں نے اسے اس کے بعد دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کے دونوں ابرو آنکھوں پر گرے ہوئے تھے، اس کے باوجود وہ راستوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا، ان کی چٹکیاں لیتا تھا۔

فوائد ومسائل 1 یہ باب امام صاحب نے اس لیے قائم فرمایا ہے کہ بعض لوگ بعض نمازوں میں قرآن کی قراءت کے قائل نہیں ہیں، مثلاً وہ نمازِ جنازہ میں قرآن مجید کی قراءت کرتے ہی نہیں، نہ امام نہ مقتدی۔ بعض مقتدی کے لیے جہری یا سری کسی نماز میں قراءت کے قائل نہیں۔ بعض مقتدی کے لیے جہری میں قائل نہیں، سری میں قائل ہیں۔ امام بخاری ؒ کا موقف یہ ہے کہ قرآن کی قراءت امام، مقتدی سب کے لیے واجب ہے۔ اکیلے کا ذکر نہیں کیا، وہ امام کے ضمن میں آ گیا ہے۔ اسی طرح قرآن کی قراءت تمام نمازوں میں واجب ہے، فرض ہوں یا نفل، صلاۃ وتر ہو یا عیدین یا کسوف یا استسقا یا نمازِ تسبیح یا نمازِ جنازہ، غرض قراءت کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح حضر کی نماز ہو یا سفر کی قراءت سب میں فرض ہے، اس کی صراحت اس لیے کی کہ سفر کی نماز میں قصر کی اجازت ہے، کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ اس میں قراءت کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے۔ امام بخاری نے اس مسئلے کو ثابت کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام "جُزْءُ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ" ہے، بہت مدلل اور قابلِ مطالعہ کتاب ہے، اس کا اردو ترجمہ بھی عام ملتا ہے۔

2 امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ نے سنہ ۱۴ ہجری میں سعد بن ابی وقاص ؓ کو اہلِ فارس کے خلاف جنگ کے لیے امیر مقرر کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں عراق فتح کروایا۔ پھر سنہ ۱۷ ہجری میں انھوں نے شہر کوفہ کا نقشہ تیار کر کے اس کی بنیاد رکھی اور اسے تعمیر کیا اور بقول خلیفہ بن خیاط سنہ ۲۱ ہجری تک اور بقول طبری ۲۰ ہجری تک اس کے امیر رہے۔ اس کے

بعد کوفہ کے کچھ لوگوں نے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی متعدد شکایتیں کیں، جیسا کہ اس حدیث میں ذکر ہے، تو انھوں نے ان کو معزول کر کے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ کا عامل مقرر کر دیا۔ خلیفہ نے کہا: انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کو نماز کے لیے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیت المال کے لیے اور عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو زمین کی پیمائش کے لیے مقرر فرمایا۔

3 اہل کوفہ سارے شکایت کے لیے نہیں آئے تھے، ان میں سے کچھ آدمیوں نے آ کر کئی شکایتیں کیں، جن میں سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جراح بن سنان، قبیصہ، اربد اسدی اور اشعث بن قیس کا نام نقل کیا ہے۔ شکایات یہ تھیں کہ انھوں نے خمس کا مال فروخت کرتے ہوئے بے جا رعایت کی ہے اور گھر کے دروازے پر لکڑی کا دروازہ لگوایا ہے جس کے لگنے سے ان کے بقول بازار کا شور ختم ہو گیا ہے اور جہاد کے لیے نکلنے کی بجائے وہ شکار میں مصروف رہتے ہیں اور یہ کہ وہ نماز صحیح نہیں پڑھاتے۔ زبیر بن بکار نے ''کتاب النسب'' میں لکھا ہے کہ اہل کوفہ نے ان کے خلاف کئی باتوں کی شکایت کی، جس پر عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اچھی طرح تحقیق کی تو سب کو بے بنیاد پایا۔ اس کی تائید عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت سے بھی ہوتی ہے، جس میں انھوں نے فرمایا کہ میں نے سعد رضی اللہ عنہ کو کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا۔ یہ وصیت مناقب عثمان میں آ رہی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کی انھیں معزول کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے وہاں رہنے سے فتنہ پرور لوگ اختلاف کی فضا نہ پیدا کر دیں۔ بعض نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے پاس رکھنے کے لیے کوفہ سے معزول کیا، کیونکہ وہ ان کے مشورے کی مجلس میں شامل تھے اور بعض نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ وہ کسی عامل کو چار سال سے زیادہ ایک جگہ نہیں رہنے دیتے تھے (مگر یہ بات محل نظر ہے)۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خلیفہ کے پاس کسی عامل کی شکایت آئے تو وہ اسے معزول کر سکتا ہے خواہ اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہ ہو۔ مالک رحمہ اللہ نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا، حالانکہ وہ بعد میں قیامت تک آنے والے تمام لوگوں سے زیادہ عادل تھے۔ (فتح الباری)

4 نماز کے متعلق ان کی شکایت کے جواب میں سعد رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا کہ میں انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھاتا تھا، اس میں کوئی کمی نہیں کرتا تھا۔ وہ اس طرح کہ پہلی دو رکعتیں لمبی پڑھاتا تھا اور پچھلی دو رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شکایت کرنے والے جاہل تھے، ان کے خیال میں چاروں رکعتوں میں قیام برابر ہونا چاہیے تھا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ نہیں تھا، اس لیے سعد رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا: «تُعَلِّمُنِي الْأَعْرَابُ بِالصَّلَاةِ !؟» [مسلم: ٤٥٣/١٦٠] ''کیا یہ بدو مجھے نماز سکھائیں گے!؟''

5 امام بخاری رحمہ اللہ نے جو باب قائم کیا ہے اس حدیث سے اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا حوالہ دے کر چاروں رکعتوں میں قراءت کا ذکر کیا، پہلی دو رکعتوں میں لمبی اور دوسری دو رکعتوں میں ہلکی قراءت کا۔ اس سے نماز میں قراءت کا وجوب ثابت ہوتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اس طرح تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي» [بخاري: ٦٣١] ''تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔''

6 امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے بعد ان کے متعلق تحقیق کے لیے ان کے ساتھ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ

اور کچھ آدمیوں کو کوفہ بھیجا، جنھوں نے ایک ایک مسجد میں جا کر ان کے متعلق پوچھا تو سب نے ان کی صفائی پیش کی اور ان کی تعریف کی۔ معزول کرنے کے بعد تحقیق اس لیے کہ اگر واقعی ان میں کوئی کمی ہو تو ان کے منصب پر قائم ہونے کی وجہ سے کوئی شخص ان کے خلاف شہادت سے اجتناب نہ کرے۔ یاد رہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنے عمال کے متعلق تحقیق کے لیے عموماً محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ ہی کو بھیجا کرتے تھے۔

7 ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ يَا أَبَا إِسْحَاقَ ! : اس بات سے اور کنیت کے ساتھ مخاطب کرنے سے امیر المومنین کے ہاں سعد رضی اللہ عنہ کے مقام اور ان کے اکرام کا پتا چلتا ہے۔

8 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ کے خلاف الزام لگانے والے نے ان پر تین الزام لگائے، اتنی بڑی زیادتی کے باوجود ان کا انصاف دیکھیے کہ انھوں نے شدید غصے کے باوجود الزام لگانے والے کے خلاف دعا کرتے ہوئے انصاف کا دامن نہیں چھوڑا۔ چنانچہ سب سے پہلے یہ کہا کہ یا اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور صرف نمائش اور شہرت کے لیے کھڑا ہوا ہے، پھر اس کے خلاف تین دعائیں کیں، کیونکہ اس نے ان سے تین فضائل کی نفی کی تھی، " لَا يَنْفِرُ " کہہ کر شجاعت کی نفی اور " لَا يَقْسِمُ " کہہ کر عفت کی نفی اور " لَا يَعْدِلُ " کہہ کر حکمت کی نفی کی تھی۔ اس لیے سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف تین دعائیں کیں، جن میں سے عمر لمبی ہونے کی بد دعا اس کی ذات سے تعلق رکھتی ہے اور طولِ فقر کی بد دعا مال سے تعلق رکھتی ہے اور فتنوں میں پڑنے کی بد دعا دین سے تعلق رکھتی ہے۔

9 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے مختلف کتابوں کے حوالے سے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ پھر وہ شخص بہت بوڑھا ہو گیا اور نابینا ہو گیا اور اس کے ہاں دس بیٹیاں جمع ہو گئیں، اس کے باوجود وہ گلیوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا اور جونہی کسی عورت کی آہٹ پاتا اسے چمٹ جاتا اور اسے چٹکی کاٹ لیتا۔ لوگ پوچھتے تو کہتا کہ مجھے مبارک سعد کی بد دعا لگ گئی ہے اور جو فتنہ بھی ہوتا اس میں وہ شامل ہوتا تھا، حتیٰ کہ مختار کے فتنے میں قتل ہوا۔ (فتح الباری)

10 اس میں سعد رضی اللہ عنہ کی قبولیتِ دعا کی کرامت اور فضیلت بھی ظاہر ہے۔ ان کا ''مستجاب الدعاۃ'' ہونا مشہور و معروف تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی: « اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ إِذَا دَعَاكَ » [ترمذي : ۳۷۵۱ ، صحیح] ''یا اللہ! جب سعد تجھ سے دعا کرے تو اسے قبول فرما۔''

۷۵٦۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ : حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ » [أخرجه مسلم : ۳۹٤]

756۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص فاتحۃ الکتاب نہ پڑھے اس کی کوئی نماز نہیں۔''

فوائد 1 یہ حدیث بخاری، مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، سنن دار قطنی، مسند ابی عوانہ، سنن

بیہقی، سنن دارمی، کتاب القراءۃ اور جزء القراءۃ، غرض حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں موجود ہے۔ صحیح ابن خزیمہ (۴۸۸) میں یہ حدیث محمد بن ولید القرشی عن سفیان کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے: «لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ» امام بخاری رحمہ اللہ نے ''جزء القراءۃ (ص: ۷)'' میں اس حدیث کو متواتر قرار دیا ہے۔ یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ سورۂ فاتحہ کی قراءت نماز کا رکن ہے، کیونکہ اس کے بغیر کوئی نماز ہوتی ہی نہیں، خواہ امام کی ہو یا منفرد کی یا مقتدی کی، فرض نماز ہو یا نفل اور سفر کی ہو یا حضر کی، جہری ہو یا سری، فاتحہ ہر نماز میں واجب اور اس کا رکن ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کی کوئی ایک آیت پڑھ لے تو نماز ہو جاتی ہے، ان کے ہاں فاتحہ کا پڑھنا نہ امام کے لیے ضروری ہے نہ منفرد کے لیے اور مقتدی کو تو فاتحہ یا کوئی آیت پڑھنے کی اجازت ہی نہیں۔ یہ حضرات " لَا صَلَاةَ " کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی نماز کامل نہیں ہوتی، کیونکہ جو شخص فاتحہ کے بغیر نماز پڑھتا ہے سب کو نظر آ رہا ہے کہ نماز اس نے پڑھی ہے، یہ تو کہا نہیں جا سکتا کہ اس کی نماز ہے ہی نہیں، اس لیے یہی کہا جائے گا کہ اس کی نماز کامل نہیں، وہ فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا مگر اس کی نماز ہو جائے گی۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ نماز تو اس شخص نے بھی پڑھی تھی جس کا ذکر اس کے بعد والی حدیث میں آ رہا ہے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اسے بار بار کہا کہ دوبارہ نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس شخص پر میرا تعجب ختم نہیں ہوتا جو جان بوجھ کر سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اور نماز کے ارکان میں اطمینان بھی نہیں کرتا، صرف اس لیے کہ کسی دوسرے کے مذہب کی مخالفت کر کے دکھائے، حالانکہ وہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے نماز پڑھ رہا ہے، پھر جان بوجھ کر گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔ (فتح الباری)

3 یہ حدیث ایک مفصل حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں اس حدیث کا سبب بھی بیان ہوا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''جزء القراءۃ (۱۵۸، ۱۵۹)'' میں اور ترمذی (۳۱۱) اور ابن حبان (۱۷۸۵) وغیرہ نے ''مکحول عن محمود بن ربیع عن عبادہ بن صامت'' کے طریق سے روایت کی ہے: «صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْغَدَاةِ قَالَ: فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنِّي لَأَرَاكُمْ تَقْرَؤُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ ؟ قُلْنَا: أَجَلْ يَا رَسُولَ اللَّهِ ! قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ، فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا» ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور آپ ﷺ پر قراءت بھاری ہو گئی، جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا: ''شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟'' ہم نے کہا: جی ہاں! یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اُم القرآن کے سوا یہ کام نہ کرو، کیونکہ جو اسے نہ پڑھے اس کی کوئی نماز نہیں۔'' اس حدیث پر کلام اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے وجوب کے متعلق امام بخاری کی ''جزء القراءۃ''، امام بیہقی کی کتاب ''القراءۃ خلف الامام''، مولانا عبدالرحمان مبارکپوری کی ''تحقیق الکلام''، ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی کی ''خیر الکلام''، مولانا ارشاد الحق اثری کی ''توضیح الکلام'' اور شیخ زبیر علی زئی کی کتاب ''مسئلہ فاتحہ خلف الامام'' قابلِ مطالعہ ہیں۔ یہاں اس مسئلے میں ایک واضح حدیث صحیح مسلم سے نقل کی جاتی ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ـ ثَلَاثًا ـ غَيْرُ تَمَامٍ» ''جو شخص کوئی نماز پڑھے جس میں وہ اُم القرآن نہ پڑھے تو وہ

ناقص ہے۔ تین دفعہ فرمایا۔ پوری نہیں ہے۔'' تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: اسے اپنے دل میں پڑھو، کیونکہ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: « قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ، وَ لِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ : ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ، وَإِذَا قَالَ : ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ ، وَإِذَا قَالَ : ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ قَالَ : مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ ۔ وَقَالَ مَرَّةً : فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِيْ ۔ فَإِذَا قَالَ : ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ قَالَ : هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ، وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ : ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ قَالَ : هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ » [مسلم : ۳۹۵/۳۸] ''میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو نصفوں میں تقسیم کر رکھا ہے، تو جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری حمد کی ہے اور جب وہ ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری ثنا کی ہے اور جب وہ ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ کہتا ہے تو وہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ اور ایک بار یہ فرمایا: میرے بندے نے اپنا کام میرے سپرد کر دیا۔ پھر جب وہ ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ کہتا ہے تو وہ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا۔ پھر جب وہ ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ کہتا ہے تو وہ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا۔'' یاد رہے کہ دل میں پڑھنے سے مراد آہستہ پڑھنا ہے، کیونکہ زبان ہلائے بغیر پڑھا نہیں جا سکتا، اسے سوچنا یا غور و فکر کرنا کہتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص زبان ہلائے بغیر نماز کے الفاظ دل میں پڑھے تو بالاتفاق اس کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے تکبیر اور قراءت اور دوسرے اذکار نہیں پڑھے۔

جو لوگ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے وہ دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں: « مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَتَهُ لَهُ قِرَاءَةٌ » ''جو آدمی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت ہی اس کی قراءت ہے۔'' اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' لٰكِنَّهُ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ عِنْدَ الْحُفَّاظِ وَقَدِ اسْتَوْعَبَ طُرُقَهُ وَعِلَلَهُ الدَّارَ قُطْنِيُّ (۱۲۳۳۔۱۲۳۶) وَغَيْرُهُ . '' یعنی یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے تمام طرق دار قطنی اور دوسرے حضرات نے بیان کیے ہیں اور اس کی خرابیاں بھی بیان کی ہیں۔ اس کے علاوہ آیت: ﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا ﴾ [الأعراف : ۲۰۴] اور حدیث: « وَ إِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا » بیان کرتے ہیں کہ امام جب پڑھے تو تم خاموش رہو، حالانکہ خاموش رہ کر سورۂ فاتحہ پڑھی جا سکتی ہے، خاموشی پڑھنے کے خلاف نہیں ہے، جیسا کہ صحیح بخاری ہی میں اس سے پہلے حدیث (۷۴۴) گزری ہے کہ صحابہ نے نبی ﷺ سے پوچھا: « إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةِ مَا تَقُوْلُ ؟ » ''تکبیر اور قراءت کے درمیان اپنی خاموشی میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں یہ دعا پڑھتا ہوں '' اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ ...... '' خود ان حضرات کا

عمل ہے کہ فجر کی جماعت ہو رہی ہو، امام قرآن پڑھ رہا ہو تو یہ لوگ فجر کی سنتیں پڑھ رہے ہوتے ہیں، حالانکہ جماعت کھڑی ہونے کے بعد الگ کوئی نماز ہوتی ہی نہیں۔ ان حضرات کو " وَ إِذَا قُرِئَ فَأَنْصِتُوْا " اور " فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ أَنْصِتُوْا " کا مطلب سمجھانے کے لیے ان کا اپنا یہ عمل ہی کافی ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

۷۵۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى، فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَرَدَّ وَقَالَ: « ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ » فَرَجَعَ يُصَلِّي كَمَا صَلَّى، ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: « ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ » ثَلَاثًا، فَقَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ فَعَلِّمْنِي، فَقَالَ: « إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، وَافْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا » [انظر: ۷۹۳، ۶۲۵۱، ۶۲۵۲، ۶۶۶۷، وانظر في الصلاة، باب: ۳۱۔ أخرجه مسلم: ۳۹۷]

757۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک آدمی آیا، اس نے نماز پڑھی اور نبی ﷺ کو سلام کہا، آپ نے اسے جواب دیا اور فرمایا: "واپس جاؤ اور نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔" وہ واپس گیا اور پھر اسی طرح نماز پڑھی جیسے پہلے پڑھی تھی۔ وہ پھر آیا اور نبی ﷺ کو سلام کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "واپس جاؤ اور نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔" تین بار فرمایا، تو اس نے کہا: قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس کے سوا اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا، اس لیے آپ مجھے سکھا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، پھر قرآن میں سے تمھیں جو میسر ہے پڑھو، پھر رکوع کرو یہاں تک کہ تم رکوع کرتے ہوئے مطمئن ہو جاؤ، پھر سر اٹھاؤ حتیٰ کہ تم سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ سجدہ کرتے ہوئے مطمئن ہو جاؤ، پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ بیٹھے ہوئے مطمئن ہو جاؤ اور یہی کام اپنی پوری نماز میں کرو۔"

فائدہ اس حدیث کو حدیث " مُسِيْءُ الصَّلَاةِ " کہا جاتا ہے، یعنی نماز کو درست نہ پڑھنے والے کی حدیث۔ اس میں آپ ﷺ نے اسے نماز شروع کرنے کے بعد " مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ " (جو قرآن میں سے تمھیں میسر ہے) پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ابوداؤد کی " كِتَابُ الصَّلَاةِ " میں " بَابُ صَلَاةِ مَنْ لَا يُقِيْمُ صُلْبَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ " میں بھی " مُسِيْءُ الصَّلَاةِ " والی حدیث متعدد سندوں سے رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جس میں قرآن پڑھنے

کے متعلق تین صورتیں بیان ہوئی ہیں جن سے " مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ " (جو قرآن میں سے میسر ہو) کی وضاحت ہوتی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے: « إِذَا قُمْتَ فَتَوَجَّهْتَ إِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَبِمَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَقْرَأَ » [أبو داؤد : ٨٥٩] ''جب تو کھڑا ہو اور قبلے کی طرف منہ کرے تو تکبیر کہہ، پھر اُم القرآن پڑھ اور جو اللہ چاہے کہ تو پڑھے۔'' دوسری یہ ہے: « ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ عَلَيْكَ مِنَ الْقُرْآنِ » [أبو داؤد : ٨٦٠] ''پھر جو قرآن میں سے تم پر آسان ہو وہ پڑھو۔'' تیسری یہ ہے: « فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ بِهِ وَ إِلَّا فَاحْمَدِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَكَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ » [أبو داؤد : ٨٦١] ''پھر اگر تمھارے پاس کچھ قرآن ہے تو اسے پڑھ، ورنہ اللہ عزوجل کی حمد کر اور " اَللّٰهُ أَكْبَرُ " اور " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " پڑھ۔''

ان احادیث کو جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ اگر یاد ہو تو سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ جو پڑھ سکے پڑھے، اگر یہ یاد نہ ہو تو قرآن میں سے جو یاد ہو وہ پڑھ لے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اس کی جگہ " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " پڑھے۔ ابو داؤد میں عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں قرآن میں سے کچھ بھی یاد نہیں کر سکتا، اس لیے آپ مجھے وہ چیز سکھائیں جو مجھے قرآن کی جگہ کافی ہو، تو آپ نے فرمایا: ''یوں کہو: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔'' [أبو داؤد : ٨٣٢]

٩٦ - بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ

96۔ باب: ظہر کی نماز میں قراءت

٧٥٨ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ سَعْدٌ: كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ، لَا أَخْرِمُ عَنْهَا، أَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأُحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ذٰلِكَ الظَّنُّ بِكَ. [راجع : ٧٥٥ - أخرجه مسلم : ٤٥٣]

758۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ان (کوفہ والوں) کو پچھلے پہر کی دونوں نمازیں رسول اللہ ﷺ والی نماز کی طرح پڑھایا کرتا تھا، اس میں کوئی کمی نہیں کرتا تھا۔ میں پہلی دو رکعتوں میں ٹھہرتا تھا اور پچھلی دو رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمھارے بارے میں صحیح گمان یہی ہے۔

فائدہ یہ حدیث (٧٥٥) میں گزر چکی ہے، وہاں بخاری کے تمام نسخوں میں سعد رضی اللہ عنہ کے عشاء کی نماز پڑھانے کا ذکر ہے، صرف جرجانی کے نسخے میں " الْعَشِيِّ " کا لفظ ہے جس کا معنی پچھلے پہر کی نماز ہے، جیسا کہ زیر شرح حدیث میں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہی لفظ راجح ہے۔ زیرِ شرح حدیث میں " اَلْكُشْمِيهَنِيُّ " کے سوا تمام نسخوں میں " صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ " کے الفاظ ہیں۔ اس کے علاوہ ابو داؤد طیالسی (٢١٤) نے اپنی مسند میں ابو عوانہ سے " صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ " کے الفاظ بیان کیے ہیں۔ اس لیے راجح بات یہی ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے " صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ " کے الفاظ کہے ہیں جن سے

مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے۔ (فتح الباری)

٧٥٩۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، يُطَوِّلُ فِي الْأُولَى وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ، وَيُسْمِعُ الْآيَةَ أَحْيَانًا، وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الْأُولَى، وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ. [انظر: ٧٦٢، ٧٧٦، ٧٧٨، ٧٧٩۔ أخرجه مسلم: ٤٥١]

759۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحۃ الکتاب اور دو سورتیں پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت میں لمبی اور دوسری میں چھوٹی قراءت کرتے اور بعض اوقات کوئی آیت سنا بھی دیتے تھے۔ اور آپ عصر کی نماز میں فاتحۃ الکتاب اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور پہلی رکعت کو (دوسری رکعت سے) کچھ لمبا کرتے تھے۔ اور صبح کی پہلی رکعت میں لمبی قراءت کرتے اور دوسری میں چھوٹی قراءت کرتے تھے۔

٧٦٠۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، حَدَّثَنِي عُمَارَةُ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، قَالَ: سَأَلْنَا خَبَّابًا: أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْرِفُونَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ. [راجع: ٧٤٦]

760۔ ابو معمر سے روایت ہے کہ ہم نے خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ ظہر اور عصر میں قراءت کرتے تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں! ہم نے کہا: تم یہ بات کس طرح پہچانتے تھے؟ انھوں نے کہا: آپ کی داڑھی کے ہلنے کے ساتھ۔

فوائد: 1 اس باب اور اس کے بعد والے باب سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ ظہر اور عصر میں قراءت کرتے تھے اور پوشیدہ قراءت کرتے تھے۔ پہلی حدیث میں قراءت کی دلیل یہ واضح الفاظ ہیں کہ ”آپ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے“ اور آہستہ پڑھنے کی دلیل یہ الفاظ ہیں کہ ”بعض اوقات آپ ہمیں کوئی آیت سنا بھی دیتے تھے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عموماً پوشیدہ قراءت کرتے تھے، کبھی کوئی آیت اونچی بھی پڑھ دیتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ظہر یا عصر میں اگر پوری ایک آیت اونچی پڑھ دے تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہے ان کی بات درست نہیں۔ نسائی (۹۷۱) میں براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی ﷺ کے پیچھے ظہر پڑھتے تو ہم سورۂ لقمان اور ذاریات میں سے آیت کے بعد آیت سنتے تھے اور ابن خزیمہ (۵۱۲) میں انس رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی مروی ہے، لیکن انھوں نے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ اور ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾ کا ذکر کیا ہے۔ اس سے سری نمازوں میں جہر کے جواز کی دلیل ملتی ہے اور جہر پر سجدۂ سہو کے لزوم کا رد ملتا ہے۔ نبی ﷺ کبھی کبھی اونچی آواز سے جان بوجھ کر بیانِ جواز کے لیے پڑھتے تھے یا استغراق کی وجہ سے

خود بخود آواز بلند ہو جاتی تھی، ہر دو صورتوں میں جواز ثابت ہوتا ہے۔ (فتح الباری) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ یہ بتانے کے لیے کوئی آیت اونچی پڑھ دیتے ہوں کہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ آپ قراءت کر رہے ہیں، بالکل خاموش نہیں ہیں اور آیت کے بعد آیت کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ آیات بھی اونچی آواز سے پڑھ دیتے تھے۔ دوسری حدیث میں قراءت کی دلیل یہ ہے کہ جب خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں قراءت کرتے تھے تو انھوں نے ہاں میں جواب دیا اور پوشیدہ قراءت کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا علم آپ کی داڑھی ہلنے سے ہوتا تھا۔ داڑھی اگرچہ ذکر اور دعا سے بھی حرکت کر سکتی ہے مگر صحابی اسے قراءت کی وجہ سے قرار دے رہا ہے۔ اس کے علاوہ قیام کا یہ محل دعا اور ذکر کا نہیں بلکہ قراءت کا ہے۔

2 پہلی رکعت لمبی ہونے کی وجہ اس کے شروع میں دعائے استفتاح کا ہونا ہے، ورنہ پہلی دونوں رکعتیں قراءت میں عموماً برابر ہوتی تھیں، جیسا کہ صحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سے ہر ایک میں تیس آیات کی مقدار قراءت کرتے تھے اور اس کی پچھلی دو رکعتوں میں سے ہر ایک میں پندرہ آیات کی مقدار قراءت کرتے تھے۔ [مسلم، باب القراءة في الظهر و العصر : ۴۵۲/۱۵۷] البتہ کبھی کبھی پہلی رکعت دوسری رکعت سے قراءت میں بھی لمبی ہوتی تھی، جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ ظہر کی نماز کھڑی ہو جاتی تھی، پھر جانے والا البقیع میں جاتا، قضائے حاجت کر کے واپس آتا اور وضو کرتا، پھر مسجد میں آتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت کو لمبا کرنے کی وجہ سے ابھی تک پہلی رکعت ہی میں ہوتے تھے۔ [مسلم، باب القراءة في الظهر و العصر : ۴۵۴/۱۶۱]

3 بعض حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ظہر اور عصر کی پچھلی دو رکعتوں میں قراءت ہے ہی نہیں، کیونکہ اس میں صرف پہلی دو رکعتوں میں قراءت کا ذکر ہے۔ مگر ان حضرات کی بات درست نہیں، کیونکہ یہاں سے دس باب بعد باب (۱۰۷) میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث میں آ رہا ہے کہ آپ پچھلی دو رکعتوں میں فاتحہ کی قراءت کرتے تھے۔

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہونٹ اور زبان ہلائے بغیر دل میں قراءت معتبر نہیں، پوشیدہ قراءت میں بھی زبان اور ہونٹ ہلائے جائیں گے، صرف دل سے سوچنا کافی نہیں۔

5 یہ حدیث دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی گھنی اور لمبی تھی، کیونکہ مقتدیوں کو ایسی ہی داڑھی کی حرکت واضح نظر آ سکتی ہے۔

٩٧ - بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعَصْرِ

97۔ باب: عصر کی نماز میں قراءت

٧٦١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، قَالَ : قُلْتُ لِخَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ : أَكَانَ

761۔ ابو معمر سے روایت ہے کہ میں نے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں قراءت کرتے تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں! میں نے کہا: تم آپ کی

النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: قُلْتُ: بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ قِرَاءَتَهُ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ. [راجع: ٧٤٦]

قراءت کس چیز سے معلوم کرتے تھے؟ انھوں نے کہا: آپ کی ڈاڑھی کے ہلنے سے۔

٧٦٢ ـ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَسُورَةٍ سُورَةٍ، وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا. [راجع: ٧٥٩]

762۔ ابو قتادہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحۃ الکتاب اور ایک ایک سورت پڑھتے تھے اور آپ بعض اوقات ہمیں کوئی آیت سنا بھی دیا کرتے تھے۔

٧٥٩ـ أخرجه مسلم: ٤٥١

فائدہ پچھلے باب میں ان احادیث پر بات گزر چکی ہے۔

٩٨ ـ بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ

98۔ باب: مغرب کی نماز میں قراءت

٧٦٣ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أُمَّ الْفَضْلِ سَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقْرَأُ: ﴿وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا﴾ فَقَالَتْ: يَا بُنَيَّ! وَاللّٰهِ! لَقَدْ ذَكَّرْتَنِي بِقِرَاءَتِكَ هٰذِهِ السُّورَةَ، إِنَّهَا لَآخِرُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهَا فِي الْمَغْرِبِ. [انظر: ٤٤٢٩]

763۔ ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ام الفضل ؓ نے انھیں سنا کہ وہ سورۂ ﴿وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا﴾ پڑھ رہے تھے، تو انھوں نے کہا: پیارے بیٹے! اللہ کی قسم! تم نے یہ سورت پڑھ کر مجھے یاد کروا دیا، کیونکہ یہ آخری سورت ہے جسے میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں پڑھتے ہوئے سنا۔

٤٤٢٩ـ أخرجه مسلم: ٤٦٢

فوائد 1 ام الفضل ؓ عبداللہ بن عباس ؓ کی والدہ ہیں، نام ان کا لبابہ بنت الحارث ہے، ام المومنین میمونہ ؓ کی بہن ہیں۔ خالد بن ولید ؓ بھی ان دونوں کے بھانجے تھے۔

2 صحیح بخاری کے "بَابُ الْوَفَاةِ" (۴۴۲۹) میں ام الفضل ؓ کے الفاظ یہ ہیں کہ پھر آپ نے ہمیں اس کے بعد فوت ہونے تک کوئی نماز نہیں پڑھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے آخری نماز جو پڑھائی وہ مغرب تھی، جب کہ اس سے پہلے "بَابٌ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ" (٦٨٧) میں عائشہ ؓ کا بیان گزرا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اپنے

مرض الموت میں آخری نماز جو پڑھائی وہ ظہر تھی۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مغرب کی یہ نماز گھر میں پڑھائی تھی، جیسا کہ سنن نسائی (۹۸۵) میں ہے اور مسجد میں صحابہ کو آخری نماز جو پڑھائی وہ ظہر تھی۔ (فتح الباری)

٧٦٤ ـ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ مَرْوَانَ ابْنِ الْحَكَمِ، قَالَ: قَالَ لِي زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: مَا لَكَ تَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارٍ، وَقَدْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ بِطُولَى الطُّولَيَيْنِ.

764۔ مروان بن حکم سے روایت ہے کہ مجھے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: تمھیں کیا ہے کہ تم مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھتے ہو، حالانکہ میں نے نبی ﷺ کو سنا آپ دو لمبی سورتوں میں سے زیادہ لمبی سورت پڑھتے تھے۔

فوائد 1 مروان بن حکم ان دنوں معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ منورہ کے امیر تھے۔ اس مبارک زمانہ میں خلیفہ اور اس کے امراء خود جماعت کرواتے تھے اور نماز کو ایمان کا جزو اور مسلمان کی پہچان سمجھا جاتا تھا، اس لیے کسی کی جرأت نہیں تھی کہ تارکِ نماز ہو۔ یہ حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے امر بالمعروف کی بھی ایک مثال ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حاکمِ وقت کو دین کی بات پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی۔

2 مروان نمازِ مغرب میں جو چھوٹی سورتیں پڑھتے تھے ان کا ذکر سنن نسائی (۹۸۹) میں ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے ابوعبدالملک! کیا آپ مغرب میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ پڑھتے ہیں!؟ (فتح الباری)

3 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس بات پر اتفاق ہے کہ " طُولَى الطُّولَيَيْنِ " (دو لمبی سورتوں میں سے زیادہ لمبی سورت) سے مراد سورۂ اعراف ہے اور جس کے مقابلے میں زیادہ لمبی ہے اس کے متعلق تین اقوال ہیں، جن میں سے محفوظ سورۂ انعام ہے۔ (فتح الباری)

4 بعض لوگ جو مغرب میں لمبی سورت پڑھنا جائز نہیں سمجھتے وہ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سورۂ اعراف ساری نہیں بلکہ اس کی چند آیات پڑھ لیتے ہوں گے، لیکن اگر یہ مطلب ہو تو مروان کے عمل پر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے انکار کا کچھ مطلب نہیں رہتا، جبکہ صحیح ابن خزیمہ (۵۱۸) میں ہے کہ زید رضی اللہ عنہ نے مروان سے کہا: « إِنَّكَ تُخِفُّ الْقِرَاءَةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ، فَوَاللّٰهِ! لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِيهِمَا بِسُوْرَةِ الْأَعْرَافِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَمِيْعًا » ”(اے مروان!) آپ مغرب کی دونوں رکعتوں میں ہلکی قراءت کرتے ہیں، مگر اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ اس کی دونوں رکعتوں میں سورۂ اعراف پڑھا کرتے تھے۔“

5 زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کی نماز میں کبھی کبھی لمبی سورتیں پڑھنا بھی مسنون ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: مغرب کی نماز میں قراءت کے اندازے کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے تین احادیث بیان کی ہیں، تینوں کی مقدار مختلف ہے۔ چنانچہ اعراف سبع طوال سے ہے، طور مفصل کی لمبی سورتوں سے اور مرسلات مفصل کی درمیانی

سورتوں سے ہے۔ میں نے کوئی مرفوع حدیث ایسی نہیں دیکھی جس میں صاف الفاظ ہوں کہ مغرب کی نماز میں مفصل کی چھوٹی سورتیں پڑھنی چاہییں، سوائے دو حدیثوں کے، ایک ابن ماجہ (٨٣٣) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث جس میں سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص کی صراحت ہے اور اسی کی مثل ابن حبان (١٨٤١) میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان میں سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی سند بظاہر صحیح مگر درحقیقت معلول ہے۔ دارقطنی نے "العلل (٢٩٩٤)" میں کہا: اس میں اس کے بعض راویوں نے خطا کی ہے۔ رہی جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس میں سعید بن سماک راوی متروک ہے۔ ہاں! رافع کی حدیث جو "مواقیت (٥٥٩)" میں گزری ہے کہ صحابہ نمازِ مغرب کے بعد تیر پھینکتے تو اس کے گرنے کی جگہ نظر آتی تھی، یہ حدیث دلیل ہے کہ مغرب کی نماز میں ہلکی قراءت ہوتی تھی۔ ان سب احادیث کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نبی ﷺ کبھی کبھی مغرب میں لمبی قراءت کر لیتے تھے۔ یا تو بیانِ جواز کے لیے یا حاضرین کے متعلق یہ جان کر کہ انھیں لمبی قراءت سے کوئی مشقت نہیں ہوگی۔ (فتح الباری)

٩٩ - بَابُ الْجَهْرِ فِي الْمَغْرِبِ

99۔ باب: مغرب کی نماز میں اونچی آواز سے قراءت کرنا

٧٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَرَأَ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ. [انظر: ٣٠٥٠، ٤٠٢٣، ٤٨٥٤- أخرجه مسلم: ٤٦٣]

765۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ نے نمازِ مغرب میں سورۂ طور پڑھی۔

فائدہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے جس وقت رسول اللہ ﷺ سے نمازِ مغرب میں سورۂ طور سنی اس وقت وہ مشرک تھے اور مکہ سے بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔ صحیح بخاری کی کتاب المغازی (٤٠٢٣) میں ان کا بیان ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں ایمان نے جگہ بنالی۔ سنن سعید بن منصور میں ہے کہ جب میں نے قرآن سنا تو ایسے معلوم ہوا جیسے میرا دل پھٹ گیا۔ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر (٤٨٥٤) میں ہے کہ میں نے آپ کو مغرب میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا تو جب آپ اس آیت پر پہنچے: ﴿ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۝ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ۝ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴾ [الطور: ٣٥ تا ٣٧] تو میرا دل قریب تھا کہ اڑ جائے۔ ابن سعد میں ہے کہ میں آپ کی قراءت سنتے سنتے مسجد سے نکل گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے پوری سورۂ طور پڑھی تھی، کیونکہ یہ آیات آخر میں ہیں۔ اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے سنا: ﴿ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴾ [الطور: ٧] یہ آیت شروع سورت میں ہے۔ اس سے قرآنِ مجید کی تاثیر کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی کہ حالتِ کفر میں دیکھی یا سنی ہوئی بات

مسلمان ہونے کے بعد بیان کی جائے تو وہ معتبر ہوگی۔ (فتح الباری)

١٠٠ ـ بَابُ الْجَهْرِ فِي الْعِشَاءِ

100۔ باب: نمازِ عشاء میں اونچی آواز سے قراءت کرنا

٧٦٦ ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ، فَقَرَأَ: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ، فَقُلْتُ لَهُ، قَالَ: سَجَدْتُ خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ بِهَا حَتَّى أَلْقَاهُ. [انظر: ٧٦٨، ١٠٧٤، ١٠٧٨ـ أخرجه مسلم: ٥٧٨]

766۔ ابو رافع سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عشاء کی نماز پڑھی تو انھوں نے ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ پڑھی اور سجدہ کیا، میں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے کہا: میں نے ابو القاسم ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا، اس لیے میں اس وقت تک اس میں سجدہ کرتا رہوں گا کہ آپ سے جا ملوں۔

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے نمازِ مغرب کے بیان میں پہلے قراءت کا باب قائم کیا ہے بعد میں اس میں جہر کا، جب کہ عشاء کے بیان میں جہر کا باب پہلے قائم کیا ہے بعد میں قراءت کا، تو اس کی مناسبت یہ ہے کہ جب نمازِ مغرب میں جہر کا باب قائم کیا تو اس کے ساتھ ہی عشاء میں بھی جہر کا باب ذکر کر دیا۔

2 اس حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سجدے کا ذکر ہے جو نماز کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے مگر مراد آپ کے پیچھے نماز میں سجدہ ہے، کیونکہ صحیح ابن خزیمہ (۵۶۱) میں معتمر کی اسی سند کے ساتھ یہ الفاظ ہیں: «صَلَّيْتُ خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَجَدَ بِهَا» ”میں نے ابو القاسم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے اس سورت میں سجدہ کیا۔“ (فتح الباری) امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ عشاء کی نماز میں قراءت اونچی آواز سے ہوتی ہے اور نماز میں سجدے والی سورت پڑھی جا سکتی ہے اور اس میں سجدہ بھی کیا جائے گا۔

٧٦٧ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيٍّ، قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي سَفَرٍ فَقَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِـ ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾ [انظر: ٧٦٩، ٤٩٥٢، ٧٥٤٦ـ أخرجه مسلم: ٤٦٤]

767۔ براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک سفر میں تھے تو آپ نے عشاء کی دو رکعتوں میں سے ایک میں ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾ پڑھی۔

فائدہ اس سے عشاء کی نماز میں قراءت جہری ثابت ہوئی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ نے ایک موقع پر عشاء میں ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ پڑھی جو مفصل (سورۂ قاف سے آخر قرآن تک) کی درمیانی سورت ہے اور

براء رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایک اور موقع پر سورۂ ''والتین'' پڑھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے حضر میں عام معمول کے مطابق مفصل کی درمیانی سورت پڑھی اور سفر میں تخفیف کے پیش نظر مفصل کی چھوٹی سورت پڑھی۔

۱۰۱ - بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ بِالسَّجْدَةِ

101۔ باب: عشاء کی نماز میں سجدے والی سورت پڑھنا

۷٦٨ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي التَّيْمِيُّ، عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ، فَقَرَأَ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ، فَقُلْتُ: مَا هَذِهِ؟ قَالَ: سَجَدْتُ بِهَا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ بِهَا حَتَّى أَلْقَاهُ. [راجع: ٧٦٦- أخرجه مسلم: ٥٧٨]

768۔ ابو رافع سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عشاء کی نماز پڑھی تو انھوں نے ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ پڑھی اور سجدہ کیا۔ میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا: میں نے ابو القاسم ﷺ کے پیچھے اس سورت میں سجدہ کیا ہے، اس لیے میں اس میں اس وقت تک سجدہ کرتا رہوں گا کہ آپ سے جاملوں۔

فائدہ: یہ حدیث (٧٦٦) میں گزر چکی ہے۔ بعض لوگ فرض نماز میں سجدہ والی آیت کی قراءت مکروہ سمجھتے ہیں، یہ حدیث ان کے موقف کا رد کرتی ہے۔

۱۰۲ - بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ

102۔ باب: عشاء کی نماز میں قراءت کرنا

۷٦٩ ـ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ، سَمِعَ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ: ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾ فِي الْعِشَاءِ، وَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ أَوْ قِرَاءَةً. [راجع: ٧٦٧- أخرجه مسلم: ٤٦٤]

769۔ براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو سنا آپ عشاء کی نماز میں ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾ پڑھ رہے تھے اور میں نے آپ سے اچھی آواز والا یا اچھی قراءت والا کسی کو نہیں سنا۔

فوائد: ① یہ حدیث (٧٦٧) میں گزر چکی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾ کے ساتھ دوسری رکعت میں کون سی سورت تھی، مجھے اس کا استحضار نہیں تھا، یہاں تک کہ میں نے ابوعلی بن السکن کی ''کتاب الصحابہ'' دیکھی، اس میں زرعہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے: وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے علاقے یمامہ میں رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ سنا تو آپ کے پاس مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے، آپ نے ہم پر اسلام پیش کیا تو

ہم مسلمان ہو گئے، اس وقت آپ نے نماز میں ﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴾ اور ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾ پڑھی۔ اگر براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی تعیین کردہ نماز یہی ہے تو ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کی پہلی رکعت میں ﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴾ اور دوسری رکعت میں سورۂ قدر کی تلاوت فرمائی ہو، لیکن براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی صراحت کے مطابق یہ واقعہ دورانِ سفر پیش آیا جب کہ زرعہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا ہے۔ (واللہ اعلم) (ہدایۃ القاری)

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مقام پر لکھا ہے کہ ہم اس حدیث کی تشریح " كِتَابُ التَّوْحِيْدِ " کے آخر میں کریں گے، لیکن " كِتَابُ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ " اور " كِتَابُ التَّوْحِيْدِ " میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی تشریح " كِتَابُ الصَّلَاةِ " میں گزر چکی ہے۔ [فَسُبْحَانَ الَّذِيْ لَا يَنْسٰى عَزَّوَجَلَّ] (ہدایۃ القاری)

١٠٣ ـ بَابٌ : يُطَوِّلُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَيَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ

103۔ باب: پہلی دو رکعتیں لمبی اور آخری دو رکعتیں مختصر پڑھائے

٧٧٠ ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي عَوْنٍ، قَالَ : سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ قَالَ : قَالَ عُمَرُ لِسَعْدٍ : لَقَدْ شَكَوْكَ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الصَّلَاةِ، قَالَ : أَمَّا أَنَا فَأَمُدُّ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، وَلَا آلُو مَا اقْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، قَالَ : صَدَقْتَ، ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ، أَوْ ظَنِّي بِكَ . [راجع : ٧٥٥ـ أخرجه مسلم : ٤٥٣]

770۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: ان لوگوں نے ہر چیز حتیٰ کہ نماز کے بارے میں بھی تمھاری شکایت کی ہے۔ انھوں نے کہا: میں تو پہلی دو رکعتیں لمبی پڑھاتا ہوں اور پچھلی دو رکعتیں مختصر پڑھاتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں جو نماز پڑھی ہے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے سچ کہا، آپ کے بارے میں صحیح گمان یہی ہے، یا میرا گمان آپ کے بارے میں یہی ہے۔

فائدہ اس کی شرح حدیث (٧٥٥) میں گزر چکی ہے۔

١٠٤ ـ بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ

104۔ باب: فجر کی نماز میں قراءت

وَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ : قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ بِـ ﴿ وَالطُّوْرِ ﴾ . [راجع : ٤٦٤]

اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ طور پڑھی۔

فائدہ اس کی شرح اس کے بعد والے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

٧٧١ ۔ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَيَّارُ بْنُ سَلَامَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَوَاتِ، فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ، وَالْعَصْرَ وَيَرْجِعُ الرَّجُلُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، وَلَا يُبَالِي بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَلَا الْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ الرَّجُلُ فَيَعْرِفُ جَلِيسَهُ، وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ أَوْ إِحْدَاهُمَا مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ. [راجع: ٥٤١- أخرجه مسلم: ٤٦١، مختصرًا (٦٤٧)]

771۔ سیار بن سلامہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اور میرے والد ابو برزہ اسلمی ﷛ کے پاس گئے اور ہم نے ان سے نمازوں کے اوقات کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے کہا: نبی ﷺ ظہر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھلتا تھا اور عصر اس وقت کہ آدمی شہر کے سب سے دور کنارے میں واپس پہنچ جاتا جب کہ سورج ابھی زندہ ہوتا تھا اور انھوں نے مغرب کے متعلق جو کہا وہ مجھے بھول گیا اور عشاء کو رات کی تہائی تک مؤخر کرنے میں کوئی پروا نہیں کرتے تھے اور اس سے پہلے سونے کو پسند نہیں کرتے تھے، نہ ہی اس کے بعد باتیں کرنے کو پسند کرتے تھے۔ اور آپ صبح کی نماز پڑھتے پھر آدمی فارغ ہوتا تو اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے کو پہچان لیتا اور آپ (فجر کی) دونوں رکعتوں یا ایک رکعت میں ساٹھ سے سو تک آیات پڑھتے تھے۔

فوائد ومسائل: 1 یہ حدیث (۵۴۱) میں گزر چکی ہے، اس کے بعض فوائد وہاں ملاحظہ کریں۔ بعض لوگ فجر کی نماز دیر سے پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں اور دیر بھی اتنی کہ اگر نماز کسی وجہ سے درست ادا نہ ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے دوبارہ پڑھی جا سکے اور دلیل کے طور پر نبی ﷺ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں: «أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ، فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ» [ترمذي: ١٥٤] ”فجر کو روشن کرو، کیونکہ یہ اجر میں زیادہ ہے۔“ مگر ان حضرات نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا، کیونکہ یہ بات متعدد صحیح متفق علیہ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز ہمیشہ اندھیرے میں پڑھتے تھے، جیسا کہ زیر شرح حدیث میں بھی ہے کہ آپ لمبی قراءت کے ساتھ فجر پڑھتے تھے اور اتنے اندھیرے میں شروع کرتے تھے کہ آدمی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو پہچان لیتا۔ اگر ”أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ“ کا وہ معنی لیا جائے جو یہ حضرات بیان کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے قول اور فعل میں تضاد لازم آتا ہے، اس لیے ”أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ“ کا وہی معنی درست ہے جو راسخ فی العلم علماء نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد فجر کا خوب واضح ہونا ہے، اس سے دن کی روشنی مراد نہیں ہے۔

2 ساٹھ سے سو آیتوں تک سے مراد اگر دونوں رکعتوں میں قراءت ہو تو اس کی مثال ابن عباس ﷠ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھتے تھے۔ (مسلم: ۸۷۹) دونوں کی کل آیات (۶۱) ہیں اور اگر ہر ایک رکعت میں مراد ہو تو اس کی مثال آپ ﷺ کا فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ ق پڑھنا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم

(۴۵۷) میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور مسند احمد (۴۹۸۹) کی ایک روایت میں صافات اور حاکم (۳۶۶/۱، ح: ۸۷۵) کی ایک روایت میں سورۂ واقعہ پڑھنا ہے۔ (فتح الباری)

۷۷۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَقُولُ: فِي كُلِّ صَلَاةٍ يُقْرَأُ، فَمَا أَسْمَعَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَسْمَعْنَاكُمْ، وَمَا أَخْفَى عَنَّا أَخْفَيْنَا عَنْكُمْ، وَإِنْ لَمْ تَزِدْ عَلَى أُمِّ الْقُرْآنِ أَجْزَأَتْ، وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ.

[أخرجه مسلم: ۳۹٦]

772۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہر نماز میں قراءت کی جاتی ہے، تو جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سنایا وہ ہم نے تمھیں سنا دیا اور جو ہم سے پوشیدہ رکھا وہ ہم نے تم سے پوشیدہ رکھا اور اگر تم ام القرآن سے زیادہ نہ پڑھو تو وہی کافی ہے اور اگر زیادہ پڑھو تو وہ بہتر ہے۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں تین احادیث نقل فرمائی ہیں: پہلی میں سفر میں قراءت کا ذکر ہے، دوسری میں حضر میں اور تیسری میں یہ وضاحت ہے کہ کم از کم کتنی قراءت ضروری اور شرط ہے، چنانچہ واضح ہو گیا کہ کم از کم فاتحہ ضروری ہے، اس سے زیادہ ہو تو بہتر ہے، شرط اور لازم نہیں۔

۱۰۵ - بَابُ الْجَهْرِ بِقِرَاءَةِ صَلَاةِ الْفَجْرِ

105۔ باب: فجر کی نماز میں اونچی آواز سے قراءت کرنا

وَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: طُفْتُ وَرَاءَ النَّاسِ وَالنَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي، وَيَقْرَأُ بِالطُّورِ. [راجع: ٤٦٤]

اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے لوگوں کے پیچھے طواف کیا جب کہ نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ سورۂ طور پڑھ رہے تھے۔

۷۷۳ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: انْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ فِي طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ عَامِدِينَ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ، وَقَدْ حِيلَ بَيْنَ الشَّيَاطِينِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ، فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِينُ إِلَى قَوْمِهِمْ، فَقَالُوا: مَا لَكُمْ؟

773۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ہمراہ سوقِ عکاظ کی طرف جا رہے تھے جب کہ شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ ڈالی جا چکی تھی اور ان پر شہاب پھینکے جا رہے تھے۔ شیاطین اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو انھوں نے پوچھا: تمھیں کیا ہوا؟ انھوں نے کہا: ہمارے اور آسمان کی خبروں

فَقَالُوا : حِيلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَأُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ، قَالُوا : مَا حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ إِلَّا شَيْءٌ حَدَثَ، فَاضْرِبُوا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَانْظُرُوا مَا هٰذَا الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ؟ فَانْصَرَفَ أُولٰئِكَ الَّذِينَ تَوَجَّهُوا نَحْوَ تِهَامَةَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ بِنَخْلَةَ عَامِدِينَ إِلٰى سُوقِ عُكَاظٍ، وَهُوَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْفَجْرِ، فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْآنَ اسْتَمَعُوا لَهُ، فَقَالُوا : هٰذَا وَاللّٰهِ ! الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، فَهُنَالِكَ حِينَ رَجَعُوا إِلَى قَوْمِهِمْ، وَقَالُوا : يَا قَوْمَنَا ﴿ إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ﴾ [الجن : ١، ٢]، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّهِ ﷺ : ﴿ قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ ﴾ [الجن : ١] وَ إِنَّمَا أُوحِيَ إِلَيْهِ قَوْلُ الْجِنِّ . [انظر : ٤٩٢١۔ أخرجه مسلم : ٤٤٩]

کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی ہے اور ہم پر شہاب پھینکے گئے ہیں۔ انھوں نے کہا: تمھارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کوئی نئی واقع ہونے والی چیز ہی رکاوٹ بنی ہے، اس لیے تم زمین کے مشرقی اور مغربی حصوں میں پھر کر دیکھو کہ وہ کون سی چیز ہے جو تمھارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ بنی ہے؟ تو وہ جو تہامہ کی طرف گئے تھے واپس نبی ﷺ کی طرف پلٹے جب کہ آپ وادئ نخلہ میں سوقِ عکاظ کے ارادے سے ٹھہرے ہوئے تھے اور اپنے صحابہ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انھوں نے قرآن سنا تو اسے کان لگا کر سننے لگے اور انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ ہے وہ چیز جو تمھارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ بنی ہے۔ تو یہ وہ موقع تھا جب وہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے اور انھوں نے کہا: اے ہماری قوم! ''بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھی راہ کی طرف لے جاتا ہے، تو ہم اس پر ایمان لے آئے اور (اب) ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو کبھی شریک نہیں کریں گے۔'' تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر ﴿ قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ ﴾ نازل فرمائی۔ آپ ﷺ کی طرف صرف جنوں کی باتیں وحی کی گئی تھیں۔ (یعنی آپ نے نہ ان جنوں کو دیکھا تھا نہ ان کی باتیں سنی تھیں بلکہ یہ سب کچھ آپ کو وحی کے ذریعے معلوم ہوا)

فوائد 1 ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے ''كِتَابُ الْحَجِّ، بَابُ طَوَافِ النِّسَاءِ (١٦١٩)'' میں باسند روایت کی ہے۔ اس میں ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کے پاس شکایت کی کہ میں بیمار ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگوں کے پیچھے سواری پر طواف کر لو۔'' تو میں نے طواف کر لیا جب کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ مگر اس میں یہ ذکر نہیں کہ آپ اس وقت صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، یہ بات دوسری روایت سے معلوم ہوتی ہے جو اس باب سے چھ ابواب کے بعد آ رہی ہے، اس کے الفاظ ہیں: « إِذَا أُقِيمَتْ صَلَاةُ الصُّبْحِ فَطُوفِي » [بخاري:

۱۶۲۶] "جب صبح کی نماز کھڑی ہو تو تم طواف کر لینا۔" باب کے ساتھ اس کا تعلق ظاہر ہے کہ اگر نبی ﷺ اونچی آواز سے نہ پڑھ رہے ہوتے تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کیسے معلوم ہوتا کہ آپ سورۂ طور پڑھ رہے ہیں۔

2 جنوں کے قرآن سن کر ایمان لانے سے ظاہر ہے کہ آپ صبح کی نماز میں جہر کے ساتھ قراءت کر رہے تھے۔

٧٧٤ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ فِيمَا أُمِرَ، وَسَكَتَ فِيمَا أُمِرَ ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ [مريم: ٦٤] ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ٢١]

774۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے اس نماز میں قراءت کی جس میں آپ کو حکم دیا گیا اور اس میں خاموش رہے جس میں (خاموش رہنے کا) حکم دیا گیا "اور تیرا رب کبھی کسی طرح بھولنے والا نہیں۔" "بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے ایک اچھا نمونہ ہے۔"

فوائد ومسائل: 1 اس حدیث میں "قَرَأَ" (قراءت کی) سے مراد اونچی آواز سے قراءت کرنا ہے اور "سَكَتَ" (خاموش رہے) سے مراد آہستہ پڑھنا ہے، کیونکہ بعض اوقات سکوت کا لفظ آہستہ پڑھنے کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: «إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ؟» "آپ تکبیر اور قراءت کے درمیان خاموشی میں کیا پڑھتے ہیں؟" [بخاري: ٧٤٤]

2 ابن عباس رضی اللہ عنہما پہلے سری نمازوں میں قراءت کے بارے میں متردد تھے پھر تحقیق کے بعد قائل ہو گئے۔ (فتح الباری)

3 یہاں ایک سوال ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ان دو آیات پڑھنے کا اس مسئلے سے کیا تعلق ہے کہ فجر کی نماز میں امام کو قراءت جہری کرنی چاہیے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نماز کے مفصل مسائل قرآن مجید میں بیان کر دیتا جن میں یہ بھی شامل ہوتا کہ فلاں نماز میں اونچی آواز سے قراءت کرنی چاہیے اور فلاں نماز میں آہستہ۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور نماز کے بہت سے مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی قرآن مجید میں بیان نہیں کیا کہ کس نماز میں جہری قراءت ہو اور کس میں سری۔ اور ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بھولنے کی وجہ سے یہ مسئلہ قرآن میں ذکر نہ کیا ہو بلکہ وہ تو کبھی بھی اور کسی طرح بھی بھولنے والا نہیں۔ کبھی کا مفہوم "كَانَ" کے دوام سے نکلتا ہے اور کسی طرح کا مفہوم "نَسِيًّا" کی تنوین تنکیر سے نکل رہا ہے۔ معلوم ہوا اس کی حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ یہ مسئلہ قرآن مجید کی بجائے رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل سے لوگوں کو بتایا جائے، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ میں ایمان والوں کے لیے ہمیشہ سے بہترین نمونہ ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہلاتے ہیں اور حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ قرآن پر عمل کے بھی منکر ہیں، کیونکہ حدیث کے بغیر نماز، روزہ، حج، زکاۃ غرض کسی مسئلہ پر بھی پوری طرح عمل نہیں ہو سکتا۔ نماز ہی کو لے لیجیے، قرآن مجید میں صریح الفاظ میں پانچ نمازوں کا عدد معین نہیں، ان میں سے کسی نماز کی رکعات کا بیان نہیں، اس میں قیام، رکوع، سجدہ، قومہ، جلسہ کی ترتیب اور ان میں پڑھے جانے والے اذکار کا ذکر نہیں۔ اس کی ابتدا اور انتہا کے طریقے کا ذکر نہیں، کن نمازوں میں جہری

[۱۶۶٦] ''جب صبح کی نماز کھڑی ہو تو تم طواف کر لینا۔'' باب کے ساتھ اس کا تعلق ظاہر ہے کہ اگر نبی ﷺ اونچی آواز سے نہ پڑھ رہے ہوتے تو ام سلمہ ؓ کو کیسے معلوم ہوتا کہ آپ سورۂ طور پڑھ رہے ہیں۔

2 جنوں کے قرآن سن کر ایمان لانے سے ظاہر ہے کہ آپ صبح کی نماز میں جہر کے ساتھ قراءت کر رہے تھے۔

٧٧٤ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ فِيمَا أُمِرَ، وَسَكَتَ فِيمَا أُمِرَ ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ [مريم: ٦٤] ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ٢١]

774۔ ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے اس نماز میں قراءت کی جس میں آپ کو حکم دیا گیا اور اس میں خاموش رہے جس میں (خاموش رہنے کا) حکم دیا گیا ''اور تیرا رب کبھی کسی طرح بھولنے والا نہیں۔'' ''بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے ایک اچھا نمونہ ہے۔''

فوائد ومسائل: 1 اس حدیث میں '' قَرَأَ '' (قراءت کی) سے مراد اونچی آواز سے قراءت کرنا ہے اور '' سَكَتَ '' (خاموش رہے) سے مراد آہستہ پڑھنا ہے، کیونکہ بعض اوقات سکوت کا لفظ آہستہ پڑھنے کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسا کہ ابو ہریرہ ؓ کی حدیث ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: « إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ ؟ » ''آپ تکبیر اور قراءت کے درمیان خاموشی میں کیا پڑھتے ہیں؟'' [بخاري: ٧٤٤]

2 ابن عباس ؓ پہلے سری نمازوں میں قراءت کے بارے میں متردد تھے پھر تحقیق کے بعد قائل ہو گئے۔ (فتح الباری)

3 یہاں ایک سوال ہے کہ ابن عباس ؓ کے ان دو آیات پڑھنے کا اس مسئلے سے کیا تعلق ہے کہ فجر کی نماز میں امام کو قراءت جہری کرنی چاہیے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نماز کے مفصل مسائل قرآن مجید میں بیان کر دیتا جن میں یہ بھی شامل ہوتا کہ فلاں نماز میں اونچی آواز سے قراءت کرنی چاہیے اور فلاں نماز میں آہستہ۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور نماز کے بہت سے مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی قرآن مجید میں بیان نہیں کیا کہ کس نماز میں جہری قراءت ہو اور کس میں سری۔ اور ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بھولنے کی وجہ سے یہ مسئلہ قرآن میں ذکر نہ کیا ہو بلکہ وہ تو کبھی بھی اور کسی طرح بھی بھولنے والا نہیں۔ کبھی کا مفہوم '' كَانَ '' کے دوام سے نکلتا ہے اور کسی طرح کا مفہوم '' نَسِيًّا '' کی تنوین تنکیر سے نکل رہا ہے۔ معلوم ہوا اس کی حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ یہ مسئلہ قرآن مجید کی بجائے رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل سے لوگوں کو بتایا جائے، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ میں ایمان والوں کے لیے ہمیشہ سے بہترین نمونہ ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہلاتے ہیں اور حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ قرآن پر عمل کے بھی منکر ہیں، کیونکہ حدیث کے بغیر نماز، روزہ، حج، زکاۃ غرض کسی مسئلہ پر بھی پوری طرح عمل نہیں ہو سکتا۔ نماز ہی کو لے لیجیے، قرآن مجید میں صریح الفاظ میں پانچ نمازوں کا عدد معین نہیں، ان میں سے کسی نماز کی رکعات کا بیان نہیں، اس میں قیام، رکوع، سجدہ، قومہ، جلسہ کی ترتیب اور ان میں پڑھے جانے والے اذکار کا ذکر نہیں۔ اس کی ابتدا اور انتہا کے طریقے کا ذکر نہیں، کن نمازوں میں جہری

قراءت ہو اور کن میں سری یہ بھی مذکور نہیں۔ ان سب کی تفصیل نبی ﷺ کے قول وعمل میں ملتی ہے اور یہی مطلب ہے اس آیت کا: ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب : ۲۱] ''بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا: ﴿ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ [النحل : ٤٤] ''اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری تا کہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے، تا کہ وہ غور وفکر کریں۔'' خلاصہ یہ کہ حدیث کا منکر قرآن کا منکر ہے اور اس کا مسلمان ہونے کا دعویٰ سراسر سینہ زوری اور زبردستی ہے۔

١٠٦ - بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ السُّورَتَيْنِ فِي الرَّكْعَةِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْخَوَاتِيمِ، وَبِسُورَةٍ قَبْلَ سُورَةٍ، وَبِأَوَّلِ سُورَةٍ

106۔ باب: ایک رکعت میں دو سورتیں جمع کرنا اور سورت کی آخری آیات پڑھنا اور کوئی سورت کسی سورت سے پہلے پڑھنا اور کسی سورت کے شروع کی آیات پڑھنا

وَ يُذْكَرُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ السَّائِبِ : قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُؤْمِنُونَ فِي الصُّبْحِ، حَتَّى إِذَا جَاءَ ذِكْرُ مُوسَى وَهَارُونَ أَوْ ذِكْرُ عِيسَى، أَخَذَتْهُ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ . وَقَرَأَ عُمَرُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بِمِائَةٍ وَعِشْرِينَ آيَةً مِنَ الْبَقَرَةِ، وَفِي الثَّانِيَةِ بِسُورَةٍ مِنَ الْمَثَانِي . وَقَرَأَ الْأَحْنَفُ بِالْكَهْفِ فِي الْأُولَى، وَفِي الثَّانِيَةِ بِيُوسُفَ أَوْ يُونُسَ، وَذَكَرَ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ الصُّبْحَ بِهِمَا . وَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُودٍ بِأَرْبَعِينَ آيَةً مِنَ الْأَنْفَالِ، وَفِي الثَّانِيَةِ بِسُورَةٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ . وَقَالَ قَتَادَةُ : فِيمَنْ يَقْرَأُ سُورَةً وَاحِدَةً فِي رَكْعَتَيْنِ أَوْ يُرَدِّدُ سُورَةً وَاحِدَةً فِي رَكْعَتَيْنِ كُلٌّ : كِتَابُ اللَّهِ .

اور عبداللہ بن سائب ؓ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے صبح کی نماز میں سورۂ مومنون پڑھی یہاں تک کہ جب موسیٰ اور ہارون ؑ کا ذکر یا عیسیٰ ؑ کا ذکر آیا تو آپ کو کھانسی آ گئی تو آپ نے رکوع کر لیا۔ اور عمر ؓ نے پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کی ایک سو بیس آیتیں پڑھیں اور دوسری میں مثانی کی ایک سورت پڑھی۔ اور احنف نے پہلی رکعت میں سورۂ کہف اور دوسری میں سورۂ یوسف یا سورۂ یونس پڑھی اور ذکر کیا کہ انھوں نے عمر ؓ کے ساتھ ان دونوں سورتوں کے ساتھ صبح (کی نماز) پڑھی۔ اور ابن مسعود ؓ نے سورۂ انفال کی چالیس آیات پڑھیں اور دوسری رکعت میں مفصل کی ایک سورت پڑھی۔ اور قتادہ ؒ نے اس شخص کے بارے میں کہا جو ایک ہی سورت دو رکعتوں میں پڑھتا ہے یا ایک ہی سورت دو رکعتوں میں دہراتا ہے کہ یہ سب اللہ کی کتاب ہے۔

٧٧٤ م - وَقَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، كَانَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ يَؤُمُّهُمْ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ، وَكَانَ كُلَّمَا افْتَتَحَ سُورَةً يَقْرَأُ بِهَا لَهُمْ فِي الصَّلاَةِ مِمَّا يَقْرَأُ بِهِ، افْتَتَحَ بِـ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهَا، ثُمَّ يَقْرَأُ سُورَةً أُخْرَى مَعَهَا، وَكَانَ يَصْنَعُ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، فَكَلَّمَهُ أَصْحَابُهُ، فَقَالُوا: إِنَّكَ تَفْتَتِحُ بِهَذِهِ السُّورَةِ، ثُمَّ لاَ تَرَى أَنَّهَا تُجْزِئُكَ حَتَّى تَقْرَأَ بِأُخْرَى، فَإِمَّا تَقْرَأُ بِهَا وَإِمَّا أَنْ تَدَعَهَا، وَتَقْرَأَ بِأُخْرَى! فَقَالَ: مَا أَنَا بِتَارِكِهَا، إِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ أَؤُمَّكُمْ بِذَلِكَ فَعَلْتُ، وَإِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ، وَكَانُوا يَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْ أَفْضَلِهِمْ، وَكَرِهُوا أَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ، فَلَمَّا أَتَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَخْبَرُوهُ الْخَبَرَ، فَقَالَ: «يَا فُلاَنُ! مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَفْعَلَ مَا يَأْمُرُكَ بِهِ أَصْحَابُكَ، وَمَا يَحْمِلُكَ عَلَى لُزُومِ هَذِهِ السُّورَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ؟» فَقَالَ: إِنِّي أُحِبُّهَا، فَقَالَ: «حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ»

774 م۔ انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کا ایک آدمی انھیں مسجد قبا میں امامت کرواتا تھا اور وہ جب بھی کوئی سورت شروع کرتا جسے وہ ان کے لیے نماز میں پڑھتا تو وہ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ سے شروع کرتا، یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہوتا، پھر کوئی دوسری سورت اس کے ساتھ پڑھتا اور وہ ہر رکعت میں ایسے ہی کرتا تھا۔ تو اس کے ساتھیوں نے اس سے بات کی اور کہا کہ تم یہ سورت پہلے پڑھتے ہو پھر یہ نہیں سمجھتے کہ وہ تمھیں کافی ہے حتی کہ ایک اور سورت پڑھتے ہو، سو یا اسی کو پڑھو یا اسے چھوڑ کر کوئی دوسری سورت پڑھو۔ اس نے کہا: میں اسے کسی صورت چھوڑنے والا نہیں ہوں، اگر تمھیں پسند ہے کہ میں اسی کے ساتھ تمھاری امامت کروں تو کرتا رہوں گا اور اگر تمھیں پسند نہیں تو میں تمھیں چھوڑ دوں گا۔ اور وہ لوگ اسے اپنے بہترین لوگوں میں سے سمجھتے تھے اور انھوں نے اس کے سوا کسی اور کو اپنا امام بنانا پسند نہ کیا۔ پھر جب نبی ﷺ ان کے پاس آئے اور انھوں نے آپ کو یہ بات بتائی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے فلاں! تمھارے ساتھی تمھیں جو کہتے ہیں اس پر عمل کرنے سے تمھیں کیا چیز روکتی ہے؟ اور وہ کون سی چیز ہے جو تمھیں ہر رکعت میں اس سورت سے چمٹے رہنے پر ابھارتی ہے؟'' اس نے کہا: میں اس سورت سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سورت کے ساتھ تمھاری محبت نے تمھیں جنت میں داخل کر دیا۔''

٧٧٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو ابْنِ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ مَسْعُودٍ، فَقَالَ: قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ اللَّيْلَةَ فِي رَكْعَةٍ، فَقَالَ: هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ، لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرُنُ بَيْنَهُنَّ، فَذَكَرَ عِشْرِينَ سُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ، سُورَتَيْنِ مِنْ آلِ حم فِي كُلِّ رَكْعَةٍ. [انظر: ٤٩٩٦، ٥٠٤٣- أخرجه مسلم: ٨٢٢]

775۔ ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: آج رات میں نے مفصل (کی سورتیں) ایک رکعت میں پڑھ دیں۔ انھوں نے کہا: کیا تم نے اس طرح تیزی سے پڑھا جیسے شعر تیزی سے پڑھے جاتے ہیں؟ میں ان ایک جیسی سورتوں کو جانتا ہوں جنھیں نبی ﷺ ملا کر پڑھتے تھے، تو انھوں نے مفصل کی بیس سورتوں کا ذکر کیا، یعنی ''حم'' والی دو، دو سورتیں ہر رکعت میں۔

فوائد: 1 چھوٹی بڑی ہونے کے اعتبار سے قرآنی سورتوں کی چار قسمیں ہیں: ① سبع طوال: سات لمبی سورتیں، ان سے مراد بقرہ سے توبہ تک سات سورتیں ہیں۔ واضح رہے کہ سورۂ انفال اور توبہ کو دونوں کا مضمون ایک ہونے کی وجہ سے ایک سورت قرار دیا گیا ہے۔ ② مئین: اس سے مراد وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو یا اس سے زیادہ ہوں، یہ سورۂ یونس سے طٰہ تک ہیں۔ ③ مثانی: وہ سورتیں جن کی آیات سو سے کم ہیں، یہ سورۂ انبیاء سے سورۂ فتح تک ہیں۔ ④ مفصل: یہ وہ سورتیں ہیں جن میں بکثرت '' بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ '' کے ساتھ فاصلہ آیا ہے۔ ان کی تین قسمیں ہیں: (ا) طوالِ مفصل: مفصل کی لمبی سورتیں، سورۂ قٓ سے ''عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ'' تک۔ (ب) أوساطِ مفصل: مفصل کی درمیانی سورتیں، سورۂ نازعات سے '' وَالضُّحَىٰ '' تک۔ (ج) قصارِ مفصل: مفصل کی چھوٹی سورتیں، '' أَلَمْ نَشْرَحْ '' سے '' وَالنَّاسِ '' تک۔ (ہدایۃ القاری)

2 امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں چار مسائل ذکر فرمائے ہیں: ① ایک رکعت میں دو سورتیں جمع کرنا، یہ انس رضی اللہ عنہ والی حدیث اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے۔ ② سورت کے آخری حصے کی قراءت، یہ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی رکعت میں سورت کا شروع کا حصہ پڑھا جا سکتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے سورۃ المومنون کا شروع کا حصہ پڑھا تو آخری حصہ بھی پڑھا جا سکتا ہے، کیونکہ دونوں سورت کا ایک حصہ ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز مغرب میں سورۂ اعراف کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پڑھا تھا۔ [نسائی: ٩٩١] اس کے علاوہ عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے بھی یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ انھوں نے سورۂ بقرہ کی ایک سو بیس آیتیں پڑھیں جو سورت کے شروع کی ہو سکتی ہیں اور آخر کی بھی۔ اس کی تائید قتادہ کے قول سے ہوتی ہے کہ سب اللہ کی کتاب ہیں۔ ③ مصحف کی ترتیب میں بعد والی سورت کو پہلے پڑھنا، یہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے اور عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے بھی جو احنف بن قیس نے ان سے نقل

کیا ہے، کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی رکعت میں کہف اور دوسری میں یوسف یا یونس پڑھی جو موجودہ ترتیب کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جن دو، دو سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھنے کا ذکر کیا ان کی ترتیب موجودہ ترتیب کے خلاف ہے۔ چنانچہ ابو داؤد میں ان سورتوں کی تفصیل یوں ہے: آپ ﷺ " الرَّحْمٰنُ " اور " وَالنَّجْمِ " ایک رکعت میں پڑھتے تھے اور " اِقْتَرَبَتِ " اور " اَلْحَآقَّةُ " ایک رکعت میں اور " الذّٰرِیٰتِ " اور " الطُّوْرِ " ایک رکعت میں اور " اَلْوَاقِعَةُ " اور " نٓ " ایک رکعت میں اور " سَاَلَ " اور " النّٰزِعٰتِ " ایک رکعت میں اور " وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ " اور " عَبَسَ " ایک رکعت میں اور " اَلْمُدَّثِّرُ " اور " اَلْمُزَّمِّلُ " ایک رکعت میں اور " هَلْ اَتٰى " اور " لَآ اُقْسِمُ " ایک رکعت میں اور " عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ " اور " اَلْمُرْسَلٰتِ " ایک رکعت میں اور " اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ " اور " الدُّخَانُ " ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔ [أبو داؤد : ١٣٩٦] سورتوں کی یہ ترتیب موجودہ ترتیب کے مطابق نہیں ہے۔ ② ایک ہی سورت دو رکعتوں میں پڑھنا اور ایک ہی سورت کو دو رکعتوں میں دہرانا، اس کی دلیل کے طور پر قتادہ رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا ہے: " كُلٌّ كِتَابُ اللّٰهِ " کہ یہ سب اللہ کی کتاب ہیں۔ اس لیے ان کی ترتیب میں فرق آ جائے یا ایک سورت آدھی ایک رکعت میں اور آدھی دوسری رکعت میں پڑھی جائے یا ایک ہی سورت کو پہلی رکعت میں اور اسی کو دوسری رکعت میں پڑھا جائے تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ سب اللہ کی کتاب ہیں۔ قتادہ کا یہ قول ان تمام باتوں کی بھی دلیل ہے جن کا ذکر امام صاحب نے " ترجمۃ الباب " میں کیا ہے۔

ان تمام احادیث اور دلائل سے معلوم ہوا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی امام موجودہ ترتیب کے خلاف بعد والی سورت کو پہلی رکعت میں اور پہلے والی کو دوسری رکعت میں پڑھے تو اس پر سجدۂ سہو فرض ہو جاتا ہے، ان لوگوں کی یہ بات درست نہیں۔

3 اس حدیث میں " حٰمٓ " والی دو سورتوں کا ذکر ہے جب کہ ابوداؤد (۱۳۹۶) کی حدیث میں " حم " والی صرف ایک سورت کا ذکر ہے جو " حٰمٓ الدُّخَانُ " ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا حل دو طرح بتایا ہے، ایک یہ کہ تغلیب کے طور پر " حم " والی دو سورتیں کہہ دیا ہے، جیسے " اَلْاَسْوَدَيْنِ " پانی اور کھجور کو کہتے ہیں اور " اَبَوَيْنِ " ماں باپ کو، اسی طرح سورۂ دخان اور اس کے ساتھ والی سورت دونوں کو " حم " والی دو سورتیں کہہ دیا ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ ہو سکتا ہے اس میں کچھ لفظ رہ گئے ہوں، گویا اصل الفاظ یہ تھے: « وَسُوْرَتَيْنِ إِحْدَاهُمَا مِنْ حٰمٓ » یعنی دو سورتیں پڑھتے تھے جن میں سے ایک " حم " والی تھی۔ اس کے علاوہ حدیث میں مفصل کی بیس سورتوں کا ذکر کیا ہے، یہ بھی تغلیباً ہے، یعنی زیادہ تر مفصل کی سورتیں تھیں، کیونکہ سورۃ الدخان مفصل کی سورت نہیں ہے۔

4 انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس امام کا ذکر ہے وہ ہر رکعت میں پہلے سورۂ اخلاص اور بعد میں کوئی اور سورت پڑھتا تھا۔ اس امام کا نام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ (ہاء کے کسرہ اور دال کے سکون کے ساتھ) نقل کیا ہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس سے ملتا جلتا واقعہ مروی ہے، چنانچہ انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو ایک دستے کا امیر بنا کر بھیجا، وہ ان کے لیے ان کی نماز میں قرآن پڑھتا تھا اور اسے « قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ » کے ساتھ ختم کرتا تھا۔ تو جب وہ لوگ

واپس آئے تو انھوں نے آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟'' انھوں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: اس لیے کہ وہ رحمان کی صفت ہے اور میں پسند کرتا ہوں کہ اسے پڑھوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے بتا دو کہ اللہ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔'' (بخاری: ۷۳۷۵) یہ دونوں واقعات الگ الگ ہیں، پہلے واقعہ کے امام کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ اوپر گزرا۔ نبی ﷺ ہجرت کے موقع پر قبا میں آئے تو انھی کے پاس ٹھہرے تھے۔ یہ قبا کے رہنے والے اور وہاں کی مسجد کے امام تھے۔ نبی ﷺ کے مدینہ آنے کے ابتدائی ایام میں فوت ہو گئے، جیسا کہ طبری (۳۸۴/۱) اور دوسرے اصحابِ مغازی نے لکھا ہے۔ سرایا اور غزوات تو بعد میں شروع ہوئے، اس لیے ام المومنین رضی اللہ عنہا کا بیان کردہ واقعہ بعد کا ہے۔ دونوں واقعات میں اور بھی کئی فرق ہیں: پہلے واقعہ میں سورۂ اخلاص ہر رکعت کے شروع میں پڑھنے کا ذکر ہے اور دوسرے واقعہ میں رکعت کے اخیر میں پڑھنے کا ذکر ہے، پہلے میں رسول اللہ ﷺ نے خود اس سے پوچھا کہ وہ ایسے کیوں کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا: مجھے اس سورت سے محبت ہے، تو آپ نے محبت پر اسے جنت کی بشارت دی، جب کہ دوسرے واقعہ میں آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ اس سے پوچھو، انھوں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ رحمان کی صفت ہے، اس لیے میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے بتا دو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔'' غرض سورۂ اخلاص ہر رکعت کے شروع میں پڑھیں یا آخر میں قرآنی سورتوں کی ترتیب میں فرق آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ موجودہ ترتیب کے خلاف پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

5 یاد رہے کہ ہر رکعت میں قراءت کے شروع یا آخر میں سورۂ اخلاص پڑھنے کا عمل نبی ﷺ اور دوسرے صحابہ نے نہیں کیا۔ ان دونوں صحابہ کو آپ نے ان کی نیک نیت پر بشارت دی، خود ایسا نہیں کیا، نہ اس کی تلقین فرمائی، نہ دوسرے صحابہ نے ایسا کیا، اس لیے اسے اولیٰ نہیں کہا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی آیت یا سورت سے محبت زیادہ ہو اور وہ اسے کثرت سے یا تسلسل سے پڑھے اور قرآن کی دوسری آیات یا سورتوں کو اس کثرت سے نہ پڑھے تو اس پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا کہ اس نے باقی قرآن کو اس التزام سے کیوں نہیں پڑھا، مگر اس واقعہ سے بدعات کو شریعت بنانے کے لیے استدلال درست نہیں۔

١٠٧ - بَابٌ: يَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

107- باب: آخری دو رکعتوں میں فاتحۃ الکتاب پڑھے

٧٧٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأُولَيَيْنِ

776- ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں ام الکتاب (فاتحہ) اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں ام الکتاب پڑھتے تھے اور ہمیں کوئی

بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ، وَيُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مَا لَا يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ، وَهَكَذَا فِي الْعَصْرِ وَهَكَذَا فِي الصُّبْحِ . [راجع : ۷۵۹۔ أخرجه مسلم : ٤٥١]

آیت سنا بھی دیتے تھے اور پہلی رکعت کو اتنا لمبا کرتے کہ دوسری کو اتنا لمبا نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح عصر میں کرتے تھے اور اسی طرح صبح میں کرتے تھے۔

فائدہ اس حدیث کے اکثر فوائد حدیث (۷۵۹) میں گزر چکے ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ظہر اور عصر کی پچھلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ بھی نہیں پڑھنی چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث لا کر ثابت کیا ہے کہ ظہر اور عصر کی پچھلی رکعتوں میں فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے جو " لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ " کی تفسیر ہے۔ رہی یہ بات کہ ظہر اور عصر کی پچھلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھ سکتا ہے یا نہیں تو اگرچہ اس حدیث میں صراحتاً فاتحہ کا ذکر ہے مزید کا نہیں مگر صحیح مسلم کی ایک حدیث میں کچھ زیادہ پڑھنے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: ہم ظہر اور عصر میں رسول اللہ ﷺ کے قیام کا اندازہ لگایا کرتے تھے تو ہم نے ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں "الٓمّٓ ۞ تَنْزِيْلُ" یعنی سورۂ سجدہ کی قراءت کا اندازہ لگایا اور پچھلی دو رکعتوں میں اس سے نصف کا اندازہ لگایا اور ہم نے عصر کی پہلی دو رکعتوں میں آپ کی ظہر کی پچھلی دو رکعتوں کی مقدار کا اندازہ لگایا اور عصر کی پچھلی دو رکعتوں میں اس سے نصف کی مقدار کا اندازہ لگایا۔ اور ابوبکر (اور کئی اور راویوں نے) "الٓمّٓ ۞ تَنْزِيْلُ" کا ذکر نہیں کیا اور یہ کہا کہ آپ تیس آیتوں کی مقدار پڑھتے تھے۔ [مسلم، باب القراءة في الظهر و العصر : ٤٥٢] اس لیے ان دونوں نمازوں کی پچھلی رکعتوں میں فاتحہ سے زائد پڑھنے کا اختیار ہے، چاہے تو پڑھے اور چاہے تو صرف فاتحہ پر اکتفا کرے۔

١٠٨ ـ بَابُ مَنْ خَافَتَ الْقِرَاءَةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

108۔ باب: جو ظہر اور عصر میں آہستہ قراءت کرے

۷۷۷ ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، قُلْتُ لِخَبَّابٍ: أَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: مِنْ أَيْنَ عَلِمْتَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ . [راجع : ٧٤٦]

777۔ ابومعمر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے خباب (بن ارت) رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر میں قراءت کرتے تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں! ہم نے کہا: آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ انھوں نے کہا: آپ کی داڑھی کے ہلنے سے۔

فائدہ اس کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۷۶۰)۔

١٠٩ـ بَابٌ: إِذَا أَسْمَعَ الْإِمَامُ الْآيَةَ

109۔ باب: جب امام (سری نماز میں) کوئی آیت سنا دے

٧٧٨ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ مَعَهَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا، وَكَانَ يُطِيلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى. [راجع: ٧٥٩ـ أخرجه مسلم: ٤٥١]

778۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز ظہر اور نماز عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ام الکتاب (سورۂ فاتحہ) اور اس کے ساتھ کوئی سورت پڑھتے تھے اور بعض اوقات کوئی آیت ہمیں سنا بھی دیتے تھے اور آپ پہلی رکعت میں لمبی قراءت کرتے تھے۔

فائدہ اس کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (٧٥٩)۔

١١٠ـ بَابٌ: يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى

110۔ باب: پہلی رکعت میں قراءت کو لمبا کرے

٧٧٩ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى ابْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ، وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ، وَيَفْعَلُ ذَلِكَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ. [راجع: ٧٥٩ـ أخرجه مسلم: ٤٥١]

779۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز ظہر کی پہلی رکعت میں قراءت کو لمبا کرتے اور دوسری میں مختصر کرتے اور آپ صبح کی نماز میں بھی ایسے ہی کرتے تھے۔

فائدہ اس کے فوائد حدیث (٧٥٩) میں گزر چکے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ ایک ہی حدیث کو مختلف سندوں سے لاکر ایک تو حدیث کو قوی سے قوی تر بناتے جاتے ہیں اور ساتھ ہی اس کے فوائد کو نمایاں کرنے کے لیے الگ الگ باب قائم کرتے جاتے ہیں۔ بلا فائدہ زائدہ کوئی حدیث دوبارہ نہیں لاتے۔

١١١ـ بَابُ جَهْرِ الْإِمَامِ بِالتَّأْمِينِ

111۔ باب: امام کا اونچی آواز سے آمین کہنا

وَقَالَ عَطَاءٌ: آمِينَ دُعَاءٌ، أَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ

اور عطا نے کہا: آمین دعا ہے، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور

وَرَاءَهُ حَتَّى إِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً. وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُنَادِي الْإِمَامَ : لَا تَفُتْنِي بِآمِينَ . وَقَالَ نَافِعٌ : كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَدَعُهُ وَيَحُضُّهُمْ، وَسَمِعْتُ مِنْهُ فِي ذٰلِكَ خَيْرًا.

ان کے پیچھے والوں نے "آمین" کہی حتی کہ مسجد گونج اٹھی۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امام کو آواز دیتے تھے کہ "آمین" کہنے میں مجھ سے پہل نہ کرنا۔ اور نافع نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما "آمین" کہنے کو نہیں چھوڑتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے اور میں نے ان سے اس کے بارے میں اچھی بات سنی۔

فوائد: 1 "تَأْمِينٌ" "أَمَّنَ يُؤَمِّنُ" (میم کی تشدید کے ساتھ) کا مصدر ہے۔ اس کا معنی آمین کہنا ہے۔ آمین اسم فعل ہے، یعنی ایسا اسم ہے جو فعل (امر) کا معنی دیتا ہے، جیسے "صَهْ" کا معنی "چپ ہو جا" ہے، اسی طرح "آمِينَ" کا معنی "اِسْتَجِبْ" ہے، اس سے پہلے "اَللّٰهُمَّ" محذوف ہے، یعنی اے اللہ! قبول فرما۔ لوگوں نے اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں مگر تقریباً سب کا نتیجہ یہی ہے۔ بعض حضرات نے اس لفظ سے کہ آمین دعا ہے یہ نکالا ہے کہ آمین جب دعا ہے تو آہستہ کہنی چاہیے، کیونکہ حکم ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ [الأعراف: ٥٥] "اپنے رب کو گڑگڑا کر اور خفیہ طور پر پکارو۔" ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک مناظر نے آمین آہستہ کہنے کے لیے یہ دلیل پیش کی تو مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر تو امام کو فاتحہ بھی آہستہ پڑھنی چاہیے۔

2 وَقَالَ عَطَاءٌ...... : عبد الرزاق (۲۶۴۰) نے اسے "ابن جریج عن عطاء" کے طریق سے بیان کیا ہے۔ عطا نہایت ثقہ کبیر تابعی ہیں۔ ابن جریج نے کہا کہ میں نے عطا سے کہا: کیا ابن زبیر رضی اللہ عنہما سورۂ فاتحہ کے آخر میں آمین کہتے تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں! اور ان کے پیچھے والے بھی آمین کہتے تھے، یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھتی تھی، پھر کہا کہ آمین تو دعا ہے۔ ابن المُنَیِّر نے کہا کہ عطا کے قول کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ انھوں نے آمین کو دعا قرار دیا ہے۔ امام چونکہ دعا کرنے والے کے مقام میں ہوتا ہے اس لیے اسے آمین کہنی چاہیے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آمین دعا کا جواب ہے، اس لیے امام کو نہیں کہنی چاہیے، صرف مقتدی کو کہنی چاہیے۔ گویا عطا نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ امام کو بھی آمین کہنی چاہیے، کیونکہ فاتحہ میں پہلے تفصیل کے ساتھ دعا ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ تک، پھر اختصار کے ساتھ اس دعا کو دہرایا ہے کہ یا اللہ! اس دعا کو قبول کر۔ اس لیے امام اور مقتدی دونوں آمین کہیں گے تو ان کی دعا دو، دو دفعہ ہو جائے گی، ایک دفعہ تفصیل سے اور ایک دفعہ اختصار سے۔ (فتح الباری) عطا نے کہا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوتے جب کہ امام کھڑا ہو چکا ہوتا تو اسے آواز دے کر کہتے: مجھ سے آمین میں پہل نہ کرنا۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور سند کے ساتھ جو بیہقی (۸۵/۲، ح: ۲۴۵۳) نے "حماد عن ثابت عن ابی رافع" کے طریق سے بیان کی ہے، مروی ہے کہ انھوں نے کہا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروان رحمہ اللہ کے لیے اذان کہتے تھے۔ انھوں نے یہ شرط لگا رکھی تھی کہ وہ ان سے پہلے "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" نہ کہیں، جب تک یہ نہ جان لیں کہ وہ صف میں شامل ہو گئے ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے

کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اقامت اور صفیں درست کرنے میں مشغول رہتے تھے اور مروان ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فارغ ہونے سے پہلے جلدی نماز شروع کر دیتے، اس لیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انھیں اس سے منع کرتے تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مروان رحمہ اللہ کے علاوہ بھی یہ معاملہ پیش آیا، چنانچہ سعید بن منصور نے محمد بن سیرین کے طریق سے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین میں مؤذن تھے، وہاں بھی انھوں نے امام پر شرط لگائی ہوئی تھی کہ وہ آمین میں ان سے پہل نہ کریں۔ عبدالرزاق (۲۶۳۷) نے بیان کیا ہے کہ بحرین میں علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ امام تھے۔ (فتح الباری)

3 وَقَالَ نَافِعٌ ...... : اسے عبدالرزاق (۲۶۴۱) نے باسند "عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنَا نَافِعٌ" بیان کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سورۂ فاتحہ ختم کرتے تو اس کے خاتمے پر آمین کہنا نہیں چھوڑتے تھے اور لوگوں کو بھی آمین کہنے کی ترغیب دیتے تھے۔ نافع نے کہا: اور میں نے ان سے اس کے بارے میں خیر (اچھی بات) یعنی اس کی بھلائی اور ثواب کی بات سنی۔ "خَيْرًا" (دو نقطوں والی یاء کے ساتھ) کی روایت کُشْمِيْهَنِيّ کی ہے، دوسرے نسخوں میں "خَبَرًا" (ایک نقطے والی باء کے فتحہ کے ساتھ) ہے، یعنی میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں مرفوع حدیث بھی سنی۔ وہ حدیث بیہقی کی "معرفۃ السنن والآثار" کی روایت (۳۱۷۹) سے معلوم ہوتی ہے جس میں نافع کہتے ہیں: «أَنَّهُ كَانَ إِذَا كَانَ وَرَاءَ الْإِمَامِ وَ قَرَأَ الْإِمَامُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، قَالَ النَّاسُ : آمِيْنَ، أَمَّنَ مَعَهُمْ، وَ رَأَى ذٰلِكَ مِنَ السُّنَّةِ» "ابن عمر رضی اللہ عنہما جب امام کے پیچھے ہوتے اور امام فاتحۃ الکتاب پڑھتا اور لوگ آمین کہتے تو ان کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی آمین کہتے تھے اور اسے سنت سمجھتے تھے۔" باب سے اس کی مناسبت اس لحاظ سے ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب فاتحہ ختم کرتے تو آمین کہتے تھے، خواہ امام ہوتے یا مقتدی ہوتے۔

٧٨٠ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : «إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

780۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، کیونکہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہو گیا اس کے لیے اس کے وہ گناہ بخش دیے جائیں گے جو اس سے پہلے گزرے۔"

وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ : وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : آمِينَ . [انظر : ٧٨١، ٧٨٢، ٤٤٧٥، ٦٤٠٢ـ أخرجه مسلم : ٤١٠]

اور ابن شہاب نے کہا: اور رسول اللہ ﷺ بھی آمین کہتے تھے۔

فوائد 1 صحیح بخاری کی حدیث (۷۸۲) میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا قَالَ الْإِمَامُ : ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ [الفاتحة : ۷] فَقُوْلُوْا : آمِيْنَ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ›› ''جب امام ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہوگیا اس کے لیے اس کے وہ گناہ بخش دیے جائیں گے جو پہلے گزرے۔'' اس حدیث اور زیر شرح حدیث میں تطبیق یہ ہے کہ جب امام '' وَلَا الضَّآلِّيْنَ '' کہہ چکے اور اس کے بعد آمین کہنا شروع کرے تو تم آمین کہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام صرف آمین کا ارادہ ہی کرے گا بلکہ امام بھی آمین کہے گا۔ اس لیے ابن شہاب زہری نے صراحت کی کہ رسول اللہ ﷺ بھی آمین کہتے تھے۔ زہری کے یہ الفاظ اگرچہ مرسل ہیں مگر مرفوع متصل حدیث میں بھی آئے ہیں، چنانچہ زہری کی روایت میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ‹‹ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ [الفاتحة : ۷] فَقُوْلُوْا : آمِيْنَ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَقُوْلُ : آمِيْنَ، وَ إِنَّ الْإِمَامَ يَقُوْلُ : آمِيْنَ، فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ›› [نسائي : ۹۲۷، صحيح] ''جب امام '' غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ '' کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ فرشتے آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے تو جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہوگیا اسے اس کے پہلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔''

2 حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ مقتدی کو امام کے آمین شروع کرنے کا علم تبھی ہوگا جب وہ اونچی آواز سے آمین کہے گا۔ یہی حدیث امام کے علاوہ مقتدی کے بھی بلند آواز سے آمین کہنے کی دلیل ہے، جیسا کہ امام صاحب یہاں سے ایک باب کے بعد اسے مقتدیوں کے بلند آواز سے آمین کہنے کی دلیل کے طور پر لائے ہیں۔ استدلال یہ ہے کہ آمین یا کوئی بھی بات کہنے والوں کی آپس میں موافقت تبھی ہوسکتی ہے جب وہ اسے اونچی آواز سے کہیں، آہستہ کہنے میں تو موافقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں بھی امام، مقتدی حضرات اور فرشتوں کی آپس میں موافقت ایک آواز کے ساتھ کہنے ہی سے ممکن ہے۔ [وهذا من فوائد أستاذنا الحافظ محمد الجوندلوي رحمه الله]

3 رسول اللہ ﷺ کے بلند آواز سے آمین کہنے کا ذکر متعدد صحیح احادیث میں موجود ہے، چنانچہ نُعیم مُجمر سے روایت ہے، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب وہ '' غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ '' پر پہنچے تو انھوں نے آمین کہی اور لوگوں نے بھی آمین کہی، پھر انھوں نے کہا: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نماز میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہوں۔ [نسائي : ۹۰۵] وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ‹‹ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ : ﴿ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ قَالَ : آمِيْنَ، وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ ›› [أبو داؤد : ۹۳۲، صحيح] ''رسول اللہ ﷺ جب '' وَلَا الضَّآلِّيْنَ '' کہتے تو آمین کہتے اور اس کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتے۔'' ترمذی (۲۴۸) میں اس حدیث میں '' وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهُ '' کے الفاظ ہیں، یعنی آپ نے اپنی آواز کو آمین کے ساتھ لمبا کیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث کو شعبہ نے بیان کیا اور اس میں یہ الفاظ بیان کیے: ‹‹ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ ›› کہ آپ ﷺ نے آمین کے ساتھ آواز کو نیچا رکھا۔ امام ترمذی نے کہا کہ شعبہ نے اس حدیث میں تین غلطیاں کی

ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ شعبہ نے ایک راوی کو حجر ابو العنبس کہا ہے، حالانکہ وہ حجر بن عنبس ہے اور اس کی سند میں عن علقمہ بن وائل کا اضافہ کر دیا ہے، حالانکہ اس روایت میں علقمہ ہے ہی نہیں بلکہ حجر بن عنبس عن وائل بن حجر ہے اور " خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ " کہا ہے، حالانکہ اصل الفاظ " وَ مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ " ہیں۔ امام ترمذی نے امام بخاری اور ابو زرعہ سے نقل کیا ہے کہ اس مسئلے میں سفیان کی حدیث (جس میں آمین کو اونچی آواز کے ساتھ لمبا کر کے پڑھنے کا ذکر ہے) زیادہ صحیح ہے۔ اس کے علاوہ ترمذی نے کہا کہ سفیان کی متابعت علاء بن صالح اسدی نے بھی عن سلمہ بن کہیل کی ہے، یعنی سفیان ہی کی طرح بیان کیا ہے۔ دونوں روایتوں کے درمیان یہ تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ " رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ " اور " خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ " دونوں میں آواز تو موجود ہے، " رَفَعَ " میں بلند اور " خَفَضَ " میں آہستہ، اس لیے مراد یہ ہے کہ " رَفَعَ " کا مطلب یہ ہے کہ آواز کے بغیر نہیں بلکہ آواز کے ساتھ آمین کہی اور " خَفَضَ " کا مطلب یہ ہے کہ بہت اونچی آواز نہیں تھی بلکہ درمیانی آواز تھی۔ یاد رہے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمر کے آخری ایام میں بھی اونچی آواز سے آمین کہتے تھے، اسے منسوخ کہنا بے دلیل ہے۔

4 ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « مَا حَسَدَتْكُمُ الْيَهُوْدُ عَلَى شَيْءٍ مَا حَسَدَتْكُمْ عَلَى السَّلَامِ وَالتَّأْمِيْنِ » [ابن ماجه : ٨٥٦] ''یہود نے تم پر کسی چیز میں اتنا حسد نہیں کیا جتنا انھوں نے تم پر سلام اور آمین کہنے میں کیا ہے۔'' اس حدیث کے تمام راوی صحیح مسلم کے راوی ہیں اور اسے بوصیری، شعیب الارنؤوط، علامہ البانی اور اعظمی نے صحیح کہا ہے۔

5 عطا بن ابی رباح نے کہا: میں نے دو سو صحابہ کو اس مسجد میں پایا کہ جب امام " غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ " کہتا تو میں ان کی آمین کہنے کی گونج سنتا تھا۔ [السنن الكبرى للبيهقي : ٢/ ٨٦، ح : ٢٤٥٥]

١١٢۔ بَابُ فَضْلِ التَّأْمِينِ

112۔ باب: آمین کہنے کی فضیلت

٧٨١۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ : آمِينَ، وَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ : آمِينَ، فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ » [راجع : ٧٨٠۔ أخرجه مسلم : ٤١٠]

781۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص آمین کہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہیں، پھر ان میں سے ایک آمین دوسری کے موافق ہو جائے تو اس کے پہلے گزرے ہوئے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

فائدہ باب کے ساتھ اس کی مطابقت واضح ہے، کیونکہ اس سے بڑھ کر فضیلت کیا ہوگی کہ ایک آسان اور چھوٹا سا

لفظ کہنے سے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں۔ اس حدیث اور باب میں یہ صراحت نہیں کہ آدمی نماز میں آمین کہے۔ اس کے مطابق نماز کے علاوہ آمین کہنے سے بھی یہ فضیلت حاصل ہو سکتی ہے، مگر صحیح مسلم (۴۱۰/۷۴) میں اسی سند سے یہ الفاظ ہیں: « إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ : آمِينَ » ''جب تم میں سے کوئی نماز میں آمین کہے۔'' اس لیے غالب یہی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مختلف الفاظ میں آنے کے باوجود ایک ہی ہے اور مراد نماز میں آمین کہنا ہے۔ البتہ لفظ عام ہونے کی وجہ سے اگر نماز کے علاوہ فاتحہ کی قراءت کے آخر میں آمین کہنے سے بھی اللہ تعالیٰ یہ فضیلت عطا فرما دے تو اس کی رحمت سے کچھ دور نہیں۔

١١٣ ـ بَابُ جَهْرِ الْمَأْمُومِ بِالتَّأْمِينِ

113۔ باب: مقتدی کا اونچی آواز سے آمین کہنا

٧٨٢ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: « إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ [الفاتحة : ٧] فَقُولُوا: آمِينَ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ »

782۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام " غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ " کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی اس کے پہلے گزرے ہوئے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَ نُعَيْمٌ الْمُجْمِرُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ . [راجع : ٧٨٠ـ أخرجه مسلم : ٤١٠]

اس "سُمَيّ" کی متابعت محمد بن عمرو نے ''عن ابی سلمہ عن ابی ہریرہ عن النبی ﷺ'' کی ہے۔ اور "نُعَيم الْمُجْمِر" نے (براہ راست) ''عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ'' بیان کیا ہے۔

فائدہ اس حدیث سے مقتدی کا بلند آواز سے آمین کہنا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں کے ساتھ آمین کہنے میں موافقت تبھی ممکن ہے جب دونوں نے آواز کے ساتھ آمین کہی ہو، اگر کوئی آواز کے بغیر آمین کہے تو ایک دوسرے کے ساتھ یک آواز موافق ہونا ممکن ہی نہیں۔

١١٤ ـ بَابٌ: إِذَا رَكَعَ دُونَ الصَّفِّ

114۔ باب: جب صف میں ملنے سے پہلے رکوع کر لے

٧٨٣ ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا

783۔ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پاس

هَمَّامٌ، عَنِ الْأَعْلَمِ ــ وَهُوَ زِيَادٌ ــ عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ : أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ رَاكِعٌ، فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: « زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ »

اس وقت پہنچے جب آپ رکوع کی حالت میں تھے، تو انھوں نے صف میں ملنے سے پہلے رکوع کر لیا، پھر انھوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ تمھاری حرص زیادہ کرے اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔‘‘

فوائد و مسائل: 1 بظاہر یہ باب یہاں لانے کی بجائے امامت کے ابواب میں لانا چاہیے تھا جہاں عورت کو مردوں کے پیچھے اکیلی صف میں کھڑے ہونے کے لیے مستقل باب قائم کیا ہے۔ مگر امام بخاری رحمہ اللہ ذیلی ابواب میں معمولی مناسبت کی وجہ سے بھی باب لے آتے ہیں۔ یہاں فاتحہ کی قراءت کے بعد امام کے ساتھ آمین کہنے کی احادیث کے بعد امام کے پیچھے رکوع کا باب لے آئے، یہی مناسبت کافی ہے۔

2 وَلَا تَعُدْ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تمام روایات میں اسے تاء کے فتحہ اور عین کے ضمہ کے ساتھ (عَوْدٌ سے مشتق) ضبط کیا ہے، یعنی کسی راوی نے اسے ’’ لَا تَعُدْ ‘‘ کے سوا روایت نہیں کیا، جس کا معنی ہے دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ مصابیح کے بعض شارحین نے بیان کیا ہے کہ اسے ’’ إِعَادَةٌ ‘‘ سے مشتق قرار دے کر ’’ لَا تُعِدْ ‘‘ (تاء کے ضمہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ) بھی روایت کیا گیا ہے، جس کا معنی ہے کہ اسے مت دہراؤ۔ مگر مشہور روایت ’’ لَا تَعُدْ ‘‘ (دوبارہ ایسا نہ کرنا) اس لیے راجح ہے کہ طبرانی میں ایک اور سند کے ساتھ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: « صَلِّ مَا أَدْرَكْتَ وَاقْضِ مَا فَاتَكَ » ’’جتنی نماز تمھیں ملی ہے وہ پڑھو اور جو پہلے گزر چکی ہے اسے پورا کرو۔‘‘ [المعجم الأوسط : ١٣٣٥] ’’ لَا تُعِدْ ‘‘ کے الفاظ کسی معتبر روایت میں نہیں آئے۔ (فتح الباری)

3 ہمارے استاد حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رکوع میں ملنے سے پوری رکعت پڑھنی پڑے گی، کیونکہ فوت شدہ قیام کو اکیلا تو پورا نہیں کیا جا سکتا۔

4 ’’ لَا تَعُدْ ‘‘ کے لفظ کو دو طرح اور بھی پڑھا جا سکتا ہے، ایک ’’ لَا تَعُدَّ ‘‘ (تاء کے فتحہ، عین کے ضمہ اور دال مشدد کے فتحہ کے ساتھ) ’’ عَدَّ يَعُدُّ ‘‘ میں سے مشتق مان کر، یعنی اس رکعت کو شمار نہ کرو۔ دوسرا ’’ لَا تَعْدُ ‘‘ (عین کے جزم اور دال کے ضمہ کے ساتھ) ’’ عَدَا يَعْدُوْ ‘‘ سے مشتق مان کر، یعنی اس سے تجاوز نہ کرو۔ مگر ان دونوں کے ساتھ کوئی روایت مروی نہیں، اس لیے ان کا اعتبار نہیں۔

5 طبرانی معجم الصغیر (۲۰۳/۲، ح: ۱۰۳۰) کی روایت میں یوں ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد میں پہنچے کہ نماز کی تکبیر ہو چکی تھی، یہ دوڑے اور طحاوی (۳۹۵/۱، ح: ۲۳۰۶) کی روایت میں ہے کہ اتنا دوڑے کہ ہانپنے لگے اور انھوں نے (مارے جلدی کے) صف میں شریک ہونے سے پہلے ہی رکوع کر دیا، نماز کے بعد نبی ﷺ نے خود پوچھا: ’’یہ کون شخص تھا جو رکوع کرتا ہوا صف میں شریک ہوا؟‘‘ تب ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تھا یا رسول اللہ! (تیسیر الباری)

6 بعض لوگ اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ کرتے ہیں کہ رکوع میں ملنے سے رکعت پوری ہو جاتی ہے، دلیل اس کی وہ یہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے وہ رکعت دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ مگر یہ دلیل اس لیے نہیں بنتی کہ اول تو یہ بات درست نہیں کہ آپ نے اسے وہ رکعت پڑھنے کا حکم نہیں دیا، جیسا کہ اس حدیث کے فائدہ (۲) میں گزرا ہے۔ « مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا » کی مطلق حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ اگر تسلیم بھی کر لیں کہ آپ ﷺ نے اسے دوبارہ رکعت پڑھنے کا حکم نہیں دیا تو یہ بھی تو نہیں فرمایا کہ تمھاری رکعت ہو گئی۔ چونکہ وہ صحابی لاعلم تھا، اس لیے اسے نیکی کی حرص میں اضافے کی دعا دے کر آئندہ ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ " زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا " سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس صحابی نے محض نیکی حاصل کرنے کے لیے یہ عمل کیا تھا، رکعت پا لینے کے لیے نہیں کیا تھا، کیونکہ اس مقصد کے لیے پہلے ہی رکوع میں چلے جانا، پھر صف میں ملنا تو پوری رکعت سے جان چھڑانے کے لیے ہو سکتا ہے اور یہ کوئی نیکی نہیں جس میں اضافے کی دعا دی جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے " جزء القراءة خلف الإمام (٩٤) " میں واضح طور پر لکھا ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ رکوع میں ملے اس کی رکعت نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے دو رکن فوت ہو گئے ہیں، ایک امام کے ساتھ قیام اور دوسرا سورۂ فاتحہ کی قراءت، اس لیے اسے وہ رکعت دوبارہ پڑھنی ہو گی، بعد میں اٹھ کر صرف قیام اور قراءت سے " مَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا " کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

7 جیسا کہ اوپر گزرا ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کہ رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ اس مطلب کی ایک بھی حدیث صحیح نہیں کہ رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے۔ عام طور پر ابوداؤد کی حدیث (۸۹۳) اس مقصد کے لیے پیش کی جاتی ہے: « حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، أَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْحَكَمِ حَدَّثَهُمْ : أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيْدَ، حَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ أَبِيْ سُلَيْمَانَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي الْعَتَّابِ، وَابْنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا، وَلَا تَعُدُّوْهَا شَيْئًا، وَمَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ » "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو سجدہ کرو اور اسے کچھ بھی شمار نہ کرو اور جس نے رکعت پالی اس نے نماز پالی۔" شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابوداؤد کے ایک نسخے میں ہے: « مَنْ أَدْرَكَ الرُّكُوْعَ فَقَدْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ » [إرواء الغليل : ٤٩٦] "جس نے رکوع کو پالیا اس نے رکعت کو پالیا۔" اس حدیث کے متعلق امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: " وَيَحْيَى مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ رَوَى عَنْهُ أَبُوْ سَعِيْدٍ مَوْلَى بَنِيْ هَاشِمٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ الْبَصْرِيُّ مَنَاكِيْرَ وَلَمْ يَتَبَيَّنْ سَمَاعُهُ مِنْ زَيْدٍ وَلَا مِنَ ابْنِ الْمَقْبُرِيِّ، وَلَا تَقُوْمُ بِهِ الْحُجَّةُ . " [القراءة خلف الإمام للبخاري : ١٤٨] " یہ یحییٰ منکر الحدیث ہے، اس سے ابوسعید مولیٰ بنی ہاشم اور عبداللہ بن رجاء بصری نے کئی منکر احادیث روایت کی ہیں اور اس کا سماع نہ زید سے واضح ہے اور نہ ابن مقبری سے۔" یہ بات معروف ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جسے منکر الحدیث کہیں اس سے روایت لینا وہ جائز نہیں سمجھتے۔ اس کے علاوہ اس مطلب کی دوسری احادیث کا ضعف یا ان

سے اس مسئلہ کے ثابت نہ ہونے کی تفصیل کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ کے رسالہ جزء القراءۃ اور کتب حدیث کی شروحات کا مطالعہ فرمائیں۔

8 رکوع میں ملنے کے ساتھ رکعت مکمل ہونے کے قائل حضرات بعض صحابہ کرام مثلاً عبد اللہ بن مسعود، ابن عمر، زید بن ثابت وغیرہم رضی اللہ عنہم کا قول و فعل بھی پیش کرتے ہیں مگر صحابہ میں سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رکوع میں ملنے سے رکعت پانے کے قائل نہیں اور جب صحابہ میں اختلاف ہو تو ان میں سے کسی کا قول و فعل دلیل نہیں ہوتا، بلکہ ﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ﴾ [النساء : ٥٩] (پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ) کے مطابق اس مسئلہ کو کتاب و سنت کی طرف لوٹایا جاتا ہے، جس کی رو سے ہر رکعت میں قیام فرض ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴾ [البقرۃ : ٢٣٨] "اور اللہ کے لیے فرماں بردار ہو کر کھڑے رہو۔" اور فرمایا: ﴿ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ ﴾ [النساء : ١٠٢] "اور جب تو ان میں موجود ہو، پس ان کے لیے نماز کھڑی کرے تو لازم ہے کہ ان میں سے ایک جماعت تیرے ساتھ کھڑی ہو۔" اور سورۂ فاتحہ کی قراءت بھی فرض ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ﴾ [المزمل : ٢٠] "تو قرآن میں سے جو میسر ہو وہ پڑھو۔" اور فرمانِ رسول ﷺ ہے: « لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ » [بخاري : ٧٥٦] "جو شخص فاتحہ الکتاب نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔" اس لیے قوی مسئلہ یہی ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ قیام میں نہ پہنچ سکے اور سورۂ فاتحہ نہ پڑھ سکے اس کی رکعت نہیں ہوتی۔

١١٥ - بَابُ : إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ

115۔ باب: رکوع میں تکبیر پوری کہنا

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [راجع :

٧٨٧] فِيهِ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ . [راجع : ٦٧٧]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے نبی ﷺ سے بیان کیا۔ اس میں مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے بھی روایت موجود ہے۔

فوائد تحریر 1 ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس باب کے بعد والے باب کی آخری حدیث ہے اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت یہاں سے چند ابواب کے بعد " بَابُ الْمُكْثِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ " (٨١٨) میں آ رہی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: « فَقَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَبَّرَ » (فتح الباری)

2 نماز میں کہی جانے والی تکبیروں کو تکبیراتِ انتقال کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کے ساتھ قیام سے رکوع کی طرف اور رکوع سے سجدے اور دوسرے ارکان کی طرف منتقل ہوا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہ تکبیرات بلند آواز سے کہا کرتے تھے۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ جب زیادہ عمر رسیدہ اور کمزور ہو گئے تو ان کی آواز بھی کمزور ہو گئی جو مشکل سے سنائی دیتی تھی۔ مسند احمد (١٩٨٨١) میں ہے کہ مطرف کہتے ہیں کہ میں نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے کہا: اے ابو نجید! سب سے پہلے تکبیر کس نے ترک کی؟ انھوں نے کہا: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے، جب وہ بوڑھے ہو گئے اور ان کی آواز کمزور ہو گئی۔ اور طبرانی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے جس نے تکبیر کہنا چھوڑا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (یہ روایت طبرانی کی بجائے "الاوائل" لابی عروبہ

الحرانی (۱۴۳) میں ہے) اور ابوعبید نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے تکبیر چھوڑنے والے زیاد تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر تکبیر کہنا چھوڑ دیا اور زیاد نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر تکبیر کہنا چھوڑ دیا۔ طحاوی نے بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ نیچے جاتے وقت اونچی آواز سے تکبیرات کہنا چھوڑ دیتے، البتہ نیچے سے اوپر اٹھتے وقت ایسا نہیں کرتے تھے، بنوامیہ کے امراء بھی ایسے ہی کرتے تھے۔ (فتح الباری)

3 ان حضرات کے "اَللّٰهُ أَكْبَرُ" کو ترک کرنے کا مطلب اہل علم نے اسے اونچی آواز سے نہ کہنا لیا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ہر انتقال پر تکبیر کہتے تھے، جیسا کہ آگے حدیث آ رہی ہے، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ ان حضرات نے اونچی آواز سے کہنا چھوڑ دیا تھا، مطلق ترک نہیں کیا تھا۔ بعض لوگوں نے پہلی تکبیر کے سوا دوسری تکبیرات کہنے کو صرف سنت اور مستحب قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق یہ تکبیرات کہنا ضروری نہیں، صرف ثواب کا کام ہے، اگر امام یا مقتدی یا منفرد انھیں نہ بھی کہے تو کوئی حرج نہیں۔ مگر یہ بات درست نہیں، یہ تکبیریں ضرور کہنی چاہییں اور امام کو بلند آواز سے کہنی چاہییں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نماز کے ہر نیچے جانے یا اوپر آنے پر آواز کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور آپ ﷺ نے حکم دیا ہے: «صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ» [بخاري : ٦٣١] "نماز اس طرح پڑھو جیسے تم نے مجھے دیکھا ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔"

4 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: شاید امام بخاری رحمہ اللہ نے "رکوع میں تکبیر پوری کرنا" کے الفاظ کے ساتھ ابوداؤد میں عبدالرحمن بن ابزیٰ سے مروی حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، حدیث ہے: «أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ لَا يُتِمُّ التَّكْبِيْرَ» [أبو داؤد : ٨٣٧] یعنی عبدالرحمن بن ابزیٰ نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ تکبیر پوری نہیں کہہ رہے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ میں ابوداؤد طیالسی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: "هٰذَا عِنْدَنَا بَاطِلٌ۔" (فتح الباری)

٧٨٤ ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ : صَلَّى مَعَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِالْبَصْرَةِ فَقَالَ : ذَكَّرَنَا هٰذَا الرَّجُلُ صَلَاةً كُنَّا نُصَلِّيْهَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، فَذَكَرَ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَفَعَ وَكُلَّمَا وَضَعَ . [انظر : ٧٨٦، ٨٢٦ـ أخرجه مسلم : ٣٩٣]

784۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بصرہ میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی تو کہا: اس آدمی نے ہمیں اس نماز کی یاد دلا دی جو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے ذکر کیا کہ وہ (علی رضی اللہ عنہ) جب بھی سر اوپر اٹھاتے اور جب بھی نیچے جاتے تو "اَللّٰهُ أَكْبَرُ" کہتے تھے۔

٧٨٥ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي

785۔ ابوسلمہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ وہ انھیں نماز پڑھایا کرتے تھے اور جب بھی نیچے جاتے یا سر اٹھاتے

هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ، فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ، فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ : إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ . [انظر : ٧٨٩، ٧٩٥، ٨٠٣۔ أخرجه مسلم : ٣٩٢]

تکبیر کہا کرتے تھے۔ جب فارغ ہوتے تو کہتے: میں نماز میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہوں۔

فائدہ ”جب بھی سر اٹھاتے“ میں سے رکوع سے سر اٹھانا مستثنیٰ ہے، کیونکہ صحیح احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ اس وقت ”سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ کہنا چاہیے۔

١١٦ ـ بَابُ إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي السُّجُودِ

116۔ باب: سجدے میں تکبیر پوری کہنا

٧٨٦ ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ : صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَا وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ كَبَّرَ وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ أَخَذَ بِيَدِي عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، فَقَالَ : قَدْ ذَكَّرَنِي هَذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ ﷺ، أَوْ قَالَ : لَقَدْ صَلَّى بِنَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ ﷺ . [راجع : ٧٨٤۔ أخرجه مسلم : ٣٣]

786۔ مطرف بن عبداللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ جب سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے اور جب سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے اور جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ جب انھوں نے نماز پوری کر لی تو عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے: اس شخص نے مجھے محمد ﷺ کی نماز یاد دلا دی، یا یہ کہا کہ اس شخص نے ہمیں محمد ﷺ کی نماز پڑھائی ہے۔

٧٨٧ ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ : رَأَيْتُ رَجُلًا عِنْدَ الْمَقَامِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ، وَإِذَا قَامَ وَإِذَا وَضَعَ، فَأَخْبَرْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ : أَوَ لَيْسَ تِلْكَ صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ ! ؟ لَا أُمَّ لَكَ ! [انظر : ٧٨٨، وانظر في الأذان، باب : ١١٥]

787۔ عکرمہ سے روایت ہے کہ میں نے مقام (ابراہیم) کے پاس ایک آدمی کو دیکھا جو ہر نیچے جانے اور سر اٹھانے پر ”اللہ اکبر“ کہتا تھا اور اس وقت بھی جب وہ کھڑا ہوتا اور جب نیچے جاتا، میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بات بتائی تو انھوں نے کہا: تمھاری ماں مرے! تو کیا یہ نبی ﷺ کی نماز نہیں ہے!؟

فوائد 1 یہ نماز پڑھانے والے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ عکرمہ رحمہ اللہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ اور ان کے

تیار کردہ شاگردِ خاص تھے، جن کے ذریعے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی قرآن وسنت کے بہت سے مسائل و احکام اور تفسیری فوائد امت تک پہنچے۔

2 لَا أُمَّ لَكَ (تیری ماں مرے!): اس سے مراد بددعا نہیں ہوتی بلکہ عرب کے ہاں یہ محبت آمیز عتاب کے الفاظ ہیں جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عکرمہ کو اس لیے کہے کہ انھیں اتنی بھی خبر نہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے، پھر جیسا کہ اس سے اگلے باب میں حدیث آ رہی ہے کہ عکرمہ نے بلند آواز سے تکبیرات کہنے والے امام کو احمق کہا، حالانکہ بلند آواز سے تکبیراتِ انتقال کہنے والے امام کو احمق کہنا خود ان کی نادانی کی دلیل تھا۔

3 اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اتنے قریب زمانہ میں اسلام کے مرکز مکہ مکرمہ میں بلند آواز سے تکبیراتِ انتقال کہنے کا طریقہ اس طرح ترک اور نسیاً منسیاً ہو گیا تھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردِ خاص عکرمہ نے اس عمل کو حماقت کہہ دیا اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اتنی دیر تک ایسے ائمہ کے پیچھے نماز پڑھتے رہے کہ انھیں علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے بلند آواز سے تکبیرات سن کر رسول اللہ ﷺ کی نماز یاد آ گئی۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ نماز کے متعلق بعض قسم کی سستی اور بے پروائی قریب زمانہ ہی سے شروع ہو چکی تھی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ بڑھتا گیا اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بعض لوگ نماز پڑھتے ہیں جیسے وہ تیزی سے کسی ورزش کی مشق کر رہے ہوں یا کوئی بیگار بھگتا رہے ہوں، نہ اطمینان کے ساتھ رکوع، نہ قومہ، نہ سجدہ، نہ جلسہ، غرض بقول اقبال ۔

تیری نماز بے سرور، تیرا امام بے حضور — ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

دوسری بات یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اسے کسی شہر یا کسی گروہ کے تعامل کو بنیاد بنا کر رد کرنا جائز نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی بنا پر تعاملِ اہلِ مدینہ کو حجت تسلیم نہیں کیا۔

١١٧ - بَابُ التَّكْبِيرِ إِذَا قَامَ مِنَ السُّجُودِ

117۔ باب: سجدے سے اٹھ کر کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہنا

٧٨٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ، فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِينَ تَكْبِيرَةً، فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّهُ أَحْمَقُ! فَقَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ! سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ. [راجع: ٧٨٧]

وَقَالَ مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبَانُ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ.

788۔ عکرمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے مکہ میں ایک بزرگ کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے بائیس (٢٢) تکبیریں کہیں، میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ وہ احمق ہے، تو انھوں نے کہا: تیری ماں تجھے گم پائے! یہ ابو القاسم ﷺ کی سنت ہے۔

اور موسیٰ نے کہا: ہمیں ابان نے بیان کیا کہ ہمیں قتادہ نے بیان کیا کہ ہمیں عکرمہ نے بیان کیا۔

فوائد ومسائل: 1 مسند احمد (۲۶۵۶) کی ایک روایت میں وضاحت ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی اور احمد (۲۲۵۷) طحاوی (۲۲۱/۱، ح: ۱۳۱۴) اور طبرانی (۱۱۹۱۸) میں عکرمہ سے روایت ہے: « صَلَّى بِنَا أَبُو هُرَيْرَةَ » ''ہمیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔'' (فتح الباری)

2 بائیس (۲۲) تکبیریں اس طرح ہوئیں کہ ہر رکعت میں پانچ تکبیریں ہوتی ہیں تو چار رکعتوں میں بیس تکبیریں ہوئیں، ان کے ساتھ تکبیر تحریمہ اور دو رکعتوں کے تشہد سے اٹھتے وقت کی تکبیر ملانے سے بائیس تکبیریں ہو گئیں۔

3 امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد موسیٰ بن اسماعیل نے اسے دو طرح بیان کیا ہے، ایک '' أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ '' اور دوسرا '' حَدَّثَنَا أَبَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ۔'' دوسری سند لانے کا مقصد یہ ہے کہ ہمام کی روایت میں قتادہ کی تدلیس ہے اور ابان کی روایت میں قتادہ کا صاف لفظوں میں '' حَدَّثَنَا '' کہنا موجود ہے، جس سے ان کی تدلیس کا شبہ دور ہو گیا۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام صاحب نے ابان والی روایت ہی پہلے کیوں ذکر نہیں کی جس میں تدلیس کا شبہ تک نہ تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہمام راوی امام بخاری کی اصل حدیثوں کی شرط کے مطابق ہیں جب کہ ابان متابعات کی شرط کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری)

٧٨٩ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُولُ: « سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ » حِينَ يَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ، ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ: « رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ » ـ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَالِحٍ، عَنِ اللَّيْثِ: « وَلَكَ الْحَمْدُ » ـ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِي، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا حَتَّى يَقْضِيَهَا، وَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوسِ.

789- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرتے، پھر جب کھڑے ہوتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے، پھر جب رکوع کرتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے، پھر جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے تو '' سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ '' کہتے، پھر کھڑے ہونے کی حالت میں کہتے: '' رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ''۔ عبداللہ بن صالح نے لیث سے '' وَلَكَ الْحَمْدُ '' بیان کیا۔ پھر جب نیچے جھکتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے، پھر جب سر اٹھاتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے، پھر جب سجدہ کرتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے، پھر جب سر اٹھاتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے، پھر اپنی ساری نماز میں ایسے ہی کرتے یہاں تک کہ نماز پوری کر لیتے اور بیٹھنے کے بعد دو رکعتوں سے اٹھتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے۔

[راجع: ٧٨٥ـ أخرجه مسلم: ٣٩٢]

فوائد 1 یہ حدیث ان احادیث کی تفسیر ہے جن میں ہے: « كَانَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَ رَفْعٍ » کہ آپ ﷺ ہر نیچے جانے اور سر اٹھانے پر تکبیر کہتے تھے۔

2 ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ (پھر جب رکوع کرتے تو تکبیر کہتے): اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کے لیے حرکت کے ساتھ ہی تکبیر کہنی چاہیے اور رکوع میں پوری طرح جانے سے پہلے تکبیر پوری کر لینی چاہیے۔ اسی طرح فرمایا: « ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِيْ » (پھر جب نیچے جھکتے تو اللہ اکبر کہتے) اس سے بھی معلوم ہوا کہ تکبیرات کو پہلے رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے ہوئے کہنا چاہیے۔ کیونکہ یہ تکبیرات منتقل ہونے کے لیے ہیں، اگر منتقل ہونے سے پہلے کہے گا تو پہلے رکن کے ذکر کی جگہ ہونے کی وجہ سے غلط ہوگا اور اگر بعد والے رکن میں جا کر کہے گا تو وہ اس رکن کے ذکر کی جگہ ہونے کی وجہ سے غلط ہوگا، اس لیے منتقل ہونے کے درمیان ہی تکبیر اور " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ " کو پورا کر لینا چاہیے۔

3 پھر جب رکوع سے پیٹھ اٹھاتے تو " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ " کہتے ......: اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے اٹھتے ہوئے " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ " اور کھڑے ہو کر اعتدال کی حالت میں " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " کہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نمازی کو دونوں کلمات کہنے چاہییں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام صرف " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ " کہے، " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " نہ کہے اور مقتدی " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ " نہ کہیں بلکہ صرف " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " کہیں۔ یہ حدیث اس بات کی صاف تردید کرتی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اکثر امام ہوتے اور دونوں کلمات کہتے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا: « صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ » [بخاري : ٦٣١] اگر مقتدی منتقل ہونے کے درمیان " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " کہیں تو ان کے لیے قیام میں کون سا ذکر ہوگا؟ اس لیے امام ہو یا مقتدی یا منفرد دونوں کو " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ " رکوع سے اٹھنے کے دوران اور " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " کھڑے ہو کر کہنا چاہیے۔

4 " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " کے الفاظ چار طرح آئے ہیں: ① " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ۔" ② " رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ۔" ③ " اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ۔" ④ " اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ۔" چاروں نبی ﷺ سے ثابت ہیں، اس لیے یا تو کبھی ان میں سے کوئی الفاظ پڑھ لے اور کبھی دوسرے پڑھ لے یا جو سب الفاظ کی جامع ہے، یعنی " اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ " وہ پڑھے۔

5 " رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ " دراصل دو جملے ہیں جن میں سے دوسرے جملے کا پہلے پر واؤ کے ساتھ عطف ہے جو محذوف ہے، مثلاً " رَبَّنَا نَحْمَدُكَ وَلَكَ الْحَمْدُ " " اے ہمارے رب! ہم تیری حمد کرتے ہیں اور تیرے ہی لیے حمد ہے۔"

6 " قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ عَنِ اللَّيْثِ " یعنی اس متابعت میں واؤ کے اضافے کے ساتھ " وَلَكَ الْحَمْدُ " ہے۔ عبداللہ بن صالح بھی یحییٰ بن بکیر کی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ہیں، دونوں کی حدیث اکٹھی بیان ہو سکتی تھی مگر انھوں نے پہلی سند میں دونوں استادوں کا نام نہیں لیا صرف یحییٰ بن بکیر کا نام لیا ہے، کیونکہ یحییٰ بن بکیر ان کی اصل احادیث کی شرط پر ہیں اور عبداللہ بن صالح متابعت کی احادیث کی شرط پر ہیں۔ (فتح الباری)

۱۱۸- بَابُ وَضْعِ الْأَكُفِّ عَلَى الرُّكَبِ فِي الرُّكُوعِ

118- باب: رکوع میں ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھنا

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ فِي أَصْحَابِهِ: أَمْكَنَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ. [راجع: ۸۲۸]

اور ابوحمید رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں کہا کہ نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر جما کر رکھا۔

فائدہ: بخاری رحمہ اللہ نے یہ مکمل حدیث (۸۲۸) میں باسند بیان کی ہے۔

۷۹۰- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مُصْعَبَ بْنَ سَعْدٍ يَقُولُ: صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ أَبِي فَطَبَّقْتُ بَيْنَ كَفَّيَّ، ثُمَّ وَضَعْتُهُمَا بَيْنَ فَخِذَيَّ، فَنَهَانِي أَبِي وَقَالَ: كُنَّا نَفْعَلُهُ، فَنُهِينَا عَنْهُ، وَأُمِرْنَا أَنْ نَضَعَ أَيْدِيَنَا عَلَى الرُّكَبِ. [أخرجه مسلم: ۵۳۵]

790- مصعب بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کے پہلو میں نماز پڑھی تو میں نے (رکوع میں) دونوں ہتھیلیوں کو جوڑا اور انھیں اپنی رانوں کے درمیان رکھ لیا۔ تو میرے والد نے مجھے منع کر دیا اور کہا: ہم یہ کام کرتے تھے، پھر ہمیں اس سے منع کر دیا گیا اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھیں۔

فوائد: 1 دارمی (۱۳۴۱) میں اس حدیث کے راوی ابو یعفور سے اسرائیل کی روایت میں مصعب بن سعد سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹے جب رکوع کرتے تو اپنے ہاتھ اپنی رانوں کے درمیان رکھ لیتے تھے۔ میں نے اپنے والد (سعد رضی اللہ عنہ) کے پہلو میں نماز پڑھی تو (میں نے بھی ایسا ہی کیا تو) انھوں نے میرے ہاتھ پر ضرب لگا کر کہا...... اس سے معلوم ہوا کہ مصعب بن سعد نے یہ عمل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹوں سے سیکھا تھا۔ صحیح مسلم (۵۳۴) اور دوسری کتب میں ہے کہ علقمہ اور اسود دونوں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے (نماز میں) اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے تو انھوں نے ہمارے ہاتھوں پر ضرب لگائی، پھر دونوں ہاتھوں کو ملا کر اپنی رانوں کے درمیان رکھ لیا۔ جب نماز پڑھ چکے تو کہا: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح نماز سکھائی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ (۵۹۵) میں ایک اور سند سے علقمہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر اپنی رانوں کے درمیان رکھا اور رکوع کیا، پھر یہ بات سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انھوں نے کہا: میرے بھائی نے سچ کہا، ہم ایسے ہی کرتے تھے، پھر ہمیں اس طرح کرنے کا حکم دے دیا گیا، یعنی گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا۔ عبدالرزاق (۲۸۶۶) نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: یہ (تطبیق) ایسی چیز ہے جو ہم کرتے تھے، پھر اسے ترک کر دیا گیا۔ ترمذی (۲۵۸) میں ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: «إِنَّ الرُّكَبَ سُنَّتْ لَكُمْ فَخُذُوا بِالرُّكَبِ» "تمھارے لیے گھٹنے مسنون ہیں، اس لیے گھٹنوں کو پکڑو۔" ترمذی نے کہا کہ تطبیق (ہاتھ

گھٹنوں کے درمیان رکھنا) اہلِ علم کے نزدیک منسوخ ہے، ان میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں سوائے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے بعض ساتھیوں کے، کیونکہ وہ تطبیق کیا کرتے تھے۔ (فتح الباری)

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تطبیق سے منع کرنے کی وجہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے آئی ہے، چنانچہ سیف نے ''الفتوح'' میں مسروق سے روایت کی ہے کہ انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تطبیق یہود کا طریقہ ہے اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس چیز کے بارے میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہوتی اس میں آپ اہلِ کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے، پھر آخر کار آپ کو ان کی مخالفت کا حکم دے دیا گیا۔ (فتح الباری)

3 اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کو بھی کسی مسئلے کا علم نہیں ہوتا تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ صحابی کو جو ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے تطبیق کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو سکا اور وہ اور ان کے بعض شاگرد آخر دم تک اس پر قائم رہے، اس کے باوجود امت نے بالاتفاق تطبیق کو منسوخ قرار دے کر اس پر عمل ترک کر دیا، حتیٰ کہ جو لوگ انھیں ''فقہ کے کھیت کا بیج ڈالنے والا'' قرار دیتے ہیں انھوں نے بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ کیا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا مسئلہ معلوم نہ تھا؟ کیا تم ان سے بڑے عالم آ گئے ہو؟ اور نہ ہی انھوں نے اس مسئلہ میں ان کا موقف اختیار کیا۔ اس لیے ہمارا کام یہ ہے کہ انھیں معذور سمجھیں کہ انھیں یہ مسئلہ معلوم نہ ہو سکا اور کبھی بھی ان کی شان میں کوئی نازیبا لفظ کہیں نہ دل میں ایسا خیال لائیں، مگر ان کی اس بات کو ہرگز نہ مانیں جو قرآن و سنت کی دلیل کے خلاف ہو۔

۱۱۹ ۔ بَابٌ : إِذَا لَمْ يُتِمَّ الرُّكُوعَ

119۔ باب: جب رکوع پورا نہ کرے

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں رکوع پورا نہ کرنے پر باب قائم کیا ہے، حالانکہ سجدہ پورا نہ کرنے کا حکم بھی یہی ہے۔ کیونکہ انھوں نے سجدہ پورا نہ کرنے پر الگ باب (۱۳۲) قائم کیا ہے اور انھوں نے ترتیب کے ساتھ نماز کے ارکان کے مسائل قیام و رکوع کے بعد سجود کا بیان کیا ہے اور یہاں صرف یہ کہا ہے کہ ''جب رکوع پورا نہ کرے'' اس کا جواب ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ انھوں نے اسی باب کو کافی سمجھا ہے جو انھوں نے (۱۲۲) پر قائم کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کو پورا نہ کرنے والے کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ (فتح الباری)

۷۹۱ ـ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُلَيْمَانَ، قَالَ : سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ : رَأَى حُذَيْفَةُ رَجُلًا لَا يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، قَالَ : مَا صَلَّيْتَ، وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ

791۔ زید بن وہب نے کہا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو رکوع اور سجدے کو پورا نہیں کر رہا تھا، تو کہا: تم نے نماز نہیں پڑھی اور اگر تم فوت ہو گئے تو اس فطرت کے خلاف پر مرو گے جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔

الَّتِي فَطَرَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا ﷺ . [راجع : ۳۸۹]

فوائد ومسائل: 1 امام بخاری رحمہ اللہ کے زمانے میں بلکہ ان سے بھی پہلے کچھ لوگوں نے نماز کا حلیہ بری طرح بگاڑ دیا تھا، انھوں نے اول تو اسے ایمان کا جزو ماننے ہی سے انکار کر دیا اور کہا کوئی پڑھے یا نہ پڑھے دونوں کا ایمان برابر ہے۔ ''کتاب الایمان'' میں امام صاحب نے ایسے لوگوں کا قرآن وحدیث سے رد فرمایا ہے۔ پھر ان لوگوں نے نماز میں صرف چھ چیزوں کو فرض قرار دیا کہ ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی حتی کہ تمام ارکان میں اطمینان اور اعتدال کو بھی فرض سے خارج کر دیا جس کے چھوڑنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ نماز دوبارہ پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس معاملے میں وہ یہاں تک پہنچ گئے کہ انھوں نے کہا کہ رکوع کا معنی جھکنا ہے، اگر صرف اتنا جھک جائے جتنا تلوار میں خم ہوتا ہے اور اس کے بعد سیدھا کھڑا ہونے کی بجائے سجدے میں چلا جائے، پھر سجدے سے اٹھ کر تسلی سے پوری طرح بیٹھے بغیر دوسرے سجدے میں چلا جائے تو اس کی نماز ادا ہو گئی۔ اس موقف کے لوگوں کا حکومت میں بھی بہت زیادہ دخل ہو گیا تو نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ملت مسلمہ کی اکثریت بے نماز ہو گئی۔ جو پڑھتے رہے ان کی اکثریت ایسی ہی نماز پڑھتی رہی جسے رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ آج بھی آپ کسی مسجد میں جا کر نماز پڑھنے والوں کو دیکھ لیں، اول تو بازاروں، گھروں، کارخانوں، سکولوں، عدالتوں، کھیتوں غرض دوسری جگہوں کے مقابلے میں مسجد میں آنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہو گی، سوائے سعودی عرب کے جہاں کے علماء نماز کو ایمان کا جزو قرار دیتے ہیں اور وہاں کی مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوتی ہیں۔ پھر مسجد میں اگر نماز پڑھنے والوں کی اکثریت کو دیکھیں تو وہ اسی نماز کا تکلف کر رہے ہوں گے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: «اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» [بخاري : ۷۵۷] ''واپس جاؤ اور نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ حدیث نے اپنی اپنی حدیث کی کتابوں میں ایک ایک بات کی اہمیت واضح کرنے کے لیے الگ الگ باب قائم کر کے نبوی نماز کا نقشہ سب لوگوں کے سامنے پیش کر دیا، آگے جس کا دل چاہے مان لے جو نہ چاہے نہ مانے۔ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الكهف : ۲۹] ''پھر جو چاہے سو ایمان لے آئے اور جو چاہے سو کفر کرے۔''

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی ہم نے تو دل جلا کے سر عام رکھ دیا

2 فطرت سے مراد اسلام ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ [الروم : ۳۰] ''پس تو ایک طرف کا ہو کر اپنا چہرہ اس دین کے لیے سیدھا رکھ اللہ کی اس فطرت کے مطابق جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا کیا۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس حدیث کے ساتھ رکوع وسجود میں اطمینان کے وجوب پر استدلال کیا گیا ہے اور اس پر بھی کہ اس میں خلل والے کی نماز باطل ہے اور اس بات پر بھی کہ تارک نماز کافر ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نماز کے بعض ارکان میں خلل والے سے اسلام کی نفی کی تو وہ ساری نماز ترک کرنے والے سے تو بالاولی

اسلام کی نفی کریں گے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ فطرت سے مراد دین ہے اور رسول اللہ ﷺ نے نماز نہ پڑھنے والے پر کفر کا لفظ بولا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم (۸۲) میں ہے۔ (اس کے الفاظ یہ ہیں: « إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَ الْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ » ''آدمی کے درمیان اور شرک وکفر کے درمیان نماز کا ترک ہے۔'') یہ فرمان کچھ لوگوں کے نزدیک اپنی حقیقت پر ہے اور دوسروں کے نزدیک ڈانٹنے میں مبالغے پر محمول ہے۔'' (فتح الباری) شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں: ''اس کے مفہوم میں کئی احادیث آئی ہیں اور درست بات یہی ہے کہ اس میں کفر اپنی حقیقت پر محمول ہے اور یہ کہ جو شخص نماز ترک کر دے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور عبداللہ بن شقیق نے اسے تمام صحابہ کا مذہب بیان کیا ہے اور اس کے دلائل کتاب وسنت میں بہت ہیں۔'' عبداللہ بن شقیق کا بیان ترمذی (۲۶۲۲) میں ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ عبداللہ بن شقیق العقیلی نے کہا: ''محمد ﷺ کے اصحاب نماز کے سوا اعمال میں سے کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔'' اسے علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔ بندہ عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ اگرچہ حق مسئلہ یہی ہے مگر کسی خاص شخص پر کفر کا فتویٰ اسی وقت لگایا جائے گا جب مسلم حاکم اسے گرفتار کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے گا، اگر وہ پھر بھی نماز نہ پڑھنے پر اڑا رہے تو حاکم اسے کافر قرار دے کر قتل کرنے کا حکم جاری کرے گا۔ عام لوگ چونکہ جاہل ہیں، ان کے مولویوں نے انھیں جو بتایا اس کے مطابق نماز چھوڑ کر بھی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں اور ترکِ نماز کے صحیح حکم سے واقف نہیں، اس لیے جہالت کے عذر کی وجہ سے ان پر فتویٰ لگانا مشکل ہے۔

١٢٠ ۔ بَابُ اسْتِوَاءِ الظَّهْرِ فِي الرُّكُوعِ

120 ۔ باب: رکوع میں پیٹھ کو برابر کرنا

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ فِي أَصْحَابِهِ: رَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ، ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ. [راجع: ٨٢٨]

اور ابوحمید (الساعدی) رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں میں کہا: نبی ﷺ نے رکوع کیا، پھر اپنی پیٹھ کو جھکا دیا۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس تعلیق کو اپنی صحیح میں حدیث (۸۲۸) میں مکمل باسند بیان کیا ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ ہے کہ پیٹھ کو جھکانے سے مراد اسے برابر کرنا ہے، اس طرح کہ سر دوسرے دھڑ سے نہ اونچا ہو نہ نیچا بلکہ سیدھ میں ہو۔ ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ ہی سے یہ حدیث ابو داؤد میں ان الفاظ میں مروی ہے: « ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، ثُمَّ يَعْتَدِلُ فَلَا يَصُبُّ رَأْسَهُ وَلَا يُقْنِعُ » [أبو داؤد: ٧٣٠، صحيح] ''پھر آپ ﷺ رکوع کرتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے، پھر برابر ہو جاتے، سو نہ اپنا سر نیچا لے جاتے اور نہ اوپر اٹھائے ہوتے۔'' اور ابوداؤد (۸۵۵) میں ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَا تُجْزِئُ صَلَاةُ الرَّجُلِ حَتَّى يُقِيمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوعِ وَ السُّجُودِ » ''آدمی کی نماز کفایت نہیں کرتی جب تک وہ اپنی پیٹھ رکوع اور سجود میں سیدھی نہ کرے۔''

١٢١ - بَابُ حَدِّ إِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالْاِعْتِدَالِ فِيهِ وَالْاِطْمَأْنِينَةِ

121۔ باب: رکوع کو مکمل کرنے اور اس میں برابر ہونے اور مطمئن ہونے کی حد

٧٩٢ - حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي الْحَكَمُ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ ﷺ وَسُجُودُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ، مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُودَ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ. [انظر: ٨٠١، ٨٢٠۔ أخرجه مسلم: ٤٧١]

792۔ براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کا رکوع، آپ کا سجدہ، سجدوں کے درمیان کا وقفہ اور جب آپ رکوع سے (سر) اٹھاتے (قراءت والے) قیام اور (تشہد والے) جلوس کے سوا تقریباً برابر ہوتے تھے۔

فوائد و مسائل: 1 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: کُشْمِیْھَنِي کی اصیلی والی روایت میں یہاں "بَابُ إِتْمَامِ الرُّكُوعِ" کے الفاظ ہیں اور انھوں نے اسے پہلے باب سے الگ باب کے ساتھ ذکر کیا ہے، باقی تمام نسخوں میں پہلے باب کو اور اس باب کو ایک ہی باب میں جمع کیا گیا ہے۔ البتہ تعلیق کو دونوں کے درمیان ذکر کیا ہے، کیونکہ تعلیق کا تعلق باب کے پہلے حصے سے ہے اور براء رضی اللہ عنہ والی حدیث کا تعلق باب کے دوسرے حصے سے ہے۔

2 حدیث کا مطلب صاف ہے کہ نبی ﷺ کا رکوع، رکوع کے بعد کھڑے ہونے کا وقفہ، سجدہ اور دو سجدوں کے درمیان کا جلسہ تقریباً برابر ہوتے تھے۔ ہاں! قراءت والا قیام اور تشہد والا جلوس ان سے لمبے ہوتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ جو سجدہ اور رکوع تو ٹھہر کر اطمینان کے ساتھ کرتے ہیں مگر قومہ اور جلسہ میں ٹھہرتے ہی نہیں، نہ کچھ پڑھتے ہیں ان کا یہ عمل درست نہیں، حتیٰ کہ اگر اطمینان اور اعتدال نہ ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ رہی یہ بات کہ باب یہ ہے کہ رکوع کو مکمل کرنے اور اس میں اعتدال اور اطمینان کی حد کیا ہے؟ یہ مسئلہ اس حدیث سے کیسے ثابت ہوا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کا سجدہ اور رکوع اور رکوع کے بعد کا قومہ اور سجدوں کے درمیان جلسہ تقریباً برابر ہوتے تھے اور صحیح مسلم (٤٧٣) میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: «وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَامَ، حَتّٰى نَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ، ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتّٰى نَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ» ''رسول اللہ ﷺ جب "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہتے تو کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ ہم کہتے آپ بھول گئے ہیں، پھر آپ سجدہ کرتے اور سجدوں کے درمیان بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ ہم کہتے آپ بھول گئے ہیں۔''

اس حدیث میں قومہ کی مقدار کے اندازے سے رکوع میں ٹھہرنے کی مقدار کا اندازہ بھی ہو گیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا گیا ہے کہ اعتدال یعنی قومہ اور جلسہ لمبا رکن ہیں، خصوصاً انس رضی اللہ عنہ کی حدیث

میں ہے: ''یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ بھول گئے ہیں۔'' (بخاری: ۸۰۰) اور اس کا جواب دینے میں سراسر تکلف ہے۔ (واللہ اعلم)'' (فتح الباری) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس حدیث کے جواب میں قومہ اور جلسہ کو چھوٹا ثابت کرنا چاہتے ہیں ان کی کوشش سراسر تکلف ہے اور بے کار ہے۔

3 " اَلْاِطْمَأْنِيْنَةُ " یہ لفظ اکثر روایات میں اسی طرح ہے، کُشْمِیْهَنِیّ کی روایت میں " اَلطُّمَأْنِيْنَةُ " ہے، اہل لغت کے ہاں یہی مستعمل ہے۔ کیونکہ " اِطْمَأَنَّ يَطْمَئِنُّ " کے دو ہی مصدر آتے ہیں: " اَلْاِطْمِيْنَانُ وَالطُّمَأْنِيْنَةُ "، جیسے " اِقْشَعَرَّ يَقْشَعِرُّ " کے دو ہی مصدر آتے ہیں: " اَلْاِقْشِعْرَارُ وَ الْقُشَعْرِيْرَةُ "۔ اطمینان سے مراد سکون ہے۔ اس کی حد کیا ہے، یہ ہر آدمی اچھی طرح جانتا ہے کہ اب وہ سکون، اطمینان اور تسلی کے ساتھ کھڑا ہو گیا ہے یا بیٹھ گیا ہے۔

۱۲۲ـ بَابُ أَمْرِ النَّبِيِّ ﷺ الَّذِي لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ بِالْإِعَادَةِ

122 ـ باب: نبی ﷺ کا اس شخص کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم جو اپنا رکوع مکمل نہیں کر رہا تھا

۷۹۳ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى، ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَرَدَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْهِ السَّلَامَ، فَقَالَ: « ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ » فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: « ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ » ثَلَاثًا، فَقَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ فَمَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ فَعَلِّمْنِي، قَالَ: « إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا » [راجع: ۷۵۷ـ أخرجه مسلم: ۳۹۷]

۷۹۳ـ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی، پھر آیا اور اس نے نبی ﷺ کو سلام کہا، نبی ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ''واپس جاؤ اور نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' اس نے پھر نماز پڑھی، پھر آیا اور نبی ﷺ کو سلام کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''واپس جاؤ اور نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' تین دفعہ ایسا ہی ہوا تو اس نے کہا: قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں تو اس کے سوا اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا، اس لیے آپ مجھے سکھا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو ''اللہ اکبر'' کہہ، پھر جو قرآن میں سے تمھیں آسان ہے وہ پڑھ، پھر رکوع کر حتیٰ کہ رکوع کی حالت میں تجھے اطمینان (تسلی) ہو جائے، پھر سر اٹھا حتیٰ کہ تو سیدھا کھڑا ہو جائے، پھر سجدہ کر حتیٰ کہ سجدہ کی حالت میں تجھے تسلی ہو جائے، پھر سر اٹھا حتیٰ کہ تو تسلی کے ساتھ بیٹھ جائے، پھر

سجدہ کرحتیٰ کہ تجھے سجدے کی حالت میں تسکین ہو جائے، پھر
اپنی ساری نماز میں ایسے ہی کر۔"

فوائد ومسائل: 1 زین بن المُنَیِّر نے کہا: اس حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت پوشیدہ ہے، کیونکہ اس میں اس نمازی کی نماز کا نقص بیان نہیں ہوا جس کی وجہ سے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، لیکن جب آپ ﷺ نے اسے فرمایا: "پھر رکوع کرحتیٰ کہ رکوع کی حالت میں تجھے اطمینان ہو جائے۔" اور بعد والے تمام ارکان میں اطمینان کا حکم دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کی نماز کی کمی یہی تھی اور یہ کہ جو شخص رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ میں سے کسی رکن میں اطمینان اور اعتدال نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی اور دوبارہ پڑھنی لازم ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ابن ابی شیبہ (۱/۳۵۷، ح: ۲۹۵۸) میں اس قصہ میں رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ آئے ہیں: «دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى صَلَاةً خَفِيفَةً لَا يُتِمُّ رُكُوْعًا وَلَا سُجُوْدًا» "ایک آدمی آیا اور اس نے ہلکی نماز پڑھی، اس نے نہ رکوع پورا کیا نہ سجدہ۔" تو ظاہر یہ ہے کہ بخاری نے ترجمۃ الباب میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (فتح الباری) مگر ابن المُنَیِّر کی بات زیادہ وزنی ہے، کیونکہ اس سے الگ حدیث کی ضرورت نہیں رہتی۔

2 یہ آنے والے صحابی خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ تھے۔ بعض حضرات نے "تم نے نماز نہیں پڑھی" کا مطلب یہ نکالا ہے کہ تم نے کامل نماز نہیں پڑھی، یہ مطلب نہیں کہ تمھاری نماز نہیں ہوئی۔ یعنی آپ نے نماز کے وجود کی نفی نہیں کی بلکہ اس کے کمال کی نفی کی ہے، کیونکہ آپ نے آخری بار سکھانے کے بعد اسے دوبارہ نماز کا حکم نہیں دیا۔ مگر یہ بات بے کار ہے، کیونکہ آخری بار بھی آپ نے اسے دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا تو اس نے آپ سے سکھانے کی درخواست کی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اب اس طریقے سے دوبارہ پڑھو، الگ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ (فتح الباری)

3 اس حدیث میں تعلیم کا طریقہ بھی سکھایا گیا ہے کہ غلطی کرنے والے کو فوراً غلطی بتانے کی بجائے اسے خود سوچ کر اپنی غلطی درست کرنے پر اصرار کرنا چاہیے۔ جب وہ کسی طرح نہ سمجھ سکے اور اپنے نہ سمجھ سکنے کا اعتراف کرے تو پھر اس کی اصلاح کرنی چاہیے، کیونکہ یہ اصلاح بھولتی نہیں۔

4 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کہنا کتنا ضروری ہے، رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی بدولت صحابہ سلام کا کس قدر اہتمام کرتے تھے۔ اس واقعہ میں صحابی نے اسی جگہ قریب ہی نماز پڑھنے کے باوجود ہر بار آ کر آپ ﷺ کو سلام کہا اور آپ نے اسے جواب دے کر اگلی بات کی ہے۔

5 بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قرآن میں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا﴾ [الحج: ۷۷] ارشاد ہوا ہے۔ اب سجدہ کا معنی زمین پر پیشانی رکھنا ہے، اطمینان کا ذکر قرآن مجید میں نہیں، حدیث خبر واحد ہے، اس سے قرآن پر زیادتی نہیں ہو سکتی، اس لیے اعتدال اور اطمینان فرض نہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قاعدہ کہ "خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہیں ہو سکتی" بنایا ہی اپنی مرضی کی احادیث کو رد کرنے کے لیے گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ حضرات جہاں چاہتے ہیں خبر واحد

کے ساتھ قرآن پر زیادتی کر لیتے ہیں خواہ وہ سند کے لحاظ سے ثابت بھی نہ ہو اور کہہ دیتے ہیں یہ خبر مشہور ہے، اس کے ساتھ قرآن پر زیادتی ہو سکتی ہے۔ پھر یہاں زیادتی کا مسئلہ ہے ہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی آیت کی وضاحت فرمائی ہے اور آپ کا منصب ہی وحی کی تبیین ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ [النحل : ٤٤] ”اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری تا کہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تا کہ وہ غور وفکر کریں۔“

6 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص سے نماز کے فرائض میں سے کوئی چیز رہ جائے اسے وہ نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔

7 اس حدیث سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سبق بھی ملتا ہے اور یہ بھی کہ تعلیم کس طرح محبت اور نرمی سے دی جاتی ہے، جس میں اصل مسئلہ کو کھول کر واضح کیا گیا ہو اور مزید جس بات کی ضرورت ہو وہ بھی بیان کی جائے، جیسا کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے نماز سے پہلے اچھی طرح وضو، پھر قبلہ رخ ہونے اور دوسری باتوں کا ذکر بھی فرمایا اور کسی طرح کی ملامت، طعن یا ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔

8 جو بات آدمی کی سمجھ میں نہ آ رہی ہو وہ پوچھ لینی چاہیے، جیسے اس آدمی نے کہا: « فَعَلِّمْنِيْ » ”پھر آپ مجھے سکھا دیجیے۔“

9 امام کو نماز پڑھاتے ہی اٹھ کر نکل نہیں جانا چاہیے، بلکہ مسجد میں بیٹھنا چاہیے، تا کہ لوگ اس کے پاس بیٹھیں اور وہ انھیں تعلیم دے سکے اور ان کی اصلاح کر سکے۔

10 مسجد میں آنے والے کو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھنی چاہییں۔

١٢٣ - بَابُ الدُّعَاءِ فِي الرُّكُوعِ

123۔ باب: رکوع میں دعا

٧٩٤ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ: « سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي » [انظر : ٨١٧، ٤٢٩٣، ٤٩٦٧، ٤٩٦٨ - أخرجه مسلم : ٤٨٤]

794۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ اپنے رکوع اور سجدے میں یہ دعا کرتے تھے: ”تو پاک ہے اے اللہ! اے ہمارے رب! اور تیری حمد کے ساتھ ہی (ہم تیری تسبیح کرتے ہیں)، اے اللہ! مجھے بخش دے۔“

فوائد 1 بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ رکوع میں دعا نہیں کرنی چاہیے، صرف رب تعالیٰ کی عظمت کا بار بار اظہار ہونا چاہیے۔ اس کی دلیل وہ صحیح مسلم سے نبی ﷺ کی حدیث (٤٧٩) پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: « أَلَا وَإِنِّيْ نُهِيْتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا، فَأَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ عَزَّ وَجَلَّ، وَأَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا

فِي الدُّعَاءِ، فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ ›› ’’سنو! مجھے رکوع یا سجدے کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، سو رکوع میں تو رب عزوجل کی عظمت بیان کرو اور رہا سجدہ تو اس میں دعا کی کوشش کرو، کیونکہ بہت لائق ہے کہ تمھاری دعا قبول کرلی جائے۔‘‘ ان کے کہنے کے مطابق اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا محل سجدہ ہے رکوع نہیں۔ مگر اس بات کی بنیاد مفہوم مخالف کے حجت ہونے پر ہے، حالانکہ وہ ہر جگہ حجت نہیں ہوتا۔ یہاں ہی دیکھ لیجیے، یہاں رکوع میں رب تعالیٰ کی عظمت بیان کرنے کا ذکر ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ سجدے میں ہم دعا کرتے ہیں تو ہم اس میں رب تعالیٰ کی عظمت بیان نہیں کر سکتے۔ نہیں ایسا نہیں بلکہ اس میں دعا کے ساتھ رب عزوجل کی عظمت بھی بیان کی جا سکتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب اسی لیے قائم کیا ہے کہ رکوع میں عظمت کے بیان کے علاوہ کوئی دعا بھی کی جا سکتی ہے، جیسا کہ سجدے میں دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت بھی بیان کی جا سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی حمد اور اس کی تسبیح بیان کرنا بھی دعا ہی کی ایک قسم ہے، کیونکہ ان سب کا مقصد بھی دعا اور اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے، جیسا کہ ایک شاعر نے اپنے ممدوح کے متعلق کہا ہے۔

إِذَا أَثْنَى عَلَيْكَ الْمَرْءُ يَوْمًا كَفَاهُ مِنْ تَعَرُّضِهِ الثَّنَاءُ

’’جب کوئی آدمی کسی دن تمھاری تعریف کرتا ہے تو صاف لفظوں میں مانگنے کی بجائے یہ تعریف ہی اسے کافی ہو جاتی ہے۔‘‘

جب ایک سخی آدمی کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی شان تو اس سے بہت بلند ہے۔ باب کا عنوان حدیث میں ’’اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ‘‘ کے الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے۔

2 ’’سُبْحَانَكَ‘‘ میں اللہ تعالیٰ کے تمام عیوب ونقائص سے پاک ہونے کا ذکر ہے اور ’’وَبِحَمْدِكَ‘‘ میں اس کے تمام خوبیوں اور کمالات سے متصف ہونے کا ذکر ہے، اس لیے یہ ذکر اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا جامع ذکر ہے۔

١٢٤ ـ بَابُ مَا يَقُولُ الْإِمَامُ وَمَنْ خَلْفَهُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ ؟

124۔ باب: امام اور اس کے پیچھے والے جب رکوع سے سر اٹھائیں تو کیا کہیں؟

٧٩٥ ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَالَ: «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» قَالَ: «اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ يُكَبِّرُ، وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ قَالَ: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» [راجع: ٧٨٥ـ أخرجه مسلم: ٣٩٢]

795۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب ’’سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ‘‘ کہتے تو یہ کہتے تھے: ’’اے اللہ! اے ہمارے رب! اور تیرے ہی لیے سب تعریف ہے۔‘‘ اور نبی ﷺ جب رکوع کرتے اور جب (سجدے سے) اپنا سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے اور جب دو سجدوں سے اٹھتے تو ’’اللہ اکبر‘‘ کہتے تھے۔

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد کے لیے حدیث (۷۸۹) ملاحظہ کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث: « وَ إِذَا قَالَ : سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ، فَقُوْلُوْا : رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ » [بخاري : ۷۲۲] ''جب امام '' سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ '' کہے تو تم '' رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ '' کہو۔'' اس حدیث سے بعض لوگوں نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ رکوع سے اٹھتے ہوئے امام '' سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ '' کہے گا اور مقتدی '' رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ '' کہیں گے، نہ امام '' رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ '' کہے گا نہ ہی مقتدی '' سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ '' کہیں گے۔ نتیجہ اس کا صاف ظاہر ہے کہ امام '' سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ '' کہنے کے ساتھ ہی '' اللہ اکبر'' کہہ کر سجدے میں چلا جائے گا اور مقتدی '' رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ '' کہہ کر اس کے ساتھ ہی سجدے میں چلے جائیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جس میں رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ تقریباً برابر ہوتے تھے (دیکھیے بخاری: ۷۹۲) نہ امام کو حاصل ہو سکے گی نہ مقتدی کو اور صدیوں سے یہ حضرات ایسی ہی نماز پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ '' سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ '' اور '' رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ '' دونوں کہتے تھے۔ ظاہر ہے نبی ﷺ ہمیشہ امام ہوتے تھے، آپ ﷺ نے صرف ایک نماز عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ امام کو یہ دونوں کلمات کہنے چاہییں۔ رسول اللہ ﷺ اس سے زیادہ کلمات بھی پڑھتے تھے، چنانچہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے تو یہ کہتے تھے: « سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلْءُ السَّمَاوَاتِ وَ مِلْءُ الْأَرْضِ وَ مِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ » [مسلم، الصلاة، باب ما يقول إذا رفع رأسه من الركوع : ۴۷۶/۲۰۲] ''اللہ نے سن لیا جس نے اس کی حمد کی۔ اے اللہ! اے ہمارے رب! تیرے ہی لیے تمام حمد ہے آسمانوں کو بھرنے کے برابر اور زمین کو بھرنے کے برابر اور اس کے بعد ہر اس چیز کو بھرنے کے برابر جو تو چاہے۔'' صحیح مسلم کے اسی باب میں ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث میں اس کے بعد مزید الفاظ بھی ہیں: « اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِيْ بِالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَالْمَاءِ الْبَارِدِ، اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِيْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْوَسَخِ » [مسلم : ۴۷۶/۲۰۴] ''اے اللہ! مجھے برف اور اولوں اور ٹھنڈے پانی کے ساتھ پاک کر دے۔ اے اللہ! مجھے گناہوں اور خطاؤں سے اس طرح پاک کر دے جیسے سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے۔''

اب آپ غور فرمائیں کہ امام نے رکوع سے منتقل ہونے کے دوران '' سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ '' کہا اور کھڑے ہو کر '' رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ '' اور وہ لمبی دعا پڑھی جو اوپر صحیح مسلم سے نقل کی گئی ہے، یا ان دعاؤں میں سے کوئی ایک پڑھی جو صحیح مسلم اور دوسری کتبِ حدیث میں قومہ کے اندر رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں اور پیچھے نماز پڑھنے والوں نے منتقل ہونے کے دوران '' رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ '' پڑھا، تو کھڑے ہونے کے دوران وہ کیا پڑھیں گے۔ ان حضرات کے مطابق تو '' سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ '' کے بعد امام کا وہ دعائیں پڑھنا ہی جائز نہیں اور مقتدی کا '' سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ '' پڑھنا جائز نہیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے دونوں دعائیں پڑھی ہیں، تو مقتدی کیا کریں؟ حقیقت یہ ہے کہ انھیں وہی کرنا چاہیے جو رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے: « صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ » [بخاري : ۶۳۱] ''نماز اس طرح پڑھو جیسے تم نے مجھے دیکھا ہے کہ میں

نماز پڑھتا ہوں۔'' اس لیے امام، مقتدی اور منفرد سب کو " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " اور " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " دونوں اور بعد والی دعاؤں میں سے جو یاد کر سکیں پڑھنی چاہییں۔

١٢٥ - بَابُ فَضْلِ : اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

125 - باب: " اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " کی فضیلت

٧٩٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « إِذَا قَالَ الْإِمَامُ : سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا : اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ » [انظر : ٣٢٢٨- أخرجه مسلم : ٤٠٩]

796- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام کہے " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " تو تم کہو " اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ "، کیونکہ جس کا یہ کہنا فرشتوں کے کہنے کے موافق ہو گیا اس کے وہ گناہ بخش دیے گئے جو اس سے پہلے گزرے۔''

فوائد 1 اس سے پہلے باب میں گزرا ہے کہ امام اور مقتدی جب رکوع سے اٹھیں تو کیا کہیں؟ اس باب میں مذکور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " اور " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " دونوں کلمات کہتے تھے۔ مقصد اس باب کا یہ تھا کہ امام اور مقتدی دونوں کو یہ دونوں کلمات کہنے چاہییں۔ اس ضمن میں " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " اور " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " کا ذکر آیا تو امام صاحب نے اس باب کے ساتھ ایک ذیلی عنوان قائم کر دیا کہ اس کلمے کی کیا فضیلت ہے۔

2 یہ فضیلت کیا کم ہے کہ اتنے آسان عمل پر گزشتہ گناہوں کی مغفرت کی بشارت مل رہی ہے۔

3 بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ نکالا ہے کہ امام " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " کہے گا اور مقتدی " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " کہے گا، نہ امام " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " کہے گا اور نہ مقتدی " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ "، مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ صریح حدیث گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ دونوں کلمات کہتے تھے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام " وَلَا الضَّآلِّيْنَ " کہے تو تم آمین کہو۔'' (بخاری: ٧٨٢) اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام آمین نہ کہے اور مقتدی " وَلَا الضَّآلِّيْنَ " نہ کہے، کیونکہ صریح احادیث موجود ہیں کہ جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام " وَلَا الضَّآلِّيْنَ " اور ''آمین'' دونوں کہے گا اور متواتر احادیث میں ہے کہ جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی کوئی نماز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی آمین بھی کہے گا اور سورۂ فاتحہ بھی پڑھے گا جس میں " وَلَا الضَّآلِّيْنَ " بھی ہے۔

۱۲۶۔ بَابٌ

126۔ باب (بلاعنوان)

فائدہ: پچھلے ابواب میں یہ بیان ہوا ہے کہ امام " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " کے بعد " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " بھی کہے گا، اب اسی کے ضمن میں یہ بیان ہوگا کہ " رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " کے ساتھ مزید دعائیں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ دعائیں دو طرح کی ہوسکتی ہے، ایک وہ جو خاص حالات میں پڑھی جاتی ہیں، انھیں قنوتِ نازلہ کہا جاتا ہے، دوسری وہ جو عام پڑھی جاتی ہیں۔ اس باب میں امام صاحب دونوں طرح کی حدیث لائے ہیں۔ اس سے پہلے باب (۱۲۴) کے فوائد میں صحیح مسلم سے بھی ایک ذکر نقل کیا گیا ہے، وہ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

٧٩٧ ـ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَأُقَرِّبَنَّ صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ، فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقْنُتُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُخْرَى مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ، وَصَلَاةِ الْعِشَاءِ، وَصَلَاةِ الصُّبْحِ بَعْدَ مَا يَقُولُ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَيَدْعُو لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَلْعَنُ الْكُفَّارَ. [أخرجه مسلم: ٦٧٦]

797۔ ابوسلمہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ کی نماز (تمھارے) قریب کردوں گا۔ تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ظہر، عشاء اور صبح کی نماز کی آخری رکعت میں " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " کہنے کے بعد قنوت کرتے تھے اور ایمان والوں کے لیے دعا کرتے اور کفار پر لعنت کرتے تھے۔

فائدہ: بعض حضرات کے خیال میں یہ حدیث مرفوع نہیں، نفسِ قنوت تو مرفوع ہے مگر ظہر، عشاء اور صبح کی نماز میں یہ عمل ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک سے زیادہ نمازوں میں قنوت ثابت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے اس حدیث کے بعد انس رضی اللہ عنہ کی حدیث لانے کا مطلب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قنوت صرف ایک نماز میں نہیں تھی بلکہ متعدد نمازوں میں تھی۔ اس لیے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نمازوں کا ذکر بھی مرفوع ہے۔

٧٩٨ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ الْقُنُوتُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْفَجْرِ.

798۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: قنوت مغرب اور فجر میں تھی۔

فائدہ: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان نمازوں میں آپ ﷺ قنوت کثرت کے ساتھ کرتے تھے، کیونکہ پچھلی

حدیث میں ظہر اور عشاء کا بھی ذکر ہے اور ابو داود (۱۴۴۳) اور مسلم (۶۷۷/۲۹۸) میں رسول اللہ ﷺ کا فجر کی نماز میں قنوت کرنا بھی ثابت ہے۔

٧٩٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْمُجْمِرِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى بْنِ خَلَّادٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ، قَالَ: كُنَّا يَوْمًا نُصَلِّي وَرَاءَ النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ، قَالَ: «سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» قَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: «مَنِ الْمُتَكَلِّمُ؟» قَالَ: أَنَا، قَالَ: «رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِينَ مَلَكًا يَبْتَدِرُونَهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ»

799۔ رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دن ہم نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو کہا: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ"، تو آپ کے پیچھے ایک آدمی نے کہا: "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ" (اے ہمارے رب! تیرے ہی لیے تمام حمد ہے، حمد بہت زیادہ، پاکیزہ، جس میں برکت دی گئی ہے) جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا: ''یہ کلمات کہنے والا کون تھا؟'' اس نے کہا: میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمیں سے کچھ اوپر فرشتے دیکھے کہ وہ ان کلمات کی طرف جلدی سے جا رہے تھے کہ ان میں سے کون انھیں پہلے لکھے۔''

فوائد: 1 ابن بشکوال نے "غوامض الأسماء المبهمة (۳۸۹/۱)" میں نسائی (۹۳۱) وغیرہ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ کلمات کہنے والے خود راوی حدیث رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ اس روایت میں وہ کہتے ہیں: «صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا ......» ''میں نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، مجھے چھینک آئی تو میں نے یہ کلمات کہے: " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا ......۔" اس پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر یہ دو الگ الگ واقعات ہیں، ایک واقعہ میں چھینک آنے پر رفاعہ رضی اللہ عنہ کے یہ کہنے کا ذکر ہے، دوسرے میں رسول اللہ ﷺ کے "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کے بعد ایک آدمی کے یہ کلمات کہنے کا ذکر ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے اور تطبیق یہ ہے کہ رفاعہ رضی اللہ عنہ کو اتفاق سے رسول اللہ ﷺ کے "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہنے کے وقت چھینک آئی اور انھوں نے یہ کلمات کہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے یہ بشارت سنائی۔ (فتح الباری)

2 معلوم ہوا کہ یہ فرشتے "حَفَظَةٌ" یعنی اعمال لکھنے پر مقرر فرشتوں کے سوا ہیں۔ صحیحین میں دوسری حدیث ہے کہ اللہ کے کچھ فرشتے پھرتے رہتے ہیں، اللہ کی یاد کرنے والوں کو ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ اس کلام میں چونتیس (۳۴) حروف ہیں، ہر حرف کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ اتارا۔ معلوم ہوا کہ یہ کلام بڑی فضیلت والا ہے، ہر مومن کو چاہیے کہ "سَمِعَ اللّٰهُ

لِمَنْ حَمِدَهُ" کے بعد اس کو کہے اور بے حد ثواب کے ساتھ لوٹے۔ (تیسیر الباری)

3 اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ نماز میں اپنے پاس سے بھی کوئی اچھا کلمہ کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ رفاعہ رضی اللہ عنہ نے کہا، مگر یہ بات اس حد تک درست ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں کسی صحابی نے ایسا کلمہ کہا ہو اور نبی ﷺ نے اسے درست قرار دیا ہو اور قائم رکھا ہو، آپ کے بعد کسی کا یہ حق نہیں، کیونکہ اب شریعت مکمل ہوگئی، کسی کو اس میں اضافے کا حق نہیں۔

١٢٧ - بَابُ الْاِطْمَأْنِينَةِ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ

127۔ باب: رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اطمینان سے کھڑا ہونا

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ: رَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ وَاسْتَوَى حَتَّى يَعُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ. [راجع: ٨٢٨]

اور ابو حمید رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے (اپنا سر) اٹھایا اور سیدھے ہو گئے، یہاں تک کہ پیٹھ کے تمام مہرے اپنی جگہ پر لوٹ آئے۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ پوری حدیث باسند "بَابُ سُنَّةِ الْجُلُوسِ فِي التَّشَهُّدِ" میں بیان کی ہے۔ (دیکھیے حدیث: ۸۲۸)

٨٠٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ ثَابِتٍ، قَالَ: كَانَ أَنَسٌ يَنْعَتُ لَنَا صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ، فَكَانَ يُصَلِّي، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَامَ حَتَّى نَقُولَ: قَدْ نَسِيَ. [انظر: ٨٢١- أخرجه مسلم: ٤٧٢ مطولاً، ٤٧٣ بطول فيه اختلاف]

800۔ ثابت سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ ہمیں نبی ﷺ کی نماز کا نقشہ بتاتے تھے، چنانچہ وہ نماز پڑھتے تو جب وہ رکوع سے سر اٹھاتے تو کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ یقیناً وہ بھول گئے ہیں۔

فائدہ یہ حدیث شعبہ نے ثابت سے مختصر بیان کی ہے، جبکہ حماد بن زید نے ثابت ہی سے اسے طویل بیان کیا ہے، جیسا کہ آگے "بَابُ الْمُكْثِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ" میں آ رہا ہے۔ اس کے شروع میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: «إِنِّي لَا آلُو أَنْ أُصَلِّيَ بِكُمْ كَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِنَا» "میں تمھیں اس طرح نماز پڑھانے میں کوئی کمی نہیں کروں گا جیسے میں نے نبی ﷺ کو ہمیں نماز پڑھاتے ہوئے دیکھا۔" حماد بن زید نے یہ الفاظ مزید بیان کیے ہیں کہ ثابت نے کہا کہ پھر انس رضی اللہ عنہ ایک کام کرتے تھے جو میں نے تمھیں کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (فتح الباری) اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی نماز پڑھا کر دکھائی وہ رکوع کے بعد تسلی کے ساتھ کھڑے نہیں ہوتے تھے، اس لیے انھیں انس رضی اللہ عنہ کے دیر تک کھڑے رہنے پر تعجب ہوتا اور اپنے خیال میں وہ یقین کر لیتے کہ انس رضی اللہ عنہ کو سجدے میں

جانا بھول گیا ہے، یا یہ یاد ہی نہیں رہا کہ میں نماز پڑھا رہا ہوں۔ کیونکہ " قَدْ نَسِيَ " کا معنی "شاید بھول گئے" نہیں بلکہ "یقیناً بھول گئے" ہے۔ ان خوش بخت لوگوں نے تو انس رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی نماز دیکھ کر امامت تک پہنچا دی مگر آج اگر کوئی شخص ایسے لوگوں کو نماز پڑھائے تو عین ممکن ہے کہ وہ اسے ان کے مذہب کے مطابق نہ ہونے پر مسجد ہی سے نکال دیں۔

٨٠١ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ ﷺ وَسُجُودُهُ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ. [راجع: ٧٩٢ـ أخرجه مسلم: ٤٧١]

801۔ براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کا رکوع اور آپ کا سجدہ اور آپ کے رکوع سے سر اٹھانے اور سجدوں کے درمیان کا جلسہ تقریباً برابر ہوتے تھے۔

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (792)۔

٨٠٢ ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: كَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ يُرِينَا كَيْفَ كَانَ صَلَاةُ النَّبِيِّ ﷺ، وَذَاكَ فِي غَيْرِ وَقْتِ صَلَاةٍ، فَقَامَ فَأَمْكَنَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَمْكَنَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَأَنْصَتَ هُنَيَّةً، قَالَ: فَصَلَّى بِنَا صَلَاةَ شَيْخِنَا هَذَا أَبِي بُرَيْدٍ، وَكَانَ أَبُو بُرَيْدٍ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الْآخِرَةِ اسْتَوَى قَاعِدًا، ثُمَّ نَهَضَ. [راجع: ٦٧٧]

802۔ ابو قلابہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہمیں دکھایا کرتے تھے کہ نبی ﷺ کی نماز کیسی تھی اور یہ نماز کے وقت کے علاوہ ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ کھڑے ہوئے تو جم کر کھڑے ہو گئے، پھر رکوع کیا تو جم کر رکوع کیا، پھر سر اٹھایا تو تھوڑی دیر خاموش رہے۔ (ابو قلابہ نے) کہا: تو انھوں نے ہمیں ہمارے اس شیخ ابو یزید کی نماز کی طرح نماز پڑھائی اور ابو یزید جب آخری سجدے سے سر اٹھاتے تو برابر ہو کر بیٹھ جاتے، پھر اٹھ کر کھڑے ہوتے تھے۔

فوائد 1 یہ حدیث اس سے پہلے رقم (677) میں گزر چکی ہے۔ باب سے اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ "وہ رکوع سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر خاموش رہے۔" اس سے رکوع کے بعد اطمینان کے ساتھ کھڑا ہونا ثابت ہوا۔

2 "ہمارے اس شیخ ابو یزید" سے مراد عمرو بن سلمہ الجرمی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی کنیت کے ضبط میں اختلاف ہے، یہاں اکثر نسخوں میں "یا" اور "زا" کے ساتھ ابو یزید ہے اور حموی اور کریمہ کے نسخے میں "با" اور "را" اور تصغیر کے ساتھ ابو بُرید ہے۔ مسلم نے "الکنیٰ" (158/1) میں ایسے ہی ضبط کیا ہے۔ عبدالغنی بن سعید نے کہا: میں نے کسی سے زاء (نقطے والی) کے سوا نہیں

منا، لیکن مسلم (رواۃ کے اسماء کا) زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔ (واللہ اعلم) (فتح الباری)

3 اس حدیث سے دوسرے سجدے کے بعد پوری تسلی سے بیٹھ کر دوسری رکعت کے لیے اٹھنا ثابت ہوا، اسے جلسۂ استراحت کہتے ہیں۔ حدیث (۸۲۳) میں اس پر مزید بات ہوگی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

۱۲۸ ۔ بَابٌ: يَهْوِي بِالتَّكْبِيرِ حِينَ يَسْجُدُ

128۔ باب: جب سجدہ کرنے لگے تو تکبیر کہتا ہوا نیچے جائے

وَقَالَ نَافِعٌ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ.

اور نافع نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھتے تھے۔

فوائد ومسائل: 1 اس ترجمۃ الباب کے ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ نے سجدے میں جانے کی قولی اور فعلی کیفیت بیان کی ہے۔ قولی یہ کہ رکوع کے بعد سجدے کے لیے نیچے جانے کے دوران "اللہ اکبر" کہتا ہوا جائے اور سجدے سے پہلے تکبیر پوری کرے، تاکہ انتقال کی یہ تکبیر نہ رکوع کے دوران واقع ہو نہ سجدے کے درمیان، کیونکہ ان دونوں کے اپنے اپنے الگ اذکار ہیں، ان میں تکبیرِ انتقال شامل نہیں ہونی چاہیے۔ فعلی کیفیت یہ ہے کہ زمین پر گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھے۔ اہلِ علم نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ ہاتھ پہلے رکھ کر جب آدمی پیشانی اور گھٹنے زمین پر رکھے گا تو ان دونوں پر جسم کا سارا بوجھ نہیں پڑے گا اور ہاتھوں کے سہارے کی وجہ سے یہ دونوں نسبتاً نازک اعضا صدمے سے محفوظ رہیں گے۔

2 ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فعل ابن خزیمہ (۶۲۷) اور طحاوی (۲۵۴/۱) وغیرہ نے متصل سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے آخر میں یہ لفظ زیادہ ہیں: «وَ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ» "(نافع نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھتے تھے) اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کرتے تھے۔" بیہقی نے کہا: عبدالعزیز نے اسے ایسے ہی روایت کیا ہے اور میں اسے وہم ہی سمجھتا ہوں، یعنی اس کا مرفوع بیان کرنا۔ مگر حافظ رحمہ اللہ نے اسے وہم سمجھنے کی علت جو بیہقی نے بیان کی ہے اسے کمزور قرار دیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ وَلَا يَبْرُكْ بُرُوْكَ الْبَعِيْرِ» [نسائي: ۱۰۹۱۔ أبو داوٗد: ۸۴۰، صحيح] "جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھے اور اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے۔" بعض لوگوں نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ اونٹ ہاتھ پہلے رکھتا ہے مگر یہ درست نہیں، کیونکہ اونٹ جب بیٹھتا ہے تو پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھتا ہے، پھر بیٹھتا ہے اور چوپاؤں کے گھٹنے ان کے ہاتھوں یعنی اگلے پاؤں ہی میں ہوتے ہیں جیسا کہ ہجرت کی حدیث میں ہے: «سَاخَتْ يَدَا فَرَسِيْ فِي الْأَرْضِ حَتّٰى بَلَغَتَا الرُّكْبَتَيْنِ» [بخاري: ۳۹۰۶] "میری گھوڑی کے ہاتھ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔"

3 اس کے مقابلے میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: «رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِذَا سَجَدَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ »[ترمذي : ٢٦٨] ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھتے تھے۔“ مگر اسے بیان کرنے میں شریک راوی اکیلے ہیں اور جس روایت میں وہ اکیلے ہوں محدثین کے نزدیک محل نظر ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے قوی قرار دیا۔ (ہدایۃ القاری)

4 امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی ترجمۃ الباب میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ذکر کر کے اپنا فیصلہ بیان کر دیا ہے۔

٨٠٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ، وَغَيْرِهَا فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ، فَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُولُ : سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، ثُمَّ يَقُولُ : رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَ، ثُمَّ يَقُولُ : اللَّهُ أَكْبَرُ، حِينَ يَهْوِي سَاجِدًا، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الْجُلُوسِ فِي الْاِثْنَتَيْنِ، وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ حَتَّى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلَاةِ، ثُمَّ يَقُولُ حِينَ يَنْصَرِفُ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنِّي لَأَقْرَبُكُمْ شَبَهًا بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، إِنْ كَانَتْ هٰذِهِ لَصَلَاتَهُ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا . [راجع : ٧٨٥ـ أخرجه مسلم : ٣٩٢]

803۔ ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام اور ابو سلمہ ابن عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر نماز میں تکبیر کہتے تھے، فرض ہو یا غیر فرض، رمضان میں ہو یا اس کے علاوہ۔ چنانچہ وہ جب کھڑے ہوتے تو ”اللہ اکبر“ کہتے، پھر جب رکوع کرتے تو ”اللہ اکبر“ کہتے، پھر ” سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ “ کہتے، پھر سجدے سے پہلے کہتے: ” رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ “، پھر جب سجدے کے لیے نیچے جاتے تو ”اللہ اکبر“ کہتے، پھر جب سجدے سے سر اٹھاتے تو ”اللہ اکبر“ کہتے، پھر جب سجدہ کرتے تو ”اللہ اکبر“ کہتے، پھر جب سجدے سے سر اٹھاتے تو ”اللہ اکبر“ کہتے، پھر جب دو رکعتوں میں بیٹھنے سے اٹھتے تو ”اللہ اکبر“ کہتے اور ہر رکعت میں ایسے ہی کرتے حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو جاتے۔ پھر جب پلٹتے تو کہتے: قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں رسول اللہ ﷺ کی نماز میں مشابہت میں تم سب سے زیادہ قریب ہوں، یقیناً رسول اللہ ﷺ کی نماز یہی تھی، یہاں تک کہ آپ دنیا سے چلے گئے۔

٨٠٤ - قَالَا : وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ يَقُولُ :

804۔ ان دونوں (ابو بکر بن عبد الرحمٰن اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن) نے کہا: اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اور رسول

«سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» يَدْعُو لِرِجَالٍ فَيُسَمِّيهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ، فَيَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ» وَأَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِنْ مُضَرَ مُخَالِفُونَ لَهُ . [انظر : ١٠٠٦، ٢٩٣٢، ٣٣٨٦، ٤٥٦٠، ٤٥٩٨، ٦٢٠٠، ٦٣٩٣، ٦٩٤٠۔ أخرجه مسلم : ٦٧٥]

اللہ ﷺ جب سر اٹھاتے تو یہ کہتے تھے: « سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ » آپ ﷺ کچھ آدمیوں کے لیے دعا کرتے، ان کا نام لے کر فرماتے: ''اے اللہ! ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور بے بس ایمان والوں کو نجات دے۔ اے اللہ! مضر قبیلے پر اپنی پکڑ سخت کر اور اس پکڑ کو ان پر یوسف علیہ السلام کے قحط کے سالوں کی طرح قحط کے سال بنا دے۔'' اور ان دنوں مشرق والے مضر قبیلے کے لوگ آپ کے مخالف تھے۔

فوائد 1 اس حدیث میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز کے ارکان میں ہر تبدیلی کے وقت ''اللہ اکبر'' کہا اور اپنی نماز کو نبی ﷺ کی نماز کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ قرار دیا۔ اس سے پہلے حدیث (۷۸۹) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے صریح الفاظ میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق پوری تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ آپ اس طرح نماز پڑھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ بلا شک وشبہ یہ حدیث مرفوع ہے۔

2 باب کے ساتھ اس کی مطابقت حدیث کے ان الفاظ میں ہے: « ثُمَّ يَقُوْلُ : اَللّٰهُ أَكْبَرُ، حِيْنَ يَهْوِيْ سَاجِدًا » ''پھر جب سجدے کے لیے نیچے جاتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے۔''

3 ولید بن ولید بن مغیرہ مخزومی رضی اللہ عنہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ بدر کے دن کفر کی حالت میں گرفتار ہوئے، پھر فدیہ دے کر رہا ہوئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ تم فدیے سے پہلے کیوں مسلمان نہیں ہوئے؟ کہا: میں نے پسند نہیں کیا کہ یہ سمجھا جائے کہ میں ڈر کر یا گھبرا کر مسلمان ہوا ہوں، پھر مکہ میں کفار نے انھیں قید کر لیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے ان کی قید سے چھوٹ کر واپس آ گئے۔ ذہبی نے کہا: بدر کے دن انھیں عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا اور مکہ والے انھیں مکہ لے گئے تو یہ مسلمان ہو گئے تو انھوں نے انھیں مکہ میں قید کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ قنوت میں ان کی رہائی کی دعا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ وہاں سے نکل کر مدینہ آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے۔ اور سلمہ بن ہشام بن مغیرہ رضی اللہ عنہ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے یہ ابوجہل کے بھائی تھے۔ قدیم الاسلام تھے، اللہ کی خاطر بہت سزائیں جھیلیں۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر مکہ آئے تو کفار نے انھیں مدینہ نہ جانے دیا اور تکلیفیں دیتے رہے، پھر خندق کے بعد ہجرت کی اور موتہ میں شریک ہوئے۔ اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کے والد ابو ربیعہ کا نام عمرو بن مغیرہ تھا، یہ ماں کی طرف سے ابوجہل کے بھائی تھے۔ یہ تینوں مغیرہ کے پوتے تھے۔

4 یہ دوسری حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلی حدیث کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ذکر کی ہے۔ باب کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قنوتِ نازلہ کا محل رکوع کے بعد ہے اور یہ کہ نماز میں کسی کا نام لے کر اس کے حق میں یا اس کے خلاف دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں، نہ ہی اس سے نماز ٹوٹتی ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے، بلکہ ضرورت کے وقت یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

۸۰۵ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ غَيْرَ مَرَّةٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: سَقَطَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ فَرَسٍ ـ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: مِنْ فَرَسٍ ـ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ نَعُودُهُ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَصَلَّى بِنَا قَاعِدًا وَقَعَدْنَا ـ وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: صَلَّيْنَا قُعُودًا ـ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا»

805۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے۔ (سفیان نے اس کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے: "سَقَطَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ فَرَسٍ" اور بعض اوقات یوں کہا: "مِنْ فَرَسٍ" مطلب دونوں کا ایک ہی ہے) تو آپ ﷺ کی دائیں جانب چھل گئی، ہم آپ کے پاس بیمار پرسی کے لیے گئے، نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی، ہم بھی بیٹھ گئے۔ اور بعض اوقات سفیان نے یہ لفظ کہے کہ ہم نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی۔ جب آپ نے نماز پوری کر لی تو فرمایا: ''امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، تو جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو سر اٹھاؤ اور جب "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہے تو تم "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو۔"

قَالَ سُفْيَانُ: كَذَا جَاءَ بِهِ مَعْمَرٌ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: لَقَدْ حَفِظَ، كَذَا قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَلَكَ الْحَمْدُ، حَفِظْتُ: مِنْ شِقِّهِ الْأَيْمَنِ، فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ الزُّهْرِيِّ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَأَنَا عِنْدَهُ: فَجُحِشَ سَاقُهُ الْأَيْمَنُ. [راجع: ۳۷۸۔ أخرجه مسلم: ٤١١]

سفیان نے (علی بن مدینی سے) کہا: کیا معمر نے ایسے ہی بیان کیا؟ میں نے کہا: جی ہاں! سفیان نے کہا: یقیناً انھوں نے یاد رکھا۔ زہری نے ایسے ہی "وَلَكَ الْحَمْدُ" کہا تھا۔ میں نے یہ الفاظ یاد کیے تھے: "مِنْ شِقِّهِ الْأَيْمَنِ" (ان کی دائیں جانب چھل گئی) تو جب ہم

زہری کے پاس سے نکلے تو ابن جریج نے کہا جب کہ میں
ان کے پاس تھا: " فَجُحِشَ سَاقُهُ الْأَيْمَنُ " (ان کی
دائیں پنڈلی چھل گئی تھی)۔

فوائد ومسائل: 1 اس حدیث کے بعض فوائد (۳۷۸) میں گزر چکے ہیں۔ اس حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب سے مشکل ہے، شاید یہ ہو کہ اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور ظاہر ہے کہ مقتدی امام کے بعد سجدے میں جاتا ہے تو تکبیر بھی اس کی امام کے بعد ہو گی اور جب دونوں فعل اس کے امام کے بعد ہوئے تو تکبیر اسی وقت پر آن پڑے گی جب مقتدی سجدے کے لیے جھکے گا اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔ (علامہ وحید الزمان) بندہ عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ سنن ابی داود (۶۰۳) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مذکور ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: « إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَلَا تُكَبِّرُوْا حَتّٰى يُكَبِّرَ، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَلَا تَرْكَعُوْا حَتّٰى يَرْكَعَ، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ...... وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَسْجُدُوْا حَتّٰى يَسْجُدَ » ''امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، تو جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور تم تکبیر مت کہو یہاں تک کہ وہ تکبیر کہہ لے اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور تم رکوع مت کرو یہاں تک کہ وہ رکوع کرے اور جب وہ " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " کہے تو تم " اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ " کہو...... اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور تم سجدہ مت کرو یہاں تک کہ وہ سجدہ کرے۔'' اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ مقتدی امام کے رکوع کے بعد رکوع اور اس کے سجدے کے بعد سجدہ کرے گا اور امام کی تکبیر کے بعد ہی تکبیر کہے گا۔ اس لیے علامہ وحید الزمان کی بات کی تائید ہو گئی کہ امام جب سجدے کو جاتے ہوئے ''اللہ اکبر'' کہے گا تو مقتدی اس کے سجدے میں چلے جانے کے بعد سجدے کے لیے نیچے جھکے گا، اس سے مقتدی کی تکبیر بھی امام کی تکبیر کے بعد ہو گی۔ یعنی جس طرح امام سجدے کے لیے جھکنے کے دوران تکبیر کہتا ہے اسی طرح مقتدی کی تکبیر بھی اس کے سجدے کے لیے نیچے جانے کے دوران ہی ہو گی۔ (واللہ اعلم)

2 قَالَ سُفْيَانُ: " اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ " کے درمیان واؤ کا اضافہ بعض راوی نہیں کرتے، سفیان بن عیینہ نے زہری سے روایت کرتے ہوئے " رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ " واؤ کے اضافے کے ساتھ کہا، پھر اپنے شاگرد علی بن مدینی سے پوچھا کہ کیا زہری کے شاگرد معمر نے بھی میری طرح " وَلَكَ الْحَمْدُ " ہی کہا تھا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! تو سفیان نے ان کے حافظے کی تعریف کی اور کہا کہ یقیناً انھوں نے یاد رکھا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علی بن مدینی نے یہ بات عبدالرزاق کے واسطے سے معمر سے بیان کی ہے، کیونکہ عبدالرزاق، علی بن مدینی کے اساتذہ میں سے ہیں، جب کہ معمر سے وہ نہیں ملے۔

3 سفیان نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے زہری سے یہ الفاظ یاد کیے تھے: «مِنْ شِقِّهِ الْأَيْمَنِ» پھر جب ہم زہری کے پاس سے نکلے اور ابن جریج نے حدیث بیان کی تو یوں کہا: " فَجُحِشَ سَاقُهُ الْأَيْمَنُ " یعنی آپ کی دائیں پنڈلی چھل گئی۔ سفیان کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تو زہری سے سن کر اچھی طرح یہ الفاظ حفظ کیے تھے: «فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ» مگر میرے ساتھ ہی سننے والے ابن جریج نے مجلس سے نکلتے ہی میری موجودگی میں زہری سے اس روایت کو نقل کر تو یوں کہا: «فَجُحِشَ سَاقُهُ الْأَيْمَنُ» یعنی انھوں نے بعینہٖ وہ الفاظ نہیں بولے جو زہری نے کہے تھے۔ اس میں ان کے حافظے پر کلام نکلتا ہے۔ سفیان کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے ابن جریج نے زہری سے یہ حدیث اس سے پہلے کسی مجلس میں سنی ہو اور " سَاقُهُ الْأَيْمَنُ " یاد رکھا ہو۔ کیونکہ ابن جریج مسلّم حافظ ہیں، یہ کیسے ہو گیا کہ وہ اتنے تھوڑے وقت میں زہری کے الفاظ بھول گئے۔ (فتح الباری)

١٢٩۔ بَابُ فَضْلِ السُّجُودِ

129۔ باب: سجدے کی فضیلت

٨٠٦ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُمَا: أَنَّ النَّاسَ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: «هَلْ تُمَارُونَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُونَهُ سَحَابٌ؟» قَالُوا: لَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: «فَهَلْ تُمَارُونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ؟» قَالُوا: لَا، قَالَ: «فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذٰلِكَ، يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَقُولُ: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الشَّمْسَ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الْقَمَرَ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الطَّوَاغِيتَ، وَتَبْقَى هٰذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَا مُنَافِقُوهَا، فَيَأْتِيهِمُ اللّٰهُ فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: هٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا، فَإِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ، فَيَأْتِيهِمُ اللّٰهُ فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ،

806۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: "کیا تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں شک کرتے ہو جس کے سامنے بادل نہ ہو؟" انھوں نے کہا: نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: "کیا تم اس طرح کے سورج کو دیکھنے میں شک کرتے ہو جس کے سامنے بادل نہ ہو؟" انھوں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: "تو یقیناً تم اسے ایسے ہی دیکھو گے۔ لوگ سب قیامت کے دن اکٹھے کیے جائیں گے، پھر اللہ فرمائے گا: جو کسی چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پیچھے چلا جائے۔ تو ان میں سے کوئی سورج کے پیچھے چلا جائے گا، کوئی چاند کے پیچھے چلا جائے گا اور کوئی طاغوتوں کے پیچھے چلا جائے گا اور یہ امت رہ جائے گی جس میں اس کے منافقین بھی ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئے گا اور کہے گا: میں تمھارا رب ہوں۔ وہ

فَيَقُولُونَ: أَنْتَ رَبُّنَا، فَيَدْعُوهُمْ فَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَجُوزُ مِنَ الرُّسُلِ بِأُمَّتِهِ، وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ إِلَّا الرُّسُلُ، وَكَلَامُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ: اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ، وَفِي جَهَنَّمَ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ، هَلْ رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ ؟» قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: « فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلَّا اللّٰهُ، تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ، فَمِنْهُمْ مَنْ يُوبَقُ بِعَمَلِهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يُخَرْدَلُ ثُمَّ يَنْجُو، حَتّٰى إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ رَحْمَةَ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، أَمَرَ اللّٰهُ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ، فَيُخْرِجُونَهُمْ وَيَعْرِفُونَهُمْ بِآثَارِ السُّجُودِ، وَحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ السُّجُودِ، فَيَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ، فَكُلُّ ابْنِ آدَمَ تَأْكُلُهُ النَّارُ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ، فَيَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ، قَدِ امْتَحَشُوا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيَاةِ، فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ.

کہیں گے: ہم تو اپنے رب کے آنے تک اسی جگہ پر ہیں، جب ہمارا رب آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ تو اللہ ان کے پاس آئے گا اور کہے گا میں تمھارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے: تو ہی ہمارا رب ہے، پھر وہ انھیں بلائے گا اور جہنم کی پشت پر ایک راستہ رکھا جائے گا، تو رسولوں میں سب سے پہلا میں ہوں گا جو اپنی امت کے ساتھ گزرے گا۔ اور اس دن رسولوں کے سوا کوئی بات نہیں کرے گا اور رسولوں کی بات اس دن یہ ہوگی: اے اللہ! سلامت رکھنا، سلامت رکھنا۔ اور جہنم میں بہت سے آنکڑے ہیں جو سعدان (اونٹ کٹارے) کے کانٹوں جیسے ہیں۔ کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟'' لوگوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''تو وہ سعدان کے کانٹوں جیسے ہوں گے مگر ان کی بڑائی کا اندازہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ لوگوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے اچک لیں گے، پھر ان میں سے کوئی تو اپنے عمل کی وجہ سے ہلاک کر دیا جائے گا اور کچھ زخمی کیے جائیں گے پھر بچ جائیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آگ والوں میں سے ان لوگوں پر رحم کرنے کا ارادہ کرے گا جن پر اس کا ارادہ ہوگا تو وہ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ ان لوگوں کو نکال لیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ تو وہ انھیں نکال لیں گے اور انھیں سجدے کے نشانوں سے پہچانیں گے اور اللہ نے آگ پر حرام کر دیا ہے کہ وہ سجدے کے نشان کو کھائے۔ تو وہ آگ سے نکل آئیں گے تو سجدے کے

نشان کے سوا ابن آدم کی ہر چیز کو آگ کھا جائے گی، پھر وہ آگ سے اس حال میں نکلیں گے کہ کوئلہ ہو چکے ہوں گے، پھر ان پر زندگی کا پانی ڈالا جائے گا تو وہ اس طرح اگ آئیں گے جیسے جڑی بوٹیوں کا بیج سیلاب کے کوڑے کرکٹ میں اگ آتا ہے۔

ثُمَّ يَفْرُغُ اللّٰهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ وَ يَبْقَى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُوَ آخِرُ أَهْلِ النَّارِ دُخُولًا الْجَنَّةَ، مُقْبِلٌ بِوَجْهِهِ قِبَلَ النَّارِ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ قَدْ قَشَبَنِي رِيحُهَا وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا، فَيَقُولُ: هَلْ عَسَيْتَ إِنْ فُعِلَ ذٰلِكَ بِكَ أَنْ تَسْأَلَ غَيْرَ ذٰلِكَ؟ فَيَقُولُ: لَا وَعِزَّتِكَ! فَيُعْطِي اللّٰهَ مَا يَشَاءُ مِنْ عَهْدٍ وَمِيثَاقٍ، فَيَصْرِفُ اللّٰهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ، فَإِذَا أَقْبَلَ بِهِ عَلَى الْجَنَّةِ رَأَى بَهْجَتَهَا، سَكَتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَسْكُتَ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ! قَدِّمْنِي عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ اللّٰهُ لَهُ: أَلَيْسَ قَدْ أَعْطَيْتَ الْعُهُودَ وَالْمِيثَاقَ أَنْ لَا تَسْأَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنْتَ سَأَلْتَ؟ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! لَا أَكُونُ أَشْقَى خَلْقِكَ، فَيَقُولُ: فَمَا عَسَيْتَ إِنْ أُعْطِيتَ ذٰلِكَ أَنْ لَا تَسْأَلَ غَيْرَهُ؟ فَيَقُولُ: لَا وَعِزَّتِكَ! لَا أَسْأَلُ غَيْرَ ذٰلِكَ، فَيُعْطِي رَبَّهُ مَا شَاءَ مِنْ عَهْدٍ وَمِيثَاقٍ، فَيُقَدِّمُهُ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ، فَإِذَا بَلَغَ بَابَهَا فَرَأَى زَهْرَتَهَا وَمَا فِيهَا مِنَ النَّضْرَةِ وَالسُّرُورِ، فَيَسْكُتُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ

پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلے سے فارغ ہو جائے گا اور ایک آدمی جنت اور آگ کے درمیان باقی رہ جائے گا، جو وہ ہوگا جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا ہوگا۔ اس کے منہ کا رخ آگ کی طرف ہوگا، وہ کہے گا: اے میرے رب! میرا چہرہ آگ سے ہٹا دے، کیونکہ اس کی بُو نے مجھے زہر ناک کر دیا ہے اور اس کی چمک نے مجھے جلا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا اگر تیرے ساتھ یہ معاملہ کر دیا جائے تو تو اس کے سوا اور تو کچھ نہیں مانگے گا؟ وہ کہے گا: نہیں، تیری عزت کی قسم! چنانچہ وہ اللہ کو جتنے وہ چاہے گا عہد و میثاق دے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ آگ سے ہٹا دے گا۔ تو جب وہ اپنا چہرہ جنت کی طرف کرے گا تو اس کی خوبصورتی دیکھ کر چپ رہے گا جب تک اللہ چاہے گا کہ چپ رہے، پھر کہے گا: اے میرے رب! مجھے جنت کے دروازے کے قریب کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے کہے گا: کیا تو بہت سے عہد و پیمان نہیں دے چکا کہ تو نے جو مجھ سے مانگا اس کے سوا اور نہیں مانگے گا؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں تیری مخلوق میں سب سے

يَسْكُتَ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ، فَيَقُولُ اللَّهُ: وَيْحَكَ يَا ابْنَ آدَمَ! مَا أَغْدَرَكَ! أَلَيْسَ قَدْ أَعْطَيْتَ الْعُهُودَ وَالْمِيثَاقَ أَنْ لَا تَسْأَلَ غَيْرَ الَّذِي أُعْطِيتَ؟ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! لَا تَجْعَلْنِي أَشْقَى خَلْقِكَ، فَيَضْحَكُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهُ، ثُمَّ يَأْذَنُ لَهُ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ: تَمَنَّ، فَيَتَمَنَّى حَتَّى إِذَا انْقَطَعَ أُمْنِيَّتُهُ، قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: مِنْ كَذَا وَكَذَا، أَقْبَلَ يُذَكِّرُهُ رَبُّهُ حَتَّى إِذَا انْتَهَتْ بِهِ الْأَمَانِيُّ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: لَكَ ذَلِكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ »

زیادہ بے نصیب نہ رہ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو کیا اگر تجھے یہ عطا کر دیا جائے تو تو اس کے سوا کچھ اور تو نہیں مانگے گا؟ وہ کہے گا: نہیں، تیری عزت کی قسم! میں اس کے سوا اور نہیں مانگوں گا۔ چنانچہ وہ اپنے رب کو جتنے وہ چاہے گا عہد و پیمان دے گا، تو وہ اسے جنت کے دروازے کی طرف آگے بڑھا دے گا۔ جب وہ اس کے دروازے پر پہنچے گا تو اس کی خوبصورتی کو اور اس کی تروتازگی اور خوشی کو دیکھے گا تو چپ رہے گا جب تک اللہ چاہے گا کہ چپ رہے، پھر کہے گا: اے میرے رب! مجھے جنت میں داخل کر دے، تو اللہ فرمائے گا: افسوس تجھ پر! کیا تو عہد اور پیمان نہیں دے چکا کہ اس کے سوا کچھ نہیں مانگے گا جو تجھے دے دیا گیا ہے؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہ بنا۔ تو اللہ عزوجل اس سے ہنس پڑے گا، پھر اسے جنت میں داخلے کی اجازت دے دے گا اور اسے کہے گا: تمنا کر! چنانچہ وہ تمنا کرے گا یہاں تک کہ جب اس کی تمنا ختم ہو جائے گی تو اللہ عزوجل فرمائے گا: فلاں فلاں چیز اور تمنا کر لے۔ اس کا رب عزوجل اسے یاد دلانے لگے گا، یہاں تک کہ جب اس کی تمام آرزوئیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمھیں یہ سب دیا اور اس کے ساتھ اتنا اور دیا۔"

قَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ لِأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: « قَالَ اللَّهُ: لَكَ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "تو اللہ تعالیٰ نے کہا: تمھیں یہ سب

ذَلِكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ » قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : لَمْ أَحْفَظْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا قَوْلَهُ : « لَكَ ذَلِكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ » قَالَ أَبُو سَعِيدٍ : إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ : « ذَلِكَ لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ » [انظر : ٦٥٧٣، ٧٤٣٧، وانظر في الأيمان والنذور، باب : ١٢۔ أخرجه مسلم : ١٨٢]

اور اس کی مثل دس گنا دے دیا۔'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے اتنا ہی یاد کیا ہے کہ ''تجھے یہ اور اس کے ساتھ اتنا اور دیا۔'' ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے: ''تمھیں یہ سب اور اس جیسا دس گنا اور دیا۔''

فوائد: 1 اس حدیث سے سجدے کی فضیلت ظاہر ہے کہ سجدے کے اعضا کو آگ نہیں کھائے گی۔ سجدے کے اعضا میں سب سے نمایاں چہرہ ہے اور اسے سب اعضا پر برتری حاصل ہے، اس لیے امام صاحب نے باب قائم کیا ہے: "بَابُ فَضْلِ السُّجُوْدِ۔"

2 رسول اللہ ﷺ کی معروف حدیث میں ہے کہ حوضِ کوثر پر آنے والوں کو آپ ﷺ وضو کے نشانوں سے پہچانیں گے، کیونکہ امتِ مسلمہ کا امتیاز ہوگا کہ ان کے اعضائے وضو روشن ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے بطورِ امتِ مسلمہ ان کی شناخت نہیں ہوگی، پھر آپ ان کی شفاعت کیسے کریں گے؟ زیرِ شرح حدیث سے معلوم ہوا کہ بے نماز کو فرشتے بھی پہچان کر آگ سے نہیں نکالیں گے، بعد میں اگر اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے توحید و رسالت کے مخلص اقرار والوں کو اپنی لپ کے ساتھ جہنم سے نکال لے تو اس کا کرم ہے، مگر اتنے عرصے تک جہنم میں جلنا کیا معمولی بات ہے۔ [وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ] ''البتہ شرکِ اکبر کے مرتکبین کو جہنم سے نکالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، فرمایا: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ﴾ [النساء : ٤٨] ''بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے۔''

3 دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں جانے والا یہ آخری شخص جب جنت میں جائے گا تو اسے ایسا نظر آئے گا جیسے جنت بھری ہوئی ہے، اس میں کوئی جگہ نہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو راضی ہے کہ تجھے پوری زمین کے برابر جگہ دے دی جائے۔ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: زمین کے دس گنا کے برابر تمھیں جگہ دے دی جائے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جو سنا بیان کر دیا اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے جو سنا وہ بیان کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو پہلے بتایا وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بتا دیا اور اللہ تعالیٰ نے مزید دس گنا کی بشارت دی تو آپ ﷺ نے وہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو بیان کر دی۔ دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما میں سے کسی نے دوسرے کی تردید نہیں کی، نہ ہی دونوں باتوں میں کوئی تضاد ہے۔

4 اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا ذکر ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا میدانِ حشر میں آنا، اللہ تعالیٰ کا بندوں سے کلام کرنا، گناہ گاروں کو آخر جہنم سے نکال لینا، اللہ تعالیٰ کا ہنسنا، اس کا آخر میں جہنم سے نکلنے والے پر بے انتہا انعام۔ اس سے اس کے متقی بندوں پر انعام کا پورا اندازہ تو دور کی بات ہے معمولی اندازہ بھی انسانی سوچ میں نہیں آ سکتا۔

١٣٠ ـ بَابٌ : يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي فِي السُّجُودِ

130۔ باب: سجدے کے دوران اپنے بازو ظاہر کرے اور انھیں الگ رکھے

٨٠٧ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي بَكْرُ ابْنُ مُضَرَ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنِ ابْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ .

وَقَالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ نَحْوَهُ .

[راجع : ٣٩٠ ـ أخرجه مسلم : ٤٩٥]

807۔ عبد اللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب نماز پڑھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی رکھتے، یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔

اور لیث نے کہا: مجھے جعفر بن ربیعہ نے اسی طرح بیان کیا۔

فوائد: 1 اس حدیث کے بعض فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۳۹۰)۔ عرب کا عام معمول دو چادریں پہننا تھا، دونوں ہاتھ کھول کر رکھنے سے بغل نظر آ جاتی تھی۔

2 سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اصحاب نبی ﷺ نے آپ سے شکایت کی کہ بازو کھول کر رکھنے کی صورت میں انھیں سجدے میں مشقت پیش آتی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: «اِسْتَعِيْنُوْا بِالرُّكَبِ» ''گھٹنوں سے مدد لے لیا کرو۔'' [أبو داؤد : ٩٠٢ـ ترمذي : ٢٨٦] مطلب یہ ہے کہ اگر مشقت محسوس ہو تو گھٹنوں کی مدد حاصل کرو کہ کہنیوں کو ان کے ساتھ لگا دو۔ مگر شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس لیے بازو کھول کر ہی رکھنے چاہییں، البتہ معذور مثلاً بیمار یا کمزور کا معاملہ الگ ہے، وہ جس طرح نماز پڑھ سکیں پڑھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ﴾ [الأنعام : ١١٩] ''حالانکہ بلاشبہ اس نے تمھارے لیے وہ چیزیں کھول کر بیان کر دی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں، مگر جس کی طرف تم مجبور کر دیے جاؤ۔'' اور فرمایا: ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ [البقرة : ١٨٥] ''اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔''

١٣١ ـ بَابٌ : يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ

131۔ باب: اپنے پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف رکھے

قَالَهُ أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

[راجع : ٨٢٨]

اسے ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فائدہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کا نام عبدالرحمٰن بن عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ ہے۔ (ہدایۃ القاری) ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث (۸۲۸) پر آ رہی ہے، اس میں ہے: « فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا، وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ » ''جب آپ نے سجدہ کیا تو اپنے ہاتھوں کو زمین پر اس طرح رکھا کہ نہ انھیں بچھانے والے تھے اور نہ ہی انھیں اکٹھا کرنے والے تھے اور آپ نے اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کر لیا۔'' امام صاحب نے انگلیوں کو نماز میں قبلہ رخ کرنے کے مسئلہ کو نمایاں کرنے کے لیے یہ الگ باب قائم کیا ہے۔

۱۳۲ ۔ بَابٌ : إِذَا لَمْ يُتِمَّ السُّجُودَ

132۔ باب: جب نمازی اپنا سجدہ پورا نہ کرے

۸۰۸ ۔ حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ : رَأَى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ : مَا صَلَّيْتَ، قَالَ : وَأَحْسِبُهُ قَالَ : وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ . [راجع : ۳۸۹]

808۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو دیکھا جو نہ اپنا رکوع پورا کرتا اور نہ ہی اپنا سجدہ، جب اس نے نماز پوری کر لی تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: تم نے نماز نہیں پڑھی۔ (ابو وائل نے) کہا: اور میرا گمان ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا: اگر تو مر گیا تو محمد ﷺ کے طریقے کے خلاف پر مرے گا۔

فوائد 1 یہ حدیث مع فوائد حدیث (۳۸۹) میں گزر چکی ہے،اس کے علاوہ (۷۹۱) میں بھی اس پر کلام گزر چکا ہے۔ 2 امام بخاری رحمہ اللہ کسی حدیث کو دوبارہ ذکر کریں تب بھی عموماً وہ پہلی حدیث سے الگ سند کے ساتھ ہوتی ہے جس سے وہ نیا استدلال کر رہے ہوتے ہیں اور نئی سند کی وجہ سے حدیث کی تقویت کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث (۷۹۱) کی سند میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے زید بن وہب نے یہ حدیث روایت کی ہے جب کہ زیر شرح حدیث میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ابو وائل شقیق بن سلمہ نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ البتہ یہ باب اور حدیث اس سے پہلے (۳۸۹) میں بالکل اسی طرح گزر چکے ہیں، اس پر بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ بعض نقل کرنے والوں کی خطا ہے۔

۱۳۳ ۔ بَابُ السُّجُودِ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ

133۔ باب: سات ہڈیوں پر سجدہ کرنا

فائدہ حدیث (۸۱۰) کے الفاظ یہ ہیں: « أُمِرْنَا أَنْ نَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ » ''ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سات ہڈیوں پر سجدہ کریں۔'' ان سات ہڈیوں سے مراد سات اعضا ہیں۔ اس حدیث میں مذکور لفظ '' عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ '' کو امام صاحب نے باب کا عنوان بنا دیا ہے۔

٨٠٩ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أُمِرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ، وَلَا يَكُفَّ شَعَرًا وَلَا ثَوْبًا: الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ. [انظر: ٨١٠، ٨١٢، ٨١٥، ٨١٦ - أخرجه مسلم: ٤٩٠]

809۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو سات اعضا پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ نہ بالوں کو اکٹھا کریں اور نہ ہی کپڑے کو، (وہ سات اعضا یہ ہیں): پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔

٨١٠ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أُمِرْنَا أَنْ نَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، وَلَا نَكُفَّ ثَوْبًا وَلَا شَعَرًا» [راجع: ٨٠٩ - أخرجه مسلم: ٤٩٠]

810۔ (عبداللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سات ہڈیوں پر سجدہ کریں اور بالوں کو اکٹھا نہ کریں اور نہ ہی کپڑے کو۔''

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدے کے اعضا سات ہیں، جن میں سے پہلا "اَلْجَبْهَةُ" (پیشانی) ہے۔ "جَبْهَةٌ" میں ناک بھی شامل ہے، جیسا کہ حدیث (٨١٢) میں آرہا ہے کہ آپ نے "جَبْهَةٌ" کے ساتھ ناک کی طرف بھی اشارہ فرمایا۔ اس حدیث میں نبی ﷺ نے ان ساتوں اعضا کے متعلق فرمایا کہ ہمیں ان پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سجدے میں ان ساتوں اعضا کا زمین پر لگنا فرض ہے، کیونکہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی دلیل یا قرینہ نہ ہو۔

٨١١ - حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ الْخَطْمِيِّ، حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ - وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ - قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَإِذَا قَالَ: «سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»، لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ جَبْهَتَهُ عَلَى الْأَرْضِ. [راجع: ٦٩٠ - أخرجه مسلم: ٤٧٤]

811۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے بیان کیا اور وہ کذب بیانی کرنے والے نہیں تھے کہ ہم نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو جب آپ "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہتے تو ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ نہیں جھکاتا تھا یہاں تک کہ نبی ﷺ اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے۔

فائدہ یہ حدیث اس سے پہلے (۶۹۰) میں گزر چکی ہے، اس کے فوائد وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ باب کے ساتھ اس کی مناسبت صرف ان الفاظ کے ساتھ ہے: «حَتَّى يَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْأَرْضِ» "یہاں تک کہ نبی ﷺ اپنی پیشانی زمین پر رکھتے۔" پیشانی کے ساتھ ناک بھی شامل ہے، کیونکہ پیشانی کو زمین پر جما کر رکھا جائے تو ناک خود بخود زمین پر لگ جاتی ہے۔ باب کا مقصد یہ ہے کہ پیشانی پر سجدہ بھی فرض ہے، اگر کوئی پیشانی پر سجدہ نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے۔

۱۳۴۔ بَابُ السُّجُودِ عَلَى الْأَنْفِ

134۔ باب: ناک پر سجدہ کرنا

۸۱۲۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ: عَلَى الْجَبْهَةِ - وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ - وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعَرَ» [راجع: ۸۰۹۔ أخرجه مسلم: ۴۹۰]

812۔ ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں: پیشانی پر۔ اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ ناک کی طرف اشارہ کیا۔ اور دو ہاتھوں اور دو گھٹنوں اور دونوں قدموں کی انگلیوں پر اور یہ کہ ہم کپڑوں اور بالوں کو اکٹھا نہ کریں۔"

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدے کے اعضا سات ہیں، پیشانی اور ناک ایک ہی عضو ہے، اگر انھیں الگ الگ مانا جائے تو سجدے کے اعضا آٹھ ہوتے ہیں۔ یہاں بعض لوگوں نے عجیب بات بنائی ہے، انھوں نے کہا ہے کہ ناک اور پیشانی چونکہ ایک ہی عضو ہیں اس لیے ان میں سے جس پر بھی سجدہ کرے کافی ہے، مثلاً صرف پیشانی پر سجدہ کرے تو بالاجماع جائز ہے۔ اگر صرف ناک پر سجدہ کرے تو بعض حضرات کے نزدیک تب بھی نماز ہو جائے گی البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اس سے بھی عجیب بات یہ فرمائی ہے کہ اگر ہاتھوں اور گھٹنوں کو زمین پر رکھے بغیر نماز پڑھے تو بالاجماع جائز ہو گی۔ (عالمگیری عربی: ۷۰/۱) اس فقاہت پر غور فرمائیں کہ آیا یہ ممکن بھی ہے کہ آدمی ہاتھوں اور گھٹنوں کو زمین پر رکھے بغیر سجدہ کرے، یقیناً اس کے لیے خاصی تربیت اور مشق کی ضرورت ہے۔ ان حضرات نے اجماع کو بھی کھلونا بنا لیا ہے، اتنی بے کار بات پر اجماع کا دعویٰ وہی کر سکتا ہے جو جاگتے ہوئے خواب دیکھ رہا ہو، یا جسے سچ اور جھوٹ میں فرق کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔ ان حضرات کو کبھی اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جس قسم کی نماز وہ جائز فرما رہے ہیں اسے ادا کر کے وہ اللہ تعالیٰ سے کیا امید رکھتے ہیں۔

١٣٥ - بَابُ السُّجُودِ عَلَى الْأَنْفِ وَالسُّجُودِ فِي الطِّينِ

٨١٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ : انْطَلَقْتُ إِلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ فَقُلْتُ : أَلَا تَخْرُجُ بِنَا إِلَى النَّخْلِ نَتَحَدَّثُ ؟ فَخَرَجَ فَقَالَ : قُلْتُ : حَدِّثْنِي مَا سَمِعْتَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، قَالَ : اعْتَكَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْعَشْرَ الْأُوَلَ مِنْ رَمَضَانَ وَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ، فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ : إِنَّ الَّذِي تَطْلُبُ أَمَامَكَ، فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ، فَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ : إِنَّ الَّذِي تَطْلُبُ أَمَامَكَ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ خَطِيبًا صَبِيحَةَ عِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ، فَقَالَ : « مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلْيَرْجِعْ فَإِنِّي أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَإِنِّي نُسِّيتُهَا، وَإِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي وِتْرٍ، وَإِنِّي رَأَيْتُ كَأَنِّي أَسْجُدُ فِي طِينٍ وَمَاءٍ » وَكَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ جَرِيدَ النَّخْلِ وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ شَيْئًا، فَجَاءَتْ قَزَعَةٌ فَأُمْطِرْنَا، فَصَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ وَالْمَاءِ عَلَى جَبْهَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَرْنَبَتِهِ، تَصْدِيقَ رُؤْيَاهُ . [راجع : ٦٦٩ - أخرجه مسلم : ١١٦٧]

135۔ باب: ناک پر سجدہ کرنا اور کیچڑ میں سجدہ

813۔ ابو سلمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، میں نے کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ نخلستان کے لیے باہر نہیں نکلیں گے، تاکہ ہم بات چیت کریں؟ وہ نکل آئے، میں نے کہا: آپ مجھے وہ بیان کریں جو آپ نے نبی ﷺ سے لیلۃ القدر کے متعلق سنا ہے؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف کیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا، تو جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ جو چیز تلاش کر رہے ہیں وہ آپ کے آگے ہے، تو آپ ﷺ نے درمیانے عشرے کا اعتکاف کیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا تو جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ جو چیز تلاش کر رہے ہیں وہ آپ کے آگے ہے۔ تو نبی ﷺ رمضان کی بیسویں کی صبح کو خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”جس شخص نے نبی ﷺ کے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ واپس آ جائے، کیونکہ مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی اور مجھے بھلا دی گئی ہے اور وہ آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے اور میں نے دیکھا جیسے میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔“ اور مسجد کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی، آسمان پر ہم کوئی چیز نہیں دیکھتے تھے، تو ایک بدلی آئی اور بارش ہو گئی تو نبی ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی یہاں تک کہ

میں نے کیچڑ کا نشان رسول اللہ ﷺ کی پیشانی اور ناک کی نوک پر دیکھا جو آپ کا خواب سچا ثابت ہونے کی دلیل تھا۔

فوائد ومسائل: 1 امام بخاری رحمہ اللہ یہ طویل حدیث یہ واضح کرنے کے لیے لائے ہیں کہ سجدے میں پیشانی کے ساتھ ناک زمین پر رکھنا کس قدر ضروری ہے کہ نبی ﷺ نے اس فریضہ کی ادائیگی میں پیشانی اور ناک کو کیچڑ پر رکھنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔

2 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کی ادائیگی کی وجہ سے چہرے یا ہاتھوں وغیرہ پر مٹی وغیرہ کے نشان لگ جائیں تو انھیں فوراً صاف نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ ان سے اللہ تعالیٰ کے حضور بندے کے عجز وانکسار کا اظہار ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

١٣٦ ـ بَابُ عَقْدِ الثِّيَابِ وَشَدِّهَا، وَمَنْ ضَمَّ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ إِذَا خَافَ أَنْ تَنْكَشِفَ عَوْرَتُهُ

136۔ باب: (نماز میں) کپڑوں میں گرہ دینا اور انھیں باندھنا اور اس شخص کا بیان جو پردہ کھلنے کے ڈر سے اپنے کپڑے اکٹھے کرلے

٨١٤ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، وَهُمْ عَاقِدُوا أُزُرِهِمْ مِنَ الصِّغَرِ عَلَى رِقَابِهِمْ، فَقِيلَ لِلنِّسَاءِ: «لَا تَرْفَعْنَ رُؤُوسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوسًا» [راجع: ٣٦٢ـ أخرجه مسلم: ٤٤١]

814۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: لوگ نبی ﷺ کے ساتھ اس حال میں نماز پڑھتے تھے کہ انھوں نے اپنے تہ بند چھوٹے ہونے کی وجہ سے انھیں گردنوں پر باندھ رکھا ہوتا تھا، اس لیے عورتوں سے کہا گیا: ''تم اس وقت تک سر نہ اٹھاؤ کہ مرد برابر ہو کر بیٹھ جائیں۔''

فوائد ومسائل: 1 یہ حدیث (٣٦٢) میں گزر چکی ہے، بعض فوائد وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ باب لانے کا مقصد یہ ہے کہ حدیث (٨٠٩) میں نماز کے اندر کپڑے یا بال اکٹھے کرنے سے جو منع کیا گیا ہے وہ عام حالات کی بات ہے، مجبوری کی صورت میں یہ پابندی نہیں، جیسا کہ اس حدیث میں بعض اصحاب رسول ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر کپڑے وافر ہوں تو انھیں اکٹھا کرنے کی بجائے زمین پر لگنے دینا چاہیے، کیونکہ آدمی کے ساتھ اس کے کپڑے اور بال بھی سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

2 عورتوں کو یہ حکم اس لیے دیا کہ ان کی نگاہ مردوں کے ستر پر نہ پڑے۔

۱۳۷۔ بَابٌ : لَا يَكُفُّ شَعَرًا

137۔ باب: بالوں کو اکٹھا نہ کرے

۸۱۵ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أُمِرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، وَلَا يَكُفَّ ثَوْبَهُ وَلَا شَعَرَهُ.

815۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ سات ہڈیوں پر سجدہ کریں اور اپنے کپڑے اکٹھے نہ کریں اور نہ ہی اپنے بال اکٹھے کریں۔

[راجع: ۸۰۹ - أخرجه مسلم: ٤٩٠]

فائدہ نماز کے دوران آدمی کے کپڑے اور بال اکٹھے کیے ہوئے یا بندھے ہوئے نہیں ہونے چاہییں، نماز کے دوران انھیں اکٹھا کرنا تو نماز کے خشوع و اطمینان ہی کے خلاف ہے۔ اگر کسی نے نماز سے پہلے انھیں اکٹھا کر رکھا یا باندھ رکھا ہے اور اسی حالت میں نماز شروع کر دی ہے تو یاد آنے پر نماز کے دوران بھی انھیں کھول دینا چاہیے، جیسا کہ کریب نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن حارث کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے سر کے پیچھے بالوں کا جوڑا تھا تو وہ ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور اسے کھولنے لگے۔ انھوں نے بھی انھیں ایسا کرنے دیا، جب فارغ ہوئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف رخ کر کے کہنے لگے: آپ کو میرے سر سے کیا غرض ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اس حال میں نماز پڑھتا ہے کہ اس کے کندھے بندھے ہوئے ہوں۔“ [أبو داؤد: ٦٤٧، صحيح] مطلب یہ ہے کہ بالوں نے بھی زمین پر گر کر سجدے میں شریک ہونا تھا، جب تم نے انھیں باندھ دیا تو وہ اس شخص کی طرح ہو گئے جس کی مشکیں باندھ دی گئی ہوں۔ کپڑوں کا بھی یہی معاملہ ہے۔ ابو داؤد ہی کی حدیث (٦٤٦) میں جید سند سے ہے کہ ابو رافع رضی اللہ عنہ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انھوں نے اپنے بالوں کا جوڑا گدی میں بنایا ہوا تھا، تو انھوں نے اسے کھول دیا اور کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: « ذَلِكَ كِفْلُ الشَّيْطَانِ » ”یہ شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔“ (فتح الباری)

یاد رہے کہ یہ پابندی نماز کے دوران ہے، آگے پیچھے کوئی شخص اپنے کپڑوں یا بالوں کو باندھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

۱۳۸ - بَابٌ : لَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ فِي الصَّلَاةِ

138۔ باب: نماز میں اپنا کپڑا اکٹھا نہ کرے

۸۱٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: « أُمِرْتُ

816۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضا پر سجدہ کروں اور نہ بالوں کو اکٹھا کروں اور نہ کپڑوں کو۔“

أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةٍ، لَا أَكُفُّ شَعَرًا وَلَا ثَوْبًا »
[راجع : ٨٠٩ ـ أخرجه مسلم : ٤٩٠]

فائدہ یہ حدیث امام بخاری ؒ نے پانچ ابواب میں بیان کی ہے، ہر جگہ اس سے حاصل ہونے والے کسی نہ کسی مسئلے کی الگ نشاندہی کی ہے اور پانچوں جگہ حدیث کو الگ سند سے بیان فرمایا ہے۔ حدیث اور فقہ دونوں میں یہ کمال انھی کا حصہ ہے۔

١٣٩ ـ بَابُ التَّسْبِيحِ وَالدُّعَاءِ فِي السُّجُودِ

139۔ باب: سجدے میں تسبیح اور دعا

٨١٧ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ : حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ ، عَنْ مُسْلِمٍ ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ : « سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي » يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ . [راجع : ٧٩٤ ـ أخرجه مسلم : ٤٨٤]

817۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ اپنے رکوع اور سجود میں کثرت سے یہ کہا کرتے تھے: "پاک ہے تو، اے اللہ! اے ہمارے رب! اور تیری حمد کے ساتھ ہی (ہم تیری تسبیح کرتے ہیں)، اے اللہ! مجھے بخش دے۔" آپ ﷺ قرآن کے حکم پر عمل کرتے تھے۔

فائدہ بخاری کی کتاب التفسیر میں یہی حدیث " عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا (٤٩٦٧) " بیان ہوئی ہے، اس میں یہ کلمات کہنے کی ابتدا کا ذکر ہے اور یہ بھی کہ پھر آپ ہمیشہ یہ کہتے رہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: « مَا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً بَعْدَ أَنْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ : ﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ﴾ إِلَّا يَقُولُ فِيهَا : سُبْحَانَكَ ...... » "سورت ﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ﴾ اترنے کے بعد نبی ﷺ نے کوئی نماز نہیں پڑھی جس میں یہ کلمات نہ کہے ہوں۔" اس روایت میں صرف نماز میں یہ کلمات کہنے کا ذکر ہے جب کہ زیر شرح باب میں مذکور حدیث میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ آپ ﷺ سجدے اور رکوع میں یہ کلمات کہا کرتے تھے۔ یہ حدیث اور اس کے فوائد حدیث (۷۹۴) میں بیان ہو چکے ہیں۔

١٤٠ ـ بَابُ الْمُكْثِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

140۔ باب: دو سجدوں کے درمیان ٹھہرنا

٨١٨ ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، أَنَّ مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ قَالَ لِأَصْحَابِهِ : أَلَا أُنَبِّئُكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ؟

818۔ ابو قلابہ سے روایت ہے کہ مالک بن حویرث ؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کیا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں؟ اور وہ کسی نماز کا وقت نہ تھا، چنانچہ وہ

قَالَ : وَذَاكَ فِي غَيْرِ حِينِ صَلَاةٍ، فَقَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَبَّرَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَامَ هُنَيَّةً، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ هُنَيَّةً، فَصَلَّى صَلَاةَ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ شَيْخِنَا هَذَا .

کھڑے ہو گئے، پھر رکوع کیا اور تکبیر کہی، پھر اپنا سر اٹھایا تو تھوڑی دیر کھڑے رہے، پھر سجدہ کیا، پھر اپنا سر اٹھایا تھوڑی دیر کے لیے، خیر انھوں نے ہمارے اس شیخ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی نماز کی طرح نماز پڑھائی۔

قَالَ أَيُّوبُ : كَانَ يَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ أَرَهُمْ يَفْعَلُونَهُ، كَانَ يَقْعُدُ فِي الثَّالِثَةِ وَالرَّابِعَةِ . [راجع : ٦٧٧]

ایوب نے کہا: عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ ایک کام کیا کرتے تھے، میں نے لوگوں کو وہ کام کرتے نہیں دیکھا، وہ تیسری اور چوتھی رکعت میں بیٹھتے تھے۔

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد (٦٧٧) میں گزر چکے ہیں، یہاں باب سے مناسبت ان الفاظ میں ہے کہ سجدے سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے۔

٨١٩ ـ قَالَ : فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ : « لَوْ رَجَعْتُمْ إِلَى أَهْلِيكُمْ صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ » [راجع : ٦٢٨ـ أخرجه مسلم : ٦٧٤]

819۔ (مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے) کہا کہ ہم (مسلمان ہوئے تو) نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ کے پاس ٹھہر گئے، چنانچہ آپ نے فرمایا: ''اگر تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو فلاں نماز فلاں وقت میں اور فلاں نماز فلاں وقت میں ادا کرو۔ تو جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہے اور تمھیں وہ امامت کروائے جو تم میں سے بڑا ہے۔''

فائدہ یہ حدیث پہلی حدیث کا تتمہ ہے، اس کے کچھ فوائد حدیث (٦٢٨) میں ملاحظہ کریں۔

٨٢٠ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الزُّبَيْرِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ : كَانَ سُجُودُ النَّبِيِّ ﷺ وَرُكُوعُهُ وَقُعُودُهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ .
[راجع : ٧٩٢ـ أخرجه مسلم : ٤٧١ مطولاً]

820۔ براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کا سجدہ، آپ کا رکوع اور آپ کا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا تقریباً برابر تھا۔

فائدہ اس کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۷۹۲)۔

٨٢١ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِنِّي لَا آلُو أَنْ أُصَلِّيَ بِكُمْ كَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي بِنَا.

قَالَ ثَابِتٌ: كَانَ أَنَسٌ يَصْنَعُ شَيْئًا لَمْ أَرَكُمْ تَصْنَعُونَهُ، كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَامَ حَتَّى يَقُولَ الْقَائِلُ: قَدْ نَسِيَ، وَ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتَّى يَقُولَ الْقَائِلُ: قَدْ نَسِيَ. [راجع: ٨٠٠ - أخرجه مسلم: ٤٧٢، ٤٧٣ بطول فيه اختلاف]

821۔ ثابت سے روایت ہے، انھوں نے انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انھوں نے کہا: میں اس میں کوتاہی نہیں کروں گا کہ تمھیں اس طرح نماز پڑھاؤں جیسے میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ ہمیں نماز پڑھاتے تھے۔

ثابت نے کہا: انس رضی اللہ عنہ ایک کام کرتے تھے جو میں نے نہیں دیکھا کہ تم وہ کرتے ہو، وہ جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو کھڑے رہتے یہاں تک کہ کہنے والا کہتا: یقیناً وہ بھول گئے ہیں اور دو سجدوں کے درمیان یہاں تک کہ کہنے والا کہتا: یقیناً وہ بھول گئے ہیں۔

فائدہ اس کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۸۰۰)۔

١٤١ - بَابٌ: لَا يَفْتَرِشُ ذِرَاعَيْهِ فِي السُّجُودِ

141۔ باب: سجدے میں اپنے بازو زمین پر نہ بچھائے

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ: سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ وَوَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا.

اور ابوحمید رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے سجدہ کیا اور اپنے ہاتھوں کو اس طرح رکھا کہ نہ انھیں بچھانے والے تھے اور نہ انھیں (پہلو کے ساتھ) اکٹھا کرنے والے تھے۔

فائدہ یہ پوری حدیث متصل سند کے ساتھ صحیح بخاری (۸۲۸) پر آ رہی ہے۔

٨٢٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ، وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ

822۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سجدے میں برابر ہو جاؤ اور تم میں سے کوئی اپنے بازو کتے کے بچھانے کی طرح نہ بچھائے۔''

ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ » [انظر : ٥٣٢ - أخرجه مسلم : ٤٩٣]

فائدہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے سجدے کی حالت میں زمین پر بازو بچھانے سے منع فرمایا اور اس کی علت بھی بیان فرما دی کہ اس میں کتے کے بازو بچھا کر بیٹھنے کی مشابہت ہے اور خسیس چیزوں کی مشابہت سے بھی احتراز کرنا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جلدی جلدی سجدہ کرنے کو ٹھونگے مارنا قرار دیا، فرمایا: « فَأَمَّ فَنَقَرَ أَرْبَعًا » [أبو داوٗد : ٤١٣]

١٤٢ - بَابُ مَنِ اسْتَوَى قَاعِدًا فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ ثُمَّ نَهَضَ

142 - باب: جو شخص اپنی نماز میں طاق رکعت میں برابر ہو کر بیٹھ جائے پھر اٹھے

٨٢٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ : أَخْبَرَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ اللَّيْثِيُّ : أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي، فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا .

823- مالک بن حویرث لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ جب اپنی نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تو اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب تک سیدھے ہو کر بیٹھ نہیں جاتے تھے۔

فوائد 1 طاق رکعت سے مراد پہلی اور تیسری رکعت ہے۔ ان رکعتوں میں آپ ﷺ دوسرے سجدے سے اٹھ کر اطمینان سے بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہوتے، اسے جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے۔ اسے روایت کرنے والے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہیں، آپ ﷺ نے انھیں رخصت کرتے وقت فرمایا تھا: « صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ » [بخاري : ٦٣١] ''اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔'' اس جلسہ کو ترک کرنے والے حضرات کہتے ہیں کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سنہ نو ہجری میں آئے تھے جب نبی ﷺ بوڑھے ہو چکے تھے، اس لیے آپ ﷺ بیٹھ کر کھڑے ہوتے تھے۔ مگر یہ عذر درست نہیں، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو نبی ﷺ فرما دیتے کہ تم اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے دیکھا ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں، مگر جلسۂ استراحت نہ کرنا، کیونکہ بڑھاپے کی وجہ سے یہ میری مجبوری ہے، مگر آپ نے ایسا نہیں فرمایا۔ اگر ایک لمحے کے لیے مان لیں کہ جلسۂ استراحت کی وجہ یہی ہے تو جلسۂ استراحت نہ کرنے والوں کو بڑھاپے میں تو اسے کرنا چاہیے، مگر تجربہ شاہد ہے کہ ان کے بہت بوڑھے شیوخ الحدیث حضرات بھی دوسرے سجدے سے اٹھ کر اگر سیدھے کھڑے نہ ہو سکیں تب بھی اطمینان سے بیٹھ کر نہیں اٹھیں گے بلکہ اگر وہ بیٹھنے پر مجبور بھی ہوں تو اطمینان سے بائیں پاؤں پر نہیں بیٹھیں گے بلکہ قضائے حاجت کرنے والوں کی ہیئت میں ایڑیوں پر بیٹھ کر زمین پر ہاتھ لگائے بغیر زور لگا کر اٹھ جائیں گے۔ بڑھاپے اور ضعف میں بھی '' صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ '' پر عمل نہیں کریں گے۔ علامہ سندھی نے یہاں لکھا ہے:

’’ان لوگوں پر تعجب ہے جو مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بڑھاپے پر محمول کرتے ہیں، پھر ان کی حدیث میں رفع الیدین کا ذکر ہے اسے منسوخ قرار دیتے ہیں۔ [فَافْهَمْ]

2 اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ذکر ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلسۂ استراحت کیا کرتے تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ’’مُسِيْءُ الصَّلَاةِ‘‘ والی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ’’مُسِيْءُ الصَّلَاةِ‘‘ والے آدمی کو جلسۂ استراحت کرنے کا صاف حکم بھی موجود ہے، فرمایا: « ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلَاتِكَ كُلِّهَا » [بخاري : ٦٢٥١] ’’پھر (دوسرے سجدے سے) سر اٹھاؤ، یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، پھر اپنی ساری نماز میں ایسے ہی کرو۔‘‘

3 بعض لوگوں نے یہ عذر تراشا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلسۂ استراحت کی عادت ہوتی تو ہر راوی اسے ذکر کرتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر راوی کے اسے ذکر نہ کرنے سے اس کی نفی نہیں ہو جاتی۔ نماز اور دوسرے فرائض کے مسائل تمام احادیث جمع کر کے ہی حاصل کیے جاتے ہیں، ہر حدیث میں ہر مسئلہ مذکور نہیں ہوتا۔

4 جو حضرات جلسۂ استراحت کے قائل نہیں وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں: « كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ » [ترمذي : ٢٨٨] ’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے قدموں کے سروں پر اٹھا کرتے تھے۔‘‘ مگر خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی مقام پر اس کے راوی خالد بن ایاس کے متعلق کہا ہے: ’’ خَالِدُ بْنُ إِيَاسٍ ضَعِيْفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ ‘‘ ’’خالد بن ایاس اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔‘‘ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

5 بعض صحابہ اور تابعین کے آثار بھی جلسۂ استراحت نہ کرنے کی دلیل کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسۂ استراحت کرنے کے حکم (دیکھیے زیر شرح حدیث کا فائدہ نمبر۲) اور آپ کے صحیح سند کے ساتھ مذکور عمل کے بعد (جو زیر شرح حدیث میں مذکور ہے) ان آثار کی کچھ حیثیت باقی نہیں رہتی۔

١٤٣ ۔ بَابٌ : كَيْفَ يَعْتَمِدُ عَلَى الْأَرْضِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَةِ ؟

143۔ باب: نمازی جب رکعت سے اٹھے تو زمین کا سہارا کس طرح لے؟

٨٢٤ ۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ : جَاءَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ فَصَلّٰى بِنَا فِي مَسْجِدِنَا هٰذَا، فَقَالَ : إِنِّي لَأُصَلِّي بِكُمْ وَمَا أُرِيدُ الصَّلَاةَ وَلٰكِنْ أُرِيدُ أَنْ أُرِيَكُمْ

824۔ ابو قلابہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے ہمیں ہماری اس مسجد میں نماز پڑھائی اور کہا: میں تمھیں نماز پڑھا رہا ہوں حالانکہ میرا نماز پڑھنے کا ارادہ نہیں ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمھیں

كَيْفَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي .

دکھاؤں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے کس طرح دیکھا ہے۔

قَالَ أَيُّوبُ : فَقُلْتُ لِأَبِي قِلَابَةَ : وَكَيْفَ كَانَتْ صَلَاتُهُ ؟ قَالَ : مِثْلَ صَلَاةِ شَيْخِنَا هٰذَا، يَعْنِي : عَمْرَو بْنَ سَلِمَةَ . قَالَ أَيُّوبُ : وَ كَانَ ذٰلِكَ الشَّيْخُ يُتِمُّ التَّكْبِيرَ، وَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ عَنِ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ جَلَسَ وَاعْتَمَدَ عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ قَامَ . [راجع : ٦٧٧]

ایوب نے کہا کہ میں نے ابو قلابہ سے کہا: تو ان کی نماز کس طرح تھی؟ انھوں نے کہا: ہمارے اس شیخ یعنی عمرو ابن سلمہ ؓ جیسی تھی۔ ایوب نے کہا: وہ شیخ تکبیر پوری طرح کہتے تھے اور جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر ٹیک لگاتے، پھر کھڑے ہو جاتے تھے۔

فوائد: 1 اس حدیث کے بعض فوائد (٦٧٧) میں گزر چکے ہیں، چند مزید فوائد یہ ہیں۔ اس باب سے مقصود یہ ہے کہ پہلی رکعت ہو یا دوسری یا تیسری اس سے اٹھتے وقت نمازی کس طرح اٹھے؟ کیا زمین پر ہاتھ رکھ کر ان کے سہارے سے کھڑا ہو یا تیر کی طرح سیدھا ہی اٹھ کھڑا ہو اور زمین پر ہاتھ بالکل نہ رکھے۔ امام بخاری ؒ مالک بن حویرث ؓ کی حدیث اس لیے لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہی ہے کہ تسلی سے بیٹھ کر ہاتھ زمین پر رکھ کر ان کے سہارے سے اٹھے۔ اس سے وہ ترمذی (۲۸۸) میں ابو ہریرہ ؓ سے مروی حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے قدموں کے سروں پر اٹھتے تھے، اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ رہے صحابہ یا تابعین کے آثار تو نبی ﷺ کے عمل کے مقابلے میں ان کی کچھ حیثیت نہیں۔ (ملخص فتح الباری)

2 یہاں ایک سوال ہے کہ باب کے الفاظ تو یہ ہیں کہ زمین کا سہارا کس طرح لے مگر حدیث میں سہارا لینے کی کیفیت بیان نہیں ہوئی۔ کرمانی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ کیفیت حدیث کے ان الفاظ سے معلوم ہو رہی ہے: « جَلَسَ وَاعْتَمَدَ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ قَامَ » ”آپ سجدے سے اٹھ کر بیٹھ جاتے اور زمین پر ٹیک لگاتے، پھر کھڑے ہو جاتے۔“ گویا کیفیت یہ ہے کہ سجدے کے بعد بیٹھ جائے اور زمین پر ٹیک لگائے، پھر کھڑا ہو جائے، یہ نہیں کہ سجدے میں زمین پر رکھے ہوئے ہاتھوں کی ٹیک کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہو۔ ابن رشید نے کہا: اس سے پہلے باب میں پہلی اور تیسری رکعت میں بیٹھنے کی بات بتائی تھی، اس باب میں یہ بتایا ہے کہ آپ پہلی اور تیسری رکعت میں اچھی طرح تسلی سے بیٹھ کر زمین پر ٹیک لگا کر اٹھتے تھے، کیونکہ ”ثُمَّ“ (پھر) کے لفظ میں کچھ ٹھہرنے کا مفہوم شامل ہے، یعنی گھبرائے ہوئے تیزی کے ساتھ نہیں اٹھتے تھے بلکہ تسلی کے ساتھ جم کر بیٹھتے، پھر زمین کا سہارا لے کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ مگر اس میں نظر ہے، کیوں کہ اگر یہ بات ہوتی تو باب کے الفاظ اس سے ملتے جلتے ہونے چاہییں تھے: ”كَيْفَ يَجْلِسُ ؟“ یعنی کس طرح بیٹھے؟ (فتح الباری) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام صاحب نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہو جو ان کی شرط پر نہیں، البتہ ابو اسحاق الحربی کی کتاب ”غَرِيْبُ الْحَدِيْثِ“

میں ازرق بن قیس سے مروی ہے، انھوں نے کہا: « رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَعْجِنُ فِي الصَّلَاةِ، يَعْتَمِدُ عَلَى يَدَيْهِ إِذَا قَامَ، فَقُلْتُ لَهُ، فَقَالَ : رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ » [غريب الحديث لإبراهيم الحربي، باب عجن : ٥٢٥/٢] ''میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ نماز میں جب اٹھتے تو ہاتھوں پر سہارا لیتے ہوئے آٹا گوندھنے کی طرح مٹھی بند کر لیتے۔ میں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔'' علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے: '' إِسْنَادُهُ حَسَنٌ ۔'' [السلسلة الضعيفة : ٣٩٢/٢، تحت ح : ٩٦٧] حافظ عبدالستار الحماد نے لکھا ہے کہ اگرچہ اس روایت پر ہیثم بن عمران کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے، لیکن ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔ محدث العصر علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ (ہدایۃ القاری) اگر اس روایت کو ضعیف بھی کہا جائے تو اس میں زمین پر سہارا لیتے ہوئے ہاتھوں کی ایک کیفیت کا ذکر تو یقیناً ہے۔ اگر کھلے ہاتھوں کے ساتھ زمین پر ٹیک لگائیں تو بخاری کی حدیث پر عمل پھر بھی ہو جاتا ہے، لیکن اگر مٹھی بند کر کے ٹیک لگائیں تو بخاری کی حدیث پر بھی عمل ہو جاتا ہے اور ابو اسحاق الحربی کی حدیث پر بھی۔ (واللہ اعلم)

١٤٤ ۔ بَابٌ : يُكَبِّرُ وَهُوَ يَنْهَضُ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ

144۔ باب: ''اللہ اکبر'' اس وقت کہے جب وہ دو رکعتوں سے اٹھ رہا ہو

وَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يُكَبِّرُ فِي نَهْضَتِهِ .

اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے اٹھنے کے دوران ''اللہ اکبر'' کہتے تھے۔

فائدہ بعض ائمہ کا قول ہے کہ نمازی جب دو رکعتوں سے تیسری رکعت کے لیے اٹھے تو پوری طرح کھڑا ہو کر ''اللہ اکبر'' کہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس باب سے اس بات کی تردید کر رہے ہیں اور یہ ثابت کر رہے ہیں کہ جس طرح تمام ارکان میں منتقل ہونے کے دوران تکبیر کہنی چاہیے اسی طرح تیسری رکعت کی طرف منتقل ہونے کے دوران ہی تکبیر کہنی چاہیے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا عمل اس کی تائید کے لیے بیان کیا ہے۔

٨٢٥ ۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا فُلَيْحُ ابْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ : صَلَّى لَنَا أَبُو سَعِيدٍ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيرِ حِينَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، وَحِينَ سَجَدَ، وَحِينَ رَفَعَ، وَحِينَ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ : هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ .

825۔ سعید بن حارث سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہمیں ابو سعید (خدری) رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو انھوں نے جب سجدے سے سر اٹھایا تو بلند آواز سے تکبیر کہی اور جب سجدہ کیا اور جب سر اٹھایا اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوئے (تو ایسا ہی کیا) اور کہا: میں نے اسی طرح نبی ﷺ

کو دیکھا ہے۔

فائدہ باب سے اس کی مناسبت واضح ہے۔

٨٢٦ ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيرٍ، عَنْ مُطَرِّفٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ أَنَا وَعِمْرَانُ صَلَاةً خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ، وَإِذَا رَفَعَ كَبَّرَ، وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ أَخَذَ عِمْرَانُ بِيَدِي فَقَالَ: لَقَدْ صَلَّى بِنَا هَذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ ﷺ، أَوْ قَالَ: لَقَدْ ذَكَّرَنِي هَذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ ﷺ. [راجع: ٧٨٤ـ أخرجه مسلم: ٣٩٣]

826۔مطرف نے کہا کہ میں نے اور عمران (بن حصین) رضی اللہ عنہما نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ جب سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے اور جب سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے اور جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو تکبیر کہتے، جب انھوں نے سلام پھیرا تو عمران رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگے: بلاشبہ اس نے ہمیں محمد ﷺ والی نماز پڑھائی ہے، یا یہ کہا کہ بلاشبہ اس نے مجھے محمد ﷺ کی نماز یاد دلا دی ہے۔

فائدہ یہ حدیث (٧٨٤) پر گزر چکی ہے، باب سے مناسبت بالکل واضح ہے۔

١٤٥ ـ بَابُ سُنَّةِ الْجُلُوسِ فِي التَّشَهُّدِ

145۔باب: تشہد میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ

وَكَانَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ تَجْلِسُ فِي صَلَاتِهَا جِلْسَةَ الرَّجُلِ، وَكَانَتْ فَقِيهَةً.

اور اُم درداء اپنی نماز میں مرد کے بیٹھنے ہی کی طرح بیٹھتی تھیں اور وہ فقیہہ (دین کی سمجھ رکھنے والی) تھیں۔

فوائد 1 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي » [بخاري: ٦٣١] ”نماز اس طرح پڑھو جیسے تم نے مجھے دیکھا ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔“ اور آپ کے احکام مردوں اور عورتوں سب کے لیے یکساں ہیں، الا یہ کہ کسی دلیل سے عورتوں کے لیے الگ حکم ثابت ہو۔ بعض لوگوں نے تشہد میں بیٹھنے کے طریقہ میں مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عورت بائیں کولہے پر بیٹھے اور سجدے میں اپنا پیٹ رانوں سے ملائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کی نماز کے طریقے میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

2 ابو درداء رضی اللہ عنہ کی پہلی بیوی ام درداء رضی اللہ عنہا صحابیہ تھیں، نام ان کا خیرہ بنت ابی حدرد ہے۔ ان کی وفات کے بعد ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک اور خاتون سے نکاح کیا، ان کا نام ہجیمہ تھا اور وہ تابعیہ تھیں، انھیں ام درداء صغریٰ کہا جاتا ہے۔ اس اثر میں مذکور یہی

ام درداء صغریٰ ہیں، کیونکہ ان سے مکحول نے بیان کیا ہے اور مکحول کی ملاقات صغریٰ سے ہے، کبریٰ سے نہیں۔ (ہدایۃ القاری)

3 یہ بات کہ وہ فقیہہ تھیں اسے بعض شارحین نے بخاری کا قول سمجھا ہے۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے کہ "مسند فریابی" میں ان کی سند کے ساتھ یہ پورا قول مکحول سے مروی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ام درداء رضی اللہ عنہا کا یہ عمل بطور دلیل نہیں بلکہ بطور تائید ذکر کیا ہے، کیونکہ تابعیہ کا قول کسی طرح دلیل نہیں بنتا، البتہ بخاری کا طریقہ یہ ہے کہ دلیل جب عام ہو اور اس کے عموم پر علماء میں سے کسی نے عمل کیا ہو تو وہ اس کے ساتھ عموم پر عمل کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اکیلے عموم کے ساتھ دلیل نہ پکڑتے ہوں۔ (فتح الباری)

٨٢٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلَاةِ إِذَا جَلَسَ، فَفَعَلْتُهُ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ، فَنَهَانِي عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ، وَقَالَ: إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتَثْنِيَ الْيُسْرَى، فَقُلْتُ: إِنَّكَ تَفْعَلُ ذَلِكَ! فَقَالَ: إِنَّ رِجْلَيَّ لَا تَحْمِلَانِي.

827۔ عبد اللہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ (اپنے والد) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کرتے تھے کہ وہ جب نماز میں بیٹھتے تو چارزانو ہو کر (چوکڑی مار کر) بیٹھتے تھے۔ تو میں نے بھی ایسے ہی کیا اور ان دنوں میں نوعمر تھا تو مجھے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے منع کر دیا اور کہا: نماز کا سنت طریقہ صرف یہ ہے کہ تم اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرو اور بائیں کو موڑ دو۔ میں نے کہا: آپ ایسا کرتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: میری ٹانگیں میرا بوجھ نہیں اٹھاتیں۔

٨٢٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ. وَحَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ وَيَزِيدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ: أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا مَعَ نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرْنَا صَلَاةَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ: أَنَا كُنْتُ أَحْفَظَكُمْ لِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَأَيْتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ

828۔ محمد بن عمرو بن عطا سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے صحابہ کے ایک گروہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے نبی ﷺ کی نماز کا ذکر کیا تو ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو تم میں سے سب سے زیادہ یاد رکھنے والا رہا ہوں، میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ نے تکبیر کہی تو دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر کر لیے اور جب آپ نے رکوع کیا تو اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر جما دیا، پھر اپنی پیٹھ کو جھکایا، پھر جب آپ نے اپنا سر اٹھایا تو سیدھے کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ہر مہرہ اپنی جگہ پر

حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوَى حَتّٰى يَعُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا، وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ، فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى، وَ إِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْأُخْرَى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهِ .

آ گیا۔ پھر جب سجدہ کیا تو اپنے ہاتھ زمین پر رکھے، نہ (اپنے ہاتھ) بچھانے والے تھے نہ ہی انھیں اکٹھا کرنے والے اور آپ نے اپنے پاؤں کی انگلیوں کے سروں کا رخ قبلے کی طرف کر لیا، پھر جب دو رکعتوں میں بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دایاں کھڑا کر لیا اور جب آخری رکعت میں بیٹھے تو اپنا بایاں پاؤں آگے بڑھا دیا اور دوسرے کو کھڑا رکھا اور اپنی سرین پر بیٹھ گئے۔

وَسَمِعَ اللَّيْثُ يَزِيدَ بْنَ أَبِي حَبِيبٍ، وَيَزِيدُ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَلْحَلَةَ، وَابْنُ حَلْحَلَةَ مِنِ ابْنِ عَطَاءٍ، قَالَ أَبُو صَالِحٍ، عَنِ اللَّيْثِ : كُلُّ فَقَارٍ . وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ، قَالَ : حَدَّثَنِي يَزِيدُ ابْنُ أَبِي حَبِيبٍ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرٍو حَدَّثَهُ : كُلُّ فَقَارٍ . [انظر في الصلاة، باب : ٢٨، و في الأذان، باب : ٨٥ و باب : ١١٨ و باب : ١٢٠ و باب : ١٢٨ و باب : ١٣١]

اور لیث نے یزید بن ابی حبیب سے اور یزید نے محمد بن حلحلہ سے اور ابن حلحلہ نے ابن عطا سے یہ حدیث سنی ہے۔ ابو صالح نے لیث سے یہ الفاظ بیان کیے: "كُلُّ فَقَارٍ" اور ابن مبارک نے یحییٰ بن ایوب سے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ مجھے یزید بن ابی حبیب نے بیان کیا کہ محمد ابن عمرو نے انھیں بیان کیا: "كُلُّ فَقَارٍ."

فوائد 1 عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث میں تشہد کے دوران بایاں پاؤں موڑنے اور دایاں کھڑا رکھنے کو سنت قرار دیا گیا ہے۔ اس میں یہ وضاحت نہیں کہ بائیں پاؤں کو موڑ کر اس کے اوپر بیٹھنا ہے یا اسے آگے نکال دینا ہے۔ اس کی وضاحت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ پہلے تشہد میں بائیں پاؤں کے اوپر بیٹھنا ہے اور آخری تشہد میں پاؤں آگے بڑھا کر سرین پر بیٹھنا ہے، اسے تورک کہتے ہیں۔ موطا (۲۹۸) میں یحییٰ بن سعید سے مروی ہے کہ قاسم بن محمد نے انھیں تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ دکھایا، چنانچہ انھوں نے اپنا دایاں پاؤں کھڑا کیا اور بائیں کو موڑا اور اپنی بائیں سرین پر بیٹھ گئے، اپنے قدم پر نہیں بیٹھے، پھر کہا: مجھے عبد اللہ بن عبد اللہ نے ایسے ہی دکھایا اور مجھے بتایا کہ ان کے والد ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ اس سے وضاحت ہو گئی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے عبد اللہ نے تورک کا ذکر کیا ہے۔ موطا ہی میں عبد اللہ بن دینار سے تصریح موجود ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل آخری تشہد میں تھا۔ بخاری نے مختصر روایت ذکر کی ہے، کیونکہ اس میں اس طریقے کے سنت

نسائی میں ہے کہ قاسم بن محمد نے عبداللہ بن عبداللہ سے، انھوں نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بائیں کے اوپر بیٹھے۔ قاسم بن محمد کی دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق یہی ہوگی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات میں بھی پہلے تشہد میں بائیں پاؤں پر بیٹھنے کا ذکر ہے اور آخری تشہد میں تورک کا ذکر ہے۔ ابوحمید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی یہی تفصیل آئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں تشہدوں میں یہ فرق ملحوظ رکھنا سنت ہے۔ دونوں میں سے کسی تشہد میں بھی تورک نہ کرنا یا دونوں میں تورک کرنا سنت نہیں ہے۔

2 خیبر کے یہودیوں نے ایک موقع پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پاؤں توڑ دیے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ اثر بعد میں بھی باقی رہا۔ ویسے بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اللہ تعالیٰ نے لمبی عمر عطا فرمائی، ان کی ٹانگیں ان کا بوجھ برداشت نہیں کرتی تھیں، اس لیے وہ چار زانو ہو کر نماز میں بیٹھتے تھے۔ معلوم ہوا اگر عذر ہو تو آدمی جس طرح بیٹھ سکے بیٹھ جائے۔ [لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا]

3 تورک کے تین طریقے احادیث میں آتے ہیں: ① دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پاؤں کو دائیں ران کے نیچے سے آگے بڑھا دیا جائے، پھر سرین پر بیٹھا جائے جیسا کہ زیر شرح حدیث میں مذکور ہے۔ ② ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ چوتھی رکعت میں ہوتے تو بائیں سرین کے ساتھ زمین پر بیٹھ جاتے اور اپنے دونوں قدموں کو ایک جانب نکال لیتے۔ [أبو داوٗد، الصلاۃ : ٧٣١] ③ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو بائیں پاؤں کو ران اور پنڈلی کے درمیان میں کر لیتے اور دایاں پاؤں بچھا لیتے۔ [مسلم، الصلاۃ : ٥٧٩]

(ہدایۃ القاری)

4 رسول اللہ ﷺ یا تو اکیلے نماز پڑھتے تھے یا بطورِ امام نماز پڑھتے تھے، ان دونوں صورتوں میں تورک میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ البتہ مقتدی کے لیے صف میں تورک میں کچھ مشکل پیش آتی ہے، خصوصاً جب تمام نمازی کندھے سے کندھا اور ٹخنے سے ٹخنہ چپکا دینے والے ہوں۔ اس لیے امام اور منفرد کے لیے تورک کے سنت ہونے میں کوئی شک نہیں، البتہ مقتدی کے معاملے میں گنجائش ہونی چاہیے۔ (واللہ اعلم)

5 ایک روایت میں ہے کہ اس مجلس میں موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایسے ہی نماز پڑھتے تھے۔ (ابوداوٗد: ٧٣٠) (ہدایۃ القاری)

6 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مختلف سندوں سے ذکر کیا ہے کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی نماز کا طریقہ قول سے بھی بیان کیا اور آپ ﷺ کی طرح عملاً نماز پڑھ کر بھی دکھائی۔

7 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنے حفظ پر اعتماد ہو تو اس کا اظہار کر سکتا ہے۔ ابوحمید رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات کہی تو دوسرے صحابہ نے کہا: تم ہم سے زیادہ نبی ﷺ کے ساتھ نہیں رہے، نہ صحابی ہونے میں ہم سے قدیم ہو، تو ہم سے زیادہ تم کیسے یاد رکھنے والے ہوگئے۔ ابوحمید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس بات میں آپ کا پیچھا کیا یہاں تک کہ میں نے خوب یاد کر

لیا۔ ان صحابہ نے کہا: تو پھر پیش کرو، اس پر انھوں نے وہ طریقہ پیش کیا۔ (فتح الباری)

8 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مجلس میں موجود دس صحابہ میں سے یہ حضرات ذخیرۂ احادیث سے باحوالہ ڈھونڈ نکالے ہیں: ① ابو العباس سہل بن سعد ② ابو اُسید ساعدی ③ محمد بن مسلمہ ④ ابو ہریرہ ⑤ اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہم۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: باقی حضرات کے نام مجھے معلوم نہیں ہو سکے۔

١٤٦ - بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ التَّشَهُّدَ الْأَوَّلَ وَاجِبًا

146۔ باب: جس نے پہلے تشہد کو واجب نہیں سمجھا

لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَلَمْ يَرْجِعْ.

کیونکہ نبی ﷺ دو رکعتوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور واپس نہیں پلٹے۔

فائدہ بعض لوگ فرض اور واجب میں فرق کرتے ہیں، مگر حقیقت یہی ہے کہ ان میں کوئی فرق نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ پہلا تشہد نماز کا فرض یا رکن نہیں کہ اس کے ترک سے نماز باطل ہو جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہو گئے، تشہد کے لیے نہیں بیٹھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یاد بھی دلایا، جیسا کہ اس حدیث کی بعض روایات میں آیا ہے مگر آپ ﷺ واپس نہیں پلٹے بلکہ آخر میں سجدۂ سہو کے ساتھ اس کی تلافی کر لی۔ اگر فرض ہوتا تو صرف سجدۂ سہو سے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی تھی، جیسا کہ اگر رکوع، سجدہ یا قیام رہ جائے تو صرف سجدۂ سہو سے اس کی تلافی نہیں ہوتی۔

٨٢٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ هُرْمُزَ مَوْلَى بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ - وَقَالَ مَرَّةً: مَوْلَى رَبِيعَةَ ابْنِ الْحَارِثِ - أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ بُحَيْنَةَ وَهُوَ مِنْ أَزْدِ شَنُوءَةَ، وَهُوَ حَلِيفٌ لِبَنِي عَبْدِ مَنَافٍ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمُ الظُّهْرَ، فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ، فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ حَتّٰى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، ثُمَّ سَلَّمَ. [انظر: ٨٣٠، ١٢٢٤، ١٢٢٥، ١٢٣٠، ٦٦٧٠ - أخرجه مسلم: ٥٧٠]

829۔ عبد اللہ ابن بحینہ رضی اللہ عنہ جو اَزدِ شَنُوءَہ سے ہیں، بنو عبد مناف کے حلیف اور اصحاب نبی ﷺ سے ہیں، انھوں نے روایت کی کہ نبی ﷺ نے انھیں ظہر پڑھائی اور پہلی دو رکعتوں میں کھڑے ہو گئے، بیٹھے نہیں، لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ جب آپ نے نماز پوری کر لی اور لوگوں نے آپ کے سلام پھیرنے کا انتظار کیا تو آپ نے بیٹھے بیٹھے "اللہ اکبر" کہا اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کیے، پھر سلام پھیر دیا۔

فائدہ ابن سعد وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ عبد اللہ ابن بحینہ کے دادا مطلب بن عبد مناف کے حلیف بنے تھے، اس

لیے انھیں بنو عبد مناف کا حلیف کہا ہے۔ (فتح الباری) جاہلیت کے زمانے میں ایک شخص کسی قوم سے جا کر معاہدہ کر لیتا کہ میں ہمیشہ تمھارے ساتھ رہوں گا، تمھارے دوست کا دوست اور دشمن کا دشمن، تو اس کو قوم کا حلیف کہتے ہیں۔ (تیسیر الباری) حدیث کی باب سے مناسبت ظاہر ہے۔

١٤٧ - بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الْأُولَى

147۔ باب: پہلی دفعہ بیٹھنے میں تشہد

٨٣٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرٌ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الظُّهْرَ، فَقَامَ وَعَلَيْهِ جُلُوسٌ، فَلَمَّا كَانَ فِي آخِرِ صَلَاتِهِ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ. [راجع: ٨٢٩ - أخرجه مسلم: ٥٧٠]

830۔ عبد اللہ بن مالک ابن بحینہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر پڑھائی اور آپ کھڑے ہو گئے جب کہ آپ کے ذمے بیٹھنا تھا، جب آپ نماز کے آخر میں پہنچے تو آپ نے بیٹھے بیٹھے دو سجدے کر لیے۔

فوائد و مسائل: 1 "اَلتَّشَهُّدُ فِي الْأُولَى" سے مراد "اَلتَّشَهُّدُ فِي الْجَلْسَةِ الْأُولَى" ہے، اس لیے "اَلْأُولَى" کو مؤنث لائے ہیں۔ (فتح الباری)

2 پچھلے باب اور اس باب میں یہ فرق ہے کہ پچھلے باب کے ساتھ پہلے تشہد کا فرض نہ ہونا بیان کیا، اب یہ بیان کیا کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں، بلکہ یہ تشہد یاد ہونے کی صورت میں پڑھنا ہوگا، اس کی اہمیت "وَعَلَيْهِ جُلُوْسٌ" (آپ کے ذمے بیٹھنا تھا) کے الفاظ سے ثابت ہو رہی ہے، اس لیے اسے جان بوجھ کر چھوڑنا درست نہیں۔

١٤٨ - بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الْآخِرَةِ

148۔ باب: آخری دفعہ بیٹھنے میں تشہد

٨٣١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ، قُلْنَا: اَلسَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ، اَلسَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ، فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ، فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ، فَلْيَقُلْ: اَلتَّحِيَّاتُ لِلَّهِ

831۔ عبد اللہ (بن مسعود) ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم جب نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہم یوں کہتے تھے: سلام ہو جبریل اور میکائیل پر، سلام ہو فلاں اور فلاں پر، تو رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے فرمایا: "بے شک اللہ خود سلام ہے، تو جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو یوں کہے: "تمام قولی عبادتیں اللہ کے

وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ، فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوْهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ » [انظر : ۸۳۵، ۱۲۰۲، ۶۲۳۰، ۶۲۶۵، ۶۳۲۸، ۷۳۸۱۔ أخرجه مسلم : ۴۰۲ بزيادة]

لیے ہیں اور بدنی اور مالی عبادتیں بھی۔ سلام ہو تجھ پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، سلام ہم پر اور اللہ کے صالح بندوں پر۔'' کیونکہ جب تم یہ کہو گے تو یہ دعا آسمان اور زمین میں موجود اللہ کے ہر صالح بندے کو پہنچ جائے گی۔ ''میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

فوائد: 1 یہ حدیث یہاں مختصر بیان ہوئی ہے، یہاں یہ ذکر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کیوں فرمائی کہ ''اللہ تو خود سلام'' ہے اور نہ اس میں یہ ذکر ہوا ہے کہ تشہد نماز میں کس جگہ پڑھنا ہے۔ مفصل حدیث " كِتَابُ الْإِسْتِئْذَانِ (۶۲۳۰) " میں آ رہی ہے۔ اس میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم جب نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو کہتے تھے: « اَلسَّلَامُ عَلَى اللهِ قِبَلَ عِبَادِهِ، اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيْلَ، اَلسَّلَامُ عَلٰى مِيْكَائِيْلَ ..... » ''سلام ہو اللہ پر اس کے بندوں کی طرف سے.....۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ خود سلام ہے۔'' مطلب یہ ہے کہ سلام درحقیقت دعا ہے، یعنی تم سلامت رہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ایسی دعا دینے کی حاجت نہیں، کیونکہ وہ ہر آفت اور تغیر سے پاک ہے، ازلی و ابدی ہے، وہ خود جسے چاہے سلامت رکھتا ہے، اسی لیے اس کا نام ''سلام'' ہوا۔ " كِتَابُ الْإِسْتِئْذَانِ (۶۲۳۰) " میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ : اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ..... » ''جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں بیٹھے تو یوں کہے.....۔'' نسائی (۱۱۶۳) میں عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں ہے: « إِذَا قَعَدْتُمْ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ فَقُوْلُوْا ..... » ''جب تم ہر دو رکعتوں میں بیٹھو تو یوں کہو.....۔'' (فتح الباری)

2 نسائی (۱۲۹۸) کی حدیث: « إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ : اَلتَّحِيَّاتُ ..... » میں " فَلْيَقُلْ " امر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تشہد واجب ہے، البتہ بھولنے کی صورت میں پہلے تشہد کی تلافی سجدۂ سہو سے ہو سکتی ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد فرض ہونے کی تصریح بھی آئی ہے، چنانچہ دار قطنی (۱۳۲۷) وغیرہ نے صحیح سند کے ساتھ علقمہ عن ابن مسعود کے طریق سے روایت کی ہے: « كُنَّا نَقُوْلُ قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ التَّشَهُّدُ » ''ہم تشہد فرض کیے جانے سے پہلے کہا کرتے تھے۔'' اس کے علاوہ بخاری کی " كِتَابُ الْإِسْتِئْذَانِ " والی روایت میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: « عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَ كَفِّيْ بَيْنَ كَفَّيْهِ، التَّشَهُّدَ، كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ »

[بخاري : ٦٢٦٥] ”مجھے رسول اللہ ﷺ نے تشہد سکھایا جب کہ میری ہتھیلی آپ کی دو ہتھیلیوں کے درمیان تھی جس طرح مجھے قرآن کی سورت سکھا رہے ہوں۔“ اس سے بھی تشہد کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

تشہد کے الفاظ کچھ اختلاف کے ساتھ دوسرے صحابہ مثلاً عمر بن خطاب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی آئے ہیں، مگر عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد راجح ہے۔ محدث بزار سے تشہد کی سب سے صحیح حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: ”میرے نزدیک وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، کیونکہ وہ بیس سے زیادہ طرق سے آئی ہے۔“ پھر انھوں نے اس کی اکثر سندیں ذکر کیں اور کہا: ”میرے علم میں اس سے پختہ اور صحیح اور مشہور روایت کوئی نہیں۔“ اس کے علاوہ دو صحیحین میں ہے، جب کہ تشہد کے دوسرے الفاظ میں یہ بات نہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے نبی ﷺ کے منہ سے سن کر یاد کیا ہے، چنانچہ طحاوی (٢٦٢/١، ح: ١٥٦٢) نے اسود بن یزید کے طریق سے ان سے روایت کی ہے: «أَخَذْتُ التَّشَهُّدَ مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَقَّنَنِيْهَا كَلِمَةً كَلِمَةً » ”میں نے تشہد کو رسول اللہ ﷺ کے منہ سے حاصل کیا اور آپ نے ایک ایک کلمہ کر کے مجھے کہلوایا۔“ صحیح بخاری میں ان کا قول مذکور ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تشہد اس طرح سکھایا کہ میری ہتھیلی آپ کی دو ہتھیلیوں کے درمیان تھی اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں ابو وائل نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: « كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ » [مصنف ابن أبي شيبة: ٣٠٠٤۔ مسلم : ٤٠٣] ”رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد اس طرح سکھاتے تھے جس طرح ہمیں قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔“ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں تشہد بیان کیا ہے، اسے طحاوی نے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری) یاد رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تشہد کے جو الفاظ روایت کیے ہیں سب نماز میں پڑھے جا سکتے ہیں۔ اوپر جتنی بات ہوئی ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ راجح کون سا ہے۔

3 تشہد کے الفاظ ” اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ ...... “ سے بعض قبر پرستوں نے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں اور آپ ﷺ کو مدد کے لیے پکارنا جائز ہے، کیونکہ جب نماز میں آپ کو پکارنا جائز ہے تو نماز کے علاوہ بالاولیٰ جائز ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حجروں کے باہر سے ندا کرنے والوں کے متعلق فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ [الحجرات : ٤] ”بے شک وہ لوگ جو تجھے دیواروں کے باہر سے آوازیں دیتے ہیں ان کے اکثر نہیں سمجھتے۔“ اس لیے آپ ﷺ کو دور سے ندا کرنا تو بے عقلی کا کام ہے۔ دراصل یہ الفاظ اسی طرح پڑھے جاتے ہیں جیسے قرآن مجید کی آیات پڑھی جاتی ہیں: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ ﴾، ﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ ﴾، ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴾ جب آدمی یہ آیات پڑھتا ہے تو وہ نبی ﷺ کو خطاب نہیں کر رہا ہوتا بلکہ اللہ کا کلام پڑھ رہا ہوتا ہے۔ تشہد میں ” اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ “ کا بھی یہی معاملہ ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: « كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ » [مسلم، الصلاة، باب التشهد في الصلاة : ٤٠٣] ”رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد ایسے ہی سکھلاتے تھے جیسے

ہمیں قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔'' اس سے پہلے فائدے میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی الفاظ گزر چکے ہیں۔
بعض حضرات نے کہا ہے کہ دراصل یہ ایک مکالمہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کے درمیان معراج کی رات ہوا، اس طرح کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ الفاظ پیش کیے: « اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ » تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: « اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ » اس پر نبی ﷺ نے عرض کیا: « اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ » تشہد میں یہ مکالمہ اسی طرح دہرایا جاتا ہے، مگر ''مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح'' (۲۳۳/۳، تحت ح: ۹۱۵) کے مصنف مولانا عبید اللہ مبارک پوری نے لکھا ہے کہ مجھے اس روایت کی سند نہیں ملی، اگر ثابت ہو تو اچھی توجیہ ہے۔

بندہ عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ معراج میں اس مکالمے والی روایت نہ بھی ثابت ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ الفاظ کہ ''رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے'' اس مقصد کے لیے کافی ہیں کہ ان الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو ندا مراد نہیں بلکہ یہ آپ کے لیے دعا ہے اور انھی الفاظ میں کی جائے گی جو رسول اللہ ﷺ نے سکھائے ہیں۔ جیسا کہ قبرستان میں فوت شدہ لوگوں کو خطاب کے لفظ کے ساتھ سلام کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ہر خطاب میں مخاطب کو سنانا مقصود نہیں ہوتا، مثلاً چاند دیکھنے کی دعا میں '' رَبِّيْ وَ رَبُّكَ اللّٰهُ '' کہا جاتا ہے، بچے سے دل لگی کے وقت جو باتیں کی جاتی ہیں، اسی طرح ذہن میں حاضر شخص سے جو خطاب کیا جاتا ہے۔ کسی میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ مخاطب ہماری بات سن یا سمجھ رہا ہے۔ رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں یا آپ عالم الغیب ہیں یا مُردے سلام کی آواز یا کوئی اور بات سنتے ہیں، تو قرآن مجید میں متعدد آیات اس کی تردید کرتی ہیں، جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ [النمل: ٦٥] ''کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے غیب نہیں جانتا۔'' اور جن سے بھی ماوراء الاسباب مدد مانگی جاتی ہے سب کے متعلق فرمایا: ﴿ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴾ [فاطر: ١٣، ١٤] ''اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے مالک نہیں۔ اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر وہ سن لیں تو تمھاری درخواست قبول نہیں کریں گے اور قیامت کے دن تمھارے شرک کا انکار کر دیں گے اور تجھے ایک پوری خبر رکھنے والے کی طرح کوئی خبر نہیں دے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴾ [النمل: ٨٠] ''بے شک تو نہ مُردوں کو سناتا ہے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سناتا ہے، جب وہ پیٹھ پھیر کر پلٹ جائیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ [فاطر: ٢٢] ''اور نہ زندے برابر ہیں اور نہ مُردے، بے شک اللہ سنا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تو ہرگز اسے سنانے والا نہیں جو قبروں میں ہے۔'' ظاہر ہے اس بات کی خبر اللہ تعالیٰ ہی دے

سکتا ہے کہ وہ مُردوں کو کون سی بات سناتا ہے، سو احادیث میں دو موقعوں پر مُردوں کا سننا ثابت ہے، ایک رسول اللہ ﷺ کا بدر میں قتل ہونے والے مشرکوں کو خطاب (بخاری: ۳۹۷۶) اور دوسرا قبر میں دفن کے بعد جانے والوں کے جوتوں کی آواز میت کو سنائی دینا۔ (بخاری: ۱۳۳۸)

ان موقعوں پر مُردوں کے سننے پر ہمارا ایمان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ انھیں سناتا ہے۔ قرآن مجید میں فوت شدہ لوگوں کے نہ سننے کا مضمون متعدد جگہ آیا ہے۔ (دیکھیے سورۂ نمل: ۸۰۔ سورۂ روم: ۵۲۔ سورۂ فاطر: ۱۹ تا ۲۲) بلکہ فوت شدہ لوگوں کو خبر ہی نہیں کہ کوئی انھیں پکار رہا ہے۔ (دیکھیے سورۂ نحل: ۲۰، ۲۱۔ سورۂ فاطر: ۱۳، ۱۴۔ سورۂ احقاف: ۴ تا ۶)

4 وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ : صالح وہ ہے جو اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کرنے والا اور عقیدہ و عمل ہر لحاظ سے درست ہو۔ بڑے بڑے عالی قدر انبیاء اور نیک بندوں نے صالحین میں شامل کیے جانے کی دعا کی ہے، مثلاً ابراہیم علیہ السلام (شعراء: ۸۳)، یوسف علیہ السلام (یوسف: ۱۰۱)، سلیمان علیہ السلام (نمل: ۱۹) اور خود رسول اللہ ﷺ نے وفات کے وقت کہا: ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ [النساء : ٦٩] ”تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین میں سے اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔“ [مسلم، باب في فضل عائشة رضي الله تعالى عنها : ٢٤٤٤] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاں ایک نکتہ قفال رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے وہ اللہ کے حق میں کوتاہی کے ساتھ بندوں کے حق میں بھی کوتاہی کا ارتکاب کر رہے ہیں، کیونکہ اللہ کے تمام صالح بندوں کا وہ زندہ ہیں یا فوت شدہ ہر نمازی پر حق ہے کہ وہ ان پر سلام کہے۔ ”اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ“ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ دوسرے کے حق میں دعا کے ساتھ اپنے لیے بھی دعا کرنی چاہیے، جیسا کہ نوح علیہ السلام کی دعا ہے: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ [نوح : ٢٨] ”اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور اس کو جو مومن بن کر میرے گھر میں داخل ہو اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو۔“ اور ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ [ابراهيم : ٤١] ”اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور ایمان والوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔“

5 أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ : ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس کے ساتھ ”وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ“ کے الفاظ بھی رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث میں آئے ہیں۔ [دیکھیے نسائي، نوع آخر من التشهد : ١١٧٣] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے لیے صحیح مسلم کا حوالہ دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حافظ ابن حجر کا وہم قرار دیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ الفاظ ابن ابی شیبہ میں آتے ہیں مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ (فتح الباری) بہرحال یہ الفاظ بھی ساتھ ملائے جا سکتے ہیں۔

6 حکیم ترمذی نے کہا: جو شخص اس سلام سے حصہ لینا چاہتا ہے جو تمام نمازی نماز میں صالحین پر بھیجتے ہیں تو اسے چاہیے کہ صالح بندہ بنے، ورنہ اس عظیم فضیلت سے محروم رہے گا۔ (فتح الباری)

7 صحیح بخاری کی ''کتاب الاستئذان (۶۲۶۵)'' میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشہد والی حدیث میں ہے کہ جب نبی ﷺ ہم میں موجود تھے تو ہم " اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ " کہا کرتے تھے، جب آپ ﷺ فوت ہو گئے تو ہم " اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ " کہنے لگے۔ فتح الباری میں ہے عبدالرزاق نے کہا کہ ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انھوں نے کہا: مجھے عطا نے خبر دی: « أَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوْا يُسَلِّمُوْنَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ : اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ، فَلَمَّا مَاتَ قَالُوْا : اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ » [مصنف عبد الرزاق : ۳۰۷۵، وهذا إسناد صحيح] ''یعنی صحابہ نبی ﷺ کی زندگی میں سلام (ان الفاظ میں) بھیجا کرتے تھے: " اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ " پھر جب نبی ﷺ فوت ہو گئے تو وہ " اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ " کہنے لگے۔'' مگر یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ کا اجتہاد ہے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان سے زیادہ فقیہ ہیں اور انھوں نے صحابہ کی موجودگی میں منبر پر لوگوں کو تشہد سکھایا اور اسے ان الفاظ میں پڑھا: " اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ " اور کسی صحابی نے انکار نہیں کیا، اس لیے صحیح یہی ہے کہ تشہد میں رسول اللہ ﷺ کے سکھائے ہوئے الفاظ ہی کہے جائیں۔ عمر رضی اللہ عنہ والی روایت کے لیے دیکھیے مستدرک حاکم (۳۹۸/۱، ح: ۹۷۹)، بیہقی (۲۰۶/۲، ح: ۲۸۳۹)، مسند شافعی (۲۳۷/۱)، موطا مالک (۱۲۲/۲، ح: ۳۰۰)، التلخیص الحبیر (۶۳۶/۱، ح: ۴۰۹)۔ (بحوالہ شرح بخاری ابن عثیمین)

" اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ " کہنے کی وجہ اگر یہ ہے کہ فوت ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ پاس موجود نہیں ہوتے تو زندگی میں بھی آپ ہر نمازی کے پاس موجود نہیں ہوتے تھے۔ خطاب کے ساتھ سلام کے لیے نہ پاس ہونا ضروری ہے نہ سننا ضروری ہے بلکہ نماز میں سلام کا یہ طریقہ قرآن کی سورت کی طرح ہے جس میں ہماری رائے کا کوئی دخل نہیں۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ اس احساس کے ساتھ " اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ " نہ کہا جائے کہ آپ سے خطاب کیا جا رہا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ امت کا سلام نہیں سنتے اور اب آپ فوت بھی ہو چکے ہیں، ہاں! امت کا سلام آپ کو فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ » ''اللہ کے کچھ فرشتے زمین میں چلتے رہنے والے ہیں، جو مجھے میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔'' [نسائي : ۱۲۸۲۔ مسند أحمد : ۳۸۷/۱، ح : ۳۶۶۶] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

۱۴۹۔ بَابُ الدُّعَاءِ قَبْلَ السَّلَامِ

149۔ باب: سلام سے پہلے دعا

فائدہ: تشہد کے بعد درود ابراہیمی بھی نماز کا حصہ ہے، مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں تشہد کے بعد دعا کا باب قائم کیا ہے، درود ابراہیمی کا عنوان قائم نہیں کیا، حالانکہ انھوں نے درود ابراہیمی والی حدیث " كِتَابُ الدَّعَوَاتِ، بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ (۶۳۵۷) " میں ذکر کی ہے۔ ترمذی نے بھی تشہد کے ابواب کے بعد " اَلصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ "

ﷺ " کا باب قائم نہیں کیا، البتہ امام مسلم، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے تشہد کے بعد " اَلصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ " کے ابواب قائم کیے ہیں۔ امام بخاری کے اس عمل کی کسی شارح نے بھی معقول توجیہ نہیں کی۔ (واللہ اعلم) (ملخص ہدایۃ القاری)

٨٣٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو فِي الصَّلَاةِ: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ» فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ: مَا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيذُ مِنَ الْمَغْرَمِ! فَقَالَ: «إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ، وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ»

[انظر: ٨٣٣، ٢٣٩٧، ٦٣٦٨، ٦٣٧٥، ٦٣٧٦، ٦٣٧٧، ٧١٢٩ - أخرجه مسلم: ٥٨٧ مختصرًا، و أخرجه بطوله: ٥٨٩]

832۔ نبی ﷺ کی بیوی عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں دعا کرتے تھے: "اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور زندگی کے فتنے اور موت کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔" تو ایک کہنے والے نے آپ سے کہا: آپ قرض سے کتنی زیادہ پناہ مانگتے ہیں! تو آپ نے فرمایا: "آدمی جب مقروض ہوتا ہے تو بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے۔"

٨٣٣ - وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَسْتَعِيذُ فِي صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.

[راجع: ٨٣٢- أخرجه مسلم: ٥٨٧ ومطولًا: ٥٨٩]

833۔ عائشہ ؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ اپنی نماز میں دجال کے فتنے سے پناہ مانگ رہے تھے۔

فوائد تخریج 1 یہاں ایک سوال ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں نماز کے اندر یہ دعائیں کرنے کا ذکر ہے، تشہد کے بعد یا سلام سے پہلے کی صراحت نہیں، تو یہ دعائیں سجدے، رکوع یا قیام میں بھی ہو سکتی ہیں؟ حافظ ابن حجر ؒ نے فرمایا: مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بخاری ؒ نے ان روایات کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں ان دعاؤں کے لیے اس جگہ کی تعیین آئی ہے؛ چنانچہ ابن خزیمہ (٧٢٢) نے عائشہ ؓ سے " أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ " والی ساری حدیث تشہد کے بعد مرفوع ذکر کی ہے۔ اسی طرح مسلم نے (٥٨٨/١٢٨) ابوہریرہ ؓ سے مرفوعاً بیان کیا ہے: « إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ ......» آگے یہ حدیث ذکر کی ہے۔ یہ اوزاعی سے وکیع کی روایت ہے اور مسلم (٥٨٨/١٣٠) نے ہی ولید بن مسلم سے اوزاعی کی روایت ان الفاظ میں بیان کی ہے: « إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْآخِرِ » (جب تم میں سے کوئی آخری

تشہد سے فارغ ہو تو ......) اور پوری سند میں " حَدَّثَنَا " کی صراحت کی ہے۔ اس سے اس دعا کا محل متعین ہو گیا اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعض طرق میں تشہد کے ذکر کے بعد جو آیا ہے: « ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ » (پھر جو دعا چاہے اختیار کر لے) اس سے معلوم ہوا کہ تشہد کے بعد پناہ مانگنے والی دعا کے بعد اور سلام سے پہلے مزید جو دعا چاہے کر لے۔ (فتح الباری)

2 مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ: اس میں عذاب قبر کے منکرین کا رد ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے " كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَا جَاءَ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ " (۱۳۶۹ تا ۱۳۷۴) میں آیات و احادیث سے عذاب قبر کا حق ہونا ثابت کیا ہے، تفصیل وہاں آئے گی۔ (ان شاء اللہ العزیز)

3 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسیح دجال کے فتنے سے پناہ مانگنے سے معلوم ہوا کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے، کیونکہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ اپنے زمانے میں بھی دجال کے ظہور کا احتمال سمجھتے تھے، اسی لیے فرمایا: « إِنْ يَخْرُجْ وَأَنَا فِيكُمْ فَأَنَا حَجِيجُهُ دُوْنَكُمْ، وَإِنْ يَخْرُجْ وَلَسْتُ فِيكُمْ فَامْرُؤٌ حَجِيجُ نَفْسِهِ، وَاللّٰهُ خَلِيفَتِي عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ » [مسلم : ۲۹۳۷] " اگر وہ میرے ہوتے ہوئے نکلا تو تمھاری جگہ میں اس سے جھگڑنے والا ہوں اور اگر وہ نکلا اور میں نہ ہوا تو ہر آدمی اپنی طرف سے جھگڑنے والا ہو گا اور اللہ ہر مسلم پر میری جگہ لینے والا ہے۔"

4 لفظ "مسیح" عیسیٰ علیہ السلام اور دجال دونوں کا لقب ہے، مگر دجال کو صرف مسیح نہیں کہا جاتا، بلکہ اس کے ساتھ دجال کی صراحت کی جاتی ہے۔ اہل علم نے عیسیٰ علیہ السلام کا لقب مسیح ہونے کی بہت سی توجیہیں کی ہیں جن میں سے زیادہ ظاہر ایک یہ ہے کہ یہ "مسح" (ہاتھ پھیرنے) سے " فَعِيْلٌ " بمعنی فاعل ہے، کیونکہ ان کے ہاتھ پھیرنے سے اللہ کے اذن سے مریض تندرست ہو جاتے تھے۔ دوسرا یہ کہ یہ مساحت یا سیاحت (سفر) سے ہے، کیونکہ وہ دعوت کے لیے بہت سفر کرتے تھے۔ بعض نے کہا: یہ عبرانی لفظ " مَا شِيْخَا " سے بنا ہے۔ اور دجال کو مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ وہ " مَمْسُوْحُ الْعَيْنِ " ہو گا، یعنی اس کی ایک آنکھ مٹی ہوئی ہو گی، یا وہ زمین میں تیزی کے ساتھ سفر کرے گا۔ لفظ دجال "دجل" سے مشتق ہے، بہت دھوکا دینے والا۔ دجال کے فتنے کی تفاصیل احادیث میں موجود ہیں۔

5 فِتْنَةِ الْمَحْيَا ......: زندگی میں پیش آنے والے فتنے دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو شبہات سے پیش آتے ہیں اور دوسرے وہ جو شہوات (خواہشات) سے پیش آتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے دین سے آدمی یا تو جہل کی وجہ سے ہٹتا ہے یا شہوات (خواہشات) کی وجہ سے۔ شہوات سے مراد صرف جنسی خواہش نہیں بلکہ طمع، تکبر، دوسری بری خواہشات اور برے کاموں کے ارادے بھی ہیں جو آدمی کو حق معلوم ہونے کے باوجود اسے تسلیم اور اس پر عمل نہیں کرنے دیتے۔ یہ پہلے فتنے سے بھی زیادہ خطرناک ہیں، کیونکہ ان میں آدمی جان بوجھ کر نافرمانی کرتا ہے۔ شبہات میں مبتلا آدمی کی مثال وہ آدمی ہے جو جہل اور لاعلمی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہے یا نیکی سمجھ کر گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور شہوات کے فتنے میں مبتلا شخص کی مثال وہ آدمی ہے جو جانتے ہوئے علی وجہ البصیرہ اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔

موت کے فتنے سے مراد بعض نے منکر نکیر کے سوالات "مَنْ رَّبُّكَ ؟ مَا دِيْنُكَ ؟" اور "مَنْ نَبِيُّكَ؟" لیے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد موت کے وقت شیطان کی کوشش ہے کہ آدمی کو ایمان سے محروم کر دے، کیونکہ اس وقت آدمی بڑی مشکل میں مبتلا ہوتا ہے اور شیطان بھی اسے گمراہ کرنے کے لیے اپنا آخری زور لگا دیتا ہے، پھر جو اس وقت فتنے سے بچ گیا وہ حقیقی سعادت مند ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان خوش نصیبوں میں شامل فرمائے اور جس کے گناہوں نے اسے گھیر لیا وہ برے خاتمے کے فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کا آخری وقت قریب آیا تو ان پر غشی طاری ہونے لگی جس میں وہ بار بار کہنے لگے: ابھی نہیں، ابھی نہیں۔ جب انھیں ہوش آیا تو ان سے پوچھا گیا: ("ابھی نہیں" کا) کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے شیطان کو دیکھا وہ اپنی انگلیوں کے پورے دانتوں سے کاٹ رہا تھا اور کہہ رہا تھا: احمد! تو میرے ہاتھ سے نکل گیا اور میں اسے کہہ رہا تھا: ابھی نہیں، ابھی نہیں، یعنی جب تک بدن میں روح ہے اس وقت تک سب کچھ ممکن ہے، صرف وہی بچے گا جسے اللہ بچائے گا۔ [سير أعلام النبلاء: ٣٤١/١١۔ حلية الأولياء: ١٨٣/٩، وغیرہ، منقول أز شرح بخاري لابن عثيمين]

٨٣٤ ۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ : عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي، قَالَ : « قُلِ اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا، وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ، وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ » [انظر : ٦٣٢٦، ٧٣٨٨۔ أخرجه مسلم : ٢٧٠٥]

834۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: آپ مجھے کوئی دعا سکھائیں جو میں نماز میں کروں۔ آپ نے فرمایا: "یوں کہو: اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو بخشے، سو مجھے بخش دے عظیم بخشش جو تیرے پاس سے ہو اور مجھ پر رحم کر، یقیناً تو ہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔"

فوائد تحقیق 1 اس حدیث میں بھی یہ ذکر نہیں کہ نماز میں کس موقع پر یہ دعا پڑھنی ہے، مگر اس کے بعد والے باب میں مذکور حدیث میں ہے کہ تشہد کے بعد وہ دعا کرے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو۔

2 یہ حدیث کئی اعتبار سے بہت عظیم اور اہم ہے، سب سے پہلے سوال کرنے والے اور جواب دینے والے کے لحاظ سے کہ سوال کرنے والے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور مسئول رسول اللہ ﷺ ہیں جنھیں سب سے محبوب ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ انھیں سب سے اچھی اور جامع دعا ہی بتائیں گے۔ دوسرا الفاظ کے لحاظ سے اس دعا میں اللہ تعالیٰ کے حضور کئی قسم کا صحیح وسیلہ پیش کیا گیا ہے، چنانچہ "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا" اپنی حالتِ زار کو پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ

کے ہاں مقبول وسیلہ اپنی حالت کے وسیلے سے دعا بھی ہے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے: ﴿رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ﴾ [القصص : ٢٤] انھوں نے اپنے فقر کو بیان کیا ہے اور کچھ ذکر نہیں کیا۔ مقصد یہ کہ پروردگارا! میری حالت بدل دے۔ اس کے علاوہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ثنا کا وسیلہ بھی ہے: « وَ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ » یہ بھی ایک وسیلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس صفت کے واسطے سے دعا کی جائے جو تمھاری درخواست کے ساتھ مناسبت رکھتی ہو۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کے وسیلے سے دعا بھی ہے: « فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ، وَ ارْحَمْنِيْ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ » "مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ" (اپنے پاس سے بخشش) اس میں ایک تو تنوین تعظیم کے ساتھ ایسی عظیم بخشش کا سوال ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہو، پھر جو بخشش اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہوگی یقیناً اس کی عظمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرا اس میں یہ سوال ہے کہ یہ بخشش خاص تیرے فضل سے ہو، کیونکہ مجھ میں نہ کوئی خوبی ہے نہ میری کوئی کوشش اس قابل ہے کہ مجھے بخشش عطا ہو۔ یقیناً یہ طرزِ دعا بھی قبولیت کی شان رکھتا ہے۔ یاد رہے کہ کسی شخص کا نام بطورِ وسیلہ لے کر دعا کرنا کہ "یا اللہ! فلاں کے واسطے یا وسیلے یا طفیل میری دعا قبول کر" قرآن و سنت سے ثابت نہیں، اس لیے بدعت ہے۔

"غَفُوْرٌ" اور "رَحِيْمٌ" ان دو صفات کی مثال بعض اہلِ علم نے یہ دی ہے کہ ایک چور کو گھر کا مالک چوری کرتے ہوئے پکڑ لے، چور اس سے درخواست کرے کہ مجھے چھوڑ دو اور میری غلطی پر پردہ ڈال دو اور وہ اس کی درخواست مان لے تو یہ مغفرت ہے، پھر صاحبِ خانہ چور کی حالت پر رحم کرتے ہوئے آئندہ اس کی ضروریات کا بندوبست بھی کر دے تو یہ رحم ہے۔ [وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى] اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم سے علم حاصل کرنے کی درخواست اور علم میں اضافے کی کوشش ہمیشہ کرتے رہنا چاہیے، خصوصاً دعائیں سیکھنے کی بہت کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کا بھی تقاضا ہے: ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ [طٰہٰ : ١١٤] (شرح بخاری لابن عثیمین)

١٥٠ - بَابُ مَا يُتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ

150۔ باب: تشہد کے بعد وہ دعا کرنا جو پسند ہو اور یہ واجب نہیں

٨٣٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ الْأَعْمَشِ، حَدَّثَنِي شَقِيقٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ : كُنَّا إِذَا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الصَّلَاةِ، قُلْنَا : اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ عِبَادِهِ، اَلسَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « لَا تَقُوْلُوْا : اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ، وَلٰكِنْ قُوْلُوْا : اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ

835۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب نبی ﷺ کے ساتھ نماز میں ہوتے تو یوں کہتے تھے: اللہ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلام ہو، فلاں اور فلاں پر سلام ہو۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: "اس طرح مت کہو کہ اللہ پر سلام ہو، کیونکہ اللہ تو خود سلام ہے، بلکہ یوں کہو: سب قولی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں اور سب بدنی اور مالی عبادتیں بھی، سلام ہو تجھ پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں

وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ ۔ فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمْ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ فِي السَّمَاءِ أَوْ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۔ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ، فَيَدْعُو ›› [راجع : ۸۳۱۔ أخرجه مسلم : ۴۰۲]

ہوں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے صالح بندوں پر۔ کیونکہ جب تم یوں کہو گے تو یہ دعا ہر اس بندے کو پہنچ جائے گی جو آسمان میں ہے یا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر دعا میں سے وہ چنے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو اور اسے پڑھے۔"

فائدہ پچھلے باب کے فوائد میں صحیح مسلم " بَابُ مَا يُسْتَعَاذُ مِنْهُ فِي الصَّلَاةِ " (۵۸۸/۱۳۰) سے حدیث نقل کی گئی ہے: « إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْآخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ أَرْبَعٍ » "جب تم میں سے کوئی شخص آخری تشہد سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔" اس سے بعض اہل علم نے آخری تشہد میں ان چیزوں سے پناہ مانگنے والی دعا کو واجب قرار دیا ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا امر ہے، حتیٰ کہ طاؤس نے اپنے بیٹے کو جس نے یہ دعا نہیں پڑھی تھی دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے " ثُمَّ يَتَخَيَّرُ " (پھر دعا میں سے وہ چنے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو) سے استدلال فرمایا ہے کہ اس موقع پر کوئی خاص دعا واجب نہیں، کوئی بھی دعا جو آدمی کو پسند ہو پڑھ سکتا ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ وہ دعا قرآن یا سنت سے ثابت ہو، کیونکہ ان دعاؤں پر قبولیت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ تیسیر الباری میں ہے: "یہ لفظ (پھر دعا میں سے وہ چنے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہے) عام ہے، دین اور دنیا کی ہر دعا مانگ سکتا ہے اور مجھ کو حیرت ہے کہ بعض لوگوں نے یہ کیسے کہا ہے کہ صرف فلاں قسم کی دعا نماز میں مانگ سکتا ہے۔ نماز میں بندے کو اپنے مالک کی بارگاہ میں باریابی کا شرف حاصل ہوتا ہے، پھر اپنی اپنی لیاقت اور حوصلے کے موافق ہر بندہ اپنے مالک سے معروضہ کرتا ہے اور مالک اپنے کرم اور رحم سے عنایت فرماتا ہے، اگر صرف دین کے متعلق دعائیں مانگنا نماز میں جائز ہو، اور دعائیں جائز نہ ہوں تو دوسرے مطلب کس سے مانگے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ سے اپنی سب حاجتیں مانگو، یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے یا ہانڈی میں نمک نہ ہو تو بھی اللہ ہی سے کہو۔" [دیکھیے ترمذي : ۳۶۰۴]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "امام بیہقی نے اس متفق علیہ حدیث: « ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُوْ بِهِ » اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث: « إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ » (جب تم میں سے کوئی تشہد سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے) سے استدلال کیا ہے اور اس کے آخر میں ہے: « ثُمَّ يَدْعُوْ لِنَفْسِهِ بِمَا بَدَا لَهُ » "پھر اپنے لیے جو اس کی مرضی ہو دعا کرے۔" بیہقی (۲۰۳/۲، ح: ۲۸۳۲) نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے، اصل

حدیث صحیح مسلم (٥٨٨) میں ہے اور یہ زائد الفاظ بھی صحیح ہیں، کیونکہ یہ اسی سند کے ساتھ ہیں جس سے مسلم نے روایت کی۔" (فتح الباری) سنن نسائی میں بھی یہ حدیث (١٣١٠) موجود ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: «إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْ أَرْبَعٍ ...... ثُمَّ يَدْعُوْ لِنَفْسِهِ بِمَا بَدَا لَهُ» "جب تم میں سے کوئی تشہد پڑھے تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے...... پھر اپنے لیے جو اس کی مرضی ہو دعا کرے۔" ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ تشہد کے بعد پناہ والی دعا مانگنی چاہیے، اس کے بعد جو چاہے دعا کر لے۔ مگر چونکہ یہ دعا بخاری کی شرط پر نہیں اس لیے انھوں نے تعوذ والی دعا کو واجب قرار نہیں دیا۔ اس مقام پر بہت سی دعائیں مسنون ہیں، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب " صِفَةُ صَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ " میں دس صحیح مسنون دعائیں باحوالہ ذکر کی ہیں، ان میں سے کوئی بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید میں مذکور دعائیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں، ان کے علاوہ اپنی کسی حاجت کی دعا بھی کی جا سکتی ہے۔

١٥١ - بَابُ مَنْ لَمْ يَمْسَحْ جَبْهَتَهُ وَأَنْفَهُ حَتَّى صَلَّى

151 - باب: جو شخص نماز پوری ہونے تک اپنی پیشانی اور ناک نہ پونچھے

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: رَأَيْتُ الْحُمَيْدِيَّ يَحْتَجُّ بِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْ لَا يَمْسَحَ الْجَبْهَةَ فِي الصَّلَاةِ.

ابو عبداللہ (بخاری) نے کہا: میں نے حُمیدی کو دیکھا کہ وہ اس حدیث سے دلیل لیتے تھے کہ نماز میں پیشانی کو نہ پونچھے۔

فائدہ: عبداللہ بن زبیر الحمیدی امام شافعی کے شاگرد اور امام بخاری کے استاد ہیں۔ حدیث سے ان کا استدلال ذکر کرنے اور اس پر کوئی اعتراض نہ کرنے سے ظاہر ہے کہ امام بخاری اس بات میں ان سے متفق ہیں۔

٨٣٦ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ فَقَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ، حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ فِي جَبْهَتِهِ. [راجع: ٦٦٩- أخرجه مسلم: ١١٦٧]

836- ابو سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہے تھے، یہاں تک کہ میں نے کیچڑ کا نشان آپ کی پیشانی میں دیکھا۔

فائدہ: باب کی حدیث سے مناسبت ظاہر ہے، کیونکہ نماز کے دوران پیشانی صاف کرنا کوئی ضروری حرکت نہیں جو نماز میں کی جائے، ہاں! اگر تنکے یا مٹی زیادہ ہو جو آنکھوں میں گر رہی ہو تو ضرورت کی وجہ سے نماز میں پیشانی صاف کی جا سکتی ہے۔

١٥٢ـ بَابُ التَّسْلِيمِ

152۔ باب: سلام پھیرنا

٨٣٧ ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ: أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِينَ يَقْضِي تَسْلِيمَهُ، وَمَكَثَ يَسِيرًا قَبْلَ أَنْ يَقُومَ.

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأُرَى ـ وَاللَّهُ أَعْلَمُ ـ أَنَّ مُكْثَهُ لِكَيْ يَنْفُذَ النِّسَاءُ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُنَّ مَنِ انْصَرَفَ مِنَ الْقَوْمِ. [انظر: ٨٤٩، ٨٥٠، ٨٦٦، ٨٧٠]

837۔ ہند بنت حارث سے روایت ہے کہ ام سلمہ ؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو عورتیں اس وقت اٹھ کھڑی ہوتی تھیں جب آپ اپنا سلام پورا کر لیتے اور آپ اٹھنے سے پہلے تھوڑی دیر ٹھہرے رہتے تھے۔

ابن شہاب (زہری) نے کہا: میں سمجھتا ہوں ۔ اور اصل علم تو اللہ ہی کو ہے ۔ کہ آپ اس لیے ٹھہرتے تھے کہ عورتیں (جلد) نکل جائیں، اس سے قبل کہ مرد نماز سے فارغ ہو کر ان تک پہنچ پائیں۔

فوائد 1 نماز کا اختتام سلام کے ساتھ ہوتا ہے، باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ ’’رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے ......‘‘ اس سے آپ کا سلام پر دوام ثابت ہوتا ہے اور آپ کا فرمان ہے: «صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي» [بخاري: ٦٣١] اور علی ؓ سے صحیح حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ» [أبو داود: ٦١٨] ’’نماز کی چابی صرف وضو ہے اور اس میں دوسرے کاموں کو حرام کرنے والی چیز صرف تکبیر ہے اور اس کا خاتمہ سلام پھیرنا ہے۔‘‘ اس لیے سلام پھیرنے کے بغیر نماز ختم کرنے سے نماز ادا نہیں ہوتی اور اگر سلام سے پہلے وضو ٹوٹ جائے یا جان بوجھ کر توڑ دے تو نماز نہیں ہوتی، اس پر لازم ہے کہ وضو کر کے پوری نماز دوبارہ پڑھے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر اتنی دیر بیٹھنے کے بعد جس میں تشہد پڑھا جائے (تشہد خواہ پڑھے یا نہ پڑھے) جان بوجھ کر نماز کے منافی کوئی کام کر دے تو اس کی نماز درست ہے، مثلاً سلام کے بغیر اٹھ جائے یا ہوا خارج کر دے یا کوئی بات کرنے لگے۔ یہ لوگ عبد اللہ بن عمرو ؓ کی ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا أَحْدَثَ ـ يَعْنِي الرَّجُلَ ـ وَقَدْ جَلَسَ فِي آخِرِ صَلَاتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَقَدْ جَازَتْ صَلَاتُهُ» [ترمذي: ٤٠٨] ’’جب آدمی کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ نماز کے آخر میں سلام سے پہلے بیٹھ چکا ہو تو اس کی نماز ہو گئی۔‘‘ مگر یہ حدیث ضعیف ہے، حافظ ابن حجر نے فرمایا: ” فَقَدْ ضَعَّفَهُ الْحُفَّاظُ “ یعنی حفاظ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ترمذی نے فرمایا: ”هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ، وَقَدِ اضْطَرَبُوا فِي إِسْنَادِهِ ......

وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زِيَادٍ، هُوَ الْإِفْرِيْقِيُّ، وَقَدْ ضَعَّفَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ مِنْهُمْ يَحْيَى بْنُ سَعِيدِ الْقَطَّانُ وَأَحْمَدُ ابْنُ حَنْبَلٍ " "اس حدیث کی سند قوی نہیں اور راویوں کا اس کی سند میں اضطراب ہے...... اور عبد الرحمن بن زیاد بن انعم افریقی ہے اور بعض اہل الحدیث نے اسے ضعیف کہا ہے جن میں یحییٰ بن سعید قطان اور احمد ابن حنبل بھی ہیں۔"

2 سوال یہ ہے کہ سلام کتنی دفعہ پھیرا جائے؟ جواب یہ ہے کہ صحیح مسلم (۵۸۲) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ سلام دائیں اور بائیں دو طرف پھیرنا چاہیے۔ (فتح الباری) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائیں اور بائیں جانب اس طرح سلام کہتے تھے: « اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ » [أبو داؤد : ۹۹۶] عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی ہم معنی حدیث آئی ہے۔ [دیکھیے سنن الدارقطني : ۱۷۲/۲، ح : ۱۳۴۷] وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ دائیں طرف سلام پھیرتے تھے: " اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ " اور بائیں طرف " اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ " [أبو داؤد : ۹۹۷، وصححه الألباني] کبھی کبھی آپ اپنے سامنے کی طرف ایک ہی سلام کہتے۔ [ابن ماجه : ۹۱۹] پھر تھوڑا سا دائیں جھک جاتے۔ [ترمذي : ۲۹۶، قال الألباني : صحيح]

۱۵۳ - بَابٌ يُسَلِّمُ حِينَ يُسَلِّمُ الْإِمَامُ

153۔ باب: سلام اس وقت پھیر دے جب امام سلام پھیرے

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَسْتَحِبُّ إِذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ أَنْ يُسَلِّمَ مَنْ خَلْفَهُ .

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما پسند کرتے تھے کہ جب امام سلام پھیرے تو اس کے پیچھے والے بھی سلام پھیر دیں۔

۸۳۸ - حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ، عَنْ عِتْبَانَ قَالَ : صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَسَلَّمْنَا حِينَ سَلَّمَ . [راجع : ٤٢٤۔ أخرجه مسلم : ٣٣، وفي المساجد (٢٦٣)]

838۔ عتبان (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیر دیا۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب امام سلام پھیرے تو مقتدیوں کو بھی سلام پھیر دینا چاہیے، اپنی دعا وغیرہ پوری کرتے ہوئے سلام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

١٥٤ـ بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ رَدَّ السَّلَامِ عَلَى الْإِمَامِ وَاكْتَفَى بِتَسْلِيمِ الصَّلَاةِ

154۔ باب: جو امام کے سلام کا جواب دینے کا قائل نہ ہو اور نماز ہی کے سلام پر اکتفا کرے

٨٣٩ ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ ابْنُ الرَّبِيعِ، وَزَعَمَ أَنَّهُ عَقَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا مِنْ دَلْوٍ كَانَ فِي دَارِهِمْ. [راجع: ٧٧]

839۔ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ انھیں رسول اللہ ﷺ اچھی طرح یاد ہیں اور یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ آپ نے ان کے گھر کے ایک ڈول سے پانی لے کر ان (کے منہ) پر کلی کی تھی۔

٨٤٠ ـ قَالَ: سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ ثُمَّ أَحَدَ بَنِي سَالِمٍ، قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي لِقَوْمِي بَنِي سَالِمٍ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، فَقُلْتُ: إِنِّي أَنْكَرْتُ بَصَرِي، وَإِنَّ السُّيُولَ تَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَ مَسْجِدِ قَوْمِي، فَلَوَدِدْتُ أَنَّكَ جِئْتَ فَصَلَّيْتَ فِي بَيْتِي مَكَانًا حَتَّى أَتَّخِذَهُ مَسْجِدًا، فَقَالَ: «أَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ» فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ مَعَهُ بَعْدَ مَا اشْتَدَّ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ ﷺ، فَأَذِنْتُ لَهُ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى قَالَ: «أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟» فَأَشَارَ إِلَيْهِ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِي أَحَبَّ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ، فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا حِينَ سَلَّمَ. [راجع: ٤٢٤ـ أخرجه مسلم: ٣٣، وفي المساجد (٢٦٣)]

840۔ وہ (محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں: میں نے عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا جو انصاری تھے، پھر بنی سالم سے تھے، انھوں نے کہا: میں اپنی قوم بنو سالم کو نماز پڑھایا کرتا تھا تو میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور میں نے کہا: میں اپنی نظر میں خلل دیکھ رہا ہوں اور میرے اور میری قوم کی مسجد کے درمیان سیلاب رکاوٹ بن رہے ہیں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ آئیں اور میرے گھر ایک جگہ نماز پڑھ دیں جسے میں مسجد بنا لوں۔ آپ نے فرمایا: ”میں ان شاء اللہ! ایسا کروں گا۔“ تو رسول اللہ ﷺ صبح دن چڑھے میرے پاس آئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ نبی ﷺ نے اجازت مانگی، تو میں نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ بیٹھے نہیں، فرمایا: ”تم اپنے گھر میں کس جگہ چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟“ انھوں نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں وہ چاہتے تھے کہ آپ نماز پڑھیں۔ آپ اٹھے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی، پھر آپ نے سلام پھیرا اور جب آپ نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیر دیا۔

فائدہ: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مقتدیوں کو تین سلام کہنے چاہئیں، ایک دائیں طرف، ایک بائیں طرف اور ایک سامنے امام کو کہنا چاہیے۔ان کی دلیل سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: «أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَرُدَّ عَلَى الْإِمَامِ وَأَنْ نَتَحَابَّ وَأَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ »[أبو داؤد : ۱۰۰۱] ''نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم امام کے سلام کا جواب دیں اور ایک دوسرے سے محبت کریں اور ایک دوسرے کو سلام کہیں۔'' امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کے ساتھ اس کا رد کرنا چاہتے ہیں، ان کا استدلال عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہے کہ پھر آپ نے سلام پھیرا اور جب آپ نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیر دیا۔ اس کا ظاہر معنی یہی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کے سلام کی طرح سلام پھیرا۔اب آپ نے یا تو صرف ایک سلام پھیرا تھا جس کے ساتھ آدمی نماز سے فارغ ہو جاتا ہے یا اس کے ساتھ ایک اور سلام پھیرا ہوگا، تیسرے سلام کا کوئی ذکر نہیں۔ جو شخص ان دو سلاموں کے درمیان امام کے لیے تیسرے سلام کو مستحب کہتا ہے اسے اس کے لیے خاص دلیل پیش کرنا ہوگی۔ رہا امام کو سلام تو امام کے دائیں طرف والے سلام کہتے ہوئے بائیں طرف کے لوگوں میں امام کو بھی شامل کر لیں اور بائیں طرف والے دائیں طرف سلام کہتے ہوئے اس میں امام کو بھی شامل کر لیں اور جو عین پیچھے ہیں وہ دائیں طرف والوں میں امام کو بھی شامل کر لیں۔ اس طرح ایک یا دو دفعہ ہی سلام کافی ہیں، تیسرے سلام کی ضرورت نہیں اور اس سے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ والی حدیث پر بھی عمل ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ ضعیف ہے۔

۱۵۵ - بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

155۔ باب: نماز کے بعد ذکر

٨٤١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، أَنَّ أَبَا مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوا بِذَلِكَ إِذَا سَمِعْتُهُ. [انظر: ٨٤٢- أخرجه مسلم: ٥٨٣]

841۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مولیٰ ابو معبد سے روایت ہے کہ اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ لوگوں کے فرض نماز سے فارغ ہونے کے وقت ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا نبی ﷺ کے زمانے میں موجود تھا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لوگ جب نماز سے فارغ ہوتے تھے تو جب میں اسے سنتا تو یہ جان لیتا تھا (یعنی نماز ختم ہونے کو جان لیتا تھا)۔

٨٤٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ

842۔ ابو معبد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ کی نماز ختم ہونے کو تکبیر کے ساتھ

عَنْهُمَا قَالَ : كُنْتُ أَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ بِالتَّكْبِيرِ . [راجع : ٨٤١- أخرجه مسلم : ٥٨٣]

پہچانتا تھا۔

قَالَ عَلِيٌّ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو قَالَ : كَانَ أَبُو مَعْبَدٍ أَصْدَقَ مَوَالِي ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ عَلِيٌّ : وَاسْمُهُ نَافِذٌ .

علی (بن مدینی) نے کہا: ہمیں سفیان نے عمرو سے بیان کیا، انھوں نے کہا: ابو معبد ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلاموں میں سے سب سے سچا تھا۔ علی (بن مدینی) نے کہا: اور اس کا نام نافذ تھا۔

فوائد ومسائل: 1 اس باب میں دو چیزیں شامل ہیں، ایک نماز ختم ہونے پر ذکر کا ثبوت اور دوسری اس ذکر کی کیفیت۔ ذکر کا ثبوت تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ [النساء : ١٠٣] ”پھر جب تم نماز پوری کر لو تو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے یاد کرو۔“ رہی اس ذکر کی کیفیت تو وہ اس حدیث میں بیان ہوئی ہے، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نماز سے فارغ ہونے پر اونچی آواز کے ساتھ ذکر رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب یہ بات بیان کی اس وقت لوگوں نے یہ عمل چھوڑ دیا تھا اور عجیب بات یہ ہے کہ آج تک چند لوگوں کے سوا کسی کا اس پر عمل نہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو حدیث آ جانے کے بعد کسی کے چونکہ چنانچہ کی کوئی پروا نہیں کرتے اور کسی ملامت کی پروا کیے بغیر حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ یہاں ایک سوال ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کہ وہ نبی ﷺ کی نماز پوری ہونے کو ”اللہ اکبر“ کے ساتھ جانتے تھے تو کیا آپ نماز کے خاتمے پر سلام نہیں پھیرتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سلام پھیرنے میں صرف آپ کی آواز ہوتی تھی جب کہ سلام کے بعد تکبیر کہتے ہوئے آپ کی تکبیر کی آواز کے ساتھ تمام نمازیوں کی آواز بھی شامل ہوتی تھی جس سے دور والوں کو بھی نماز ختم ہونے کا پتا چل جاتا تھا، جب کہ دور تک صفیں ہونے کی وجہ سے امام کے سلام کی آواز آخر تک نہیں پہنچتی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما چھوٹی عمر کے بچوں میں شامل تھے اس لیے پچھلی صفوں میں ہوتے تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز کے بعد ذکر اونچی آواز سے کرنا سنت ہے اور تکبیر کے علاوہ تسبیح وتحمید وتہلیل اور نماز کے بعد اذکار سب اونچی آواز سے کہنے چاہییں اور سلام کے بعد سب سے پہلے بلند آواز سے ”اللہ اکبر“ کہنا چاہیے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تین دفعہ استغفار کرتے یعنی ” أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ “ کہتے تھے، پھر کہتے: « اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ » [مسلم : ٥٩١، ٥٩٢] اس کے بعد دوسرے اذکار کرتے تھے۔ ابن حزم نے سب اذکار بلند آواز سے کرنے پر بہت زور دیا ہے۔

آج کل لوگوں نے نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر ترک کر رکھا ہے۔ (الا ماشاء اللہ) ان حضرات کا کہنا ہے کہ نماز کے بعد آہستہ آواز سے ذکر مسنون ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ حبر الامہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہہ رہے ہیں کہ فرض نماز سے فارغ ہونے پر بلند آواز سے ذکر رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود تھا اور بعد میں آنے والے حضرات بلا دلیل اس موقع

پر آہستہ ذکر کو سنت قرار دے رہے ہیں۔ ان حضرات نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے ذکر لوگوں کی تعلیم کے لیے کیا تھا، مگر یہ جواب بالکل ہی بے کار ہے، کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ رسول اللہ ﷺ ایک سنت کی تعلیم کے لیے غلط کام کریں۔ تعلیم کے لیے آپ کہہ سکتے تھے کہ فلاں فلاں الفاظ کے ساتھ ذکر کرو، جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ ۳۳ بار "سُبْحَانَ اللّٰهِ"، ۳۳ بار "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اور ۳۴ بار "اَللّٰهُ أَكْبَرُ" کہو۔ پھر اگر آپ نے یہ صرف تعلیم کے لیے کیا تھا تو کیا ایک بار ایسا کرنا کافی نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب ان لوگوں کے رد ہی کے لیے قائم کیا ہے جو نماز کے بعد سری ذکر کے قائل ہیں، کیونکہ انھوں نے اگرچہ باب یہ قائم کیا "بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ" (نماز کے بعد ذکر کا باب) جس میں نماز کے بعد کے اذکار بیان کرنے تھے، مگر وہ اس میں پہلے بلند آواز سے ذکر کی احادیث لائے ہیں، اس کے بعد اذکار کی احادیث لائے ہیں۔

2 بعض لوگ فرض نماز کے بعد اکٹھے مل کر بلند آواز سے "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" پڑھتے ہیں، مگر ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ اس لیے نماز کے بعد ذکر ہو یا حج کے لیے لبیک ہو کورس کی شکل میں پڑھنا بدعت ہے۔ پھر صرف "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" نہیں تکبیر، استغفار، تحمید، تسبیح اور دوسرے اذکار سب اونچی آواز سے پڑھنے چاہییں اور ہر آدمی کو الگ الگ پڑھنے چاہییں۔

3 شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کی شرح بخاری میں ہے کہ "اِخْتِيَارَاتُ شَيْخِ الْإِسْلَامِ ابْنِ تَيْمِيَةَ" میں جو لکھا ہے کہ نماز کے بعد جہر کے ساتھ ذکر مستحب نہیں، یہ بالکل غلط ہے، صحیح عبارت یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے۔ اس لیے جن حضرات کے نسخے میں "لَا يَسْتَحِبُّ" لکھا ہے وہ اسے درست کر لیں اور "لَا" کا لفظ کاٹ دیں۔

٨٤٣ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ الْفُقَرَاءُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا: ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ مِنَ الْأَمْوَالِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلَا وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ، يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَلَهُمْ فَضْلٌ مِنْ أَمْوَالٍ يَحُجُّونَ بِهَا وَيَعْتَمِرُونَ وَيُجَاهِدُونَ وَيَتَصَدَّقُونَ، قَالَ: «أَلَا أُحَدِّثُكُمْ إِنْ أَخَذْتُمْ أَدْرَكْتُمْ مَنْ سَبَقَكُمْ وَلَمْ يُدْرِكْكُمْ أَحَدٌ بَعْدَكُمْ، وَكُنْتُمْ خَيْرَ

843۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محتاج اور نادار لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: بہت زیادہ اموال والے لوگ بلند درجے اور دائمی نعمت لے گئے۔ وہ اسی طرح نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں اور اسی طرح روزے رکھتے ہیں جیسے ہم روزے رکھتے ہیں اور ان کے پاس زائد اموال ہیں جن کے ساتھ وہ حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں وہ چیز نہ بتاؤں کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو تم ان لوگوں کو پا لو گے جو تم سے آگے ہیں اور تمھارے پیچھے والا

مَنْ أَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِ إِلَّا مَنْ عَمِلَ مِثْلَهُ ؟ تُسَبِّحُونَ وَتَحْمَدُونَ وَتُكَبِّرُونَ خَلْفَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ » فَاخْتَلَفْنَا بَيْنَنَا، فَقَالَ بَعْضُنَا : نُسَبِّحُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَنَحْمَدُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَنُكَبِّرُ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ، فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ : تَقُولُ : سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، حَتّٰى يَكُونَ مِنْهُنَّ كُلُّهِنَّ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ. [انظر : ٦٣٢٩ـ أخرجه مسلم : ٥٩٥ باختلاف]

کوئی تمھیں پا نہیں سکے گا اور تم ان سب لوگوں سے بہتر ہو گے جن کے درمیان تم موجود ہو مگر جو اس جیسا عمل کرے؟ تم ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ تسبیح، تحمید اور تکبیر کہو۔'' (حدیث کے راوی سُمَيّ نے کہا:) پھر ہمارا اختلاف ہو گیا، ہم میں سے بعض نے کہا: ہم ۳۳ بار سبحان اللہ کہیں، ۳۳ بار الحمد للہ کہیں اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہیں، تو میں (اپنے استاذ ابو صالح کے پاس) واپس گیا تو انھوں نے کہا: تم سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر کہو، یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک ۳۳ بار ہو جائے۔

فوائد 1 فقراء کی اس گزارش کا باعث اغنیاء سے حسد یا اپنے فقر کا شکوہ نہیں تھا، بلکہ نیکی کے کاموں پر رشک اور ان کے حصول کی خواہش تھی اور یہ جذبہ قابل تعریف ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴾ [المطففین: ۲۶] ''اور اسی کو حاصل کرنے میں مقابلہ کریں جو مقابلہ کرنے والے ہیں۔'' دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر فقراء کی درخواست کے پیچھے کوئی نامناسب جذبہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور انھیں متنبہ فرما دیتے۔

2 آدمی کو وہ سب ذرائع اختیار کرنے چاہییں جن سے مخاطب کو پوری طرح متوجہ اور خبردار کیا جا سکے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں وہ چیز نہ بتاؤں......'' حالانکہ آپ صرف یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ ۳۳ بار تسبیح و تحمید و تکبیر کہہ لیا کرو۔

3 حدیث کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر ۳۳ دفعہ پڑھ لیا جائے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر کلمہ الگ الگ ۳۳، ۳۳ بار پڑھا جائے، البتہ پہلا مطلب زیادہ ظاہر ہے۔ (ابن عثیمین)

4 آپس میں اختلاف کے وقت جو انھوں نے کہا کہ ہم سبحان اللہ (۳۳) بار، الحمد للہ (۳۳) بار اور اللہ اکبر (۳۴) بار کہیں تو ایک تو اس سے مراد الگ الگ کہنا ہے، دوسرا اس حدیث میں اگرچہ اللہ اکبر (۳۴) بار کا ذکر نہیں آیا مگر ایک اور حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ [دیکھیے مسلم، کتاب المساجد : ۵۹۶]

5 ''سُمَيّ'' کے دوبارہ پوچھنے پر ابو صالح نے جو بتایا کہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہو، حتیٰ کہ یہ سب ۳۳، ۳۳ بار ہو جائیں تو اس کے ساتھ سو پورا کرنے کے لیے یہ کہنا چاہیے: '' لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ '' جیسا کہ ایک حدیث میں ان تسبیحات کا یہ طریقہ بھی آیا ہے۔ [دیکھیے مسلم، کتاب المساجد : ۵۹۷]

6 زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہیں تو خواب میں ایک انصاری کو ایک شخص ملا، اس نے کہا: تمھیں رسول اللہ ﷺ نے ہر نماز کے بعد یہ کچھ پڑھنے

کے لیے کہا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! اس نے کہا: ان کلمات کو ۲۵ دفعہ کر لو اور ان میں " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " بھی شامل کر لو۔ جب صبح ہوئی تو وہ انصاری نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا: ''تو ایسے کر لو۔'' [صحیح ابن خزیمة، الصلاة، باب زيادة التهليل مع التسبيح والتكبير والتحميد ...... : ۷۵۲۔ نسائي : ۱۳۵۰، صحیح]

7 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے دس بار سبحان اللہ، دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر بھی مروی ہے۔ [بخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلاة : ٦٣٢٩] وقت کم ہو تو اس پر اکتفا بھی کر سکتا ہے۔ ان اذکار میں سے کسی ایک پر دوام بھی کر سکتا ہے اور کبھی کسی طرح اور کبھی دوسری طرح بھی کر سکتا ہے۔

8 یہ عدد جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں ان کے مطابق ہی اذکار کرنے چاہییں، کیونکہ ان میں جو برکت اور جو اسرار ہیں وہ ان سے کم یا زیادہ پڑھنے میں نہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی ہندسوں سے کھلنے والا تالا اگر ۳۳ کے ہندسے سے کھلتا ہے تو وہ ۳۳ ہی سے کھلے گا، نہ اس سے کم کے ساتھ کھلے گا نہ زیادہ کے ساتھ، خواہ کتنا بڑا ہندسہ ہو۔ ہاں! اس موقع کے علاوہ جتنی کثرت سے یہ کلمات پڑھ سکتا ہے پڑھے۔

9 صحیح مسلم میں اس حدیث میں ہے کہ فقراء مہاجرین دوبارہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے مال دار بھائیوں نے ہمارا یہ عمل سنا تو وہ بھی اسے کرنے لگے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ » ''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔'' [مسلم : ٥٩٥]

٨٤٤ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ : أَمْلَى عَلَيَّ الْمُغِيرَةُ ابْنُ شُعْبَةَ فِي كِتَابٍ إِلَى مُعَاوِيَةَ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ : « لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ »

844۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب وراد سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک خط میں مجھے لکھوایا کہ نبی ﷺ ہر فرض نماز کے بعد کہا کرتے تھے: ''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، ساری بادشاہی اسی کی ہے اور سب تعریف اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ اے اللہ! جو کچھ تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے تو روک دے وہ کوئی دینے والا نہیں اور کسی دولت والے کو اس کی دولت تیرے سامنے فائدہ نہیں دے سکتی۔''

وَقَالَ شُعْبَةُ : عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بِهٰذَا، عَنِ الْحَكَمِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمِرَةَ، عَنْ وَرَّادٍ، بِهٰذَا،

اور شعبہ نے عبد الملک (بن عمیر) سے یہ حدیث بیان کی۔ شعبہ نے (عبد الملک بن عمیر کے علاوہ) حکم سے بھی

وَقَالَ الْحَسَنُ : اَلْجَدُّ : غِنًى . [انظر : ١٤٧٧، ٢٤٠٨، ٥٩٧٥، ٦٣٣٠، ٦٤٧٣، ٦٦١٥، ٧٢٩٢، وانظر في الزكاة، باب : ١٨ـ أخرجه مسلم : ٥٩٣ بطوله، و أخرجه في الأقضية (١٢) بقطعة لم ترد في هذه الطريق]

روایت کی، انھوں نے قاسم بن مُخَیمرہ سے اور انھوں نے وَرّاد سے یہ روایت بیان کی۔ اور حسن (بصری) نے کہا: " اَلْجَدُّ " کا معنی دولت ہے۔

فوائد: 1 اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ ...... : یہ وہی بات ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہی تھی: « وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ، لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ لَمْ يَضُرُّوْكَ، إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ » [مسند أحمد : ١/٢٩٣، ح : ٢٦٦٩۔ ترمذی : ٢٥١٦] "اور جان لے کہ اگر سب لوگ تجھے کوئی فائدہ پہنچانے پر جمع ہو جائیں تو تجھے اس کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر وہ سب تجھے کوئی نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائیں تو تجھے اس کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تم پر لکھ دیا ہے۔" شیخ البانی نے "صحیح الجامع (۷۹۵۷)" میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (شرح ابن عثیمین)

2 اس ذکر میں یہ الفاظ بھی مشہور ہیں: « وَلَا رَادَّ لِمَا قَضَيْتَ » "جو فیصلہ تو کر دے اسے کوئی رد کرنے والا نہیں۔" یہ الفاظ " المنتخب من مسند عبد بن حميد (٣٩١) " میں معمر عن عبد الملک سے اسی سند کے ساتھ آئے ہیں، لیکن اس میں " وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ " حذف ہے۔ طبرانی (۱۲۷۹۶) میں دوسری سند سے یہ دعا مکمل آئی ہے اور احمد (۱۸۱۹۲)، نسائی کبریٰ (۱۲۶۷) اور ابن خزیمہ (۷۴۲) میں ہشیم عن عبد الملک سے مذکورہ سند کے ساتھ یہ بھی آیا ہے کہ آپ شروع میں جو ذکر آیا ہے " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ...... " اسے تین دفعہ کہتے تھے۔ (فتح الباری) معلوم ہوا کہ اس دعا میں " وَلَا رَادَّ لِمَا قَضَيْتَ " کے الفاظ بھی پڑھ سکتے ہیں اور یہ دعا تین دفعہ پڑھے تو افضل ہے۔

3 قَالَ الْحَسَنُ : امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ کسی حدیث میں قرآن مجید کا کوئی لفظ آیا ہو تو اس کی تفسیر بھی نقل کر دیتے ہیں۔ لفظ "جَدٌّ" قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا ﴾ [الجن : ٣] اس لیے امام صاحب نے حسن بصری رحمہ اللہ سے اس کی تفسیر نقل کر دی کہ "جَدٌّ" کا معنی غنیٰ (مال داری) ہے۔ نووی نے کہا: "جَدٌّ" کا معنی دنیا میں خوش نصیبی ہے، مال سے ہو یا اولاد یا عظمت یا سلطنت کے ساتھ۔ اس لیے اس کا ترجمہ یہ بھی درست ہے کہ کسی نصیب والے کو اس کا نصیب تیرے سامنے فائدہ نہیں دے سکتا۔ بعض نے یوں ترجمہ کیا ہے: کسی شان والے کو اس کی شان تیرے سامنے فائدہ نہیں دے سکتی، یہ سب معانی درست ہیں۔

4 یہ حدیث بھی سلام کے بعد بلند آواز کے ساتھ ذکر کی دلیل ہے، کیونکہ اگر رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے یہ ذکر نہ کرتے تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کیسے معلوم ہوتا۔

5 نماز کے بعد ان اذکار کے علاوہ بھی صحیح سندوں کے ساتھ اذکار آئے ہیں، انھیں بھی پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے، ان

کے لیے کتب احادیث اور اذکار کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں، مثلاً ''حصن المسلم'' اور ''الاذکار'' از نووی وغیرہ۔

١٥٦ - بَابٌ: يَسْتَقْبِلُ الْإِمَامُ النَّاسَ إِذَا سَلَّمَ

156۔ باب: امام جب سلام پھیرے تو لوگوں کی طرف منہ کر لے

٨٤٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ، عَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ. [انظر: ١١٤٣، ١٣٨٦، ٢٠٨٥، ٢٧٩١، ٣٢٣٦، ٣٣٥٤، ٤٦٧٤، ٦٠٩٦، ٧٠٤٧- أخرجه مسلم: ٢٢٧٥ بزيادة]

845۔ سمرہ بن جُندب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ جب کوئی نماز پڑھ لیتے تو اپنا منہ ہماری طرف کر لیتے تھے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ یہ نبی ﷺ کا دائمی معمول تھا۔ '' إِذَا صَلَّى صَلَاةً '' میں نکرہ شرط کے تحت آ رہا ہے، اس لیے عام ہے اور فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے، اگرچہ اکثر اہل علم کا خیال ہے کہ اس سے صرف فرض نماز مراد ہے۔

٨٤٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلَى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: «هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟» قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللَّهِ وَرَحْمَتِهِ، فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ» [انظر: ١٠٣٨، ٤١٤٧، ٧٥٠٣- أخرجه مسلم: ٧١]

846۔ زید بن خالد جُہنی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اس بارش کے بعد جو رات ہوئی تھی، جب آپ فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف منہ کر لیا اور فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو تمھارے رب نے کیا فرمایا؟'' لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میرے بندوں نے آج صبح کی ہے کہ کچھ مجھ پر ایمان رکھنے والے اور کچھ منکر ہیں۔ تو جس نے یہ کہا کہ ہم پر بارش اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ ہوئی ہے وہ تو مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستارے کا منکر ہے اور جس نے کہا: فلاں ستارے کے فلاں جگہ پر آنے سے بارش ہوئی ہے تو وہ میرا منکر اور ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے۔''

فوائد 1 نبی ﷺ اور صحابہ کا سلام پھیرنے کے بعد تکبیر کہنے کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، اس کے بعد آپ تین دفعہ "أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ" کہتے اور یہ کہتے: « اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ » یہ کلمات آپ قبلہ رخ بیٹھے ہوئے کہتے، اس کے بعد آپ لوگوں کی طرف منہ کر لیتے تھے۔ [مسلم : ۵۹۱، ۵۹۲] مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی دائیں یا بائیں طرف رکھنے کی بجائے اپنا منہ سیدھا لوگوں کی طرف کر لیتے۔ رہا یہ سوال کہ دائیں جانب سے پیچھے مڑتے تھے یا بائیں جانب سے تو جواب یہ ہے کہ دونوں طرح سنت ہے۔ آپ دائیں یا بائیں کسی ایک جانب سے پیچھے مڑتے اور لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہت دفعہ اپنی بائیں جانب سے پیچھے مڑتے تھے۔ [بخاري : ۸۵۲۔ مسلم : ۷۰۷] اور انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اکثر دیکھا کہ آپ اپنی دائیں جانب سے پیچھے مڑتے تھے۔ [مسلم : ۷۰۸] [شرح ابن عثيمين]

2 زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں باب سے متعلق حصہ " فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ " (جب آپ فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف منہ کر لیا) ہے، باقی حدیث کی شرح " كِتَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ " میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٨٤٧ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، سَمِعَ يَزِيدَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ : أَخَّرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الصَّلَاةَ ذَاتَ لَيْلَةٍ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ، ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا، فَلَمَّا صَلَّى أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، فَقَالَ : « إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَرَقَدُوا، وَإِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ » [راجع : ٥٧٢۔ أخرجه مسلم : ٦٤٠]

847۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات نماز آدھی رات تک مؤخر کر دی، پھر آپ نکل کر ہمارے پاس آئے اور جب نماز پڑھا چکے تو آپ نے اپنا منہ ہماری طرف کیا اور فرمایا: ''لوگ تو نماز پڑھ چکے اور سو گئے اور تم جب تک نماز کا انتظار کرتے رہے نماز ہی میں رہے ہو۔''

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۵۷۲)۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف منہ کرنے میں کئی حکمتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ لوگوں کو کوئی وعظ یا نصیحت یا علم کی کوئی بات بتانا چاہتے تو اس کے لیے لوگوں کی طرف منہ کرنا ضروری تھا۔ ایک یہ کہ باہر سے آنے والے کو معلوم ہو جائے کہ نماز ہو چکی ہے اور زین بن منیر نے کہا: مقتدیوں کی طرف پشت صرف امامت کے حق کی وجہ سے تھی، جب نماز پوری ہو گئی تو ان کی طرف پشت کرنے کا کوئی سبب باقی نہ رہا۔ اب لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنے سے مقتدیوں سے بیگانگی، بے رخی اور تکبر کا خدشہ ختم ہو گیا۔ (فتح الباری)

١٥٧ ـ بَابُ مُكْثِ الْإِمَامِ فِي مُصَلَّاهُ بَعْدَ السَّلَامِ

۱۵۷۔ باب: سلام کے بعد امام کا اپنی نماز کی جگہ میں ٹھہرے رہنا

٨٤٨ ـ وَقَالَ لَنَا آدَمُ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَيُّوبَ،

848۔ نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی اسی جگہ پر

عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي فِي مَكَانِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ الْفَرِيضَةَ وَفَعَلَهُ الْقَاسِمُ.

نماز پڑھ لیتے تھے جہاں انھوں نے فرض نماز پڑھی تھی اور قاسم (بن محمد بن ابوبکر صدیق) نے بھی ایسے ہی کیا۔

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ: «لَا يَتَطَوَّعُ الْإِمَامُ فِي مَكَانِهِ» وَلَمْ يَصِحَّ.

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا جاتا ہے جسے انھوں نے مرفوع بیان کیا ہے: ''امام اپنی جگہ میں نفل نماز نہ پڑھے'' اور یہ روایت صحیح نہیں۔

فوائد 1 باب کا مطلب یہ ہے کہ سلام کے بعد اور لوگوں کی طرف منہ کرنے کے بعد امام کچھ دیر اپنی جگہ ٹھہرا رہے، یہ مطلب نہیں کہ قبلہ رخ ہی ٹھہرا رہے، تاکہ ان احادیث پر بھی عمل ہو جائے جو اس سے پہلے گزری ہیں۔

2 اپنی جگہ ٹھہر کر امام کیا کرے؟ اس کے لیے کوئی خاص کام متعین نہیں ہوا، اس دوران وہ کوئی ذکر کرے یا دعا کرے یا تعلیم دے یا وعظ کرے یا نفل نماز پڑھے۔ اس لیے امام صاحب نے اس باب میں امام کے اپنی جگہ نفل پڑھنے کا مسئلہ بیان کیا ہے۔

3 ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کہ ''کوئی اپنی فرض نماز کی جگہ میں نفل نماز نہ پڑھے'' ابوداود (۱۰۰۶)، ابن ماجہ (۱۴۲۷) اور بیہقی (۲/۱۷۱، ح: ۳۰۴۵) میں مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے، امام بخاری نے اس کا خلاصہ بالمعنی ذکر کیا ہے۔ "وَلَمْ يَصِحَّ" (اور یہ روایت صحیح نہیں) یہ بخاری رحمہ اللہ کا کلام ہے۔ صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور اس میں اضطراب ہے۔ اسے بیان کرنے میں ''لیث بن ابی سُلیم'' اکیلے ہیں اور وہ ضعیف ہیں اور ان کے شاگردوں نے ان سے بیان کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں یہ اختلاف ذکر کیا ہے اور کہا ہے: "لَمْ يَثْبُتْ هٰذَا الْحَدِيثُ" کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔ اس مسئلے میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوع روایت آئی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: «لَا يُصَلِّي الْإِمَامُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ» ''امام اس جگہ نماز نہ پڑھے جہاں اس نے (فرض) نماز پڑھی ہے۔'' اسے ابوداود (۶۱۶) نے روایت کیا ہے اور سند اس کی منقطع ہے۔ (فتح الباری) یہاں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن ابی شیبہ سے علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے اور اس کی سند کو حسن کہا ہے: «مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لَا يَتَطَوَّعَ الْإِمَامُ حَتّٰى يَتَحَوَّلَ عَنْ مَكَانِهِ» ''سنت یہ ہے کہ امام نفل نہ پڑھے یہاں تک کہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔'' مگر مجھے ابن ابی شیبہ میں اس روایت میں "مِنَ السُّنَّةِ" کے الفاظ نہیں ملے، صرف علی رضی اللہ عنہ کا قول ملا ہے۔ (دیکھیے ابن ابی شیبہ: ۶۰۲۷)

4 سائب بن یزید سے روایت ہے کہ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمعہ پڑھا اور اس کے بعد اسی جگہ کھڑے ہو کر نفل پڑھے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: «إِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلَاةٍ حَتّٰى تَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا بِذٰلِكَ، أَنْ لَا تُوصَلَ صَلَاةٌ بِصَلَاةٍ حَتّٰى نَتَكَلَّمَ أَوْ نَخْرُجَ» [مسلم: ۸۸۳] ''جب تم جمعہ پڑھو تو اسے اور نماز کے ساتھ نہ ملاؤ، یہاں تک کہ کلام کر لو یا نکلو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کا حکم دیا

ہے کہ ایک نماز کو دوسری کے ساتھ نہ ملایا جائے یہاں تک کہ ہم کلام کرلیں یا نکلیں۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ حکم فرض نماز کے ساتھ نفل کو ملانے سے اجتناب کے لیے دیا گیا ہے، اس لیے اگر کوئی فرض کے بعد جگہ بدل کر نوافل پڑھ لے تو ٹھیک ہے اور اگر جگہ نہ بدلے بلکہ اسی جگہ کچھ کلام کرلے خواہ کسی دوسرے آدمی سے بات کرنے کی صورت میں ہو یا اذکار کی صورت میں تو جگہ بدلنے کی ضرورت نہیں، اسی جگہ نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد بھی یہی ہے کہ فرض نماز کے بعد نوافل پڑھنے کے لیے جگہ بدلنا ضروری نہیں ہے۔

٨٤٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا سَلَّمَ يَمْكُثُ فِي مَكَانِهِ يَسِيرًا.

849۔ زہری نے ہند بنت حارث سے بیان کیا، انھوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی ﷺ جب سلام پھیرتے تو تھوڑی دیر اپنی جگہ پر ٹھہرے رہتے۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَنُرَى - وَاللَّهُ أَعْلَمُ - لِكَيْ يَنْفُذَ مَنْ يَنْصَرِفُ مِنَ النِّسَاءِ. [راجع: ٨٣٧]

ابن شہاب (زہری) نے کہا: ہم سمجھتے ہیں — واللہ اعلم — کہ یہ اس لیے تھا کہ جن عورتوں نے جانا ہے وہ نکل جائیں۔

٨٥٠ - وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيدَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ: أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ كَتَبَ إِلَيْهِ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي هِنْدُ بِنْتُ الْحَارِثِ الْفِرَاسِيَّةُ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَتْ مِنْ صَوَاحِبَاتِهَا، قَالَتْ: كَانَ يُسَلِّمُ، فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ، فَيَدْخُلْنَ بُيُوتَهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَنْصَرِفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ.

850۔ ابن شہاب (زہری) نے جعفر بن ربیعہ کی طرف لکھ کر بھیجا کہ مجھے ہند بنت الحارث فراسیہ نے نبی ﷺ کی زوجہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا اور وہ ان کے ساتھ رہنے والیوں میں سے تھی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ ﷺ سلام پھیرتے تو عورتیں چلی جاتیں اور رسول اللہ ﷺ کے واپس جانے سے پہلے اپنے گھروں میں پہنچ جاتی تھیں۔

وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ: عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَتْنِي هِنْدُ الْفِرَاسِيَّةُ. وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، حَدَّثَتْنِي هِنْدُ الْفِرَاسِيَّةُ. وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ، أَنَّ هِنْدَ بِنْتَ الْحَارِثِ الْقُرَشِيَّةَ أَخْبَرَتْهُ، وَكَانَتْ تَحْتَ مَعْبَدِ بْنِ الْمِقْدَادِ وَهُوَ حَلِيفُ بَنِي زُهْرَةَ، وَكَانَتْ تَدْخُلُ عَلَى أَزْوَاجِ

اور ابن وہب نے یونس سے، انھوں نے ابن شہاب (زہری) سے بیان کیا کہ مجھے ہند الفراسیہ نے بیان کیا۔ اور عثمان بن عمر نے کہا: ہمیں یونس نے زہری سے بیان کیا، انھوں نے کہا: مجھے ہند الفراسیہ نے بیان کیا۔ اور زبیدی نے کہا: مجھے زہری نے خبر دی کہ ہند بنت الحارث القرشیہ نے انھیں خبر دی اور وہ معبد بن مقداد کی بیوی تھی جو بنو زہرہ

النَّبِيِّ ﷺ . وَقَالَ شُعَيْبٌ : عَنِ الزُّهْرِيِّ، حَدَّثَتْنِي هِنْدُ الْقُرَشِيَّةُ. وَقَالَ ابْنُ أَبِي عَتِيقٍ : عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدَ الْفِرَاسِيَّةِ . وَقَالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَهُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ، حَدَّثَتْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [راجع : ٨٣٧]

کے حلیف تھے اور وہ نبی ﷺ کی بیویوں کے پاس جایا کرتی تھیں۔ اور شعیب نے زہری سے بیان کیا کہ مجھے ہند القرشیہ نے بیان کیا۔ اور ابن ابی عتیق نے کہا کہ زہری نے ہند الفراسیہ سے بیان کیا۔ اور لیث نے کہا: مجھے یحیی بن سعید نے ابن شہاب سے بیان کیا کہ انھیں قریش کی ایک عورت نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

فوائد ومسائل: 1 حدیث (۸۳۷) میں اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔ امام بخاری ؒ نے ان چھ تعلیقات کے ساتھ ہند بنت الحارث کے نسب کے بیان میں راویوں کا اختلاف ذکر کیا ہے۔ بعض نے انھیں الفراسیہ کہا اور بعض نے القرشیہ، حقیقت یہ ہے کہ دونوں نسبتیں ہی درست ہیں۔ ''فراسیہ'' بنو فراس کی طرف نسبت ہے جو بنو کنانہ کی ایک شاخ ہے۔ جن لوگوں کا کہنا ہے کہ قریش کی سب شاخیں کنانہ پر جمع ہوتی ہیں ان کے مطابق تو فراسیہ اور قرشیہ دونوں نسبتیں درست ہیں اور جو کہتے ہیں کہ قریش کے قبائل فہر بن مالک پر جمع ہوتے ہیں ان کے مطابق ہو سکتا ہے کہ ہند کی دونوں نسبتوں میں سے ایک اصل ہو اور دوسری حلیف ہونے کی وجہ سے ہو۔ (فتح الباری)

2 بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اصل نسبت فراسیہ ہی ہے، اس میں تصحیف ہو کر القرشیہ بن گیا ہے۔ امام بخاری ؒ نے چھٹی تعلیق لیث سے لا کر اس بات کی تردید کی ہے کہ قرشیہ صحیح نہیں، بلکہ غلطی سے فراسیہ سے بدلا ہوا لفظ ہے، کیونکہ لیث کی روایت میں "عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ" کے الفاظ ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ قرشیہ کا لفظ درست ہے، یہ فراسیہ میں تبدیلی ہو کر قرشیہ نہیں بنا۔ واضح رہے کہ لیث والی روایت مرسل ہے، کیونکہ اس میں قریش کی ایک عورت نے نبی ﷺ کا عمل بیان کیا ہے۔ قریش کی یہ عورت ہند فراسیہ یا قرشیہ ہی ہے جو تابعیہ ہیں، صحابیہ نہیں۔

3 حافظ ابن حجر ؒ نے یہاں لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کو مقتدیوں کے احوال کا خیال رکھنا چاہیے اور یہ کہ جس کام کے نتیجے میں کسی غلط معاملے کے وجود میں آنے کا خطرہ ہو اس سے اجتناب اور احتیاط کرنی چاہیے اور یہ کہ تہمت کے مواقع سے بچنا چاہیے اور یہ کہ مردوں اور عورتوں کو بازار یا راستے میں گھلنا ملنا نہیں چاہیے، بلکہ الگ الگ رہنا چاہیے اور گھروں میں تو اس بات کا اس سے بھی زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ (واللہ اعلم) اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں مسجد میں جماعت کے ساتھ شریک ہوتی تھیں۔ (فتح الباری)

١٥٨ ـ بَابُ مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَذَكَرَ حَاجَةً فَتَخَطَّاهُمْ

158۔ باب: جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر کوئی ضرورت یاد آنے پر (ٹھہرنے کی بجائے) لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر چلا جائے

٨٥١ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ قَالَ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ الْعَصْرَ، فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا، فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلَى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهِ، فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ، فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ، فَرَأَى أَنَّهُمْ عَجِبُوا مِنْ سُرْعَتِهِ، فَقَالَ: «ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا، فَكَرِهْتُ أَنْ يَحْبِسَنِي، فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ» [انظر: ١٢٢١، ١٤٣٠، ٦٢٧٥]

851۔ عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے مدینہ میں نبی ﷺ کے پیچھے عصر پڑھی، آپ نے سلام پھیرا تو آپ تیزی سے اٹھے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی کسی بیوی کے گھر چلے گئے۔ لوگ آپ کی جلدی کی وجہ سے گھبرا گئے، پھر آپ نکل کر ان کے پاس آئے تو دیکھا کہ انھیں آپ کی جلدی پر تعجب ہوا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے سونے کی کچھ ڈلی یاد آ گئی تھی تو میں نے ناپسند کیا کہ وہ مجھے روکے رکھے، اس لیے میں نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔“

فوائد ومسائل: 1 روکے رکھے: یعنی اس کے متعلق سوچ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے روک دے۔ ابن بطال نے اس سے ایک اور معنی سمجھا ہے اور کہا ہے: اس میں یہ نکتہ ہے کہ صدقے میں تاخیر اس کے مالک کو قیامت کے دن روک لے گی۔ (فتح الباری)

2 اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نماز کے بعد امام کو خواہ مخواہ اپنی جگہ ٹھہرے رہنا کچھ لازم یا واجب نہیں اور یہ کہ نماز میں کوئی خیال آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی (نہ اس کے کمال میں فرق پڑتا ہے)۔ یہ حدیث آپ ﷺ کے سچے پیغمبر ہونے کی بڑی دلیل ہے، اس لیے کہ دنیا کے مال سے ایسی بے رغبتی اور صدقے و خیرات میں ایسی جلدی اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس حدیث سے یہ بھی نکلا کہ نیک کاموں میں جلدی کرنا مستحب ہے اور جلد بازی کی جو برائی آئی ہے وہ مباح کاموں سے متعلق ہے۔ (وحید الزمان رحمہ اللہ)

3 حافظ رحمہ اللہ نے ان فوائد پر یہ اضافہ کیا ہے کہ نماز کے دوران کسی جائز کام کا پختہ عزم کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ضرورت ہو تو گردنیں پھلانگ کر جا سکتا ہے اور یہ کہ آدمی خود کوئی کام کر بھی سکتا ہو تو کسی دوسرے کو اس کے لیے کہہ سکتا ہے۔ (فتح الباری)

١٥٩ ـ بَابُ الْاِنْفِتَالِ وَالْاِنْصِرَافِ عَنِ الْيَمِينِ وَالشِّمَالِ

159 ـ باب (نماز کے بعد) دائیں اور بائیں دونوں جانب سے پیچھے لوٹنا یا پھرنا

وَكَانَ أَنَسٌ يَنْفَتِلُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ، وَيَعِيبُ عَلَى مَنْ يَتَوَخَّى ـ أَوْ مَنْ يَعْمِدُ ـ الْاِنْفِتَالَ عَنْ يَمِينِهِ.

اور انس رضی اللہ عنہ اپنی دائیں اور بائیں جانب سے پھر کر بیٹھتے تھے اور اس پر عیب رکھتے تھے جو قصد اور ارادے کے ساتھ دائیں طرف ہی سے پھر کر بیٹھے۔

٨٥٢ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لَا يَجْعَلْ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهِ، يَرَى أَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لَا يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَمِينِهِ، لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ كَثِيرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهِ. [أخرجه مسلم: ٧٠٧]

852۔ عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا کوئی حصہ نہ بنائے، یہ سمجھ لے کہ اس پر لازم ہے کہ اپنی دائیں طرف ہی سے پیچھے مڑے۔ یقیناً میں نے نبی ﷺ کو بہت دفعہ دیکھا ہے کہ آپ اپنی بائیں جانب سے پیچھے مڑتے تھے۔

فوائد ومسائل: 1 معلوم ہوا کہ کسی مباح (جائز) یا مستحب کام کو لازم یا واجب کر لینا شیطان کا اغوا ہے۔ ابن مُنَیِّر نے کہا: مستحب کام کو اگر کوئی لازم قرار دے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ جب مباح کام لازم قرار دینے سے شیطان کا حصہ سمجھا جائے تو جو کام مکروہ یا بدعت ہے اس کو کوئی لازم قرار دے لے اور اس کے نہ کرنے پر اللہ کے بندوں کو ستائے یا ان کا عیب کرے تو اس پر شیطان کا کیسا تسلط ہے! سمجھ لینا چاہیے، ہمارے زمانے میں یہ بلا بہت پھیلی ہے، بے اصل کاموں کو عوام کیا بلکہ خواص نے لازم قرار دے لیا ہے۔ (علامہ وحید الزمان رحمہ اللہ)

2 فرض نماز کے بعد تمام نمازیوں کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی ایسا ہی مسئلہ ہے۔ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا ایک دفعہ بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ ہاں! انفرادی طور پر ضعیف احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اس لیے نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا یا اسے ضروری سمجھنا، اس کی پابندی کرنا اور ایسا نہ کرنے والوں سے جھگڑنا بدعت ہے۔ بعض لوگ اس کے لیے عام دلیلیں پیش کرتے ہیں، مگر یہ عموماً اہل بدعت کا طریقہ ہے، مثلاً صدقہ جائز ہے، اس لیے گیارھویں جائز ہے، قرآن پڑھنا جائز ہے اس لیے ختم پڑھنا جائز ہے وغیرہ۔ امام شاطبی نے اسی مسئلے کی وضاحت کے لیے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الاعتصام'' لکھی ہے اور اس میں یہ مسئلہ خوب مدلل کیا ہے۔ جنازے کی نماز کے بعد بھی ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا ثابت نہیں۔ اہل بدعت یہ کام بھی پابندی سے کرتے ہیں۔ بعض حضرات جنازے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا نہیں کرتے مگر فرض نمازوں کے بعد باقاعدہ کرتے ہیں، حالانکہ جنازے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کرنے کا جو سبب ہے وہی فرض نماز

کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا نہ کرنے کا ہے۔ پھر بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا توفیق سے کتنی بڑی محرومی ہے۔ بعض لوگوں نے ایک حیلہ اختیار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ کسی کی درخواست پر ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کی جا سکتی ہے، اس لیے انھوں نے کوئی نہ کوئی آدمی مقرر کر رکھا ہوتا ہے جو ہر جمعہ اور جماعت کے بعد امام سے درخواست کرتا ہے کہ مولانا صاحب! دعا کیجیے۔ انھیں سوچنا چاہیے کہ مریضوں کی شفا، پریشان لوگوں کی پریشانی دور کرنے اور دوسرے کاموں کے لیے دعا کی ضرورت تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ہوتی تھی اور یقیناً ہوتی تھی تو باقاعدہ پابندی ایک طرف، کیا رسول اللہ ﷺ نے فرض نماز کے بعد کسی کی درخواست پر ایک دفعہ بھی سارے نمازیوں سمیت ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے، یا کسی نے آپ سے ایسی درخواست ہی کی ہے؟ اگر بھائی اس پر غور کریں گے تو ان شاء اللہ مسئلہ صاف ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ دعا کا اصل محل اول نماز ہے، اس کے بعد دبر الصلوات المکتوبات ہے۔ مگر نماز میں قنوت کے سوا ہاتھ اٹھا کر کوئی اجتماعی دعا نہیں، نہ ہی نماز کے بعد کوئی دعا ہاتھ اٹھا کر مسنون ہے، بلکہ کئی اذکار گنتی کے ساتھ ہیں جو ہر نمازی کے الگ الگ ہوتے ہے۔ دن رات میں مختلف مواقع کی دعائیں ہاتھ اٹھائے بغیر کی جاتی ہیں، ہاں! بارش کے لیے رسول اللہ ﷺ نے خطبہ جمعہ اور استسقا میں ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کی ہے اور وہ اسی طرح مسنون ہے۔ آج کل لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنے کو اس طرح لازم قرار دے لیا ہے کہ نماز کے بعد کوئی شخص جتنے بھی مسنون اذکار اور دعائیں کر لے اگر ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا نہیں کرتا تو اسے یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے دعا نہیں کی، بلکہ بات یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ فلاں شخص دعا کا منکر ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے اور سنت پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

١٦٠ - بَابُ مَا جَاءَ فِي الثُّومِ النِّيءِ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ

١٦٠- باب: جو کچھ کچے لہسن، پیاز اور گندنے کے بارے میں آیا ہے

وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «مَنْ أَكَلَ الثُّومَ أَوِ الْبَصَلَ مِنَ الْجُوعِ أَوْ غَيْرِهِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا»

اور نبی ﷺ کا فرمان: ”جس شخص نے لہسن یا پیاز بھوک یا کسی اور وجہ سے کھایا ہو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔“

٨٥٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ: «مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ - يَعْنِي الثُّومَ - فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا» [انظر: ٤٢١٥، ٤٢١٧،

853- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے غزوۂ خیبر میں فرمایا: ”جس شخص نے اس پودے، یعنی لہسن میں سے کچھ کھایا ہو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔“

٤٢١٨، ٥٥٢١، ٥٥٢٢، وانظر في الأطعمة، باب :

٤٩ـ أخرجه مسلم : ٥٦١]

٨٥٤ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، قَالَ : سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ ـ يُرِيدُ الثُّومَ ـ فَلَا يَغْشَانَا فِي مَسَاجِدِنَا » قُلْتُ : مَا يَعْنِي بِهِ ؟ قَالَ : مَا أُرَاهُ يَعْنِي إِلَّا نِيئَهُ، وَقَالَ مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ : إِلَّا نَتْنَهُ . [انظر : ٨٥٥، ٥٤٥٢، ٧٣٥٩ـ أخرجه مسلم : ٥٦٤]

854۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اس پودے میں سے کچھ کھایا ہو۔ آپ کی مراد لہسن تھا۔ وہ ہماری مسجدوں میں ہمارے پاس نہ آئے۔'' میں نے کہا: آپ اس سے کیا مراد لے رہے تھے؟ انھوں نے کہا: میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ آپ " نِيئَهُ " (کچا لہسن) مراد لے رہے تھے۔ اور مخلد بن یزید نے ابن جریج سے یہ الفاظ کہے: " إِلَّا نَتْنَهُ " یعنی آپ کی مراد اس کی گندگی یعنی بدبو تھی۔

فائدہ " نِيئَهُ " کو دو طرح پڑھتے ہیں، نون کے کسرہ، یاء کے سکون اور ہمزہ کے ساتھ " نِيْءٌ " اور ہمزہ کو یاء کر کے یاء کے یاء میں ادغام کے ساتھ " نِيٌّ "۔ [فتح الباري ـ النهاية في غريب الأثر] راویوں کا اختلاف ہے کہ " نِيئَهُ " کہا تھا یا " نَتْنَهُ " کہا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے محدثین لکھتے وقت حروف پر نقطے نہیں ڈالتے تھے اور اگر نقطے نہ ہوں تو " نِيئَهُ " اور " نَتْنَهُ " دونوں ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں۔

٨٥٥ ـ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، زَعَمَ عَطَاءٌ : أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ زَعَمَ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : « مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا » أَوْ قَالَ : « فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ » وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِقِدْرٍ فِيهِ خَضِرَاتٌ مِنْ بُقُولٍ، فَوَجَدَ لَهَا رِيحًا، فَسَأَلَ فَأُخْبِرَ بِمَا فِيهَا مِنَ الْبُقُولِ، فَقَالَ : « قَرِّبُوهَا » إِلَى بَعْضِ أَصْحَابِهِ كَانَ مَعَهُ، فَلَمَّا رَآهُ كَرِهَ أَكْلَهَا، قَالَ : « كُلْ فَإِنِّي أُنَاجِي مَنْ لَا تُنَاجِي » [راجع :

855۔ ابن شہاب (زہری) سے روایت ہے کہ عطا نے کہا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے الگ رہے۔'' یا فرمایا: ''ہماری مسجد سے الگ رہے اور اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔'' اور نبی ﷺ کے پاس ایک ہانڈی لائی گئی جس میں ہری ترکاریاں تھیں، آپ نے اس کی بُو محسوس کی تو پوچھا تو آپ کو اس میں ڈالی گئی ترکاریاں بتائی گئیں۔ تو آپ نے اپنے کسی صحابی کے متعلق فرمایا جو آپ کے ساتھ تھا: ''اسے اس کے قریب کر دو۔'' جب آپ نے اسے دیکھا کہ اس نے

٨٥٤، وانظر في الجمعة، باب : ٨ - أخرجه مسلم : ٥٦٤]

بھی اسے کھانا پسند نہیں کیا (کیوں کہ آپ نے وہ نہیں کھایا تھا) تو فرمایا: ''تم کھالو، کیونکہ میں اس سے سرگوشی کرتا ہوں جس سے تم سرگوشی نہیں کرتے۔''

وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ : أُتِيَ بِبَدْرٍ . وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ : يَعْنِي طَبَقًا فِيهِ خَضِرَاتٌ . وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّيْثُ وَأَبُو صَفْوَانَ، عَنْ يُونُسَ قِصَّةَ الْقِدْرِ ، فَلَا أَدْرِي هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ أَوْ فِي الْحَدِيثِ .

اور احمد بن صالح نے ابن وہب سے یہ الفاظ روایت کیے: ''أُتِيَ بِبَدْرٍ۔'' اور ابن وہب نے کہا: یعنی آپ کے پاس ایک تھال لایا گیا جس میں کچھ سبزیاں تھیں۔ اور لیث اور ابوصفوان نے یونس سے ہانڈی کا قصہ بیان نہیں کیا۔ (بخاری نے کہا:) اس لیے میں نہیں جانتا کہ یہ زہری کا قول ہے یا حدیث کے الفاظ ہیں۔

٨٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ : سَأَلَ رَجُلٌ أَنَسًا : مَا سَمِعْتَ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ فِي الثُّومِ ؟ فَقَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَقْرَبْنَا وَلَا يُصَلِّيَنَّ مَعَنَا » [انظر : ٥٤٥١ - أخرجه مسلم : ٥٦٢]

856- عبدالعزیز سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے اللہ کے نبی ﷺ کو لہسن کے بارے میں کیا کہتے سنا ہے؟ انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس پودے میں سے کچھ کھائے وہ ہمارے قریب نہ آئے اور نہ ہمارے ساتھ نماز پڑھے۔''

فوائد ومسائل: 1 یہ باب اور اس کے بعد والے ابواب مساجد کے احکام کے بارے میں ہیں، اس سے پہلے ابواب نماز کے بارے میں تھے، مگر چونکہ نماز کے مسائل باجماعت نماز کے لحاظ سے بیان ہو رہے تھے اس لیے ''کتاب الاذان'' کے بعد امام بخاری نے مستقل کسی کتاب کا عنوان قائم نہیں فرمایا، بلکہ اقامت، پھر امامت، پھر صفوں، پھر جماعت اور پھر نماز کا طریقہ بیان کیا، ان سب کا ایک دوسرے سے تعلق ہے۔ نماز میں حاضری کی مناسبت سے تھوم وغیرہ کا ذکر کیا جنھیں کھا کر مسجد میں آنا منع ہے، پھر ان کا بیان کیا جن کا مسجد میں آنا واجب نہیں، مثلاً بچے، پھر جن کا آنا بعض حالتوں میں مستحب ہے، بعض میں نہیں، مثلاً عورتیں اور اس کے ساتھ ''صفۃ الصلاۃ'' کو ختم کر دیا ہے۔ (فتح الباری)
2 باب میں لہسن اور پیاز کے ساتھ کُراث (گندنے) کا بھی ذکر کیا ہے جب کہ باب میں مذکور احادیث میں کراث کا ذکر نہیں۔ اس کا جواب بعض اہل علم نے یہ دیا ہے کہ امام صاحب نے کُراث کو لہسن اور پیاز پر قیاس کیا ہے، مگر اس سے قوی اور بہتر جواب یہ ہے کہ انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں کُراث کا لفظ موجود ہے، مگر اپنی شرط

پر نہ ہونے کی وجہ سے وہ حدیث ذکر نہیں کی۔ چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: « نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ، فَغَلَبَتْنَا الْحَاجَةُ، فَأَكَلْنَا مِنْهَا، فَقَالَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ الْإِنْسُ » [مسلم : ٥٦٣] ''رسول اللہ ﷺ نے پیاز اور کُرّاث کھانے سے منع فرمایا، ہم پر بھوک نے غلبہ کیا تو ہم نے ان میں سے کچھ کھالیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے یہ بدبودار پودا کھایا ہو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، کیونکہ فرشتوں کو اس چیز سے تکلیف ہوتی ہے جس سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔'' صحیح مسلم (۵۶۵) ہی میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ فتح خیبر کے موقع کی بات ہے۔

3 باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے لہسن کے ساتھ کچے کی قید لگائی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کے نزدیک لہسن، پیاز اور کُرّاث کھا کر مسجد میں آنا تب منع ہے جب آدمی نے انھیں کچا کھایا ہو اور ان کی بو باقی ہو اور کچا کھانا بھی حرام نہیں، بلکہ اس وقت منع ہے جب مسجد میں جانے کا وقت اتنا قریب ہو کہ ان کی بو ختم نہ ہو سکتی ہو۔ اس کی دلیل ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ کہتے ہیں: خیبر فتح ہوا تو ہم اصحاب رسول ﷺ تھوم کھانے میں لگ گئے۔ لوگوں کو بھوک لگی ہوئی تھی تو ہم نے اسے شدت سے کھایا، پھر ہم مسجد میں گئے تو رسول اللہ ﷺ نے بدبو محسوس کی، فرمایا: ''جس نے اس گندے پودے سے کچھ کھایا ہو وہ مسجد میں ہمارے قریب نہ آئے۔'' لوگوں نے کہا: (لہسن) حرام ہوگیا، (لہسن) حرام ہوگیا۔ نبی ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: « أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ لَيْسَ بِيْ تَحْرِيمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لِيْ، وَلٰكِنَّهَا شَجَرَةٌ أَكْرَهُ رِيْحَهَا » [مسلم : ٥٦٥] ''لوگو! میں اس چیز کو حرام کرنے والا نہیں جو اللہ نے میرے لیے حلال کی ہے، لیکن یہ ایسا پودا ہے جس کی بو میں ناپسند کرتا ہوں۔'' رہی یہ بات کہ لہسن وغیرہ پکا کر کھانے میں کوئی حرج نہیں اور پکا ہوا لہسن کھا کر مسجد میں بھی آ سکتا ہے تو یہ عمر رضی اللہ عنہ کے خطبے سے ظاہر ہے، فرمایا: « أَيُّهَا النَّاسُ! تَأْكُلُونَ شَجَرَتَيْنِ لَا أَرَاهُمَا إِلَّا خَبِيثَتَيْنِ، هٰذَا الْبَصَلَ وَالثُّومَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَجَدَ رِيْحَهُمَا مِنَ الرَّجُلِ فِي الْمَسْجِدِ، أَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ إِلَى الْبَقِيعِ، فَمَنْ أَكَلَهُمَا فَلْيُمِتْهُمَا طَبْخًا » [مسلم: ٥٦٧] ''لوگو! تم دو پودے کھاتے ہو جنھیں میں تو گندے ہی سمجھتا ہوں، یہ پیاز اور لہسن ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ مسجد میں کسی آدمی سے ان دونوں کی بو پاتے تو اس کے متعلق حکم دیتے اور اسے بقیع کی طرف نکال دیا جاتا۔ اس لیے جو انھیں کھائے وہ انھیں پکا کر مار لے۔''

4 امام صاحب نے معلق حدیث میں بھوک سے یا اس کے علاوہ کسی بھی وجہ سے لہسن وغیرہ کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت ذکر کی ہے۔ " اَلْجُوْعُ " وغیرہ کے الفاظ اگرچہ حدیث میں نہیں مگر امام صاحب نے حدیث کے الفاظ عام ہونے کی وجہ سے یہ باب قائم کیا ہے، کیونکہ لہسن کھانے میں اسے کسی بھی طرح کھانا شامل ہے، خواہ بھوک سے ہو یا لذت کے لیے اور خواہ علاج کے لیے۔

5 جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث (۸۵۵) میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ترکاریوں والی ہانڈی یا تھال لائے جانے کا جو ذکر ہے یہ اس وقت کا ہے جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تھے اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرے تھے اور

وہی آپ کے کھانے کا اہتمام کرتے تھے۔ ہانڈی کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سبزیاں پکائی ہوئی تھیں، مگر رسول اللہ ﷺ لہسن وغیرہ پکا ہوا بھی نہیں کھاتے تھے۔ ابن خزیمہ نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث (۱۶۷۰) پر عنوان قائم کیا ہے: ''اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو خاص کر کے پکے ہوئے تھوم وغیرہ سے بھی منع فرما دیا تھا۔'' قرطبی نے ''اَلْمُفْهِم'' میں یہ تطبیق دی ہے کہ ہانڈی کی وہ سبزیاں پوری پکی ہوئی نہیں تھیں اور ان کی بو پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی، اس لیے کچی سبزیوں ہی کے حکم میں تھیں۔ خیبر کا واقعہ اس کے چھ سال بعد کا ہے۔

6 ''بِبَدْرٍ'' کا لفظی معنی چودھویں کا چاند ہے، ''طَبَقٌ'' (تھال) کو اس کی گولائی کی وجہ سے چودھویں کے چاند کے ساتھ تشبیہ دے کر بدر کہا ہے۔ یونس کے شاگردوں میں سے وہب نے ''قِدْرٌ'' (ہانڈی) کا لفظ بیان کیا ہے، مگر لیث اور ابو صفوان نے یونس سے بیان کرتے ہوئے ''قِدْرٌ'' کا لفظ بیان نہیں کیا۔ اس لیے امام بخاری نے کہا: میں نہیں جانتا یہ زہری کا قول ہے یا حدیث کے الفاظ ہیں۔ بیہقی نے کہا: اصل یہ ہے کہ حدیث کے جو الفاظ اس کے ساتھ ملے ہوئے ہوں وہ حدیث ہی شمار ہوں گے، یہاں تک کہ واضح بیان آجائے کہ وہ مدرج ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ''قِدْرٌ'' کا لفظ زیادہ صحیح ہے۔ (فتح الباری)

7 میں اس سے سرگوشی کرتا ہوں جس سے تم سرگوشی نہیں کرتے: اس سے مراد فرشتے ہیں، جیسا کہ اس باب کے فائدہ (۴) میں صحیح مسلم (۵۶۳) کے الفاظ گزر چکے ہیں: « فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ الْإِنْسُ » ''کیونکہ فرشتوں کو اس چیز سے تکلیف ہوتی ہے جس سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔''

8 لہسن وغیرہ کچا کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت کی علت لوگوں اور فرشتوں کا ان کی بو سے تکلیف پانا ہے۔ اس سے معلوم ہوا وہ تمام چیزیں جن کے استعمال سے نمازیوں کو تکلیف ہو استعمال کر کے مسجد میں آنا منع ہے۔ اہلِ علم نے اس میں مُولی کو بھی شامل کیا ہے، کیونکہ اس کے کھانے کے بعد آنے والا ڈکار سخت بدبودار ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ بدبودار تمباکو ہے جس کی بدبو جاتی ہی نہیں۔ لہسن، پیاز اور مُولی وغیرہ تو کھانے کے کچھ دیر بعد ہضم ہو جاتی ہیں، ان کی بدبو ختم ہو جاتی ہے، اس کے بعد آدمی مسجد میں جا سکتا ہے، مگر حقہ، سگریٹ اور نسوار تو اتنی خبیث چیزیں ہیں کہ ان کی بو مرنے کے بعد بھی منہ، ہاتھوں اور کپڑوں سے نہیں جاتی اور تمباکو استعمال نہ کرنے والوں کو ان سے شدید تکلیف ہوتی ہے۔ اگر کبھی بس وغیرہ میں کسی سگریٹ پینے والے کے ساتھ بیٹھنا پڑ جائے تو اس کے ساتھ بیٹھنے سے کپڑوں میں وہ بدبو ایسی رچ جاتی ہے کہ دیر تک نہیں جاتی۔ اس لیے اہلِ علم نے سگریٹ وغیرہ کو حرام کہا ہے، کیونکہ اس کے استعمال کے بعد مسجد میں جانا جائز نہیں رہتا، جبکہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز فرض ہے، فرمایا: ﴿ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّٰكِعِينَ ﴾ [البقرة : ٤٣] ''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' جس چیز کے استعمال سے مسجد میں جانا ناجائز ٹھہرے جو کہ فرض ہے اس کے حرام ہونے میں کیا شبہ ہے۔ اس کے علاوہ اگرچہ تمباکو میں سکر (نشہ) نہیں، مگر تمام دنیا کے اطباء اس کے صحت کے لیے نقصان دہ ہونے پر متفق ہیں اور دنیا بھر میں سگریٹ کی ہر ڈبی پر یہ بات لکھی ہوئی ہے، پھر یہ فضول خرچی ہے جو حرام ہے اور یہی آگے چل کر چرس اور ہیروئن وغیرہ

کے عادی ہونے کا سبب بنتا ہے۔ بدبودار ہونا ان سب کے علاوہ ہے، اس لیے یہ حرام ہے۔ آج اگر رسول اللہ ﷺ یا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود ہوتے تو یقیناً ایسے بدبودار لوگوں کو مسجد سے اتنی دور نکال دیتے جتنا مسجد نبوی سے بقیع کا قبرستان اس دور میں دور تھا، جیسا کہ اس باب کے فائدہ (۳) میں صحیح مسلم کی حدیث (۵۶۷) گزری ہے۔

9 بعض لوگوں کے منہ یا بغلوں یا جرابوں یا پسینے سے نہایت گندی بو آتی ہے، ایسے لوگوں کو بھی اس بدبو کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن غسل کر کے آنے کا حکم دیا، تاکہ اونی کپڑوں اور گرمی کی وجہ سے نکلنے والے پسینے سے ناگوار بو نہ پھیلے، جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے، البتہ رسول اللہ ﷺ سے صراحت کے ساتھ ایسے لوگوں کو مسجد سے روکنا ثابت نہیں۔

١٦١ - بَابُ وُضُوءِ الصِّبْيَانِ وَمَتَى يَجِبُ عَلَيْهِمُ الْغُسْلُ وَالطُّهُورُ، وَحُضُورِهِمُ الْجَمَاعَةَ وَالْعِيدَيْنِ وَالْجَنَائِزَ وَصُفُوفِهِمْ

161۔ باب: بچوں کا وضو اور ان پر غسل اور پاک رہنا کب واجب ہوتا ہے اور ان کا جماعت، عیدین اور جنازوں میں شریک ہونا اور ان کی صفیں

فوائد: 1 بچوں سے مراد یہاں وہ ہیں جو بالغ نہیں ہوئے، مگر سمجھ دار ہیں۔ وہ مکلف نہیں ہیں، البتہ انھیں نیک کاموں کا ثواب ملتا ہے اور نامناسب کام پر انھیں تادیب کے طور پر مارنا جائز ہے، عقاب کے طور نہیں۔

2 امام بخاری نے صاف یوں نہیں کہا کہ لڑکوں پر وضو واجب ہے یا نہیں، کیونکہ دوسری صورت میں لڑکوں کی نماز وضو کے بغیر درست ہوتی اور پہلی صورت میں لڑکوں کو وضو اور نماز کے ترک پر عذاب لازم آتا۔ صرف اس قدر بیان کر دیا جتنا حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے نبی ﷺ کے زمانے میں نماز وغیرہ میں شریک ہوتے تھے اور یہ ان کا کمال احتیاط ہے۔ (تیسیر الباری)

٨٥٧ - حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنِي غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيَّ، قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ مَرَّ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى قَبْرٍ مَنْبُوذٍ، فَأَمَّهُمْ وَصَفُّوا عَلَيْهِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَمْرٍو! مَنْ حَدَّثَكَ؟ فَقَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ.

857۔ شعبی نے کہا کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جو نبی ﷺ کے ہمراہ ایک الگ تھلگ قبر کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ نے انھیں امامت کروائی اور لوگوں نے اس قبر پر صفیں بنائیں۔ میں نے کہا: اے ابو عمرو! آپ کو کس نے بیان کیا؟ کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے۔

[انظر: ١٢٤٧، ١٣١٩، ١٣٢١، ١٣٢٢، ١٣٢٦، ١٣٣٦، ١٣٤٠ - أخرجه مسلم: ٩٥٤ باختلاف]

فائدہ استدلال اس سے ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت بچے تھے، اگرچہ سمجھ دار تھے تو وہ صف میں بڑے لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان کے اس وقت نابالغ ہونے کی دلیل حدیث (٨٦١) میں آ رہی ہے۔

٨٥٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِي صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ» [انظر: ٨٧٩، ٨٨٠، ٨٩٥، ٢٦٦٥- أخرجه مسلم: ٨٤٦ وهو بزيادة في كتاب الجمعة (٧)]

858۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ پر واجب ہے۔“

فوائد 1 اس سے معلوم ہوا کہ بچوں پر جمعہ کا غسل واجب نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے کہ جب وہ بالغ ہوں گے تو ان پر غسل واجب ہوگا، کیونکہ باب کے الفاظ ہیں کہ بچوں پر غسل اور پاک رہنا کب واجب ہوتا ہے؟ یہ حدیث دلیل ہے کہ بچے بالغ ہو جائیں تو ان پر غسل واجب ہے۔

2 عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ، وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ» [أبوداود: ٤٩٥، حسن صحيح] ”اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہوں اور اس (نماز نہ پڑھنے) پر انھیں مارو جب وہ دس برس کے ہوں اور انھیں بستروں میں الگ الگ کر دو۔“ اس حدیث سے بعض اہلِ علم نے دس سال کے بچے پر وضو اور طہارت کو فرض کہا ہے، کیونکہ نماز ان پر موقوف ہے اور اس عمر کو پہنچنے پر نماز میں کوتاہی پر مارنے کا حکم ہے۔ مگر اکثر اہلِ علم کا کہنا یہی ہے کہ یہ احتمال نماز کی عادت ڈالنے کے لیے ہے، ورنہ بالغ ہونے تک بچہ مکلف نہیں ہوتا، جیسا کہ مشہور حدیث ہے: «رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ ...... وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ» [أبو داود: ٤٤٠٣ وغيرها] ”تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے...... اور ایک بچہ ہے یہاں تک کہ بالغ ہو۔“

٨٥٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ لَيْلَةً، فَنَامَ النَّبِيُّ ﷺ، فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ

859۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک رات میں نے اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گزاری تو نبی ﷺ سو گئے، جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو رسول اللہ ﷺ اٹھے اور ایک لٹکے ہوئے پرانے مشکیزے سے ہلکا سا وضو کیا ۔ حدیث کے راوی عمرو اسے بہت ہلکا اور تھوڑا

وُضُوءًا خَفِيفًا ـ يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهُ جِدًّا ـ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَقُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّأَ، ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَحَوَّلَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، ثُمَّ صَلَّى مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ، فَأَتَاهُ الْمُنَادِي يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَامَ مَعَهُ إِلَى الصَّلَاةِ، فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

بیان کرتے تھے۔ پھر آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو میں بھی اٹھا اور میں نے بھی اس جیسا وضو کیا جیسا آپ نے کیا تھا، پھر میں آیا اور آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، تو آپ نے مجھے پھیرا اور اپنی دائیں جانب کر لیا، پھر آپ نے نماز پڑھی جتنی اللہ نے چاہی، پھر آپ لیٹ گئے اور سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے۔ پھر مؤذن آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے آیا تو آپ اس کے ساتھ اٹھ کر نماز کے لیے چلے گئے، چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

قُلْنَا لِعَمْرٍو : إِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ : إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ، قَالَ عَمْرٌو : سَمِعْتُ عُبَيْدَ ابْنَ عُمَيْرٍ يَقُولُ : إِنَّ رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ، ثُمَّ قَرَأَ : ﴿إِنِّيٓ أَرَىٰ فِي ٱلۡمَنَامِ أَنِّيٓ أَذۡبَحُكَ﴾ [الصافات : ١٠٢]
[راجع : ١١٧ ـ أخرجه مسلم : ٧٦٣]

ہم نے عمرو سے کہا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ تو عمرو نے کہا: میں نے عبید بن عمیر سے سنا، وہ کہتے تھے: انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، پھر یہ آیت پڑھی: ”میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔“

فائدہ اس حدیث کے اکثر فوائد حدیث (۱۱۷) میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ بچے کا وضو معتبر ہے اور اس کا جماعت، عیدین اور جنازے میں شریک ہونا بھی درست ہے۔ اس سے پہلے اسی باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جنازے میں شریک ہونے کی حدیث بھی گزر چکی ہے۔

٨٦٠ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ : أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ فَأَكَلَ مِنْهُ، فَقَالَ : « قُومُوا فَلِأُصَلِّيَ بِكُمْ » فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا

860۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی نانی ملیکہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے کے لیے بلایا جو اس نے تیار کیا تھا، آپ نے اس میں سے کچھ کھایا، پھر فرمایا: ”اٹھو میں تمھیں نماز پڑھاؤں۔“ تو میں اٹھ کر اپنی ایک چٹائی کی طرف گیا جو لمبی مدت تک استعمال کی وجہ سے سیاہ ہو گئی

نُبِسَ، فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَالْيَتِيمُ مَعِي وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا، فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ. [راجع: ٣٨٠- أخرجه مسلم: ٦٥٨، ٦٦٠ باختلاف و زيادة]

تھی۔ میں نے اس پر پانی چھڑکا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور یتیم میرے ساتھ اور بڑھیا ہمارے پیچھے کھڑی ہو گئی، تو آپ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۳۸۰)۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ پہلے مردوں کی صفیں ہونی چاہییں، پھر بچوں کی، پھر عورتوں کی، مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں بچوں کی صفوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ یتیم اسی وقت تک یتیم ہے جب وہ بچہ ہے، کیونکہ حدیث ہے: «لَا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ» [أبو داوٗد: ۲۸۷۳] ”بلوغت کے بعد یتیمی نہیں۔“ انس رضی اللہ عنہ اس وقت بالغ تھے اور یتیم بچہ ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اگر وہ مردوں کی صف میں کھڑا نہ ہو سکتا ہوتا تو ملیکہ رضی اللہ عنہا کی طرح وہ بھی اکیلا پیچھے کھڑا ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچے بڑوں کے ساتھ کھڑے ہو سکتے ہیں، بلکہ بعض ائمہ نے تو فرمایا ہے کہ بچوں کو مردوں کے درمیان وقفے وقفے سے کھڑا کرنا چاہیے، تاکہ وہ شرارتیں نہ کر سکیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنی دائیں طرف کھڑا کرنا بھی بچوں کے مردوں کے ساتھ کھڑا ہونے کی دلیل ہے۔

٨٦١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي بِالنَّاسِ بِمِنًى إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ، فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ، فَنَزَلْتُ وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ، وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ، فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ. [راجع: ٧٦- أخرجه مسلم: ٥٠٤]

861- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا اور میں ان دنوں بلوغت کے قریب تھا اور رسول اللہ ﷺ منیٰ میں لوگوں کو کسی دیوار کی طرف منہ کیے بغیر نماز پڑھا رہے تھے۔ میں صف کے کچھ حصے کے آگے سے گزرا، پھر میں اتر پڑا اور میں نے گدھی کو چھوڑ دیا، وہ چرنے لگ گئی اور میں صف میں داخل ہو گیا، تو کسی ایک نے بھی اس میں مجھ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد حدیث (۷۶) میں گزر چکے ہیں۔ اسے یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جو ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے مردوں کی صف میں شامل ہو گئے اور کسی نے ان کے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچے بڑوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔

٨٦٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ : أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ . وَقَالَ عَيَّاشٌ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : أَعْتَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْعِشَاءِ، حَتَّى نَادَاهُ عُمَرُ : قَدْ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ : « إِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ يُصَلِّي هَذِهِ الصَّلَاةَ غَيْرَكُمْ » وَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ يَوْمَئِذٍ يُصَلِّي غَيْرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ .[راجع : ٥٦٦ـ أخرجه مسلم : ٦٣٨]

862۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں دیر کر دی، یہاں تک کہ آپ کو عمر ؓ نے آواز دی کہ عورتیں اور بچے سو گئے تو رسول اللہ ﷺ نکلے اور فرمایا: ”حقیقت یہ ہے کہ اہلِ زمین میں سے یہ نماز تمھارے سوا کوئی نہیں پڑھ رہا۔“ اور ان دنوں اہلِ مدینہ کے سوا کوئی نماز نہیں پڑھتا تھا۔

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد حدیث (۵۶۶) میں گزر چکے ہیں۔ یہاں استدلال عمر بن خطاب ؓ کی اس بات سے ہے کہ ”عورتیں اور بچے سو گئے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ بچے عشاء کی نماز کے لیے مسجد میں آئے ہوئے تھے اور دیر ہونے کی وجہ سے سو گئے تھے۔

٨٦٣ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ ابْنُ عَابِسٍ، سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ لَهُ رَجُلٌ : شَهِدْتَ الْخُرُوجَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ؟ قَالَ : نَعَمْ، وَلَوْلَا مَكَانِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ يَعْنِي مِنْ صِغَرِهِ ، أَتَى الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ ابْنِ الصَّلْتِ، ثُمَّ خَطَبَ، ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ أَنْ يَتَصَدَّقْنَ، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُهْوِي بِيَدِهَا إِلَى حَلْقِهَا، تُلْقِي فِي ثَوْبِ بِلَالٍ، ثُمَّ

863۔ ابن عباس ؓ سے روایت ہے، ایک آدمی نے ان سے کہا: کیا آپ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلنے میں شریک ہوتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں! اور اگر میرا آپ سے خاص تعلق نہ ہوتا تو میں آپ کے ساتھ شریک نہ ہوتا، یعنی ان کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے۔ آپ اس نشان کے پاس آئے جو کثیر بن صلت کے گھر کے پاس تھا، پھر آپ نے خطبہ دیا، پھر عورتوں کے پاس آئے، انھیں وعظ کیا اور انھیں نصیحت کی اور انھیں حکم دیا کہ صدقہ کریں، تو عورتیں اپنے گلوں کی طرف ہاتھ لے جانے لگیں اور زیور بلال ؓ کے کپڑے

أَتَى هُوَ وَبِلَالٌ الْبَيْتَ . [راجع : ٩٨- أخرجه مسلم : ٨٨٤، وهو في كتاب العيدين برقم (١٣) بزيادة]

میں ڈالنے لگیں، پھر آپ ﷺ اور بلال رضی اللہ عنہ گھر آ گئے۔

فائدہ: اس حدیث کے بعض فوائد حدیث (۹۸) میں گزر چکے ہیں۔ یہاں استدلال اس سے ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما چھوٹے ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدگاہ میں گئے۔ جنازے کے لیے بچوں کے جانے کی دلیل اوپر گزر چکی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس جنازے کی صفوں میں شامل تھے جو آپ نے ایک الگ تھلگ قبر پر پڑھا تھا۔

١٦٢- بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِاللَّيْلِ وَالْغَلَسِ

162- باب: عورتوں کا رات کو اور اندھیرے میں مسجدوں کی طرف جانا

٨٦٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : أَعْتَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْعَتَمَةِ، حَتَّى نَادَاهُ عُمَرُ : نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ : « مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ غَيْرُكُمْ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ » وَلَا يُصَلَّى يَوْمَئِذٍ إِلَّا بِالْمَدِينَةِ، وَكَانُوا يُصَلُّونَ الْعَتَمَةَ فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ . [راجع : ٥٦٦- أخرجه مسلم : ٦٣٨]

864- عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں دیر کر دی یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو آواز دی کہ عورتیں اور بچے سو گئے، پھر نبی ﷺ نکلے اور فرمایا: ''اہلِ زمین میں سے تمھارے سوا کوئی اس کا انتظار نہیں کر رہا۔'' اور ان دنوں مدینہ کے سوا کہیں نماز نہیں پڑھی جاتی تھی اور وہ عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے رات کے تہائی تک پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: اس حدیث کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۵۶۶)۔

٨٦٥ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ حَنْظَلَةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَأْذَنُوا لَهُنَّ »

865- ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمھاری عورتیں تم سے رات کو مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انھیں اجازت دے دو۔''

تَابَعَهُ شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [انظر : ٨٧٣، ٨٩٩،

اس کی متابعت شعبہ نے کی ہے اعمش سے، انھوں نے مجاہد سے، انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے، انھوں نے نبی ﷺ

۹۰۰، ۸۲۳۵_ أخرجه مسلم : ٤٤٢ بزيادة]

سے روایت کی ہے۔

فائدہ رات کو اندھیرا ہوتا ہے اور لوگ عموماً اپنے گھروں میں ہوتے ہیں، بازاروں اور گلیوں میں آمد و رفت کم ہوتی ہے، اس لیے عورتوں کے لیے شریر لوگوں کی طرف سے فساد کا زیادہ خطرہ ہے۔ تو جب رسول اللہ ﷺ نے رات کی نمازوں کے لیے اجازت مانگنے پر اجازت دینے کا حکم دیا ہے تو دن میں تو روشنی ہوتی ہے، ہر طرف لوگ پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور چھپ کر کسی فساد کا خطرہ نہیں ہوتا، اس لیے دن کی نمازوں کے لیے اجازت مانگنے پر تو بالاولیٰ اجازت دینی چاہیے۔ ہاں! اگر رات کو یا دن کو فی الواقع کوئی خطرہ ہو تو محرم مردوں کو انھیں اپنے ساتھ لے جانا چاہیے، تا کہ وہ ان کی حفاظت کریں اور وہ بھی مسجدوں میں ہونے والے علمی دروس وغیرہ سے مستفید ہوسکیں۔

١٦٣ ـ بَابُ انْتِظَارِ النَّاسِ قِيَامَ الْإِمَامِ الْعَالِمِ

163۔ باب: لوگوں کا (نماز کے بعد) عالم امام کے اٹھنے کا انتظار کرنا

٨٦٦ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ ابْنُ عُمَرَ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : حَدَّثَتْنِي هِنْدُ بِنْتُ الْحَارِثِ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا : أَنَّ النِّسَاءَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ، قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَمَنْ صَلَّى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللَّهُ، فَإِذَا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَامَ الرِّجَالُ . [راجع : ٨٣٧]

866۔ نبی ﷺ کی زوجہ ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں جب فرض نماز سے سلام پھیرتیں تو اٹھ کھڑی ہوتیں اور رسول اللہ ﷺ اور وہ مرد جنھوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی ہوتی جب تک اللہ چاہتا بیٹھے رہتے، پھر جب رسول اللہ ﷺ اٹھتے تو مرد بھی اٹھ جاتے تھے۔

فوائد 1 حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ یہ باب صرف کریمہ کے نسخے میں ہے، صغانی کے نسخہ میں بھی اسی طرح ہے، لیکن اس نسخے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس باب کا اس موقع سے کوئی تعلق نہیں، امامت کے بیان میں اس کا ہم معنی باب (۱۵۷) گزر بھی چکا ہے۔ (فتح الباری) البتہ اس باب کے درست ہونے کے حق میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری ؒ بہت دفعہ ایک باب میں ذکر کی گئی احادیث میں سے کسی ایک حدیث میں مذکور کسی فائدے کی طرف توجہ دلانے کے لیے اس پر باب قائم کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد پھر پہلے باب کے ساتھ تعلق رکھنے والی احادیث شروع کر دیتے ہیں، یہ باب کے اندر باب ہوتا ہے جو اسی حدیث تک محدود ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ بات پہلی ہی چل رہی ہے کہ عورتیں مسجد میں آ سکتی ہیں، اس حدیث میں ایک نئی بات یہ تھی کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے بچانے کے

لیے امام اور مقتدیوں کو کچھ دیر ٹھہر جانا چاہیے، تاکہ عورتیں پہلے نکل جائیں۔ اس کے بعد پھر اس سے پہلے باب سے متعلق احادیث شروع ہو گئیں کہ عورتیں رات کو مسجد میں جا سکتی ہیں۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام نے مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو روکنے کا کس قدر اہتمام کیا ہے۔ اس کا مقصد مسلمان مردوں اور عورتوں کی عفت و عصمت کو محفوظ رکھنا ہے اور ان کے خاندان اور نسب کو ہر قسم کی آمیزش سے پاک رکھنا ہے۔ اسی کی برکت ہے کہ مسلم معاشرہ کفار کی طرح حیوانوں جیسی جنسی انارکی کا شکار نہیں ہوتا۔ کفار نسب اور خاندان کی نعمت سے اس قدر محروم ہو چکے ہیں کہ اب خال خال ہی کوئی نکاح کی زحمت کرتا ہے۔ لاکھوں کروڑوں جوڑے بغیر نکاح کے اکٹھے رہ رہے ہیں، جب کسی کا دل دوسرے سے بھر جاتا ہے تو وہ اسے چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ ان اقوام کے رجسٹروں میں ولدیت کے خانے میں باپ کا نام ہی نہیں، صرف ماں کا نام درج ہوتا ہے اور اولاد بڑی ہو کر ڈی این اے کے ذریعے اپنے باپ کو ڈھونڈتی پھرتی ہے، پھر وہ بھی ماں کی راہ پر روانہ ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں نے مسلم معاشرے کے سکون و اطمینان اور پاکیزگی پر حسد کرتے ہوئے انھیں بھی اپنی طرح حیوان بنانے کی کوششیں شروع کر رکھی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کے ترکِ جہاد کی وجہ سے اپنے غلبے اور قوت کے زور پر مسلمانوں کے نظامِ عفت و عصمت کو برباد کرنے کے لیے کئی طریقے اختیار کیے ہیں۔ اخبار، ریڈیو، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ غرض ہر طرح سے بے پردگی، بدکاری اور بے حیائی کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ مردوں اور عورتوں کا باہمی حجاب ختم کرنے کے لیے خاص طور پر تعلیم کا راستہ اختیار کیا ہے اور مسلمان حکمرانوں کو ڈرانے دھمکانے کے ساتھ ساتھ لالچ اور اس مقصد کے لیے بے شمار مال دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ لڑکے لڑکیاں اکٹھے سکول پڑھیں۔ لڑکوں کو لڑکیاں اور لڑکیوں کو لڑکے پڑھائیں۔ آپ ذرا تصور کریں کہ اس عمر میں جب جنسی جذبات لڑکوں اور لڑکیوں میں پورے عروج پر ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ کیا اس میل جول کی اس پیغمبر ﷺ کی امت میں کوئی گنجائش ہے جو نماز سے فارغ ہو کر خود اور ان کے مقتدی اس لیے بیٹھے رہتے تھے کہ عورتیں پہلے نکل جائیں اور راستے کے دوران بھی جس قدر اختلاط سے اجتناب ہو سکے کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو کفار کا طریقہ چھوڑ کر اپنے رسول ﷺ کے طریقے پر چلنے اور قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

٨٦٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ (ح) وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ، فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ. [راجع: ٣٧٢- أخرجه مسلم: ٦٤٥]

867۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھاتے تو عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی اس طرح واپس جاتیں کہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

فائدہ اس حدیث کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۳۷۲)۔ حدیث کا باب (۱۶۲) سے تعلق واضح ہے۔

٨٦٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِسْكِينٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرٌ، أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنِّي لَأَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ» [راجع: ٧٠٧]

868۔ ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور ارادہ رکھتا ہوں کہ اسے لمبا کروں گا، پھر میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں اس بات کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کہ میں اس کی ماں کو مشقت میں ڈالوں۔''

فائدہ اس کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۷۰۷)۔

٨٦٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَوْ أَدْرَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ، قُلْتُ لِعَمْرَةَ: أَوَ مُنِعْنَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ! [أخرجه مسلم: ٤٤٥]

869۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اگر رسول اللہ ﷺ ان چیزوں کو پا لیتے جو عورتوں نے نئی نکالی ہیں تو انھیں مسجد (میں جانے) سے ضرور منع کر دیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا۔ (یحییٰ نے کہا:) میں نے عمرہ سے کہا: تو کیا انھیں منع کر دیا گیا تھا؟ انھوں نے کہا: ہاں!

فوائد 1 اس حدیث سے بعض لوگ استدلال کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں امن ہونے اور عورتوں کے زیب و زینت کا اظہار نہ کرنے کی وجہ سے عورتوں کو مسجد میں جانے کی رخصت تھی اور خاوندوں کو حکم تھا کہ بیوی اگر مسجد میں جانے کے لیے اجازت مانگے تو اسے منع نہ کریں، مگر آج کل حالات خراب ہونے اور عورتوں کے زیب و زینت کے اظہار کی وجہ سے عورتوں کو مسجدوں میں جانا منع ہے۔ مگر ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ سے اس کے بالکل الٹ بات ثابت ہوتی ہے، کیونکہ لفظ ''لَوْ'' اگر مثبت پر آئے تو اسے منفی کر دیتا ہے اور منفی پر آئے تو اسے مثبت کر دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ کہنے کا حکم دیا: ﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ﴾ [الأعراف: ۱۸۸] ''اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بھلائیوں میں سے بہت زیادہ حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔'' ''اگر میں غیب جانتا

ہوتا ''مطلب یہ کہ میں غیب نہیں جانتا۔ ''تو میں بہت زیادہ بھلائیاں حاصل کر لیتا'' سے معلوم ہوا کہ میں وہ بہت زیادہ بھلائیاں حاصل نہیں کر سکا جو غیب جاننے کی صورت میں حاصل کر لیتا۔ ''اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی'' جب کہ سب کو معلوم ہے کہ مجھے اتنی تکلیفیں پہنچیں جو کسی کو نہیں پہنچیں۔ حدیث کا مطلب یہ نکلا کہ ''اگر رسول اللہ ﷺ ان چیزوں کو پا لیتے'' کا معنی یہ ہے کہ آپ نے ان چیزوں کو نہیں پایا۔ ''تو انھیں مسجد میں جانے سے ضرور منع کر دیتے'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے انھیں منع نہیں فرمایا۔ اب جو حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع نہیں کیا ہمارے یہ حضرات اس سے یہ استدلال کر رہے ہیں کہ عورتوں کا مسجد میں جانا منع ہے۔ رہا ام المومنین رضی اللہ عنہا کا یہ خیال کہ اگر آپ اس چیز کو پا لیتے تو ضرور انھیں مسجد سے منع فرما دیتے تو یہ محض ان کا خیال ہے، کیونکہ اگر رسول اللہ ﷺ نے وہ کچھ نہیں دیکھا جو عورتوں نے شروع کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ تو آئندہ کی ہر بات خوب جانتا ہے اور اس نے دین بھی کامل کر دیا ہے۔ اگر ام المومنین رضی اللہ عنہا کا خیال درست ہوتا تو اللہ تعالیٰ خود انھیں مسجدوں میں جانے سے منع فرما دیتا۔ اب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد کسی کو دین میں کسی اضافے کی اجازت نہیں۔ ہمارے ان حضرات کو چاہیے تھا کہ حالات خراب ہونے کی وجہ سے عورتوں کو ایک دوسرے کے گھروں میں جانے سے بھی منع کر دیتے، سکول اور مدرسے میں جانے اور بازار میں جانے سے بھی منع کرتے، مگر ان کی عورتیں ان سب جگہوں میں جاتی ہیں، صرف مسجدوں میں جانا ان کے لیے منع ہے۔

2 عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع کر دیا گیا تھا، یہ بات انھوں نے نبی ﷺ سے نقل نہیں کی، نہ ہی بنی اسرائیل کے کسی معتبر ذریعے تک اس کی سند نقل کی ہے۔ اس لیے ہم اسے سچا کہہ سکتے ہیں نہ جھوٹا، نہ اس سے شریعت کا کوئی حکم ثابت ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ حدیث باب کے عین مطابق عورتوں کو مسجد میں جانے کی رخصت کے لیے ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں مسجد میں جانے سے نہیں روکا، البتہ یہ بات حق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے لیے بن سنور کر یا خوشبو لگا کر گھر سے نکلنا ممنوع قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کے اس حکم پر عمل کرنا اور کروانا لازم ہے، مگر چند عورتوں کو ان کے غلط رویے سے روکنے کی بجائے ان کی سزا تمام عورتوں کو دینا کوئی انصاف نہیں ہے۔

3 عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول مصنف عبد الرزاق میں صحیح سند کے ساتھ ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: « كَانَ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ يَتَّخِذْنَ أَرْجُلًا مِنْ خَشَبٍ، يَتَشَرَّفْنَ لِلرِّجَالِ فِي الْمَسَاجِدِ فَحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِنَّ الْمَسَاجِدَ، وَسُلِّطَتْ عَلَيْهِنَّ الْحَيْضَةُ » [مصنف عبد الرزاق : ٥١١٤] ''بنی اسرائیل کی عورتیں لکڑی کے پاؤں بنا لیتی تھیں، یہ کام وہ مردوں کو مسجدوں میں اونچی نظر آنے کے لیے کرتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مسجدیں حرام کر دیں اور ان پر حیض مسلط کر دیا گیا۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''یہ اگرچہ موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ بات رائے سے نہیں کہی جا سکتی۔'' مگر زیادہ درست یہی ہے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے جو انھوں نے سن کر آگے بیان کر دی ہے، کیونکہ اس میں یہ بھی

ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کی اس خودنمائی کی وجہ سے ان پر حیض مسلط کر دیا گیا۔ حالانکہ عورتوں کو حیض ان سے پہلے بھی آتا تھا اور بعد میں بھی آتا ہے اور نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آنے پر فرمایا: « إِنَّ هٰذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ » [بخاري، باب كيف كان بدء الحيض: ٢٩٤] ''یہ ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس سے ملتی جلتی بات نقل کی ہے، اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ صحابہ کے وہ اقوال ہیں جو انھوں نے اسرائیلیات سے نقل کر دیے ہیں، ان سے دین کا کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ [حاشية ابن باز على فتح الباري]

4 یہ ساری بحث عورتوں کے لیے مسجد میں جانے کی رخصت کے بارے میں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری احادیث کے مطابق عورتیں اگر گھروں میں نماز پڑھیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ گھر کے کمروں میں سے بھی اگر زیادہ سے زیادہ اندرونی کمرے میں پڑھیں تو اور زیادہ بہتر ہے۔ البتہ مسجد میں آنے کی صورت میں انھیں قرآن وسنت اور دین کے مسائل جاننے کا جو موقع ملتا ہے اگر کوئی عورت وہ حاصل کرنا چاہے تو اس کے لیے فرمایا: « لَا تَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ »[بخاري : ٩٠٠] ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے منع نہ کرو۔'' مطلب یہ ہے کہ ان مسجدوں کا مالک بھی اللہ ہے تم نہیں، اس لیے تمھارا حق نہیں کہ اس کی بندیوں کو اس کی مسجدوں سے روکو۔ ہاں! اگر کوئی عورت خوشبو لگا کر یا بن ٹھن کر نکلتی ہے اور اس سے باز نہیں آتی تو رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق اسے روک دینا چاہیے۔

١٦٤ - بَابُ صَلَاةِ النِّسَاءِ خَلْفَ الرِّجَالِ

164۔ باب: عورتوں کا مردوں کے پیچھے نماز پڑھنا

٨٧٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدَ بِنْتِ الْحَارِثِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِيْنَ يَقْضِي تَسْلِيمَهُ، وَيَمْكُثُ هُوَ فِي مَقَامِهِ يَسِيرًا قَبْلَ أَنْ يَقُوْمَ .

870۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو عورتیں اسی وقت اٹھ کھڑی ہوتیں جب آپ اپنا سلام پورا کر لیتے اور آپ ﷺ اٹھنے سے پہلے تھوڑی دیر اپنی جگہ ہی میں ٹھہرے رہتے۔

قَالَ : نَرَى - وَاللّٰهُ أَعْلَمُ - أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ لِكَيْ يَنْصَرِفَ النِّسَاءُ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الرِّجَالِ . [راجع : ٨٣٧]

(زہری نے) کہا: ہم سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ کہ یہ اس لیے تھا کہ عورتیں اس سے پہلے چلی جائیں کہ مرد ان کو جا ملیں۔

فائدہ اس کے بعض فوائد حدیث (٨٣٧) میں گزر چکے ہیں۔ اس حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ اگر تمام یا

کچھ عورتوں کی صفیں مردوں سے آگے ہوتیں تو انھیں واپس جانے کے لیے مردوں کو پھلانگ کر جانا پڑتا جو ممنوع ہے۔

٨٧١ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ إِسْحَاقَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِي بَيْتِ أُمِّ سُلَيْمٍ، فَقُمْتُ وَيَتِيمٌ خَلْفَهُ وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا. [راجع: ٣٨٠ـ أخرجه مسلم: ٦٥٨ مطولاً، ٦٦٠ باختلاف و زيادة]

871۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اُم سُلیم رضی اللہ عنہا کے گھر میں نماز پڑھی تو میں اور ایک یتیم لڑکا آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور اُم سُلیم رضی اللہ عنہا ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔

فائدہ اس کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۳۸۰)۔

١٦٥ـ بَابُ سُرْعَةِ انْصِرَافِ النِّسَاءِ مِنَ الصُّبْحِ وَقِلَّةِ مَقَامِهِنَّ فِي الْمَسْجِدِ

165۔ باب: عورتوں کا صبح کی نماز سے جلدی واپس چلے جانا اور ان کا مسجد میں کم ٹھہرنا

٨٧٢ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الصُّبْحَ بِغَلَسٍ، فَيَنْصَرِفْنَ نِسَاءُ الْمُؤْمِنِينَ، لَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ، أَوْ لَا يَعْرِفُ بَعْضُهُنَّ بَعْضًا. [راجع: ٣٧٢ـ أخرجه مسلم: ٦٤٥]

872۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے تو مومنوں کی عورتیں اس حال میں واپس جاتیں کہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں، یا وہ ایک دوسری کو نہیں پہچانتی تھیں۔

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے حدیث (۳۷۲) ملاحظہ کریں۔

١٦٦ـ بَابُ اسْتِئْذَانِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا بِالْخُرُوجِ إِلَى الْمَسْجِدِ

166۔ باب: عورت کا اپنے خاوند سے مسجد کو جانے کی اجازت لینا

٨٧٣ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «إِذَا اسْتَأْذَنَتِ امْرَأَةُ أَحَدِكُمْ

873۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا (کہ آپ ﷺ نے فرمایا): ”جب تم میں سے کسی کی بیوی (اس سے) اجازت مانگے تو وہ اسے منع نہ

وَلَا يَمْنَعْهَا ﴾ [راجع : ٨٦٥ ـ أخرجه مسلم : ٤٤٢] کرے۔“

فائدہ: اس کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۸۶۵)۔

١٦٧ ـ بَابُ صَلَاةِ النِّسَاءِ خَلْفَ الرِّجَالِ

167۔ باب: عورتوں کا مردوں کے پیچھے نماز پڑھنا

٨٧٤ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ إِسْحَاقَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِي بَيْتِ أُمِّ سُلَيْمٍ، فَقُمْتُ وَيَتِيمٌ خَلْفَهُ وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا .

874۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر میں نماز پڑھی تو میں اور ایک یتیم لڑکا آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور ام سلیم رضی اللہ عنہا ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔

٨٧٥ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدَ بِنْتِ الْحَارِثِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِينَ يَقْضِي تَسْلِيمَهُ، وَهُوَ يَمْكُثُ فِي مَقَامِهِ يَسِيرًا قَبْلَ أَنْ يَقُومَ .

875۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو عورتیں اسی وقت اٹھ کھڑی ہوتیں جب آپ اپنا سلام پورا کر لیتے اور آپ ﷺ اٹھنے سے پہلے تھوڑی دیر اپنی جگہ ہی میں ٹھہرے رہتے۔

قَالَتْ: نُرَى ـ وَاللَّهُ أَعْلَمُ ـ أَنَّ ذَلِكَ كَانَ لِكَيْ يَنْصَرِفَ النِّسَاءُ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الرِّجَالِ .

(زہری نے) کہا: ہم سمجھتے ہیں — واللہ اعلم — کہ یہ اس لیے تھا کہ عورتیں اس سے پہلے چلی جائیں کہ مرد ان کو جا ملیں۔

تنبیہ: اس باب (۱۶۷) کا عنوان اس سے پہلے قریب ہی باب (۱۶۴) میں گزر چکا ہے اور اس باب میں مذکور دونوں حدیثیں (۸۷۵،۸۷۴) بھی وہاں رقم (۸۷۰، ۸۷۱) میں گزر چکی ہیں، اس لیے بخاری کے اکثر نسخوں میں اس آخری باب اور اس میں مذکور دونوں حدیثوں کو حذف کر دیا گیا ہے، اس شرح میں چونکہ ”دارُ طوقِ النجاۃ“ کے نسخے کو اصل بنایا گیا ہے اور اس میں یہ تکرار موجود ہے، اس لیے یہاں بھی اس تکرار کو باقی رکھا گیا ہے۔

فائدہ: اس کے بعض فوائد حدیث (۸۳۷) میں گزر چکے ہیں۔ اس حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ اگر تمام یا کچھ عورتوں کی صفیں مردوں سے آگے ہوتیں تو انھیں واپس جانے کے لیے مردوں کو پھلانگ کر جانا پڑتا جو ممنوع ہے۔

”کتاب الاذان“ کے آخری باب میں امام بخاری رحمہ اللہ اس کتاب کے خاتمے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آخری باب اور حدیث میں ”لِكَيْ يَنْصَرِفَ“ کا لفظ لائے ہیں، اسے ”براعۃ الاختتام“ کہتے ہیں۔

[تَمَّ كِتَابُ الْأَذَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

١١۔ كِتَابُ الْجُمُعَةِ

کتاب الجمعہ

فائدہ: جمعہ کا یہ نام اس میں اجتماع کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ جاہلیت میں اس دن کو ''العروبہ'' کہتے تھے۔ فتح الباری میں ہے: ''ابن قیم نے زاد المعاد (٤٢٥/١) میں جمعہ کے دن کی بتیس (٣٢) خصوصیات بیان کی ہیں، ان میں سے چند ایک یہ ہیں: اس کا عید کا دن ہونا، اکیلے جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا منع ہونا، اس کی صبح کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھنا، جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھنا، اس کے لیے غسل کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، بہترین لباس پہننا، مسجد میں خوشبو کی دھونی دینا، جمعہ کے لیے جلدی جانا، خطیب کے آنے تک عبادت میں مصروف رہنا، جمعہ کا خطبہ ہونا، اس میں خاموش رہنا، سورۂ کہف پڑھنا، سورج سر پر ہونے کے وقت نماز منع نہ ہونا، اس سے پہلے سفر منع ہونا، رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کے مطابق جمعہ کو جانے والے کے لیے ہر قدم پر ایک سال کے روزوں اور نماز کا اجر ہونا، جمعہ کے دن جہنم کا نہ بھڑکایا جانا، اس دن میں قبولیتِ دعا کی گھڑی کا ہونا، گناہوں کی معافی اور یہ کہ یہ ''یوم المزید'' ہے اور ''شاہد'' ہے جو اس امت کے لیے محفوظ رکھا گیا، یہ ہفتے کے تمام دنوں سے بہتر ہے اور یہ کہ اس میں روحیں جمع ہوتی ہیں، اگر یہ حدیث ثابت ہو۔ اس کے علاوہ بھی کئی چیزیں ذکر کیں جن میں نظر ہے اور کئی چیزیں چھوڑ دیں جن کی تلاش لمبا قصہ ہے۔'' یہ ابن قیم رحمہ اللہ کے بیان کا خلاصہ ہے۔ (واللہ اعلم) (فتح الباری)

١ - بَابُ فَرْضِ الْجُمُعَةِ

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [الجمعة : ٩] ﴿فَاسْعَوْا﴾ : فَامْضُوا .

١۔ باب: جمعہ کا فرض ہونا

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔'' آیت کے لفظ ''فَاسْعَوْا'' کا معنی ''فَامْضُوا'' ہے۔

فوائد: 1 یہ باب امام بخاری رحمہ اللہ نے جمعہ کی فرضیت بیان کرنے کے لیے قائم کیا ہے۔ جمعہ کی فرضیت قرآن،

سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ باب میں مذکور آیت واضح دلیل ہے کہ جمعہ فرض کفایہ نہیں بلکہ ان تمام لوگوں پر فرض عین ہے جو ایمان لا چکے ہیں، خواہ وہ کسی شہر میں رہتے ہوں یا کسی بستی یا بادیہ میں۔ بعض لوگ بستیوں میں جمعہ جائز نہیں سمجھتے، ان کے لیے صحیح بخاری میں باب آ رہا ہے: "بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرَى وَالْمُدُنِ" یہ بحث وہاں تفصیل سے ذکر ہوگی۔ (ان شاء اللہ) آیت میں جمعہ کی فرضیت کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ ہر ایمان والے کو اذان کے وقت سعی کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسری یہ کہ جمعہ کے لیے اذان کا ذکر ہے جو فرض نمازوں ہی کے لیے ہوتی ہے۔ تیسری یہ کہ اس وقت بیع (خرید و فروخت) کو ترک کرنے کا حکم ہے جو جائز کام ہے اور ظاہر ہے جائز کاموں سے کسی ایسے کام ہی کے لیے منع کیا جا سکتا ہے جو فرض ہو۔ طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً : عَبْدٌ مَمْلُوْكٌ، أَوِ امْرَأَةٌ، أَوْ صَبِيٌّ، أَوْ مَرِيْضٌ » [أبو داوٗد : ۱۰٦٧، قال الألباني : صحيح] "جمعہ ہر مسلم پر جماعت کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے، سوائے چار آدمیوں کے: غلام جو کسی کی ملکیت میں ہو یا عورت یا بچہ یا مریض۔" اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَيْسَ عَلٰى مُسَافِرٍ جُمُعَةٌ »[المعجم الأوسط للطبراني : ۱/۲٤۹، ح : ۸۱۸، وقال الألباني : صحيح۔ دیکھیے الجامع الصغير : ٥٤٠٥] "مسافر پر جمعہ نہیں ہے۔"

2 جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں اگر وہ جمعہ کے لیے آئیں تو باعثِ اجر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں جمعہ کے لیے آتی تھیں، اس سے اجر کے علاوہ قرآن کی آیت سن کر انھیں یاد کرنے کا موقع ملتا تھا، قرآن و سنت سن کر علم میں اضافہ ہوتا تھا۔ ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان کہتی ہیں: « مَا أَخَذْتُ ﴿ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴾ إِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَؤُهَا كُلَّ يَوْمِ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ، إِذَا خَطَبَ النَّاسَ » [مسلم : ۸۷۳/۵۲] "میں نے سورۂ " قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ " رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سن کر یاد کی، آپ ﷺ اسے ہر جمعہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے منبر پر پڑھتے تھے۔" اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ حُظُوْظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ إِذَا اسْتَأْذَنُوْكُمْ » [مسلم : ٤٤٢/١٤٠] "عورتوں کو مساجد میں ان کے حصے میں آنے والی چیزوں سے مت روکو جب وہ تم سے اجازت طلب کریں۔"

3 پہلے فائدے میں مذکور طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ " اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ " میں " فِيْ جَمَاعَةٍ " کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ جن آدمیوں کی جماعت ہو سکتی ہے ان پر جمعہ فرض ہے اور متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ دو آدمیوں پر بھی جماعت کے ساتھ نماز فرض ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے چچا زاد بھائی کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "جب تم دونوں سفر کرو تو اذان کہو اور اقامت کہو اور تم میں سے جو بڑا ہے وہ جماعت کروائے۔" اس لیے سب سے صحیح اور پختہ بات یہی ہے کہ دو آدمی بھی حاضر ہوں تو جمعہ ادا کریں۔ علماء نے اس میں مختلف قول اختیار کیے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جمعہ درست ہونے کے لیے چالیس آدمیوں کا حاضر

ہونا ضروری ہے، بعض نے دس بارہ کی حاضری ضروری قرار دی اور جو حضرات جمعہ کے جواز کے لیے مصر جامع کی شرط لگاتے ہیں ان کے نزدیک تین آدمیوں کی حاضری ضروری ہے۔ کہاں مصر جامع پر اصرار اور کہاں صرف تین آدمیوں پر اکتفا۔ حقیقت میں یہ ان حضرات کے نماز کو ایمان تسلیم نہ کرنے کا نتیجہ ہے، ورنہ مصر جامع ہو اور مسجد میں صرف تین آدمی آئیں نماز کو ایمان ماننے والوں کے شہر میں بظاہر ممکن نہیں۔

4 سورۂ جمعہ کی آیات " يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ " سے آخر تک سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کے نزول سے پہلے جمعہ شروع ہو چکا تھا۔ خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے خطبے کے دوران بعض لوگوں کا اٹھ جانے کا ذکر اس کی واضح دلیل ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ منکرینِ حدیث جو کہتے ہیں کہ نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کے علاوہ کچھ نازل نہیں ہوا، وہ کسی اور چیز پر عمل واجب ہے وہ بتائیں کہ ان آیات کے نزول سے پہلے قرآن مجید کی کون سی آیت میں جمعہ کا یا اس کے لیے اذان کا حکم نازل ہوا۔ ظاہر ہے یہ سب اسی وحی الٰہی کے ساتھ تھا جسے سنت یا حدیث کہا جاتا ہے۔ جمعہ کی دوسری تفصیلات، اس کا وقت، اس کی رکعات، خطبہ کا طریقہ اور کن پر فرض ہے، غرض سب کچھ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ حدیث کے منکر قرآن مجید کے بھی منکر ہیں، کیونکہ حدیث قرآن ہی کی تفصیل ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی، اس کے بغیر نماز، زکاۃ، روزہ، حج اور کسی بھی مسئلے پر عمل ممکن نہیں۔ یہ لوگ قرآن پر عمل سے گریز کے لیے حدیث کا انکار کرتے ہیں، اسی لیے علماء نے اہل قرآن کہلانے والوں کو جو حدیث کے منکر ہیں بالاتفاق کافر قرار دیا ہے۔ رہا اجماع تو امت مسلمہ میں سے جمعہ کی فرضیت کا منکر کوئی بھی نہیں ہے۔

5 آیت کے لفظ " فَاسْعَوْا " میں سعی کا معنی دوڑنا بھی ہے اور کوشش کرنا بھی، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾ [النجم: ۳۹] ”اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔“ یہاں دوسرا معنی مراد ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے وضاحت کر دی کہ یہاں " فَاسْعَوْا " کا معنی ”دوڑو“ نہیں بلکہ ”چلو“ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اقامت سن کر بھی دوڑ کر آنے سے منع فرمایا، بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جب نماز کی اقامت ہو جائے تو دوڑ کر مت آؤ۔“ " وَذَرُوا الْبَيْعَ " اور " ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ " کی کچھ تفصیل آگے آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٨٧٦ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ هُرْمُزَ الْأَعْرَجَ مَوْلَى رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا، ثُمَّ هٰذَا

876۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے: ”ہم سب سے آخر والے ہیں جو قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔ اس لیے کہ انھیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی، پھر ان کا یہ (جمعہ کا) دن جو ان پر فرض کیا گیا تو انھوں نے اس میں اختلاف کیا تو اللہ نے ہمیں اس کی ہدایت عطا فرمائی، چنانچہ

يَوْمُهُمُ الَّذِي فُرِضَ عَلَيْهِمْ، فَاخْتَلَفُوا فِيهِ، فَهَدَانَا اللّٰهُ، فَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ : اَلْيَهُودُ غَدًا وَالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ »[راجع : ۲۳۸۔ أخرجه مسلم : ۸۵۵]

دوسرے لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں، یہود کل (ہفتہ) کے دن اور نصاریٰ پرسوں (اتوار) کے دن۔"

فوائد: 1 "بَيْدَ" کا معنی "غَيْرَ" ، "عَلٰى" اور "مِنْ أَجْلِ" آتا ہے، یہاں ترجمہ "مِنْ أَجْلِ" کے مطابق کیا گیا ہے، کیونکہ آپ نے اس امت کے آخری ہونے کے باوجود اول ہونے کی وجہ بیان فرمائی ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ''فوائد ابن مقری'' میں ابوصالح عن ابی ہریرہ کے طریق سے ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: «نَحْنُ الْآخِرُونَ فِي الدُّنْيَا وَ نَحْنُ السَّابِقُونَ أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لِأَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا » ''ہم دنیا میں سب سے آخر میں اور ہم سب سے آگے ہوں گے جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اس لیے کہ انھیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی۔'' (فتح الباری)

2 اس حدیث سے باب میں مذکور جمعہ کی فرضیت ثابت ہوئی، کیونکہ اس میں صاف الفاظ ہیں کہ پہلی امتوں کا وہ دن جو ان پر فرض کیا گیا تو انھوں نے اس میں اختلاف کیا، یہود نے اس دن کی بجائے ہفتہ کو اور عیسائیوں نے اتوار کو مقرر کرلیا، جب کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس اصل دن ہی کی ہدایت فرمائی اور ہم نے وہی قبول کرلیا جو ہمیں کہا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس دن کی عبادت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہو فرض ہے۔

3 اور یہ جو فرمایا کہ ''ہم آخر میں آنے کے باوجود قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ امت اگرچہ گزشتہ تمام امتوں کے بعد آئی ہے، مگر آخرت میں یہ ان سے آگے ہوں گے، کیونکہ ان کا حشر سب سے پہلے ہوگا، حساب سب سے پہلے ہوگا، ان کا فیصلہ سب سے پہلے ہوگا اور یہ جنت میں سب سے پہلے جائیں گے۔ صحیح مسلم (۸۵۶/۲۲) میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: « نَحْنُ الْآخِرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الْمَقْضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ » ''ہم دنیا والوں میں سب سے اخیر میں آنے والے ہیں اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے، جن کا فیصلہ تمام مخلوقات سے پہلے کیا جائے گا۔'' (فتح الباری)

4 ہوا یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہود کو جمعہ کے دن کی عبادت کا حکم دیا، مگر انھوں نے اسے ماننے میں اپنے پیغمبر سے اختلاف کیا۔ صحیح مسلم (۸۵۵/۲۰) میں صراحت ہے کہ یہود و نصاریٰ نے جس دن کو ماننے میں اختلاف کیا تھا وہ جمعہ کا دن تھا۔ یہود نے ہفتے کا دن اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کرلیا، تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے لیے وہ تسلیم کرلیا، مگر اس دن میں ان پر سخت پابندیاں لگا دیں، جن کی تعمیل میں انھوں نے پہلے حیلے نکالے، پھر کھلم کھلا ان پابندیوں کو ہوا میں اڑا دیا۔ (دیکھیے سورۂ اعراف: ۱۶۳) ہماری امت کے سامنے بھی پہلوں کی طرح جمعہ کا دن پیش کیا گیا تو انھوں نے اللہ کی ہدایت و توفیق سے اسی طرح قبول کرلیا جیسے انھیں کہا گیا تھا، جس کے نتیجے میں ان پر اس دن میں وہ سخت پابندیاں عائد نہ ہوئیں جو پہلوں پر عائد

ہوئی تھیں، بلکہ دنیا میں بھی وہ دونوں امتوں سے پہلے ہو گئے اور اللہ کی رضا ایسی حاصل ہوئی کہ آخرت میں بھی ہر لحاظ سے تمام امتوں سے سبقت لے گئے۔

٢ـ بَابُ فَضْلِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَهَلْ عَلَى الصَّبِيِّ شُهُودُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَوْ عَلَى النِّسَاءِ؟

2۔ باب: جمعہ کے دن غسل کی فضیلت اور کیا بچوں یا عورتوں پر جمعہ کے دن حاضر ہونا واجب ہے؟

٨٧٧ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ» [انظر: ٨٩٤، ٩١٩ـ أخرجه مسلم: ٨٤٤]

877۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے آئے تو غسل کر لے۔“

٨٧٨ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَيْنَمَا هُوَ قَائِمٌ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، فَنَادَاهُ عُمَرُ: أَيَّةُ سَاعَةٍ هَذِهِ!؟ قَالَ: إِنِّي شُغِلْتُ، فَلَمْ أَنْقَلِبْ إِلَى أَهْلِي حَتَّى سَمِعْتُ التَّأْذِينَ، فَلَمْ أَزِدْ أَنْ تَوَضَّأْتُ، فَقَالَ: وَالْوُضُوءُ أَيْضًا! وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ بِالْغُسْلِ. [انظر: ٨٨٢ـ أخرجه مسلم: ٨٤٥ بدون ذكر «من المهاجرين»]

878۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس دوران کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے، جب نبی ﷺ کے اصحاب میں سے مہاجرین اولین کا ایک آدمی آیا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسے آواز دی: یہ (جمعہ کے لیے آنے کا) کون سا وقت ہے؟ تو اس نے کہا: میں مشغول رہا، اس لیے اپنے گھر واپس نہیں آیا حتیٰ کہ میں نے اذان سنی تو وضو سے زیادہ کچھ نہیں کیا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اور صرف وضو ہی؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم دیتے تھے۔

٨٧٩ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا

879۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

مَالِكٌ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : « غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ » [راجع : ٨٥٨- أخرجه مسلم : ٨٤٦، وجاء مطولاً في كتاب الجمعة (٧)]

ﷺ نے فرمایا: ”جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔“

فوائد: 1 پہلی حدیث میں ”جمعہ کے لیے آئے“ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے لیے آنے کا ارادہ کرے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوْهَكُمْ ﴾ [المائدۃ : ٦] ”جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ دھو لو۔“ ”جب تم نماز کے لیے اٹھو“ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز کے لیے اٹھنے کا ارادہ کرو۔ صحیح مسلم میں لیث عن نافع عن ابن عمر کے طریق سے صریح الفاظ بھی آئے ہیں: « إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْتِيَ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ » [مسلم : ٨٤٤] ”جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے آنے کا ارادہ کرے تو وہ غسل کرے۔“

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا غسل اس وقت کرنا چاہیے جب جمعہ کے لیے جانے کا ارادہ ہو، تا کہ آدمی تازہ دم ہو کر جائے اور غسل کے بعد اتنا وقفہ نہ ہو کہ دوبارہ پسینہ وغیرہ آنے سے وہ صفائی اور تازگی باقی نہ رہے۔ اس لیے اہل علم فرماتے ہیں کہ جمعہ کے لیے جاتے ہوئے غسل کرنا پہلے غسل کر لینے سے افضل ہے، لیکن اگر کوئی شخص طلوع فجر کے بعد غسل کر لے، پھر جمعہ کے وقت غسل کیے بغیر چلا جائے تو کافی ہے، اگرچہ افضل یہ ہے کہ جمعہ کے لیے جاتے وقت غسل کرے۔ کیونکہ اس باب کی آخری حدیث میں جمعہ کے دن غسل کو ہر بالغ پر واجب قرار دیا ہے، اس لیے جمعہ کا دن شروع ہونے کے بعد جمعہ کے لیے کسی وقت بھی غسل کر لے تو کافی ہے۔

3 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو جمعہ کے لیے نہیں آئیں گے تو جسے جمعہ کے لیے نہ جانا ہو اس کے لیے غسل واجب نہیں، جیسے مریض، غلام، عورت اور بچے۔ اس سے اس اعتراض کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ امام صاحب نے باب میں یہ سوال ذکر کیا ہے کہ کیا بچوں یا عورتوں پر جمعہ میں حاضری ضروری ہے؟ اس کے علاوہ اس باب کی تیسری حدیث میں ہے کہ ہر بالغ مرد پر جمعہ کا غسل واجب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ پر یہ غسل واجب نہیں، نہ ہی انھیں جمعہ کے لیے آنا ضروری ہے۔ رہی عورتیں تو ان کا جمعہ میں حاضر ہونا ضروری نہیں، کیونکہ ”مُحْتَلِمٌ“ کا لفظ بالغ مرد پر بولا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ امام صاحب نے اس سے ابوداؤد کی اس صحیح حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی شرط پر نہ ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کی۔ وہ حدیث ”کتاب الجمعة“ کے پہلے باب کی تمہید میں نقل کر دی گئی ہے، اس میں صراحت ہے کہ عورت، بچے، مملوک غلام اور مریض پر جمعہ فرض نہیں۔ [دیکھیے أبو داؤد : ١٠٦٧]

4 بعض اہل علم نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جمعہ کے دن غسل کی فرضیت کا باب قائم نہیں کیا، صرف اس کی فضیلت کا

عنوان باندھا ہے، کیونکہ اس کی فرضیت میں اختلاف ہے، اکثر علماء اسے سنت قرار دیتے ہیں، جبکہ کچھ علماء فرض قرار دیتے ہیں۔ اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے فیصلہ نہیں فرمایا صرف فضیلت کے بیان پر اکتفا کیا۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ کسی چیز کی فضیلت بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واجب نہیں، نہ ہی وجوب اور فضیلت میں کوئی تضاد ہے۔

5 دوسری حدیث میں خطبے کے دوران مہاجرین اولین میں سے جس آدمی کے آنے کا ذکر ہے وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ حدیث کے بعض راویوں نے ان کے اکرام کے پیشِ نظر نام ذکر نہیں کیا، مگر ابن وہب اور ابن قاسم نے امام مالک سے ''موطا'' کی اپنی اپنی روایت میں اس کا نام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ بھی تین روایتیں ذکر کی ہیں جن میں عثمان رضی اللہ عنہ کا نام موجود ہے۔

6 اکثر شارحین کا کہنا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث اس لیے لائے ہیں کہ جمعہ کے دن کا غسل واجب نہیں ہے، کیونکہ اگر غسل واجب ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس بھیجتے کہ غسل کر کے آؤ، جب انھوں نے واپس نہیں بھیجا اور سب حاضرین صحابہ و تابعین اس پر خاموش رہے تو یہ دلیل ہے کہ جمعہ کا غسل فرض نہیں۔ مگر یہ دلیل تین وجہوں سے درست نہیں، ایک تو یہ کہ اگر انھیں غسل کے لیے واپس بھیجتے تو ان کے جانے سے جمعہ نکل جانے کا احتمال تھا جو زیادہ اہم تھا، دوسرا یہ کہ جمعہ کا غسل فرض ہے مگر شرط نہیں کہ اگر نہ کیا ہو تو جمعہ ادا نہ ہوتا ہو، اس لیے انھیں واپس نہیں بھیجا گیا اور تیسری وجہ یہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ ہر روز غسل کرتے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم (۲۳۱/۱۰) میں عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حمران سے روایت ہے، انھوں نے کہا: « كُنْتُ أَضَعُ لِعُثْمَانَ طَهُوْرَهُ فَمَا أَتَى عَلَيْهِ يَوْمٌ إِلَّا وَهُوَ يُفِيْضُ عَلَيْهِ نُطْفَةً » ''میں عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے طہارت کا پانی رکھا کرتا تھا تو ان پر جو دن بھی آتا وہ اس میں اپنے آپ پر کچھ پانی بہاتے تھے۔'' ممکن ہے کہ دونوں بزرگوں کا اس بات میں اختلاف ہو کہ عثمان رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے کسی وقت بھی غسل کو کافی سمجھتے تھے، جبکہ عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے لیے آتے وقت غسل ضروری سمجھتے تھے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کی ایک روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: « أَلَمْ تَسْمَعُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا رَاحَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ » [بخاري : ۸۸۲] ''کیا تم نے نہیں سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی طرف جائے تو غسل کرے۔''

7 عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو جو یہ کہا: "أَيَّةُ سَاعَةٍ هٰذِهِ؟" اس سے ان کا اشارہ ان ساعات کی طرف تھا جو خطیب کے آنے سے پہلے والوں کی ساعات ہیں۔ جن میں سے پہلی ساعت میں آنے والے کو اونٹ کی قربانی کا اجر ملتا ہے اور آخر ساعت میں ایک انڈے کا اجر ملتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو ان ساعات میں سے کسی ساعت میں آنا چاہیے تھا، جس ساعت میں آپ آئے ہیں وہ (ان میں سے) کون سی ساعت ہے؟ اور یہ نہایت پر لطف اشارہ اور خوبصورت کنایہ ہے۔ (فتح الباری)

8 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث کے کچھ فوائد یہ ہیں: کھڑے ہو کر خطبہ دینا اور منبر پر خطبہ دینا، امام کا اپنی رعیت کی جانچ پڑتال رکھنا اور انھیں ان کے دین کی مصلحتوں کا حکم دیتے رہنا، جو فضیلت کے کاموں میں کوتاہی کرے اسے انکار

سرزنش کرنا، خواہ وہ کتنا عظیم مرتبے والا ہو اور خود آمنے سامنے اسے ڈانٹنا، تاکہ اس سے کم مرتبہ والے لوگ بھی اس کام سے باز رہیں اور یہ کہ خطبہ کے دوران امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے خطبہ میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور یہ کہ امام جس سے مخاطب ہو اسے خطبہ کے دوران بات کرنا منع نہیں اور حاکم اگر سرزنش کرے تو اس کے سامنے عذر پیش کرنا چاہیے (جیسا کہ عبدالرحمٰن بن مہدی کی روایت میں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بازار سے واپس آیا، اذان سنی تو میں نے وضو کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ خطبہ کے شروع میں پہنچ گئے تھے۔ فتح الباری) اور یہ کہ اذان سے پہلے کام کاج، خرید و فروخت میں مشغول رہنا جائز ہے خواہ اس سے خطبے سے پہلے پہنچنے کی فضیلت ہاتھ سے نکل جائے اور یہ کہ جمعہ سے پہلے بازار اور دکانیں کھلی رہ سکتی ہیں۔ کیونکہ یہ واقعہ عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کا ہے اور جمعے سے پہلے بازار میں جانے والے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں مگر عمر رضی اللہ عنہ نے اذان سے پہلے دکانیں یا کاروبار بند کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اونچے مراتب والے لوگ بازار میں جاتے تھے اور انھیں جانا چاہیے۔ جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ اور پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ (دیکھیے فرقان: ۲۰)

9 تیسری حدیث کہ ''جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے'' یہ صریح نص ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ مرد پر فرض ہے۔ یہ حدیث اس سے پہلے (۸۵۸) پر گزر چکی ہے۔ بچہ مکلف ہی نہیں، اس لیے اس پر جمعہ کا غسل واجب نہیں۔ عورتوں کا مسئلہ باب (۱۲) میں آئے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

10 جو لوگ جمعہ کا غسل فرض نہیں سمجھتے انھوں نے فرض نہ ہونے کے متعدد دلائل دیے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاں ابن دقیق العید کا کلام نقل کیا ہے، اس کے بعد واجب نہ کہنے والوں کے بعض مزید دلائل کا ذکر کر کے ان کی کمزوری واضح کی ہے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں: ''اکثر لوگوں کا کہنا ہے کہ جمعہ کا غسل مستحب ہے (واجب نہیں)، ان حضرات کو ان واضح احادیث کی مخالفت کا کوئی نہ کوئی عذر پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ تاویل کی کہ احادیث میں جو امر کا لفظ آیا ہے (''كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِالْغُسْلِ''، ''فَلْيَغْتَسِلْ'' وغیرہ) یہ استحباب کے لیے ہے (وجوب کے لیے نہیں) اور جو فرمایا: ''جمعہ کا غسل واجب ہے'' تو اس سے مراد تاکید ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ آپ کا اکرام مجھ پر واجب ہے۔ مگر یہ تاویل بہت کمزور ہے، اس کی ضرورت اس وقت ہے جب ان صاف اور واضح احادیث کے مقابلے میں ان سے راجح دلیل موجود ہو۔ ان واضح احادیث کے مقابلے میں سب سے مضبوط دلیل جو انھوں نے پیش کی ہے وہ یہ حدیث ہے: « مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ، وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ » [أبو داوٗد: ۳۵٤- ترمذي: ٤٩٧] ''جو شخص جمعہ کے دن وضو کرے تو ٹھیک ہے اور بہت اچھی بات ہے اور جو غسل کرے تو غسل افضل ہے۔'' مگر اس حدیث کی سند ان احادیث کے مقابلے کی نہیں۔'' ابن دقیق العید نے مزید کہا: ''بعض اوقات ان حضرات نے نہایت مکروہ تاویل کی ہے، جیسے ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ ''غسل جمعہ واجب ہے'' کا معنی ہے کہ وہ ساقط ہے، یعنی جمعہ کا غسل ختم ہے (کیونکہ ''وَجَبَ'' کا معنی ''سَقَطَ'' بھی ہے)۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ''ابن دقیق العید نے جس

نہایت مکروہ تاویل کا ذکر کیا ہے وہ ابن دحیہ نے قدوری سے نقل کی ہے کہ انھوں نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں "عَلٰی" کا لفظ "عَنْ" کے معنی میں ہے۔ گویا "وَاجِبٌ عَلٰی كُلِّ مُحْتَلِمٍ" کا معنی "سَاقِطٌ عَنْ كُلِّ مُحْتَلِمٍ" ہے۔ اس میں جو تکلف ہے وہ مخفی نہیں۔" (فتح الباری) حقیقت یہ ہے کہ یہ تاویل نہیں تحریف ہے۔ اس کے بعد حافظ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "بہت سے مصنفین نے وجوب والی احادیث کے مقابلے میں اسی حدیث پر اعتماد کیا ہے۔ اس سے استدلال اس طرح ہے کہ "فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ" سے معلوم ہوا کہ اصل فضیلت وضو اور غسل دونوں میں موجود ہے، مگر غسل افضل ہے۔ معلوم ہوا وضو بھی کافی ہے۔ اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں جن میں سب سے مشہور اور قوی "حسن عن سمرہ" والی ہے جو ابوداؤد (۳۵۴)، ترمذی (۴۹۷)، نسائی (۱۳۸۰)، ابن خزیمہ (۱۷۵۷) اور ابن حبان نے روایت کی ہے۔ اس میں دو علتیں ہیں، ایک یہ کہ یہ حسن کی ان روایات میں سے ہے جو انھوں نے "عن" کے ساتھ بیان کی ہے۔ دوسری یہ کہ اس میں ان سے بیان کرنے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسے ابن ماجہ (۱۰۹۱) نے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے، طبرانی (۶۸۱۷) نے حسن عن سمرہ رضی اللہ عنہ، بزار (۷۹/۱۸، ح: ۱۶) نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابن عدی نے الکامل (۵۴/۷) میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے اور یہ سب ضعیف ہیں۔" (فتح الباری) یہ بھی احتمال ہے کہ سمرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث وجوب کی احادیث سے پہلے کی ہو، اس لیے اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔

فتح الباری میں ہے: "واجب نہ ماننے والے حضرات نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو اس کے بعد والے باب میں آ رہی ہے، جس میں غسل کے وجوب کے ساتھ مسواک اور خوشبو کا ذکر بھی ہے۔ اس سے استدلال اور اس کا درست نہ ہونا وہاں بیان ہو گا۔ ایک دلیل وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ان سے جمعہ کے غسل کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ واجب ہے؟ تو انھوں نے کہا: نہیں، لیکن جو غسل کرے اسے زیادہ طہارت حاصل ہو گی اور جو غسل نہ کرے تو اس پر واجب نہیں ہے اور میں تمھیں بتاتا ہوں کہ غسل کی ابتدا کیسے ہوئی؟ لوگ محنت مشقت کرتے تھے، اُون کا لباس پہنتے تھے اور اپنی پیٹھوں پر سامان ڈھوتے تھے، مسجد ان کی تنگ اور نیچی چھت والی تھی، جب انھیں ایک دوسرے سے (بدبو کی وجہ سے) تکلیف پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! جب یہ دن ہو تو غسل کیا کرو۔" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر اللہ خیر لے آیا، لوگ اُون کے سوا دوسرے کپڑے پہننے لگے، ان کی جگہ اور لوگ کام کرنے لگے اور مسجد وسیع ہو گئی۔ اسے ابوداؤد (۳۵۳) اور طحاوی (۱۱۶/۱، ح: ۷۰۷) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف حدیث ثابت ہے، جیسا کہ عنقریب صحیح بخاری (۸۸۴) میں آئے گی۔ اگر فرض کر لیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت صحیح ہے تو ان کی وہ روایت جو امر کے صیغے کے ساتھ ہے اور وجوب پر دلالت کرتی ہے وہ مرفوع ہے، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، جب کہ وجوب کی نفی ان کا اپنا قول اور استنباط ہے، جس میں نظر ہے، کیونکہ کسی حکم کے وجوب کا سبب ختم ہونے سے ضروری نہیں کہ اس کا وجوب ختم ہو جائے، جیسا کہ اضطباع اور رمل کے وجوب کا سبب مشرکین کو اپنی قوت دکھانا تھا جس کی اب کوئی ضرورت نہیں، مگر ان کا وجوب باقی ہے، ایسے ہی رمیٔ جمار ہے۔ اگر بالفرض یہ قول مان بھی لیں تو جن لوگوں سے

ناگوار بو آ رہی ہو ان پر تو غسل واجب ہی رہے گا۔" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے غسل واجب نہ ماننے والوں کی مزید کچھ دلیلیں ذکر کر کے ان کی کمزوری واضح کی ہے۔ ان پر غور کرنے سے ان کا ضعف ہر شخص کی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ زیادہ تفصیل کا شوق ہو تو فتح الباری کا مطالعہ فرمائیں۔ [فَإِنَّهُ شَفَى وَ كَفَى فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا]

بعض حضرات نے کہا ہے کہ غسل کا وجوب منسوخ ہے۔ حافظ رحمہ اللہ اس پر لکھتے ہیں: "احادیث جمع کریں تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ غسل کے وجوب کا حکم ہمیشہ کے لیے ہے، کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ یہ حکم شروع میں اس وقت ہوا تھا جب لوگ محنت مشقت کرتے تھے، جب کہ ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں جب پہلے کی بہ نسبت فراخی آ چکی تھی، اس کے باوجود دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل کا حکم اور اس کی ترغیب سنی تو اس کے بعد نسخ کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے۔" (فتح الباری) حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح امر سے اور واجب کے لفظ سے یہی بات راجح ہے کہ جمعہ کے دن کا غسل فرض ہے۔ ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ میں نے کبھی جمعہ کا غسل ترک نہیں کیا۔ استاذ مرحوم نے بتایا کہ میں نے بھی جمعہ کا غسل کبھی ترک نہیں کیا۔ بندہ عبدالسلام کہتا ہے کہ اللہ کے فضل سے اپنی کوشش بھی یہی ہے۔ (والحمد للہ)

٣۔ بَابُ الطِّيبِ لِلْجُمُعَةِ

3۔ باب: جمعہ کے لیے خوشبو لگانا

٨٨٠ ۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ، قَالَ : حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ : حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ سُلَيْمٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ : أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ قَالَ : أَشْهَدُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ، وَأَنْ يَسْتَنَّ، وَأَنْ يَمَسَّ طِيبًا إِنْ وَجَدَ »

880۔ عمرو بن سُلیم انصاری نے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں ابو سعید رضی اللہ عنہ پر شہادت دیتا ہوں کہ انھوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شہادت دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ پر واجب ہے اور یہ کہ مسواک کرے اور یہ کہ خوشبو لگائے اگر اسے مل جائے۔"

قَالَ عَمْرٌو : أَمَّا الْغُسْلُ، فَأَشْهَدُ أَنَّهُ وَاجِبٌ، وَأَمَّا الْاِسْتِنَانُ وَالطِّيبُ فَاللّٰهُ أَعْلَمُ، أَوَاجِبٌ هُوَ أَمْ لَا، وَلٰكِنْ هٰكَذَا فِي الْحَدِيثِ . [راجع : ٨٥٨۔ أخرجه مسلم : ٨٤٦ مختصرا، و أخرجه بطوله في الجمعة (٧)]

عمرو (بن سُلیم انصاری) نے کہا: جو غسل ہے اس کے بارے میں تو میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ واجب ہے، رہا مسواک کرنا اور خوشبو لگانا تو اللہ بہتر جانتا ہے واجب ہے یا نہیں، لیکن حدیث میں اسی طرح ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ : هُوَ أَخُو مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ،

ابو عبداللہ (بخاری) نے کہا: وہ (ابو بکر بن منکدر) محمد

وَلَمْ يُسَمَّ أَبُو بَكْرٍ هٰذَا، رَوَاهُ عَنْهُ بُكَيْرُ بْنُ الْأَشَجِّ، وَسَعِيدُ بْنُ أَبِي هِلَالٍ وَعِدَّةٌ، وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ يُكْنَى بِأَبِي بَكْرٍ وَأَبِي عَبْدِ اللّٰهِ.

ابن منکدر کا بھائی ہے اور اس ابو بکر کا اور نام نہیں رکھا گیا۔ اس سے یہ حدیث بکیر بن اشج، سعید بن ہلال اور متعدد راویوں نے بیان کی ہے اور محمد بن منکدر کی کنیت ابو بکر بھی ہے اور ابو عبداللہ بھی۔

فوائد ومسائل: 1 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں خوشبو کا حکم واضح نہیں کیا کہ واجب ہے یا مستحب۔ حدیث کے راوی عمرو بن سُلَیم انصاری نے بھی غسل کے واجب ہونے کی بلا تردد شہادت دی ہے، مگر مسواک اور خوشبو کے وجوب یا عدم وجوب کا علم اللہ کے سپرد کیا ہے، کیونکہ اس حدیث میں غسل کے متعلق واجب کا صریح لفظ آیا ہے، جبکہ اس پر معطوف مسواک اور خوشبو کے متعلق احتمال ہے کہ اس حکم میں شریک ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ شریک نہ ہو۔ پہلے احتمال کی دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں کا عطف " وَاجِبٌ عَلٰی كُلِّ مُحْتَلِمٍ " پر ہے، اس لیے یہ بھی واجب ہیں۔ مسواک اور خوشبو کے ساتھ اچھا لباس پہننا بھی شامل ہے اور ان پانچ چیزوں کے استعمال کا ذکر بھی آئے گا جو فطرت میں شمار ہوتی ہیں۔ مالکی حضرات میں سے ابن حبیب نے اس کی تصریح کی ہے کہ جمعہ کے لیے آنے والے پر یہ سب کچھ لازم ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ مسواک اور خوشبو وجوب کے حکم میں شریک نہ ہوں بلکہ یہ نیا کلام ہو: " وَ أَنْ يَسْتَنَّ وَ يَتَطَيَّبَ اسْتِحْبَابًا " یعنی غسل واجب ہے اور یہ مستحب ہے کہ مسواک کرے اور خوشبو لگائے۔ (فتح الباری)

2 بعض لوگوں نے جمعہ کا غسل واجب نہ ہونے کی دلیل اس حدیث سے لی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس میں غسل کے لیے واجب کا لفظ آیا ہے جب کہ اس پر عطف مسواک اور خوشبو کا ڈالا گیا ہے جو واجب نہیں مستحب ہیں۔ معلوم ہوا کہ غسل بھی مستحب ہے، واجب کا لفظ صرف تاکید کے لیے ہے۔ یہ دلیل دو وجوں سے نہیں بنتی ہے، ایک تو یہ کہ مسواک اور خوشبو کے غیر واجب ہونے پر اتفاق نہیں، بلکہ بعض اہل علم نے ان تینوں کو واجب قرار دیا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے فائدے میں گزرا ہے۔ اس لیے مسواک اور خوشبو کو مستحب قرار دے کر غسل کو غیر واجب قرار دینا درست نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات عطف میں ایسی چیزیں بھی ذکر کر دی جاتی ہیں جن کا حکم معطوف علیہ سے الگ ہوتا ہے اور اس کا علم دوسرے دلائل اور قرائن سے ہوتا ہے، مثلاً رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «كَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ، وَثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ، وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ» [أبو داؤد: ٣٤٢١] "سینگی لگانے والے کی کمائی خبیث ہے اور کتے کی قیمت خبیث ہے اور زانیہ کے زنا کی آمدنی خبیث ہے۔" خبیث حرام کو کہتے ہیں لیکن بعض اوقات یہ لفظ مکروہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ اس حدیث میں زانیہ کے زنا کی آمدنی اور کتے کی قیمت میں خبیث سے مراد حرام ہے، جبکہ سینگی لگانے والے کی کمائی میں خبیث سے مراد مکروہ ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود سینگی لگوا کر لگانے والے کو اجرت دی ہے، اگر حرام ہوتی تو آپ کبھی یہ کام نہ کرتے۔ غرض معطوف علیہ کا حکم اور ہے اور معطوف کا حکم اور ہے۔ اسی طرح جمعہ کے غسل کے ساتھ

مسواک اور خوشبو وغیرہ کو شریک کرنے سے یہ چیزیں واجب نہیں ہوتیں بلکہ ان کی تاکید مراد ہے، جب کہ غسل کے لیے امر کے الفاظ بھی آتے ہیں اور وجوب کے بھی۔ اس لیے ان چیزوں کے عطف سے جمعہ کے غسل کی فرضیت ختم نہیں ہوتی۔

3 ابوبکر بن منکدر اور محمد بن منکدر دونوں بھائی ہیں، پہلے کا تو نام بھی یہی ہے جب کہ دوسرے کا نام محمد ہے، مگر کنیت ان کی بھی ابوبکر ہے، اس کے علاوہ ان کی کنیت ابوعبداللہ بھی ہے۔ اس حدیث کی سند میں ابوبکر بن منکدر ہیں، اس سے مراد پہلے ابوبکر بن منکدر بھی ہو سکتے ہیں اور دوسرے بھی، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے صراحت کر دی کہ اس سند میں پہلے ابوبکر مراد ہیں جن کا الگ نام نہیں، دوسرے مراد نہیں۔

٤ ـ بَابُ فَضْلِ الْجُمُعَةِ

4۔ باب: جمعہ کی فضیلت

٨٨١ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ، ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ» [انظر: ٩٢٩، ٣٢١١۔ أخرجه مسلم: ٨٥٠، كتاب الجمعة (٢٤)]

881۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کرے، پھر (جمعہ کے لیے) جائے تو گویا اس نے ایک موٹا اونٹ قربان کیا اور جو دوسری گھڑی میں جائے تو گویا اس نے ایک بیل قربان کیا اور جو تیسری گھڑی میں جائے تو گویا اس نے ایک سینگوں والا مینڈھا قربان کیا اور جو چوتھی گھڑی میں جائے تو گویا اس نے ایک مرغی قربان کی اور جو پانچویں گھڑی میں جائے تو گویا اس نے ایک انڈا قربان کیا۔ پھر جب امام (خطبہ کے لیے) نکل آئے تو فرشتے حاضر ہو جاتے ہیں، نصیحت کو غور سے سننے لگتے ہیں۔“

فوائد 1 جنابت کی طرح غسل کرنے سے مراد اس جیسا غسل یعنی اہتمام کے ساتھ غسل ہے، کیونکہ غیر شادی شدہ اور کمزور آدمی کے لیے تو یہ ممکن نہیں، اس لیے آدمی جنبی نہ بھی ہو سکے تو اس جیسا غسل کرنے سے یہ اجر مل جائے گا۔ لیکن علماء نے ذکر کیا ہے کہ اگر غسلِ جماع کرے تو افضل ہے، تاکہ راستے میں اور جمعہ کے اجتماع میں اس کی طبیعت منتشر نہ ہو اور نگاہ زیادہ نیچی رہے۔ ان علماء نے اپنی تائید میں وہ حدیث بھی پیش کی ہے جو اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ، ثُمَّ بَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنَا مِنَ الْإِمَامِ فَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ أَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا» [أبو داوٗد : ٣٤٥۔ ترمذي : ٤٩٦، وصححه الألباني] ''جو شخص جمعہ کے دن نہلائے اور خود بھی غسل کرے، پھر سویرے چل پڑے اور جلدی پہنچ جائے اور پیدل جائے اور سوار نہ ہو اور امام کے قریب ہو اور کان لگا کر سنے اور لغو کام نہ کرے، تو اس کے لیے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے عمل کا اجر ہوگا، اس کے روزہ رکھنے کا اور اس کے قیام کا۔'' سنن ترمذی کی روایت میں ہے: ''وکیع نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ خود غسل کرے اور اپنی بیوی کو غسل کروائے۔ اور عبداللہ بن مبارک سے روایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے اس حدیث کے بارے میں کہا کہ اس کا مطلب ہے اپنا سر دھوئے اور غسل کرے۔'' بندہ عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خود بھی غسل کرے اور سارے گھر والوں کو بھی کہہ کر غسل کروائے۔

2 اس حدیث میں مرغی اور انڈے کے لیے بھی قربانی کرنے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اس لیے بعض لوگوں نے اس سے مرغی اور انڈے کی قربانی کا جواز نکالا ہے، مگر یہ درست نہیں، کیونکہ ان کے لیے '' قَرَّبَ '' کا لفظ مشاکلت کی وجہ سے استعمال کیا ہے، یعنی اونٹ، گائے اور مینڈھے کے ساتھ چونکہ '' قَرَّبَ'' کا لفظ بولا تھا اس لیے مرغی اور انڈے کے لیے بھی پہلے تینوں کے لیے استعمال ہونے والا لفظ ہی بول دیا، مگر واضح رہے کہ مرغی اور انڈے سے قربانی ہرگز ادا نہیں ہوگی، کیونکہ قربانی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: « لَا تَذْبَحُوْا إِلَّا مُسِنَّةً » [مسلم : ١٩٦٣] ''دو دانتے کے سوا مت ذبح کرو۔'' اور ظاہر ہے کہ مرغی اور انڈے کے '' مُسِنَّةٌ '' ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مرغی اور انڈا حلال ہے۔

3 یہ فرشتے کراماً کاتبین کے علاوہ ہوتے ہیں، کیونکہ کاتب فرشتے تو اس آدمی کے ساتھ رہتے ہیں جس کے ساتھ وہ مقرر ہوتے ہیں جب کہ یہ فرشتے جمعہ سے پہلے مسجد کے دروازے پر آ جاتے ہیں اور خطیب کے آنے پر دفتر سمیٹ کر ذکر سننے لگتے ہیں۔

4 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خطیب کو خطبے کے وقت ہی آنا چاہیے، الا یہ کہ اس کے لیے مسجد میں کوئی کمرہ ہو اور وہ خطبہ کے لیے وہاں سے نکل کر آئے تو یہ بھی ٹھیک ہے۔

5 ان ساعات سے مراد بعض اہلِ علم نے تو چوبیس گھنٹوں والے گھنٹے مراد لیے ہیں جو جمعہ سے پہلے چھ ہوتے ہیں۔ حدیث میں پانچ ساعات کا ذکر ہے گویا پہلی ساعت جمعہ کی تیاری کے لیے ہے، چنانچہ پانچ گھنٹے پہلے آنے والے کو اونٹ کا اجر ملے گا، مگر اس حدیث کی بعض روایتوں میں بطخ اور چڑیا کا بھی ذکر ہے، اس لیے اس سے گھنٹے مراد لینا مشکل ہے۔ ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی نے کہا کہ امام مالک کے نزدیک ان ساعات سے مراد خطبہ شروع ہونے سے پہلے کچھ لحظات خفیفہ (ہلکے لمحے) ہیں۔ یہ بات کچھ درست معلوم ہوتی ہے۔

٥ ـ بَابٌ

٨٨٢ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَيْنَمَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ، فَقَالَ عُمَرُ: لِمَ تَحْتَبِسُونَ عَنِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: مَا هُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ النِّدَاءَ تَوَضَّأْتُ، فَقَالَ: أَلَمْ تَسْمَعُوا النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِذَا رَاحَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ» [راجع: ٨٧٨۔ أخرجه مسلم: ٨٤٥ باختلاف و بتسمية الرجل عثمان]

5۔ باب (بلاعنوان)

882۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس دوران کہ عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا تو عمر (بن خطاب) رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نماز سے کیوں رکے رہتے ہو؟ اس آدمی نے کہا: اتنا ہی (وقت) ہوا ہے کہ میں نے اذان سنی اور وضو کیا (اور آ گیا)، تو انھوں نے کہا: کیا تم نے نبی ﷺ سے نہیں سنا کہ آپ نے فرمایا ہے: ”جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کو جائے تو غسل کرے۔“

فائدہ یہ پہلے باب ہی کا ذیلی باب ہے جس میں جمعہ کے لیے پہلے آنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اس سے جمعہ کی فضیلت اس طرح ثابت ہو رہی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی معمولی سی تاخیر پر عمر رضی اللہ عنہ نے اتنی باز پرس کی، معمولی فضیلت اور اہمیت والی چیز پر اتنی بڑی شخصیت سے اتنی باز پرس نہیں کی جاتی۔

٦ ـ بَابُ الدُّهْنِ لِلْجُمُعَةِ

٨٨٣ ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنِ ابْنِ وَدِيعَةَ، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ، أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ، إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى» [انظر: ٩١٠]

6۔ باب: جمعہ کے لیے تیل لگانا

883۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو بھی آدمی جمعہ کے دن غسل کرے اور جتنی بھی طہارت کر سکتا ہے کرے اور اپنا خوشبو دار تیل لگائے یا اپنے گھر کی خوشبو میں سے کچھ لگائے، پھر نکلے اور دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے جدا نہ کرے، پھر اس کی قسمت میں جو نماز لکھی ہے پڑھے، پھر جب امام بات کرے تو خاموش رہے تو اس کے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔“

فوائد ومسائل: 1 یہ حدیث دلیل ہے کہ آدمی کو ان تمام کاموں کا اہتمام کرنا چاہیے جن کا نبی ﷺ نے ذکر فرمایا ہے اور وہ ہیں: ① جمعہ کے دن غسل کرنا۔ ② جتنی زیادہ سے زیادہ طہارت ہو سکتی ہے کرے، مثلاً بغلوں، مونچھوں، ناخنوں اور زیر ناف کی صفائی وغیرہ۔ ③ کوئی بھی خوشبو لگانا خواہ گھر والوں کی خوشبو ہو، جس کا رنگ غالب اور خوشبو ہلکی ہو، اگرچہ افضل مردوں والی بہترین خوشبو ہے جو میسر ہو۔ خیال رہے بعض ایسی خوشبوئیں آج کل بازار میں ملتی ہیں جن سے لوگوں کو سر درد ہو جاتا ہے، ان سے اجتناب لازم ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں خوشبو موجود رہنی چاہیے۔ ④ دو آدمیوں کے درمیان جدائی نہ ڈالے، یعنی ان میں گھس کر انھیں الگ الگ نہ کرے، البتہ اگر کہیں دو آدمیوں کے درمیان میں خالی جگہ ہے تو بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر اگلی صفیں خالی ہیں اور لوگ پیچھے صف بنائے بیٹھے ہیں تو ان کی گردنیں پھلانگنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ انھوں نے نبی ﷺ کی نافرمانی کر کے اپنا احترام خود ختم کیا ہے۔ آپ ﷺ کا حکم ہے: «أَتِمُّوا الصَّفَّ الْأَوَّلَ ثُمَّ الَّذِي يَلِيهِ، وَإِنْ كَانَ نَقْصٌ فَلْيَكُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ» [نسائي: ۸۱۸] ”پہلی صف پوری کرو، پھر جو اس کے پیچھے ہے، اگر کمی ہو تو آخری صف میں ہونی چاہیے۔“ ⑤ لغو سے اجتناب کرنا۔ ⑥ بقدر مقدر نماز پڑھنا۔ ⑦ خاموشی سے خطبہ سننا۔

2 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ سے پہلے کوئی مقرر سنت راتب نہیں، آدمی کی مرضی پر منحصر ہے کہ جتنی چاہے نماز پڑھے، البتہ اگر مسجد میں آیا ہے تو دو رکعتیں تحیۃ المسجد ضرور پڑھے، بغیر پڑھے نہ بیٹھے۔

۸۸٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ طَاوُسٌ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: ذَكَرُوا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «اغْتَسِلُوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْسِلُوا رُؤُسَكُمْ، وَإِنْ لَمْ تَكُونُوا جُنُبًا وَأَصِيبُوا مِنَ الطِّيبِ»

884۔ طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ”جمعہ کے دن غسل کرو اور اپنے سر دھوؤ، خواہ تم جنبی نہ ہو اور کچھ خوشبو بھی لگاؤ۔“

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَمَّا الْغُسْلُ فَنَعَمْ، وَأَمَّا الطِّيبُ فَلَا أَدْرِي. [انظر: ۸۸۵ - أخرجه مسلم: ۸٤۸ مختصرًا وبلفظ مختلف]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: غسل کی بات تو ٹھیک ہے، رہی خوشبو تو وہ میں نہیں جانتا۔

۸۸٥ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَيْسَرَةَ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

885۔ طاؤس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ انھوں نے جمعہ کے دن غسل کے بارے میں نبی ﷺ کا فرمان ذکر کیا تو میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا کسی طرح کی

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا : أَنَّهُ ذَكَرَ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ : أَيَمَسُّ طِيبًا أَوْ دُهْنًا إِنْ كَانَ عِنْدَ أَهْلِهِ ؟ فَقَالَ : لَا أَعْلَمُهُ .

[راجع : ٨٨٤- أخرجه مسلم : ٨٤٨]

خوشبو لگائے یا کوئی تیل اگر اسے اپنے گھر والوں کے پاس مل جائے؟ تو انھوں نے کہا: یہ میں نہیں جانتا۔

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کی تاکید خوشبو وغیرہ سے زیادہ ہے اور اگرچہ ایک ہی حدیث (۸۸۰) میں غسل، مسواک اور خوشبو کا ذکر ہوا ہے، مگر اس کے باوجود اس کے راوی عمرو بن سُلیم نے غسل کے واجب ہونے کی شہادت دی، مگر مسواک اور خوشبو کے متعلق اللہ اعلم کہہ دیا۔ زیر شرح حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ایسے ہی کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب معطوفات کا ہر لحاظ سے ایک حکم ہونا ضروری نہیں۔ اس کی ایک مثال یہ آیت ہے: ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ [النحل : ٨] ''اور گھوڑے اور خچر اور گدھے، تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے لیے۔'' اس میں عطف کے باوجود گھوڑے حلال ہیں اور خچر اور گدھے حرام۔

٧ - بَابٌ : يَلْبَسُ أَحْسَنَ مَا يَجِدُ

7۔ باب: سب سے اچھا لباس جو میسر ہو پہنے

٨٨٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ : أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَأَى حُلَّةً سِيَرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! لَوِ اشْتَرَيْتَ هَذِهِ، فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوَفْدِ إِذَا قَدِمُوا عَلَيْكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « إِنَّمَا يَلْبَسُ هَذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ » ثُمَّ جَاءَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مِنْهَا حُلَلٌ، فَأَعْطَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْهَا حُلَّةً، فَقَالَ عُمَرُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! كَسَوْتَنِيهَا وَقَدْ قُلْتَ فِي حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « إِنِّي لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا » فَكَسَاهَا عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَخًا لَهُ بِمَكَّةَ مُشْرِكًا .

886۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دروازے کے پاس ایک دھاری دار (ریشمی) جوڑا (بکتا ہوا) دیکھا تو کہا: یا رسول اللہ! کاش، آپ اسے خرید لیں اور جمعہ کے دن اور جب آپ کے پاس وفد آئیں آپ اسے پہن لیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے تو وہی پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔'' پھر ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کے پاس اس قسم کے کئی جوڑے آئے تو آپ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ان میں سے ایک جوڑا دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے مجھے یہ جوڑا عطا کیا ہے، حالانکہ آپ نے عطارد والے جوڑے کے متعلق فرمایا تھا جو فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے یہ تمھیں اس لیے نہیں دیا کہ تم خود اسے

[انظر : ۹٤۸، ۲۱۰٤، ۲٦۱۲، ۲٦۱۹، ۳۰٥٤، ٥۸٤۱، ٥۹۸۱، ٦۰۸۱۔ أخرجه مسلم : ۲۰٦۸]

پہنو۔" تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا مکہ میں اپنے ایک مشرک بھائی کو دے دیا۔

فوائد و مسائل: 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن اپنا بہترین لباس پہننا چاہیے، کیونکہ جمعہ کا دن ہفت روزہ عید کا دن ہے۔ ایسے ہی سالانہ دونوں عیدوں پر بھی اچھے سے اچھا لباس پہننا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال سے محبت رکھتا ہے۔ [دیکھیے مسلم : ۱٤۷/۹۱] اور بننے سنورنے کا سب سے مناسب دن عید کا دن ہے۔ (ابن عثیمین)

2 یہ حدیث دلیل ہے کہ مسجد کے دروازے کے پاس خرید و فروخت جائز ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہونے کی وجہ سے ایک طرح مسنون ہے۔ اس لیے مساجد کے دروازوں کے پاس کپڑے، مسواکیں اور پھل وغیرہ بیچنے والے مسنون عمل کرتے ہیں، یا کم از کم ایک جائز کام کرتے ہیں۔

3 اس میں عمر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے محبت اور ان کے ساتھ آپ کا حسنِ ادب بھی ظاہر ہے کہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر اچھی چیز جو نظر آئے وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہونی چاہیے اور ادب یہ ہے کہ یہ نہیں کہا کہ آپ اسے خرید یں، بلکہ "کاش" کے لفظ کے ساتھ اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ یہ درخواست ہے حکم نہیں۔ اپنے بڑوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے یہی انداز اپنانا چاہیے۔

4 اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن اور وفود کی آمد پر اچھے سے اچھا لباس جو میسر ہو پہنتے ہیں، اس لیے عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے وہ حلّہ خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس سے باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت بھی ثابت ہوئی۔

5 "حُلّہ" دو چادروں کو کہتے ہیں، ایک ازار اور دوسری رداء۔ "سِيَرَاءُ" "سَيْرٌ" سے بنا ہے: پٹی، "سِيَرَاءُ" دھاری دار۔ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ وہ حلّہ ریشمی تھا، ورنہ ضروری نہیں کہ ہر دھاری دار حلّہ ریشمی ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مردوں کو ریشم پہننا حرام ہے۔

6 "عطارد" اس آدمی کا نام تھا جو وہ حلّہ فروخت کر رہا تھا۔

7 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کو اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیا کرتے تھے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھ لیا۔

8 مسلمان کو وہ چیزیں دی جا سکتی ہیں جو مسلمان مرد کے لیے منع ہیں، آگے وہ چاہے تو انھیں اپنی عورتوں کو دے دے جن کے لیے وہ جائز ہیں یا اپنے کسی غیر مسلم رشتہ دار کو دے دے، کیونکہ وہ غیر مسلم اسلام کو مانتا ہی نہیں، نہ اس کے حرام کردہ کو حرام سمجھتا ہے۔ جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک مشرک بھائی کو وہ ریشمی حلّہ دے دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رشتے دار کافر بھی ہوں تو ان سے صلہ رحمی اور حسنِ سلوک رکھنا چاہیے۔

9 عمر ؓ کے اس بھائی کا نام عثمان بن حکیم تھا، یہ ماں کی طرف سے عمر ؓ کا بھائی تھا۔ بعض کہتے ہیں رضاعی بھائی تھا۔ اس کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔ (فتح الباری)

10 حدیث کے یہ الفاظ اشکال پیدا کر سکتے ہیں کہ عمر بن خطاب ؓ نے کہا: «كَسَوْتَنِيهَا» ''آپ نے مجھے پہننے کو دیا۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا: «لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا» ''میں نے تمھیں پہننے کو اس لیے نہیں دیا کہ تو پہنے۔'' بظاہر اس میں تعارض ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ ''كَسَوْتَ'' اور ''أَلْبَسْتَ'' میں فرق ہے، وہ یہ ہے کہ ''كَسَا يَكْسُو'' سے مراد پہننے کی چیز بطور ملکیت دے دینا ہے اور ''أَلْبَسَ يُلْبِسُ'' کا معنی ہوتا ہے کسی کو کپڑا پہنا دینا۔ اس میں تملیک کا مفہوم نہیں ہوتا۔ [كذا قال الشيخ الجوندلوي رحمه الله]

٨ ـ بَابُ السِّوَاكِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

8۔ باب: جمعہ کے دن مسواک کرنا

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «يَسْتَنُّ» [راجع: ٨٨٠]

اور ابو سعید ؓ نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ''مسواک کرے۔''

فائدہ: یہ تعلیق باسند حدیث (٨٨٠) پر گزر چکی ہے۔

٨٨٧ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي - أَوْ عَلَى النَّاسِ - لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ» [انظر: ٧٢٤٠ـ أخرجه مسلم: ٢٥٢]

887۔ ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ نہ ہو کہ میں اپنی امت پر یا لوگوں پر مشقت ڈالوں گا تو میں انھیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دے دیتا۔''

٨٨٨ ـ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ الْحَبْحَابِ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ»

888۔ انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھیں مسواک کے متعلق بہت کہا ہے۔''

٨٨٩ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ وَحُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ

889۔ حذیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ جب رات کو اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے

حُذَيْفَةَ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ . [راجع : ٢٤٥۔ أخرجه مسلم : ٢٥٥، ٢٥٢]

رگڑتے۔

فوائد 1 جمعہ کے لیے طہارت و نظافت اور بن سنور کر جانے کی بہت تاکید کی گئی ہے، یہ جسم اور منہ کے بیرونی حصے کی صفائی ہے۔ اس کے ساتھ منہ کے اندرونی حصے اور دانتوں کی صفائی کی بھی بہت تاکید فرمائی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ دیا، اس پر بحث گزر چکی ہے۔ اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے۔ اس سے استدلال اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے امت پر مشقت کے خوف سے ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم نہیں دیا، اگر حکم دے دیتے تو یہ فرض ہو جاتا۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ چونکہ آپ نے حکم نہیں دیا اس لیے مسواک فرض نہیں مستحب ہے۔ حالانکہ یہ مطلب درست نہیں، اس میں یہ نہیں کہ آپ نے مسواک کا حکم نہیں دیا، بلکہ یہ ہے کہ آپ نے امت پر مشقت کے خوف سے ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم نہیں دیا۔ اب ہر نماز کے ساتھ مسواک فرض نہیں۔ اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ مسواک سرے سے فرض ہی نہیں، بلکہ یہ بات نکل رہی ہے کہ مسواک فی نفسہٖ فرض ہے مگر ہر نماز کے ساتھ نہیں۔ جمعہ بھی نمازوں میں سے ایک نماز ہے اور افضل نماز ہے۔ اس کے علاوہ سات دن کے بعد مسواک میں کوئی مشقت بھی نہیں، اس لیے جمعہ کے دن مسواک ضرور کرنی چاہیے۔ دوسری نمازوں کے لیے بھی مسواک کی تاکید ہے، البتہ ہر نماز کے لیے مسواک فرض نہیں مستحب ہے۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، الا یہ کہ کوئی قرینہ موجود ہو کہ یہاں امر وجوب کے لیے نہیں، بلکہ استحباب یا بیانِ جواز کے لیے ہے۔

3 اس سے اگلی حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمھیں مسواک کے لیے بہت کہا ہے۔ اس بہت کہنے میں جمعہ کے لیے مسواک سب سے اہم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم سے بدبو دور کرنے کی تاکید اس لیے ہے کہ لوگوں اور فرشتوں کو تکلیف نہ ہو۔ منہ کی صفائی کی تاکید اس لیے بھی زیادہ ہے کیونکہ اس کی بو سے آدمیوں اور فرشتوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے، حالانکہ جب منہ سے قرآن اور دعا و ذکر نکلتے ہیں تو فرشتے اس کے قریب سے قریب ہونا چاہتے ہیں، ظاہر ہے اگر منہ سے بدبو آئے گی تو فرشتوں کو شدید تکلیف ہوگی۔ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: « إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا تَسَوَّكَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ قَامَ الْمَلَكُ خَلْفَهُ، فَتَسَمَّعَ لِقِرَاءَتِهِ فَيَدْنُوْ مِنْهُ ـ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا ـ حَتّٰى يَضَعَ فَاهُ عَلٰى فِيْهِ فَمَا يَخْرُجُ مِنْ فِيْهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ، إِلَّا صَارَ فِي جَوْفِ الْمَلَكِ، فَطَهِّرُوْا أَفْوَاهَكُمْ لِلْقُرْآنِ » [مسند البزار، باب العبد إذا تسوك ...... : ٢١٤/٢، ح : ٦٠٣۔ سلسلة الأحاديث الصحيحة : ١٢١٣] ”بندہ جب مسواک کرتا ہے، پھر کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے تو فرشتہ اس کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کی قراءت کو پوری توجہ سے سننے لگتا ہے، پھر اس سے قریب ہو جاتا ہے ـ یا اس جیسی کوئی بات کہی ـ یہاں تک کہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ دیتا ہے اور اس سے قرآن کا

جو بھی لفظ نکلتا ہے وہ فرشتے کے پیٹ میں چلا جاتا ہے، اس لیے اپنے منہ قرآن کے لیے پاک رکھو۔"
4 اگلی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ جب رات کو اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے رگڑتے، حالانکہ رات کا وقت ایسا نہیں کہ لوگوں سے میل ملاقات ہو تو جب رات کو نفل نماز کے لیے مسواک کا اتنا اہتمام ہے تو فرض نمازوں میں تو اس کا اہتمام زیادہ ہونا چاہیے، پھر جمعہ کے لیے، جو مسلمانوں کی عید ہے، اس کے مزید اہتمام کا اندازہ خود بخود ہو جاتا ہے۔

٩ ـ بَابُ مَنْ تَسَوَّكَ بِسِوَاكِ غَيْرِهِ

9۔ باب: جو کسی اور کی مسواک استعمال کرے

٨٩٠ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ ابْنُ بِلَالٍ، قَالَ: قَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَهُ سِوَاكٌ يَسْتَنُّ بِهِ، فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ: أَعْطِنِي هٰذَا السِّوَاكَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ! فَأَعْطَانِيهِ، فَقَصَمْتُهُ، ثُمَّ مَضَغْتُهُ فَأَعْطَيْتُهُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَاسْتَنَّ بِهِ، وَهُوَ مُسْتَسْنِدٌ إِلَى صَدْرِي. [انظر: ١٣٨٩، ٣١٠٠، ٣٧٧٤، ٤٤٣٨، ٤٤٤٦، ٤٤٤٩، ٤٤٥٠، ٤٤٥١، ٥٢١٧، ٦٥١٠ـ أخرجه مسلم: ٢٤٤٣ بقطعة لم ترد هنا]

890۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر ؓ آئے، ان کے پاس مسواک تھی جو وہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا تو میں نے ان سے کہا: عبدالرحمٰن! یہ مسواک مجھے دو۔ انھوں نے وہ مجھے دے دی، میں نے اسے توڑا، پھر چبایا اور رسول اللہ ﷺ کو دے دی۔ آپ نے اسے استعمال کیا اور آپ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

فوائد تخریج 1 باب کے الفاظ ہیں: "جو کسی اور کی مسواک استعمال کرے" مطلب یہ ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ حدیث سے معلوم ہوا کہ جائز ہے۔ یہاں یہ مسواک ایک لحاظ سے عبدالرحمٰن ؓ کی ہے، مگر ام المومنین ؓ نے اسے توڑ کر نئے سرے سے چبا کر رسول اللہ ﷺ کو دی ہے، تو گویا آپ ﷺ نے عائشہ ؓ کی مسواک استعمال کی ہے۔ اس سے باب میں مذکور مسئلہ ثابت ہو رہا ہے۔
2 بخاری نے یہاں یہ حدیث مختصر بیان کی ہے، مفصل حدیث میں ہے کہ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے قریب کا ہے جب عبدالرحمٰن ؓ آئے تو نبی ﷺ نے ان پر نگاہ لگا دی اور مسواک دیکھنے لگے، لیکن بول نہیں سکے۔ عائشہ ؓ نے کہا: میں پہچان گئی کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، ظاہر ہے وہ سب سے زیادہ آپ کے ساتھ رہنے والی اور آپ کی مزاج شناس تھیں۔ میں نے کہا: میں آپ کے لیے مسواک لوں؟ آپ نے سر کے اشارے سے ہاں کہا، میں نے اسے پکڑا، توڑا اور چبا

کر نرم کیا، پھر آپ کو دے دی۔ اس کے بعد حدیث کے الفاظ ہیں: «فَاسْتَنَّ بِهِ، فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَنَّ اسْتِنَانًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ» یعنی نبی ﷺ نے اس کے ساتھ اس طرح مسواک کی کہ اس سے بہتر مسواک کرتے ہوئے میں نے آپ کو نہیں دیکھا، تاکہ آپ دنیا سے رخصت ہوں تو آپ کا منہ پاک صاف ہو۔ یہ مفصل حدیث صحیح بخاری (۴۴۳۸) میں ہے۔

3 ظاہر ہے جب عائشہ ؓ نے اسے چبایا تو یقیناً وہ ان کے لعاب دہن ہی سے تر اور نرم ہوئی۔ اس طرح دنیا میں آپ کے منہ میں سب سے آخر میں داخل ہونے والی چیز ام المومنین عائشہ ؓ کا لعاب دہن تھا۔ پھر آپ ان کے گھر میں فوت ہوئے، اس حال میں کہ آپ ان کی گود میں ان کے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ ان سب باتوں سے اس عزت و کرامت کا اظہار ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائی اور یہ بھی کہ بشری تقاضوں سے ان سے جو خطائیں ہوئیں ان کے فضائل وحسنات کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرما دیا ہے۔ ہم انھیں معصوم نہیں سمجھتے، بلکہ دوسرے صحابہ کی طرح وہ اجتہاد کرتی تھیں، ان کی سوچ درست بھی ہوتی تھی، جس میں ان کے لیے دو اجر ہوتے تھے اور کبھی خطا بھی ہو جاتی تھی جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ایک اجر سے محروم نہیں رہتی تھیں۔ اب رسول اللہ ﷺ کی سب سے محبوب ہستی کے ساتھ بغض و عداوت رکھنے والے سوچ لیں کہ جو رسول اللہ ﷺ کے حبیب کا دشمن ہو وہ آپ کا دوست کیسے ہو سکتا ہے؟ (ابن عثیمین)

4 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قریب الموت آدمی کی یادداشت باقی ہو تو اسے مسواک کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے آخر وقت میں اس کی خواہش کا اظہار کیا اور مانگ کر اسے استعمال کیا۔ اس حدیث سے مسواک کی تاکید بھی نکلتی ہے کہ بیماری کے اس قدر زور کے باوجود نبی ﷺ نے اس میں کوتاہی نہیں کی۔ (فتح الباری)

١٠ - بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ؟

٨٩١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ هُوَ ابْنُ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ ﴿الٓمٓ ۝ تَنْزِيْلُ﴾ [السجدة ١، ٢] وَ ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ [الدهر] [انظر: ١٠٦٨ - أخرجه مسلم: ٨٨٠]

10۔ باب: جمعہ کے دن فجر کی نماز میں کیا پڑھا جائے؟

891۔ ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ جمعہ کو فجر کی نماز میں ﴿الٓمٓ ۝ تَنْزِيْلُ﴾ اور ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ پڑھا کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: 1 حدیث کے الفاظ سے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں ہمیشہ یا اکثر سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، کیونکہ " كَانَ يَفْعَلُ " کا صیغہ استمرار کے لیے ہوتا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں " يُدِيمُ ذٰلِكَ " کے صریح الفاظ ہیں، یعنی آپ ہمیشہ ایسا کرتے تھے۔ [المعجم الصغیر للطبرانی: ۹۸۶] اس سے ان سورتوں کے پڑھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ وجوب کے لیے امر ضروری ہے، اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز ان سورتوں کے بغیر ہوتی ہی نہیں۔

2 بعض لوگوں نے جمعہ کے دن ان سورتوں کا پڑھنا مکروہ قرار دیا ہے، پھر اس کے لیے مختلف بہانے بنائے ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے سجدے میں ملنے والے الجھن میں پڑ جائیں گے کہ یہ پہلی رکعت ہے یا دوسری۔ ایک یہ کہ لوگ ان سورتوں کا پڑھنا ضروری سمجھ لیں گے وغیرہ۔ ان بہانوں کا جواب یہ ہے کہ یہ سب احتمالات نبی ﷺ کے زمانے میں بھی موجود تھے، ان کے باوجود آپ نے ان سورتوں پر دوام کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ اہل مدینہ نے یہ عمل ترک کر دیا تھا، مگر یہ بات درست نہیں، حافظ رحمہ اللہ نے متعدد اہلِ مدینہ کا ذکر کیا ہے جو اس کا اہتمام کرتے تھے۔ بالفرض ایسا ہو بھی تو وقت گزرنے کے ساتھ مدینہ میں بھی بعض کاموں میں سستی شروع ہوگئی تھی، جیسا کہ نماز کی تکبیرات کو اونچی آواز سے کہنا چھوڑ دیا گیا تھا۔

3 جمعہ کی فجر میں ان سورتوں کی ہمیشگی سے اس دن کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے جو پچھلے ابواب سے لے کر بیان ہو رہی ہے۔

١١ ـ بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرَى وَالْمُدُنِ

11۔ باب: بستیوں اور شہروں میں جمعہ ادا کرنا

فائدہ: بعض لوگوں نے جمعہ کے لیے اپنے پاس سے متعدد شرطیں لگائی ہیں کہ وہ موجود ہوں تو جمعہ ہو سکتا ہے ورنہ جائز نہیں، مثلاً یہ کہ جگہ ایسی ہونی چاہیے، امام ایسا ہونا چاہیے، حاضرین کی تعداد اتنی ہونی چاہیے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جمعہ کے لیے شہر شرط ہے، بستیوں اور بادیہ میں جمعہ جائز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسی خود ساختہ شرطوں کا رد کرنے کے لیے یہ باب قائم کیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ وہ تمام شرطیں جو قرآن یا حدیث میں مذکور نہیں ہیں سب باطل ہیں۔ جمعہ دوسری نمازوں کی طرح ہے، صرف جماعت شرط ہے، یعنی امام کے سوا ایک آدمی اور ہو۔ نماز سے پہلے دو خطبے سنت ہیں، باقی کوئی شرط نہیں، دارالحرب اور کفار کے ملک میں بھی جمعہ درست ہے۔

٨٩٢ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ الضُّبَعِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أَوَّلَ جُمُعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمُعَةٍ فِي مَسْجِدِ

892۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جمعہ کے بعد سب سے پہلا جمعہ جو ادا کیا گیا وہ عبدالقیس کی مسجد میں تھا جو جواثی میں تھی جو بحرین میں ہے۔

رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي مَسْجِدِ عَبْدِ الْقَيْسِ بِجُوَاثَى مِنَ الْبَحْرَيْنِ . [انظر : ۴۳۷۱]

فوائد: 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ جمعہ صرف مدینہ (شہر) میں جائز ہے، قریہ (بستی) میں جائز نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں جو جمعہ پڑھایا اس کے بعد سب سے پہلا جمعہ بنو عبدالقیس کی بستی (جواثیٰ) میں تھا۔ ظاہر ہے وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے، اگر بالفرض انھوں نے اجازت کے بغیر ایسا کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس سے منع فرما دیتے، کیونکہ نبی ﷺ کی زندگی میں اگر کوئی غلط کام ہو رہا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس سے منع فرما دیتے تھے۔ اس لیے آپ کے منع نہ فرمانے سے یہ عمل شریعت بن گیا، جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: «كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ» [بخاري : ۵۲۰۸] ''ہم عزل کرتے تھے جب کہ قرآن اتر رہا تھا۔'' جو لوگ بستیوں میں جمعہ جائز نہیں سمجھتے ان کا کہنا ہے کہ ابن التین نے ابوالحسن اللخمی سے بیان کیا ہے کہ ''جواثی شہر تھا'' اور جوہری، زمخشری اور ابن الاثیر نے بیان کیا ہے کہ جواثی بحرین میں ایک قلعہ کا نام ہے، اس لیے وہ قریہ نہیں مدینہ تھا۔ مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جواثی نبی ﷺ کے زمانے میں شہر بن چکا تھا۔ خصوصاً اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہی حدیث ''کتاب المغازی، باب وفد عبدالقیس (۴۳۷۱)'' میں آئی ہے، اس میں '' قَرْيَةٌ مِنَ الْبَحْرَيْنِ '' کے صاف الفاظ ہیں۔ اس لیے نبی ﷺ کے زمانے میں وہ علاقہ قریہ ہی تھا، مدینہ نہیں تھا۔ اگر بعد میں وہ شہر بن گیا ہو یا وہاں قلعہ تعمیر کر لیا گیا ہو تو کچھ بعید نہیں، تمام شہر اسی طرح پہلے چھوٹے ہوتے ہیں، پھر شہر بن جاتے ہیں۔

2 یہاں ایک سوال یہ ہے کہ مدینہ اور قریہ کا فرق کیا ہے، بعض اقوال میں جو کہا گیا ہے کہ مصر جامع کے بغیر جمعہ نہیں ہوتا تو وہ مصر جامع کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ کسی دلیل سے قریہ، مدینہ اور مصر جامع کی جامع مانع حد بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس کی بنیاد محض عرف پر ہے کہ لوگوں میں جو بستی مشہور ہو وہ بستی ہے اور جو شہر مشہور ہو وہ شہر ہے۔ آج کل پاکستان کے کئی دیہات میں کئی لاکھ کی آبادی ہے مگر وہ دیہات ہیں۔ دیہات میں جمعہ سے روکنے والے بعض لوگوں نے کہا کہ پانچ ہزار کی آبادی ہو تو شہر ہے ورنہ بستی۔ بعض نے کہا کہ اس کی 30x30 ہاتھ کی مسجد میں سب لوگ نہ آ سکیں تو شہر ہے۔ بعض نے کہا: جہاں حدود نافذ کرنے والا حاکم ہو، مثلاً تھانیدار، تو وہ شہر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ حافظ ابن حزم کے کہنے کے مطابق اس وقت مدینہ بھی ایک قریہ (بستی) تھی۔ قرآن مجید میں مکہ کو بھی قریہ کہا گیا ہے۔ (دیکھیے سورۂ محمد: ۱۳) اس کے علاوہ بڑی بڑی سرکش اقوام کے شہروں کو قریہ کہا گیا ہے۔ تقریباً (۲۳) آیات میں مذکور شہروں پر قریہ ہی کا لفظ بولا گیا ہے۔ ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی نے کہا: ان سب پر قریہ کا لفظ ان کی بے بسی واضح کرنے کے لیے بولا گیا ہے۔ اس لیے مدینہ اور قریہ کے یہ فرق جو اوپر بیان ہوئے ہیں کوئی مضبوط بنیاد نہیں رکھتے۔ جمعہ ہر جگہ فرض ہے، جہاں وہ لوگ رہتے ہوں جنھیں اللہ تعالیٰ نے '' يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا '' کے ساتھ مخاطب فرمایا ہے۔

3 عام طور پر شہروں کے سوا جمعہ جائز نہ ہونے کی دلیل کے طور پر علی رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ حدیث پیش کی جاتی ہے: «لَا

جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ » ''جمعہ اور عید قربان جامع شہر کے سوا نہیں ہے۔'' مگر یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ شیخ ناصر الدین البانی نے ''سلسلہ ضعیفہ (۹۱۷)'' میں لکھا ہے: '' لَا أَصْلَ لَهُ مَرْفُوعًا '' ''یعنی رسول اللہ ﷺ سے اس کی کوئی اصل نہیں۔ البتہ مصنف ابن ابی شیبہ (۴۳۹/۱، ح: ۵۰۶۴) اور بیہقی (۲۵۴/۳، ح: ۵۶۱۵) وغیرہ میں یہ اثر موقوفاً مروی ہے، یعنی علی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس موقوف کی سند کو صحیح کہا ہے اور لکھا ہے: ''ابن حزم نے المحلی (۲۵۶/۳) میں اسے صحیح کہا ہے۔ طحاوی کے کلام کا تقاضا بھی یہی ہے، مگر انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہی، کیونکہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جا سکتی بلکہ رسول اللہ ﷺ کے بتانے ہی سے کہی جا سکتی ہے۔ مگر اس میں واضح نظر ہے، کیونکہ دل شہادت دے رہا ہے کہ یہ بات رائے اور اجتہاد سے کہی جا رہی ہے، اس لیے مسئلے میں اختلاف ہو گیا۔ ادھر عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔'' مزید تفصیل اگلی حدیث کی شرح میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

٨٩٣ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: « كُلُّكُمْ رَاعٍ » وَزَادَ اللَّيْثُ: قَالَ يُونُسُ: كَتَبَ رُزَيْقُ بْنُ حُكَيْمٍ إِلَى ابْنِ شِهَابٍ وَأَنَا مَعَهُ يَوْمَئِذٍ بِوَادِي الْقُرَى: هَلْ تَرَى أَنْ أُجَمِّعَ؟ وَرُزَيْقٌ عَامِلٌ عَلَى أَرْضٍ يَعْمَلُهَا وَفِيهَا جَمَاعَةٌ مِنَ السُّودَانِ وَغَيْرِهِمْ، وَرُزَيْقٌ يَوْمَئِذٍ عَلَى أَيْلَةَ، فَكَتَبَ ابْنُ شِهَابٍ، وَأَنَا أَسْمَعُ يَأْمُرُهُ أَنْ يُجَمِّعَ، يُخْبِرُهُ أَنَّ سَالِمًا حَدَّثَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: « كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ

893۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''تم سب نگران ہو۔'' اور لیث نے (اپنی روایت میں) یہ بات زیادہ بیان کی کہ یونس نے کہا: رُزیق ابن حکیم نے ابن شہاب (زہری) کی طرف خط لکھا اور میں ان دنوں وادی القریٰ میں ان کے ساتھ تھا: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں جمعہ پڑھاؤں؟ اور رُزیق ایک زمین کے عامل تھے جس میں سوڈانیوں اور دوسرے لوگوں کی ایک جماعت بھی تھی اور ان دنوں رُزیق ایلہ پر حاکم تھے۔ تو ابن شہاب نے لکھا اور میں (یونس) سن رہا تھا، وہ انھیں حکم دے رہے تھے کہ وہ جمعہ پڑھائیں۔ (اور) انھیں بتا رہے تھے کہ انھیں سالم نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''تم سب نگران ہو اور تم سب اپنی رعیت کے بارے میں پوچھے جانے والے ہو۔ چنانچہ امام نگران ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جانے والا ہے اور ہر مرد اپنے گھر والوں پر نگران ہے اور وہ

وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ » قَالَ : وَحَسِبْتُ أَنْ قَدْ قَالَ : « وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي مَالِ أَبِيهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ » [انظر : ٢٤٠٩، ٢٥٥٤، ٢٥٥٨، ٢٧٥١، ٥١٨٨، ٥٢٠٠، ٧١٣٨، وانظر في الجنائز، باب : ٣٢۔ أخرجه مسلم : ١٨٢٩]

اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جانے والا ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر میں نگران ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں پوچھی جانے والی ہے اور خادم اپنے سید کے مال میں نگران ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جانے والا ہے۔“ (ابن عمر رضی اللہ عنہما نے) کہا: اور میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ”اور آدمی اپنے باپ کے مال میں نگران ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جانے والا ہے اور تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جانے والا ہے۔“

فائدہ " أَيْلَه " مدینہ اور مصر کے درمیان شام کے راستے میں بحر قلزم کے ساحل پر ایک مشہور شہر تھا۔ رُزیق بن حکیم امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف سے اس کے امیر مقرر تھے۔ ظاہر یہ ہے کہ رُزیق سوڈانیوں اور دوسرے لوگوں کے ہمراہ جو زمین کاشت کرتے تھے وہ ایلہ کا ذیلی علاقہ تھا۔ رُزیق نے امام زہری سے اس زرعی علاقے میں جمعہ کے متعلق پوچھا، ایلہ میں جمعہ کے متعلق نہیں پوچھا، کیونکہ وہ ایک بڑا شہر تھا جہاں قلعہ بھی موجود تھا، اگرچہ اب وہ ویران ہو چکا ہے اور اس کے کچھ آثار باقی ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ نے ان کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے انھیں لکھا کہ تم جہاں موجود ہو جمعہ پڑھو۔ استدلال یہ ہے کہ جو شخص امیر ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ اپنے ماتحت علاقے میں شرعی احکام جاری کرے، جن میں سب سے اہم نماز ہے اور جمعہ نہایت اہم نماز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا زہری کا فتویٰ نقل کرنے کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ خیر القرون میں جمعہ فی القریٰ کا فتویٰ موجود ہے جس کی بنیاد مرفوع حدیث پر ہے۔ جو لوگ دیہات میں جمعہ سے منع کرتے ہیں ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ البتہ وہ علی رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرتے ہیں جو اس سے پچھلی حدیث میں گزر چکا ہے۔ اگرچہ وہ سنداً صحیح ہے مگر وہ ایک سیاسی حکم بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بے شمار فتنے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ خصوصاً خوارج نے ہر جگہ ان کے خلاف آگ لگا رکھی تھی۔ عین ممکن ہے کہ ان کی دعوت کو کنٹرول کرنے کے لیے انھوں نے بڑے شہروں میں جمعہ کے علاوہ دوسری جگہوں میں جمعہ پر پابندی لگا دی ہو، تاکہ فتنہ پرور لوگ جمعہ کے بہانے فتنہ نہ پھیلا سکیں۔ صرف بڑے شہروں میں جمعہ کے اجتماع پر حکومت آسانی سے کنٹرول کر سکتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا شرعی موقف ہی یہ تھا تو امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حکم اس کے بالکل برعکس ثابت ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں " بَابُ مَنْ كَانَ يَرَى الْجُمُعَةَ فِي الْقُرَى وَغَيْرِهَا " میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا جس میں انھوں نے

جمعہ کے متعلق سوال کیا تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا: « جَمِّعُوْا حَيْثُ كُنْتُمْ » ''تم جہاں بھی ہو جمعہ پڑھو۔'' [مصنف ابن أبي شيبة : ٥٠٦٨] فتح الباری میں ہے کہ بیہقی (۱۷۸/۳) نے ولید بن مسلم کے طریق سے روایت کی ہے کہ میں نے لیث بن سعد سے پوچھا تو انھوں نے کہا: ہر شہر یا گاؤں جس میں جماعت ہو انھیں جمعہ کا حکم ہے، کیونکہ مصر اور اس کے سواحل والے لوگ عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ان دونوں کے حکم سے جمعہ ادا کرتے تھے جب کہ ان میں کئی صحابہ بھی موجود تھے۔ اور مصنف عبدالرزاق (۱۷۰/۳، ح: ۵۱۸۵) میں صحیح سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع پانیوں والے لوگوں کو جمعہ پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے تو ان پر کوئی عیب نہیں رکھتے تھے۔ (ابن حزم نے المحلی (۲۵۶/۳) میں یہ روایت ان الفاظ میں بیان کی ہے: '' فَلَا يَنْهَاهُمْ '' کہ وہ انھیں منع نہیں کرتے تھے۔ تو جب علی رضی اللہ عنہ کے درمیان اور عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کے درمیان اختلاف ہو گیا تو سب کو چھوڑ کر کتاب و سنت کی طرف رجوع واجب ٹھہرا، فرمایا: ﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ [النساء : ٥٩] ''پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔'' اس کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے گاؤں میں جمعہ قائم کرنا ثابت ہے، جیسا کہ حدیث گزری ہے کہ مدینہ کی مسجد کے بعد سب سے پہلا جمعہ جو ادا کیا گیا وہ بحرین کے ایک گاؤں ''جواثی'' میں تھا اور زہری نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے استدلال کیا اور زرعی زمینوں کے رہنے والوں پر جمعہ واجب قرار دیا۔

١٢ - بَابٌ : هَلْ عَلَى مَنْ لَمْ يَشْهَدِ الْجُمُعَةَ غُسْلٌ مِنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَغَيْرِهِمْ ؟

12۔ باب: کیا ان عورتوں اور بچوں وغیرہ پر غسل واجب ہے جو جمعہ کے لیے نہ آئے ہوں؟

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ : إِنَّمَا الْغُسْلُ عَلَى مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ .

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: غسل صرف اس پر ضروری ہے جس پر جمعہ واجب ہو۔

٨٩٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : « مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ » [راجع : ٨٧٧ ـ أخرجه مسلم : ٨٤٤]

894۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا: ''تم میں سے جو جمعہ کے لیے آئے وہ غسل کرے۔''

فائدہ یہ حدیث (٨٧٧) میں گزر چکی ہے۔

٨٩٥ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : « غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ » [راجع : ٨٥٨۔ أخرجه مسلم : ٨٤٦، وهو بزيادة في كتاب الجمعة (٧)]

895۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ مرد پر واجب ہے۔“

فائدہ یہ حدیث (٨٥٨) پر گزر چکی ہے۔

٨٩٦ ۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَأُوتِينَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ، فَهَذَا الْيَوْمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ، فَهَدَانَا اللَّهُ ، فَغَدًا لِلْيَهُودِ وَبَعْدَ غَدٍ لِلنَّصَارَى » فَسَكَتَ . [راجع : ٢٣٨۔ أخرجه مسلم : ٨٥٥]

896۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہم سب سے پیچھے آنے والے ہیں (مگر) قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ انھیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں وہ ان کے بعد دی گئی، تو یہ دن وہ تھا جس میں انھوں نے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں (اس کی) ہدایت عطا فرمائی، اس لیے (ہمارے بعد) کل کا دن یہود کے لیے اور کل کے بعد کا دن نصاریٰ کے لیے ٹھہرا۔“ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

فائدہ یہ حدیث (٢٣٨) پر گزر چکی ہے۔

٨٩٧ ۔ ثُمَّ قَالَ : « حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ ، يَوْمًا يَغْسِلُ فِيهِ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ » [انظر : ٨٩٨، ٣٤٨٧۔ أخرجه مسلم : ٨٤٩، بلفظ : « لله »]

897۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہر مسلم پر حق ہے کہ ہر سات دنوں میں ایک دن غسل کرے جس میں وہ اپنے سر اور جسم کو دھوئے۔“

٨٩٨ ۔ رَوَاهُ أَبَانُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « لِلَّهِ

898۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہر مسلمان پر اللہ کا حق ہے کہ وہ ہر سات دنوں میں ایک

تَعَالَى عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ حَقٌّ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا » [راجع : ٨٩٧ـ أخرجه مسلم : ٨٤٩، بلفظ : « حق »]

دن غسل کرے۔"

١٣ـ بابٌ

13۔ باب (بلا عنوان)

فائدہ امام بخاری ؒ نے اس باب کا عنوان نہیں لکھا، یہ پہلے ابواب ہی کا تتمہ ہے۔

٨٩٩ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « ائْذَنُوا لِلنِّسَاءِ بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ » [راجع : ٨٦٥ـ أخرجه مسلم : ٤٤٢ بزيادة]

899۔ ابن عمر ؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: ''عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں کی طرف جانے کی اجازت دے دیا کرو۔''

فائدہ اس کی شرح حدیث (٨٦٥) میں گزر چکی ہے۔

٩٠٠ ـ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : كَانَتِ امْرَأَةٌ لِعُمَرَ تَشْهَدُ صَلَاةَ الصُّبْحِ وَالْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ، فَقِيلَ لَهَا : لِمَ تَخْرُجِينَ وَقَدْ تَعْلَمِينَ أَنَّ عُمَرَ يَكْرَهُ ذَلِكَ وَيَغَارُ؟ قَالَتْ : وَمَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْهَانِي؟ قَالَ : يَمْنَعُهُ قَوْلُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ : « لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ » [راجع : ٨٦٥ـ أخرجه مسلم : ٤٤٢ بقطعة لم ترد في هذه الطريق]

900۔ ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ عمر ؓ کی ایک بیوی صبح اور عشاء کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھتی تھی، اسے کہا گیا: تم کیوں نکلتی ہو جب کہ تم جانتی ہو کہ عمر (ؓ) اسے ناپسند کرتے ہیں اور غیرت کھاتے ہیں؟ اس نے کہا: مجھے روکنے سے انھیں کیا چیز مانع ہے؟ کہا: انھیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مانع ہے: ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔''

فوائد 1 اس کی شرح بھی حدیث (٨٦٥) میں گزر چکی ہے۔

2 باب (١٢) میں مذکور لفظ '' وَغَيْرِهِمْ '' سے مراد غلام، مسافر، بیمار اور معذور ہیں۔ امام صاحب نے سوال کی صورت میں باب قائم کیا ہے کہ کیا ان عورتوں اور بچوں وغیرہ پر غسل واجب ہے جو جمعہ کے لیے نہ آئیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ ان

پر غسل واجب نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ باب میں مذکور احادیث کہ ”ہر مسلمان پر حق ہے کہ وہ غسل کرے“ کی رو سے عورتوں، بچوں، غلام، مسافر، مریض اور معذور سب پر جمعہ کا غسل واجب ہے، کیونکہ وہ سب مسلمان ہیں۔ مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ ”تم میں سے جو جمعہ کے لیے آئے وہ غسل کرے“ سے وہ لوگ نکل گئے جو جمعہ کے لیے نہ آئیں اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ ”جمعہ کا غسل ہر بالغ مرد پر واجب ہے“ سے بچے اور عورتیں نکل گئیں، کیونکہ ” مُحْتَلِمٌ “ بالغ مرد کو کہا جاتا ہے، عورت کے لیے ”حائض“ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ البتہ اگر عورتوں اور بچوں پر میل کچیل چڑھی ہوئی ہو تو خواہ وہ جمعہ کے لیے نہ جائیں انھیں جمعہ کے دن غسل کرنا چاہیے، کیونکہ یہ مسلمانوں کی عید ہے اور گندے اور بدبودار رہنے سے فرشتوں اور انسانوں سب کو تکلیف ہوتی ہے۔ ہر قدم پر سال بھر کے قیام و صیام والی حدیث میں خود غسل کرنے اور (گھر والوں کو) غسل کروانے کی فضیلت کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ عورتوں کے لیے اجازت لینے کی پابندی سے معلوم ہوا کہ ان پر جمعہ واجب نہیں، اگر واجب ہوتا تو اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح غلام، مسافر، مریض وغیرہ پر بھی جمعہ واجب نہیں۔ تفصیل ”کتاب الجمعہ“ کے دوسرے باب ” فَضْلُ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ “ کی احادیث کے فوائد میں گزر چکی ہے۔

3 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ ”ہر مسلمان پر اللہ کا حق ہے کہ ہر سات دنوں میں ایک دن غسل کرے“ میں اس دن کی نشاندہی نہیں کی گئی جس میں غسل حق ہے۔ اگر صرف یہی حدیث ہو تو کسی دن بھی غسل کافی ہے، مگر جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس دن کی تعیین موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « عَلٰى كُلِّ رَجُلٍ مُسْلِمٍ فِيْ كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ غُسْلُ يَوْمٍ وَهُوَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ » [نسائي : ١٣٧٨، وقال الألباني : صحيح بما قبله] ”ہر مسلمان مرد پر سات دنوں میں ایک دن کا غسل واجب ہے اور وہ جمعہ کا دن ہے۔“

ابن خزیمہ (۱۷۴۶، ۱۷۴۷) نے اسے صحیح کہا ہے۔ سعید بن منصور اور ابوبکر بن ابی شیبہ (۴۸۰/۱، ح: ۵۵۴۱) کے ہاں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اس جیسی مرفوع حدیث موجود ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: « إِنَّ مِنَ الْحَقِّ عَلَى الْمُسْلِمِ أَنْ يَغْتَسِلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ » ”مسلمان پر حق چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ جمعہ کے دن غسل کرے۔“ طحاوی (۱۱۶/۱) میں بھی ”عن رجل من الصحابۃ انصاری“ مرفوع مروی ہے۔ (فتح الباری)

4 ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ”عورتوں کو رات کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دیا کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ جب رات کو مسجد میں جانے کی اجازت دینے کی تاکید فرمائی تو دن کو اس اجازت کی بالاولیٰ تاکید ہے، کیونکہ رات کے اندھیرے میں خرابی کا زیادہ امکان ہے، دن کی روشنی اور سب لوگوں کی آمد و رفت میں اس کا امکان بہت کم ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو اجازت دینے کی تلقین فرمائی، معلوم ہوا دن کو انھیں اجازت نہیں دینی چاہیے، اس سے معلوم ہوا کہ عورت پر جمعہ واجب نہیں، اس لیے غسل بھی واجب نہیں۔ مگر یہ تشریح درست نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ دن کو تو بالاولیٰ اجازت دینی چاہیے، اس کی تائید باب کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں عمر رضی اللہ عنہ ناپسند کرنے کے باوجود اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے حدیث: « لَا تَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ » کی وجہ سے منع نہیں کرتے تھے۔

5 ایک واقعہ عام طور پر مشہور ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کا مسجد میں جانا پسند نہیں کرتے تھے مگر حدیث کی وجہ سے منع نہیں کرتے تھے، اس لیے انھوں نے یہ تدبیر کی کہ ایک رات انھوں نے اجنبی بن کر اس بیوی کو پکڑ لیا اور لپٹ کر بوس و کنار کیا۔ اس کے بعد اس بیوی نے مسجد میں جانا چھوڑ دیا، اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا: اب حالات ٹھیک نہیں رہے۔ مگر صحیح بخاری کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ صاف جھوٹ ہے، کیونکہ ایسی حرکت بھی روکنے ہی کی ایک صورت ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوچی نہیں جا سکتی۔ عمر رضی اللہ عنہ کی یہ نیک بخت بیوی عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا تھیں جو عشرہ مبشرہ میں شامل صحابی سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں اور وہ آخر تک مسجد میں جا کر نماز پڑھتی رہیں، حتیٰ کہ وہ اس نماز میں بھی مسجد میں عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں جس میں عمر رضی اللہ عنہ کو خنجر مار کر شہید کیا گیا۔ جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ عبدالرزاق (۵۱۱۱) نے معمر سے، انھوں نے زہری سے بیان کیا کہ عشرہ مبشرہ میں شامل صحابی سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی بہن عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اور وہ مسجد میں جا کر جماعت میں شریک ہوتی تھیں، عمر رضی اللہ عنہ اسے کہتے تھے: اللہ کی قسم! تم جانتی ہو کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتا۔ وہ کہتیں: اللہ کی قسم! جب تک تم مجھے منع نہیں کرو گے میں نہیں رکوں گی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھیں منع نہیں کروں گا۔ راوی نے کہا کہ جس وقت عمر رضی اللہ عنہ کو خنجر لگا اس وقت وہ مسجد میں تھیں۔ [مصنف عبد الرزاق : ۵۱۱۱] یہ زہری کی مرسل ہے، مگر احمد (۴۵۲۲) نے اسے سالم عن ابن عمر کے طریق سے بیان کیا ہے جو متصل سند ہے، مگر اس میں اس خاتون کا نام ذکر نہیں ہوا۔ مسند احمد کی دوسری روایت (۲۸۳) میں سالم سے ان کا نام عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا مذکور ہے۔ (فتح الباری)

١٤ ـ بَابُ الرُّخْصَةِ إِنْ لَمْ يَحْضُرِ الْجُمُعَةَ فِي الْمَطَرِ

14۔ باب: بارش میں جمعہ میں حاضر نہ ہونے کی رخصت

٩٠١ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ ابْنُ عَمِّ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِمُؤَذِّنِهِ فِي يَوْمٍ مَطِيرٍ: إِذَا قُلْتَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، فَلَا تَقُلْ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قُلْ: صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ، فَكَأَنَّ النَّاسَ اسْتَنْكَرُوا، قَالَ: فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي، إِنَّ الْجُمُعَةَ عَزْمَةٌ وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ فَتَمْشُونَ

901۔ محمد بن سیرین کے چچا کے بیٹے عبداللہ بن حارث سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بارش والے دن اپنے مؤذن سے کہا: جب تم "أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ" کہو تو "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" مت کہنا، بلکہ یوں کہو: "صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ" (اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو)۔ تو گویا لوگوں نے اسے عجیب جانا۔ انھوں نے کہا: یہ کام اس نے کیا ہے جو مجھ سے بہتر تھا، بلاشبہ جمعہ ایک فریضہ ہے اور میں نے ناپسند کیا کہ میں تمھیں مشکل میں ڈالوں اور تم کیچڑ

فِي الطِّينِ وَالدَّحْضِ . [راجع : ٦١٦ـ أخرجه مسلم : ٦٩٩]

اور پھسلن میں چلتے ہوئے آؤ۔

فائدہ حدیث (۶۱۶) میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔

١٥ـ بَابٌ : مِنْ أَيْنَ تُؤْتَى الْجُمُعَةُ، وَعَلَى مَنْ تَجِبُ ؟

15۔ باب: جمعہ کے لیے کتنی دور سے آیا جائے اور وہ کس پر واجب ہوتا ہے؟

لِقَوْلِ اللّٰهِ جَلَّ وَعَزَّ : ﴿ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ ﴾ [الجمعة : ٩] وَ قَالَ عَطَاءٌ : إِذَا كُنْتَ فِي قَرْيَةٍ جَامِعَةٍ فَنُودِيَ بِالصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ، فَحَقٌّ عَلَيْكَ أَنْ تَشْهَدَهَا، سَمِعْتَ النِّدَاءَ أَوْ لَمْ تَسْمَعْهُ. وَكَانَ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي قَصْرِهِ أَحْيَانًا يُجَمِّعُ وَأَحْيَانًا لَا يُجَمِّعُ وَهُوَ بِالزَّاوِيَةِ عَلَى فَرْسَخَيْنِ .

کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا: "جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے۔" اور عطا (بن ابی رباح) نے کہا: جب تم جمعہ والے گاؤں میں ہو اور جمعہ کے دن نماز کی اذان کہی جائے تو تم پر حق ہے کہ اس میں حاضر ہو، اذان سنو یا نہ سنو۔ اور انس رضی اللہ عنہ اپنے محل میں کبھی جمعہ ادا کرتے تھے اور کبھی جمعہ ادا نہیں کرتے تھے اور وہ زاویہ میں (بصرہ سے) دو فرسخ (۶ عربی میل) کے فاصلے پر تھا۔

٩٠٢ ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ : أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ : كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِي، فَيَأْتُونَ فِي الْغُبَارِ يُصِيبُهُمُ الْغُبَارُ وَالْعَرَقُ، فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ الْعَرَقُ، فَأَتَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِنْسَانٌ مِنْهُمْ وَهُوَ عِنْدِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « لَوْ أَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هٰذَا »

[انظر : ٩٠٣، ٢٠٧١ـ أخرجه مسلم : ٨٤٧]

902۔ نبی ﷺ کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: لوگ جمعہ کے دن اپنے گھروں اور گردو نواح کی بستیوں سے یکے بعد دیگرے آتے تھے۔ چنانچہ وہ غبار میں آتے، ان پر غبار پڑتا اور انھیں پسینہ آتا اور جسم سے پھوٹ پڑتا۔ ان میں سے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس وقت آپ میرے پاس تھے تو آپ نے فرمایا: "کاش! تم اپنے اس دن کے لیے غسل کر لیا کرتے۔"

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں آیت پوری نقل نہیں کی، صرف ﴿ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ ﴾ پر

اکتفا کیا ہے، حالانکہ آیت کے پہلے الفاظ " يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا " سے جمعہ کا ہر صاحب ایمان پر واجب ہونا معلوم ہوتا ہے سوائے اس کے جسے کسی دلیل سے رخصت حاصل ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب " إِذَا نُودِيَ " (جب اذان کہی جائے) کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: " إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَاسْعَوْا " (جب تم اذان سنو تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو) بلکہ فرمایا: ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا﴾ [الجمعة : ٩] ''جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو۔'' اس سے معلوم ہوا کہ جہاں اذان ہوتی ہو اور سنی جا سکتی ہو وہاں سے لوگوں کو جمعہ کے لیے آنا واجب ہے، خواہ اذان سنے یا نہ سنے۔ اہل علم نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مؤذن بلند آواز والا ہو، کسی قسم کا شور نہ ہو اور سننے والوں کی سماعت درست ہو۔ ابوداود نے سنن میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے: « اَلْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ » ''جمعہ اس پر لازم ہے جو اذان سنے۔'' اور کہا ہے کہ اس کے مرفوع یا موقوف ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ [أبو داود : ١٠٥٦] البانی نے شواہد کی بنا پر اسے حسن کہا ہے۔ (دیکھیے الارواء: ۵۹۳) دارقطنی نے ایک اور سند کے ساتھ اسے مرفوع روایت کیا ہے۔ [دیکھیے سنن الدارقطني : ١٥٨٩] اس کی تائید عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: « هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ ؟ » ''کیا تم نماز کے لیے اذان سنتے ہو؟'' انھوں نے کہا: « نَعَمْ » ''جی ہاں!'' آپ نے فرمایا: « فَأَجِبْ » ''پھر قبول کرو۔'' [مسلم : ٦٥٣] اس سے پہلے باجماعت نماز کے باب میں ان لوگوں کا ذکر گزرا ہے جنھوں نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے جماعت واجب ہونے کا استدلال کیا ہے۔ جب نماز کے لیے اذان سن کر آنا واجب ہے تو اذان سن کر جمعہ کے لیے آنا بالاولیٰ واجب ہے، کیونکہ جمعہ کے لیے اذان ہونے پر اس کی طرف لپکنے کا قرآن مجید میں حکم ہے۔ (فتح الباری) خلاصہ یہ ہے کہ شہر کے اندر یا باہر جہاں جمعہ کی اذان سنی جا سکتی ہو وہاں سے جمعہ کے لیے آنا واجب ہے۔

2 ایک حدیث میں ہے: « اَلْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ إِلَى أَهْلِهِ » مطلب اس کا یہ ہے کہ جمعہ کے لیے آنا ان لوگوں پر فرض ہے جو رات آنے سے پہلے گھر واپس آ سکیں۔ اسے ترمذی (۵۰۲،۵۰۱) نے روایت کیا ہے اور ساتھ ہی بتایا ہے کہ احمد بن حسن نے امام احمد ابن حنبل کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو احمد ابن حنبل نے ان پر غصہ کیا اور کہا: اپنے رب سے استغفار کرو، اپنے رب سے استغفار کرو۔ امام ترمذی نے کہا: امام احمد نے یہ اس لیے کہا کہ انھوں نے اس حدیث کو کسی شمار میں نہیں سمجھا اور سند کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا۔ (ترمذی) علامہ البانی نے اس حدیث کو سخت ضعیف کہا ہے۔ اگر اس حدیث کو صحیح مانا جائے تو اپنے گھر سے صبح سویرے ہی جمعہ کے لیے روانہ ہونا پڑے گا، پھر اس آیت کا کیا مطلب ہوگا کہ جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو، پھر تو اذان سے بہت پہلے لپکنا پڑے گا جو آیت کے صاف خلاف ہے۔ (فتح الباری)

3 عطا بن ابی رباح کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس بستی میں جمعہ ہوتا ہو وہاں اذان ہونے پر جمعہ میں حاضر ہونا واجب ہے، ضروری نہیں کہ تم اذان سنو، کیونکہ آیت کے الفاظ یہ نہیں کہ جب تم اذان سنو، بلکہ یہ ہیں کہ جب اذان کہی جائے۔

اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے موقف کی تائید کے طور پر پیش کیا ہے کہ جہاں اذان سنائی دے سکتی ہو وہاں سے جمعہ کے لیے آنا ضروری ہے۔

4 انس رضی اللہ عنہ کا قصر بصرہ سے دو فرسخ یعنی چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ زاویہ بصرہ سے باہر معروف جگہ ہے جہاں حجاج اور ابن الاشعث کے درمیان مشہور جنگ ہوئی تھی۔ (فتح الباری) انس رضی اللہ عنہ اپنے قصر میں کبھی جمعہ پڑھتے تھے اور کبھی نہیں پڑھتے تھے، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ وہ کبھی اپنے قصر میں جمعہ پڑھتے تھے اور کبھی جمعہ پڑھتے ہی نہیں تھے۔ دوسرا یہ کہ وہ کبھی اپنے قصر میں جمعہ پڑھ لیتے تھے اور کبھی بصرہ شہر میں جا کر جمعہ پڑھتے تھے۔ یہ دوسرا معنی ہی درست ہے، کیونکہ جب وہ اپنے قصر میں، جو یقیناً مصر جامع نہیں تھا، جمعہ پڑھتے تھے تو اسے واجب سمجھ کر ہی پڑھتے تھے، پھر کبھی اسے بالکل چھوڑ نے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لامحالہ کبھی وہ اپنے قصر کی بجائے بصرہ جا کر جمعہ پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ اتنی دور سے جمعہ کے لیے آنا ضروری نہیں، البتہ کوئی آ جائے تو ٹھیک ہے اور اپنی جگہ پر پڑھ لے تب بھی ٹھیک ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انس رضی اللہ عنہ گاؤں میں رہنے والوں پر جمعہ واجب سمجھتے تھے خواہ وہ وہیں پڑھ لیں یا شہر میں جا کر پڑھ لیں۔

5 " اَلْعَوَالِيْ " " عَالِيَةٌ " کی جمع ہے، مدینہ کی بالائی جانب کی بستیاں جو بعض قریب اور بعض تین چار میل تک دور تھیں۔

6 بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ بات نکالی ہے کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں، ان حضرات نے " يَنْتَابُوْنَ " کا ترجمہ "باری باری آتے تھے" کیا ہے اور کہا ہے کہ باری باری آنے سے معلوم ہوا کہ عوالی سے کچھ لوگ آتے تھے، کچھ دوسری باری پر آتے تھے، اگر گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہوتا تو سب آتے۔ حالانکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہ ہے کہ لوگ یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے پیچھے آتے، ان کے آنے سے پیچھے والوں پر غبار پڑتا اور پسینے سے مل کر ان پر گرد کی تہ جم جاتی۔ یہ حضرات جو گاؤں میں جمعہ کو منع قرار دیتے ہیں شہر کے فناء (گردونواح) والوں پر خود بھی جمعہ واجب سمجھتے ہیں۔ ان کی اس تشریح کی رو سے شہر کے فناء والوں پر بھی جمعہ واجب نہیں رہتا۔ آپ اس حدیث کے الفاظ پر غور کریں، اس میں صرف عوالی سے آنے والوں کا ذکر نہیں ہے، بلکہ مدینہ میں اپنے گھروں سے اور عوالی سے یکے بعد دیگرے آنے والوں کا ذکر ہے۔ لفظ یہ ہیں: « يَنْتَابُوْنَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِيْ » سنن ابی داود (۱۰۵۵) میں ہے: « مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَمِنَ الْعَوَالِيْ » یعنی لوگ اپنے گھروں سے اور بالائی بستیوں سے یکے بعد دیگرے آتے تھے۔ اگر " يَنْتَابُوْنَ " کا معنی باری باری کیا جائے تو ماننا ہوگا کہ مدینہ کے رہنے والے بھی اپنے گھروں سے باری باری آتے تھے۔ اس طرح نہ مدینہ والوں پر جمعہ کے لیے آنا واجب رہا نہ عوالی والوں پر، حالانکہ یہ حضرات مدینہ اور فنائے مدینہ کے لوگوں پر جمعہ فرض قرار دیتے ہیں۔ ان کے ترجمے کے مطابق مدینہ اور فنائے مدینہ کہیں بھی رہنے والوں پر جمعہ واجب نہ رہا، کیونکہ وہ سب باری باری آتے تھے، سب کو چھٹی ہوئی۔ البتہ یہ ترجمہ ایک لحاظ سے درست ہو سکتا ہے کہ مدینہ اور عوالی کے لوگ تاجر پیشہ تھے اور عموماً سفر میں رہتے تھے، پھر اکثر وہ جہاد کے سفروں پر ہوتے تھے، اس لیے باری باری جمعہ کے لیے آتے تھے یعنی جب گھر میں ہوتے تو آ جاتے، سفر پر ہوتے تو نہ آتے۔ مگر سنن نسائی (۱۳۸۰) میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے:

«إِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يَسْكُنُونَ الْعَالِيَةَ فَيَحْضُرُونَ الْجُمُعَةَ وَبِهِمْ وَسَخٌ ......» یعنی ”لوگ مدینہ کی بالائی بستیوں میں رہتے تھے، وہ جمعہ میں حاضر ہوتے جب کہ ان پر میل چڑھی ہوتی ......“ اس حدیث کے مطابق کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

7 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاں تک ہو سکے جمعہ کا اجتماع ایک جگہ ہونا چاہیے، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ جمع ہوں، عید کا سماں ہو، اسلام اور مسلمانوں کی شوکت کا اظہار ہو، جیسا کہ مدینہ سے چار میل یا زیادہ دور رہنے والے لوگ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر جمعہ پڑھتے تھے، اپنی بستیوں میں نہیں پڑھتے تھے۔ رہی یہ بات کہ ایک شہر میں متعدد جمعے جائز ہیں یا نہیں تو اہلِ علم نے ایک شہر میں متعدد جمعوں کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اگرچہ بہتر ایک جگہ جمعہ ادا کرنا ہے۔ فتویٰ کے دلائل اپنی جگہ مذکور ہیں۔

8 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں مزید کچھ فوائد یہ ہیں: عالم کا طالب علم سے نرمی کرنا، اہلِ خیر کی مجلس کے لیے زیادہ سے زیادہ صفائی اور پاکیزگی مستحب ہونا، مسلمان کو کسی طرح بھی اذیت دینے سے اجتناب کرنا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کا شوق اور اس کے لیے کوشش کرنا، خواہ انھیں کتنی مشقت اٹھانا پڑتی۔

١٦ - بَابُ : وَقْتُ الْجُمُعَةِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ

16 - باب: جمعہ کا وقت وہ ہے جب سورج ڈھل جائے

وَكَذٰلِكَ يُرْوَى عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ وَعَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ .

اور اسی طرح ہی عمر، علی، نعمان بن بشیر اور عمرو بن حریث رضی اللہ عنہم سے بیان کیا جاتا ہے۔

فائدہ اگرچہ جمعہ کے وقت کے بارے میں اختلاف ہے، بعض اہلِ علم زوال سے پہلے بھی جمعہ جائز سمجھتے ہیں، مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے جزم و یقین کے ساتھ باب قائم کیا ہے کہ جمعہ کا وقت سورج کے زوال کے ساتھ ہوتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک زوال سے پہلے جمعہ کی دلیلیں کمزور ہیں۔ فتح الباری میں ان صحابہ کے آثار با حوالہ نقل کیے گئے ہیں جو زوال کے بعد جمعہ کے عامل ہیں، چنانچہ علی، نعمان بن بشیر اور عمرو بن حریث رضی اللہ عنہم سے زوال کے بعد ہی جمعہ پڑھنے کے آثار ہیں، زوال سے پہلے کا کوئی اثر نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو بھی زوال کے بعد جمعہ پڑھنے والوں میں ذکر کیا ہے، حالانکہ ان سے زوال سے پہلے جمعہ کا اثر بھی مروی ہے۔ چنانچہ ابونعیم نے اپنی ”كِتَابُ الصَّلَاةِ“ میں اور ابن ابی شیبہ (۴۴۴/۱، ح: ۵۱۳۲) نے عبداللہ بن سِیدان (سین کے کسرہ اور یاء ساکنہ کے ساتھ) سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا: میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمعہ میں شریک ہوا تو ان کی نماز اور خطبہ نصف النہار سے پہلے تھا اور جمعہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوا تو ان کا خطبہ اور نماز اس وقت تک تھی کہ میں کہتا تھا کہ نصف النہار ہو گیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: اس کے راوی ثقہ ہیں، سوائے عبداللہ بن سِیدان کے، وہ کبیر تابعی ہیں، مگر غیر معروف العدالہ ہیں، ابن عدی نے کہا: شبہ المجہول ہیں اور بخاری رحمہ اللہ نے کہا: ان کی حدیث کی متابعت نہیں ملتی۔ اس کے برعکس عمر رضی اللہ عنہ سے زوال کے بعد جمعہ پڑھنے کے آثار زیادہ قوی سندوں

کے ساتھ موجود ہیں، چنانچہ فتح الباری میں سوید بن غفلہ، مالک بن ابی عامر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم تینوں سے عمر رضی اللہ عنہ سے زوال کے بعد جمعہ پڑھنے کے آثار نقل کیے گئے ہیں۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو زوال کے بعد جمعہ پڑھنے والوں میں سب سے پہلے ذکر کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی تحقیق میں جمعہ کا وقت زوال کے بعد ہی ہے۔ البتہ شیخ ناصر الدین البانی نے اپنے رسالے "الأجوبة النافعة عن أسئلة لجنة مسجد الجامعة" میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جمعہ کی اذان زوال کے فوراً بعد خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی تھی اور کبھی زوال سے پہلے خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے ساتھ ہوتی تھی، لہٰذا دونوں طرح عمل درست ہے۔ اس میں انھوں نے زوال سے پہلے والے آثار کو قوی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور شوکانی کے کلام کا حوالہ بھی دیا ہے، زیادہ تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

٩٠٣ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: أَنَّهُ سَأَلَ عَمْرَةَ عَنِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَتْ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: كَانَ النَّاسُ مَهَنَةَ أَنْفُسِهِمْ، وَكَانُوا إِذَا رَاحُوا إِلَى الْجُمُعَةِ، رَاحُوا فِي هَيْئَتِهِمْ، فَقِيلَ لَهُمْ: «لَوِ اغْتَسَلْتُمْ» [راجع: ٩٠٢- أخرجه مسلم: ٨٤٧]

903۔ یحییٰ بن سعید نے عمرہ سے جمعہ کے دن غسل کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: لوگ اپنا کام کاج خود کرنے والے تھے اور وہ جب جمعہ کے لیے آتے تو اپنی اسی حالت میں چلے آتے تھے، تو ان سے کہا گیا: "کاش! تم غسل کر لیا کرتے۔"

فائدہ "رَاحَ يَرُوحُ رَوَاحًا" کا معنی لغت میں پچھلے پہر، یعنی زوال کے بعد جانا ہے، جیسا کہ "غَدَا يَغْدُو" کا معنی پہلے پہر یعنی زوال سے پہلے جانا ہے، اگرچہ بعض اوقات "رَاحَ" اور "غَدَا" دونوں کا مطلب کسی بھی وقت آنا یا جانا ہوتا ہے۔ مگر یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی قرینہ موجود ہو کہ "رَاحَ" یا "غَدَا" سے مطلق آنا یا جانا مراد ہے، کسی خاص وقت میں آنا یا جانا مراد نہیں۔ جیسا کہ آج کل عرب لوگ کسی کو جانے کے لیے کہیں تو کہتے ہیں: "رُحْ" "جاؤ۔" امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے لفظ "رَاحُوا" کے اصل معنی سے استدلال کیا ہے کہ صحابہ زوال کے بعد جمعہ کے لیے جاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ جمعہ کا وقت زوال کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ مگر کسی جگہ "رَاحَ" کا معنی مطلق آنا یا جانا ہو تو وہاں کوئی قرینہ ہوگا کہ یہاں کسی خاص وقت میں جانا مراد نہیں۔

تنبیہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابونعیم نے اپنی "المستخرج" میں عمرہ رحمہا اللہ کے اس طریق کو اس سے پہلے باب میں نقل کیا ہے، اس صورت میں "رَاحُوا" کے لفظ پر کوئی اشکال وارد ہی نہیں ہوتا۔

٩٠٤ - حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا

904۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ

فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَمِيلُ الشَّمْسُ.

اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا۔

٩٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ وَنَقِيلُ بَعْدَ الْجُمُعَةِ. [انظر: ٩٤٠]

905۔ انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم جمعہ سویرے ہی پڑھ لیتے تھے اور جمعہ کے بعد قیلولہ (دوپہر کا آرام) کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: 1 پہلی حدیث میں ہے: «كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ» اور یہ معلوم ہے کہ "كَانَ" اور فعل مضارع کے الفاظ ہمیشہ یا اکثر استمرار اور ہیشگی کے لیے آتے ہیں، اگر کوئی قرینہ مل جائے تو ان سے ہیشگی مراد نہیں ہوتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ "كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَمِيلُ الشَّمْسُ" کے الفاظ کا مطلب یہی ہے کہ آپ ہمیشہ زوال کے بعد جمعہ پڑھتے تھے، لہٰذا جمعہ کا وقت یہی ہے۔

2 دوسری حدیث میں انس رضی اللہ عنہ کے الفاظ "كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ" میں "نُبَكِّرُ" کا لفظ "بُكْرَةٌ" سے نکلا ہے جس کا معنی ہے: ہم صبح سویرے جاتے تھے۔ اس سے زوال سے پہلے جمعہ کا استدلال کیا جا سکتا تھا، مگر بعض اوقات یہ لفظ جلدی جانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا۔ اس کے بعد انس رضی اللہ عنہ ہی سے یہ حدیث روایت کی: «كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ» کہ ہم سویرے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے۔ یہ حدیث لانے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں "نُبَكِّرُ" کا معنی صبح سویرے جمعہ پڑھنا نہیں بلکہ اسے جلدی پڑھنا ہے، کیونکہ انس رضی اللہ عنہ ہی نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا اور دونوں حدیثوں کو جمع کرنا ہی بہتر ہے، بجائے اس کے کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف قرار دیں۔

3 ''اور ہم جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے تھے'' کا مطلب یہ ہے کہ سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی جمعہ شروع ہو جاتا، پھر قیلولہ اور کھانا اس کے بعد ہوتا تھا، جب کہ ظہر کی نماز میں گرمی کی شدت کی وجہ سے دیر کی جاتی تھی اور قیلولہ اس سے پہلے کر لیا جاتا تھا، مگر جمعہ ہمیشہ اول وقت پر ہوتا تھا، اس میں گرمی کی شدت میں بھی تاخیر نہیں ہوتی تھی۔

١٧ - بَابٌ: إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

17۔ باب: جب جمعہ کے دن گرمی شدید ہو جائے

٩٠٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو خَلْدَةَ ـ

906۔ ابوخلدہ (خالد بن دینار) نے کہا: میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: نبی ﷺ جب سردی

هُوَ خَالِدُ بْنُ دِينَارٍ - قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلَاةِ، وَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ، يَعْنِي : الْجُمُعَةَ .

شدید ہوتی تو نماز جلدی پڑھ لیتے اور جب گرمی شدید ہوتی تو نماز ٹھنڈی کر لیتے، یعنی جمعہ۔

قَالَ يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ : أَخْبَرَنَا أَبُو خَلْدَةَ، فَقَالَ : بِالصَّلَاةِ ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْجُمُعَةَ . وَقَالَ بِشْرُ بْنُ ثَابِتٍ : حَدَّثَنَا أَبُو خَلْدَةَ، قَالَ : صَلَّى بِنَا أَمِيرٌ الْجُمُعَةَ، ثُمَّ قَالَ لِأَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ ؟

یونس بن بکیر نے کہا: ہمیں ابو خلدہ نے خبر دی اور کہا: ”نماز ٹھنڈی کر لیتے“، جمعہ کا ذکر نہیں کیا۔ اور بشر بن ثابت نے کہا: ہمیں ابو خلدہ نے بیان کیا کہ ہمیں ایک امیر نے جمعہ پڑھایا، پھر اس نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا: نبی ﷺ ظہر کیسے پڑھتے تھے؟

فوائد و مسائل: 1 پچھلے باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے انس رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ جمعہ کا وقت وہ ہے جب سورج ڈھل جائے اور یہ بھی کہ ہم قیلولہ (اور ناشتہ) نماز جمعہ کے بعد کرتے تھے۔ گویا ظہر میں تاخیر ہوتی تھی، اس لیے قیلولہ وغیرہ پہلے ہوتا تھا، مگر جمعہ اول وقت ہی ہوتا تھا۔ اب امام صاحب نے یہ باب قائم کیا ہے کہ ”جب جمعہ کے دن گرمی شدید ہو جائے“ یعنی جس طرح سخت گرمی میں ظہر کو ٹھنڈا کیا جاتا ہے کیا جمعہ کو بھی ٹھنڈا کیا جائے گا؟ باب کے عنوان میں انھوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، اس کے بعد انس رضی اللہ عنہ کی جو حدیث لائے ہیں وہ انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابو خلدہ خالد بن دینار سے ان کے تین راویوں حرمی بن عمارہ، یونس بن بکیر اور بشر بن ثابت سے نقل کی ہے، چنانچہ پہلی روایت حرمی بن عمارہ کی ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ کا معمول تھا کہ جب سردی شدید ہوتی تو نماز جلدی پڑھتے اور جب گرمی شدید ہوتی تو نماز یعنی جمعہ کو ٹھنڈا کر لیتے، اس میں ”یعنی“ کے لفظ سے ظاہر ہے کہ ”جمعہ کو ٹھنڈا کر لیتے“ کے الفاظ انس رضی اللہ عنہ کے نہیں ہیں، بلکہ نیچے کے کسی راوی کے ہیں۔ اس کے بعد یونس بن بکیر کی روایت ذکر کی ہے، اس میں یہ ہے کہ (گرمی شدید ہوتی تو) نماز کو ٹھنڈا کر لیتے۔ انھوں نے جمعہ کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور اسماعیلی نے ایک اور سند سے یونس سے یہ لفظ زیادہ ذکر کیے ہیں: ”يَعْنِي الظُّهْرَ“۔ (فتح الباری) اس کے بعد بشر بن ثابت کی روایت ذکر کی ہے جس میں اس موقع کا ذکر ہے جب انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی۔ اس میں ابو خلدہ کہتے ہیں کہ ایک امیر نے ہمیں جمعہ پڑھایا، پھر انس رضی اللہ عنہ سے کہا: نبی ﷺ ظہر کی نماز کیسے پڑھتے تھے؟ تو انھوں نے یہ حدیث بیان کی جس میں انھوں نے ظہر کی نماز ٹھنڈی کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں جمعہ کا لفظ تابعی کا ہے یا اس سے نیچے کسی راوی کا۔ اسی احتمال کی وجہ سے امام صاحب نے باب میں گرمی شدید ہونے کی صورت میں جمعہ کو ٹھنڈا کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا۔

2 یہ امیر حکم ابن ابی عقیل ثقفی تھا جو حجاج بن یوسف ثقفی کے چچا کا بیٹا تھا۔ حجاج کی طرح یہ بھی جمعہ کے دن خطبہ اتنا لمبا

کرتا کہ بعض اوقات جمعہ کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو جاتا۔ (فتح الباری) بشر بن ثابت کی حدیث میں ہے کہ اس امیر نے جمعہ پڑھایا، پھر انس رضی اللہ عنہ سے ظہر کے متعلق نبی ﷺ کا معمول پوچھا، انھوں نے بتا دیا کہ آپ شدید سردی میں نماز ظہر جلدی پڑھتے تھے اور شدید گرمی میں اسے ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے۔ ظاہر ہے اس امیر کا مقصد اپنے لمبے خطبے کا جواز حاصل کرنا تھا اور وہ جمعہ کو ظہر پر قیاس کر رہا تھا کہ ظہر کی طرح گرمی میں جمعہ بھی ٹھنڈا کرنا چاہیے، مگر اس کا یہ قیاس درست نہ تھا۔

3 حقیقت یہ ہے کہ جمعہ کے وقت کو کسی لحاظ سے ظہر کے وقت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث پیچھے گزری ہے کہ ہم جمعہ جلدی پڑھ لیتے تھے اور قیلولہ اس کے بعد کرتے تھے۔ اس میں انھوں نے سردی اور گرمی کا کوئی فرق نہیں کیا، بلکہ قیلولہ بعد میں کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گرمی شدید ہونے کے وقت کی بات کر رہے ہیں، کیونکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ظہر کی نماز میں ایسا نہیں ہوتا تھا، بلکہ قیلولہ اور کھانا وغیرہ پہلے ہوتا اور ظہر کی نماز اس کے بعد ہوتی تھی، جب گرمی کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ ظہر کی نماز ٹھنڈی کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ پندرہ منٹ یا آدھا گھنٹہ دیر سے پڑھی جائے، کیونکہ یہ تو محض اول وقت سے تاخیر ہے، ٹھنڈی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عصر کے قریب پڑھی جائے جب گرمی کا جوش کچھ ٹوٹ جائے۔ جمعہ کا اس وقت پڑھنا ممکن ہی نہیں، کیونکہ ساتھ ہی عصر ہو جاتی ہے اور گرمی کا جوش ٹوٹنے کے بعد خطبہ اور نماز پوری ہونا مشکل ہے۔ اس لیے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث "كُنَّا نُبَكِّرُ بِالْجُمُعَةِ" کے مطابق سردی ہو یا گرمی جمعہ زوال کے ساتھ ہی پڑھنا چاہیے اور اس کے خطبے میں اختصار ملحوظ رکھنا چاہیے، تاکہ گرمی کی شدت سے پہلے ہی لوگ فارغ ہو جائیں اور گھر جا کر کھانے کے بعد قیلولہ کر سکیں۔

١٨ - بَابُ الْمَشْيِ إِلَى الْجُمُعَةِ

18 - باب: جمعہ کے لیے چل کر جانا

وَقَوْلِ اللَّهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ [الجمعة: ٩] وَمَنْ قَالَ: السَّعْيُ: الْعَمَلُ وَالذَّهَابُ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا﴾ [الإسراء: ١٩]

اور اللہ جل ذکرہ کا فرمان: ﴿فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ اور جس نے کہا کہ سعی سے مراد (یہاں) دوڑنا نہیں بلکہ عمل کرنا اور (چل کر) جانا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا﴾ "(اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا) اور اس کے لیے کوشش کی جو اس کے لائق کوشش ہے۔"

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: يَحْرُمُ الْبَيْعُ حِينَئِذٍ.

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس وقت خرید و فروخت حرام ہو جاتی ہے۔

وَقَالَ عَطَاءٌ: تَحْرُمُ الصِّنَاعَاتُ كُلُّهَا.

اور عطاء نے کہا: تمام پیشے (دنیا کے تمام کام) حرام ہو

جاتے ہیں۔

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ مُسَافِرٌ، فَعَلَيْهِ أَنْ يَشْهَدَ.

اور ابراہیم بن سعد نے زہری سے بیان کیا کہ جب مؤذن جمعہ کے دن اذان دے اور وہ مسافر ہو تو اس پر واجب ہے کہ جمعہ میں حاضر ہو۔

فائدہ: اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾ میں اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث جو اس باب میں رقم (۹۰۸) پر آ رہی ہے: « فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ » ان میں جو بظاہر تعارض نظر آ رہا ہے اسے دور کیا ہے، کیونکہ قرآن میں جمعہ کی اذان پر نماز کے لیے ''سعی'' کا حکم ہے جب کہ بخاری کی حدیث " فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ " میں ''سعی'' سے منع کیا گیا ہے، دونوں کے درمیان تطبیق اور جمع اس طرح ہے کہ ''سعی'' کا معنی صرف دوڑنا نہیں بلکہ کوشش کرنا بھی ہے، اس لیے حدیث میں ''سعی'' کا معنی دوڑنا ہے، جب کہ آیت "فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ" میں ''سعی'' سے مراد کوشش اور عمل ہے، جیسا کہ "وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا" اور " أَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى " میں ہے۔ اس لیے جمعہ کی اذان ہونے پر دوڑ کر نہیں بلکہ چل کر آنا چاہیے اور پوری کوشش کے ساتھ آنا چاہیے۔ موطا (۱/۱۰۶) میں امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ابن شہاب سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ اسے اس طرح پڑھتے تھے: " إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَامْضُوا " یعنی جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان کہی جائے تو چلو۔ گویا انھوں نے ''سعی'' کی تفسیر جانے کے ساتھ کی۔ مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ ''سعی'' کا مطلب عمل کرنا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ﴾ [البقرۃ: ۲۰۵] ''اور جب واپس جاتا ہے تو زمین میں کوشش کرتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى﴾ [عبس: ۸] ''اور لیکن جو کوشش کرتا ہوا تیرے پاس آیا۔'' مالک رحمہ اللہ نے کہا: یہاں ''سعی'' سے مراد دوڑنا نہیں ہے۔ (فتح الباری)

دوسری بات یہ کہ اس باب میں جمعہ کے لیے چل کر آنے کی فضیلت کا بیان ہے، اس مقصد کے لیے انھوں نے باب کی پہلی حدیث عبایہ بن رفاعہ رحمہ اللہ سے بیان کی ہے۔ تیسری بات یہ کہ اذان سن کر بیع چھوڑنے کے حکم کا تقاضا یہ ہے کہ اس وقت خرید و فروخت حرام ہو جاتی ہے، اس بات کو انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے ساتھ مدلل کیا ہے۔ چوتھی بات یہ کہ صرف بیع ہی نہیں تمام پیشے اور کام حرام ہو جاتے ہیں۔ اس کی تائید عطا بن ابی رباح کے قول سے کی ہے، کیونکہ بیع اور دوسرے تمام پیشوں میں جمعہ سے رکاوٹ بننے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، اس لیے سب کا ایک ہی حکم ہے۔ البتہ بعض اہل علم نے پانی نہ ہونے کی صورت میں وضو کے لیے پانی خریدنے کو جائز کہا ہے، کیونکہ جمعہ کی ادائیگی کے لیے وضو واجب ہے اور کسی جگہ پانی مفت میسر نہیں تو اس ضرورت کی بنا پر اسے خریدنا منع نہیں۔ اصول ہے: " وَمَا لَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ إِلَّا بِهِ فَهُوَ وَاجِبٌ۔" اور پانچویں بات یہ ہے کہ مسافر اگر اذان سنے تو اسے بھی جمعہ میں شریک ہونا ضروری ہے، کیونکہ

" يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا " میں وہ بھی شامل ہے، اس لیے اذان سن کر اسے بھی آنا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بخاری رحمہ اللہ مسافر پر بھی جمعہ فرض سمجھتے ہیں، جب کہ اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔ حافظ ابن حجر اور دوسرے اہل علم نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسافر اگر سفر کر رہا ہو تو واقعی اس پر جمعہ فرض نہیں، لیکن اگر وہ کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہے، پھر جمعہ کی اذان ہوتی ہے تو اسے اس میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بات بالکل درست ہے، مثلاً ایک شہر میں جمعہ کی اذان ہوتی ہے، سب لوگ جمعہ کے لیے آ رہے ہیں مگر مسجد کی ہمسائیگی میں بعض مسافر بیٹھے رہتے ہیں کہ ہم پر جمعہ فرض نہیں ہے اور کچھ لوگ باہر کی کسی جگہ سے سفر کر کے آئے ہیں اور اپنی چیزیں فروخت کر رہے ہیں کہ ہم پر جمعہ فرض نہیں اور جمعہ پورا ہونے پر سامان فروخت کر کے چلے جاتے ہیں یہ بالکل نامعقول ہے۔ اس کی تائید امام صاحب نے زہری کے قول سے کی ہے۔ زہری کا ایک قول اس کے خلاف بھی ہے کہ " لَا جُمُعَةَ عَلَى مُسَافِرٍ " یعنی مسافر پر جمعہ نہیں، مگر اس سے مراد وہ مسافر ہے جو سفر کر رہا ہو، کسی جگہ رکے ہوئے مسافر کو اذان سن کر مسجد میں آنا ہوگا۔

٩٠٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَايَةُ بْنُ رِفَاعَةَ، قَالَ: أَدْرَكَنِي أَبُو عَبْسٍ وَأَنَا أَذْهَبُ إِلَى الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ» [انظر: ٢٨١١]

907۔ عبایہ بن رفاعہ سے روایت ہے کہ مجھے ابوعبس رضی اللہ عنہ آ کر ملے جب کہ میں جمعہ کے لیے جا رہا تھا، تو انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''جس شخص کے قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوں اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دیتا ہے۔''

فوائد: 1 عبایہ بن رفاعہ ثقہ تابعی ہیں۔ ابوعبس (عین کے فتح اور با کے سکون کے ساتھ) بنو اوس سے انصاری بدری صحابی ہیں۔ نام ان کا عبدالعزیٰ تھا، نبی ﷺ نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھا۔ کعب بن اشرف یہودی کو قتل کرنے والے اصحاب میں سے ہیں۔

2 ''فی سبیل اللہ'' کا ایک معنی خاص ہے اور ایک عام۔ خاص معنی میں یہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ صدقات کے آٹھ مصارف میں ایک فی سبیل اللہ ہے، اس پر کتاب الجہاد میں بات آئے گی۔ (ان شاء اللہ) عام معنی میں اللہ کی رضا کے لیے کیا ہوا ہر کام ہی فی سبیل اللہ ہے۔ ابوعبس رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے لیے جانے کو جہاد میں شامل کر کے یا اسے عام معنی میں لے کر اس کی فضیلت بیان کی ہے اور ظاہر ہے جمعہ کے لیے چل کر جانے سے قدموں پر غبار تو پڑتا ہی ہے۔

3 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ابن المُنَیِّر نے لکھا ہے کہ ابوعبس رضی اللہ عنہ کی حدیث اس باب میں ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ ابوعبس رضی اللہ عنہ عبایہ بن رفاعہ کو جمعہ کے لیے جاتے ہوئے پیچھے سے آ کر ملے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنائی، یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ عبایہ سکون سے جا رہے ہوں، اگر وہ دوڑ کر جا رہے ہوتے تو ابوعبس رضی اللہ عنہ انھیں کیسے ملتے، پھر دوڑ

کر جانے والے کو حدیث کیسے سنائی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ابوعبس رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی طرف جانے کو جہاد کے حکم میں شامل کیا ہے اور جہاد کے مقاصد میں دوڑنا لازم نہیں ہے اور یہی جمعہ کا معاملہ ہے۔ (فتح الباری)

٩٠٨ ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، قَالَ الزُّهْرِيُّ : عَنْ سَعِيدٍ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . وَحَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ : « إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ، وَأْتُوهَا تَمْشُونَ، عَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا » [راجع : ٦٣٦ـ أخرجه مسلم : ٦٠٢]

908۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ”جب نماز کی اقامت ہو جائے تو اس کے لیے دوڑتے ہوئے مت آؤ بلکہ چل کر آؤ، تم پر سکون و اطمینان لازم ہے، پھر جتنی نماز تمھیں مل جائے وہ پڑھو اور جو تم سے رہ جائے اسے پورا کرو۔“

٩٠٩ ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو قُتَيْبَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى ابْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ ـ لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا عَنْ أَبِيهِ ـ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « لَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ » [راجع : ٦٣٧ـ أخرجه مسلم : ٦٠٤ بقطعة ليست إلا في هذه الطريق]

909۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب تک تم مجھے نہ دیکھو کھڑے نہ ہو اور سکون کو لازم رکھو۔“

فوائد 1 ان احادیث کے کچھ فوائد حدیث (٦٣٦، ٦٣٧) میں گزر چکے ہیں۔ یہاں پہلی حدیث لانے کا مقصد یہ ہے کہ نماز کے لیے دوڑ کر آنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے اور جمعہ بھی ایک نماز ہے، لہٰذا اس کے لیے بھی دوڑ کر نہیں آنا چاہیے، بلکہ سکون، اطمینان اور وقار سے چلتے ہوئے آنا چاہیے۔ آیتِ جمعہ میں ” فَاسْعَوْا “ سے مراد دوڑنا نہیں بلکہ چل کر آنا ہے۔

2 دوسری حدیث میں امام کو دیکھنے سے پہلے نماز کے لیے کھڑا ہونے سے منع فرمایا اور سکینت لازم رکھنے کا حکم دیا ہے،

مطلب یہ ہے کہ مسجد کی طرف آتے ہوئے بھی سکون سے آؤ اور مسجد میں آ کر بھی سکون واطمینان سے بیٹھے رہو، جب تک امام نظر نہ آئے کھڑے مت ہو۔ جمعہ کی نماز کا بھی یہی حکم ہے۔

١٩ ـ بَابٌ: لَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

19۔ باب: جمعہ کے دن دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے جدا نہ کرے

٩١٠ ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ وَدِيعَةَ، عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَتَطَهَّرَ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، ثُمَّ ادَّهَنَ أَوْ مَسَّ مِنْ طِيبٍ، ثُمَّ رَاحَ فَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ، فَصَلَّى مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ أَنْصَتَ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى» [راجع: ٨٨٣]

910۔ سلمان فارسی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جو طہارت بھی کر سکتا ہے کرے، پھر تیل لگائے یا کوئی خوشبو لگائے، پھر چلے اور دو آدمیوں کے درمیان جدائی نہ ڈالے، پھر جو اس کی قسمت میں ہے نماز پڑھے، پھر جب امام نکل آئے تو خاموش رہے، اسے اس کے اور دوسرے جمعہ کے درمیان کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔“

فوائد ومسائل: 1 اس حدیث کے بعض فوائد حدیث (٨٨٣) میں گزر چکے ہیں۔ ابن المنیر نے بخاری کے حاشیہ میں لکھا ہے: دو آدمیوں کے درمیان جدائی ڈالنے میں یہ بھی شامل ہے کہ دونوں کے درمیان گھس کر بیٹھ جائے یا ایک کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھ جائے۔ بعض اوقات یہ لفظ گردنیں پھلانگنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ گردنیں پھلانگنے میں مزید قباحت یہ ہے کہ پاؤں ان کے سروں یا کندھوں سے اونچے ہو جاتے ہیں، بعض اوقات پاؤں سے لگی ہوئی کوئی چیز ان کے کپڑوں کو بھی لگ جاتی ہے۔ البتہ اگر اگلی صفوں میں جگہ خالی ہو تو انھیں پھلانگ کر جانے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس میں قصور ان کا ہے۔ (فتح الباری) اگر خطیب کے لیے آگے جانے کا اور راستہ نہ ہو تو وہ بھی اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ یہ مجبوری ہے، فرمایا: ﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾ [الأنعام: ١١٩] ”اور بلاشبہ اس نے تمھارے لیے وہ چیزیں کھول کر بیان کر دی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں، مگر جس کی طرف تم مجبور کر دیے جاؤ۔“

2 گردنیں پھلانگنے کی ممانعت کی احادیث سنن اور مسانید میں موجود ہیں، اکثر میں کوئی نہ کوئی کمزوری ہے۔ اس مسئلے میں سب سے قوی حدیث عبداللہ بن بسر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اس دوران ایک آدمی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا، آپ نے فرمایا: «اِجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ» [أبو داود، الصلاة: ١١١٨] ”بیٹھ جاؤ، کیونکہ تم نے

اذیت دی ہے۔'' اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « وَمَنْ لَغَا وَ تَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ كَانَتْ لَهُ ظُهْرًا » [أبو داؤد : ٣٤٧] ''جو شخص (جمعہ میں) لغو کام کرے گا اور لوگوں کی گردنیں پھلانگے گا اس کے لیے ظہر ہوگی (وہ جمعہ کے ثواب سے محروم رہے گا)۔'' (فتح الباری)

٢٠ - بَابٌ: لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ أَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَقْعُدُ فِي مَكَانِهِ

20- باب: جمعہ کے دن آدمی اپنے بھائی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے

٩١١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ نَافِعًا، يَقُولُ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ أَخَاهُ مِنْ مَقْعَدِهِ وَيَجْلِسَ فِيهِ.

911- ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے نافع سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ کہہ رہے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی دوسرے آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھائے اور خود وہاں بیٹھ جائے۔

قُلْتُ: لِنَافِعٍ الْجُمُعَةَ؟ قَالَ: الْجُمُعَةَ وَغَيْرَهَا.

[انظر : ٦٢٦٩، ٦٢٧٠ـ أخرجه مسلم : ٢١٧٧]

میں نے نافع سے کہا: جمعہ میں؟ انھوں نے کہا: جمعہ اور غیر جمعہ دونوں میں۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں جمعہ کا لفظ ذکر کیا ہے، مگر حدیث میں جمعہ کا لفظ نہیں ہے، جمعہ کے لفظ والی حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم (۲۱۷۸) میں ان الفاظ سے مروی ہے: « لَا يُقِيمَنَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، ثُمَّ لْيُخَالِفْ إِلَى مَقْعَدِهِ، فَيَقْعُدَ فِيهِ وَلٰكِنْ يَقُولُ: افْسَحُوْا » ''تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو جمعہ کے دن نہ اٹھائے کہ پھر اس کی جگہ پر خود بیٹھ جائے، لیکن یہ کہے کہ کھل کر جگہ بنا دو۔'' چونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں لفظ عام ہیں کہ جمعہ ہو یا غیر جمعہ، مسجد ہو یا کوئی اور عام مجلس ہو، ہر جگہ اس ادب کا خیال رکھنا لازم ہے، کیونکہ کسی دوسرے کو اٹھانے میں خود پسندی اور تکبر پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ چیز اٹھانے والے اور دوسرے آدمی کے درمیان عداوت اور بغض کا سبب بنتی ہے۔ ہاں اگر کوئی خود جگہ دے تو الگ بات ہے، البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے کوئی آدمی ان کے احترام میں اپنی جگہ خالی کرتا تو وہ پھر بھی وہاں نہیں بیٹھتے تھے۔ [دیکھیے بخاري : ٦٢٧٠] البتہ امیر کی مجلس میں صاحب فضل لوگوں کی بجائے عام لوگ جگہ پر قابض ہو جائیں اور مجلس کے منتظمین انھیں اٹھنے کے لیے کہہ دیں تو انھیں برا نہیں منانا چاہیے۔ [دیکھیے سورۃ المجادلۃ : ١٨] ابن رجب نے فتح الباری میں کہا ہے: ''اگر کوئی بچہ صف کے درمیان آ کھڑا ہو، پھر کوئی جوان یا بزرگ آئے تو اس کے لیے بچے کو پیچھے کر کے وہاں کھڑا ہونا جائز ہے، جیسا کہ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے قیس بن عباد رحمہ اللہ کے ساتھ کیا۔ ایسے ہی

عمر ؓ سے بھی روایت آئی ہے۔" (شرح ابن عثیمین)

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر ؒ کی فتح الباری کے علاوہ ابن رجب ؒ کی شرح بخاری کا نام بھی فتح الباری ہے۔

٢١ - بَابُ الْأَذَانِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

21۔ باب: جمعہ کے دن اذان

٩١٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوَّلُهُ إِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ. [انظر: ٩١٣، ٩١٥، ٩١٦]

912۔ سائب بن یزید ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جمعہ کے دن پہلی اذان نبی ﷺ اور ابو بکر اور عمر ؓ کے عہد میں اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا، پھر جب عثمان ؓ (خلیفہ) ہوئے اور لوگ زیادہ ہو گئے تو انھوں نے زوراء مقام پر تیسری اذان کا اضافہ کر دیا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: الزَّوْرَاءُ مَوْضِعٌ بِالسُّوقِ بِالْمَدِينَةِ.

ابو عبداللہ (بخاری) نے کہا: زوراء مدینہ میں بازار کے اندر ایک جگہ تھی۔

فوائد: 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن جس اذان کا قرآن میں ذکر ہے نبی ﷺ اور ابو بکر اور عمر ؓ کے عہد میں اس وقت ہوتی تھی جب خطیب منبر پر بیٹھتا تھا۔ اس کے بعد نماز کے لیے اقامت ہوتی تھی، اس کے الفاظ بھی چونکہ اذان والے ہی ہیں اس لیے اسے دوسری اذان کہہ دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی بخاری (٦٢٤) میں حدیث "بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ" میں بھی دو اذانوں سے مراد اذان اور اقامت ہے۔ عثمان ؓ کے زمانے میں مدینہ کی آبادی زیادہ ہو گئی تو انھوں نے بازار میں واقع مقام زوراء پر تیسری اذان کا اضافہ کر دیا، جو خطبہ کے ساتھ ہونے والی اذان سے کچھ دیر پہلے کہی جاتی تھی، تاکہ بازار کے لوگ متنبہ ہو جائیں۔ اسے پہلے سے جاری اذان و اقامت کے بعد شروع ہونے کی وجہ سے تیسری اذان کہا گیا ہے اور اسی کو ان سے پہلے ہونے کی وجہ سے پہلی اذان کہہ لیا جاتا ہے۔

2 ظاہر ہے یہ اذان عثمان ؓ نے آبادی زیادہ ہونے اور مسجد نبوی کی اذان کی آواز وہاں تک نہ پہنچنے کی وجہ سے شروع کی تھی۔ یہ ان کا اجتہاد تھا اور خلیفۂ راشد کا حکم اور ایک واقعی ضرورت ہونے کی وجہ سے یہ اکثر مقامات پر رائج ہو گئی اور آج تک جاری ہے۔ اس میں اجتہاد کی گنجائش اس لیے تھی کہ اذان کی تشریع میں لوگوں سے رائے لی گئی تھی، اس لیے اجتہاد سے اس میں اضافہ میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ علت نئی ہو۔ عثمان ؓ والی علت "كَثُرَ النَّاسُ" نبی ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی اور عثمان ؓ والی علت لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے اب ختم ہو چکی ہے۔

3 خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اذان کس جگہ کہی جاتی تھی، سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: « كَانَ النِّدَاءُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عِنْدَ الْمِنْبَرِ » [المعجم الكبير للطبراني : ٦٦٤٦] ''اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں منبر کے پاس ہوا کرتی تھی۔'' ہدایۃ القاری میں ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

4 سوال یہ ہے کہ آج کل لاؤڈ سپیکر نے آواز پہنچانے کا مسئلہ حل کر دیا ہے، کیا اب بھی یہ اذان کہنی چاہیے؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ ضرورت کا حکم اس وقت تک محدود ہوتا ہے جب تک وہ ضرورت موجود رہے، جب وہ ختم ہو جائے تو حکم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کو اصرار ہو کہ یہ خلیفۂ راشد کی سنت ہے تو وہ مسجد سے دور بازار میں ہونی چاہیے۔ مسجد ہی میں خطبے سے پہلے دو اذانیں عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت بھی نہیں ہے۔

5 اگر کوئی کہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کام کیا اور صحابہ اور پوری امت نے اس پر عمل کیا، لہٰذا یہ اجماع سکوتی ہو گیا تو یہ بات بھی درست نہیں۔ ہدایۃ القاری میں تفسیر قرطبی (١٨/١٠٠) کے حوالے سے لکھا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دار الحکومت کوفہ میں اس اذان کو ختم کر کے اذان نبوی ہی کو برقرار رکھا تھا۔ فتح الباری میں ہے کہ ابن ابی شیبہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے لکھا ہے کہ انھوں نے کہا: « اَلْأَذَانُ الْأَوَّلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِدْعَةٌ » [مصنف ابن أبي شيبة : ٥٤٤١] ''جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے بعض بدعات کو حسنہ اور بعض کو اس کے برعکس قرار دیا ہے۔ یہ تقسیم درست نہیں، کیونکہ '' كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ '' کے بعد اس کی گنجائش نہیں۔ اس اذان پر پوری امت کے اتفاق کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے علاوہ لکھا ہے: ''لیکن فاکہانی نے لکھا ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے یہ اذان حجاج نے شروع کی اور بصرہ میں زیاد نے شروع کی (عثمان رضی اللہ عنہ کے اور حجاج اور زیاد کے درمیان بیسیوں سال کا وقفہ ہے)، ظاہر ہے اس سے مکہ اور بصرہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ اذان ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔'' حافظ رحمہ اللہ نے کہا: ''اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ مغرب ادنیٰ (مراکش اور تیونس) والوں کے ہاں آج بھی ایک ہی اذان رائج ہے۔'' حافظ ابن حجر کا زمانہ ٧٧٣ھ سے لے کر ٨٥٢ ہجری تک ہے۔ بندہ عبد السلام کہتا ہے کہ ہمارے ہاں بھی ایک اذان ہوتی ہے، البتہ اکثر مساجد میں دو اذانیں ہوتی ہیں۔ اس مسئلہ میں شدت اختیار نہیں کرنی چاہیے، البتہ سمجھانا چاہیے، اگر کوئی اصرار کرے تو عثمان رضی اللہ عنہ کا اجتہاد سمجھ کر برداشت کرنا چاہیے۔ اگرچہ دین قرار دینے کے لیے صرف کسی خلیفۂ راشد کی سنت ہونا کافی نہیں، بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اختلاف کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل ہو گا جس پر خلفائے راشدین نے عمل کیا ہو گا۔ ایسی صورت میں '' سُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ '' دونوں کا ہونا ضروری ہے، یعنی ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہو، اس کے مقابلے میں آپ ہی کی دوسری سنت ہو اور دونوں میں سے کسی ایک کے نسخ یا ترجیح کا فیصلہ نہ ہو سکے تو اس سنت پر عمل کرو جس پر خلفائے راشدین کا عمل ہو۔ صرف کسی خلیفۂ راشد کے عمل یا سنت سے دین ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں اور ہمیں حکم ہے: ﴿ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ﴾ [الأعراف : ٣] ''اس کے پیچھے چلو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور

اس کے سوا اور دوستوں کے پیچھے مت چلو۔"

٢٢- بَابُ الْمُؤَذِّنِ الْوَاحِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

٩١٣- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ أَبِي سَلَمَةَ الْمَاجِشُونُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ: أَنَّ الَّذِي زَادَ التَّأْذِينَ الثَّالِثَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ كَثُرَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ، وَلَمْ يَكُنْ لِلنَّبِيِّ ﷺ مُؤَذِّنٌ غَيْرُ وَاحِدٍ، وَكَانَ التَّأْذِينُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِينَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ، يَعْنِي: عَلَى الْمِنْبَرِ. [راجع: ٩١٢]

22- باب: جمعہ کے دن ایک ہی مؤذن ہونا

913- سائب بن یزید سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن تیسری اذان کا اضافہ کرنے والے عثمان رضی اللہ عنہ تھے، جب مدینہ کی آبادی زیادہ ہوگئی۔ نبی ﷺ کا صرف ایک ہی مؤذن تھا اور اذان اسی وقت ہوتی تھی جب امام بیٹھ جاتا تھا، یعنی منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔

فائدہ: اس حدیث کی شرح پچھلے باب میں گزر چکی ہے۔ اس باب کے ساتھ امام صاحب ایک تو ان لوگوں کا رد کر رہے ہیں جن کے ہاں جمعہ کے لیے مسجد کے چاروں میناروں پر ایک سے زیادہ مؤذن ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک کلمہ پہلا مؤذن کہتا، پھر وہی کلمہ دوسرا، پھر تیسرا مؤذن کہتا اور اس طرح وہ اذان پوری کرتے۔ اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جن کے ہاں ایک وقت میں کئی مؤذن ایک آواز کے ساتھ اذان کہتے تھے۔ اس کے علاوہ اس عمل کا رد ہے جو بعض لوگوں نے جمعہ کو فجر کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے کیا ہے کہ فجر کے لیے آپ کے دو مؤذن تھے، ایک پہلے اذان کہتا (یہ بلال رضی اللہ عنہ تھے) پھر دوسرا کہتا (یہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تھے)، اسی طرح جمعہ کے لیے بھی دو مؤذن ہونے چاہییں، ایک لوگوں کی اطلاع کے لیے پہلے اذان کہے، پھر خطبہ شروع ہوتے وقت دوسرا مؤذن اذان کہے، جب کہ جمعہ کے لیے دوسرے مؤذن کا کہیں ذکر نہیں۔ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جمعہ کے لیے ایک ہی مؤذن ہونا چاہیے جو خطبہ شروع ہونے سے پہلے اذان کہے، کیونکہ نبی ﷺ کا یہی عمل تھا۔

٢٣- بَابٌ: يُجِيبُ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ

٩١٤- حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ،

23- باب: امام منبر پر جب اذان سنے تو اس کا جواب دے

914- ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے سنا

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ : سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ، وَهُوَ جَالِسٌ عَلَى الْمِنْبَرِ، أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ قَالَ : اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، قَالَ مُعَاوِيَةُ : اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، قَالَ : أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ : وَأَنَا، فَقَالَ : أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ : وَأَنَا، فَلَمَّا أَنْ قَضَى التَّأْذِينَ قَالَ : يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى هٰذَا الْمَجْلِسِ حِينَ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَقُولُ مَا سَمِعْتُمْ مِنِّي مِنْ مَقَالَتِي ۔ [راجع : ۹۱۲]

جب کہ وہ منبر پر بیٹھے تھے، مؤذن نے اذان کہی، کہا: " اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ " معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: " اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ " اس نے کہا: " أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اور میں بھی (یہ شہادت دیتا ہوں)۔ اس نے کہا: " أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ " تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اور میں بھی۔ جب مؤذن نے اذان پوری کی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگو! میں نے اس مجلس میں رسول اللہ ﷺ کو جب مؤذن نے اذان کہی یہی بات کہتے سنا جو تم نے مجھ سے سنی۔

فوائد تخصیص 1 اس حدیث کی شرح (۹۱۲) میں گزر چکی ہے۔ ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ انصاری مدنی صحابی ہیں، ۸ ہجری میں پیدا ہوئے، نبی ﷺ کا زمانہ پایا، سماع نہیں۔

2 اس حدیث کے کچھ فوائد یہ ہیں: معلم سے علم سیکھنا اور اس کا سکھانا جب وہ منبر پر ہو۔ خطیب کا منبر پر مؤذن کی اذان کا جواب دینا، جواب دینے والا اگر مؤذن کے کلمۂ شہادت کا جواب " وَ أَنَا " (اور میں بھی) یا اس جیسے الفاظ کے ساتھ دے دے تو کافی ہے۔ خطبہ سے پہلے خطیب کا منبر پر بیٹھ جانا۔ (فتح الباری)

۲٤ ۔ بَابُ الْجُلُوسِ عَلَى الْمِنْبَرِ عِنْدَ التَّأْذِينِ

24۔ باب: اذان کہنے کے وقت منبر پر بیٹھنا

۹۱۵ ۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ السَّائِبَ ابْنَ يَزِيدَ أَخْبَرَهُ : أَنَّ التَّأْذِينَ الثَّانِي يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمَرَ بِهِ عُثْمَانُ ، حِينَ كَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ، وَكَانَ التَّأْذِينُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِينَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ ۔ [راجع : ۹۱۲]

915۔ سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جمعے کے دن دوسری اذان کا حکم عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں لوگ زیادہ ہو گئے۔ اور (اس سے پہلے) جمعے کے دن اذان اسی وقت ہوتی تھی جب امام (منبر پر) بیٹھ جاتا تھا۔

فائدہ تخصیص اس حدیث کی شرح (۹۱۲) میں گزر چکی ہے، یہاں اس کی باب سے مناسبت ظاہر ہے۔

٢٥ - بَابُ التَّأْذِينِ عِنْدَ الْخُطْبَةِ

25۔ باب: خطبہ کے وقت اذان کہنا

٩١٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ: إِنَّ الْأَذَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَانَ أَوَّلُهُ حِينَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَلَمَّا كَانَ فِي خِلَافَةِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَثُرُوا أَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْأَذَانِ الثَّالِثِ، فَأُذِّنَ بِهِ عَلَى الزَّوْرَاءِ، فَثَبَتَ الْأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ. [راجع: ٩١٢]

916۔ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتا تھا، پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی اور لوگ زیادہ ہو گئے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن تیسری اذان کا حکم دیا تو وہ زوراء مقام پر کہی گئی، پھر اسی پر عمل قائم رہا۔

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۹۱۲)۔

٢٦ - بَابُ الْخُطْبَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ

26۔ باب: منبر پر خطبہ دینا

وَقَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ. [راجع: ٩٣]

اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے منبر پر خطبہ دیا۔

٩١٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيُّ الْقُرَشِيُّ الْإِسْكَنْدَرَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمِ بْنُ دِينَارٍ: أَنَّ رِجَالًا أَتَوْا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ، وَقَدِ امْتَرَوْا فِي الْمِنْبَرِ مِمَّ عُودُهُ، فَسَأَلُوهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَعْرِفُ مِمَّا هُوَ، وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ أَوَّلَ يَوْمٍ وُضِعَ، وَأَوَّلَ يَوْمٍ جَلَسَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، أَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى

917۔ ابو حازم بن دینار سے روایت ہے کہ کچھ لوگ سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ منبر کے متعلق بحث کر رہے تھے کہ اس کی لکڑی کس درخت کی ہے۔ انھوں نے سہل رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ وہ کس لکڑی کا ہے اور میں نے اسے اس پہلے دن دیکھا جب وہ رکھا گیا اور پہلے دن جب رسول اللہ ﷺ اس پر بیٹھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فلاں عورت کی طرف پیغام بھیجا جو انصار سے تھی، سہل رضی اللہ عنہ نے

فُلَانَةَ، امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ : « مُرِي غُلَامَكِ النَّجَّارَ أَنْ يَعْمَلَ لِي أَعْوَادًا أَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ إِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ » فَأَمَرَتْهُ فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ، ثُمَّ جَاءَ بِهَا، فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَأَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ هَا هُنَا، ثُمَّ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى عَلَيْهَا، وَكَبَّرَ وَهُوَ عَلَيْهَا، ثُمَّ رَكَعَ وَهُوَ عَلَيْهَا، ثُمَّ نَزَلَ الْقَهْقَرَى، فَسَجَدَ فِي أَصْلِ الْمِنْبَرِ، ثُمَّ عَادَ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: « أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا صَنَعْتُ هَذَا لِتَأْتَمُّوا وَلِتَعَلَّمُوا صَلَاتِي » [راجع : ٣٧٧- أخرجه مسلم : ٥٤٤]

اس کا نام بھی بتایا تھا: ''اپنے ترکھان غلام سے کہو کہ میرے لیے ایسی لکڑیاں بنا دے جن پر میں لوگوں سے کلام کرتے وقت بیٹھا کروں۔'' تو اس نے اپنے غلام کو حکم دیا تو اس نے اسے غابہ کے جھاؤ سے بنایا، پھر اسے لے کر آیا تو اس عورت نے اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیج دیا اور اسے اس جگہ رکھ دیا گیا۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ نے اس پر نماز پڑھی، آپ نے تکبیر کہی جب کہ آپ اس کے اوپر تھے، آپ نے رکوع کیا اور آپ اس کے اوپر تھے، پھر آپ اُلٹے پاؤں اترے اور منبر کی جڑ میں سجدہ کیا، پھر دوبارہ منبر پر چڑھ گئے۔ جب فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا: ''لوگو! میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ تم میری پیروی کرو اور تا کہ تم میری نماز سیکھ لو۔''

فوائد 1 اس حدیث کی شرح حدیث (۳۷۷) میں گزر چکی ہے، مزید چند فوائد یہ ہیں: اس حدیث سے ہر مسجد میں منبر پر خطبہ دینا مسنون ثابت ہوا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ پوری امت کے لیے نمونہ ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ صرف خلیفہ یا اس کا نائب منبر پر خطبہ دے، مگر یہ درست نہیں۔ منبر پر خطبہ دینے میں دو واضح فائدے ہیں: پہلا فائدہ یہ کہ اس سے آواز بلند ہو کر دور تک پہنچ جاتی ہے۔ لفظ ''منبر'' کا مفہوم بھی یہی ہے۔ " نَبَرَ يَنْبِرُ " (ض) " الشَّيْءَ " کسی چیز کو بلند کرنا، ''منبر'' کا معنی آواز اونچی کرنے کا آلہ۔ (قاموس) اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے " عَشِيْرَةُ الْأَقْرَبِيْنَ " کو پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی تھی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لوگ خطیب کی بات سننے کے ساتھ ساتھ خود اسے دور تک دیکھتے بھی رہیں گے، کیونکہ اس سے بات زیادہ سمجھ میں آتی ہے۔ اس کا تجربہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ کسی کی تقریر سننے کے ساتھ اسے دیکھتے بھی رہیں تو آپ اس سے زیادہ متاثر ہوں گے، جب کہ وہی تقریر جب آپ ریکارڈ کر کے سنیں گے تو حیران ہوں گے کہ سبحان اللہ! یہ وہی تقریر ہے جس نے مجھ پر اتنا اثر کیا تھا۔ اس کے علاوہ دیکھ کر سنی ہوئی بات زیادہ سمجھ میں آتی اور زیادہ یاد رہتی ہے، کیونکہ خطیب کا نقشہ اور انداز بیان بھی خطاب کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں جو دل و دماغ پر نقش ہو جاتے ہیں۔

2 بعض اہلِ علم نے اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگرچہ اپنی ذات کے لیے سوال سے اجتناب کرنا چاہیے، مگر لوگوں کی

مصلحت کے لیے سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ آپ نے اس عورت کی طرف پیغام بھیجا۔ مگر اس حدیث سے یہ بات نہیں نکلتی، کیونکہ صحیح بخاری (۴۴۹) میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس عورت نے خود رسول اللہ ﷺ کو منبر بنانے کی پیش کش کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس کی طرف یہ پیغام اس کی پیش کش قبول کرتے ہوئے بھیجا تھا۔

3 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص ایسا کام کرے جو لوگوں کے لیے نیا ہو تو اس کی وضاحت کر دے، جیسے آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کی وضاحت کر دی۔ ایسے ہی اگر کبھی سجدۂ سہو کا اتفاق ہو جس کا سبب لوگ نہ جان سکیں تو اس کی وضاحت کر دینی چاہیے۔

4 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو قول و فعل دونوں طریقوں سے سمجھانے اور سکھانے کی کوشش کرتے تھے، کیونکہ بعض اوقات فعل کے ساتھ تعلیم قول سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے، کیونکہ اس میں آدمی سننے کے ساتھ دیکھتا بھی ہے جس سے وہ بات دل میں نقش ہو جاتی ہے اور آدمی کہتا ہے گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔

٩١٨ ـ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي ابْنُ أَنَسٍ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ : كَانَ جِذْعٌ يَقُومُ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ، فَلَمَّا وُضِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ سَمِعْنَا لِلْجِذْعِ مِثْلَ أَصْوَاتِ الْعِشَارِ، حَتَّى نَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ . [راجع : ٤٤٩]

918۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: (کھجور کا) ایک تنا تھا، نبی ﷺ اس کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، پھر جب آپ کے لیے منبر رکھا گیا تو ہم نے اس تنے سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنیوں (کے بلبلانے) جیسی آوازیں سنیں، یہاں تک نبی ﷺ اترے اور آپ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا (تو وہ تنا روتا روتا چپ ہو گیا)۔

قَالَ سُلَيْمَانُ ، عَنْ يَحْيَى : أَخْبَرَنِي حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ : أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا .

سلیمان نے یحییٰ سے بیان کیا کہ مجھے حفص بن عبید اللہ ابن انس نے خبر دی کہ اس نے جابر (بن عبد اللہ) رضی اللہ عنہما سے سنا۔

فائدہ "اَلْعِشَارُ" "عُشَرَاءُ" کی جمع ہے: دس ماہ کی حاملہ اونٹنی۔ صحیح بخاری (۳۵۸۵) میں ہے کہ آپ نے اس پر ہاتھ رکھا تو وہ پُرسکون ہو گیا۔ اس حدیث کی شرح اگر اللہ نے چاہا تو کتاب المناقب کے "باب علامات النبوۃ" میں آئے گی۔ علامہ وحید الزمان رحمہ اللہ اس پر لکھتے ہیں: یہ لکڑی نبی ﷺ کی جدائی پر رونے لگی، جب آپ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا تو اس کو تسلی ہو گئی۔ مومنوں کو اس لکڑی برابر بھی آپ ﷺ سے محبت نہیں جو آپ کے کلام پر دوسروں کی رائے اور قیاس کو مقدم سمجھتے ہیں۔

٩١٩ ۔ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَقَالَ : « مَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ » [راجع : ٨٧٧۔ أخرجه مسلم : ٨٤٤]

919۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: ''جو شخص جمعہ کے لیے آئے وہ غسل کرے۔''

فائدہ اس حدیث سے مقصود یہاں صرف یہ الفاظ ہیں: « يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ » اس حدیث کی شرح حدیث (۸۷۷) میں گزر چکی ہے۔

٢٧ ۔ بَابُ الْخُطْبَةِ قَائِمًا

27۔ باب: کھڑے ہو کر خطبہ دینا

وَقَالَ أَنَسٌ : بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ قَائِمًا . [راجع : ٩٣٢]

اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس دوران کہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔

٩٢٠ ۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، قَالَ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ قَائِمًا، ثُمَّ يَقْعُدُ، ثُمَّ يَقُومُ كَمَا تَفْعَلُونَ الْآنَ . [انظر : ٩٢٨۔ أخرجه مسلم : ٨٦١ بذكره « يفعلون اليوم »]

920۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، پھر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہو جاتے، جیسے تم لوگ اب کرتے ہو۔

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو جمعے کا خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ یہ خطبہ کھڑے ہو کر دیا ہے اور اگر بیٹھ کر خطبہ دینا ہے تو دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا کیا مطلب رہ جائے گا؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا ذکر فرمایا ہے: ﴿ وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا ﴾ [الجمعة : ١١] ''اور تجھے کھڑا ہوا چھوڑ گئے۔'' اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے تو جو تمھیں بتائے کہ آپ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے اس نے جھوٹ کہا، اللہ کی قسم! میں نے آپ کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ نمازیں پڑھی ہیں۔ [مسلم : ٨٦٢/٣٥]

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے، عبدالرحمٰن ابن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہے تھے تو انھوں نے کہا: ''اسے دیکھو بیٹھ کر

خطبہ دے رہا ہے جب کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ﴾ [الجمعة : ١١] ''اور جب انھوں نے ایک تجارت یا تماشا دیکھا تو اٹھ کر اس کی طرف چلے گئے اور تجھے کھڑا ہوا چھوڑ گئے۔'' [نسائي : ١٣٩٧، صحيح] اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر ہی دینا چاہیے، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ہمیشہ کا عمل ہے۔ البتہ عذر کی وجہ سے بیٹھ کر خطبہ دیا جا سکتا ہے، جس طرح نماز میں عذر کی وجہ سے قیام کے وقت بیٹھا جا سکتا ہے۔ عثمان اور معاویہ رضی اللہ عنہما سے آخر عمر میں بیٹھ کر خطبہ دینے کا جو ذکر آیا ہے، وہ عمر رسیدہ اور جسم بھاری ہونے کے عذر کی وجہ سے ہے۔ ایسی صورت میں بیٹھنے کا جواز ہے، فرمایا: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [البقرة : ٢٨٦] ''اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔''

٢٨ ـ بَابٌ : يَسْتَقْبِلُ الْإِمَامُ الْقَوْمَ وَاسْتِقْبَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ إِذَا خَطَبَ

28۔ باب: خطبہ دیتے وقت امام کا لوگوں کی طرف اور لوگوں کا امام کی طرف منہ کرنا

وَاسْتَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَسٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمُ الْإِمَامَ .

اور ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم نے امام کی طرف منہ کیا۔

٩٢١ ـ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ قَالَ : إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَلَسَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ . [انظر : ١٤٦٥، ٢٨٤٢، ٦٤٢٧۔ أخرجه مسلم : ١٠٥٢ مطولاً]

921۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دن نبی ﷺ منبر پر بیٹھے اور ہم آپ کے گرد بیٹھ گئے۔

فوائد 1 ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل سنن بیہقی (۲۸۲/۳، ح: ۵۷۱۶) میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن امام کے آنے سے پہلے اپنے نوافل سے فارغ ہو جاتے، پھر جب امام آ جاتا تو اس کے بیٹھنے سے پہلے اس کی طرف منہ کر لیتے۔ اور انس رضی اللہ عنہ کا عمل نعیم بن حماد کے نسخہ میں صحیح سند کے ساتھ (اور سنن بیہقی: ۲۸۲/۳، ح: ۵۷۱۴ میں) اس طرح ہے کہ جب امام خطبہ شروع کرتا تو اس کے خطبہ سے فارغ ہونے تک اس کی طرف منہ کیے رہتے۔ (فتح الباری)

2 عدی بن ثابت کے والد ثابت سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب منبر پر کھڑے ہوتے تو آپ کے صحابہ اپنے منہ آپ کی طرف کر لیتے۔ (ابن ماجہ: ۱۱۳۶) اسے شیخ البانی نے صحیح کہا ہے، مگر یہ بخاری کی شرط پر نہیں، بلکہ ترمذی نے کہا ہے: اس بارے میں نبی ﷺ سے کوئی چیز ثابت نہیں، یعنی صراحتاً ثابت نہیں، اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے باب میں مذکور حدیث سے

استدلال کیا ہے۔ استدلال واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گرد صحابہ کے بیٹھنے کا مقصد آپ کی طرف دیکھنے کا ہے۔ اگر صرف سننا ہی مقصود ہوتو اس کے لیے آپ کے گرد بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جمعہ کے خطبہ کے علاوہ کوئی خطبہ تھا، مگر جب عام خطبے میں یہ اہتمام تھا تو خطبہ جمعہ میں تو استماع اور انصات کا خاص حکم ہے۔ جمعہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا ہر آدمی امام کی طرف اپنا منہ کر سکتا ہے، لیکن جس جگہ امام کی طرف دیکھنا ممکن نہ ہو وہاں خطبہ سننا ہی کافی ہے۔

٢٩۔ بَابُ: مَنْ قَالَ فِي الْخُطْبَةِ بَعْدَ الثَّنَاءِ: أَمَّا بَعْدُ

29۔ باب: خطبہ میں ثنا کے بعد "اما بعد" کہنا

رَوَاهُ عِكْرِمَةُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

[راجع: ٩٢٧]

اسے عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فائدہ یہ حدیث اسی باب کے آخر میں باسند آرہی ہے۔

٩٢٢ ـ وَقَالَ مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ، قُلْتُ: مَا شَأْنُ النَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا إِلَى السَّمَاءِ، فَقُلْتُ: آيَةٌ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا، أَيْ نَعَمْ، قَالَتْ: فَأَطَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ جِدًّا حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ، وَإِلَى جَنْبِي قِرْبَةٌ فِيهَا مَاءٌ فَفَتَحْتُهَا، فَجَعَلْتُ أَصُبُّ مِنْهَا عَلَى رَأْسِي، فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَخَطَبَ النَّاسَ وَحَمِدَ اللَّهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ»

قَالَتْ: وَلَغَطَ نِسْوَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَانْكَفَأْتُ إِلَيْهِنَّ لِأُسَكِّتَهُنَّ فَقُلْتُ لِعَائِشَةَ: مَا قَالَ؟ قَالَتْ:

922۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی، اس وقت لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے کہا: لوگوں کا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے سر کے ساتھ آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا: کوئی نشانی ہے؟ انھوں نے سر کے اشارے سے کہا کہ ہاں! تو رسول اللہ ﷺ نے بہت لمبی نماز پڑھائی یہاں تک کہ مجھ پر غشی چھانے لگی۔ میری ایک جانب ایک مشکیزہ تھا جس میں کچھ پانی تھا، میں نے اسے کھولا اور اس میں سے پانی لے کر اپنے سر پر ڈالنے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا، پھر آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اللہ کی حمد کی جس کے وہ لائق ہے، پھر فرمایا: "اما بعد"

اسماء نے کہا: اور انصار کی کچھ عورتوں نے شور کیا تو میں انھیں چپ کروانے کے لیے ان کی طرف پلٹی، پھر میں نے

قَالَ: «مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَكُنْ أُرِيتُهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا، حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، وَإِنَّهُ قَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ مِثْلَ - أَوْ قَرِيبَ مِنْ - فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، يُؤْتَى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهُ: مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ - أَوْ قَالَ: الْمُوقِنُ، شَكَّ هِشَامٌ - فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللَّهِ، هُوَ مُحَمَّدٌ ﷺ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى، فَآمَنَّا وَأَجَبْنَا وَاتَّبَعْنَا وَصَدَّقْنَا، فَيُقَالُ لَهُ: نَمْ صَالِحًا قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ إِنْ كُنْتَ لَتُؤْمِنُ بِهِ، وَأَمَّا الْمُنَافِقُ - أَوْ قَالَ: الْمُرْتَابُ، شَكَّ هِشَامٌ - فَيُقَالُ لَهُ: مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُ»

عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ انھوں نے کہا: آپ نے فرمایا ہے: ”کوئی بھی چیز جو مجھے دکھائی نہیں گئی تھی وہ میں نے اپنی اس جگہ میں دیکھ لی ہے، حتیٰ کہ جنت اور آگ بھی۔ اور میری طرف وحی کی گئی ہے کہ قبروں میں تمھاری آزمائش مسیح دجال کی آزمائش کی مثل یا اس کے قریب کی جاتی ہے۔ تم میں سے ہر آدمی کے پاس آنے والا آتا ہے اور اسے کہتا ہے: اس آدمی کے بارے میں تیرا علم کیا ہے؟ تو جو مومن ہے یا کہا کہ جو یقین والا ہے۔ ہشام نے شک کیا۔ وہ کہتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول محمد ﷺ ہیں، آپ ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت لے کر آئے تو ہم ایمان لے آئے، ہم نے قبول کیا، ہم نے آپ کی پیروی کی اور آپ کی تصدیق کی۔ تو اسے کہا جاتا ہے: صحیح سلامت سوجا، ہم جان چکے تھے کہ تم آپ پر ایمان رکھتے تھے۔ اور جو منافق ہے یا کہا کہ جو شک والا ہے۔ ہشام نے شک کیا۔ اسے کہا جاتا ہے: اس آدمی کے بارے میں تیرا علم کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں سے سنا وہ کوئی بات کہتے تھے تو میں نے بھی وہ بات کہہ دی۔“

قَالَ هِشَامٌ: فَلَقَدْ قَالَتْ لِي فَاطِمَةُ فَأَوْعَيْتُهُ، غَيْرَ أَنَّهَا ذَكَرَتْ مَا يُغَلَّظُ عَلَيْهِ. [راجع: ٨٦۔ أخرجه مسلم: ٩٠٥]

ہشام نے کہا: مجھے فاطمہ (بنت منذر) نے یہ حدیث بیان کی تو میں نے اسے یاد کر لیا، البتہ اتنی بات ہے کہ اس نے اس سختی کا ذکر کیا جو منافق پر کی جاتی ہے (وہ مجھے یاد نہ رہی)۔

فائدہ: یہ حدیث اور اس کے کچھ فوائد رقم (٨٦) میں گزر چکے ہیں، کچھ کسوف کے باب میں آئیں گے، یہاں اس سے مقصود خطبہ میں ”اما بعد!“ کہنا ہے۔ ”اما بعد!“ کا کلمہ عرب کے خطبوں میں عام استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا

ہے جب آدمی حمد و ثنا کے بعد اصل موضوع کی طرف آتا ہے، چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کو جمعہ کے خطبہ میں "اما بعد" کہنے کی کوئی حدیث ان کی شرط پر نہیں ملی، اس لیے انھوں نے مختلف موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات والی چند احادیث ذکر کیں جن میں آپ نے حمد و ثنا کے بعد "اما بعد" کا کلمہ استعمال فرمایا۔ مقصد یہ ہے کہ خطبے میں یہ کلمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تھا، اس لیے خطبہ جمعہ میں بھی اسے ملحوظ رکھنا چاہیے۔ صحیح مسلم (۸۶۷) میں جابر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمعہ کے خطبہ میں "اما بعد" کہنے کی حدیث موجود ہے، مگر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا وہ بخاری کی شرط پر نہیں۔ یہاں بعض حضرات نے داؤد علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴾ [صٓ : ۲۰] کی تفسیر میں بعض مفسرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس " فَصْلَ الْخِطَابِ " سے مراد حمد و ثنا کے بعد "اما بعد" کہنا ہے۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مطلب کی جتنی روایات ذکر کی ہیں سب تابعین کے اقوال ہیں اور ظاہر ہے کہ شعبی اور دوسرے حضرات نے داؤد علیہ السلام کا زمانہ تو پایا نہیں کہ انھوں نے ان سے سن کر یہ بات کہی ہو، نہ ہی انھوں نے اپنے سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا داؤد علیہ السلام تک کوئی سند پیش کی ہے، نہ ہی ایسی کوئی سند موجود ہے۔ لامحالہ یہ اسرائیلی روایات ہیں جن کا صدق و کذب معلوم نہیں ہو سکتا اور جس بات کے صدق کا یقین نہ ہو اسے بیان کرنا بے فائدہ کام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ » [مسلم، المقدمة : ٥] "آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کر دے۔" اور فرمایا: « مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيْثٍ يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ » [مسلم، المقدمة] "جس نے مجھ سے ایسی حدیث بیان کی جسے وہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔"

٩٢٣ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ، قَالَ : سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أُتِيَ بِمَالٍ أَوْ سَبْيٍ فَقَسَمَهُ، فَأَعْطَى رِجَالًا وَتَرَكَ رِجَالًا، فَبَلَغَهُ أَنَّ الَّذِينَ تَرَكَ عَتَبُوا، فَحَمِدَ اللّٰهَ، ثُمَّ أَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ : « أَمَّا بَعْدُ، فَوَاللّٰهِ ! إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ، وَأَدَعُ الرَّجُلَ، وَالَّذِي أَدَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِي أُعْطِي، وَلٰكِنْ أُعْطِي أَقْوَامًا لِمَا أَرَى فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ، وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْغِنَى وَالْخَيْرِ، فِيهِمْ

923۔ عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مال یا قیدی لائے گئے، آپ نے انھیں تقسیم کر دیا، اس طرح کہ کچھ آدمیوں کو دیا اور کچھ کو نہ دیا۔ پھر آپ کو یہ بات پہنچی کہ جن لوگوں کو آپ نے چھوڑ دیا وہ ناراض ہوئے ہیں، تو آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا: "اما بعد! اللہ کی قسم! میں کسی آدمی کو دیتا ہوں اور کسی کو چھوڑ دیتا ہوں، حالانکہ جسے میں چھوڑتا ہوں وہ مجھے اس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے جسے میں دیتا ہوں، لیکن میں کچھ لوگوں کو اس لیے دیتا ہوں کہ میں ان کے دلوں میں سخت بے چینی اور بے صبری دیکھتا ہوں اور کچھ لوگوں کو اس استغنا اور خیر کے حوالے کر

عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ » فَوَاللَّهِ ! مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ .

دیتا ہوں جو اللہ نے ان کے دل میں رکھی ہے۔ ان میں سے عمرو بن تغلب بھی ہے۔'' تو اللہ کی قسم! میں پسند نہیں کرتا کہ رسول اللہ ﷺ کی اس بات کے بدلے میرے پاس سرخ اونٹ ہوں۔

تَابَعَهُ يُونُسُ . [انظر : ٣١٤٥، ٧٥٣٥]

اس کی متابعت یونس نے کی ہے۔

فائدہ اس کی شرح "كِتَابُ فَرْضِ الْخُمُسِ" میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ) یہاں مقصود خطبے میں ''اما بعد'' کہنا ہے۔

٩٢٤ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ ذَاتَ لَيْلَةٍ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ، فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ فَصَلَّى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا، فَاجْتَمَعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلَّوْا مَعَهُ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا، فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ، فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ حَتَّى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ، فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَتَشَهَّدَ، ثُمَّ قَالَ : « أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ، لَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ، فَتَعْجِزُوا عَنْهَا »

924۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ رات کے دوران نکلے اور مسجد میں نماز پڑھی، کچھ آدمیوں نے آپ کی نماز کے ساتھ مل کر نماز پڑھی۔ صبح ہوئی تو انھوں نے دوسرے لوگوں سے بات کی تو (اگلے دن) ان سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے اور انھوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر صبح ہوئی تو انھوں نے دوسروں سے بات کی، چنانچہ تیسری رات مسجد کے لوگ بہت زیادہ ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نکلے اور انھوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب چوتھی رات ہوئی تو مسجد میں نمازیوں کی جگہ نہ رہی، یہاں تک کہ آپ صبح کی نماز کے لیے نکلے۔ جب آپ نے نماز پڑھ لی تو لوگوں کی طرف منہ کیا اور تشہد یعنی خطبہ پڑھا، پھر فرمایا: ''اما بعد! بات یہ ہے کہ تمھارا یہاں ہونا مجھ سے مخفی نہیں تھا، لیکن میں ڈرا کہ یہ نماز تم پر فرض کر دی جائے گی، پھر تم اس سے عاجز ہو جاؤ گے۔''

تَابَعَهُ يُونُسُ . [راجع : ٧٢٩ - أخرجه مسلم :

اس کی متابعت یونس نے کی ہے۔

٧٦١، وأخرجه (٧٨٢) باختلاف]

فائدہ اس حدیث میں بھی آپ نے خطبہ میں ''اما بعد'' کہا ہے۔ اس حدیث کی شرح ''كِتَابُ التَّهَجُّدِ'' میں آئے گی۔ (ان شاءاللہ)

٩٢٥ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَامَ عَشِيَّةً بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَتَشَهَّدَ وَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ»

925۔ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پچھلے پہر نماز کے بعد کھڑے ہوئے، تشہد یعنی خطبہ پڑھا اور اللہ کی ثنا بیان کی جس کے وہ لائق ہے، پھر فرمایا: ''اما بعد۔''

تَابَعَهُ أَبُو مُعَاوِيَةَ وَأَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ»

اس (زہری) کی متابعت ابو معاویہ اور ابو اسامہ نے ہشام سے، انھوں نے عروہ سے، انھوں نے ابو حمید سے، انھوں نے نبی ﷺ سے کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اما بعد۔''

تَابَعَهُ الْعَدَنِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ فِي: «أَمَّا بَعْدُ» [انظر: ١٥٠٠، ٢٥٩٧، ٦٦٣٦، ٦٩٧٩، ٧١٧٤، ٧١٩٧ـ أخرجه مسلم: ١٨٣٢ مطولاً]

اس (ابو الیمان) کی متابعت عدنی نے سفیان سے ''اما بعد'' کے لفظ میں کی ہے۔

فائدہ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مختصر بیان کیا ہے، پوری حدیث اسی سند کے ساتھ ''كِتَابُ الْأَيْمَانِ وَالنُّذُورِ'' میں آئے گی۔ اس میں ابن اللتبیہ والا قصہ ہے، پوری بات اس پر ''كِتَابُ الزَّكَاةِ'' میں آئے گی۔ (ان شاءاللہ)

٩٢٦ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَسَمِعْتُهُ حِينَ تَشَهَّدَ يَقُولُ: «أَمَّا بَعْدُ»

926۔ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تو میں نے آپ سے سنا جب آپ نے تشہد (خطبہ) پڑھا، آپ فرما رہے تھے: ''اما بعد''

تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ. [انظر: ٣١١٠، ٣٧١٤، ٣٧٢٩، ٣٧٦٧، ٥٢٣٠، ٥٢٧٨ـ أخرجه

اس (شعیب) کی متابعت زبیدی نے زہری سے بیان کرنے میں کی ہے۔

مسلم: ۲٤٤٩ مطولاً دون هذه القطعة]

فائدہ: علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہاں اسے صرف ''اما بعد'' کے لیے لایا گیا ہے۔ اس پر پوری گفتگو '' كِتَابُ الْمَنَاقِبِ '' میں ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

۹۲۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْغَسِيلِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ الْمِنْبَرَ، وَكَانَ آخِرَ مَجْلِسٍ جَلَسَهُ، مُتَعَطِّفًا مِلْحَفَةً عَلَى مَنْكِبَيْهِ، قَدْ عَصَبَ رَأْسَهُ بِعِصَابَةٍ دَسِمَةٍ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: « أَيُّهَا النَّاسُ إِلَيَّ » فَثَابُوا إِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: « أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ يَقِلُّونَ وَيَكْثُرُ النَّاسُ، فَمَنْ وَلِيَ شَيْئًا مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَاسْتَطَاعَ أَنْ يَضُرَّ فِيهِ أَحَدًا، أَوْ يَنْفَعَ فِيهِ أَحَدًا، فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيئِهِمْ »[انظر: ٣٦٢٨، ٣٨٠٠، وانظر في الجمعة، باب: ٢٩]

927۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ منبر پر چڑھے اور یہ آخری مجلس تھی جس میں آپ بیٹھے، آپ نے بڑی چادر موڑ کر اپنے کندھوں پر ڈالی ہوئی تھی اور اپنے سر کو ایک تیل سے چکنی پٹی کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ آپ نے اللہ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا: ''لوگو! میری طرف آ جاؤ۔'' تو سب آپ کے پاس جمع ہو گئے، پھر آپ نے فرمایا: ''اما بعد! اس انصار قبیلے کے لوگ کم ہوتے جائیں گے اور دوسرے لوگ زیادہ ہو جائیں گے، تو جو شخص بھی امتِ محمد ﷺ کے کسی عہدے کا ذمہ دار بنے اور اس عہدے میں کسی کو نقصان پہنچا سکے اور کسی کو نفع پہنچا سکے تو وہ ان کے اچھا کام کرنے والے کے کام کو قبول کرے اور ان کے برائی کرنے والے کی برائی سے درگزر کرے۔''

فوائد: 1 اس حدیث میں بھی اصل مقصود ''اما بعد'' ہے۔ انصار کے کم ہونے کی وجہ یہ ہوگی کہ بے شمار نئے لوگ مسلمان ہوں گے، ان میں انصار کی حیثیت آٹے میں نمک کی رہ جائے گی۔ '' كِتَابُ مَنَاقِبِ الْأَنْصَارِ '' میں اس پر مکمل بات ہوگی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اما بعد'' کے متعلق جو احادیث امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر نہیں کیں ان میں سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیثِ افک ہے اور ابوسفیان سے مروی ہرقل کی طرف خط میں ''اما بعد'' ہے جو دونوں متفق علیہ حدیثیں ہیں اور جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ آپ خطبہ جمعہ میں '' أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ '' کہتے تھے۔ اسے مسلم (۸۶۷) نے روایت کیا ہے، یہ بخاری رحمہ اللہ کے مطلب کے بالکل مطابق ہے، مگر ان کی شرط پر نہیں، جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ''اما بعد'' صرف خطبے ہی میں نہیں بلکہ خطوط اور تصنیفات کی ابتدا میں بھی ہونا چاہیے اور پہلے کلام سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے کے لیے صرف ''اما بعد'' ہی نہیں، بلکہ قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿هَٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطَّاغِينَ لَشَرَّ مَآبٍ﴾ [صٓ: ۵۵] ''یہ ہے (جزا) اور بلاشبہ سرکشوں کے لیے یقیناً بدترین ٹھکانا ہے۔'' (مطلب یہ ہے کہ یہاں " هٰذَا " ''اما بعد'' کے معنی میں ہے) حافظ عبد القادر رُہاوی نے اپنی " الأربعين المتباينة " کے خطبہ میں ان احادیث کو تلاش کر کے جمع کیا ہے جن میں ''اما بعد'' آیا ہے۔ چنانچہ اسے بتیس (۳۲) صحابہ سے روایت کیا ہے، ان میں سے ایک حدیث " عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ " کے طریق سے ہے: « كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ خُطْبَةً قَالَ: أَمَّا بَعْدُ » یعنی نبی ﷺ جب کوئی خطبہ دیتے تو ''اما بعد'' کہتے تھے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور بظاہر اس سے ''اما بعد'' کہنے پر ہمیشگی معلوم ہوتی ہے۔ (فتح الباری)

۳۰۔ بَابُ الْقَعْدَةِ بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

30۔ باب: جمعہ کے دن دو خطبوں کے درمیان کچھ بیٹھنا

۹۲۸ ۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَقْعُدُ بَيْنَهُمَا. [راجع: ۹۲۰۔ أخرجه مسلم: ۸۶۱ باختلاف]

928۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ دو خطبے دیتے تھے، ان کے درمیان بیٹھتے تھے۔

فوائد: 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ بھی ہے کہ جمعہ کے دو خطبے کھڑے ہو کر دینے چاہییں۔ مقصد اس کا کچھ آرام کے علاوہ دونوں خطبوں کو الگ الگ کرنا ہے، کیونکہ اگر کھڑا کھڑا ہی وقفہ کر لے، پھر بات شروع کر دے تو یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ کسی وجہ سے خطیب نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی ہے، جب کہ تھوڑا سا بھی بیٹھنے سے دو خطبے واضح ہو جاتے ہیں۔
2 واضح رہے کہ یہ دو خطبے جمعہ ہی کے لیے ہیں۔ رہے استسقا اور عیدین وغیرہ تو ان میں ایک ہی خطبہ ہے، کیونکہ صحیح احادیث میں آپ کا یہی معمول مذکور ہے۔ البتہ ابن ماجہ (۱۲۸۹) میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے لیے نکلے اور کھڑے ہو کر خطبہ دیا، پھر تھوڑا سا بیٹھے، پھر کھڑے ہو گئے۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے، شیخ البانی نے کہا: یہ سند اور متن دونوں کے لحاظ سے منکر ہے اور محفوظ یہ ہے کہ یہ خطبۂ جمعہ کی بات ہے۔ [تعليق الألباني على ابن ماجه]

٣١ - بَابُ الِاسْتِمَاعِ إِلَى الْخُطْبَةِ

13- باب: خطبہ غور سے سننا

٩٢٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُونَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ، وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِي يُهْدِي بَدَنَةً، ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدِي بَقَرَةً، ثُمَّ كَبْشًا، ثُمَّ دَجَاجَةً، ثُمَّ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ، وَيَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ» [راجع: ٨٨١- أخرجه مسلم: ٨٥٠، كتاب الجمعة (٢٤)]

929- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر ٹھہر جاتے ہیں، وہ سب سے پہلے آنے والے کو، پھر اس کے بعد پہلے آنے والے کو لکھتے ہیں اور جلدی آنے والے کی مثال اس شخص کی ہے جو ایک موٹا اونٹ قربان کرتا ہے، پھر اس شخص کی طرح جو ایک بیل قربان کرتا ہے، پھر ایک چھترا، پھر ایک مرغی، پھر ایک انڈا، پھر جب امام آ جائے تو وہ اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں اور ذکر کو غور سے سننے لگتے ہیں۔‘‘

فوائد: 1 اس حدیث کے کچھ فوائد ’’ بَابُ فَضْلِ الْجُمُعَةِ (٨٨١) ‘‘ میں گزر چکے ہیں۔ چند مزید یہ ہیں: ’’ سَمِعَ ‘‘ اور ’’ اِسْتَمَعَ ‘‘ میں یہ فرق ہے کہ ’’ سَمِعَ ‘‘ کا معنی ہے: اس نے سنا، جبکہ ’’ اِسْتَمَعَ ‘‘ میں حروف زیادہ ہونے کی وجہ سے معنی میں بھی اضافہ ہو گیا، اس کا معنی ہے: اس نے کان لگا کر سنا، غور سے سنا۔ حدیث میں فرشتوں کے متعلق ’’ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ ‘‘ کے الفاظ ہیں، امام بخاری کا استدلال اسی لفظ سے ہے۔

2 اس حدیث میں جمعہ کے لیے پہلے آنے کی ترغیب ہے، اسی طرح نیکی کے ہر کام میں پہل کرنے کی فضیلت ہے۔ دنیا کے کاموں میں یہ اصول ہے کہ جو پہلے آئے وہ پہلے پائے، آخرت کے معاملے میں بھی یہی قاعدہ ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ [الواقعة: ١٠، ١١] ’’اور جو پہل کرنے والے ہیں، وہی آگے بڑھنے والے ہیں، وہی لوگ قریب کیے ہوئے ہیں۔‘‘ یہاں دنیا کی چیزوں میں لوگوں کا پہل کرنے کا مشاہدہ کرنا ہو تو کسی شادی کا کھانا شروع ہونے پر لوگوں کا حال دیکھ لیں۔

3 فرشتوں کے یہی صحیفے قیامت کے دن پیش ہوں گے، فرمایا: ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ﴾ [بني إسرائيل: ١٣، ١٤] ’’اور ہر انسان کو، ہم نے اسے اس کا نصیب اس کی گردن میں لازم کر دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کے لیے ایک کتاب نکالیں گے، جسے وہ کھولی ہوئی پائے گا۔ اپنی کتاب پڑھ۔‘‘

٣٢ ۔ بَابٌ : إِذَا رَأَى الْإِمَامُ رَجُلًا جَاءَ وَهُوَ يَخْطُبُ، أَمَرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ

32۔ باب: جب امام خطبہ دیتے ہوئے کسی آدمی کو دیکھے کہ وہ آیا ہے تو اسے دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دے

٩٣٠ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: «أَصَلَّيْتَ يَا فُلَانُ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ» [انظر: ٩٣١، ١١٦٦۔ أخرجه مسلم: ٨٧٥]

930۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے دن آیا جب کہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے، آپ نے فرمایا: ''اے فلاں! کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو۔''

فوائد و مسائل 1 یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے عنوان میں ذکر کی ہے کہ امام کے خطبہ دینے کے دوران کوئی شخص آئے تو امام اسے دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دے۔

2 اس حدیث میں تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کی تاکید ظاہر ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عین خطبۂ جمعہ کے درمیان انھیں پڑھنے کا حکم دیا۔ ظاہر ہے اس سے خطبۂ جمعہ غور سے سننے میں کچھ فرق یقیناً پڑے گا جو ''اِسْتَمِعُوا'' اور ''أَنْصِتُوا'' کے تحت واجب ہے۔ بعض اہل علم نے ان دو رکعتوں کو واجب کہا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں واجب کام (استماع و انصات) کے دوران ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ (جیسا کہ آپ نے امام کی قراءت کے دوران مقتدیوں کو فاتحہ پڑھنے اور اس کے سوا کچھ نہ پڑھنے کا حکم دیا ہے)

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی کسی شخص کو کسی واجب میں کوتاہی کرتے ہوئے دیکھے یا ممنوع کام کرتے ہوئے دیکھے تو اس سے پوچھ لے، شاید وہ اس واجب کو ادا کر چکا ہو یا اسے اس ممنوع کام سے کسی نے منع ہی نہ کیا ہو، یا اس کے پاس کوئی عذر ہو جس کی وجہ سے وہ کام اس کے لیے جائز ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی سے پوچھا: «أَصَلَّيْتَ؟» ''کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟'' (ابن عثیمین)

4 اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خطبہ کے دوران کسی سے بات کرنا اگرچہ حرام ہے، مگر امام مقتدی سے اور مقتدی امام سے ضروری بات کر سکتا ہے، جیسا کہ بارش کی درخواست کرنے والے صحابی نے جمعہ کے خطبہ میں کھڑے ہو کر لوگوں کا حال زار بیان کر کے دعا کے لیے کہا۔

5 خطبہ کے دوران آنے والے یہ صاحب سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ تھے۔ صحیح مسلم کی حدیث (875/58، 59) میں اس کا

صراحت ہے۔ بعض روایات میں کچھ اور نام مثلاً نعمان بن نوفل یا ابوذر رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی آئے ہیں، مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تفصیلی بحث کے ساتھ انھیں وہم قرار دیا ہے۔

6 اکثر لوگ جمعہ کے خطبہ کے دوران آنے والوں کو یہ رکعتیں پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں بیٹھتے جاؤ، ہم آپ کو سنتوں کے لیے وقت دیں گے، حالانکہ عام حالات میں بھی اور خطبہ کے دوران بھی مسجد میں آنے والے کو آپ نے بیٹھنے سے پہلے یہ دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حضرات اس حدیث پر عمل نہ کرنے کے لیے کئی جواب دیتے ہیں: ① ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ خاص واقعہ ہے اور واقعہ میں عموم نہیں ہوتا، یعنی یہ صرف اس صحابی ہی کو حکم تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت مفلس تھا، آپ نے اس کی حالت لوگوں کو دکھانے کے لیے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ ② ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ نے سلیک رضی اللہ عنہ کو یہ بات کہی تو آپ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ سلیک رضی اللہ عنہ نے نماز پوری کر لی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام جواب جو ان حضرات نے گھڑے ہیں سب بے کار ہیں اور سب کے جواب کے لیے صحیح مسلم کی ایک حدیث کافی ہے۔ وہ یہ کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن آئے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اور آ کر بیٹھ گئے، آپ نے ان سے کہا: ”سلیک! اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو اور ان میں اختصار کرو۔“ پھر فرمایا: « إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا » [مسلم : ۸۷۵/۵۹] ”جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن آئے جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھے اور ان میں اختصار کرے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ یہ صرف سلیک رضی اللہ عنہ ہی کو حکم نہ تھا، بلکہ امت کے ہر شخص کو خطبۂ جمعہ کے دوران آنے پر دو مختصر رکعتیں پڑھنے کا حکم ہے۔ رہا یہ جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلیک رضی اللہ عنہ کی نماز کے دوران بیٹھ گئے تو یہ دار قطنی (۱۶۱۸) کی روایت ہے اور خود انھوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ جو حضرات اسے صحیح کہتے ہیں انھیں چاہیے کہ ہر آنے والے کو ان دو رکعتوں کا حکم دے کر ان کے دو رکعتیں پڑھنے تک خطبہ روک کر بیٹھ جایا کریں، جب کہ ان کا یہ عمل نہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح فرض کی جائے تو عین ممکن ہے کہ آپ دو خطبوں کے درمیان کچھ دیر بیٹھ گئے ہوں، کیونکہ جاری خطبے کے درمیان بیٹھنا ان حضرات کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اتنے صریح حکم کے باوجود یہ حضرات اس حکم پر عمل سے محروم ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی اس سے منع کرتے ہیں، حالانکہ ان کے ایک بہت بڑے شیخ نے لکھا ہے کہ صحیح مسلم کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی حدیث کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔ جب آپ کے پاس جواب نہیں تو بسم اللہ کیجیے اور اس پر عمل کر کے متبعین سنت میں شامل ہو جائیے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان لوگوں کے دس جواب بیان کر کے ان کا بہترین رد کیا ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں: اس حدیث کے جتنے جواب ان لوگوں نے دیے ہیں جو ہم نے پہلے ذکر کیے ہیں وہ سب ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عام فرمان کے ساتھ جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں، فرمایا: « إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ، فَلَا يَجْلِسْ حَتّٰى

يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ » [بخاري : ۱۱۶۳۔ مسلم : ۷۱٤] ”جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو مت بیٹھے یہاں تک کہ دو رکعتیں پڑھے۔“ اور اس سے خاص فرمان خطبہ کے درمیان دو رکعتیں پڑھنے کا بھی آیا ہے، چنانچہ شعبہ عن عمرو بن دینار کی روایت میں ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت فرمایا جب آپ خطبہ دے رہے تھے: « إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، أَوْ قَدْ خَرَجَ ، فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ » [بخاري : ۱۱٦٦۔ مسلم : ۸۷۵/۵۷] ”جب تم میں سے کوئی شخص آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو یا وہ آ چکا ہو تو دو رکعتیں پڑھے۔“

مسلم (۸۷۵/۵۹) میں ابوسفیان عن جابر مروی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات سلیک رضی اللہ عنہ کے قصے میں کہی، چنانچہ آپ نے فرمایا: « فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَ تَجَوَّزْ فِيهِمَا » ”دو رکعتیں پڑھو اور ان میں اختصار کرو۔“ پھر فرمایا: « إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا » ”جب جمعہ کے دن تم میں سے کوئی شخص آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو دو رکعتیں پڑھے اور ان میں اختصار کرے۔“ نووی رحمہ اللہ نے کہا: یہ ایسی نص یعنی ایسے صریح الفاظ ہیں جن میں کوئی تاویل ممکن نہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ کسی عالم کو یہ حدیث پہنچی ہو اور وہ اسے صحیح سمجھتا ہو، پھر اس کی مخالفت کرے۔ اور ابومحمد بن ابوجمرہ نے کہا کہ یہ حدیث جو مسلم نے روایت کی ہے اس مسئلہ میں نص ہے جس میں تاویل کا کوئی احتمال نہیں اور ابن دقیق العید نے ”إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام (۳۳۲/۱)“ میں کہا کہ بعض لوگوں نے اس عام حکم کی تاویل نہایت مکروہ تاویل کے ساتھ کی ہے۔ (فتح الباری)

7 اس حدیث کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تحیۃ المسجد ممنوع اوقات میں بھی جائز ہے، کیونکہ خطبہ شروع ہو جائے تو خطبہ سننے کے سوا کوئی کام جائز نہیں، جب خطبہ کے دوران اسے پڑھنے کا حکم ہے تو اس کے علاوہ تو بالاولیٰ پڑھنی چاہیے۔

۳۳۔ بَابُ مَنْ جَاءَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ

33۔ باب: جو شخص اس وقت آئے جب امام خطبہ دے رہا ہو وہ دو ہلکی رکعتیں پڑھے

۹۳۱ ۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، سَمِعَ جَابِرًا قَالَ : دَخَلَ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ : « أَصَلَّيْتَ ؟ » قَالَ : لَا، قَالَ : « فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ »
[راجع : ۹۳۰۔ أخرجه مسلم : ۸۷۵]

931۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی جمعہ کے دن آیا جب کہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے فرمایا: ”کیا تم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں؟“ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: ”پھر دو رکعتیں پڑھو۔“

فوائد 1 یہاں حدیث میں ” خَفِيفَتَيْنِ “ کا لفظ نہیں ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں ذکر کیا ہے، اس کی

وجہ یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنے معمول کے مطابق حدیث کے بعض طرق کی طرف اشارہ کیا ہے جو صحیح ہیں، مگر امام صاحب کی شرط پر نہیں۔ چنانچہ ابوقرہ نے "السنن" میں عن الثوری عن الاعمش عن ابی سفیان عن جابر کے طریق سے اسے ان الفاظ میں روایت کیا ہے: « قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ » "اٹھو اور دو ہلکی رکعتیں پڑھو۔" اور پچھلے باب میں گزر چکا ہے کہ صحیح مسلم (۸۷۵/۵۹) میں یہ حدیث " وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا " کے لفظ کے ساتھ آئی ہے۔ (فتح الباری)

2 خطبہ جمعہ کے دوران تحیۃ المسجد کی رکعات میں تخفیف کی جائے گی، اس کے علاوہ فجر کی سنتوں میں بھی تخفیف مسنون ہے۔ [دیکھیے بخاري : ٦١٨] تیسرا موقع قیام اللیل کے افتتاح کی دو رکعتوں میں تخفیف مسنون ہے۔ [دیکھیے مسلم : ۷۶۷] چوتھا مقام بیت اللہ کے طواف کی دو رکعتیں ہیں۔ [دیکھیے مسلم : ۱۲۱۸] پانچواں مقام جب بھی ایسا سبب پیدا ہو جائے جو تخفیف کا تقاضا کرتا ہو، مثلاً بچہ رونے لگ جائے یا نماز پڑھتے ہوئے والدین میں سے کوئی بلا لے یا کوئی بھی ہنگامی صورت پیدا ہو جائے تو ایسے موقع پر نماز میں تخفیف کر دینی چاہیے۔ (ابن عثیمین)

٣٤ ـ بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الْخُطْبَةِ

٩٣٢ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ ، عَنْ أَنَسٍ، وَعَنْ يُونُسَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ : بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، إِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! هَلَكَ الْكُرَاعُ، وَهَلَكَ الشَّاءُ، فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَسْقِيَنَا، فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا. [انظر : ٩٣٣، ١٠١٣، ١٠١٤، ١٠١٥، ١٠١٦، ١٠١٧، ١٠١٨، ١٠١٩، ١٠٢١، ١٠٢٩، ١٠٣٣، ٣٥٨٢، ٦٠٩٣، ٦٣٤٢، وانظر في الجمعة، باب : ٢٧۔ أخرجه مسلم : ٨٩٧ مطولاً]

34۔ باب: خطبہ میں دونوں ہاتھ اٹھانا

932۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ اس دوران ایک آدمی اٹھا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! (بارش نہ ہونے کی وجہ سے) گھوڑے ہلاک ہو گئے اور بھیڑ بکریاں مر گئیں، اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے اور دعا کر دی۔

فائدہ باب میں " رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الْخُطْبَةِ " ہے، جب کہ حدیث میں ہے: « فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا » "تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے اور دعا کی۔" بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث کی دوسری روایتوں میں جو " رَفَعَ يَدَيْهِ " (تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے) آیا ہے، جیسا کہ اس سے اگلی حدیث میں " فَرَفَعَ يَدَيْهِ " کا لفظ ہے، تو اس سے نماز کے شروع میں، رکوع جاتے ہوئے اور اس سے اٹھتے وقت رفع الیدین کی طرح ہاتھ اٹھانا مراد نہیں، بلکہ دعا کے لیے ہاتھ پھیلانا مراد ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم (۸۷۴) میں عمارہ بن رُؤیبہ رضی اللہ عنہ نے بشر بن مروان کو منبر پر ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھ کر جو رد کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ منبر پر کسی طرح بھی ہاتھ اٹھانا جائز نہیں، بلکہ دعا کے لیے خصوصاً بارش کی دعا کے لیے

دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کرسکتا ہے۔ (فتح الباری)

٣٥ - بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

٩٣٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو، قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: أَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، فَبَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللَّهَ لَنَا، فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا وَضَعَهَا حَتَّى ثَارَ السَّحَابُ أَمْثَالَ الْجِبَالِ، ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهِ حَتَّى رَأَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلَى لِحْيَتِهِ ﷺ، فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذَلِكَ، وَمِنَ الْغَدِ وَبَعْدَ الْغَدِ وَالَّذِي يَلِيهِ حَتَّى الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى، وَقَامَ ذَلِكَ الْأَعْرَابِيُّ - أَوْ قَالَ: غَيْرُهُ - فَقَالَ: «يَا رَسُولَ اللَّهِ! تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ، فَادْعُ اللَّهَ لَنَا، فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ: «اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا» فَمَا يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّحَابِ إِلَّا انْفَرَجَتْ، وَصَارَتِ الْمَدِينَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ، وَسَالَ الْوَادِي قَنَاةُ شَهْرًا، وَلَمْ يَجِئْ أَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ. [راجع: ٩٣٢ - أخرجه مسلم: ٨٩٧ باختلاف]

35- باب: جمعہ کے دن خطبہ میں بارش کی دعا کرنا

933- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک سال قحط پڑ گیا تو ایک دفعہ جمعہ کے دن نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اس دوران ایک اعرابی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! مال مویشی مر گئے اور بال بچے بھوکے ہو گئے، اس لیے آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا کریں۔ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور ہم آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا تک نہیں دیکھتے تھے۔ سو قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آپ نے ہاتھ نیچے نہیں کیے یہاں تک کہ بادل پہاڑوں کی طرح امنڈ آئے، پھر آپ اپنے منبر سے نہیں اترے یہاں تک کہ میں نے دیکھا بارش آپ ﷺ کی داڑھی پر ٹپک رہی ہے۔ تو اس دن ہم پر بارش ہوتی رہی اور اس سے اگلے دن اور اگلے دن کے بعد اور اس کے ساتھ والے دن، غرض اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ پھر وہی اعرابی کھڑا ہوا یا کہا کہ اس کے علاوہ کوئی اور آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! مکان گر گئے اور مال (کھیت وغیرہ) ڈوب گئے، آپ اللہ سے ہمارے لیے دعا کریں۔ تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے (اور کہا:) ”یا اللہ! ہمارے ارد گرد برسا اور ہم پر نہ برسا۔“ تو آپ اپنے ہاتھ کے ساتھ بادل کی کسی جانب اشارہ کرتے تو وہ کھل جاتا (کھلتے کھلتے سارے مدینہ سے بادل ہٹ گیا)

اور مدینہ ایک گول وسیع حوض کی طرح ہو گیا۔ اور قناۃ نامی پہاڑی نالہ ایک ماہ بہتا رہا اور جو کوئی بھی کسی طرف سے آیا اس نے بہت زیادہ بارش کی خبر سنائی۔

فوائد: 1 اس حدیث پر کچھ گفتگو استسقا کے ابواب میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ جمعہ کے دوران مقتدی امام سے اجتماعی ضرورت خصوصاً بارش کی دعا کے لیے کہہ سکتے ہیں۔ خطبہ کے دوران چپ رہنے کا حکم آپس کی گفتگو کے متعلق ہے، امام سے ضرورت کی بات کی جا سکتی ہے۔

2 یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کے کہنے پر جمعہ کے خطبہ کے دوران بارش کی دعا مسنون ہے، اس کے لیے امام بھی ہاتھ اٹھائے اور لوگ بھی ہاتھ اٹھائیں، جیسا کہ آگے " بَابُ رَفْعِ النَّاسِ أَيْدِيَهُمْ مَعَ الْإِمَامِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ "میں آئے گا۔ اسی طرح استسقا کے لیے میدان میں نکلیں تو امام اور مقتدی سب ہاتھ اٹھا کر دعا کریں۔

3 اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی علامت اور آپ کی قبولیتِ دعا کا معجزہ ہے کہ بارش کے آثار نہ ہوتے ہوئے بھی کس طرح دعا کے ساتھ ہی پہاڑوں کی طرح بادل اُمنڈ آئے اور آپ کی دعا سے اسی وقت بارش رک گئی اور بادل بکھر گئے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ دیکھیے نبی ﷺ کی انگلی میں کتنی طاقت ہے کہ بادل بھی اس کے اشارے سے پھٹ جاتے ہیں۔ یہ بات صریحاً غلط ہے، کیونکہ سورۂ یونس میں ہے: ﴿ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ﴾ [يونس : ٣١] ''اور کون ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟'' یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے، کسی مخلوق کا اس میں کوئی دخل ہے نہ اختیار۔ مخلوق کا کام دعا ہے اور اللہ کی شان قبولیت ہے۔ اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ایک اہم معجزہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو آپ کا فرمان تسلیم کرنے پر مامور فرما دیا، مگر اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی، اگر کسی حدیث میں یہ بات آئی ہو تو الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ یہ کام کر سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتے) کو یہ کہہ کر بھیجا کہ نبی ﷺ جو حکم دیں اس پر عمل کرے۔ [دیکھیے بخاري : ٣٢٣١] اصل یہ ہے کہ آپ جب " حَوَالَيْنَا " کہہ رہے تھے تو لوگوں کے سامنے وضاحت کے لیے ہاتھ سے بھی اشارہ کر رہے تھے اور ساتھ ہی اللہ کی طرف سے قبولیت اپنا جلوہ دکھا رہی تھی۔ یہی کیا کم معجزہ ہے کہ ہم اپنے پاس سے آپ کے لیے معجزے تصنیف کریں۔

٣٦ - بَابُ الْإِنْصَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ

36۔ باب: جمعہ کے دن اس وقت خاموش رہنا جب امام خطبہ دے رہا ہو

وَ إِذَا قَالَ لِصَاحِبِهِ : أَنْصِتْ فَقَدْ لَغَا . وَقَالَ سَلْمَانُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : « يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ »

اور جب اپنے ساتھی سے کہے: چپ ہو جا تو اس نے لغو حرکت کی۔ اور سلمان رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا: ''جب امام بات کرے اس وقت چپ رہے۔''

٩٣٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : « إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ : أَنْصِتْ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَقَدْ لَغَوْتَ » [أخرجه مسلم : ٨٥١]

934- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم نے اپنے ساتھی سے کہا کہ چپ ہو جا، جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو تم نے لغو حرکت کی۔“

فوائد 1 ”لغو“ ہر وہ قول یا فعل ہے جو بے کار اور ردی ہو۔ [النهاية في غريب الأثر] سوال یہ ہے کہ اس لغو حرکت کا کیا نقصان ہے؟ تو عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث کے الفاظ یہ ہیں: « وَ مَنْ لَغَا وَ تَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ كَانَتْ لَهُ ظُهْرًا » [أبو داوٗد : ٣٤٧، قال الألباني : حسن - صحيح ابن خزيمة : ١٨١٠] ”اور جس نے لغو حرکت کی اور لوگوں کی گردنیں پھلانگیں وہ جمعہ اس کے لیے ظہر ہو جائے گا۔“ (یعنی وہ جمعہ کے ثواب سے محروم رہے گا، اگرچہ نماز ہو جائے گی)

2 امام بخاری نے اس وقت خاموش رہنے کا باب قائم کیا ہے جب امام خطبہ دے رہا ہو، اس سے وہ ان لوگوں کا رد کر رہے ہیں جن کا کہنا ہے کہ امام کے آنے کے ساتھ ہی کلام منع ہو جاتا ہے۔ امام صاحب کا مقصد یہ ہے کہ خاموش رہنے کی یہ پابندی صرف اس حال میں ہے جب امام خطبہ شروع کرے۔ خطبہ کے شروع سے آخر تک کلام حرام ہے۔ اس سے پہلے یا بعد یہ پابندی نہیں ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ” يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ “ میں امام کی گفتگو کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے، خطبہ سے پہلے خواہ امام آ چکا ہو بات کرنا ممنوع نہیں، اگرچہ افضل یہی ہے کہ امام کے مسجد میں آنے کے ساتھ ہی خاموش رہے۔ اسی طرح دو خطبوں کے درمیان بھی بات پر پابندی نہیں ہے، اگرچہ اس میں بھی خاموش رہنا افضل ہے، بلکہ عام طور پر بھی مسجد میں خاموش رہنا چاہیے۔

3 اگرچہ نہی عن المنکر واجب ہے اور جمعہ میں بات کرنا منکر میں شامل ہے، مگر اسے صرف اشارے سے روکنے کی اجازت ہے، زبان سے کہنے کی اجازت نہیں کہ چپ ہو جا، کیونکہ اس سے مزید شور کا امکان ہے۔

4 کیا خطبے کے دوران اس کی اہم باتیں لکھ سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہاں، کیونکہ اس میں وہ کوئی کلام نہیں کر رہا، بلکہ یہ کام خطبے کو غور سے سننے میں مددگار ہے اور نیند سے بچنے میں معاون ہے۔

٣٧ - بَابُ السَّاعَةِ الَّتِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

37- باب: وہ گھڑی جو جمعہ کے دن میں ہوتی ہے

فائدہ اس سے مراد وہ گھڑی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے، جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

٩٣٥- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ : « فِيهِ سَاعَةٌ، لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي، يَسْأَلُ اللهَ تَعَالَى شَيْئًا، إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ » وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا . [انظر : ٥٢٩٤، ٦٤٠٠- أخرجه مسلم : ٨٥٢]

935- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کا ذکر کیا تو فرمایا: ''اس میں ایک گھڑی ہے کہ کوئی مسلمان اس گھڑی کو اس حال میں پالے کہ وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہو، اس میں وہ اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہی چیز عطا کر دیتا ہے۔''

فائدہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جمعہ کے دن میں پائی جانے والی اس گھڑی کے متعلق بیالیس (۴۲) اقوال اور ان کی دلیلیں ذکر کی ہیں اور ان پر کلام کیا ہے اور ان میں سے دو اقوال کو قوی قرار دیا ہے، کیونکہ ان کی بنیاد رسول اللہ ﷺ سے مروی صحیح احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک صحیح مسلم (۸۵۳) میں ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کیا تم نے اپنے والد کو جمعہ کی گھڑی کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کچھ بیان کرتے سنا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! میں نے انھیں سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: « هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَجْلِسَ الْإِمَامُ إِلَى أَنْ تُقْضَى الصَّلَاةُ » ''وہ (گھڑی) امام کے بیٹھنے سے لے کر نماز پوری ہونے تک کے درمیان ہے۔'' دوسری حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: « يَوْمُ الْجُمُعَةِ ثِنْتَا عَشْرَةَ - يُرِيدُ - سَاعَةً، لَا يُوجَدُ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ شَيْئًا، إِلَّا آتَاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ، فَالْتَمِسُوهَا آخِرَ سَاعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ » [أبو داوٗد : ١٠٤٨- نسائي : ١٣٨٩] ''جمعہ کا دن بارہ گھنٹے ہے، جو بھی مسلمان اس میں اللہ عزوجل سے کوئی چیز مانگتا ہوا پایا جائے، تو اللہ عزوجل اسے وہ چیز عطا کر دیتا ہے۔ سو تم اسے عصر کے بعد آخری گھنٹے میں تلاش کرو۔''

ابو داؤد (۱۰۴۶) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « وَ فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللهَ حَاجَةً، إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهَا » ''اور جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ہے جسے کوئی مسلمان اس حال میں نہیں پاتا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو، مگر اللہ تعالیٰ اسے وہ عطا کر دیتا ہے۔'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے انھیں کعب رحمہ اللہ کے ساتھ اپنی مجلس کا ذکر کیا تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے معلوم ہے کہ وہ کون سی گھڑی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ان سے کہا: تو آپ مجھے وہ بتا دیں۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے۔ میں نے کہا: وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی کیسے ہو سکتی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''کوئی بھی اسے اس حال میں پائے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو'' اور اس وقت میں تو نماز نہیں پڑھی جاتی۔ تو عبداللہ بن

سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا: « مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ فَهُوَ فِي صَلَاةٍ حَتَّى يُصَلِّيَ، قَالَ : فَقُلْتُ : بَلَى ، قَالَ : هُوَ ذَاكَ » ''جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا نماز کا انتظار کر رہا ہو تو نماز ہی میں ہے یہاں تک کہ وہ نماز پڑھے۔ میں نے کہا: کیوں نہیں! انھوں نے کہا: وہ یہی ہے۔''

اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں سے راجح قول کون سا ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: سلف نے اختلاف کیا ہے کہ ان دونوں میں سے راجح قول کون سا ہے؟ چنانچہ بیہقی نے ابوالفضل احمد بن سلمہ نیشاپوری کے طریق سے روایت کی ہے کہ مسلم رحمہ اللہ نے کہا: ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس مسئلے میں سب سے جید اور سب سے زیادہ صحیح ہے۔ یہی قول بیہقی، ابن العربی اور ایک جماعت کا ہے۔ قرطبی نے کہا: اختلاف کے مقام میں یہ نص ہے، اس لیے کسی اور کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ امام نووی نے کہا: یہی صحیح ہے، بلکہ درست ہے اور " الرَّوضة " میں انھوں نے جزم سے کہا ہے کہ یہی درست ہے۔ انھوں نے اس وجہ سے بھی اسے راجح کہا ہے کہ یہ صریحاً مرفوع ہے اور صحیحین میں سے ایک میں ہے۔ کچھ دوسرے حضرات نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ ترمذی نے احمد سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: اکثر احادیث اس کے مطابق ہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا: اس مسئلے میں یہ سب سے پختہ بات ہے۔ اور سعید بن منصور نے ابوسلمہ بن عبدالرحمن تک صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا: صحابہ میں سے کچھ لوگ جمع ہوئے اور انھوں نے آپس میں جمعہ کی گھڑی کا ذکر کیا، پھر وہ چلے گئے۔ کسی نے اس بات میں اختلاف نہیں کیا کہ وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے۔ اور بہت سے ائمہ نے بھی اسے ترجیح دی ہے۔ (حافظ رحمہ اللہ نے یہاں ان کے نام باحوالہ نقل کیے ہیں) رہی یہ بات کہ یہ حدیث صحیحین میں سے کسی میں نہیں تو اس کا جواب ان حضرات نے یہ دیا ہے کہ صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کی اس حدیث کو ترجیح ہوتی ہے جس پر حفاظ میں سے کسی نے تنقید نہ کی ہو، جبکہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں انقطاع اور اضطراب کی علت بتائی گئی ہے۔ (حافظ رحمہ اللہ نے یہاں ان دونوں علتوں کی تفصیل بیان کی ہے) اس لیے دارقطنی نے جزم سے کہا ہے کہ یہ موقوف ہی درست ہے۔ ابن قیم نے زاد المعاد میں ایک اور موقف اختیار کیا ہے کہ قبولیت کی وہ گھڑی ان دونوں میں سے کسی ایک میں ہے اور دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے ایک موقع میں ایک کا ذکر کیا ہو اور دوسرے موقع میں دوسرے کا ذکر کیا ہو۔ ابن عبدالبر نے کہا: ہونا یہ چاہیے کہ آدمی ان دونوں وقتوں میں کوشش کے ساتھ دعا کرے۔ ان سے پہلے احمد نے بھی یہی بات کہی ہے اور تطبیق کے طور پر یہی بات بہتر ہے۔ (فتح الباری) بندہ عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ اس طرح دونوں حدیثوں کو جمع کرنے کی بات بہت اچھی ہے، دونوں وقتوں ہی میں دعا کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر ضرور ہی ترجیح دینی ہو تو ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ سے میں نے سنا، وہ فرماتے تھے کہ جمعہ کے دن غروب سے ایک گھنٹہ پہلے مسجد میں جا کر مغرب تک بیٹھ جائے، قبولیت کی گھڑی اسی کے درمیان ہے۔ (اس میں تحیۃ المسجد کی صورت میں نماز پڑھتے ہوئے دعا بھی ہو جاتی ہے اور نمازِ مغرب کے انتظار میں بیٹھنا بھی حالتِ نماز ہے، جیسا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا)۔

٣٨ - بَابُ: إِذَا نَفَرَ النَّاسُ عَنِ الْإِمَامِ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ، فَصَلَاةُ الْإِمَامِ وَمَنْ بَقِيَ جَائِزَةٌ

38۔ باب: جب لوگ جمعہ کی نماز میں امام کو چھوڑ کر چلے جائیں تو امام اور باقی رہنے والوں کی نماز جائز ہے

فائدہ "امام اور باقی رہنے والوں" میں امام کے ساتھ ایک آدمی بھی ہو سکتا ہے جو باقی رہ جائے اور زیادہ بھی، باب کا مقصد یہ ہے کہ امام کے ساتھ ایک آدمی بھی رہ جائے تو جمعہ درست ہے، کیونکہ شرط یہ ہے کہ امام کے ساتھ کوئی نہ کوئی باقی رہ جائے تو جمعہ درست ہے اور وہ ایک بھی ہو سکتا ہے۔ یہ مسئلہ کہ کتنے آدمی ہوں تو جمعہ ہو سکتا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس میں علماء کے پندرہ قول نقل کیے ہیں، جن میں ایک، دو، تین، سات، نو، بارہ، بیس، تیس، چالیس، پچاس، اسی اور گنتی کے بغیر کثیر جماعت شامل ہے۔ ان میں سے اکثر نے کسی موقع پر موجود افراد کی تعداد سے مسئلہ اخذ کیا ہے، حالانکہ خاص واقعہ سے عام حکم ثابت نہیں ہوتا۔ بخاری کی شرط پر چونکہ خاص عدد کی کوئی روایت نہ تھی اس لیے انھوں نے امام اور اس کے ساتھ رہ جانے والوں کی نماز درست ہونے سے استدلال کیا ہے اور یہی بات قوی ہے کہ دو آدمی بھی جمعہ ادا کر سکتے ہیں۔

٩٣٦ - حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أَقْبَلَتْ عِيرٌ تَحْمِلُ طَعَامًا، فَالْتَفَتُوا إِلَيْهَا حَتَّى مَا بَقِيَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا، فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ [الجمعة: ١١] [انظر: ٢٠٥٨، ٢٠٦٤، ٤٨٩٩ - أخرجه مسلم: ٨٦٣]

936۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اس دوران کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک تجارتی قافلہ آیا جس میں غلہ لدا ہوا تھا، لوگوں نے ادھر توجہ کر لی، حتیٰ کہ نبی ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے، تو یہ آیت نازل ہوئی: "اور جب انھوں نے کوئی تجارت دیکھی یا تماشا تو اٹھ کر اس کی طرف چلے گئے اور انھوں نے تجھے کھڑا چھوڑ دیا۔"

فوائد 1 اس حدیث میں ہے کہ "ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک تجارتی قافلہ آیا" اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نماز شروع کر چکے تھے اور بعض صحابہ نماز کے دوران اٹھ کر چلے گئے، مگر مسلم (٨٦٣/٣٦) میں یہی حدیث عبد اللہ بن ادریس عن حصین کی روایت سے ان الفاظ میں آئی ہے: «وَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ» "اور رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔" مسلم (٨٦٣/٣٨) ہی نے ہشیم کی روایت میں یہ الفاظ بیان کیے ہیں: «بَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ» "اس دوران کہ نبی ﷺ کھڑے تھے۔" ابوعوانہ نے اپنی صحیح

میں اور ترمذی (۳۳۱۱) اور دار قطنی (۱۵۸۴) نے ہشیم ہی کے طریق سے " يَخْطُبُ " کے الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں۔ (اس کے علاوہ بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متعدد روایات نقل کی ہیں کہ آپ اس وقت خطبہ دے رہے تھے) ان احادیث کے مطابق " نُصَلِّيْ " (ہم نماز پڑھ رہے تھے) سے مراد یہ ہے کہ ہم نماز کے انتظار میں تھے یا یہ کہ نماز پڑھنے سے مراد خطبہ ہے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استدلال کیا کہ خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے، جیسا کہ ابن ماجہ (۱۱۰۸) میں صحیح سند کے ساتھ ہے، اسی طرح اس کے ساتھ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہی استدلال کیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم (۸۶۴) میں ہے۔ معلوم ہوا کہ اسی حدیث میں بعض راویوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اور بعض نے اسی حدیث میں آپ کے کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ دونوں میں تطبیق یہی ہے کہ یہ خطبے کے دوران کا واقعہ ہے جسے بعض راویوں نے نماز کے لفظ سے بیان کر دیا ہے۔ (فتح الباری)

2 " عِيْرٌ " وہ اونٹ جو تجارتی سامان اٹھائے ہوئے ہوں، خواہ غلہ ہو یا کچھ اور۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ قافلہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا تھا اور بعض میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا تھا، تطبیق یہ دی گئی ہے کہ مال عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا تھا، دحیہ رضی اللہ عنہ سفیر تھے یا حصے پر کام کر رہے تھے۔ (فتح الباری)

3 یہاں اس حدیث میں ہے: « فَالْتَفَتُوْا إِلَيْهَا » ''لوگوں نے اس کی طرف توجہ کر لی۔'' جب کہ صحیح بخاری، کتاب البیوع (۲۰۶۴) میں یہی حدیث ابن فضیل کے طریق سے اس لفظ کے ساتھ آئی ہے: « فَانْفَضَّ النَّاسُ » ''تو لوگ اٹھ کر چلے گئے۔'' یہ روایت قرآن کے الفاظ کے مطابق ہے: ﴿ انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا ﴾ [الجمعة : ۱۱] اور اس سے " اِنْفَتَلُوْا إِلَيْهَا " (لوگوں نے اس کی طرف توجہ کر لی) کا مفہوم بھی متعین ہو گیا کہ اس سے مراد اٹھ کر چلے جانا ہے۔

4 جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ ان باقی رہنے والے بارہ آدمیوں میں جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ [مسند أبي يعلى : ۴۶۸/۳، ح : ۱۹۷۹ ـ قال المحقق حسين سليم أسد : إسناده صحيح]

5 بعض لوگ اس واقعہ کو صحابہ پر طعن کا ذریعہ بناتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب یہ واقعہ ہوا مدینہ میں غلہ کی بہت قلت تھی۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ یہودی اگر وہ غلہ خرید لیتے تو مسلمانوں کے لیے بہت مشکل آ سکتی تھی۔ پھر ابھی تک پورے احکام اترے بھی نہیں تھے، نہ ہی انھیں خطبے کے دوران اٹھ کر جانے سے منع ہونے کا کوئی حکم نازل ہوا تھا۔ بعض صحابہ سے یہ عمل نادانی کی وجہ سے ہوا جس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی، اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کے ذکر اور نماز کو تجارت وغیرہ پر جس طرح ترجیح دی اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں فرمایا ہے: ﴿ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ﴾ [النور : ۳۷] ''وہ بڑی شان والے مرد جنھیں اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکاۃ دینے سے نہ کوئی تجارت غافل کرتی ہے اور نہ کوئی خرید و فروخت۔''

6 جمعہ کے متعلق آیات کی ابتدا " يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ " سے ہوتی ہے، اس میں اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے؟

دوسری آیت میں بھی ان سے خطاب ہے " فَانْتَشِرُوْا " ، " وَابْتَغُوْا " اور " وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا " ، مگر تیسری آیت میں التفات ہے۔ وہ جو مخاطب تھے ان کا ذکر غائب کے ساتھ کیا گیا، اس میں کچھ عتاب (ڈانٹ) کا اظہار ہے، جیسا کہ "عَبَسَ وَتَوَلّٰى" میں بات غائب سے شروع کی گئی جس میں کچھ عتاب کا اظہار ہے، بعد میں " وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى " سے مخاطب کر لیا۔

7 اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ جب لوگ امام کو چھوڑ کر چلے جائیں اور اس کے ساتھ کچھ آدمی رہ جائیں تو کیا وہ باقی لوگوں کو جمعہ پڑھائے خواہ کتنے ہوں، یا ضروری ہے کہ کم از کم بارہ ہوں تو انھیں پڑھائے ورنہ نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اتنے ہی لوگ رہ گئے تھے؟ جواب یہ ہے کہ اس وقت اتفاقاً بارہ آدمی رہ گئے تھے، اگر سب لوگ چلے جاتے اور دس آدمی رہ جاتے یا پانچ یا اس سے بھی کم تو حکم یہی ہوتا کہ امام انھیں جمعہ پڑھائے، ایسے اتفاقی معاملات حجت نہیں ہوتے۔ اس سے یہ مفید قاعدہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کام اتفاقاً کیا ہو یا اتفاقاً واقع ہوا ہو وہ حجت نہیں ہوتا۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ مسافر جب چار دنوں سے زیادہ اقامت کی نیت کرے تو وہ مسافر ہی رہے گا اور نماز قصر کرتا رہے گا اور رمضان میں اگر چاہے تو روزہ نہیں رکھے گا خواہ وہ دس دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے یا بیس دن کا، کیونکہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کا چار ذوالحجہ کو آنا اتفاقاً تھا۔ ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارادہ چار ذوالحجہ ہی کو آنے کا تھا۔ آپ جانتے تھے کہ کچھ لوگ چار ذوالحجہ کو آئیں گے، کچھ پانچ ذوالحجہ کو، کچھ تین ذوالحجہ کو اور کچھ دو کو اور کچھ یکم ذوالحجہ، اس کے باوجود آپ نے امت کو یہ حکم نہیں دیا کہ جو چار ذوالحجہ سے پہلے آئے ہیں وہ نماز پوری پڑھیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو کام اتفاقاً واقع ہوا ہو وہ حجت نہیں ہوتا، اس لیے اگر لوگ خطیب کو چھوڑ کر چلے جائیں اور بارہ سے بھی کم آدمی رہ جائیں تو وہ انھیں جمعہ ہی پڑھائے گا، ظہر نہیں پڑھائے گا۔ (ابن عثیمین)

٣٩۔ بَابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَقَبْلَهَا

39۔ باب: جمعہ کے بعد اور اس سے پہلے نماز

٩٣٧۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ، وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ. [انظر: ١١٦٥، ١١٧٢، ١١٨٠۔ أخرجه مسلم: ٧٢٩ باختلاف، و أخرجه: ٨٨٢ آخره]

937۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے اور اس کے بعد دو رکعتیں اور مغرب کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے اور عشاء کے بعد دو رکعتیں اور جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ واپس جاتے اور دو رکعتیں پڑھتے۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جمعہ کے بعد والی نماز کو اس سے پہلے والی نماز سے زیادہ اہمیت دی ہے، کیونکہ جو حدیث وہ لائے ہیں اس میں جمعہ سے پہلے کی نماز کا ذکر نہیں، صرف بعد کی نماز کا ذکر ہے۔ اسی لیے باب میں اس کا ذکر پہلے کیا ہے اور پہلی نماز کا بعد میں۔ بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ جمعہ سے پہلے والی نماز کو انھوں نے ظہر سے پہلے والی نماز پر محمول کیا ہے جو اس حدیث میں دو رکعات ذکر ہوئی ہے۔ مگر یہ بات کمزور ہے، کیونکہ ظہر کی اذان اور نماز کے درمیان وقفہ ہوتا ہے جس میں ظہر کی رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، جب کہ جمعہ کی مسنون اذان کے ساتھ ہی خطبہ شروع ہو جاتا ہے، اس لیے اصل یہی ہے کہ جمعہ سے پہلے کوئی سنت راتبہ (مؤکدہ) نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اذان سے پہلے آئے تو تحیۃ المسجد تو ضرور پڑھے، اس کے بعد امام کے آنے تک جتنی نماز قسمت میں ہو پڑھے، جیسا کہ کئی احادیث میں آیا ہے۔ اذان کے ساتھ نماز چھوڑ دے اور اگر خطبہ کے دوران آئے تو صرف دو ہلکی رکعتیں پڑھ کر بیٹھ جائے۔ رہی جمعہ کے بعد کی نماز تو اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا عمل ذکر ہوا ہے کہ آپ اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اور آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: « إِذَا صَلَّيْتُمْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَصَلُّوْا أَرْبَعًا »[مسلم : ٨٨١/٦٨]"جب تم جمعہ کے بعد نماز پڑھو تو چار پڑھو۔" اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: « مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا »[مسلم : ٨٨١/٦٩] "تم میں سے جو جمعہ کے بعد نماز پڑھنے والا ہو تو وہ چار رکعتیں پڑھے۔" یہ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے۔

اب علماء میں اختلاف ہے کہ جمعہ کے بعد نماز دو رکعتیں ہے یا چار؟ چنانچہ بعض نے کہا: وہ گھر میں دو رکعتیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ اس سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور بعض نے کہا: وہ چار رکعتیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا عمل دو رکعت ہے جب کہ فرمان چار رکعت کا ہے، اس لیے ہمیں چار رکعتیں پڑھنی چاہییں، خواہ رسول اللہ ﷺ نے دو پڑھی ہوں یا ایک بھی نہ پڑھی ہو۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چھ رکعتیں پڑھے، تاکہ قول و فعل دونوں پر عمل ہو جائے۔ مگر یہ درست نہیں، یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص کہے کہ دعائے استفتاح میں " سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ " اور " اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ " دونوں پڑھنی چاہییں، تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ مگر یہ بھی درست نہیں، کیونکہ معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے ایک وقت میں ان دعاؤں میں سے ایک پڑھی ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے گھر میں کبھی چھ رکعتیں اکٹھی نہیں پڑھیں۔ ابن قیم نے زاد المعاد (۴۲۵/۱) میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اگر مسجد میں پڑھے تو چار پڑھے اور گھر میں پڑھے تو دو پڑھے۔ مگر راجح بات یہی ہے کہ چار رکعتیں پڑھے خواہ مسجد میں پڑھے یا گھر میں، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان یہی ہے۔ (ابن عثیمین) بندہ عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ مجھے بھی یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے۔

٤٠ - بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ [الجمعة: ١٠]

40- باب: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے کچھ نہ کچھ تلاش کرو''

فائدہ: اس آیت پر ایک سوال ہے کہ اس میں حکم دیا گیا ہے کہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا کچھ نہ کچھ فضل تلاش کرو، تو کیا نمازِ جمعہ کے بعد مسجد سے نکلنا ضروری ہے اور کیا کاروبار بھی ضروری ہے یا گھر میں آرام بھی کیا جا سکتا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اگرچہ اصل یہی ہے کہ جس کام کا حکم دیا جائے وہ فرض ہوتا ہے، مگر قرینہ موجود ہو تو امر استحباب کے لیے بھی ہوتا ہے اور بیانِ جواز کے لیے بھی۔ یہاں اذان ہونے کے ساتھ بیع سے منع فرمایا تھا، اب اس ممانعت کی حد بیان فرما دی کہ یہ ممانعت نماز پوری ہونے تک ہے، اس کے بعد بیع کی اجازت ہے اور تمھیں اختیار ہے کہ مسجد سے نکل کر کاروبار میں مصروف ہو جاؤ، لیکن اگر کوئی مسجد میں رہے یا گھر چلا جائے اور کاروبار نہ کرے تو مضائقہ نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احرام کی حالت میں شکار سے منع فرمایا، پھر فرمایا: ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ [المائدة: ٢] ''اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو۔'' یہاں شکار کا حکم دینے کا مطلب یہ نہیں کہ احرام کھولنے والے شخص پر شکار فرض ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ احرام کھولنے کے بعد شکار کی اجازت ہے۔ (تفسیر القرآن الکریم) امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانے کے لیے کہ آیت میں امر بیانِ جواز کے لیے ہے دو حدیثیں لائے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ جمعہ کے بعد کھانے اور قیلولہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔

٩٣٨ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ قَالَ: كَانَتْ فِينَا امْرَأَةٌ تَجْعَلُ عَلَى أَرْبِعَاءَ فِي مَزْرَعَةٍ لَهَا سِلْقًا، فَكَانَتْ إِذَا كَانَ يَوْمُ جُمُعَةٍ تَنْزِعُ أُصُولَ السِّلْقِ، فَتَجْعَلُهُ فِي قِدْرٍ، ثُمَّ تَجْعَلُ عَلَيْهِ قَبْضَةً مِنْ شَعِيرٍ تَطْحَنُهَا، فَتَكُونُ أُصُولُ السِّلْقِ عَرْقَهُ، وَكُنَّا نَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ، فَنُسَلِّمُ عَلَيْهَا، فَتُقَرِّبُ ذٰلِكَ الطَّعَامَ إِلَيْنَا فَنَلْعَقُهُ، وَكُنَّا نَتَمَنَّى يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِطَعَامِهَا ذٰلِكَ. [انظر: ٩٣٩، ٩٤١،

938- سہل (بن سعد) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم میں ایک عورت تھی جو اپنے کھیت میں نالیوں پر چقندر کاشت کیا کرتی تھی، اس کا معمول تھا کہ جب جمعہ کا دن ہوتا تو چقندر کی جڑیں کھیت سے نکالتی اور ہانڈی میں ڈال دیتی، اس پر جو کی مٹھی ڈال دیتی جو اس نے پیسے ہوتے تھے، تو چقندر کی جڑیں اس میں بوٹیوں کی طرح ہو جاتیں، ہم نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر آتے تو اسے سلام کہتے، تو وہ اس کھانے کو ہمارے سامنے رکھتی اور ہم اسے چاٹ جاتے۔ ہمیں اس کے اس کھانے کی وجہ سے جمعہ کے دن کی تمنا رہتی تھی۔

٢٣٤٩، ٥٤٠٣، ٦٢٤٨، ٦٢٧٩ـ أخرجه مسلم :
٨٥٩ بقطعة ليست في هذه الطريق]

فوائد 1 " اَلْأَرْبِعَاءُ " " رَبِيْعٌ " کی جمع ہے، جیسے " نَصِيْبٌ " کی جمع " اَلْأَنْصِبَاءُ " ہے، معنی ہے: نالیاں اور " السِّلْقُ " چقندر۔ یہ شلغم کی طرح کی ایک سبزی ہے جو سرخ اور میٹھی ہوتی ہے۔ " مَزْرَعَةٌ " میم اور راء کے فتحہ کے ساتھ: کھیت۔

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: مجھے اس عورت کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ " عَرْقٌ " عین کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ: گوشت جو ہڈی پر ہو۔ "کتاب الاطعمۃ" (۵۴۰۳) میں اس حدیث میں ہے: « وَاللّٰهِ ! مَا فِيْهِ شَحْمٌ وَلَا وَدَكٌ »"اللہ کی قسم! اس میں نہ چربی ہوتی تھی نہ کوئی چکنائی۔"

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجنبی عورتوں کو سلام کہنا جائز ہے (اگر فتنے کا خوف نہ ہو) اور اس خاتون کی طرح جو نیکی بھی ہو سکے کرنی چاہیے، خواہ معمولی معلوم ہو۔ اس سے اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سادہ، پُر مشقت اور قناعت والی زندگی کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس معمولی کھانے کی تمنا ہفتہ بھر دل میں لیے پھرتے تھے۔ (فتح الباری)

4 یہ حدیث یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ جمعہ کے بعد کاروبار وغیرہ کے لیے جانا ضروری نہیں، کھانا کھا کر آرام بھی کیا جا سکتا ہے۔ ہاں اللہ کا ذکر ہر حال میں کثرت سے جاری رہنا چاہیے۔ ابن عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کھانے کے لیے اس خاتون کے گھر جانا بھی " وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ " میں شامل ہے۔ اسی طرح عزیز و اقارب کی ملاقات کے لیے جانا یا اپنے گھر جا کر کھانا کھانا بھی اس میں شامل ہے۔ صحابہ کا جمعہ کے بعد کھانا اور آرام سب اللہ کا فضل تلاش کرنے میں شامل ہے۔

٩٣٩ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلٍ، بِهٰذَا وَقَالَ : مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ . [راجع : ٩٣٨ـ أخرجه مسلم : ٨٥٩]

939۔ سہل (بن سعد) رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث مروی ہے اور (اس میں) انھوں نے کہا: ہم دوپہر کا آرام اور صبح کا کھانا جمعہ کے بعد ہی رکھتے تھے۔

٤١ ـ بَابُ الْقَائِلَةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ

41۔ باب: دوپہر کا آرام جمعہ کے بعد کرنا

٩٤٠ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ، عَنْ حُمَيْدٍ، قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ : كُنَّا نُبَكِّرُ إِلَى الْجُمُعَةِ، ثُمَّ نَقِيلُ . [راجع : ٩٠٥]

940۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم جمعہ کے لیے سویرے چلے جاتے تھے، پھر بعد میں قیلولہ (دوپہر کا آرام) کرتے تھے۔

٩٤١ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْجُمُعَةَ، ثُمَّ تَكُونُ الْقَائِلَةُ. [راجع: ٩٣٨- أخرجه مسلم: ٨٥٩ بقطعة لم ترد في هذه الطريق]

941۔ سہل (بن سعد) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھتے، پھر قیلولہ ہوتا تھا۔

فائدہ انس اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہما کی ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن صحابہ کا عام معمول یہی تھا کہ صبح جمعہ کی تیاری کر کے مسجد میں چلے جاتے اور جمعہ سے فارغ ہو کر کھانا اور آرام ہوتا تھا۔

[تَمَّ كِتَابُ الْجُمُعَةِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

١٢ - أَبْوَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

نمازِ خوف کے ابواب

١ - بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : ﴿ وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَ لْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ [النساء : ١٠١، ١٠٢]

1 - باب: خوف کی نماز

اور اللہ تعالیٰ کا قول: ’’اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز کچھ کم کر لو، اگر ڈرو کہ تمھیں وہ لوگ فتنے میں ڈال دیں گے جنھوں نے کفر کیا، بے شک کافر لوگ ہمیشہ سے تمھارے کھلے دشمن ہیں۔ اور جب تو ان میں موجود ہو، پس ان کے لیے نماز کھڑی کرے تو لازم ہے کہ ان میں سے ایک جماعت تیرے ساتھ کھڑی ہو اور وہ اپنے ہتھیار پکڑے رکھیں، پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمھارے پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت آئے جنھوں نے نماز نہیں پڑھی، پس تیرے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار پکڑے رکھیں۔ وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا چاہتے ہیں کاش کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامانوں سے غفلت کرو تو وہ تم پر ایک ہی بار حملہ کر دیں۔ اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تمھیں بارش کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو یا تم بیمار ہو کہ اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو اور اپنے بچاؤ کا

سامان پکڑے رکھو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔‘‘

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے صلاۃِ خوف میں پہلے قرآن مجید کی آیات نقل کی ہیں، کیونکہ یہ واحد نماز ہے جس کی اتنی تفصیل قرآن میں آئی ہے اور امام صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس نماز کی ہیئت کا دوسری نمازوں کی ہیئت سے مختلف ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ رہی اس کی مختلف صورتیں تو ان کی تفصیل سنت سے ثابت ہے۔

2 وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ ...... : قصر کا معنی کمی ہے، یہ کمی رکعات کی تعداد میں بھی مسنون ہے اور خوف زیادہ ہو تو نماز کی ہیئت اور شکل میں بھی کمی ہو سکتی ہے، مثلاً سواری پر اشارے سے یا پیدل چلتے ہوئے نماز پڑھ لینا۔ ظاہر ہے اس میں سجدہ اور رکوع تو پوری طرح ممکن نہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ﴾ [البقرة : ۲۳۹] ’’پھر اگر تمھیں خوف ہو تو پیدل پڑھ لو یا سوار۔‘‘ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو خالد بن سفیان کے قتل کے لیے بھیجا، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لیے لشکر تیار کر رہا تھا۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو عصر کی نماز کا وقت قریب تھا، انھوں نے جاتے جاتے ہی نماز پڑھ لی۔ [دیکھیے أبو داوٗد، صلاة السفر، باب صلاة الطالب : ۱۲۴۹] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کی سند کو حسن اور ابن کثیر نے جید کہا ہے۔ [هداية المستنير : ص ۱۰۸] خوف زیادہ ہو تو صلاۃِ خوف ایک رکعت بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: « فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلَاةَ عَلٰی لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا، وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ، وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً » [مسلم : ۶۸۷/۵] ’’اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی ﷺ کی زبان پر نماز حضر میں چار رکعت، سفر میں دو رکعتیں اور خوف میں ایک رکعت فرض فرمائی ہے۔‘‘ سفر میں مغرب اور صبح کی نماز میں قصر نہیں، چار رکعت والی نمازوں میں دو رکعتیں پڑھنا قصر ہے۔

3 ’’ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ ‘‘ (تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز قصر کر لو) کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ حالتِ سفر میں قصر واجب نہیں، اس کی صرف اجازت ہے اور یہی اکثر علمائے سلف کا مسلک ہے، مگر چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ سفر میں نماز قصر کی ہے، اس لیے یہ سنت ہے اور افضل ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے کہ یہ نماز کم ہونے کے باوجود پوری پڑھنے سے افضل ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ سفر میں نماز قصر کرنا واجب ہے، پوری پڑھنا جائز ہی نہیں وہ اپنے ہی قاعدے کے خلاف بات کر رہے ہیں کہ فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

4 اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا : یہ آیت چونکہ جہاد کی آیات کے سیاق میں آئی ہے اس لیے اس میں نمازِ قصر کی اجازت کے ساتھ ’’اگر تمھیں ڈر ہو کہ کافر تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے‘‘ کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں، یعنی اگر خوف ہو کہ وہ تم پر حملہ کر دیں گے تو نماز قصر کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ رہا عام سفر جس میں دشمن کا کوئی خوف نہ ہو اس کے بارے میں یہ آیت خاموش ہے۔ یہ بات نبی ﷺ نے اپنے قول و فعل کے ساتھ واضح فرمائی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے

سوال کیا: کیا وجہ ہے کہ لوگ ہر سفر میں قصر کر رہے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم خوف کے ساتھ مقید ہے اور اب لوگ امن میں ہیں؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خود مجھے بھی اس سے تعجب ہوا تھا اور میں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: «صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ، فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهُ» [مسلم : ٦٨٦] ”یہ ایک صدقہ ہے جو اللہ نے تم پر کیا ہے، لہٰذا تم اس کا صدقہ قبول کرو۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کرتے تھے، ہمیں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں تھا، ہم دو رکعتیں ہی پڑھتے تھے۔ [نسائي : ١٤٣٦، صحيح]

5 وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ (اور جب تو ان میں ہو اور ان کے لیے نماز کھڑی کرے): اس سے بعض لوگوں نے یہ بات نکالی ہے کہ صلاۃ خوف صرف رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے، آپ کے بعد یہ جائز نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ لشکر کے دونوں گروہ الگ الگ امام کے ساتھ الگ الگ نماز پڑھیں۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ آپ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس کے مشروع ہونے پر اجماع ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ» [بخاري : ٦٣١] ”نماز اس طرح پڑھو جیسے تم نے مجھے دیکھا ہے کہ میں پڑھتا ہوں۔“ اور ابن العربی وغیرہ نے کہا ہے: آپ کے ان میں موجود ہونے کی شرط صرف اس کے حکم کی وضاحت کے لیے ہے، اس کے وجود کے لیے نہیں۔ گویا اصل یہ ہے کہ جب آپ ان میں موجود ہوں تو اپنے عمل کے ساتھ نماز کے طریقے کی وضاحت کریں، کیونکہ وہ قول سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔ (فتح الباری) ابن عثیمین رحمہ اللہ نے کہا: یہ قول صحابہ کے اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے، کیونکہ وہ نبی ﷺ کے بعد اپنی جنگوں میں صلاۃ خوف پڑھتے رہے ہیں۔ آپ کے بعد یہ نماز علی بن ابی طالب، حذیفہ بن یمان اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم نے دوسرے صحابہ کی موجودگی میں پڑھی، ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ لوگوں کو صلاۃ خوف سکھاتے تھے اور جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ اسے لوگوں کی تعلیم کے لیے روایت کرتے تھے۔ ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ نبی ﷺ کی خصوصیت ہے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا آپ سے خطاب تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حکم امت کے لیے نہیں، جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ [الطلاق : ١] ”اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انھیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو۔“ اور فرمایا: ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ ﴾ [التوبة : ١٠٣] ”ان کے مالوں سے صدقہ لے، اس کے ساتھ تو انھیں پاک کرے گا اور انھیں صاف کرے گا اور ان کے لیے دعا کر۔“ (ابن عثیمین)

6 یہ آیت واضح دلیل ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز واجب ہے، کیونکہ اس میں ” فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ “ امر کے الفاظ آئے ہیں اور اس میں ان لوگوں کی بات کی بھی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ باجماعت نماز فرض کفایہ ہے، کیونکہ اگر یہ فرض کفایہ ہوتی تو پہلے گروہ کی نماز کے ساتھ فرض کفایہ پورا ہو جاتا، دوسرے گروہ کو باجماعت نماز کا حکم نہ ہوتا۔ (ابن عثیمین)

٩٤٢۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: سَأَلْتُهُ: هَلْ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ –

942۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کے ہمراہ نجد کی طرف جہاد کیا، ہم دشمن

يَعْنِي ـ صَلَاةَ الْخَوْفِ ؟ قَالَ : أَخْبَرَنِي سَالِمٌ : أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي لَنَا، فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ تُصَلِّي وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ، وَرَكَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِمَنْ مَعَهُ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ، فَجَاءُوا فَرَكَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ . [انظر : ٩٤٣، ٤١٣٢، ٤١٣٣، ٤٥٣٥ ـ أخرجه مسلم : ٨٣٩]

کے مقابل ہوئے اور ان کے سامنے صفیں باندھیں تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر ہمیں نماز پڑھانے لگے، چنانچہ ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا اور دوسرے گروہ نے دشمن کے سامنے رُخ کیے رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ مل کر رکوع کیا جو آپ کے ہمراہ تھے اور دو سجدے کیے، پھر یہ لوگ اس گروہ کی جگہ چلے گئے جس نے نماز نہیں پڑھی تھی اور دوسرے لوگ آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہمراہ ایک رکوع اور دو سجدے کیے، پھر آپ نے سلام پھیر دیا، پھر ان میں سے ہر ایک کھڑا ہوا اور اس نے اپنے لیے ایک رکوع اور دو سجدے کر لیے۔

فوائد 1 نجد: عرب کے وہ تمام مقامات جن کی سطح بلند ہے نجد کہلاتے ہیں۔ " فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ " یہ " مُوَازَاةٌ " سے ہے جس کا معنی ہے مقابل ہونا، برابر ہونا۔ اصل اس کا " إِزَاءٌ " سے ہے۔ گویا " وَازَيْنَا " اصل میں " آزَيْنَا " ہے۔ جوہری نے الصحاح میں کہا: جب تم کسی کے برابر سامنے ہو تو کہو " آزَيْتُهُ " ، " وَازَيْتُهُ " نہ کہو۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ظاہر یہی ہے کہ یہ لفظ اصل میں ہمزہ کے ساتھ ہے جسے واؤ سے بدل دیا گیا ہے۔ یہ نماز عصر کی تھی، جیسا کہ مغازی میں آئے گا۔

2 صحیح احادیث میں صلاۃِ خوف کی متعدد صورتیں آئی ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے متعدد مرتبہ پڑھا ہے اور ہر موقع کے لحاظ سے اس میں کوئی نہ کوئی تبدیلی ہوئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو پہلے ذکر کیا ہے، کیونکہ سند کے لحاظ سے یہ بہت قوی ہے اور قرآن مجید میں مذکور صورت کے بہت قریب ہے۔ سنن ابی داود میں صلاۃِ خوف کی کئی صورتیں نبی ﷺ سے مروی ہیں اور ایک آدھ کے سوا سب کی سند صحیح ہے۔ فتح الباری میں ہے: "ابن عبدالبر نے اس کیفیت کو دوسری صورتوں پر ترجیح دی ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں بیان ہوئی ہے، کیونکہ اس کی سند بہت قوی ہے اور یہ اصول کے موافق ہے کہ مقتدی امام کے سلام سے پہلے اپنی نماز پوری نہ کریں۔ اور احمد سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: صلاۃِ خوف میں چھ یا سات احادیث ثابت ہیں، آدمی ان میں سے جس طرح نماز پڑھ لے جائز ہے۔ ان کا اپنا میلان سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف ہے جو مغازی (۴۱۳۱) میں آ رہی ہے۔ اسی طرح شافعی نے بھی اسے ترجیح دی ہے۔ اسحاق نے کسی حدیث کو دوسری پر ترجیح نہیں دی۔ طبری اور کئی ایک کا یہی قول ہے جن میں ابن المنذر بھی ہیں اور انھوں

نے آٹھ صورتیں ذکر کی ہیں۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں آٹھ صورتوں کے ساتھ نویں کا اضافہ کیا ہے۔ ابن حزم نے کہا: اس میں چودہ صورتیں ثابت ہیں، انھوں نے اسے ایک الگ جزو میں بیان کیا ہے۔ ابن العربی نے "القبس" میں کہا ہے: اس کے بارے میں بہت سی روایات آئی ہیں جن میں سے زیادہ صحیح سولہ مختلف روایتیں ہیں، مگر انھوں نے ان کی وضاحت نہیں کی۔ نووی نے بھی مسلم کی شرح میں ایسے ہی کہا ہے، مگر انھوں نے بھی ان کی وضاحت نہیں کی۔ ہمارے شیخ ابو الفضل نے ترمذی کی شرح میں ان کی وضاحت کی ہے اور ایک صورت مزید ذکر کی ہے، چنانچہ سترہ صورتیں ہو گئیں، لیکن وہ صورتیں ایک دوسری میں داخل ہو سکتی ہیں۔ صاحب الہدی (ابن قیم رحمہ اللہ) نے کہا: ان میں سے اصل چھ صورتیں ہیں، بعض نے ان صورتوں کو اس سے زیادہ تک پہنچا دیا ہے۔ یہ حضرات کسی قصے میں جب راویوں کا کوئی اختلاف دیکھتے ہیں تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی ایک صورت بنا دیتے ہیں، حالانکہ وہاں صرف راویوں کا اختلاف ہوتا ہے۔ یہی بات قابل اعتماد ہے اور اسی کی طرف ہمارے شیخ نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ وہ صورتیں ایک دوسری میں داخل ہو سکتی ہیں۔ اور ابن قصار مالکی نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس مرتبہ یہ نماز پڑھی ہے اور ابن العربی نے کہا: آپ نے یہ نماز چوبیس مرتبہ پڑھی ہے اور خطابی نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز مختلف ایام میں مختلف صورتوں میں پڑھی ہے، ان میں سے اس صورت کو اختیار کرنا چاہیے جو نماز کے لیے زیادہ احتیاط والی ہو اور جس میں پہرے کی بہتر صورت موجود ہو، کیونکہ مختلف صورتوں کے باوجود ان میں اصل بات ایک ہی ہے۔" (فتح الباری) فقہ کی کتابوں میں اس کی بہت تفصیل ہے جس کی اس شرح میں گنجائش نہیں۔ (واللہ المستعان)

۲۔ بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ رِجَالًا وَرُكْبَانًا

2۔ باب: پیدل اور سوار ہونے کی حالت میں خوف کی نماز

رَاجِلٌ: قَائِمٌ.

"رَاجِلٌ" کا معنی ہے: کھڑا ہونے والا۔

فائدہ قرآن مجید میں ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ [البقرة: ۲۳۹] "رِجَالًا" "رَاجِلٌ" کی جمع ہے جس کا معنی پیدل ہے، خواہ کھڑا ہو یا چل رہا ہو۔ یہ "رُكْبَانًا" کے مقابلے میں ہے جو "رَاكِبٌ" کی جمع ہے جس کا معنی سوار ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ یہاں "رِجَالًا" "رَجُلٌ" کی جمع نہیں بلکہ "رَاجِلٌ" کی جمع ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا﴾ [الحج: ۲۷] "اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے پاس پیدل چلتے ہوئے آئیں گے۔" اس کے علاوہ یہ بھی مقصد ہے کہ نماز کسی صورت بھی نہ معاف ہوتی ہے نہ اسے وقت سے مؤخر کرنے کی گنجائش ہے۔ اگر سواری سے اترنا ممکن نہ ہو تو سواری پر پڑھ لے اور اگر رکوع و سجود ممکن نہ ہو تو اشارے سے پڑھ لے۔

۹۴۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقُرَشِيُّ، 943۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مجاہد کے قول کی طرح مروی ہے کہ

قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوًا مِنْ قَوْلِ مُجَاهِدٍ : إِذَا اخْتَلَطُوا قِيَامًا .

جب مسلمان اور کافر کھڑے کھڑے ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جائیں۔

وَ زَادَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : « وَ إِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، فَلْيُصَلُّوا قِيَامًا وَرُكْبَانًا » [راجع : ٩٤٢۔ أخرجه مسلم : ٨٣٩ مطولاً]

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے یہ لفظ زیادہ بیان کیے ہیں: ''اور اگر وہ (کفار) اس سے زیادہ ہوں تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت میں نماز پڑھ لیں۔''

فوائد 1 اس حدیث میں ایک تو مجاہد کے قول کا حوالہ ہے اور ایک عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کا، دونوں کے الفاظ یہاں ذکر نہیں کیے گئے، صرف یہ کہا ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول " نَحْوًا مِنْ قَوْلِ مُجَاهِدٍ " (مجاہد کے قول کی طرح ہے)۔ یاد رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے قول کا مفہوم ایک ہے، کیونکہ اگر دونوں کے الفاظ ایک ہوتے تو " مِثْلَ قَوْلِ مُجَاهِدٍ " کہا جاتا ہے۔ تیسری بات اس حدیث میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے، یعنی نبی ﷺ سے مروی ہے۔ مجاہد کا قول اسماعیلی نے اپنی مستخرج میں ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے، چنانچہ انھوں نے اسے " حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ " کے طریق سے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: « إِذَا اخْتَلَطُوْا فَإِنَّمَا هُوَ الذِّكْرُ وَالْإِشَارَةُ » ''جب وہ آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں تو پھر صرف ذکر اور اشارہ ہی ہوگا۔'' یاد رہے یہ مجاہد کا اپنا قول ہے جو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے آیت: ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ﴾ [البقرة : ٢٣٩] سے اخذ کیا ہے۔ مجاہد نے یہ قول کسی صحابی یا رسول اللہ ﷺ سے روایت نہیں کیا۔ رہا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول اور ان کی مرفوع حدیث تو اسماعیلی نے کہا: " قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ : حَدَّثَنِيْ مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِمِثْلِ قَوْلِ مُجَاهِدٍ : إِذَا اخْتَلَطُوْا فَإِنَّمَا هُوَ الذِّكْرُ وَالْإِشَارَةُ " ''یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول مجاہد کے قول کی طرح ہی ہے کہ جب وہ گتھم گتھا ہو جائیں تو پھر صرف ذکر اور اشارہ ہی ہوگا۔'' یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اسماعیلی نے کہا: « وَزَادَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : فَإِنْ كَثُرُوْا فَلْيُصَلُّوْا رُكْبَانًا أَوْ قِيَامًا عَلٰى أَقْدَامِهِمْ » ''اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے کہ اگر دشمن زیادہ ہوں تو مجاہدین سوار ہو کر یا کھڑے کھڑے نماز پڑھیں۔'' یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خوف کی حالت میں فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے جماعت کی صورت بیان کرنے کے بعد ان سے یہ الفاظ مروی ہیں: « فَإِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ أَشَدَّ مِنْ ذٰلِكَ، صَلَّوْا رِجَالًا قِيَامًا عَلٰى أَقْدَامِهِمْ أَوْ رُكْبَانًا، مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ أَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيْهَا ، قَالَ مَالِكٌ : قَالَ نَافِعٌ : لَا أُرَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذٰلِكَ إِلَّا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ » [بخاري : ٤٥٣٥] ''پھر اگر خوف اس سے زیادہ شدید ہو تو پیدل اور کھڑے کھڑے یا سوار ہو کر نماز پڑھیں، قبلہ کی طرف منہ کرنے والے ہوں یا نہ ہوں۔'' مالک نے کہا کہ نافع نے

کہا: ”میں اس کے سوا گمان نہیں کرتا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے رسول اللہ ﷺ ہی سے ذکر کیا ہے۔“

2 وَ زَادَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: یعنی پہلا قول اختلاط والا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا قول تھا، اس کے بعد والے الفاظ مرفوع ہیں: ”وَ إِنْ كَانُوْا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ“ کا عطف ”إِذَا اخْتَلَطُوْا“ پر نہیں ہے، بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے شروع کے قول پر ہے، یعنی اگر تقسیم کر کے جماعت کروانے کی صورت نہ ہو سکے اور دشمن اس سے زیادہ ہوں تو پھر ذکر اور اشارہ ہوگا، کیونکہ تلواروں کے ساتھ گتھم گتھا ہونے یعنی مسایفہ سے بڑھ کر کیا خوف ہوگا۔

3 وَإِنْ كَانُوْا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ (اگر دشمن اس سے زیادہ ہوں): یعنی جب خوف بہت شدید ہو اور دشمن کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ فوج کو تقسیم کر کے جماعت کروانے میں خطرہ ہو تو جیسے ممکن ہو نماز جائز ہے اور جو ارکان ادا نہ کیے جا سکتے ہوں انھیں چھوڑ دینا جائز ہے، چنانچہ رکوع وسجود کی بجائے اشارہ کافی ہوگا اور سیدھی نظر رکھنے کی بجائے ادھر ادھر توجہ جائز ہوگی، قبلہ کی طرف رخ بھی ترک کیا جا سکے گا۔

٣- بَابٌ: يَحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ

٩٤٤- حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ حَرْبٍ، عَنِ الزُّبَيْدِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، فَكَبَّرَ وَكَبَّرُوا مَعَهُ، وَرَكَعَ وَرَكَعَ نَاسٌ مِنْهُمْ، ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدُوا مَعَهُ، ثُمَّ قَامَ لِلثَّانِيَةِ فَقَامَ الَّذِينَ سَجَدُوا وَحَرَسُوا إِخْوَانَهُمْ، وَأَتَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى فَرَكَعُوا وَسَجَدُوا مَعَهُ، وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ فِي صَلَاةٍ، وَلَكِنْ يَحْرُسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

3۔ باب: نمازی صلاۃ خوف میں ایک دوسرے کا پہرا دیں

944۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ (نماز کے لیے) کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ”اللہ اکبر“ کہا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی، آپ نے رکوع کیا تو ان میں سے چند لوگوں نے رکوع کیا، پھر آپ نے سجدہ کیا تو انھی چند لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا، پھر آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ لوگ بھی کھڑے ہو گئے جنھوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا تھا اور وہ اپنے بھائیوں کا پہرا دینے لگے اور دوسرا گروہ آیا اور انھوں نے آپ کے ساتھ رکوع اور سجدہ کیا۔ اس دوران سب لوگ نماز میں تھے، لیکن ایک دوسرے کا پہرا دے رہے تھے۔

فوائد 1 اس حدیث میں اس صورت کا ذکر ہے جب دشمن قبلے کی طرف ہو، جبکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو

پہلے گزری ہے اس صورت کا ذکر ہے جب دشمن قبلے کی طرف نہ ہو۔ زیر شرح حدیث میں مذکور صورت یہ ہے کہ سب لوگ امام کے پیچھے کھڑے ہو جائیں اور سب ہی امام کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہہ کر نماز شروع کر دیں۔ جب امام رکوع اور سجدہ کرے تو صرف پہلی صف اس کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرے جو امام کے ساتھ ہے، پیچھے والی صف کھڑی رہے اور اپنے بھائیوں کا پہرا دیتی رہے، کیونکہ دشمن قبلے کی طرف ہے اور نظر آ رہا ہوتا ہے۔ جب امام دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو یہ لوگ جنھوں نے امام کے ساتھ رکوع اور سجدہ کیا تھا پیچھے چلے جائیں اور پچھلی صف والے آگے ہو جائیں اور امام کی دوسری رکعت کے ساتھ رکوع اور سجدہ کریں، جیسا کہ نسائی (۱۵۳۴) میں ہے: « فَتَأَخَّرَ الَّذِينَ سَجَدُوا مَعَهُ وَحَرَسُوا إِخْوَانَهُمْ » ”جن لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا تھا پیچھے ہو گئے اور اپنے بھائیوں کا پہرا دینے لگے۔“

2 فَرَكَعُوا وَ سَجَدُوا مَعَهُ : یعنی ان لوگوں نے جو پیچھے سے آگے آئے تھے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رکوع اور سجدہ کیا۔ اس طرح پہلی صف والوں نے ایک رکعت پہلے نبی ﷺ کے ساتھ پڑھی، بعد میں پچھلی صف والوں نے بھی آگے ہو کر نبی ﷺ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی، اس طرح نبی ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں اور صحابہ کی دونوں جماعتوں نے ایک ایک رکعت پڑھی۔ صحیح بخاری کی اس روایت میں زہری سے اس بات کا ذکر نہیں کہ دونوں گروہوں نے اپنی اپنی دوسری رکعت پڑھی یا نہیں، مگر ابو بکر بن ابی الجہم نے اسی روایت میں زہری کے شیخ عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت بیان کی ہے، اس میں صراحت ہے: « وَلَمْ يَقْضُوا » [نسائي : ۱۵۳۳] یعنی انھوں نے ایک رکعت پڑھی اور دوسری نہیں پڑھی۔

3 بہت سے فقہاء کا کہنا ہے کہ صلاۃ خوف دو رکعتوں سے کم پڑھنا جائز نہیں، صرف اس کی ہیئت اور شکل میں کمی ہو سکتی ہے، رکعتوں کی تعداد میں نہیں۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ متعدد صحیح احادیث سے مقتدیوں کا صرف ایک رکعت پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

4 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس باب یعنی خوف میں صرف ایک رکعت پڑھنے کے مسئلہ میں حذیفہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کی روایت ابو داؤد (۱۲۴۶)، نسائی (۱۵۲۹ تا ۱۵۳۱) اور ابن حبان (۱۴۵۲، ۲۸۷۰) میں ہے اور جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نسائی (۱۵۴۵) میں ہے۔ اس کی تائید مسلم (۶۸۷)، ابو داؤد (۱۲۴۷) اور نسائی (۱۵۳۲) کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے مجاہد کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: « فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلَاةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا، وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ، وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً » ”اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی ﷺ کی زبان پر حضر میں چار رکعت، سفر میں دو اور خوف میں ایک رکعت نماز فرض فرمائی ہے۔“ (فتح الباری) ان صحیح احادیث کے مطابق صلاۃ خوف ایک رکعت پڑھنا بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور اس کا انکار کرنا جائز ہے نہ تاویل، نہ ہی قرآن و سنت کی صحیح دلیل سے مسئلہ ثابت ہونے کے بعد جمہور کے لفظ سے خائف ہونا چاہیے۔

5 اس باب سے دو باتیں ثابت کرنا مقصود ہے، ایک صلاۃ خوف کی ایک الگ صورت بیان کرنا، دوسری یہ کہ خوف کی حالت میں بہت سی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں جو عام حالات میں نماز کے دوران عائد ہوتی ہیں، مثلاً آگے پیچھے حرکت نہ کرنا، قبلہ رخ رہنا، نگاہ کو ادھر ادھر نہ ہونے دینا وغیرہ۔

٤ ۔ بَابُ الصَّلَاةِ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُونِ وَلِقَاءِ الْعَدُوِّ

4۔ باب: قلعوں پر چڑھائی (اور فتح قریب ہونے) کے وقت اور دشمن کے مقابلے کے وقت نماز

وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ : إِنْ كَانَ تَهَيَّأَ الْفَتْحُ وَلَمْ يَقْدِرُوا عَلَى الصَّلَاةِ صَلَّوْا إِيمَاءً ، كُلُّ امْرِئٍ لِنَفْسِهِ، فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَى الْإِيمَاءِ أَخَّرُوا الصَّلَاةَ حَتَّى يَنْكَشِفَ الْقِتَالُ أَوْ يَأْمَنُوا فَيُصَلُّوا رَكْعَتَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوا صَلَّوْا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَقْدِرُوا لَا يُجْزِئُهُمُ التَّكْبِيرُ وَ يُؤَخِّرُوهَا حَتَّى يَأْمَنُوا . وَبِهِ قَالَ مَكْحُولٌ .

اور اوزاعی نے کہا: اگر فتح تیار ہو اور مسلمان نماز پڑھنے پر قادر نہ ہوں تو اشارے سے نماز پڑھ لیں، ہر آدمی اپنی نماز پڑھ لے۔ اور اگر اشارے سے پڑھنے پر بھی قادر نہ ہوں تو نماز کو مؤخر کر دیں، یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے یا خوف ختم ہو جائے تو دو رکعت پڑھ لیں، اگر دو رکعت پڑھنے پر قادر نہ ہوں تو ایک رکوع اور دو سجدے کر لیں، اس پر بھی قادر نہ ہوں تو انھیں صرف ''اللہ اکبر'' کہنا کافی نہیں ہوگا اور وہ اسے امن ہو جانے تک مؤخر کر لیں۔ مکحول نے بھی ایسے ہی کہا ہے۔

وَ قَالَ أَنَسٌ : حَضَرْتُ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ حِصْنِ تُسْتَرَ عِنْدَ إِضَاءَةِ الْفَجْرِ، وَاشْتَدَّ اشْتِعَالُ الْقِتَالِ فَلَمْ يَقْدِرُوا عَلَى الصَّلَاةِ، فَلَمْ نُصَلِّ إِلَّا بَعْدَ ارْتِفَاعِ النَّهَارِ، فَصَلَّيْنَاهَا وَنَحْنُ مَعَ أَبِي مُوسَى فَفُتِحَ لَنَا . وَقَالَ أَنَسٌ : وَمَا يَسُرُّنِي بِتِلْكَ الصَّلَاةِ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

اور انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ نے کہا: میں قلعہ تستر پر چڑھائی کے موقع پر فجر کی روشنی کے وقت موجود تھا جب کہ لڑائی کی آگ کے شعلے سخت بھڑک رہے تھے، اس لیے لوگ نماز پر قادر نہ ہو سکے تو ہم نے سورج بلند ہونے کے بعد ہی نماز پڑھی۔ ہم اس وقت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے، چنانچہ ہمیں فتح حاصل ہو گئی۔ اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس نماز کے عوض دنیا و ما فیہا بھی ملے تو اس جیسی خوشی حاصل نہ ہو۔

فوائد 1 اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ جب شدید لڑائی ہو رہی ہو اور اس کی شدت کی وجہ سے لوگ کسی طرح بھی نماز ادا نہ کر سکتے ہوں، تو ایسی صورت میں کیا ان کے لیے جائز ہے کہ امن ہونے تک نماز کو مؤخر کر دیں یا جائز نہیں؟ اکثر علماء کہتے ہیں کہ وہ نماز کو مؤخر نہیں کر سکتے بلکہ ہر حال میں نماز پڑھیں، خواہ ہر شخص اکیلا نماز پڑھے، جبکہ بعض علماء نے کہا کہ ایسی صورت میں نماز مؤخر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ ان نمازوں کی بات ہے جنھیں دوسری نماز کے ساتھ جمع نہیں کیا جا سکتا، جو نمازیں دوسری نماز کے ساتھ جمع کی جا سکتی ہیں ان میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ ان میں پہلی نماز کو دوسری تک مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ بات ان نمازوں کی ہے جو بعد والی تک مؤخر نہیں کی جا سکتیں، مثلاً نماز عصر، فجر اور عشاء۔ (یا پھر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ مؤخر اور جمع کر کے بھی نہ پڑھی جا سکے، مثلاً ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے بھی مغرب سے پہلے نہ پڑھی جا سکے تو انھیں مغرب سے مؤخر کیا جا سکتا ہے یا ہر حال میں مغرب سے پہلے پڑھا جائے؟) صحیح بات یہ ہے کہ ایسی صورت میں نماز مؤخر کی جا سکتی ہے، کیونکہ جب آنکھیں دہشت سے ٹیڑھی ہو جائیں اور دل گلے تک پہنچ چکے ہوں، مسلسل فائر ہو رہا ہو یا ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو چکے ہوں تو آپ نماز کا تصور کیسے کر سکتے ہیں۔ آدمی جب تک امن اور عافیت میں ہو وہ جنگ کی صورتِ حال کا تصور نہیں کر سکتا۔ جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھے اور جسموں کے ٹکڑے اڑ رہے ہوں، آدمی اپنی آنکھوں سے آتشی اسلحے کے ساتھ دشمن کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہو تو نماز کا تصور ممکن نہیں، اس اضطراری صورت میں نماز کو مؤخر کرنا جائز ہے۔ جو لوگ اس حالت میں بھی نماز کو مؤخر کرنا جائز نہیں کہتے وہ میدانِ جنگ کے حالات سے واقف نہیں یا خواہ مخواہ بے جا اصرار کا تکلف کر رہے ہیں۔ اس لیے راجح قول یہی ہے کہ جب تک نماز کسی صورت پڑھی نہ جا سکتی ہو اسے مؤخر کیا جائے گا، ہاں جب اسے پڑھنا ممکن ہو، خواہ کھڑے کھڑے یا سواری پر، قبلے کی طرف منہ ہو سکے یا نہ ہو سکے، رکوع و سجود ممکن ہو یا نہ ہو نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے اسے پڑھنا ہو گا۔ انس رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیجیے! قلعہ تُستر پر چڑھائی اور فتح قریب ہونے کے وقت ان کا بیان ہے کہ صبح کی روشنی کے وقت لڑائی کی آگ شدت سے بھڑک اٹھی اور وہ کسی طرح نماز نہ پڑھ سکے تو ہم نے دن بلند ہونے کے بعد وہ نماز پڑھی۔ اور ہم ابو موسیٰ اشعری (صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہمراہ تھے تو ہمیں فتح حاصل ہوئی۔ انس رضی اللہ عنہ کے قول "وَمَا يَسُرُّنِي بِتِلْكَ الصَّلَاةِ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا" کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز جو اپنے وقت سے ضرورت اور جہاد فی سبیل اللہ کی وجہ سے مؤخر کی گئی تھی وہ مجھے اتنی عزیز ہے کہ مجھے دنیا و مافیہا بھی ملے تو مجھے اس نماز جیسی خوشی نہ ہو۔ (ابن عثیمین بتصرف یسیر)

2 "تُسْتَر" پہلی تاء کے ضمہ اور دوسری کے فتحہ کے ساتھ، اہواز کے علاقے کا معروف شہر ہے۔ ''اہواز'' خوزستان کا مرکزی شہر ہے جو ایران کے جنوب مغرب میں واقع ہے، دریائے کارون شہر کے درمیان بہتا ہے۔ 2006ء کی مردم شماری کے مطابق "اہواز" کی آبادی 1,432,965 افراد پر مشتمل ہے۔ اس طرح یہ خوزستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ (وکی پیڈیا انگلش) اور خلیفہ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ یہ قلعہ سنہ ۲۰ ہجری میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح ہوا، اس کی کیفیت کا کچھ بیان ''کتاب الجہاد'' میں آئے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٩٤٥ ۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى ، قَالَ : حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُبَارَكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ : جَاءَ عُمَرُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ، وَيَقُولُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! مَا صَلَّيْتُ الْعَصْرَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ تَغِيبَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « وَأَنَا وَاللّٰهِ ! مَا صَلَّيْتُهَا بَعْدُ » قَالَ : فَنَزَلَ إِلَى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَابَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ بَعْدَهَا. [راجع : ٥٩٦۔ أخرجه مسلم : ٦٣١]

945۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ خندق کے دن عمر رضی اللہ عنہ آئے اور کفارِ قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور کہنے لگے : یا رسول اللہ! میں نے نمازِ عصر نہیں پڑھی، یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اور اللہ کی قسم! میں نے بھی یہ نماز ابھی تک نہیں پڑھی۔“ (جابر رضی اللہ عنہ نے) کہا کہ آپ بطحان نامی نالے کی طرف اترے اور وضو کیا اور سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی، پھر آپ نے اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

فوائد: 1 اس حدیث کے اکثر فوائد (٥٩٦) میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ تاخیر یا تو اس لیے تھی کہ ابھی آیتِ قصر نہیں اتری تھی، یا اس لیے کہ وضو کرنا ممکن نہ تھا، یا مشرکین کے متواتر حملوں اور خندق پار کرنے کی مسلسل کوشش کے روکنے میں شدید مصروفیت کی وجہ سے نماز پڑھنا ممکن نہ تھا اور یہ آخری وجہ ہی درست ہے۔

2 باب سے اس حدیث کی مناسبت اس طرح ہے کہ چونکہ آپ نماز کے معلوم طریقے کے مطابق نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اس لیے اسے مؤخر کر دیا، اب اگرچہ آیتِ قصر نازل ہو چکی ہے، مگر جب قصر کر کے بھی نماز نہ پڑھی جا سکے تو اسے مؤخر کرنا چاہیے۔ اس قسم کا استدلال پیچھے بھی گزر چکا ہے کہ جب نہ پانی ملے نہ مٹی تو وضو کے بغیر ہی نماز پڑھ لی جائے۔

٥ ۔ بَابُ صَلَاةِ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ رَاكِبًا وَإِيمَاءً

5۔ باب: جو شخص دشمن کا پیچھا کر رہا ہو یا دشمن اس کا پیچھا کر رہا ہو وہ سواری پر اشارے سے نماز پڑھ لے

وَقَالَ الْوَلِيدُ : ذَكَرْتُ لِلْأَوْزَاعِيِّ صَلَاةَ شُرَحْبِيلَ بْنِ السِّمْطِ وَأَصْحَابِهِ عَلَى ظَهْرِ الدَّابَّةِ، فَقَالَ : كَذٰلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا إِذَا تُخُوِّفَ الْفَوْتُ . وَاحْتَجَّ الْوَلِيدُ بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : « لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ

اور ولید نے کہا: میں نے اوزاعی سے شرحبیل بن السمط رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے سواری کے اوپر نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا: ہمارے نزدیک یہی حکم ہے جب (نماز یا دشمن کے) ہاتھ سے نکلنے کا خوف ہو۔ اور

الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ »

ولید نے نبی ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کیا کہ ”کوئی شخص بنو قریظہ کے سوا کہیں نماز نہ پڑھے۔“

فوائد 1 شُرحبیل بن السمط کندی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، معرکہ قادسیہ میں شریک ہوئے، حمص فتح کیا، معرکہ یرموک میں شریک ہوئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے صفین میں شریک ہوئے، اس میں ان کا بہت سا حصہ تھا۔ بیس سال تک حمص کے والی رہے اور وہیں سنہ ۴۰ ہجری میں وفات پائی۔ [أسد الغابة : ٦٢١/٢ ـ الاستيعاب في معرفة الأصحاب : ٦٩٩/٢]
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ (فتح الباری) طبری اور ابن عبد البر نے اوزاعی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ شرحبیل بن سمط رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ صبح کی نماز سواریوں پر ہی پڑھو، مگر اشتر نخعی نے اتر کر زمین پر نماز پڑھی تو شرحبیل نے کہا: ” مُخَالِفٌ خَالَفَ اللّٰهُ بِهٖ “ ”وہ حکم کی خلاف ورزی کرنے والا ہے، اللہ اس کے خلاف کرے۔“ (فتح الباری) ابن بطال نے کہا کہ فزاری نے السنن میں ذکر کیا ہے کہ پھر اشتر فتنے کے دوران زخمی ہوا۔ (عینی)

2 بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مطلوب، یعنی جس کے پیچھے دشمن لگا ہوا ہو اسے جائز ہے کہ سواری پر اشارے کے ساتھ نماز پڑھ لے، مگر طالب یعنی جو دشمن کا پیچھا کر رہا ہو اسے سواری پر اشارے کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں، بلکہ وہ اترے اور زمین پر نماز پڑھے۔ مگر امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک طالب ہو یا مطلوب دونوں کو سواری پر اشارے کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ اگر طالب کے لیے زمین پر اتر کر نماز پڑھنا لازم قرار دیا جائے تو دشمن کے نکل جانے یا کسی اور کے ساتھ پلٹ کر حملہ کرنے کا خطرہ ہے۔

3 بنو قریظہ میں جا کر نماز پڑھنے کی حدیث آگے آ رہی ہے، ولید نے اوزاعی کے قول پر اس حدیث سے دلیل لی ہے، کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم بنو قریظہ کے طالب تھے یعنی ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے لیے نماز قضا ہونے کی پروا نہیں کی۔ جب طالب کے لیے نماز قضا کر دینا درست ہوا اور وقت پر پڑھنے کی شرط ساقط ہو گئی تو زمین پر اتر کر پڑھنے کی شرط بالاولیٰ ساقط ہو گئی اور اشارے سے سواری پر پڑھ لینا بطریقِ اولیٰ ثابت ہو گیا۔ دوسری صورت دلیل کی یہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو راستے میں نماز پڑھی وہ سواریوں پر تھی، کیونکہ اگر وہ اتر کر پڑھتے تو نبی ﷺ کا جلدی پہنچنے کا مقصد فوت ہو جاتا، انھوں نے دیر بھی نہ کی اور وقت بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

٩٤٦ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَنَا لَمَّا رَجَعَ مِنَ الْأَحْزَابِ: « لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ » فَأَدْرَكَ بَعْضَهُمُ الْعَصْرُ فِي الطَّرِيقِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا نُصَلِّي حَتّٰى

946۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ احزاب سے واپس آئے تو ہمیں فرمایا: ”کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ کے سوا کہیں نہ پڑھے۔“ ان میں سے بعض کو راستے میں عصر کا وقت ہو گیا تو ان میں سے کچھ کہنے لگے: ہم وہاں جا کر ہی نماز پڑھیں گے اور کچھ نے کہا: بلکہ ہم

نَأْتِيَهَا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ نُصَلِّي، لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذٰلِكَ، فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ.
[انظر: ٤١١٩ـ أخرجه مسلم: ١٧٧٠ بلفظ]

نماز پڑھیں گے، ہم سے اس کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ پھر نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان میں سے کسی پر سختی نہیں کی۔

فوائد 1 "لَمْ يُعَنِّفْ" قاموس میں ہے: "اَلْعُنْفُ، مُثَلَّثَةَ الْعَيْنِ: ضِدُّ الرِّفْقِ، وَأَعْنَفَهُ أَنَا، وَعَنَّفَهُ تَعْنِيْفًا" سختی کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں فریقوں میں سے کسی پر سختی نہیں کی، کیونکہ دونوں کی نیت درست تھی۔ رہی یہ بات کہ دونوں میں فی الواقع صحیح کون تھا، تو حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے ''جوامع السیرۃ (ص: ۱۵۲)'' میں اس واقعہ پہ لکھا ہے کہ اگر ہم اس موقع پر ہوتے تو بنو قریظہ میں جا کر ہی نماز پڑھتے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

2 مسلم (۱۷۷۰) نے اسی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے، مگر عصر کی بجائے ظہر کا ذکر کیا ہے۔ ابن حبان اور مستخرج ابی نعیم میں بھی ظہر کا ذکر ہے، جب کہ بخاری نے واضح طور پر عصر کا لفظ روایت کیا ہے۔ اسماعیلی کی روایت میں بھی ایسے ہی ہے۔ بعض حضرات نے اسے بخاری کی خطا قرار دیا ہے کہ انھوں نے مؤرخین کی متابعت میں عصر کر دیا ہے، مگر حافظ ابن حجر نے کہا: بخاری کا متابع بھی موجود ہے، اس لیے اسے ان کی خطا نہیں کہا جا سکتا۔ بعض اہلِ علم نے تطبیق اختیار کی ہے کہ بعض لوگوں نے ظہر نہیں پڑھی تھی، بعض نے پڑھ لی تھی، پہلے گروہ کو ظہر بنو قریظہ میں جا کر اور دوسرے کو عصر بنو قریظہ میں جا کر پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔

3 ابوداؤد نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے خالد بن سفیان ہذلی کی طرف بھیجا، وہ عرنہ یا عرفات کی طرف تھا، آپ نے فرمایا: ''جاؤ، اسے قتل کر دو۔'' میں نے اسے دیکھ لیا، اُدھر عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، میں نے سوچا خطرہ ہے کہ میرے اور اس کے درمیان ایسی صورت بن جائے کہ نماز میں دیر ہو جائے تو میں اس کی طرف چلتے چلتے ہی اشارہ کرتے ہوئے نماز پڑھنے لگا۔ جب میں اس کے قریب ہوا تو اس نے کہا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: عرب سے ایک آدمی ہوں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اس آدمی کے لیے فوج جمع کر رہے ہو، میں اسی سلسلے میں تمھارے پاس آیا ہوں۔ اس نے کہا: میں اسی کام میں مصروف ہوں۔ میں کچھ دیر اس کے ساتھ چلتا رہا، جب مجھے موقع ملا میں تلوار لے کر اس پر چڑھ گیا، یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ [أبو داؤد، باب صلاة الطالب: ۱۲۴۹، صحيح] اس حدیث سے بھی طالب کے لیے اشارے کے ساتھ نماز پڑھنا ثابت ہوا۔

٦ - بَابُ التَّكْبِيرِ وَالْغَلَسِ بِالصُّبْحِ، وَالصَّلَاةِ عِنْدَ الْإِغَارَةِ وَالْحَرْبِ

6۔ باب: (جنگ کے موقع پر) تکبیر کہنا، صبح کی نماز اندھیرے میں ادا کرنا اور حملے اور جنگ کے وقت نماز ادا کرنا

٩٤٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ وَثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ

947۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھی، پھر سوار ہوئے اور فرمایا:

أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الصُّبْحَ بِغَلَسٍ، ثُمَّ رَكِبَ فَقَالَ : « اَللّٰهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ » فَخَرَجُوا يَسْعَوْنَ فِي السِّكَكِ وَيَقُولُونَ : مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ ـ قَالَ : وَالْخَمِيسُ الْجَيْشُ ـ فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَتَلَ الْمُقَاتِلَةَ وَسَبَى الذَّرَارِيَّ، فَصَارَتْ صَفِيَّةُ لِدِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ، وَصَارَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ تَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ صَدَاقَهَا عِتْقَهَا.

''اللہ اکبر! خیبر ویران ہو گیا! ہم جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے۔'' تو یہودی نکل کر گلیوں میں یہ کہتے ہوئے دوڑنے لگے کہ محمد (ﷺ) خمیس کے ساتھ آ گئے اور خمیس کا معنی لشکر ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان پر غالب آ گئے۔ آپ نے لڑنے والے مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ صفیہ، دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں اور پھر رسول اللہ ﷺ کی ملکیت بن گئیں، پھر آپ نے ان سے نکاح کر لیا اور انھیں آزاد کرنے ہی کو ان کا مہر بنا دیا۔

فَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ لِثَابِتٍ : يَا أَبَا مُحَمَّدٍ! أَنْتَ سَأَلْتَ أَنَسًا : مَا أَمْهَرَهَا ؟ قَالَ : أَمْهَرَهَا نَفْسَهَا، فَتَبَسَّمَ . [راجع : ٣٧١۔ أخرجه مسلم : ١٣٦٥، و في الجهاد (١٢٠) بدون ذكر صفية، و بطوله في النكاح (٨٤٠)]

عبدالعزیز نے ثابت سے کہا: اے ابو محمد! آپ نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے انھیں کیا مہر دیا؟ انھوں نے کہا: آپ نے انھیں خود ان کی ذات بطورِ آزادی عطا فرمائی، پھر وہ مسکرائے۔

فوائد تخریج 1 بخاری کے اکثر نسخوں میں اسی طرح لفظ "اَلتَّكْبِيْرُ" ہی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جنگ کے موقع پر ''تکبیر'' کہنا مسنون ہے، اسی طرح ہر خوشی کے موقع پر بھی یہی ذکر مسنون ہے، ہر بلندی پر چڑھتے ہوئے بھی ''اللہ اکبر'' کہا جاتا ہے۔ مقصد اللہ کے نام کو بلند کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا ہوتا ہے۔ حدیث کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ آپ جنگ کے موقع پر سوار ہوئے تو ''اللہ اکبر'' کہا۔ البتہ "اَلْكُشْمِيْهَنِيّ" کے نسخہ میں "اَلتَّكْبِيْرُ" کے بجائے "اَلتَّبْكِيْرُ" ہے، جس کا معنی ہے: صبح کی نماز جلدی اور اندھیرے میں ادا کرنا۔ حافظ ابن حجر نے کہا: یہاں یہ لفظ زیادہ مناسب ہے۔ لفظ "اَلتَّبْكِيْرُ" کی مناسبت واضح ہے۔

2 یہ باب "أَبْوَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ" میں لانے کی مناسبت یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ شدتِ خوف میں نماز کو آخر وقت تک مؤخر کیا جائے، جیسا کہ بعض لوگوں نے یہ شرط لگائی ہے، بلکہ ممکن ہو تو لڑائی شروع کرتے اور دشمن کے ساتھ مقابلے سے پہلے ہی اول وقت میں نماز پڑھ لینی چاہیے، تاکہ اطمینان کے ساتھ دشمن سے نمٹا جا سکے۔ ایسے ہی حج کے موقع پر بھی دس ذوالحجہ کو مزدلفہ میں آپ نے صبح کی نماز بہت جلدی اندھیرے میں پڑھ لی، تاکہ نماز سے فارغ ہو کر خوب روشنی ہونے تک دعا کے لیے فارغ ہو سکیں۔

[تَمَّ أَبْوَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

١٣۔ كِتَابُ الْعِيدَيْنِ

کتاب العیدین

١۔ بَابٌ : فِي الْعِيدَيْنِ وَالتَّجَمُّلِ فِيهِ

1۔ باب: دونوں عیدوں اور ان میں بننے سنورنے کا بیان

فائدہ: ''عید'' کا لفظ '' عَادَ يَعُوْدُ '' سے مشتق ہے، خوشی کا وہ دن جو بار بار لوٹ کر آئے۔ جمع اس کی '' أَعْيَادٌ '' ہے جو اصل میں '' أَعْوَادٌ '' ہی تھا، مگر اسے '' أَعْيَادٌ '' اس لیے کر لیا گیا کہ اسے وہ '' أَعْوَادٌ '' نہ سمجھ لیا جائے جو '' عُوْدٌ '' (لکڑی) کی جمع ہے۔ اسلام میں سالانہ عیدیں صرف دو ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ان لوگوں کے ہاں دو دن تھے جن میں وہ کھیلا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ دو دن کیا ہیں؟'' انھوں نے کہا: جاہلیت میں ہم ان دونوں میں کھیلا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا : يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ » [أبو داوٗد : ١١٣٤، صحيح] ''اللہ نے تمھیں ان دونوں کے بدلے میں ان سے بہتر دن عطا فرمائے ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔''

ان دو کے سوا کوئی سالانہ عید نہیں، نہ ہی اسلام میں کسی کا یوم پیدائش (برتھ ڈے) یا یوم وفات (برسی) منانے کی گنجائش ہے۔ یہ کفار کی رسمیں ہیں، فرمایا: « مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ » [أبو داوٗد : ٤٠٣١] ''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انھی میں سے ہے۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی کے یوم پیدائش کو بطور عید منانا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے ثابت ہے، بلکہ ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوموار کے دن کے روزے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: « فِيهِ وُلِدْتُ وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ » [مسلم : ١١٦٢/١٩٨] ''اسی دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔'' اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یوم پیدائش کو سالانہ یا ہفتہ وار عید قرار دینے کی بجائے اس میں اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے ہر ہفتے میں روزے کی تلقین فرماتے تھے اور جیسا کہ دوسری احادیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی روزہ رکھتے تھے اور سب جانتے ہیں کہ عید کے دن روزہ رکھنا منع ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ منانے کا پورا طریقہ

اس کا وقت، اس میں ادا کی جانے والی نماز کا طریقہ اور خطبہ وغیرہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ، خلفاء اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، مگر عید میلاد کا مسنون طریقہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ اگر آپ ﷺ نے یا صحابہ نے یہ عید منائی ہوتی تو اسے منانے کا طریقہ بھی ضرور معلوم ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شہر اور علاقے کا عید میلاد منانے کا اپنا اپنا انداز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سنت پوری دنیا میں ایک ہوتی ہے اور بدعت کسی جگہ کسی رنگ میں ہوتی ہے اور کسی جگہ دوسرے رنگ میں ہوتی ہے۔ ہر جگہ لوگ اپنی مرضی کے مطابق نئے سے نیا طریقہ نکالتے ہیں اور یہ اختلاف اس عمل کے بدعت ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ البتہ مسلمانوں کی ایک ہفتہ وار عید بھی ہے اور وہ جمعۃ المبارک ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اکیلے جمعہ کے دن کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

٩٤٨ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ : أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ : أَخَذَ عُمَرُ جُبَّةً مِنْ إِسْتَبْرَقٍ تُبَاعُ فِي السُّوقِ فَأَخَذَهَا فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! ابْتَعْ هَذِهِ تَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيدِ وَالْوُفُودِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « إِنَّمَا هَذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ » فَلَبِثَ عُمَرُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَلْبَثَ، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِجُبَّةِ دِيبَاجٍ، فَأَقْبَلَ بِهَا عُمَرُ، فَأَتَى بِهَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! إِنَّكَ قُلْتَ : « إِنَّمَا هَذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ » وَأَرْسَلْتَ إِلَيَّ بِهَذِهِ الْجُبَّةِ ! فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « تَبِيعُهَا أَوْ تُصِيبُ بِهَا حَاجَتَكَ »

[راجع : ٨٨٦۔ أخرجه مسلم : ٢٠٦٨]

948۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ نے موٹے ریشم کا ایک کوٹ لیا جو بازار میں بک رہا تھا اور اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ اسے خرید لیں، عید اور وفود کے آنے پر اس سے زینت حاصل کیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: ''یہ تو صرف ان لوگوں کا لباس ہے جن کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں۔'' پھر عمر رضی اللہ عنہ جب تک اللہ نے چاہا ٹھہرے رہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف باریک ریشم کا ایک کوٹ بھیجا تو عمر رضی اللہ عنہ اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ نے تو کہا تھا کہ ''یہ صرف ان لوگوں کا لباس ہے جن کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں'' اور آپ نے یہ کوٹ میری طرف بھیج دیا ہے! آپ نے فرمایا: ''تم اسے بیچ دو یا اس سے اپنی ضرورت پوری کرلو۔''

فوائد 1 اس حدیث کے اکثر فوائد حدیث (٨٨٦) میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں استدلال اس بات سے ہے کہ یہ بات عام معلوم تھی کہ نبی ﷺ عید کے موقع پر اور وفود کی آمد پر بن سنور کر جاتے ہیں، اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ نے ریشمی جبہ جب دیکھا تو آپ کو اسے خریدنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے ان کی اس بات کا انکار نہیں کیا کہ عید اور وفود کے لیے بن سنور کر جانا

چاہیے، صرف کوٹ کے ریشمی ہونے کی وجہ سے اسے خریدنے سے انکار فرمایا۔ حدیث (٨٨٦) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جمعہ اور وفود کے لیے بن سنور کر جانے کی بات کی ہے اور یہاں عید اور وفود کا ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ کبھی عید کا لفظ ذکر کرتے تھے اور کبھی جمعہ کا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ دونوں موقعوں پر بہترین لباس زیب تن فرماتے تھے اور جمعہ بھی مسلمانوں کی عید ہے۔

2 ابن ابی الدنیا اور بیہقی (٣٩٨/٣، ح: ٦١٤٣) نے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ (خود) ابن عمر رضی اللہ عنہ دونوں عیدوں میں اپنا بہترین لباس پہنتے تھے۔ (فتح الباری)

٢۔ بَابُ الْحِرَابِ وَالدَّرَقِ يَوْمَ الْعِيدِ

2۔ باب: عید کے دن برچھیوں اور ڈھالوں کے ساتھ کھیلنا

٩٤٩ ۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَمْرٌو، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَسَدِيَّ حَدَّثَهُ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثَ، فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهُ، وَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ، فَانْتَهَرَنِي وَقَالَ: مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ!؟ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: «دَعْهُمَا» فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا فَخَرَجَتَا. [راجع: ٤٥٤- أخرجه مسلم: ٨٩٢]

949۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور میرے پاس دو لڑکیاں تھیں جو جنگ بُعاث کے گیت گا رہی تھیں، آپ بستر پر لیٹ گئے اور اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے مجھے جھڑکا اور کہا: (یہ) شیطان کا باجا نبی ﷺ کے پاس (بج رہا ہے)۔ تو رسول اللہ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''انھیں رہنے دو۔'' پھر جب ان کی توجہ ہٹی تو میں نے انھیں اشارہ کیا تو وہ نکل گئیں۔

٩٥٠ ۔ وَكَانَ يَوْمَ عِيدٍ يَلْعَبُ السُّودَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ، فَإِمَّا سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ، وَإِمَّا قَالَ: «تَشْتَهِينَ تَنْظُرِينَ؟» فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَأَقَامَنِي وَرَاءَهُ، خَدِّي عَلَى خَدِّهِ وَهُوَ يَقُولُ: «دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ» حَتَّى إِذَا مَلِلْتُ قَالَ: «حَسْبُكِ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «فَاذْهَبِي» [راجع: ٤٥٤-

950۔ اور عید کے دن حبشی برچھیوں اور ڈھالوں کے ساتھ کھیلتے تھے تو یا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا یا آپ نے (خود) فرمایا: ''کیا تم دیکھنا چاہتی ہو؟'' میں نے کہا: ہاں! تو آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا، اس طرح کہ میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا اور آپ فرما رہے تھے: ''کھیلو کھیلو، اے بنی ارفدہ!'' یہاں تک کہ جب میں اکتا

أخرجه مسلم : ۸۹۲]

گئی تو آپ نے فرمایا: ”تمھیں کافی ہے؟“ میں نے کہا:
ہاں! فرمایا: ”پھر چلی جاؤ۔“

فوائد 1 ” حِرَابٌ “ ” حَرْبَةٌ “ کی جمع ہے: چھوٹا نیزہ اور ” دَرَقٌ “ ” دَرَقَةٌ “ کی جمع ہے: ڈھال جو چمڑے سے بنائی گئی ہو۔ ”غِنَاءٌ“ غین کے کسرہ کے ساتھ: گانا اور فتحہ کے ساتھ: نفع۔ ” بُعَاثَ “ جاہلیت میں اوس اور خزرج کے درمیان ایک سو بیس سال تک لڑائی جاری رہی جو اسلام کی آمد کے ساتھ ختم ہوئی، اس دوران کئی بڑے بڑے معرکے ہوئے جن میں سب سے آخر میں بُعاث کا معرکہ ہوا جو قابلِ اعتماد قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی مدینہ آمد سے تین سال پہلے ہوا، جس میں اوس کے سردار حضیر جو اُسید رضی اللہ عنہ کے والد تھے زخمی ہوئے اور کچھ مدت بعد فوت ہو گئے۔ اسی طرح خزرج کے سردار عمرو بن نعمان تھے جو ایک تیر لگنے سے ہلاک ہو گئے اور یہی بات خزرج کے غلبے کے بعد ان کی شکست کا باعث بنی۔ اس کے علاوہ بھی دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سردار اس معرکے میں مارے گئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے دونوں قبیلوں کے لیے نبی ﷺ پر ایمان لانے کا راستہ آسان کر دیا۔ اس لڑائی میں خزرج کی طرف سے حسان وغیرہ اور اوس کی طرف سے قیس بن حطیم وغیرہ شعراء نے بہت سے شعر کہے جو ان کے دیوانوں میں موجود ہیں۔ (خلاصہ فتح الباری)

2 ” جَارِيَةٌ “ لڑکی جو بلوغت کے قریب ہو، جیسے ” غُلَامٌ “ وہ لڑکا جو بلوغت کے قریب ہو۔ اس باب کے بعد والے باب میں ہے کہ وہ انصار کی لڑکیاں تھیں اور یہ عید کا دن تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان میں سے ایک کا نام حمامہ ذکر کیا ہے اور دوسری کے متعلق کہا ہے کہ احتمال ہے اس کا نام زینب ہو۔ اس حدیث میں ہے کہ وہ دونوں جنگ بُعاث میں کہے گئے گیت گا رہی تھیں۔ زہری کی روایت میں ” تُدَفِّفَانِ “ کا لفظ بھی ہے کہ وہ دَف بجا رہی تھیں۔ ”دف“ دال کے ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، اسے ” اَلْكِرْبَالُ “ بھی کہتے ہیں۔ اس کی ایک جانب چمڑا ہوتا ہے جسے ایک ہاتھ سے بجایا جاتا ہے۔ اس میں گھنگھرو نہ ہوں تو ”دف“ اور گھنگھرو ہوں تو اسے ”مِزْہَر“ کہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ منیٰ کے دنوں کا واقعہ ہے۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے موقع پر لڑکیاں گھر کے اندر ایسے گیت گا سکتی ہیں جن میں شجاعت وغیرہ کا ذکر ہو یا اچھی اور جائز باتیں ہوں، شہوت ابھارنے والے اور فاسقانہ اشعار تو ویسے ہی ممنوع ہیں۔ دین کی قید سے آزاد بعض لوگ اس سے باجے گاجے، موسیقی اور عورتوں کے ناچنے گانے کی دلیل لاتے ہیں، مگر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ انصار کی وہ لڑکیاں جنگِ بُعاث میں کہے گئے شعر گا رہی تھیں۔ اس سے بے حیائی، بدکاری اور عشق و ہوس پر ابھارنے والے گیتوں کا جواز ہرگز نہیں نکلتا، بلکہ قرآن مجید میں ان کی صاف ممانعت آئی ہے، جیسے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [النحل : ۹۰] ”بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت والے کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے، وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“ اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا

وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النور: ١٩] ”بے شک جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں بے حیائی پھیلے جو ایمان لائے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

رہی موسیقی اور باجے گاجے تو دف سے ان کا جواز بھی نہیں نکلتا۔ صرف عید اور نکاح وغیرہ کی خوشی کے وقت صرف دف کا جواز نکلتا ہے، وہ بھی کراہت کے ساتھ، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے منہ پھیر کے لیٹنے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جھڑکنے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے اشارے سے ان کے نکل جانے سے ظاہر ہے۔ پھر وہ کہیں کسی میدان یا ہال یا سٹیج پر اپنے نغمے اور رقص کی نمائش نہیں کر رہی تھیں، بلکہ گھر کی چار دیواری میں صرف اہلِ خانہ کے پاس اپنے اسلاف کی شجاعت کے گیت گا رہی تھیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث (۹۵۲) میں صراحت کی ہے: « وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ » یعنی وہ گانے والیاں نہیں تھیں، یعنی وہ کوئی تربیت یافتہ یا ماہر گلوکارائیں نہیں تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیشہ ور عورتوں سے گانا سننا جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عید اور خوشی کا موقع ہونے کی وجہ سے انھیں منع نہیں کیا، اگرچہ خود ناپسند کرنے کی وجہ سے منہ موڑ کر لیٹے رہے۔ آپ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو انھیں کچھ کہنے سے منع کر دیا، وہ بھی اس لیے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ڈانٹنے اور جھڑکنے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ انھیں پیٹنے لگ جائیں گے۔ اس روایت میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو جھڑکا، جبکہ دوسری میں ہے: ” فَانْتَهَرَهُمَا “ یعنی ان دونوں کو ڈانٹا۔ (فتح الباری) اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے ان دونوں لڑکیوں کو گانے کی وجہ سے ڈانٹا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس تماشے پر خاموش رہنے کی وجہ سے ڈانٹا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی کمال عقل دیکھیں! رسول اللہ ﷺ کی خاموشی کے پیشِ نظر ان لڑکیوں کو کچھ نہیں کہا اور والد ماجد کی رضا کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی توجہ دوسری طرف ہوتے ہی ان لڑکیوں کو نکل جانے کا اشارہ کر دیا۔ پھر یہ بھی ان کا حسنِ ادب ہے کہ بڑوں کی موجودگی میں بولنے کی بجائے اشارے پر اکتفا کیا ہے۔ بعض موقعوں پر دف کے جواز کے باوجود باجوں وغیرہ کی حرمت کا ذکر ”لہو الحدیث“ کی وعید کے ضمن میں سورۂ لقمان (۶) میں موجود ہے۔ اور کتب حدیث میں باجوں کے حرام ہونے کی واضح حدیث بھی آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَيَكُوْنَنَّ مِنْ أُمَّتِيْ أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ » [بخاري: ٥٥٩٠] ”میری امت میں ایسے لوگ ضرور ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال کر لیں گے۔“ یعنی ان حرام چیزوں کو حلال سمجھیں گے اور حلال قرار دے کر ان کا ارتکاب کریں گے، جیسا کہ آج کل مسلمانوں کے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور عام مجالس میں موسیقی اور باجے گاجے کا استعمال عام ہو گیا ہے۔

4 اسی حدیث سے بعض صوفیہ سماع و رقص کے لیے استدلال کرتے ہیں۔ ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے کہ اگر انھوں نے اس سے دلیل لینا ہی ہے تو سب شرائط کے ساتھ لیں، یعنی سماع سے اعراض کیا جائے، داخل ہونے والا انھیں ڈانٹے، پھر اسے مارنے سے روک دیا جائے، مگر گانے والوں کو بھی نکال باہر کیا جائے، ورنہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔

5 دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے موقع پر مسجد میں جنگی کھیل کی اجازت ہے، بلکہ وہ مسنون ہیں اور عورتیں بھی باپردہ رہتے ہوئے مردوں کی نگاہوں سے بچ کر اسے دیکھ سکتی ہیں، بشرطیکہ اصل مقصد ان کا کھیل دیکھنا یا خطاب وغیرہ سننا ہو، ہوس یا شہوت کے ساتھ نہ دیکھیں۔ مگر مردوں کے لیے جائز نہیں کہ اتفاقاً پہلی نظر پڑ جانے کے بعد عورتوں کو دیکھیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کو دیکھنے سے مردوں میں ہیجان پیدا ہوتا ہے، جب کہ عورتوں میں مردوں جیسی کیفیت نہیں ہوتی۔ بعض حضرات عورتوں کے دیکھنے کی حرمت پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھی اور آپ کے پاس میمونہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے اور یہ حجاب نازل ہونے کے بعد کی بات ہے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: « اِحْتَجِبَا مِنْهُ » ''اس سے حجاب میں ہو جاؤ۔'' میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں، وہ نہ ہمیں دیکھتا ہے نہ ہی ہمیں پہچانتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تو کیا تم دونوں اندھی ہو، کیا تم اسے نہیں دیکھتیں؟'' [أبو داود : ٤١١٢۔ ترمذي : ٢٧٧٨] مگر یہ روایت صحیح نہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری " بَابُ أَصْحَابِ الْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ (٤٥٤، ٤٥٥) " کی شرح میں لکھا ہے: " وَهُوَ حَدِيْثٌ مُخْتَلَفٌ فِيْ صِحَّتِهِ " ''اس حدیث کے صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔'' [فتح الباري : ٥٥٠/١] شعیب الارنؤوط نے ابوداؤد کی تعلیق میں اسے ضعیف کہا ہے اور ضعف کی وجہ بھی بیان کی ہے۔ اسی طرح شیخ ناصر الدین البانی نے " فقه السيرة للغزالي (ص : ٤٤) " کی تخریج میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کی شرح میں زیر شرح حدیث پر تعلیق میں لکھا ہے کہ ابن مفلح نے ''المبدع (٨٨/٦)'' میں امام احمد سے اس حدیث کو ضعیف قرار دینا نقل کیا اور کہا ہے: " قَالَ أَحْمَدُ : هُوَ ضَعِيْفٌ۔ " اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کی تیسری طلاق کی عدت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے پاس گزارنے کا حکم دیا، چنانچہ فرمایا: « اِعْتَدِّيْ عِنْدَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُوْمٍ، فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمَى تَضَعِيْنَ ثِيَابَكِ عِنْدَهُ » [مسلم، باب المطلقة ثلاثا ...... : ١٤٨٠] ''تم ابن ام مکتوم کے پاس عدت گزارو، کیونکہ وہ نابینا آدمی ہے، تم اس کے ہاں اپنے کپڑے اتار کر رکھ سکو گی۔'' اس حدیث پر کوئی کلام نہیں اور اس سے ظاہر ہے کہ عورتوں کے لیے نابینا آدمی سے پردہ نہیں ہے، البتہ اس سے عورت کو بلا ضرورت نابینا شخص کو دیکھتے رہنے کا جواز نہیں نکلتا۔

٣ ۔ بَابُ سُنَّةِ الْعِيدَيْنِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ

3۔ باب: اہلِ اسلام کے لیے دونوں عیدوں کا مسنون طریقہ

٩٥١ ۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ : أَخْبَرَنِي زُبَيْدٌ، قَالَ : سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ، فَقَالَ : « إِنَّ أَوَّلَ

951۔ براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: ''ہم اپنے اس دن میں سب سے پہلا جو کام کرتے ہیں یہ ہے کہ ہم نماز (عید)

مَا نَبْدَأُ مِنْ يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا» [انظر: ٩٥٥، ٩٦٥، ٩٦٨، ٩٧٦، ٩٨٣، ٥٥٤٥، ٥٥٥٦، ٥٥٥٧، ٥٥٦٠، ٥٥٦٣، ٦٦٧٣ـ أخرجه مسلم: ١٩٦١ مطولاً و بغير هذا اللفظ]

پڑھتے ہیں، پھر واپس آ کر قربانی کرتے ہیں، جس نے ایسا کیا اس نے ہمارا طریقہ پالیا۔"

٩٥٢ ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ، قَالَتْ: وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَمَزَامِيرُ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟ وَذٰلِكَ فِي يَوْمِ عِيدٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهٰذَا عِيدُنَا» [راجع: ٤٥٤ـ أخرجه مسلم: ٨٩٢]

952۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور میرے پاس انصار کی دو لڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے جنگِ بُعاث میں ایک دوسرے کے مقابلے میں کہے تھے، انھوں نے کہا: اور وہ دونوں گانے والیاں نہیں تھیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا شیطان کے باجے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں؟ اور یہ عید کے دن کی بات ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابو بکر! ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔“

فائدہ اس کے اکثر فوائد حدیث (۹۴۹) میں گزر چکے ہیں۔ " المحامليّات " میں حسن سند کے ساتھ جبیر بن نفیر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اصحاب رسول ﷺ عید کے دن جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو یوں کہتے: " تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنْكُمْ "۔ (فتح الباری)

٤ـ بَابُ الْأَكْلِ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوجِ

4۔ عید الفطر کے دن (عید کے لیے) نکلنے سے پہلے کچھ کھانا

٩٥٣ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ ابْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَغْدُو يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ.

953۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن جب تک چند کھجوریں نہیں کھاتے تھے (نماز عید کے لیے) نہیں نکلتے تھے۔

وَقَالَ مُرَجَّأُ بْنُ رَجَاءٍ : حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَنَسٌ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : وَيَأْكُلُهُنَّ وِتْرًا .

اور مُرجا بن رجا نے کہا: مجھے عبیداللہ نے بیان کیا کہ مجھے انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا: اور آپ ﷺ وہ کھجوریں طاق عدد میں کھاتے تھے۔

فائدہ عید الفطر کی نماز کے لیے جانے سے پہلے چند کھجوریں کھانے میں حکمت یہ ہے کہ ماہِ رمضان میں مسلسل روزے رکھنے کی وجہ سے جو ایک قسم کا ضعف پیدا ہو جاتا ہے صبح صبح کھجوریں کھا کر اس کا ازالہ ہو جائے اور آدمی قوی اور ہوشیار ہو کر نماز عید کے لیے نکلے۔ اور خصوصاً کھجوریں کھانے کی وجہ ایک تو ظاہر ہے کہ مدینہ میں سب سے زیادہ آسانی سے ملنے والی چیز یہی تھی اور ایک یہ کہ کھجور انسانی جسم کے لیے درکار تمام غذائی اجزا کا مجموعہ ہے اور اس کی مٹھاس فوری طور پر جسمانی قوت کی کمی کو دور کرتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کے لیے مسیح علیہ السلام کی ولادت کے موقع پر ان کے لیے کھجوروں کا اہتمام فرمایا اور رسول اللہ ﷺ تازہ یا پختہ کھجوروں کے ساتھ روزہ افطار فرمایا کرتے تھے۔ اگر کھجوریں نہ ہوتیں تو پانی کے ساتھ یا جو میسر ہوتے اس کے ساتھ افطار فرما لیتے، جیسا کہ آپ نے ایک سفر میں ستو کے ساتھ روزہ افطار فرمایا۔ (بخاری) شریعت کے بہت سے کاموں میں طاق عدد کی رعایت سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، کیونکہ صرف وہی ہے جو وتر ہے، باقی ہر چیز شفع (جوڑا) ہے۔ ابن عثیمین نے کہا: اس کا اہتمام صرف انھی کاموں میں کیا جائے گا جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں، اس کے علاوہ اس کا اہتمام درست نہیں، جیسا کہ بعض لوگ دو دفعہ کوئی چیز کھانے یا پینے پر کہتے ہیں: اب ایک دفعہ اور کھاؤ یا پیو، تاکہ وتر ہو جائے، تو یہ بات درست نہیں، کیونکہ یہ ہر کام میں مسنون نہیں۔ (شرح ابن عثیمین) رہی یہ بات کہ کتنی کھجوریں کھائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''تمرات'' کا لفظ کم از کم تین کھجوروں کے لیے آتا ہے، کیونکہ جمع کم از کم اتنی ہوتی ہے، ورنہ ایک کھجور بھی وتر ہے۔ زیادہ جتنی طبیعت چاہے طاق عدد میں کھا لے۔

٥ ۔ بَابُ الْأَكْلِ يَوْمَ النَّحْرِ

5۔ باب: قربانی کے دن کھانا

٩٥٤ ۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ » فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ : هَذَا يَوْمٌ يُشْتَهَى فِيهِ اللَّحْمُ، وَذَكَرَ مِنْ جِيرَانِهِ، فَكَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَدَّقَهُ قَالَ : وَعِنْدِي جَذَعَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ، فَرَخَّصَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَلَا

954۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے نماز سے پہلے جانور ذبح کر لیا ہو وہ دوبارہ ذبح کرے۔'' تو ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا: یہ وہ دن ہے کہ اس میں گوشت کی خواہش ہوتی ہے اور اس نے اپنے ہمسایوں (کے فقر اور حاجت) کا ذکر کیا تو نبی ﷺ نے جیسے اسے سچا سمجھا۔ اس نے کہا: میرے پاس ایک جذعہ ہے

أَدْرِي أَبَلَغَتِ الرُّخْصَةُ مَنْ سِوَاهُ أَمْ لَا. [انظر : ۹۸۴، ۵۵۴۶، ۵۵۴۹، ۵۵۶۱ ـ أخرجه مسلم : ۱۹۶۲ بزيادة]

جو مجھے گوشت کے دو بکروں سے زیادہ عزیز ہے۔ نبی ﷺ نے اسے (اسی کو ذبح کرنے کی) اجازت دے دی۔ اب میں نہیں جانتا کہ جذعہ قربانی کرنے کی رخصت اس آدمی کے سوا دوسروں کو بھی پہنچی یا نہیں۔

۹۵۵ ـ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ، قَالَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الْأَضْحَى بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَالَ : « مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا، وَنَسَكَ نُسُكَنَا فَقَدْ أَصَابَ النُّسُكَ، وَمَنْ نَسَكَ قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَإِنَّهُ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَلَا نُسُكَ لَهُ » فَقَالَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ خَالُ الْبَرَاءِ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! فَإِنِّي نَسَكْتُ شَاتِي قَبْلَ الصَّلَاةِ، وَعَرَفْتُ أَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ، وَأَحْبَبْتُ أَنْ تَكُونَ شَاتِي أَوَّلَ مَا يُذْبَحُ فِي بَيْتِي، فَذَبَحْتُ شَاتِي وَتَغَدَّيْتُ قَبْلَ أَنْ آتِيَ الصَّلَاةَ، قَالَ : « شَاتُكَ شَاةُ لَحْمٍ » قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! فَإِنَّ عِنْدَنَا عَنَاقًا لَنَا جَذَعَةً هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْنِ، أَفَتَجْزِي عَنِّي؟ قَالَ : « نَعَمْ، وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ » [راجع : ۹۵۱ـ أخرجه مسلم : ۱۹۶۱]

955۔ براء بن عازب ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد خطبہ دیا اور فرمایا: ”جس نے ہمارے جیسی نماز پڑھی اور ہماری قربانی کی طرح قربانی کی تو اس نے صحیح قربانی حاصل کر لی اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کی اس کی کوئی قربانی نہیں۔“ تو براء ؓ کے ماموں ابو بردہ بن نیار ؓ نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بکری نماز سے پہلے قربان کر دی اور میں نے جانا کہ آج کا دن کھانے پینے کا دن ہے اور میں نے چاہا کہ میری بکری پہلا جانور ہو جو میرے گھر میں ذبح کیا جائے، تو میں نے اپنی بکری ذبح کر دی اور صبح نماز کے لیے آنے سے پہلے ہی ناشتہ کر لیا۔ آپ نے فرمایا: ”تیری بکری گوشت کی بکری ہے۔“ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے پاس بکری کی ایک پٹھوری ہے جو جذعہ ہے، وہ مجھے دو بکریوں سے زیادہ پسند ہے، کیا وہ میری طرف سے کافی ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں! اور تیرے بعد کسی کی طرف سے کافی نہیں ہوگی۔“

فوائد: 1 بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے موقع پر کچھ کھانے سے پہلے عید کے لیے نہیں نکلتے تھے اور عید الاضحیٰ میں نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔ [دیکھیے ترمذي : ۵۴۲، والحاكم عن بريدة : ۱۰۸۸] اس کی ہم معنی احادیث جابر بن سمرہ اور ابن عباس ؓ سے بھی مروی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب یا تو اس لیے ذکر کیا

ہے کہ ان کے نزدیک وہ احادیث صحیح نہیں ہیں، یا صحیح تو ہیں مگر ان کی شرط پر نہیں ہیں۔ اگر صحیح بھی ہوں تو بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے کھانا پینا ممنوع نہیں، نہ ہی اس دن نماز ادا کرنے تک روزہ ہے، جیسا کہ بعض جاہل کہا کرتے ہیں، بلکہ صحابی نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی، خود بھی کھایا، ہمسایوں کو بھی کھلایا اور کہا: میں نے جانا کہ آج کا دن کھانے پینے کا دن ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات کا انکار نہیں فرمایا، صرف یہ کہا کہ تمھاری قربانی ادا نہیں ہوئی۔ معلوم ہوا یہ بات ٹھیک ہے کہ عید کا دن کھانے پینے کا دن ہے، خواہ نماز سے پہلے کھائے یا بعد اور صحابی کا نماز سے پہلے کھانا اور ہمسایوں کو کھلانا بھی ٹھیک تھا۔ اگر وہ احادیث صحیح ہوں جن میں نبی ﷺ کے عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے نہ کھانے کا ذکر ہے، جیسا کہ شیخ البانی اور بعض دوسرے محدثین نے کہا ہے تو ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نمازِ عید سے پہلے کھانا منع ہے، بلکہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کرنا سنت اور مستحب ہے، یعنی ثواب کا کام ہے۔ کیونکہ ان میں صرف نبی ﷺ کا عمل آیا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ صرف فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ خصوصاً یہاں رسول اللہ ﷺ کا عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے صحابہ کے کھانے پر اور اس بات پر خاموش رہنا کہ عید کا دن کھانے پینے کا دن ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عید سے پہلے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں۔

2 بکرا، بیل اور اونٹ جب تک مُسنہ (دوندا) نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں، البتہ مینڈھا (چھترا) اگر مُسنہ (دوندا) ملنے میں مشکل پیش آئے تو جذعہ بھی جائز ہے۔ [دیکھیے مسلم: ۱۹۶۳/۱۳] حدیث میں جذعہ کا معنی قوی اور جوان ہے جو ابھی تک دوندا نہ ہوا ہو۔ جذعہ بکرے کی قربانی جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے صرف ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت دی اور صراحت فرما دی کہ تمھارے بعد کسی کے لیے اس کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔ مزید تفصیل "كِتَابُ الْأَضَاحِيِّ" میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

3 جو عبادت اپنے مقررہ وقت سے پہلے ادا کی جائے وہ معتبر نہیں ہوگی، بلکہ اسے دوبارہ ادا کرنا پڑے گی، خواہ لاعلمی کی وجہ سے پہلے ادا کی گئی ہو، جیسا کہ آپ ﷺ نے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کی نماز سے پہلے قربانی کو محض گوشت قرار دیا۔ اسی طرح اگر کوئی وقت سے پہلے نماز پڑھ لے تو وہ نماز اسے دوبارہ ادا کرنا ہوگی۔

٦ - بَابُ الْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى بِغَيْرِ مِنْبَرٍ

6۔ باب: عید گاہ کی طرف منبر کے بغیر نکلنا

٩٥٦ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدٌ، عَنْ عِيَاضِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ

956۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ فطر اور قربانی کے دن عید گاہ کی طرف جاتے، سب سے پہلے جس چیز کے ساتھ ابتدا کرتے وہ نماز ہوتی، پھر اس سے فارغ ہو کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہو

وَالْأَضْحٰى إِلَى الْمُصَلّٰى، فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُومُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوسٌ عَلٰى صُفُوفِهِمْ، فَيَعِظُهُمْ وَيُوصِيهِمْ، وَيَأْمُرُهُمْ فَإِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ، أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ.

جاتے، لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے، آپ انھیں وعظ کرتے، نصیحت کرتے اور احکام دیتے۔ اگر کوئی لشکر الگ تیار کرنا چاہتے تو وہ تیار کرتے، یا کسی کام کا حکم دینا چاہتے تو وہ دیتے، پھر واپس آ جاتے۔

قَالَ أَبُو سَعِيدٍ : فَلَمْ يَزَلِ النَّاسُ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى خَرَجْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ فِي أَضْحًى أَوْ فِطْرٍ، فَلَمَّا أَتَيْنَا الْمُصَلّٰى إِذَا مِنْبَرٌ بَنَاهُ كَثِيرُ بْنُ الصَّلْتِ، فَإِذَا مَرْوَانُ يُرِيدُ أَنْ يَرْتَقِيَهُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ، فَجَبَذْتُ بِثَوْبِهِ، فَجَبَذَنِي، فَارْتَفَعَ فَخَطَبَ قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَقُلْتُ لَهُ : غَيَّرْتُمْ وَاللّٰهِ! فَقَالَ : أَبَا سَعِيدٍ! قَدْ ذَهَبَ مَا تَعْلَمُ، فَقُلْتُ : مَا أَعْلَمُ وَاللّٰهِ! خَيْرٌ مِمَّا لَا أَعْلَمُ، فَقَالَ : إِنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُونُوا يَجْلِسُونَ لَنَا بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَجَعَلْتُهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ. [أخرجه مسلم : ۸۸۹ ليس فيه قول مروان الأخير]

ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ ایسے ہی کرتے رہے یہاں تک کہ میں عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں مروان کے ساتھ نکلا، وہ اس وقت مدینہ کے امیر تھے۔ جب ہم عید گاہ میں آئے تو وہاں ایک منبر بنا ہوا تھا جسے کثیر بن صلت نے بنایا تھا۔ مروان نے نماز سے پہلے اس پر چڑھنا چاہا، میں نے ان کا کپڑا کھینچا تو انھوں نے مجھے کھینچا اور اس پر چڑھ گئے اور انھوں نے نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ میں نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے (ترتیب کو) بدل دیا۔ انھوں نے کہا: ابوسعید! وہ بات گئی جو تم جانتے ہو۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا۔ تو انھوں نے کہا: لوگ نماز کے بعد ہمارے لیے بیٹھنے والے نہیں تھے، اس لیے میں نے خطبے کو نماز سے پہلے کر دیا۔

فوائد: 1 "مُصَلّٰی" عمر بن شبہ نے "تاریخ المدینہ (۱۳۸/۱)" میں امام مالک کے شاگرد ابو غسان کنانی سے نقل کیا ہے کہ مصلی (عید گاہ) مدینہ میں معروف جگہ تھی جو مسجد کے دروازے سے ایک ہزار ہاتھ (پانچ سو گز) کے فاصلے پر تھی۔ (فتح الباری) اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ مسجد نبوی کی فضیلت کے باوجود دونوں عیدیں عید گاہ میں پڑھتے تھے۔ واضح رہے کہ یہ آپ کا دائمی عمل تھا، آپ نے کبھی مسجد میں عید کی نماز نہیں پڑھی۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے عید کی نماز مسجد سے باہر کسی میدان ہی میں پڑھنی چاہیے، تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی شان و شوکت کا اظہار ہو۔

2 کثیر بن صلت کا اصل نام قلیل بن صلت تھا، یہ کبار تابعین میں سے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا نام بدل کر کثیر رکھا۔ باشرف

اور معزز آدمی تھے۔ انھوں نے عید گاہ میں کچی اینٹوں کا منبر بنایا، انھوں نے یہ کام اس لیے سرانجام دیا کہ ان کا گھر عید گاہ کے ساتھ قبلہ کی طرف تھا۔ کثیر نے اپنا مکان وہاں نبی ﷺ کے ایک مدت بعد بنایا، مگر وہ جگہ ان کے نام سے ایسی مشہور ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی بعض احادیث میں بھی اس جگہ کی تعیین کثیر بن صلت کے گھر کے ساتھ آئی ہے اور آپ کی عید گاہ کی جگہ کی تعیین بھی یہ آئی ہے کہ وہ کثیر بن صلت کے گھر کے پاس تھی، حالانکہ عید گاہ تو بہت پہلے کی بنی ہوئی تھی۔ (فتح الباری)

3 مروان، معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کے امیر تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے معمول میں دو تبدیلیاں کیں، ایک یہ کہ انھوں نے عید گاہ میں منبر پر خطبہ دیا، جب کہ رسول اللہ ﷺ عیدین کا خطبہ زمین پر کھڑے ہو کر دیتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں ابوسعید رضی اللہ عنہ کی اس باب میں مذکور حدیث کے بعض طرق کی طرف اشارہ کیا ہے جو احمد (۱۱۰۷۳)، ابو داود (۱۱۴۰) اور ابن ماجہ (۴۰۱۳) نے ''اعمش عن اسماعیل بن رجاء عن ابیہ'' کے طریق سے روایت کی ہے۔ اس میں ہے کہ مروان نے عید کے دن منبر نکالا اور نماز سے پہلے خطبہ دیا تو ان کے سامنے ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا: مروان! آپ نے سنت کی مخالفت کی ہے۔ (فتح الباری) اس سے معلوم ہوا کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی ایک صاحب نے سب لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر مروان سے کہا کہ آپ نے سنت کی مخالفت کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مروان کے اپنے عمل پر اصرار کے باوجود اس زمانے میں حق کا اظہار کرنے والے لوگ موجود تھے، کیونکہ وہ زمانہ خیر القرون کا تھا جس میں صحابہ اور تابعین موجود تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شروع میں عید گاہ میں منبر لے جایا گیا، پھر وہیں پر مٹی کا مستقل منبر بنا دیا گیا اور یہ بھی کہ اس عمل پر مروان کو متعدد بار ٹوکا گیا۔ البتہ وہ حق کے اظہار کو بغاوت کا ذریعہ نہیں بناتے تھے، جیسا کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے نصیحت کے باوجود مروان کے ساتھ نماز پڑھی اور خطبہ بھی سنا۔

4 دوسری تبدیلی یہ تھی کہ مروان نے خطبہ نماز سے پہلے کر دیا اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کے کہنے کے باوجود اپنی بات پر ڈٹے رہے اور اپنا عذر یہ بیان کیا کہ لوگ نماز کے بعد ان کا خطبہ سننے کے لیے بیٹھنے والے نہیں تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنو امیہ کے اکثر امراء خطبہ میں اپنے مخالفین کے خلاف نامناسب الفاظ بولتے تھے جو عام لوگ پسند نہیں کرتے تھے۔ (فتح الباری)

٧- بَابُ الْمَشْيِ وَالرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدِ وَالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ

7۔ باب: عید کے لیے پیدل چل کر اور سوار ہو کر جانا اور اذان اور اقامت کے بغیر نماز کا خطبہ سے پہلے ہونا

٩٥٧ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي فِي الْأَضْحَى

957۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں نماز پڑھتے، پھر نماز کے بعد خطبہ دیتے تھے۔

وَالْفِطْرِ، ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلَاةِ. [انظر: ٩٦٣- أخرجه مسلم: ٨٨٨ بذكر أبي بكر: ٩٥٨]

٩٥٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ، فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ. [انظر: ٩٦١، ٩٧٨- أخرجه مسلم: ٨٨٥ مطولاً]

958- جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عید الفطر کے دن نکلے اور آپ نے خطبے سے پہلے نماز کے ساتھ ابتدا فرمائی۔

٩٥٩ - قَالَ: وَأَخْبَرَنِي عَطَاءٌ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَرْسَلَ إِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ فِي أَوَّلِ مَا بُويِعَ لَهُ: إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ بِالصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ، إِنَّمَا الْخُطْبَةُ بَعْدَ الصَّلَاةِ. [انظر: ٩٦٠- أخرجه مسلم: ٨٨٦ مطولاً]

959- ابن جریج نے کہا: اور مجھے عطا نے بتایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو ان کی بیعت کیے جانے کے شروع کے ایام میں پیغام بھیجا کہ عید الفطر کے دن نماز کے لیے اذان نہیں کہی جاتی تھی اور خطبہ نماز کے بعد ہی ہوتا تھا۔

٩٦٠- وَأَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَا: لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْأَضْحَى. [راجع: ٩٥٩- أخرجه مسلم: ٨٨٦ مطولاً]

960- اور مجھے عطا نے ابن عباس اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے بیان کیا کہ نہ عید الفطر کے دن اذان کہی جاتی تھی اور نہ عید الاضحیٰ کے دن۔

٩٦١ - وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ بَعْدُ، فَلَمَّا فَرَغَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ نَزَلَ فَأَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلَالٍ، وَبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ يُلْقِي فِيهِ النِّسَاءُ صَدَقَةً.

961- جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ نے نماز کے ساتھ ابتدا فرمائی، پھر بعد میں آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا۔ پھر جب اللہ کے نبی ﷺ فارغ ہوئے تو عورتوں کے پاس آئے اور انھیں نصیحت فرمائی۔ اس وقت آپ بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا سہارا لیے ہوئے تھے اور بلال رضی اللہ عنہ اپنا کپڑا پھیلائے ہوئے تھے،

جبکہ عورتیں اس میں صدقہ ڈال رہی تھیں۔

قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَتَرٰى حَقًّا عَلَى الْإِمَامِ الْآنَ أَنْ يَأْتِيَ النِّسَاءَ فَيُذَكِّرَهُنَّ حِينَ يَفْرُغُ؟ قَالَ: إِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ، وَمَا لَهُمْ أَنْ لَا يَفْعَلُوا! [راجع: ٩٥٨۔ أخرجه مسلم: ٨٨٥ بنقص في قول عطاء]

میں نے عطا سے کہا: کیا آپ اب بھی امام کے لیے حق سمجھتے ہیں کہ جب فارغ ہو تو عورتوں کے پاس آئے اور انھیں نصیحت کرے؟ تو انھوں نے کہا کہ یقیناً یہ ان پر حق ہے اور انھیں کیا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں!

فوائد: 1 ترجمۃ الباب میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں: ایک یہ کہ عید کے لیے پیدل چل کر یا سوار ہو کر جانا دونوں طرح جائز ہے، جب کہ باب میں مذکور کسی حدیث میں سوار ہو کر جانے کا ذکر نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان احادیث کی باب سے مناسبت کیسے ہوگی؟ جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے عید کے لیے نکلنے کا ذکر ہے، پیدل یا سوار ہو کر جانے کی صراحت نہیں، وہ دونوں طرح ہو سکتا ہے، اس لیے دونوں طرح جانا ہی درست ہے۔ شاید امام بخاری رحمہ اللہ اس باب سے ان احادیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جن میں پیدل جانے کو مستحب قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ترمذی (٥٣٠) میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: «مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا» ''عید کے لیے پیدل جانا سنت ہے۔'' اور ابن ماجہ (١٢٩٤) میں سعد القرظ سے روایت ہے: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا» ''نبی ﷺ عید کے لیے پیدل آتے تھے۔'' اور ابن ماجہ (١٢٩٧) ہی میں ابو رافع سے بھی اسی طرح مروی ہے، مگر ان تینوں کی سندیں ضعیف ہیں۔ ایک احتمال یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کے بلال رضی اللہ عنہ پر ٹیک لگانے سے استدلال کیا ہو کہ ضرورت ہو تو آدمی جب دوسرے پر بوجھ ڈال سکتا ہے تو سواری پر بالاولیٰ اپنا بوجھ ڈال سکتا ہے، اس کے مطابق افضل یہ ہوا کہ آدمی پیدل جائے، لیکن اگر کوئی عذر ہو تو سواری پر جا سکتا ہے۔ (خلاصہ فتح الباری) مگر پہلی توجیہ زیادہ واضح اور بہتر ہے۔ (واللہ اعلم)

2 باب میں مذکور دوسری بات یہ ہے کہ عید میں نماز خطبہ سے پہلے ہے۔ باب کی احادیث میں یہ بات بالکل ظاہر ہے اور اس کے بعد والے باب میں بھی یہ بات آ رہی ہے۔

3 تیسری بات یہ ہے کہ عید میں نہ اذان ہے نہ ہی اقامت۔ ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم دونوں کی احادیث میں یہ بات مذکور ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف یہ پیغام اسی لیے بھیجا تھا کہ انھوں نے خلافت کی بیعت لینے کے شروع میں عیدین میں اذان اور اقامت کہلوائی تھی، اس لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی طرف یہ پیغام بھیجا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی یہ بیعتِ خلافت یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد سنہ ٦٤ ہجری میں ہوئی تھی۔ (فتح الباری) اس سے معلوم ہوا کہ آج کل سپیکر میں بار بار جو اعلان کیا جاتا ہے کہ جلدی جلدی آؤ یہ سنت کے خلاف ہے۔ اسی طرح اکثر لوگوں کا نماز عید سے پہلے تقریر کا رواج بھی سنت کے خلاف ہے۔ صحیح مسلم (٨٨٦/٥) میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: «لَا أَذَانَ

لِلصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ ...... وَلَا إِقَامَةَ وَلَا نِدَاءَ وَلَا شَيْءَ » ''عید الفطر کے دن نماز کے لیے نہ اذان ہے نہ اقامت اور نہ ہی کوئی اور چیز۔'' اس سے معلوم ہوا کہ نماز عید سے پہلے لوگوں کو آوازیں دینا درست ہے نہ تلاوت نہ نظم نہ تقریر، غرض نماز سے پہلے تکبیرات کے سوا کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

4 رسول اللہ ﷺ سے مروی احادیث میں عید کے موقع پر ایک ہی خطبے کا ذکر ہے جب کہ جمعہ میں دو خطبے ہوتے ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں عید کے دو خطبوں اور ان کے درمیان کچھ بیٹھنے کا ذکر ہے، مگر وہ سند اور متن ہر دو لحاظ سے منکر ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ عیدین میں ایک ہی خطبہ مسنون ہے۔ ہاں اگر عورتوں تک آواز نہ پہنچ سکی ہو تو ان کے پاس جا کر ان سے الگ خطاب بھی ہوسکتا ہے۔ آج کل لاؤڈ سپیکر نے یہ مسئلہ حل کر دیا ہے، تاہم خطیب کو اپنے خطبے میں عورتوں کو خاص طور بھی نصیحت کرنی چاہیے۔

5 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز عید کے موقع پر حاضرین کو صدقہ کی ترغیب دینی چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت اپنے مال میں سے صدقہ کرنے کا اختیار رکھتی ہے، ضروری نہیں کہ وہ خاوند سے پوچھ کر ہی صدقہ کرے۔

٨ - بَابُ الْخُطْبَةِ بَعْدَ الْعِيدِ

8- باب: خطبہ نماز عید کے بعد ہے

٩٦٢ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، فَكُلُّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ. [راجع: ٩٨ - أخرجه مسلم: ٨٨٤ مطولاً، وهو في كتاب العيدين (١٣) بقطعة ليست في هذه الطريق]

962- ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ، ابوبکر اور عثمان ؓ کے ساتھ عید میں حاضر رہا، وہ سب خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔

فائدہ اس کی شرح کے لیے حدیث (٩٥٦) ملاحظہ فرمائیں۔

٩٦٣ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يُصَلُّونَ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ.

963- ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر اور عمر ؓ دونوں عیدیں خطبے سے پہلے پڑھتے تھے۔

[راجع : ۹۵۷۔ أخرجه مسلم : ۸۸۸]

فائدہ اس کی شرح کے لیے حدیث (۹۵۶) ملاحظہ فرمائیں۔

٩٦٤ ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا، ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ وَ مَعَهُ بِلَالٌ فَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، فَجَعَلْنَ يُلْقِينَ تُلْقِي الْمَرْأَةُ خُرْصَهَا وَ سِخَابَهَا . [راجع : ٩٨۔ أخرجه مسلم : ٨٨٤ بنقص، وهو في كتاب العيدين (١٣) كاملاً]

964۔ (عبداللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عید الفطر کے دن دو رکعتیں پڑھیں، نہ ان سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ ان کے بعد، پھر آپ عورتوں کے پاس آئے اور آپ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے انھیں صدقے کا حکم دیا تو وہ صدقہ ڈالنے لگیں، ہر عورت اپنی بالی اور اپنا ہار ڈالتی تھی۔

فائدہ اس کی شرح کے لیے حدیث (۹۶۱) ملاحظہ فرمائیں۔ نبی ﷺ نمازِ عید مسجد سے باہر عید گاہ میں ادا کرتے تھے۔ وہاں نماز سے پہلے تحیۃ المسجد کی ضرورت ہی نہیں تھی، اس لیے آپ نے نمازِ عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی نہ بعد میں، کیونکہ اگر کوئی شخص اشراق کی نماز پڑھنا چاہے تو عید کی نماز ہی اس کے لیے کافی ہے، اسے نمازِ عید سے پہلے یا بعد صلاۃِ اشراق کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے نمازِ عید مسجد میں پڑھی جائے تو نمازِ عید سے پہلے آنے کی صورت میں تحیۃ المسجد پڑھی جائے گی یا نہیں؟ بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے نہ نمازِ عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی ہے نہ بعد میں، اس لیے اسے تحیۃ المسجد نہیں پڑھنی چاہیے، مگر رسول اللہ ﷺ کا حکم عام ہے: « إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ » [بخاري : ١١٦٣] ''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو بیٹھے نہیں یہاں تک کہ دو رکعتیں پڑھ لے۔'' اس لیے اگر مسجد میں عید کی نماز پڑھنی ہو اور مسجد میں آنے پر ابھی جماعت میں کچھ وقت باقی ہو تو بیٹھنے سے پہلے مسجد کا حق دو رکعتیں ادا کرنا ضروری ہے۔

٩٦٥ ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ : حَدَّثَنَا زُبَيْدٌ، قَالَ : سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ فِي يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ نَحَرَ قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَإِنَّمَا

965۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلا کام جس کے ساتھ ہم اپنے اس دن میں ابتدا کرتے ہیں یہ ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، پھر ہم واپس جاتے ہیں اور قربانی کرتے ہیں، تو جس نے یہ کام کیا اس نے ہمارا طریقہ پا لیا اور جس نے نماز سے پہلے جانور

هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ » فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! ذَبَحْتُ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ، فَقَالَ : « اجْعَلْهُ مَكَانَهُ وَلَنْ تُوفِيَ أَوْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ » [راجع : ٩٥١۔ أخرجه مسلم : ١٩٦١]

ذبح کر دیا تو وہ صرف گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے پہلے کر لیا ہے، قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔" تو انصار کے ایک آدمی جسے ابو بردہ بن نیار کہا جاتا ہے، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے (نماز عید سے پہلے) جانور ذبح کر دیا اور (اب) میرے پاس ایک جذعہ (جوان بچھوری) ہے جو مُسنہ سے بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا: "اس کی جگہ اسے کر لو اور تمھارے بعد وہ (بچھوری) کسی کے لیے کافی نہیں ہوگی۔"

فائدہ : اس کی شرح کے لیے حدیث (۹۵۱) ملاحظہ فرمائیں۔

٩۔ بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ حَمْلِ السِّلَاحِ فِي الْعِيدِ وَالْحَرَمِ

9۔ باب: عید اور حرم میں اسلحہ اٹھانا ناپسندیدہ ہے

وَقَالَ الْحَسَنُ : نُهُوا أَنْ يَحْمِلُوا السِّلَاحَ يَوْمَ عِيدٍ إِلَّا أَنْ يَخَافُوا عَدُوًّا .

اور حسن (بصری) نے کہا کہ لوگوں کو عید کے دن اسلحہ اٹھا کر لانے سے منع کیا گیا ہے، الا یہ کہ وہ دشمنوں سے ڈرتے ہوں۔

فائدہ : محدثین کی اصطلاح میں مکروہ کا لفظ فقہاء کے مکروہ سے مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک مکروہ وہ ہے جسے نہ کرنا افضل ہو اور کرنے پر مؤاخذہ نہ ہو، جب کہ قرآن و حدیث میں اس لفظ کا استعمال اس معنی میں بھی آتا ہے اور حرام کے معنی میں بھی۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل (۲۳) میں "وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا" سے لے کر آیت (۳۸) تک اللہ تعالیٰ نے کئی احکام دیے ہیں، جن میں بہت سی چیزوں کا حکم اور بہت سی باتوں سے منع فرمایا ہے، جن میں شرک، زنا، قتل اور تکبر وغیرہ شامل ہیں اور اس سلسلۂ آیات کے آخر میں فرمایا: ﴿ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴾ [بني إسرائيل : ٣٨] "یہ سب کام، ان کا برا تیرے رب کے ہاں ہمیشہ سے ناپسندیدہ ہے۔" ظاہر ہے شرک، زنا اور قتل وغیرہ صرف مکروہ نہیں بلکہ حرام ہیں۔ اس لیے باب میں مذکور مکروہ کا لفظ فقہاء کے مکروہ سے شدید سمجھا جائے گا۔ عید کے موقع پر اور حرم میں اسلحہ لے جانے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ ان جانے میں بھیڑ کی وجہ سے کسی کو نقصان نہ پہنچ جائے اور عید ہی کے موقع پر مسجد میں حبشیوں کو نیزوں کے ساتھ کھیل کی اجازت دی، جیسا کہ پچھلے ابواب میں گزرا ہے، کیونکہ وہ

جہاد کی مشق تھی اور اُن میں سے ہر شخص اپنی حفاظت کے لیے مستعد تھا، عوام میں سے کسی کے زخمی ہونے کا خطرہ نہ تھا۔

٩٦٦ - حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى أَبُو السُّكَيْنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُوقَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ حِينَ أَصَابَهُ سِنَانُ الرُّمْحِ فِي أَخْمَصِ قَدَمِهِ، فَلَزِقَتْ قَدَمُهُ بِالرِّكَابِ فَنَزَلْتُ فَنَزَعْتُهَا وَذَلِكَ بِمِنًى، فَبَلَغَ الْحَجَّاجَ فَجَعَلَ يَعُودُهُ، فَقَالَ الْحَجَّاجُ: لَوْ نَعْلَمُ مَنْ أَصَابَكَ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَنْتَ أَصَبْتَنِي، قَالَ: وَكَيْفَ؟ قَالَ: حَمَلْتَ السِّلَاحَ فِي يَوْمٍ لَمْ يَكُنْ يُحْمَلُ فِيهِ، وَأَدْخَلْتَ السِّلَاحَ الْحَرَمَ وَلَمْ يَكُنِ السِّلَاحُ يُدْخَلُ الْحَرَمَ. [انظر: ٩٦٧]

966۔ سعید بن جبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا جب نیزے کی نوک ان کے قدم کے تلوے میں لگی اور ان کا قدم رکاب کے ساتھ چپک گیا تو میں اترا اور میں نے اسے کھینچ کر نکالا اور یہ منیٰ کی بات ہے۔ حجاج (بن یوسف) کو خبر ملی تو وہ ان کی بیمار پُرسی کرنے لگا۔ حجاج نے کہا: کاش، ہمیں معلوم ہو کہ آپ کو کس نے زخم لگایا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: تمھی نے مجھے زخم لگایا ہے۔ اس نے کہا: وہ کیسے؟ کہا: تم اس دن اسلحہ لائے جس میں وہ نہیں لایا جاتا تھا اور تم نے حرم میں اسلحہ داخل کیا، حالانکہ اسلحہ حرم میں داخل نہیں کیا جاتا تھا۔

٩٦٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ، قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: دَخَلَ الْحَجَّاجُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ وَأَنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: كَيْفَ هُوَ؟ فَقَالَ: صَالِحٌ، فَقَالَ: مَنْ أَصَابَكَ؟ قَالَ: أَصَابَنِي مَنْ أَمَرَ بِحَمْلِ السِّلَاحِ فِي يَوْمٍ لَا يَحِلُّ فِيهِ حَمْلُهُ، يَعْنِي: الْحَجَّاجَ. [راجع: ٩٦٦]

967۔ سعید بن عمرو سے روایت ہے کہ حجاج (بن یوسف) ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، اس وقت میں ان کے پاس تھا، وہ کہنے لگا: آپ کیسے ہیں؟ کہا: اچھا ہوں۔ کہا: آپ کو یہ زخم کس نے لگایا ہے؟ کہا: مجھے یہ زخم اس نے لگایا ہے جس نے اس دن اسلحہ لانے کا حکم دیا ہے جس میں وہ لانا حلال نہیں ہے۔ ان کی مراد خود حجاج تھا۔

فوائد ومسائل: 1 ان احادیث کی باب سے مناسبت ظاہر ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ زخم ایام منیٰ میں لگا جو عید کے ایام ہیں اور منیٰ حرم کا حصہ ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی پہلی حدیث میں ہے کہ ایام عید میں اسلحہ اُٹھانا اور حرم میں اسلحہ لانا رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے عمل کے خلاف ہے اور دوسری حدیث میں انھوں نے ایام عیدین میں اسلحہ لانے کے متعلق کہا کہ یہ حلال نہیں۔ ظاہر ہے کہ صحابی ایسی بات قیاس سے نہیں کہہ سکتا، اس لیے یہ حدیثیں باب میں مذکور دونوں باتوں کی دلیل ہیں۔ ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عید اور عام اجتماعات میں اسلحہ نہیں لے جانا چاہیے، کیونکہ اس سے لوگوں میں خوف اور دہشت پیدا

ہوتی ہے، حالانکہ یہ خوشی کے مواقع ہوتے ہیں۔ ہاں دشمن کا خوف ہو یا کسی کارروائی وغیرہ کا خطرہ ہو تو اسلحہ لے جانے میں کوئی حرج نہیں۔

2 ان دونوں حدیثوں میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے صاف کہہ دیا کہ انھیں یہ زخم لگانے کا ذمہ دار خود حجاج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایسے کام کا حکم دینے والا جس کے نتیجے میں کوئی نقصان ہو وہ خود اس نقصان کا ذمہ دار ہے، خواہ اس نے اس نقصان کا حکم نہ دیا ہو۔ مگر حجاج بن یوسف کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے اشارے پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کو وہ زخم لگایا گیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ زبیر نے اپنی کتاب ''الانساب'' میں بیان کیا ہے کہ خلیفہ عبدالملک نے حجاج کو لکھا جب وہ مکہ و مدینہ کا والی تھا کہ (حج کے احکام و مسائل میں) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت نہ کرے۔ حجاج کو یہ بات شاق گزری، اس نے ایک آدمی کو حکم دیا جس کے پاس ایک چھوٹا نیزہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ زہر آلود تھا، تو وہ آدمی ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ساتھ رہا اور اس نے موقع پا کر وہ نیزہ ان کے قدم میں چبھو دیا، وہ اس کی وجہ سے چند دن بیمار رہے، پھر فوت ہو گئے۔ (فتح الباری) [وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ]

١٠ - بَابُ التَّبْكِيرِ إِلَى الْعِيدِ

10۔ باب: عید کے لیے صبح جلدی جانا

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُسْرٍ : إِنْ كُنَّا فَرَغْنَا فِي هٰذِهِ السَّاعَةِ وَذٰلِكَ حِينَ التَّسْبِيحِ .

اور عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم تو اس وقت فارغ ہو جایا کرتے تھے اور یہ نفل نماز کے وقت کی بات ہے۔

فائدہ عبداللہ بن بُسر مازنی رضی اللہ عنہ صحابی بن صحابی ہیں۔ یہ معلق روایت صحیح و متصل سند کے ساتھ ابو داود (۱۱۳۵) میں موجود ہے۔ یزید بن خُمیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں لوگوں کے ساتھ نکلے تو انھوں نے امام کے دیر کرنے پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم تو اپنے اس وقت میں فارغ ہو چکے ہوتے تھے اور یہ نفل نماز (جائز ہونے) کا وقت تھا۔ یاد رہے ''حِينَ التَّسْبِيحِ'' سے مراد نفل نماز کا وقت ہے، مشہور نمازِ تسبیح سے اس کا کوئی تعلق نہیں، کیونکہ اس کا کوئی خاص وقت نہیں، کسی وقت بھی ادا کی جا سکتی ہے اور اس کی صحت میں بھی اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ سورج نکلنے کے وقت نماز جائز نہیں، سورج نکلنے کے پندرہ منٹ بعد نمازِ اشراق کا وقت ہو جاتا ہے۔ ایک سال میں نے عید الفطر کی نماز حرمِ مکہ میں پڑھی، وہاں سب لوگ عید الفطر کے موقع پر غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر نمازِ عید کی تیاری کر کے فجر کے وقت ہی حرم میں آ جاتے ہیں، اپنے ساتھ کچھ کھجوریں لے آتے ہیں، جو خود بھی کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی پیش کرتے ہیں، پھر اپنی جگہ پر اذکار کرتے اور تکبیر وغیرہ کہتے رہتے ہیں۔ سورج نکلنے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد عید کی نماز کھڑی ہو جاتی ہے، کیونکہ اس وقت سورج تقریباً ایک نیزے کے برابر بلند ہو جاتا ہے اور نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے۔ عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہما نے اسی لیے امام کے دیر کرنے پر اعتراض کیا۔

٩٦٨ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ : خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَ : « إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ، فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ، لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ » فَقَامَ خَالِي أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَنَا ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أُصَلِّيَ، وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ، قَالَ : « اجْعَلْهَا مَكَانَهَا » أَوْ قَالَ : « اذْبَحْهَا وَلَنْ تَجْزِيَ جَذَعَةٌ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ » [راجع : ٩٥١- أخرجه مسلم : ١٩٦١]

968- براء ڈٹاٹھ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قربانی کے دن خطبہ دیا، آپ نے فرمایا: ''اپنے اس دن میں سب سے پہلا کام جو ہم کرتے ہیں یہ ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، پھر ہم واپس جاتے اور قربانی کرتے ہیں، تو جس نے یہ کام کیا اس نے ہمارا طریقہ پالیا اور جس نے نماز پڑھنے سے پہلے جانور ذبح کر دیا تو وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے جلدی کر لیا ہے، قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔'' تو میرے ماموں ابو بردہ بن نیار (ڈٹاٹھ) کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! میں نے نماز (عید) پڑھنے سے پہلے جانور ذبح کر لیا اور میرے پاس ایک جذعہ ہے جو مسنہ سے بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اس کی جگہ اسے ذبح کر دو اور کوئی جذعہ تمھارے بعد کسی کے لیے کافی نہیں ہوگا۔''

فائدہ اس کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۹۵۱)۔ یہاں استدلال رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ سے ہے کہ ''اپنے اس دن میں سب سے پہلا کام جو ہم کرتے ہیں یہ ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں'' اس سے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کا عید کے دن نماز جائز ہونے کے وقت کے بعد سب سے پہلا کام عید کی نماز ہوتا تھا۔ معلوم ہوا کہ عید کی تیاری اس سے پہلے کر لی جاتی تھی، ورنہ اگر سورج نکلنے کے بعد تیاری شروع کی جائے یا آدمی کسی اور کام یا کسی دوسری عبادت میں مصروف ہو جائے تو پہلا کام نماز ہو نہیں سکتا۔

١١ - بَابُ فَضْلِ الْعَمَلِ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : ﴿ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيٓ أَيَّامٍ مَّعْلُومٰتٍ ﴾ [الحج : ٢٨] أَيَّامُ الْعَشْرِ، وَالْأَيَّامُ الْمَعْدُودَاتُ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ.

11- باب: ایامِ تشریق میں عمل کی فضیلت

اور ابن عباس ڈٹاٹھا نے کہا: ﴿ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيٓ أَيَّامٍ مَّعْلُومٰتٍ ﴾ [الحج : ٢٨] (اور تاکہ وہ معلوم دنوں میں اللہ کے نام کا ذکر کریں) میں ''ایامِ معلومات''

سے مراد (ذوالحجہ کے پہلے) دس دن ہیں اور (دوسری آیت: ﴿وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ﴾ میں) "الْأَيَّامُ الْمَعْدُودَاتُ" سے مراد "ایامِ تشریق" ہیں۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُو هُرَيْرَةَ يَخْرُجَانِ إِلَى السُّوقِ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ يُكَبِّرَانِ، وَ يُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيرِهِمَا . وَكَبَّرَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ خَلْفَ النَّافِلَةِ .

اور ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم (ذوالحجہ کے پہلے) دس دنوں میں تکبیر کہتے ہوئے بازار کی طرف نکلتے تھے اور لوگ ان کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔ اور محمد بن علی نے نفل نماز کے بعد تکبیر کہی۔

فوائد ومسائل: 1 امام بخاری رحمہ اللہ کے اس باب اور اس میں مذکور آثار اور حدیث پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ باب تو ایامِ تشریق میں عمل کی فضیلت کا ہے، جبکہ آثار میں ذوالحجہ کے دس دنوں میں تکبیر کا اور حدیث میں انھی دس دنوں میں عمل کی فضیلت کا ذکر ہے، ان دونوں باتوں میں مناسبت کیا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ تشریق کا لفظ قربانی کرنے پر بولا جاتا ہے، کیونکہ دس ذوالحجہ کو سورج طلوع ہونے کے بعد جانور ذبح کیے جاتے تھے، اس لیے دس ذوالحجہ ایامِ تشریق کا اصل ہے، اس کا نام یوم عید یا یوم نحر ہونے کی وجہ سے اس کے بعد والے دنوں پر ایامِ تشریق بولا جانے لگا اور چونکہ ایامِ عشرہ اور ایامِ تشریق دونوں میں حج کے اعمال ادا ہوتے ہیں، اس لیے امام صاحب نے اس مناسبت سے اس باب میں دونوں کا ذکر کر دیا ہے۔

2 ان آثار سے معلوم ہوا کہ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے کے ساتھ ہی تکبیرات کہنا شروع کر دینا چاہیے اور ایامِ تشریق کے آخری دن تیرہ ذوالحجہ تک نمازوں کے بعد اور چلتے پھرتے بلند آواز سے تکبیرات کہنی چاہییں۔ بعض حضرات نو ذوالحجہ کی صبح سے تکبیرات شروع کرتے ہیں، مگر راجح یہی ہے کہ ایامِ معلومات (عشرۂ ذوالحجہ) اور ایامِ معدودات (ایامِ تشریق) سب میں تکبیرات بلند آواز سے کہنی چاہییں۔ محمد بن علی سے مراد محمد باقر ہیں، وہ نوافل کے بعد تکبیرات کہتے تھے تو فرائض کے بعد تو بالاولیٰ کہتے ہوں گے۔

٩٦٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «مَا الْعَمَلُ فِي أَيَّامٍ أَفْضَلَ مِنَ الْعَمَلِ

969۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: "کوئی دن ایسے نہیں جن میں عمل ان (دس) دنوں میں عمل سے افضل ہو۔" لوگوں نے کہا: جہاد بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: "جہاد بھی نہیں، مگر وہ آدمی جو اس طرح نکلا کہ

فِي هَذِهِ » قَالُوا : وَلَا الْجِهَادُ ؟ قَالَ : « وَلَا الْجِهَادُ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ »

اپنی جان اور اپنے مال کو خطرے میں ڈال رہا ہے، پھر وہ کوئی چیز لے کر واپس نہیں آیا۔"

فوائد ومسائل: 1 صحیح بخاری کے عام نسخوں میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: « مَا الْعَمَلُ فِيْ أَيَّامِ الْعَشْرِ أَفْضَلَ مِنْهَا فِيْ هَذِهِ » اس میں " الْعَشْرِ " کا لفظ خطا ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے بخاری کے متعدد نسخوں سے اس کا غلط ہونا ثابت کیا ہے، اس لیے اسے چھوڑ کر ترجمہ کیا گیا ہے اور کرنا چاہیے۔

2 یہ حدیث عام ہے کہ تمام اعمالِ صالحہ جو ان دنوں میں کیے جائیں اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں، یعنی وہی عمل اگر دوسرے دنوں میں کیے جائیں تو ان دنوں میں کیے عمل سے افضل نہیں ہو سکتے، خواہ نماز ہو یا صدقہ یا تلاوت یا ذکر یا روزہ یا جہاد وغیرہ۔ دوسرے دنوں کی نماز ان دنوں میں ادا کردہ نماز سے افضل نہیں، اسی طرح دوسرے اعمال کا حال ہے، حتیٰ کہ دوسرے ایام میں کیا گیا جہاد ان دنوں میں کیے گئے جہاد سے افضل نہیں، البتہ شہید کا معاملہ مختلف ہے، وہ سال کے کسی بھی دن میں شہادت پائے وہ افضل ہی افضل ہے۔ (ابن عثیمین)

3 اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے ایام میں کیا گیا افضل سے افضل عمل ان دنوں میں کیے گئے معمولی عمل سے افضل نہیں، حتیٰ کہ دوسرے دنوں کا جہاد ان دنوں میں راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے سے افضل نہیں، بلکہ مطلب وہ ہے جو اوپر بیان ہوا کہ مراد ہر عمل کا خود اس عمل سے مقابلہ ہے۔

4 ظاہر ہے اس میں فرض روزے داخل نہیں بلکہ نوافل مراد ہیں، کیونکہ نوافل فرائض سے افضل نہیں ہو سکتے۔

١٢ - بَابُ التَّكْبِيرِ أَيَّامَ مِنًى وَإِذَا غَدَا إِلَى عَرَفَةَ

12- باب: منیٰ کے دنوں میں تکبیر کہنا اور جب صبح عرفات کی طرف جائے

وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُكَبِّرُ فِي قُبَّتِهِ بِمِنًى فَيَسْمَعُهُ أَهْلُ الْمَسْجِدِ فَيُكَبِّرُونَ ، وَ يُكَبِّرُ أَهْلُ الْأَسْوَاقِ حَتَّى تَرْتَجَّ مِنًى تَكْبِيرًا . وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُكَبِّرُ بِمِنًى تِلْكَ الْأَيَّامَ، وَخَلْفَ الصَّلَوَاتِ ، وَعَلَى فِرَاشِهِ ، وَفِي فُسْطَاطِهِ وَمَجْلِسِهِ وَمَمْشَاهُ تِلْكَ الْأَيَّامَ جَمِيعًا . وَكَانَتْ مَيْمُونَةُ تُكَبِّرُ يَوْمَ النَّحْرِ .

اور عمر ؓ منیٰ کے اندر اپنے خیمے میں تکبیر کہتے تھے، مسجد کے لوگ اسے سنتے تو وہ بھی تکبیر کہتے اور بازاروں والے تکبیر کہتے، یہاں تک کہ منیٰ تکبیر سے گونج اٹھتا۔ اور ابن عمر ؓ ان دنوں منیٰ میں تکبیر کہتے اور نمازوں کے بعد اور اپنے بستر پر اور اپنے خیمے میں اور اپنے بیٹھنے اور چلنے کے دوران ان تمام دنوں میں تکبیر کہتے۔ اور میمونہ ؓ نحر کے

وَكُنَّ النِّسَاءُ يُكَبِّرْنَ خَلْفَ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعُمَرَ ابْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ لَيَالِيَ التَّشْرِيقِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ.

دن تکبیر کہتی تھیں۔ اور عورتیں تشریق کی راتوں میں ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ مردوں کے ہمراہ مسجد میں تکبیر کہتی تھیں۔

فوائد ومسائل: 1 ان تمام آثار سے صحابہ کرام کے اس شوق کا اظہار ہو رہا ہے جو سنت پر عمل کے لیے ان کے دلوں میں موجود تھا، عمر رضی اللہ عنہ خیمے میں تکبیر کہتے ہیں، مسجد یعنی مسجد خیف والے سنتے ہیں تو وہ بھی تکبیر کہنے لگتے ہیں، پھر سب دکانوں اور بازاروں والے تکبیر کہنا شروع کر دیتے ہیں، حتیٰ کہ منیٰ کے پہاڑ تکبیر سے گونج اٹھتے ہیں۔ وہ کیسا خوبصورت منظر ہوگا، نہ کسی بس نہ کار نہ ٹرالے، جنریٹر یا کسی دوسرے انجن کا شور، ہر طرف ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' کی گونج، ہر شخص دوسرے کو یاد دلا رہا ہے اور ہر ایک دوسرے کو دیکھ کر پڑھنا شروع کر رہا ہے۔

2 ابن عمر رضی اللہ عنہما منیٰ کے ان دنوں میں نمازوں کے بعد، بستر پر، خیمے میں اور چلتے پھرتے ہوئے تکبیر کہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلف صالح اپنے اوقات میں سے کوئی وقت ضائع نہیں کرتے تھے، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آباد رکھتے تھے۔ وہ اللہ کے اس فرمان کی تصویر تھے: ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾ [آل عمران: ۱۹۱] ''وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں۔''

3 میمونہ رضی اللہ عنہا یوم نحر میں تکبیر کہتی تھیں اور عورتیں ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے ہمراہ مردوں کے ساتھ مسجد میں تکبیر کہتی تھیں۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت کی آواز تو عورت (چھپانے کی چیز) ہے، حتیٰ کہ نماز میں امام کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے بھی انھیں ''سبحان اللہ'' کہنے کی بجائے تالی بجانے کا حکم ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ قرآن مجید کے مطابق عورت کی آواز عورت نہیں، بلکہ مرد اسے سن سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ [الأحزاب: ۳۲] ''تو بات کرنے میں نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے طمع کر بیٹھے۔'' یہاں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو بات کرنے سے منع نہیں فرمایا، بلکہ بات میں نرمی سے منع کیا ہے جو مرد کے لیے فتنے کا باعث ہو۔ اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو عورتیں بھی مل کر تکبیرات اور تلبیہ کہہ سکتی ہیں اور کہنا چاہیے۔

۹۷۰ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الثَّقَفِيُّ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسًا وَنَحْنُ غَادِيَانِ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَاتٍ عَنِ التَّلْبِيَةِ: كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَ: كَانَ يُلَبِّي الْمُلَبِّي لَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ، وَيُكَبِّرُ

970۔ محمد بن ابی بکر ثقفی نے کہا: میں نے انس رضی اللہ عنہ سے لبیک کہنے کے متعلق پوچھا جب کہ ہم دونوں صبح منیٰ سے عرفات کی طرف جا رہے تھے کہ آپ لوگ نبی ﷺ کے ساتھ کس طرح کیا کرتے تھے؟ انھوں نے کہا: لبیک کہنے والا لبیک کہتا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا اور تکبیر کہنے

الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ . [انظر : ١٦٥٩- أخرجه مسلم : ١٢٨٥ بلفظ المهل]

والا تکبیر کہتا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا۔

فوائد ومسائل: 1 یوم عرفہ (۹ ذوالحجہ) کو تمام حاجی صبح منیٰ سے روانہ ہو کر ظہر سے پہلے عرفات پہنچتے ہیں، اس وقت وہ احرام کی حالت میں ہوتے ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اس دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی لبیک کہتا اور کوئی تکبیر کہتا اور کسی پر اعتراض نہیں کیا جاتا تھا۔ معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں صحابہ تلبیہ کے علاوہ تکبیر بھی کہتے تھے۔ کبھی نہ تلبیہ کہہ رہے ہوتے تھے نہ تکبیر، کیونکہ یہ سب ایام ذکر کے ایام ہیں۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا وہ عمل حجت ہے جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کیا ہو یا آپ کے زمانے میں کیا ہو، خواہ وہ آپ کے ہمراہ نہ ہوں۔

2 احرام کھولنے کے بعد منیٰ کے دنوں میں تکبیر مسنون ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے باب سے ظاہر ہے کہ وہ اس میں کسی شرط کے قائل نہیں، بلکہ مرد ہو یا عورت، فرض کے بعد ہو یا نفل کے بعد، خیمہ میں ہو یا مسجد میں ہر حال میں تکبیریں کہنی چاہئیں۔

٩٧١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ نَخْرُجَ يَوْمَ الْعِيدِ حَتَّى نُخْرِجَ الْبِكْرَ مِنْ خِدْرِهَا، حَتَّى نُخْرِجَ الْحُيَّضَ فَيَكُنَّ خَلْفَ النَّاسِ، فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيرِهِمْ، وَيَدْعُونَ بِدُعَائِهِمْ، يَرْجُونَ بَرَكَةَ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَطُهْرَتَهُ. [راجع : ٣٢٤- أخرجه مسلم : ٨٩٠]

971۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم عید کے دن نکلیں، یہاں تک کہ ہم کنواری لڑکیوں کو ان کی پردہ نشینی کی جگہ سے نکالیں، حتی کہ ہم حیض والی عورتوں کو بھی نکالیں، وہ مردوں کے پیچھے ہوں، ان کی تکبیر کے ہمراہ تکبیر کہیں اور ان کی دعا کے ساتھ دعا کریں، اس دن کی برکت اور پاکیزگی کی امید رکھیں۔

فوائد ومسائل: 1 یہ حدیث مع بعض فوائد (۳۲۴) میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث میں صرف منیٰ ہی میں نہیں، بلکہ دوسرے مقامات پر بھی عید کے موقع پر تکبیرات کا حکم ہے۔ خصوصاً ایام تشریق میں ہر جگہ اور ہر شہر اور ہر گاؤں میں تکبیرات کہنی چاہئیں۔ صحیح بخاری کی اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم ہے کہ عورتیں بھی مردوں کے ہمراہ تکبیرات کہیں اور یہ الفاظ صرف صحیح بخاری میں ہیں۔ (فتح الباری) باب کے ساتھ اس حدیث کا تعلق یہی ہے کہ اس میں مردوں اور عورتوں سب کے تکبیر کہنے کا ذکر ہے۔ آج کل عورتیں تو ایک طرف مرد بھی بلند آواز سے تکبیر کہنے سے شرم محسوس کرتے ہیں، حالانکہ شرم غلط کام سے ہونی چاہیے، سنت ادا کرنے میں کسی قسم کا حجاب نہیں ہونا چاہیے۔

2 اس حدیث میں اشارہ ہے کہ کنواری لڑکیاں گھروں میں رہیں، بازاروں میں نہ نکلیں، حیا سے عاری مغربی تہذیب عام

ہونے تک مسلم عورتوں کا یہی حال تھا۔

۱۳۔ بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الْحَرْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ

13۔ باب: عید کے دن برچھی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا

۹۷۲ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ تُرْكَزُ الْحَرْبَةُ قُدَّامَهُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ، ثُمَّ يُصَلِّي. [راجع: ٤٩٤۔ أخرجه مسلم: ٥٠١]

972۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عید الفطر اور نحر کے دن نبی ﷺ کے سامنے برچھی گاڑ دی جاتی، پھر آپ نماز ادا فرماتے۔

فائدہ یہ حدیث (۴۹۴) میں گزر چکی ہے۔

۱٤ ۔ بَابُ حَمْلِ الْعَنَزَةِ أَوِ الْحَرْبَةِ بَيْنَ يَدَيِ الْإِمَامِ يَوْمَ الْعِيدِ

14۔ باب: عید کے دن امام کے آگے چھوٹا نیزہ یا برچھی لے کر جانا

۹۷۳ ۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو، قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَغْدُو إِلَى الْمُصَلَّى، وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ، تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ بِالْمُصَلَّى بَيْنَ يَدَيْهِ، فَيُصَلِّي إِلَيْهَا. [راجع: ٤٩٤۔ أخرجه مسلم: ٥٠١]

973۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ صبح سویرے عید گاہ کی طرف نکلتے اور آپ کے آگے چھوٹا نیزہ اٹھا کر لے جایا جاتا اور عید گاہ میں آپ کے آگے گاڑ دیا جاتا اور آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے۔

فائدہ یہ حدیث (۴۹۴) میں گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین میں بھی امام کے آگے سترہ ہونا چاہیے اور اس دن اسلحہ لے جانے کی جو ممانعت ہے وہ اس صورت میں ہے جب کسی مسلم کو اس سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، محفوظ طریقے سے ہتھیار لے جا سکتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عین سترے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ حدیث جس میں سترے کی سیدھ میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کو اپنی دائیں جانب یا بائیں جانب رکھنے کا ذکر ہے وہ کمزور ہے، جیسا کہ شیخ البانی نے ابوداؤد کی حدیث (۶۹۳) پر اپنی تعلیق میں وضاحت کی ہے۔

١٥ - بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ وَالْحُيَّضِ إِلَى الْمُصَلَّى

15۔ باب: عورتوں اور حیض والیوں کا عیدگاہ کو جانا

٩٧٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ.

974۔ ام عطیہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں حکم دیا جاتا کہ ہم جوان اور پردہ نشین لڑکیوں کو بھی لے کر نکلیں۔

وَعَنْ أَيُّوبَ، عَنْ حَفْصَةَ بِنَحْوِهِ. وَزَادَ فِي حَدِيثِ حَفْصَةَ قَالَ - أَوْ قَالَتْ -: الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ، وَيَعْتَزِلْنَ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى. [راجع: ٣٢٤ - أخرجه مسلم: ٨٩٠ مطولاً]

اور ایوب نے حفصہ سے ایسے ہی روایت کی ہے۔ اور حفصہ کی حدیث میں یہ لفظ زیادہ بیان کیے ہیں: جوان عورتوں اور پردہ نشین لڑکیوں کو بھی اور حیض والیاں نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔

فائدہ: یہ حدیث (٣٢٤) میں گزر چکی ہے۔

١٦ - بَابُ خُرُوجِ الصِّبْيَانِ إِلَى الْمُصَلَّى

16۔ باب: بچوں کا عیدگاہ کی طرف جانا

٩٧٥ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ فِطْرٍ أَوْ أَضْحَى فَصَلَّى، ثُمَّ خَطَبَ، ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ. [راجع: ٩٨ - أخرجه مسلم: ٨٨٤ مطولاً، وهو في كتاب العيدين (١٣) بزيادة]

975۔ ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں عید الفطر یا قربانی کے دن نبی ﷺ کے ساتھ نکلا تو آپ نے نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا، پھر عورتوں کے پاس آئے، انھیں وعظ کیا اور نصیحت کی اور انھیں صدقے کا حکم دیا۔

فائدہ: یہ حدیث (٩٨) میں گزر چکی ہے۔ حدیث کی باب سے موافقت یہ ہے کہ ابن عباس ؓ اس وقت بچے تھے، جیسا کہ ایک باب کے بعد آ رہا ہے کہ انھوں نے کہا: «وَلَوْلَا مَكَانِي مِنَ الصِّغَرِ مَا شَهِدْتُهُ» [بخاري: ٩٧٧] ”اور اگر چھوٹا ہونے کی وجہ سے میرا آپ سے خاص تعلق نہ ہوتا تو میں آپ کے ساتھ نہ آ سکتا۔“ امام بخاری ؒ بعض اوقات حدیث کی دوسری روایت کے الفاظ کی طرف اشارہ کر رہے ہوتے ہیں۔

١٧ - بَابُ اسْتِقْبَالِ الْإِمَامِ النَّاسَ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ

17- باب: خطبۂ عید میں امام کا لوگوں کی طرف منہ کرنا

قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: قَامَ النَّبِيُّ ﷺ مُقَابِلَ النَّاسِ. [راجع: ٣٠٤]

ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے۔

٩٧٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ أَضْحَى إِلَى الْبَقِيعِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، وَقَالَ: «إِنَّ أَوَّلَ نُسُكِنَا فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نَبْدَأَ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ وَافَقَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ ذَلِكَ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ» فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي ذَبَحْتُ وَعِنْدِي جَذَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ، قَالَ: «اذْبَحْهَا، وَلَا تَفِي عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ» [راجع: ٩٥١- أخرجه مسلم: ١٩٦١]

976- براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ قربانی کے دن بقیع کی طرف نکلے اور دو رکعتیں پڑھائیں، پھر اپنے چہرے کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”ہمارے اس دن میں ہماری پہلی عبادت یہ ہے کہ ہم نماز سے ابتدا کرتے ہیں، پھر واپس ہوتے ہیں اور قربانی کرتے ہیں، سو جس نے ایسے کیا اس نے ہمارے طریقے کو پالیا اور جس نے اس سے پہلے ذبح کر لیا تو وہ ایسی چیز ہے جو اس نے اپنے اہل کے لیے جلدی کر لی ہے، قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔“ اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں جانور ذبح کر چکا ہوں، اب میرے پاس ایک جذعہ ہے جو مسنہ سے بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اسے ذبح کر دو اور تمھارے بعد کسی کے لیے کافی نہیں ہوگا۔“

فائدہ یہ حدیث (۹۵۱) میں گزر چکی ہے۔

١٨ - بَابُ الْعَلَمِ الَّذِي بِالْمُصَلَّى

18- باب: عیدگاہ میں علامت مقرر کرنا

٩٧٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَابِسٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهُ: أَشَهِدْتَ الْعِيدَ مَعَ

977- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ان سے کہا گیا: کیا آپ نبی ﷺ کے ساتھ عید میں شریک ہوئے ہیں؟ کہا: ہاں! اور اگر چھوٹا ہونے کی وجہ سے میرا آپ سے خاص

النَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَلَوْلَا مَكَانِي مِنَ الصِّغَرِ مَا شَهِدْتُهُ حَتَّى أَتَى الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ، فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ، ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَوَعَظَهُنَّ، وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، فَرَأَيْتُهُنَّ يَهْوِينَ بِأَيْدِيهِنَّ يَقْذِفْنَهُ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ، ثُمَّ انْطَلَقَ هُوَ وَبِلَالٌ إِلَى بَيْتِهِ. [راجع: ٩٨- أخرجه مسلم: ٨٨٤ مطولاً، وهو في كتاب العيدين (١٣) بزيادة]

تعلق نہ ہوتا تو میں آپ کے ساتھ شریک نہ ہوتا، یہاں تک کہ آپ اس نشان کے پاس آئے جو کثیر بن صلت کے گھر کے پاس ہے، پھر آپ نے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، پھر عورتوں کے پاس آئے اور آپ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ چنانچہ آپ نے انھیں وعظ کیا اور نصیحت کی اور انھیں صدقے کا حکم دیا تو میں نے انھیں دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ بڑھاتیں اور (اپنے صدقات) بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈال دیتیں، پھر آپ اور بلال رضی اللہ عنہ اپنے گھر کو چل پڑے۔

فائدہ: اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (٩٨) اور (٩٥٦)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ میں ایسا کوئی مینار یا نشان وغیرہ ہونا چاہیے جس سے لوگوں کو اس کا علم ہو سکے۔

١٩- بَابُ مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَاءَ يَوْمَ الْعِيدِ

19- باب: عید کے دن امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا

٩٧٨- حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ نَصْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: قَامَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلَّى فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ خَطَبَ، فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ فَأَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلَالٍ، وَبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ يُلْقِي فِيهِ النِّسَاءُ الصَّدَقَةَ.

978- جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ عید الفطر کے دن کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی اور نماز سے ابتدا کی، پھر خطبہ دیا، جب فارغ ہوئے، اترے اور عورتوں کی طرف آئے اور انھیں نصیحت فرمائی۔ آپ بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور بلال رضی اللہ عنہ اپنا کپڑا پھیلائے ہوئے تھے، عورتیں اس میں صدقہ ڈال رہی تھیں۔

قُلْتُ لِعَطَاءٍ: زَكَاةَ يَوْمِ الْفِطْرِ؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنْ صَدَقَةً يَتَصَدَّقْنَ حِينَئِذٍ، تُلْقِي فَتَخَهَا وَيُلْقِينَ، قُلْتُ: أَتُرَى حَقًّا عَلَى الْإِمَامِ ذَلِكَ وَيُذَكِّرُهُنَّ؟ قَالَ: إِنَّهُ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ، وَمَا لَهُمْ لَا يَفْعَلُونَهُ؟! [راجع:

میں نے عطاء سے کہا: صدقۂ فطر ڈال رہی تھیں؟ کہا: نہیں، بلکہ عام صدقہ کر رہی تھیں، کوئی عورت اپنا چھلا ڈالتی اور دوسری عورتیں بھی ڈالتیں۔ میں نے کہا: کیا آپ اسے امام پر حق سمجھتے ہیں کہ وہ عورتوں کو نصیحت کرے؟ انھوں نے کہا:

٩٥٨۔ أخرجه مسلم : ٨٨٥]

یقیناً یہ ان پر حق ہے اور انھیں کیا ہوا کہ ایسا نہیں کرتے!؟

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (٩٥٨)۔ آج کل لاؤڈ سپیکر نے یہ مسئلہ حل کر دیا ہے اور عورتوں کو الگ نصیحت کی ضرورت نہیں، ہاں! اگر لاؤڈ سپیکر میسر نہ ہو اور عورتیں امام کا خطبہ نہ سن سکیں تو انھیں الگ نصیحت کرنی چاہیے۔

٩٧٩ ـ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ : وَأَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : شَهِدْتُ الْفِطْرَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ يُصَلُّونَهَا قَبْلَ الْخُطْبَةِ، ثُمَّ يُخْطَبُ بَعْدُ، خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ حِينَ يُجَلِّسُ بِيَدِهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ يَشُقُّهُمْ حَتَّى جَاءَ النِّسَاءَ مَعَهُ بِلَالٌ ، فَقَالَ : ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ﴾ الآيَةَ [الممتحنة : ١٢] ثُمَّ قَالَ حِينَ فَرَغَ مِنْهَا : « آنْتُنَّ عَلَى ذَٰلِكِ ؟ » قَالَتِ امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ لَمْ يُجِبْهُ غَيْرُهَا : نَعَمْ، لَا يَدْرِي حَسَنٌ مَنْ هِيَ ، قَالَ : « فَتَصَدَّقْنَ » فَبَسَطَ بِلَالٌ ثَوْبَهُ، ثُمَّ قَالَ : هَلُمَّ، لَكُنَّ فِدَاءٌ أَبِي وَأُمِّي . فَيُلْقِينَ الْفَتَخَ وَالْخَوَاتِيمَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ .

979۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ عید الفطر میں حاضر ہوا، وہ اسے خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے، پھر بعد میں خطبہ دیا جاتا۔ نبی ﷺ نکلے، گویا میں آپ کو دیکھ رہا ہوں، جب آپ لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے بٹھا رہے تھے۔ پھر آپ مردوں کو چیرتے ہوئے عورتوں کی طرف آئے، آپ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے یہ آیت پڑھی: ”اے نبی! جب تیرے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں۔“ (ساری آیت) پھر جب آپ یہ آیت پڑھ کر فارغ ہوئے تو فرمایا: ”کیا تم اس پر قائم ہو؟“ ان میں سے ایک عورت نے کہا، اس کے سوا کسی عورت نے آپ کو جواب نہیں دیا: ہاں! حسن کو معلوم نہیں وہ کون تھی۔ آپ نے فرمایا: ”پھر صدقہ کرو۔“ تو بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا بچھا دیا اور کہا: لاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان۔ تو وہ بڑے بڑے چھلے اور انگوٹھیاں بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔

قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ : الْفَتَخُ الْخَوَاتِيمُ الْعِظَامُ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ . [راجع : ٩٨، وانظر في الأحكام، باب : ٤٩۔ أخرجه مسلم : ٨٨٤، وهو في كتاب العيدين (١٣) مختصرًا بزيادة]

عبد الرزاق نے کہا: ”اَلْفَتَخُ“ بڑے بڑے چھلے تھے جو جاہلیت میں ہوا کرتے تھے۔

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۹۸)۔

٢٠ - بَابٌ: إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ فِي الْعِيدِ

۹۸۰ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ قَالَتْ: كُنَّا نَمْنَعُ جَوَارِيَنَا أَنْ يَخْرُجْنَ يَوْمَ الْعِيدِ، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ، فَأَتَيْتُهَا فَحَدَّثَتْ: أَنَّ زَوْجَ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً، فَكَانَتْ أُخْتُهَا مَعَهُ فِي سِتِّ غَزَوَاتٍ، فَقَالَتْ: فَكُنَّا نَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى وَنُدَاوِي الْكَلْمَى، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! عَلَى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَا تَخْرُجَ؟ فَقَالَ: «لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا، فَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ» قَالَتْ حَفْصَةُ: فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ أَتَيْتُهَا فَسَأَلْتُهَا: أَسَمِعْتِ فِي كَذَا وَكَذَا؟ قَالَتْ: نَعَمْ بِأَبِي، وَقَلَّمَا ذَكَرَتِ النَّبِيَّ ﷺ إِلَّا قَالَتْ: بِأَبِي، قَالَ: «لِيَخْرُجِ الْعَوَاتِقُ ذَوَاتُ الْخُدُورِ» أَوْ قَالَ: «الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُورِ» شَكَّ أَيُّوبُ «وَالْحُيَّضُ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى، وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ» قَالَتْ: فَقُلْتُ لَهَا: الْحُيَّضُ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، أَلَيْسَ الْحَائِضُ تَشْهَدُ عَرَفَاتٍ، وَتَشْهَدُ كَذَا وَتَشْهَدُ كَذَا. [راجع: ۳۲٤- أخرجه مسلم: ۸۹۰ باختلاف]

20۔ باب: جب عید کے لیے عورت کے پاس بڑی چادر نہ ہو

980۔ حفصہ بنت سیرین نے کہا: ہم اپنی لڑکیوں کو عید کے دن نکلنے سے منع کرتی تھیں، پھر ایک عورت آئی اور بنو خلف کے محل میں ٹھہری، میں اس کے پاس آئی تو اس نے بیان کیا کہ اس کی بہن کے خاوند نے نبی ﷺ کے ہمراہ بارہ جنگیں لڑیں، جن میں سے چھ میں میری بہن بھی اس کے ساتھ تھی، تو اس نے کہا: ہم بیماروں کی نگہداشت کرتی تھیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔ تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا جب ہم میں سے کسی کے پاس بڑی چادر نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ ہے کہ وہ (عید کے لیے) نہ نکلے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کی ساتھی اسے اپنی بڑی چادر میں سے کچھ پہنا دے اور وہ سب خیر میں اور مومنوں کی دعا میں شریک ہوں۔“ حفصہ (بنت سیرین) نے کہا: پھر جب اُم عطیہ رضی اللہ عنہا (بصرہ میں) آئیں تو میں ان کے پاس آئی اور میں نے ان سے پوچھا: کیا آپ نے اس بات کے متعلق سنا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں! میرا باپ قربان۔ اور ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ وہ نبی ﷺ کا ذکر کریں اور یہ نہ کہیں کہ ”میرا باپ قربان۔“ آپ نے فرمایا: ”جوان پردہ نشین نکلیں“ یا کہا: ”جوان اور پردہ نشین نکلیں۔“ ایوب کو شک ہے ”اور حیض والیاں (بھی) اور حیض والیاں نماز کی جگہ سے الگ رہیں اور خیر اور مومنوں

کی دعا میں شریک ہوں۔" حفصہ نے ان سے کہا: میں نے کہا: کیا حیض والیاں بھی؟ انھوں نے کہا: ہاں! کیا حائضہ عرفات میں حاضر نہیں ہوتی اور فلاں جگہ اور فلاں جگہ حاضر نہیں ہوتی۔

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۳۲۴)۔

٢١ ـ بَابُ اعْتِزَالِ الْحُيَّضِ الْمُصَلَّى

21۔ باب: حائضہ عورتوں کا نماز کی جگہ سے الگ رہنا

٩٨١ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ: قَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ: أُمِرْنَا أَنْ نَخْرُجَ فَنُخْرِجَ الْحُيَّضَ وَالْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ ـ قَالَ ابْنُ عَوْنٍ: أَوِ الْعَوَاتِقَ ذَوَاتِ الْخُدُورِ ـ فَأَمَّا الْحُيَّضُ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلْنَ مُصَلَّاهُمْ.

[راجع: ٣٢٤ـ أخرجه مسلم: ٨٩٠]

981۔ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم نکلیں اور حیض والیوں اور جوان اور پردہ نشین لڑکیوں کو بھی نکالیں۔ ابن عون نے کہا: یا جوان پردہ نشینوں کو۔ پھر حائضہ عورتیں مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں شریک ہوں اور ان کی نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۳۲۴)۔

٢٢ ـ بَابُ النَّحْرِ وَالذَّبْحِ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْمُصَلَّى

22۔ باب: قربانی کے دن عیدگاہ میں نحر اور ذبح کرنا

٩٨٢ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي كَثِيرُ بْنُ فَرْقَدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْحَرُ أَوْ يَذْبَحُ بِالْمُصَلَّى. [انظر: ١٧١٠، ١٧١١، ٥٥٥١، ٥٥٥٢]

982۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نحر یا ذبح عیدگاہ میں کرتے تھے۔

فائدہ "نحر" اونٹوں کو کیا جاتا ہے، اس طرح کہ انھیں قبلہ رخ کھڑا کر کے بایاں گھٹنا باندھ دیا جاتا ہے، پھر "بِسْمِ

اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" پڑھ کر ان کے حلق کے گڑھے میں نیزہ یا چھرا مارا جاتا ہے، خون نکلنے کے بعد اونٹ پہلو پر گر جاتا ہے۔ چھوٹے جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے، یعنی انھیں لٹا کر گلے پر چھری پھیر دی جاتی ہے۔ باب کا مقصد یہ ہے کہ یہ عمل عید گاہ میں سنت ہے، اگرچہ واجب نہیں، مگر آج کل کم ہی کوئی اس پر عمل کرتا ہے۔

٢٣ - بَابُ كَلَامِ الْإِمَامِ وَالنَّاسِ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ، وَإِذَا سُئِلَ الْإِمَامُ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ يَخْطُبُ

23۔ باب: امام اور لوگوں کا عید کے خطبے میں باہمی گفتگو کرنا اور جب امام سے خطبہ دیتے ہوئے کوئی بات پوچھی جائے

٩٨٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَقَالَ: «مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا، وَنَسَكَ نُسُكَنَا، فَقَدْ أَصَابَ النُّسُكَ، وَمَنْ نَسَكَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَتِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ» فَقَامَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَاللّٰهِ! لَقَدْ نَسَكْتُ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ إِلَى الصَّلَاةِ، وَعَرَفْتُ أَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ، فَتَعَجَّلْتُ وَأَكَلْتُ وَأَطْعَمْتُ أَهْلِي وَجِيرَانِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «تِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ» قَالَ: فَإِنَّ عِنْدِي عَنَاقَ جَذَعَةٍ هِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ، فَهَلْ تَجْزِي عَنِّي؟ قَالَ: «نَعَمْ، وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ» [راجع: ٩٥١۔ أخرجه مسلم: ١٩٦١]

983۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قربانی کے دن نماز کے بعد خطبہ دیا اور فرمایا: ”جس نے ہماری نماز جیسی نماز پڑھی اور ہماری قربانی کی طرح قربانی کی اس نے قربانی کو پالیا اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر دی تو وہ گوشت کا بکرا ہے۔“ تو ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! واللہ! میں نے نماز کے لیے نکلنے سے پہلے قربانی کر دی ہے، میں نے جانا کہ آج کا دن کھانے پینے کا دن ہے تو میں نے جلدی کی اور خود کھایا اور اپنے گھر والوں اور ہمسایوں کو بھی کھلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ گوشت کا بکرا ہے۔“ انھوں نے کہا: تو میرے پاس ایک جذعہ پٹھوری ہے جو گوشت کے دو بکروں سے بہتر ہے تو کیا وہ میری طرف سے کافی ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں! لیکن تمھارے بعد کسی کی طرف سے کافی نہیں ہو گی۔“

فائدہ: شرح کے لیے دیکھیے حدیث (٩٥١)۔ حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت واضح ہے۔ باب کا پہلا حصہ ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہو کر یہ بتانے سے ثابت ہوا کہ میں نے نماز سے پہلے جانور ذبح کر لیا ہے اور دوسرا حصہ اس سوال

ہے کہ کیا میں جذعہ بچھوری ذبح کروں تو وہ کافی ہو جائے گی۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ بات نکالی ہے کہ جمعہ کے خطبہ میں تو بات کرنا منع ہے، مگر عید کے خطبہ میں جائز ہے، مگر یہ بات درست نہیں، جمعہ کا خطبہ ہو یا عید کا مقتدیوں کا آپس میں کلام کرنا منع ہے۔ ہاں! امام ان میں سے کسی ایک سے بات کرسکتا ہے اور مقتدی بھی دونوں خطبوں میں امام سے بات کرسکتا ہے۔ اس سے زیادہ اس حدیث یا باب سے کچھ نکالنا محض زبردستی ہے۔

٩٨٤ ـ حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ خَطَبَ، فَأَمَرَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ أَنْ يُعِيدَ ذَبْحَهُ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! جِيرَانٌ لِي ـ إِمَّا قَالَ: بِهِمْ خَصَاصَةٌ، وَإِمَّا قَالَ: فَقْرٌ ـ وَ إِنِّي ذَبَحْتُ قَبْلَ الصَّلَاةِ، وَعِنْدِي عَنَاقٌ لِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ، فَرَخَّصَ لَهُ فِيهَا. [راجع: ٩٥٤۔ أخرجه مسلم: ١٩٦٢ بزيادة]

984۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا اور حکم دیا کہ جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا ہو وہ دوبارہ ذبح کرے۔ تو انصار کا ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرے کچھ ہمسائے ہیں ۔ کہا کہ انھیں بھوک لاحق ہے، یا کہا کہ فقر لاحق ہے۔ اور میں نے نماز سے پہلے جانور ذبح کر دیا ہے اور (اب) میرے پاس ایک بچھوری ہے جو مجھے گوشت کے دو بکروں سے زیادہ محبوب ہے، تو آپ نے اسے وہ کرنے کی رخصت دے دی۔

٩٨٥ ـ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ جُنْدَبٍ، قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ خَطَبَ، ثُمَّ ذَبَحَ، فَقَالَ: «مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ أُخْرَى مَكَانَهَا، وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللَّهِ» [انظر: ٥٥٠٠، ٥٥٦٢، ٦٦٧٤، ٧٤٠٠۔ أخرجه مسلم: ١٩٦٠]

985۔ جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے قربانی کے دن نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، پھر جانور ذبح کیا اور آپ نے فرمایا: ”جس نے نماز پڑھنے سے پہلے جانور ذبح کیا ہو وہ اس کی جگہ ایک اور ذبح کرے اور جس نے ذبح نہیں کیا وہ ”بسم اللہ“ پڑھ کر ذبح کرے۔“

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذبح کرتے وقت ”بسم اللہ“ پڑھنا ضروری ہے۔ اگر جان بوجھ کر ”بسم اللہ“ نہ پڑھے تو وہ جانور حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾ [الأنعام: ١٢١] ”اور اس میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور بلاشبہ یہ یقیناً سراسر نافرمانی ہے۔“ ہاں! اگر بھول کر ”بسم اللہ“ رہ جائے تو راجح قول کے مطابق معافی ہے، اس کے دلائل اپنے مقام پر موجود ہیں۔

٢٤ - بَابُ مَنْ خَالَفَ الطَّرِيقَ إِذَا رَجَعَ يَوْمَ الْعِيدِ

24۔ باب: جو عید کے دن واپس آتے ہوئے راستہ بدل لے

٩٨٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو تُمَيْلَةَ يَحْيَى بْنُ وَاضِحٍ، عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ.

986۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب عید کا دن ہوتا تو (واپسی پر) راستہ بدل لیتے۔

تَابَعَهُ يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ فُلَيْحٍ. وَحَدِيثُ جَابِرٍ أَصَحُّ.

ابوتُمیلہ کے علاوہ فُلیح (بن سلیمان) سے یونس بن محمد نے بھی یہ روایت بیان کی ہے (لیکن انھوں نے سعید بن حارث کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا ہے) اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔

فائدہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مختلف شارحین سے راستہ بدلنے کی بیس حکمتیں نقل کی ہیں اور ان میں سے کمزور اقوال کی نشاندہی بھی کی ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں: ① ہر طرف اسلام کی شوکت کا اظہار ہو۔ ② جہاں جہاں قدم پڑیں وہ سب جگہیں قیامت کے دن شہادت دیں۔ ③ دونوں طرف کے لوگوں سے ملاقات ہو اور پرسشِ احوال کا موقع ملے۔ ④ تاکہ نظرِ بد سے محفوظ رہیں، جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے تمام بیٹوں کو ایک ہی دروازے سے داخل ہونے سے منع کیا تھا۔ ⑤ دشمن کی گھات سے محفوظ رہیں۔ ⑥ آپ کے اور مسلمانوں کے گزرنے سے دوسرے راستے میں بھی برکت ہو وغیرہ۔ (فتح الباری)

٢٥ - بَابٌ: إِذَا فَاتَهُ الْعِيدُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَكَذَلِكَ النِّسَاءُ وَمَنْ كَانَ فِي الْبُيُوتِ وَالْقُرَى

25۔ باب: جب عید کی نماز رہ جائے تو دو رکعتیں پڑھ لے، ایسے ہی عورتیں اور وہ لوگ جو گھروں اور بستیوں میں ہیں

لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «هَذَا عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ» وَأَمَرَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ مَوْلَاهُمُ ابْنَ أَبِي عُتْبَةَ بِالزَّاوِيَةِ، فَجَمَعَ أَهْلَهُ وَبَنِيهِ وَصَلَّى كَصَلَاةِ أَهْلِ الْمِصْرِ

کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: "یہ ہماری اہلِ اسلام کی عید ہے۔" اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے زاویہ میں اپنے مولیٰ ابن ابی عتبہ کو حکم دیا تو اس نے ان کے گھر والوں اور بیٹوں کو جمع

وَتَكْبِيرِهِمْ . وَقَالَ عِكْرِمَةُ : أَهْلُ السَّوَادِ يَجْتَمِعُونَ فِي الْعِيدِ يُصَلُّونَ رَكْعَتَيْنِ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ . وَقَالَ عَطَاءٌ : إِذَا فَاتَهُ الْعِيدُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ .

کیا اور شہر والوں کی نماز اور ان کی تکبیر کی طرح نماز پڑھی۔ اور عکرمہ نے کہا: کھیتوں والے عید میں جمع ہوں اور دو رکعتیں پڑھیں جیسے امام پڑھتا ہے۔ اور عطا نے کہا: جب کسی کی عید رہ جائے تو وہ دو رکعتیں پڑھے۔

فوائد و مسائل: 1 "اَلزَّاوِيَةُ" بصرہ سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک جگہ تھی جس میں انس رضی اللہ عنہ کا محل اور زمین تھی۔ انس رضی اللہ عنہ بہت دفعہ وہاں رہا کرتے تھے۔ "زاویہ" ہی میں حجاج اور ابن الاشعث کے درمیان بہت بڑا معرکہ ہوا تھا۔

2 جس شخص کی عید کی نماز رہ جائے وہ کیا کرے؟ اہلِ علم کے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا نمازِ عید کی قضا نہیں ہے اور بعض نے کہا دو رکعتیں پڑھے، پھر بعض نے کہا عام رکعتیں پڑھے اور بعض نے کہا اسی طرح پڑھے جیسے امام تکبیرات کے ساتھ پڑھتا ہے اور بعض نے کہا اگر عید کی نماز رہ جائے تو اس کی قضا کے لیے چار رکعت پڑھے۔

3 امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں تین مسائل بیان کیے ہیں: ایک یہ کہ عید کی نماز رہ جائے تو اس کی قضا کرنا ہوگی، دوسرا یہ کہ وہ دو رکعتیں اسی طرح تکبیرات کے ساتھ پڑھی جائیں گی جیسے امام پڑھتا ہے اور تیسرا یہ کہ دیہات میں بھی عید پڑھی جائے گی۔ امام صاحب نے تینوں باتوں کی دلیل ایک تو حدیث سے لی ہے کہ یہ ہماری اہلِ اسلام کی عید ہے، اہلِ اسلام میں مرد، عورتیں اور اکیلا آدمی اور جماعت اور شہر اور بستی اور کھیتوں میں رہنے والے سب شامل ہیں، اس لیے اگر جماعت کے ساتھ عید مل جائے تو بہتر ورنہ اکیلا ہی عید کی دو رکعتیں پڑھے، کیونکہ اہلِ اسلام میں وہ بھی شامل ہے۔ اسی طرح عورتیں اگر مردوں کے ساتھ مل کر نماز نہ پڑھ سکیں تو گھر میں اکیلی ہی پڑھ لیں، کیونکہ یہ یومِ عید ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس میں مشروع نماز ہر شخص پڑھے جو اہلِ اسلام میں سے ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے امام صاحب نے باب کے بعد پہلی دلیل یہی حدیث پیش کی ہے: « هٰذَا عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ » "یہ ہماری اہلِ اسلام کی عید ہے۔" اس کے بعد تائید کے لیے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا عمل ذکر کیا ہے کہ انھوں نے زاویہ میں جو کوئی بڑی بستی نہیں تھی بلکہ وہاں انس رضی اللہ عنہ کی زمین اور محل تھا، وہاں اپنی اولاد اور گھر والوں کو جمع کر کے عید پڑھوائی اور شہر والوں کی طرح تکبیرات کے ساتھ پڑھوائی۔ اس کے بعد عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ کھیتوں والے عید میں جمع ہوں اور اس طرح دو رکعتیں پڑھیں جیسے امام پڑھتا ہے، یعنی باقاعدہ تکبیرات کے ساتھ پڑھیں۔ اس کے بعد عطا کا قول ذکر کیا ہے کہ اگر کسی شخص کی عید رہ جائے تو وہ دو رکعتیں پڑھے۔

٩٨٧ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ :

987۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس منیٰ کے دنوں میں آئے اور ان کے پاس دو لڑکیاں تھیں جو

أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِي أَيَّامِ مِنًى، تُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ، وَالنَّبِيُّ ﷺ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهِ، فَانْتَهَرَهُمَا أَبُو بَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ وَجْهِهِ، فَقَالَ: «دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ! فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيدٍ» وَتِلْكَ الْأَيَّامُ أَيَّامُ مِنًى. [راجع: ٩٤٩- أخرجه مسلم: ٨٩٢]

دف بجا رہی تھیں اور نبی ﷺ اپنا کپڑا اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو جھڑکا، تو نبی ﷺ نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: ''ابوبکر! انھیں رہنے دو، کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں۔'' اور وہ دن منیٰ کے دن تھے۔

٩٨٨ - وَقَالَتْ عَائِشَةُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْتُرُنِي وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ وَهُمْ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ فَزَجَرَهُمْ عُمَرُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «دَعْهُمْ، أَمْنًا بَنِي أَرْفِدَةَ!» يَعْنِي: مِنَ الْأَمْنِ. [راجع: ٤٥٤- أخرجه مسلم: ٨٩٢]

988۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ مجھ پر پردہ کیے ہوئے تھے اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی تھی جب وہ مسجد میں کھیل رہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں جھڑکا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''انھیں رہنے دو، اے بنی ارفدہ! بے خوف ہو جاؤ۔'' یعنی تمھیں امن ہے۔

فائدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر مفصل کلام (۴۵۴) اور (۹۵۰) میں گزر چکا ہے۔

٢٦ - بَابُ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْعِيدِ وَبَعْدَهَا

26۔ باب: عید سے پہلے اور اس کے بعد نماز

وَقَالَ أَبُو الْمُعَلَّى: سَمِعْتُ سَعِيدًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: كَرِهَ الصَّلَاةَ قَبْلَ الْعِيدِ.

اور ابوالمعلّی نے کہا: میں نے سعید سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق سنا کہ انھوں نے عید سے پہلے نماز کو ناپسندیدہ قرار دیا۔

٩٨٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا، وَمَعَهُ بِلَالٌ. [راجع: ٩٨- أخرجه مسلم: ٨٨٤ بقطعة لم ترد في هذه الطريق، وهو في كتاب العيدين (١٣) مطولاً]

989۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عید الفطر کے دن نکلے اور آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، آپ نے ان سے پہلے یا ان کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھی اور آپ ﷺ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازِ عید سے پہلے یا بعد کوئی نماز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ عیدین کی نماز مسجد میں نہیں بلکہ میدان میں پڑھتے تھے، اس لیے ہمیں عید کی نماز مسجد میں نہیں بلکہ کسی میدان یا عیدگاہ میں پڑھنی چاہیے۔ البتہ اگر کسی مجبوری کے پیشِ نظر مسجد میں عید کی نماز پڑھنی ہو تو اگر کوئی نماز کھڑی ہونے سے پہلے آ جائے تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھے، کیونکہ صحیح بخاری (۱۱۶۳) میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: « إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ » "جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو جب تک دو رکعتیں نہ پڑھے مت بیٹھے۔"

[تَمَّ كِتَابُ الْعِيدَيْنِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ]

بسم الله الرحمن الرحيم

١٤- كِتَابُ الْوِتْرِ
کتاب الوتر

١- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ

1- باب: جو وتر کے بارے میں آیا ہے

٩٩٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ وَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ صَلَاةِ اللَّيْلِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً، تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى» [راجع: ٤٧٢ـ أخرجه مسلم: ٧٤٩ و ٧٥١ و في صلاة المسافرين (١٥٦)]

990- ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے رات کی نماز کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رات کی نماز دو دو رکعت ہے، تو جب تم میں سے کوئی شخص صبح سے ڈرے تو وہ ایک رکعت پڑھ لے، وہ اس کے لیے اس نماز کو وتر بنا دے گی جو وہ پڑھ چکا ہے۔“

٩٩١ - وَعَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ فِي الْوِتْرِ، حَتَّى يَأْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهِ.

991- اور نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر ؓ وتر میں ایک رکعت اور دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیر دیتے تھے، حتی کہ اپنے کسی کام کے لیے بھی کہہ دیتے تھے۔

فوائد: 1 امام بخاری ؒ نے وتر کو نہ فرائض میں شامل کیا ہے نہ تہجد یا دوسرے نوافل میں، بلکہ اس کے لیے الگ عنوان ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وتر واجب ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق اسی لیے ان کی تعداد تین معین ہے، نہ اس سے کم پڑھ سکتے ہیں نہ زیادہ، جیسے فرائض کی تعداد نہ کم کر سکتے ہیں نہ زیادہ، پھر یہ تینوں رکعات ایک سلام اور دو تشہدوں کے ساتھ پڑھنا ضروری ہیں، درمیان میں سلام نہیں پھیر سکتے، مگر یہ تمام باتیں ہی بے دلیل ہیں۔

2 حقیقت یہ ہے کہ وتر سنتِ مؤکدہ ہیں جن کی تاکید بہت ہے، جیسے صبح کی سنتوں کی تاکید بہت ہے۔ جو لوگ اسے واجب کہتے ہیں ان پر سوال آتا ہے کہ اس طرح تو دن رات میں پانچ کی بجائے چھ نمازیں فرض ٹھہرتی ہیں؟ اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ ہم وتر کو فرض نہیں واجب مانتے ہیں۔ فرض اور واجب کا فرق بھی انھی حضرات کی ایجاد ہے، ورنہ فرض اور واجب ایک ہی چیز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ فرض وہ ہے جو قطعی الثبوت اور قطعی الاثبات ہو۔ اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو تو وہ فرض نہیں واجب ہے، مگر ان حضرات کی اصطلاح کے مطابق نبی ﷺ کے زمانے میں ایک چیز فرض ٹھہرتی ہے، کیونکہ صحابہ کرام ﷺ نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، ان کے لیے ہر حکم ہی قطعی الثبوت ہے اور وہی چیز بعد کے زمانے کے لوگوں کے لیے واجب ٹھہرتی ہے، کیونکہ ان حضرات کی اصطلاح کے مطابق اب اس حکم کا ثبوت قطعی نہیں رہا۔ گویا ایک ہی چیز ایک زمانے میں فرض ہے اور دوسرے زمانے میں واجب ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہر زمانے کے لیے ایک ہیں۔

3 حافظ ابن حجر ؒ نے کہا: اگر بخاری " بَابُ الْوِتْرِ فِي السَّفَرِ " میں ابن عمر ؓ کی حدیث نہ لاتے کہ نبی ﷺ سفر میں اپنی اونٹنی پر نماز پڑھتے رہتے، جدھر بھی اس کا رُخ ہوتا، سوائے فرض نماز کے اور آپ وتر اپنی اونٹنی پر پڑھ لیتے تھے، تو ان کے وتر کے ابواب کو فرائض و نوافل سے الگ باندھنے میں اشارہ سمجھا جا سکتا تھا کہ وہ وتر کو واجب سمجھتے ہیں۔ (فتح الباری)

4 عبد اللہ بن عمر ؓ کی حدیث اور آئندہ احادیث سے معلوم ہوا کہ تین وتر پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیر کر ایک رکعت الگ ادا کرے۔ بہترین سندوں کے ساتھ یہی ثابت ہے۔

5 نمازِ وتر کی مختلف رکعات صحیح احادیث سے ثابت ہیں، یعنی ایک رکعت، تین رکعات، پانچ رکعات، سات رکعات اور نو رکعات۔ ایک رکعت وتر کا طریقہ یہ ہے کہ ایک رکعت پڑھیں اور سلام پھیر دیں۔ بعض لوگ ایک رکعت وتر کو جائز نہیں مانتے۔ عبد اللہ بن عمر ؓ کی حدیث (۹۹۰) میں رسول اللہ ﷺ کا ایک رکعت وتر پڑھنے کا واضح فرمان موجود ہے۔ بعض لوگ ایک عجیب اعتراض کرتے ہیں کہ نبی ﷺ تو تہجد کے ساتھ ایک وتر پڑھتے تھے، تہجد کے بغیر ایک رکعت وتر کیسے ثابت ہوا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ صحیح بخاری " كِتَابُ الْمَنَاقِبِ ، بَابُ ذِكْرِ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ (۳۷۶۵)" میں ہے کہ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ ابن عباس ؓ سے کہا گیا کہ کیا آپ کو امیر المومنین کی کچھ خبر ہے، کیونکہ انھوں نے وتر صرف ایک پڑھا ہے؟ انھوں نے کہا: وہ فقیہ ہیں۔ حدیث (۳۷۶۴) میں ہے کہ انھوں نے کہا: انھیں رہنے دو، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ حافظ ابن حجر ؒ نے کہا: ایک وتر سے پہلے دو یا زیادہ رکعتوں کے ضروری نہ ہونے کی تائید ابو ایوب ؓ کی مرفوع حدیث سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ شَاءَ أَوْتَرَ بِخَمْسٍ وَمَنْ شَاءَ بِثَلَاثٍ وَمَنْ شَاءَ بِوَاحِدَةٍ » "وتر حق ہے جو چاہے پانچ وتر پڑھے اور جو چاہے تین وتر پڑھے اور جو چاہے ایک رکعت وتر پڑھے۔" اس حدیث کو ابوداود (۱۴۲۲) اور نسائی (۱۷۱۱) نے بیان کیا ہے، جبکہ ابن حبان (۲۴۱۰) اور حاکم (۱۱۲۸) نے اسے صحیح کہا ہے۔ صحابہ کرام ﷺ کی ایک جماعت سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک رکعت وتر پڑھا، جس سے پہلے انھوں نے کوئی نفل نہیں پڑھا۔ محمد بن نصر وغیرہ کی کتاب میں سائب بن یزید سے صحیح سند سے موجود ہے کہ عثمان ؓ نے ایک رات

میں سارا قرآن ایک رکعت میں پڑھا، اس کے سوا نماز نہیں پڑھی۔ کتاب المغازی (۴۳۵۶) میں عبداللہ بن ثعلبہ سے روایت آ رہی ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک رکعت وتر پڑھا اور کتاب المناقب (۳۷۶۴) میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آ رہا ہے کہ انھوں نے ایک رکعت وتر پڑھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو درست قرار دیا۔

6 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « لَا تُوتِرُوْا بِثَلَاثٍ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ، أَوْتِرُوْا بِخَمْسٍ أَوْ بِسَبْعٍ » [مستدرك حاكم : ۱/۴۴۶، ح : ۱۱۳۸۔ صحيح ابن حبان: ۲۴۲۹] ''وتر تین رکعت نہ پڑھو اور مغرب کی مشابہت مت کرو، پانچ رکعات یا سات رکعات وتر پڑھو۔'' حاکم نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور شعیب الارنؤوط نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ تین رکعت وتر پڑھتے ہوئے مغرب کی مشابہت سے دو طرح سے بچا جا سکتا ہے، ایک یہ کہ انھیں دو سلام کے ساتھ پڑھا جائے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اوپر گزری ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تینوں وتروں میں تشہد صرف آخری رکعت میں کیا جائے۔ صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ رکعت وتر پڑھے اور درمیان میں کوئی تشہد نہیں کیا۔ [مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الليل : ۷۳۷] اس سے پانچ رکعات وتر کا طریقہ بھی معلوم ہوا۔ اس لیے تین رکعتوں کا بھی یہی طریقہ ہے، کسی صحیح حدیث میں تین رکعت دو تشہدوں اور ایک سلام کے ساتھ پڑھنا ثابت نہیں۔

7 سات رکعت وتر کے دو طریقے صحیح احادیث سے ثابت ہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: « صَلّٰى سَبْعَ رَكَعَاتٍ لَا يَقْعُدُ إِلَّا فِيْ آخِرِهِنَّ » [نسائي، كتاب قيام الليل، باب كيف الوتر بسبع : ۱۷۱۸، حديث صحيح] ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات رکعتیں پڑھیں، آخری رکعت کے سوا کسی میں نہیں بیٹھے۔'' دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سات رکعت وتر اس طرح ادا کرتے کہ چھٹی رکعت پر بیٹھتے، لیکن سلام پھیرے بغیر اٹھ کھڑے ہوتے، پھر ساتویں رکعت ادا کرتے، پھر سلام پھیرتے۔ [دیکھیے نسائي : ۱۷۱۹، صحيح] اور نو رکعت وتر اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف آٹھویں رکعت پر تشہد بیٹھتے، اللہ کا ذکر کرتے، اس کی تعریف کرتے اور اس سے دعا کرتے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے، پھر نویں رکعت ادا کرتے، پھر بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے، اس کی تعریف کرتے اور اس سے دعا کرتے، پھر سلام پھیرتے۔ [مسلم، كتاب المسافرين، باب جامع صلاة الليل : ۷۴۶]

۹۹۲ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ ـ وَهِيَ خَالَتُهُ ـ فَاضْطَجَعْتُ فِيْ عَرْضِ وِسَادَةٍ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَهْلُهُ فِيْ طُوْلِهَا، فَنَامَ حَتّٰى انْتَصَفَ

992 ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک رات گزاری، وہ ان کی خالہ تھیں تو میں تکیے کے عرض میں لیٹ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل اس کے طول میں لیٹ گئے۔ آپ نصف رات یا اس کے قریب تک سوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے کو

اللَّيْلُ أَوْ قَرِيبًا مِنْهُ فَاسْتَيْقَظَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ، ثُمَّ قَرَأَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي فَصَنَعْتُ مِثْلَهُ، فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي يَفْتِلُهَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ. [راجع : ۱۱۷۔ أخرجه مسلم : ۷۶۳]

مل کر نیند ہٹاتے ہوئے بیدار ہوئے، پھر آپ نے آل عمران کی دس آیات پڑھیں، پھر رسول اللہ ﷺ ایک پرانے مشکیزے کی طرف اُٹھ کر گئے جو لٹک رہا تھا اور وضو کیا اور بہت اچھی طرح وضو کیا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ میں نے بھی آپ کی طرح کیا، چنانچہ میں آپ کی ایک جانب کھڑا ہو گیا تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا کان پکڑ کر مروڑنے لگے، پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر آپ نے وتر پڑھا، پھر لیٹ گئے یہاں تک کہ مؤذن آپ کے پاس آیا تو آپ اُٹھے اور دو رکعتیں پڑھیں، پھر نکلے اور صبح کی نماز پڑھائی۔

فوائد: 1 اس کے اکثر فوائد حدیث (۱۱۷) میں گزر چکے ہیں۔ اس حدیث سے مزید کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ نبی ﷺ تہجد کے لیے بہت جلدی اُٹھ کھڑے ہوتے تھے، کیونکہ اس میں ہے کہ آپ نصف رات کے قریب اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ سورۂ مزمل کی آیت (۲۰): ﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ ﴾ سے بھی یہ بات ظاہر ہے۔

2 اس سے معلوم ہوا کہ آدمی رات کو اُٹھے تو اسے آنکھیں مل کر نیند کو دور کرنا چاہیے، طبّی طور پر بھی آنکھوں کو ملنا آنکھوں اور نظر کے لیے بہت مفید ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رات اُٹھنے پر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات پڑھنی چاہئیں۔

3 وضو بہت اچھی طرح کرنا چاہیے، کمیت میں بھی اور کیفیت میں بھی۔ کمیت میں اعضا کو تین تین دفعہ دھو کر اور کیفیت میں اچھی طرح اور اعضا کو مل کر۔ اگرچہ اس سے کم عدد کے ساتھ بھی جائز ہے اور سب سنت سے ثابت ہے۔

4 نماز کی ضرورت کے لیے جو حرکت ہو وہ جائز ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بائیں سے دائیں طرف کیا اور ان کی نیند دور کرنے کے لیے ان کا کان مروڑا۔ ان سب افعال کا تعلق نماز کے ساتھ ہے۔

5 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کی نماز دو، دو رکعت ہے، کیونکہ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو، پھر دو، پھر دو، پھر دو، پھر دو اور آخر میں ایک رکعت پڑھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ تہجد کے آخر میں دو رکعتوں پر سلام پھیر کر ایک وتر پڑھتے

تھے، آخری تین رکعتوں کو الگ الگ دو سلام کے ساتھ پڑھتے تھے۔

6 یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نوافل گھر میں پڑھتے تھے۔ دوسری احادیث میں آپ نے لوگوں کو اس کی ترغیب بھی دلائی ہے، بلکہ نوافل گھر میں ادا کرنے کو مسجد نبوی میں ادا کرنے سے بھی افضل قرار دیا ہے۔

٩٩٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَنْصَرِفَ فَارْكَعْ رَكْعَةً تُوتِرُ لَكَ مَا صَلَّيْتَ»

993۔ عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''رات کی نماز دو، دو رکعت ہے، پھر جب تم نماز سے فارغ ہونا چاہو تو ایک رکعت پڑھ لو، وہ تمھارے لیے اس نماز کو وتر بنا دے گی جو تم نے پڑھی ہے۔''

قَالَ الْقَاسِمُ: وَرَأَيْنَا أُنَاسًا مُنْذُ أَدْرَكْنَا يُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ، وَإِنَّ كُلًّا لَوَاسِعٌ أَرْجُو أَنْ لَا يَكُونَ بِشَيْءٍ مِنْهُ بَأْسٌ. [راجع: ٤٧٢ - أخرجه مسلم: ٧٤٩ و ٧٥١ وفي صلاة المسافرين (١٥٦)]

قاسم نے کہا: اور ہم نے بہت سے لوگوں کو اس وقت سے دیکھا جب سے ہم نے ہوش سنبھالا کہ وہ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور ان سب صورتوں کی گنجائش ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان میں سے کسی صورت میں کوئی حرج نہیں۔

فوائد ومسائل: 1 اس کے بعض فوائد حدیث (۴۷۲) میں گزر چکے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے واضح الفاظ میں دو، دو رکعتوں کے آخر میں ایک وتر پڑھنے کا ذکر فرمایا، مگر صحیح بخاری کے ایک اردو شارح نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے بریکٹ لگا کر ایسا مطلب نکالا ہے جو کسی صورت اس سے نہیں نکلتا۔ انھوں نے ترجمہ یہ کیا ہے: ''رات کی نماز دو، دو رکعت ہے، پس جب تم نماز سے مڑنے کا ارادہ کرو تو (آخری دوگانہ کے ساتھ ملا کر) ایک رکعت پڑھ لو، وہ تمھاری تمام نماز کو وتر کر دے گا۔'' اس سے پہلے حدیث (۹۹۱) کی شرح میں بھی کھینچ کھانچ کر اسے اپنے مسلک کے مطابق درست ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ آدمی جب دھڑا کوٹنے پر آ جائے تو وہ کہاں تک جا سکتا ہے۔ مگر بریکٹ بات کی حقیقت کو کھول دیتی ہے۔

2 محمد بن ابی بکر ؓ کے بیٹے قاسم نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے کہ ہم ہوش سنبھالنے کے زمانے سے دیکھتے آئے ہیں کہ کچھ لوگ تین وتر پڑھتے ہیں اور یہ سب جائز ہے۔ یعنی ایک اور تین وتر دونوں درست ہیں، مگر جیسا کہ حدیث (۹۹۰، ۹۹۱) کے فائدہ (۲) میں گزرا کہ تین وتر یا تو دو سلاموں کے ساتھ ہوں گے یا درمیان میں تشہد بیٹھنے کے بغیر، تاکہ ان کی مغرب کی نماز سے مشابہت نہ ہو، پھر ایک سلام کے ساتھ تین پر بس نہیں بلکہ پانچ، سات اور نو وتر بھی ایک سلام کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔

افسوس تو ان حضرات پر ہے جو صرف تین پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اقوالِ رجال کا سہارا لے کر صحیح احادیث کو صاف رد کر دیتے ہیں، پھر اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ تین وتر کے علاوہ ایک، پانچ یا سات یا نو وتروں کو مکروہ کہتے ہیں۔

٩٩٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، كَانَتْ تِلْكَ صَلَاتَهُ، تَعْنِي: بِاللَّيْلِ، فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذَلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً، قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ، ثُمَّ يَضْطَجِعُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلصَّلَاةِ. [راجع: ٦١٩- أخرجه مسلم: ٧٢٤ مختصراً، و أخرجه بطوله (٧٣٦)]

994۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے، رات کو ان کی نماز یہی ہوتی تھی، تو اس میں آپ سجدہ اتنی مقدار کا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے سر اُٹھانے سے پہلے تم میں سے کوئی پچاس آیات پڑھ لے اور آپ فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے، پھر آپ اپنی دائیں جانب پر لیٹ جاتے، یہاں تک کہ مؤذن آپ کو نماز کے لیے لینے آ جاتا۔

فائدہ یہ حدیث (٦٢٦) میں گزر چکی ہے۔ صحیح مسلم (٧٣٦/١٢٢) میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ ان گیارہ رکعات کی ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے اور ایک رکعت وتر پڑھتے۔ اتنی صراحت کے بعد بھی یہ کہنا کہ آپ ﷺ آخری دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملا کر وتر پڑھتے تھے یہ بڑے ہی زبردست دل گردے کا کام ہے۔

٢ - بَابُ سَاعَاتِ الْوِتْرِ

2۔ باب: وتر کے اوقات

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَوْصَانِي النَّبِيُّ ﷺ بِالْوِتْرِ قَبْلَ النَّوْمِ.

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے مجھے سونے سے پہلے وتر کی وصیت فرمائی (اور نبی ﷺ نے یہی وصیت ابوذر اور ابودرداء رضی اللہ عنہما کو بھی فرمائی)۔

٩٩٥ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ سِيرِينَ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ: أَرَأَيْتَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ، أُطِيلُ فِيهِمَا الْقِرَاءَةَ؟ فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، وَيُوتِرُ بِرَكْعَةٍ، وَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ

995۔ انس بن سیرین نے کہا کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ یہ بتائیں کہ صبح کی نماز سے پہلے جو دو رکعتیں ہیں کیا میں ان میں لمبی قراءت کروں؟ تو انھوں نے کہا: نبی ﷺ رات کو دو، دو رکعتیں پڑھتے جاتے اور ایک رکعت وتر پڑھ لیتے اور صبح کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے، گویا

قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ، وَكَأَنَّ الْأَذَانَ بِأُذُنَيْهِ .

قَالَ حَمَّادٌ : أَيْ سُرْعَةً . [راجع : ٤٧٢ ـ أخرجه مسلم : ٧٤٩ و ٧٥١ وفي صلاة المسافرين (١٥٦)]

اذان (اقامت کی آواز) آپ کے کانوں میں ہے۔

حماد نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ آپ یہ دو رکعتیں جلدی سے پڑھتے۔

فوائد: 1 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی وصیت اس لیے فرمائی کہ حفظِ حدیث اور تحصیلِ علم میں مشغولیت کی وجہ سے وہ دیر تک جاگتے رہتے تھے، پچھلی رات کے لیے وتر چھوڑنے میں اندیشہ تھا کہ وتر رہ نہ جائے، اس لیے آپ نے انھیں سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی وصیت فرمائی۔ ابو ذر اور ابو درداء رضی اللہ عنہما کو بھی اسی خطرے کی وجہ سے سونے سے پہلے وتر کی وصیت فرمائی۔ البتہ جسے اعتماد ہو کہ وہ اُٹھ سکے گا تو رات کے آخری حصے میں وتر افضل ہے، جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُوْمَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ أَوَّلَهُ، وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُوْمَ آخِرَهُ فَلْيُوْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ، فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ، وَذٰلِكَ أَفْضَلُ » [مسلم : ٧٥٥/١٦٢] ”جو شخص ڈرے کہ وہ رات کے آخر میں نہیں اُٹھ سکے گا وہ رات کے شروع میں وتر پڑھ لے اور جو رات کے آخر حصے کا طمع رکھتا ہو وہ رات کے آخر میں وتر پڑھے، کیونکہ رات کے پچھلے حصے میں حاضری ہوئی ہوتی ہے اور یہ افضل ہے۔“

2 اس باب میں بخاری رحمہ اللہ نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ عشاء کے بعد ساری رات ہی وتر کا وقت ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے رات کے ہر حصے میں وتر پڑھا ہے، جیسا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس کے بعد آ رہی ہے۔

3 یہ حدیث دلیل ہے کہ اذان کا لفظ اقامت پر بھی بولا جاتا ہے، جیسا کہ یہاں اقامت کو اذان کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مؤذن ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو خود اذان سکھائی، آپ نے ” حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ “ کے بعد فرمایا: « فَإِنْ كَانَ صَلَاةَ الصُّبْحِ قُلْتَ : اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ، اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ » یعنی اگر صبح کی نماز ہو تو کہو: ” اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ، اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ ۔“ اسی حدیث کی دوسری سند میں یہ الفاظ ہیں: « اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ، اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ فِي الْأُوْلٰى مِنَ الصُّبْحِ » [أبي داوٗد : ٥٠٠، ٥٠١] یعنی ” اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ “ صبح کی پہلی اذان میں کہو۔ اس حدیث میں ” فِي الْأُوْلٰى مِنَ الصُّبْحِ “ سے مراد صبح کی اذان ہے جس کے بعد اقامت ہوتی ہے، دو اذانوں میں سے پہلی اذان مراد نہیں۔ اور صحیح بخاری کی زیر شرح حدیث ” وَكَأَنَّ الْأَذَانَ بِأُذُنَيْهِ “ میں دوسری اذان سے مراد اقامت ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نماز کی اذان اس کا وقت داخل ہونے کے بعد کہی جاتی ہے، پہلے نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ » [بخاري : ٦٢٨] ”جب نماز حاضر ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک تمھارے لیے اذان کہے۔“ اور ظاہر ہے کہ نماز اس وقت حاضر ہوتی ہے جب اس کا وقت ہو جائے۔ بعض اہلِ علم نے ” فِي الْأُوْلٰى مِنَ الصُّبْحِ “ سے مراد فجر کی پہلی اذان لی ہے، یہ درست نہیں۔

٩٩٦ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُسْلِمٌ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُلَّ اللَّيْلِ أَوْتَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَانْتَهَى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ. [أخرجه مسلم: ٧٤٥]

996۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رات کے ہر حصے میں رسول اللہ ﷺ نے نمازِ وتر پڑھی ہے اور آخر کار آپ کا وتر سحر تک پہنچ گیا۔

فائدہ بعض علماء نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سحر ہونے تک ساری رات وتر پڑھا۔ مگر یہ درست نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ نے رات کے ہر حصے میں وتر پڑھا ہے، کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں "مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ أَوْتَرَ" کے الفاظ آتے ہیں۔ [دیکھیے السنن الکبرٰی للبیهقي: ٤٨٣٤] علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: «مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ قَدْ أَوْتَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَوَّلِهِ وَأَوْسَطِهِ وَآخِرِهِ وَانْتَهَى وِتْرُهُ إِلَى آخِرِ اللَّيْلِ» [مسند أحمد: ٨٢٥] "رات کے ہر حصے میں رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھا ہے، اس کے شروع میں اور اس کے درمیانی حصے میں اور اس کے آخر حصے میں اور آخر کار آپ کا وتر اس کے آخر میں جا پہنچا۔"

٣- بَابُ إِيقَاظِ النَّبِيِّ ﷺ أَهْلَهُ بِالْوِتْرِ

3۔ باب: نبی ﷺ کا اپنے گھر والوں کو وتر کے لیے جگانا

٩٩٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي وَأَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلَى فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ أَيْقَظَنِي فَأَوْتَرْتُ. [راجع: ٣٨٢ـ أخرجه مسلم: ٥١٢ و ٧٤٤]

997۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نماز پڑھتے رہتے جب کہ میں آپ کے سامنے آپ کے بستر پر سوئی ہوتی، پھر جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو مجھے جگا دیتے اور میں وتر پڑھ لیتی۔

فوائد 1 یہ حدیث (٣٨٢) میں گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی کو اعتماد ہو کہ وہ رات کے آخر میں اُٹھ سکے گا یا اس وقت اسے کوئی اُٹھانے والا ہو تو اس کے لیے رات کے آخر میں وتر پڑھنا افضل ہے، خواہ وہ تہجد کے نوافل پڑھ کر وتر پڑھتا ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا اور خواہ وہ تہجد نہ پڑھتا ہو، صرف وتر پڑھتا ہو، جیسا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا عمل تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وتر اکیلا بھی پڑھا جا سکتا ہے، اس سے پہلے دو یا چار رکعتیں پڑھنا ضروری نہیں۔
2 یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ [المائدة: ٢] کی تعمیل کی ایک مثال ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر والوں کو افضل کام کی ترغیب دے، کیونکہ وتر رات کے آخر حصے میں پڑھنا افضل ہے، ضروری نہیں۔

البتہ اگر آدمی کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت رات کے آخر حصے میں اُٹھنا مشقت کا باعث ہو تو اسے رات کے ابتدائی حصے ہی میں وتر پڑھ لینے چاہییں۔

3 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز وتر اگرچہ فرض نہیں، مگر رسول اللہ ﷺ اس کی خاص تاکید فرماتے تھے، جیسا کہ صبح کی سنتیں اگرچہ فرض نہیں، مگر رسول اللہ ﷺ نے انھیں کبھی ترک نہیں کیا، خواہ سفر میں ہوتے یا گھر میں، وتر اور صبح کی سنتیں ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔

٤ - بَابٌ: لِيَجْعَلْ آخِرَ صَلَاتِهِ وِتْرًا

4۔ باب: اپنی نماز کے آخر کو وتر بنانا چاہیے

٩٩٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا» [راجع: ٤٧٢- أخرجه مسلم: ٧٤٩ ببعض معناه بلفظ مختلف: ٧٥١]

998۔ عبداللہ (بن عمر) ؓ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رات میں اپنی نمازوں کے آخر کو وتر بناؤ۔''

فوائد ومسائل: 1 رات کی نماز کے آخر کو وتر بنانے کا مقصد یہ ہے کہ ایک رکعت کے ساتھ اس سے پہلے پڑھی ہوئی ساری نماز وتر بن جائے۔ واضح رہے کہ یہ حکم استحباب کے لیے ہے، یعنی ایسے کرنا ضروری نہیں افضل ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے وتروں کے بعد دو رکعتیں پڑھنا ثابت ہے۔ اور یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ سب لوگوں کے لیے عام ہے، کیونکہ اگر آپ کے ساتھ خاص ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو تو وہ عمل ساری امت کے لیے عام ہوتا ہے۔ یہاں ثوبان ؓ سے مروی حدیث میں آپ ﷺ نے ساری امت کو شروع رات میں وتروں کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ ثوبان ؓ نے کہا: ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو آپ نے فرمایا: «إِنَّ هَذَا السَّفَرَ جَهْدٌ وَثِقَلٌ، فَإِذَا أَوْتَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ وَإِلَّا كَانَتَا لَهُ» [ابن خزيمة: ١١٠٦] ''یقیناً یہ سفر مشقت اور بوجھ ہے، تو جب تم میں سے کوئی وتر پڑھے تو دو رکعتیں پڑھ لے، پھر اگر وہ جاگ گیا تو بہتر ورنہ وہ دونوں ہی اس کے لیے (کافی) ہو جائیں گی۔'' ابن خزیمہ ؒ نے اس پر باب قائم کیا ہے کہ وتروں کے بعد جو شخص بھی نماز پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

2 کوئی شخص اگر شروع رات میں تہجد اور وتر یا صرف وتر پڑھ کر سو جائے، پھر رات کسی وقت اسے جاگ آ جائے اور وہ نماز پڑھنا چاہے تو کیا کرے؟ اس کے متعلق بعض اہل علم نے کہا کہ وہ پہلے ایک رکعت پڑھ کر رات والے پہلے وتر کو ختم کر کے جفت بنائے، پھر جتنی رکعتیں چاہے پڑھے اور آخر میں ایک رکعت وتر پڑھ لے، مگر یہ بات درست نہیں، اگرچہ بعض صحابہ کا یہ عمل آیا ہے۔ کیونکہ پہلے وتر اور بیدار ہونے کے بعد پڑھی گئی ایک رکعت کے درمیان بہت سے فاصلے ہو سکتے

ہیں، مثلاً کھانا پینا، قضائے حاجت اور نیند وغیرہ، اتنے فاصلوں کے بعد اس رکعت کو پہلے وتر کے ساتھ کیسے ملایا جا سکتا ہے؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ» [أبو داود: ١٤٣٩] ''ایک رات میں دو وتر نہیں۔'' اس روایت کو علامہ البانی نے صحیح کہا اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں کہا: ''رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالثَّلَاثَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ''۔ تو جب ایک رات میں دو بار وتر پڑھنا جائز نہیں تو تین بار وتر کیسے پڑھا جا سکتا ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ رات اگر وتر پڑھ کر سویا ہو، پھر اگر اسے جاگ آ جائے تو جتنے نوافل پڑھنا چاہے پڑھے، اسے وتر کو توڑنے کی یا ایک بار پھر وتر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ (ابن عثیمین)

٥ ۔ بَابُ الْوِتْرِ عَلَى الدَّابَّةِ

٩٩٩ ۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِطَرِيقِ مَكَّةَ، فَقَالَ سَعِيدٌ: فَلَمَّا خَشِيتُ الصُّبْحَ نَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ، ثُمَّ لَحِقْتُهُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: أَيْنَ كُنْتَ؟ فَقُلْتُ: خَشِيتُ الصُّبْحَ، فَنَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: أَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ؟ فَقُلْتُ: بَلَى وَاللّٰهِ! قَالَ: فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الْبَعِيرِ. [انظر: ١٠٠٠، ١٠٩٥، ١٠٩٦، ١٠٩٨، ١١٠٥- أخرجه مسلم: ٧٠٠]

5۔ باب: سواری پر وتر پڑھنا

999۔ سعید بن یسار سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ کے راستے میں چل رہا تھا۔ سعید کہتے ہیں کہ جب مجھے صبح ہونے کا خطرہ محسوس ہوا تو میں سواری سے اترا اور میں نے وتر کی نماز پڑھی، پھر ان سے جا ملا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: تم کہاں تھے؟ میں نے عرض کی: مجھے صبح کا خدشہ لاحق ہوا تو اتر کر وتر ادا کرنے لگا تھا۔ تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ میں اچھا نمونہ نہیں ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، اللہ کی قسم! انھوں نے کہا: پھر یقین کرو کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: 1 یہ حدیث باب میں مذکور عنوان کی دلیل ہے کہ وتر سواری پر پڑھنا جائز ہے، مگر سوال یہ ہے کہ نماز میں منہ کس طرف کرے؟ جواب یہ ہے کہ جس طرف جا رہا ہو اسی طرف منہ رکھے، اس کے لیے کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ صرف نوافل کی بات ہے، فرائض کے لیے سواری سے اترنا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ ہاں کشتی میں یہ ضروری نہیں۔

2 یہ حدیث دلیل ہے کہ وتر واجب نہیں، نہ حضر میں نہ سفر میں، نہ اس کے لیے جو تہجد باقاعدہ پڑھتا ہو اور نہ اس کے لیے

جو تہجد نہ پڑھتا ہو، البتہ اس میں شک نہیں کہ صبح کی سنتوں کی طرح اس کی تاکید بہت آئی ہے۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو اپنے ساتھیوں کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ کیا کرتے ہیں، جیسا کہ عبداللہ بن عمر ؓ نے سعید بن یسار پر نگاہ رکھی کہ وہ کیا کر رہے ہیں، پھر ان کی اصلاح کی۔ ہمارے امام رسول اللہ ﷺ بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے، ایک دفعہ ابوہریرہ ؓ کو غائب پایا، جب کہ وہ آپ کے ساتھ بازار میں چل رہے تھے تو انھیں فرمایا: "ابوہریرہ! تم کہاں تھے؟" انھوں نے کہا: میں جنبی تھا، اس لیے غسل کر کے آیا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ اس کی قوم میں مقام و مرتبہ عطا فرمائے اسے اپنے ساتھیوں کی دیکھ بھال رکھنی چاہیے اور ان کے احوال سے باخبر رہنا چاہیے، کیونکہ نبی ﷺ کا طریقہ یہی ہے۔

4 یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کسی کے مطالبے کے بغیر قسم کھانا جائز ہے، جیسا کہ سعید نے کہا: "بَلٰى وَاللّٰهِ!"

5 یہاں ایک سوال ہے کہ اسوۂ حسنہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کا جو کام کیا اور جو کام نہیں کیا سب میں آپ کی پیروی کی جائے، اگر آپ نے وہ کام کیا ہے تو کیا جائے اور اگر آپ نے ترک کیا ہے تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ یہاں اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ سواری پر وتر پڑھ لیا جائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔

٦ - بَابُ الْوِتْرِ فِي السَّفَرِ

6۔ باب: سفر میں نماز وتر ادا کرنا

١٠٠٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ، يُومِئُ إِيمَاءً، صَلَاةَ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَائِضَ، وَيُوتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ. [راجع: ٩٩٩- أخرجه مسلم: ٧٠٠]

1000۔ ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سفر میں اپنی اونٹنی پر رات کی نماز پڑھا کرتے تھے، وہ آپ کو لیے ہوئے جس طرف بھی منہ کرتی، آپ اشارے سے نماز پڑھتے، فرض نمازیں سواری پر نہیں پڑھتے تھے اور آپ اپنی اونٹنی پر وتر پڑھ لیتے تھے۔

فوائد ومسائل: 1 امام بخاری یہ باب اس لیے لائے ہیں کہ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ سفر میں سنن رواتب (نماز سے پہلے اور بعد کی رکعات) کی طرح وتر بھی نہیں پڑھنے چاہییں، یہ حضرات اس کی دلیل کے طور پر ابن عمر ؓ کا قول پیش کرتے ہیں کہ ابن عمر ؓ نے کہا: اگر میں سفر میں نفل پڑھنے والا ہوتا تو فرائض کو بھی پورا کر لیتا۔ [مسلم: ٦٨٩] حالانکہ ابن عمر ؓ کی ان نوافل سے مراد سنن رواتب (نماز سے پہلے اور بعد کی رکعتیں) ہیں، عام نوافل خواہ دن کے ہوں یا رات کے رسول اللہ ﷺ انھیں پڑھا کرتے تھے، مثلاً تہجد، وتر اور نماز استخارہ وغیرہ۔ تو امام بخاری ؒ نے ابن عمر ؓ ہی کی حدیث ذکر کر دی کہ نبی ﷺ سفر میں بھی وتر ادا کرتے تھے۔ معلوم ہوا ان کا معاملہ سنن رواتب والا نہیں، بلکہ وہ سفر میں بھی ادا کیے جائیں گے۔

2 دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ وتر واجب نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ واجب ہوتے تو نبی ﷺ انھیں سواری پر نہ پڑھتے، بلکہ دوسرے فرائض کی طرح زمین پر اتر کر پڑھتے۔

٧ ـ بَابُ الْقُنُوتِ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ

7۔ باب: رکوع سے پہلے اور اس کے بعد قنوت

١٠٠١ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، قَالَ: سُئِلَ أَنَسٌ: أَقَنَتَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الصُّبْحِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقِيلَ لَهُ: أَوَقَنَتَ قَبْلَ الرُّكُوعِ؟ قَالَ: بَعْدَ الرُّكُوعِ يَسِيرًا. [انظر: ١٠٠٢، ١٠٠٣، ١٣٠٠، ٢٨٠١، ٢٨١٤، ٣٠٦٤، ٣١٧٠، ٤٠٨٨، ٤٠٨٩، ٤٠٩٠، ٤٠٩١، ٤٠٩٢، ٤٠٩٤، ٤٠٩٥، ٤٠٩٦، ٦٣٩٤، ٧٣٤١ـ أخرجه مسلم: ٦٧٧ باختلاف]

1001۔ محمد (بن سیرین) سے روایت ہے کہ انس (بن مالک) ؓ سے سوال کیا گیا: کیا نبی ﷺ نے صبح کی نماز میں قنوت کی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں! اور ان سے پوچھا گیا: تو کیا آپ نے رکوع سے پہلے قنوت کی ہے؟ انھوں نے کہا: رکوع کے بعد تھوڑے دن کی ہے۔

١٠٠٢ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوتِ، فَقَالَ: قَدْ كَانَ الْقُنُوتُ، قُلْتُ: قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ؟ قَالَ: قَبْلَهُ، قَالَ: فَإِنَّ فُلَانًا أَخْبَرَنِي عَنْكَ أَنَّكَ قُلْتَ: بَعْدَ الرُّكُوعِ، فَقَالَ: كَذَبَ، إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا، أُرَاهُ كَانَ بَعَثَ قَوْمًا، يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّاءُ، زُهَاءَ سَبْعِينَ رَجُلًا إِلَى قَوْمٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ دُونَ أُولَئِكَ، وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَهْدٌ، فَقَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ شَهْرًا يَدْعُو عَلَيْهِمْ. [راجع: ١٠٠١ـ أخرجه مسلم: ٦٧٧]

1002۔ عاصم سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے انس بن مالک ؓ سے قنوت کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: ہاں! واقعی قنوت ہوئی تھی۔ میں نے کہا: رکوع سے پہلے یا اس کے بعد؟ انھوں نے کہا: رکوع سے پہلے۔ کہا: فلاں نے تو مجھے آپ کے متعلق یہ بتایا ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد کہا ہے۔ انھوں نے کہا: اس نے غلط کہا، رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد صرف ایک ماہ قنوت کی تھی، میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو بھیجا تھا، جنھیں قراء کہا جاتا تھا، یہ تقریباً ستر آدمی تھے، آپ نے انھیں کچھ مشرک لوگوں کی طرف بھیجا تھا (تو کچھ اور مشرکین نے انھیں قتل کر دیا)، یہ (قتل کرنے والے) ان لوگوں کے علاوہ تھے (جن کی طرف آپ نے ان قراء کو بھیجا تھا اور)

جن کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان عہد تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ قنوت کی، آپ ان کے خلاف دعا کرتے رہے۔

فائدہ: "إِلَى قَوْمٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ دُونَ أُولَئِكَ، وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدٌ" یہ عبارت واضح نہیں ہے، اس لیے حدیث کی دوسری سندوں کے الفاظ کو مدنظر رکھ کر ترجمہ کیا گیا ہے، تاکہ حدیث کو سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فتح الباری تحت حدیث (۴۰۹۶)۔

۱۰۰۳ - أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَنَتَ النَّبِيُّ ﷺ شَهْرًا يَدْعُو عَلَى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ.

[راجع: ۱۰۰۱ - أخرجه مسلم: ٦٧٧ باختلاف]

1003۔ انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ایک ماہ دعائے قنوت کی، آپ ﷺ رِعل اور ذکوان کے خلاف دعا کرتے رہے۔

۱۰۰٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ الْقُنُوتُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْفَجْرِ.

1004۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: قنوت مغرب اور فجر میں ہوئی تھی۔

فوائد: 1 قنوت کا لفظ متعدد معانی پر بولا جاتا ہے، یہاں مراد نماز میں رکوع سے پہلے یا بعد قیام کی حالت میں دعا ہے۔ زین بن المُنیّر نے کہا: بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ان لوگوں کا رد ہے جو دعائے قنوت کے قائل نہیں، بلکہ اسے بدعت کہتے ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ جب یہ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے تو کم از کم اس کے مستحب ہونے میں تو کوئی شبہ نہ رہا۔ 2 امام بخاری رحمہ اللہ قنوت کو وتر کے ابواب میں لائے ہیں، حالانکہ بعض احادیث میں صبح کی نماز میں قنوت کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کی بعض احادیث میں مطلق نماز میں قنوت کا ذکر ہے، فرض یا نفل کی کوئی قید نہیں، اس کے مطابق امام صاحب نے وتر میں قنوت کا ذکر کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث (۱۰۰۴) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قنوت مغرب اور فجر میں ہوئی تھی اور یہ بات ثابت ہے کہ نماز مغرب دن کا وتر ہے تو جب اس میں قنوت ثابت ہو گئی تو رات کے وتر میں بھی ثابت ہو گی، کیونکہ دونوں نمازیں وتر ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ نماز وتر میں صریح الفاظ میں قنوت کا حکم موجود ہے، چنانچہ سنن اربعہ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: «عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي الْوِتْرِ» "مجھے رسول اللہ ﷺ نے چند کلمات سکھائے کہ میں انھیں قنوتِ وتر میں کہوں۔" وہ کلمات یہ ہیں: «اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ،

وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ »[أبو داؤد : ۱٤۲٥۔ ترمذي : ٤٦٤۔ نسائي : ۱۷٤٥۔ ابن ماجه : ۱۱۷۸] ترمذی وغیرہ نے اسے صحیح کہا ہے، مگر چونکہ یہ بخاری کی شرط پر نہیں اس لیے وہ اسے یہاں نہیں لائے۔

3 رہا یہ مسئلہ کہ قنوت رکوع سے پہلے ہے یا بعد میں تو انس رضی اللہ عنہ سے یہی ثابت ہے کہ قنوت رکوع سے پہلے بھی ہے اور بعد میں بھی، جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ وہ رکوع سے پہلے بھی ہے اور بعد میں بھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: اس کی سند قوی ہے، البتہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی سب احادیث کو دیکھیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر قنوتِ نازلہ ہے، یعنی دشمن کے خلاف یا کسی حاجت کے لیے ہے تو وہ رکوع کے بعد ہے اور اگر عام معمول کی قنوت ہے تو وہ رکوع سے پہلے ہے۔ وتر میں بھی اگر قنوتِ نازلہ کا موقع ہے تو رکوع کے بعد ہو گی اور اگر عام دعائے قنوت ہے جو حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یعنی " اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ " وغیرہ تو وہ رکوع سے پہلے ہو گی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ یہ مباح اختلاف میں سے ہے، یعنی قنوت رکوع سے پہلے یا بعد دونوں طرح جائز ہے۔

[تَمَّ كِتَابُ الْوِتْرِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

١٥- كِتَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ
بارش کی دعا کی کتاب

١- بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ وَخُرُوجِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

1- باب: بارش کی دعا اور نبی ﷺ کا بارش کی دعا کے لیے نکلنا

١٠٠٥- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَسْقِي وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ.

[انظر : ١٠١١، ١٠١٢، ١٠٢٤، ١٠٢٣، ١٠٢٥، ١٠٢٦، ١٠٢٧، ١٠٢٨، ٦٣٤٣- أخرجه مسلم : ٨٩٤ بزيادة حين استقبل القبلة]

1005- عباد بن تمیم نے اپنے چچا سے روایت کی، انھوں نے کہا: نبی ﷺ بارش کی دعا کے لیے باہر نکلے اور آپ نے اپنی چادر کو پلٹا۔

فوائد ومسائل: 1 بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بارش کی دعا کے لیے کوئی نماز نہیں، صرف دعا کی جا سکتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح احادیث کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارش کی دعا کے لیے میدان میں نکل کر نماز پڑھی ہے اور چادر کو پلٹا ہے۔ تفسیر طبری اور ابن کثیر میں سورۂ نوح (۱۰، ۱۱) کی آیات: ﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا﴾ کی تفسیر میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ استسقا کے لیے نکلے تو انھوں نے استغفار سے زیادہ کچھ نہیں کیا اور واپس آ گئے۔ لوگوں نے پوچھا: امیر المومنین! ہم نے آپ کو بارش کی دعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا، تو انھوں نے کہا: میں نے آسمان کو حرکت دینے والی ان چیزوں کے ذریعے سے بارش طلب کی ہے جن کے ذریعے سے بارش کا سوال کیا جاتا ہے۔ پھر سورۂ نوح کی یہ آیت (۱۰، ۱۱): ﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ......﴾ اور سورۂ ہود کی آیت (۵۲): ﴿وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ......﴾ پڑھی۔ تفسیر طبری میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ شعبی سے بیان کیا گیا ہے، جس کی ملاقات عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں، اس لیے یہ واقعہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا اور امیر المومنین

سے یہ امید بھی نہیں کہ وہ بارش کی دعا کے لیے نکلے ہوں اور مسنون طریقہ پر نماز اور دعا کے بغیر صرف استغفار کر کے واپس آ گئے ہوں۔ اس کے برعکس صحیح بخاری (۱۰۱۰) میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بارش کی دعا کرنا اور عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروانا ثابت ہے۔ ہاں! یہ بات درست ہے کہ دعائے استسقا میں استغفار زیادہ سے زیادہ کرنا چاہیے، مگر ہر مقام پر استغفار اس طریقے سے کیا جائے گا جس طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور استسقا کے لیے استغفار کا طریقہ نماز پڑھنا، لوگوں کو وعظ کرنا، چادر پلٹنا اور اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرنا ہے۔

2 لغت میں استسقا کا معنی اپنے لیے یا کسی اور کے لیے کسی سے پانی پلانے کی درخواست کرنا ہے اور شرع میں قحط کے وقت خاص طریقے کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرنا ہے۔

3 عباد بن تمیم کے چچا مشہور صحابی عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ ہیں جن سے وضو کی حدیث مروی ہے۔ اس کی صراحت "بَابُ تَحْوِيلِ الرِّدَاءِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ" میں آ رہی ہے۔ چادر پلٹنے کی کیفیت وحکمت آگے آ رہی ہے۔

4 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے: اس سے مراد "مصلیٰ" کی طرف نکلنا ہے جہاں آپ عید اور جنازے پڑھایا کرتے تھے۔ یہ صراحت بھی اسی باب میں آئے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان سنہ ۶ ہجری میں "مصلیٰ" کی طرف نکلے تھے۔ (قسطلانی)

5 بارش کے لیے دعا مشہور ومعروف نماز ادا کر کے بھی ہو سکتی ہے اور خطبۂ جمعہ میں بھی، بلکہ ہر جگہ اور ہر وقت ہو سکتی ہے، سجدے کے دوران، نماز کے انتظار کے دوران اور اقامت اور اذان کے درمیان بھی ہو سکتی ہے۔ جب بھی بارش نہ ہو رہی ہو، قحط کے آثار ہوں تو استسقا مسنون ہے۔ علماء نے فرمایا: اگر دریاؤں کا پانی خشک یا کم ہو جائے تو اس کے لیے بھی دعائے استسقا کرنی چاہیے، جس طرح بارش نہ ہونے پر دعا کی جاتی ہے، کیونکہ یہ بھی قحط کے اسباب میں سے ہے۔ (ابن عثیمین)

٢ - بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ: «اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ»

2- باب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا کرنا: "اے اللہ! اس (پکڑ) کو ان پر قحط کے سال بنا دے جیسے یوسف علیہ السلام کے قحط کے سال تھے"

فائدہ "اِجْعَلْهَا" میں "ھا" ضمیر اس "وَطْأَةٌ" (شدید پکڑ) کی طرف جا رہی ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی: «اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ» "اے اللہ! مضر پر اپنی پکڑ سخت کر۔" ضمیر "ھا" "اِجْعَلْ" کا پہلا مفعول اور "سِنِينَ" دوسرا مفعول ہے۔ (فتح الباری)

١٠٠٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ

1006- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آخری رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو کہتے تھے: "یا اللہ! عیاش بن ربیعہ کو نجات دے، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو

الْآخِرَةِ يَقُولُ : « اَللّٰهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ » وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : « غِفَارُ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا، وَأَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ »

نجات دے، اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے، اے اللہ! کمزور، بے بس ایمان والوں کو نجات دے۔ اے اللہ! مُضَر پر اپنی پکڑ سخت کر، اے اللہ! اس (پکڑ) کو قحط کے سال بنا دے جیسے یوسف علیہ السلام کے قحط کے سال تھے۔" اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "قبیلۂ غفار، اللہ اسے بخشے اور قبیلۂ اسلم، اللہ اسے سلامت رکھے۔"

قَالَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيهِ : هٰذَا كُلُّهُ فِي الصُّبْحِ . [راجع : ٨٠٤ـ أخرجه مسلم : ٦٧٥، وأخرجه (٢٥١٥) القطعة الأخيرة]

ابن ابی الزناد نے اپنے والد سے بیان کیا: یہ سب کچھ صبح (کی نماز) میں تھا۔

فوائد ومسائل: 1 یہ حدیث (۷۹۷، ۸۰۴) میں گزر چکی ہے۔ اس حدیث میں قنوت کے اندر مومنوں کے حق میں اور کافروں کے خلاف دعا کا ذکر ہے اور باب میں بھی یہی بات ہے۔ باب اور حدیث کی مناسبت یہی ہے۔

2 یہ حدیث "كِتَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ" میں لانے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مومنوں کے حق میں دعا کرنا مشروع ہے ایسے ہی کفار کے خلاف قحط کی دعا بھی مشروع ہے، کیونکہ اس میں دونوں کا فائدہ ہے، مومنوں کا تو ظاہر ہی ہے، کفار کا اس لیے کہ مسلمانوں کے دشمن کمزور ہوں گے تو ہو سکتا ہے ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہو اور مسلمانوں سے ان کی عداوت میں بھی کچھ کمی آ جائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کے نتیجے میں وہ کافر لوگ نبی ﷺ کے پاس التجا لے کر آئے کہ آپ ان سے قحط دور کرنے کی دعا کریں، جیسا کہ دوسری حدیث میں آ رہا ہے۔ مناسبت کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ نماز میں کفار کے خلاف دعا کا تقاضا ہے کہ نماز میں مسلمانوں کے حق میں دعا کی جائے، اس سے نمازِ استسقا ثابت ہوئی۔

3 یہ حدیث قنوت کی دلیل ہے اور اس بات کی بھی کہ کسی معین قوم کے خلاف اور معین لوگوں کے حق میں قنوت کی جا سکتی ہے۔ اس سے نماز میں نہ کوئی خلل آتا ہے نہ وہ باطل ہوتی ہے۔

4 یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ یہ قنوت آخری رکوع سے سر اُٹھا کر کرتے تھے، یعنی آپ صبح کی دوسری رکعت، ظہر، عصر اور عشاء کی چوتھی رکعت اور مغرب کی تیسری رکعت کے رکوع کے بعد قنوت کیا کرتے تھے۔

5 عیاش بن ربیعہ، سلمہ بن ہشام اور ولید بن ولید رضی اللہ عنہم قریش مکہ میں سے تھے، مسلمان ہو گئے تو ان کے رشتہ داروں نے انھیں قید کر لیا اور طرح طرح سے اسلام سے واپس لانے کی کوشش کی۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے انھیں رہائی ملی اور وہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔

6 غِفَارُ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا، وَأَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ : یہ دونوں جملے خبر بھی ہو سکتے ہیں اور دعا بھی۔ میں نے دعائیہ فقرے کا

ترجمہ کیا ہے۔ خبر کی صورت میں ترجمہ ہوگا: ''غفار قبیلہ، اللہ نے اسے بخش دیا اور اسلم قبیلہ کو اللہ نے سلامت رکھا۔'' خبر یا دعا دونوں صورتوں میں آپ ﷺ نے ''غفار'' اور ''اسلم'' کے الفاظ کو ملحوظ رکھا ہے اور ان سے مشتق الفاظ کے ساتھ خبر دی ہے یا دعا کی ہے۔

۱۰۰۷ ـ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ، فَقَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا رَأَى مِنَ النَّاسِ إِدْبَارًا، قَالَ: «اَللّٰهُمَّ سَبْعٌ كَسَبْعِ يُوسُفَ» فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ، حَتَّى أَكَلُوا الْجُلُودَ وَالْمَيْتَةَ وَالْجِيَفَ، وَيَنْظُرَ أَحَدُهُمْ إِلَى السَّمَاءِ، فَيَرَى الدُّخَانَ مِنَ الْجُوعِ، فَأَتَاهُ أَبُو سُفْيَانَ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّكَ تَأْمُرُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَبِصِلَةِ الرَّحِمِ، وَإِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوا، فَادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿إِنَّكُمْ عَآئِدُونَ ۝ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ﴾ [الدخان: ۱۰ ـ ۱۶] فَالْبَطْشَةُ يَوْمَ بَدْرٍ، وَقَدْ مَضَتِ الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ وَآيَةُ الرُّومِ. [انظر: ۱۰۲۰، ۴۶۹۳، ۴۷۶۷، ۴۷۷۴، ۴۸۰۹، ۴۸۲۰، ۴۸۲۱، ۴۸۲۲، ۴۸۲۳، ۴۸۲۴، ۴۸۴۵، وانظر في الدعوات، باب: ۵۸ ـ أخرجه مسلم: ۲۷۹۸]

1007۔ مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ نے لوگوں کا (اسلام سے) پیٹھ پھیرنا دیکھا تو دعا کی: ''اے اللہ! یوسف کے سات سالوں جیسے سات سال (ان پر مسلط فرما دے)۔'' تو انھیں ایسے قحط نے آ پکڑا جس نے ہر (اُگنے والی) چیز برباد کر دی، یہاں تک کہ وہ چمڑے، مردار اور لاشیں تک کھا گئے۔ ان میں سے کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تو بھوک کی وجہ سے اسے دھواں نظر آتا۔ تو ابوسفیان آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے محمد! آپ اللہ کی فرماں برداری اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو چکی، اس لیے آپ ان کے لیے اللہ سے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''سو انتظار کر جس دن آسمان ظاہر دھواں لائے گا'' سے لے کر ''بے شک تم دوبارہ وہی کچھ کرنے والے ہو۔ جس دن ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے'' تک۔ چنانچہ ''اَلْبَطْشَةُ'' (پکڑ) بدر کے دن تھا اور ''اَلدُّخَانُ'' (دھواں) اور ''اَلْبَطْشَةُ'' (پکڑ) اور ''اَللِّزَامُ'' (چمٹنے والا عذاب) اور روم کی آیت (چاروں) گزر چکے۔

فوائد 1 عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جن چار چیزوں کے متعلق کہا کہ وہ واقع ہو چکیں ان میں سے سورۂ روم کی ابتدائی آیات: ﴿غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِيٓ أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّنۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ﴾ [الروم: ۲، ۳] میں رومیوں کے

مغلوب ہونے کے بعد غالب آنے کی پیش گوئی تو بالاتفاق پوری ہو چکی۔ باقی تین چیزوں میں سے " الدُّخَانُ " سے مراد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک قحط کی وجہ سے کفارِ قریش کو ہر طرف نظر آنے والا دھواں ہے۔ اس کی دلیل انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴾ [الدخان : ۱۵] " بے شک ہم یہ عذاب تھوڑی دیر کے لیے دور کرنے والے ہیں، بے شک تم دوبارہ وہی کچھ کرنے والے ہو۔" اس سے معلوم ہوا کہ دھوئیں کا وہ عذاب کچھ دیر کے لیے دور ہونے والا ہوگا، ظاہر ہے قیامت کے دن کا عذاب تو دور ہونے والا نہیں۔ اس لیے اس سے مراد قحط کی وجہ سے نظر آنے والا دھواں ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ دلیل واقعی مضبوط ہے، ان کے کہنے کے مطابق سورۂ دخان کی آیت (۱۶) میں " الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى " سے مراد یوم بدر ہے اور سورۂ فرقان کی آیت (۷۷) میں " فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا " سے مراد بھی بدر ہے۔ یعنی " فَسَوْفَ يَكُوْنُ الْقَتْلُ لِزَامًا " یعنی عن قریب قتل چمٹ جانے والا ہوگا اور یہ سب واقع ہو چکے ہیں۔ بعض مفسرین نے " الدُّخَانُ "، " الْبَطْشَةُ " اور " اللِّزَامُ " کو قیامت کے دن کے متعلق قرار دیا ہے۔ امید ہے کہ " کتاب التفسیر " میں ان آیات پر قدرے مفصل بات آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

2 " اَلْجُلُوْدُ " " اَلْجِلْدُ " کی جمع ہے: چمڑے۔ " الْمَيْتَةُ " مردار جس میں جان نہ ہو۔ " اَلْجِيَفُ " (جیم کے کسرہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ) " جِيْفَةٌ " کی جمع ہے۔ یہ مردار سے خاص ہے، یعنی مردار جب بدبودار ہو جائے۔

٣- بَابُ سُؤَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ الْاِسْتِسْقَاءَ إِذَا قَحَطُوا

3۔ باب: لوگوں کا قحط میں مبتلا ہونے کے وقت امام سے بارش کی دعا کے لیے درخواست کرنا

١٠٠٨ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ أَبِي طَالِبٍ ـ

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

[انظر: ١٠٠٩]

1008۔ عبداللہ بن دینار نے کہا کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا وہ ابو طالب کا یہ شعر پڑھ رہے تھے: " وہ گورے رنگ والا جس کے چہرے کے واسطے سے بارش کی دعا کی جاتی ہے، وہ یتیموں کا سہارا، بیواؤں کا محافظ ہے۔"

١٠٠٩ - وَقَالَ عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنَا سَالِمٌ، عَنْ أَبِيهِ، رُبَّمَا ذَكَرْتُ قَوْلَ الشَّاعِرِ، وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَسْقِي، فَمَا يَنْزِلُ حَتَّى يَجِيشَ كُلُّ

1009۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: بہت دفعہ مجھے شاعر کا شعر اس وقت یاد آیا جب میں نبی ﷺ کو بارش کی دعا کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا، تو آپ

ميزاب ـ

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

وَهُوَ قَوْلُ أَبِي طَالِبٍ . [راجع : ١٠٠٨]

منبر سے نہیں اترتے تھے یہاں تک کہ ہر پرنالہ جوش میں آ جاتا (وہ شعر یہ ہے): ''وہ گورے رنگ والا جس کے چہرے کے واسطے سے بارش کی دعا کی جاتی ہے، یتیموں کا سہارا، بیواؤں کا محافظ ہے۔''

یہ ابو طالب کا کلام ہے۔

١٠١٠ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُثَنَّى، عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ: فَيُسْقَوْنَ . [انظر : ٣٧١٠]

1010۔ انس ؓ سے روایت ہے کہ جب قحط پڑتا تو عمر بن خطاب ؓ عباس بن عبد المطلب ؓ سے بارش کی دعا کی درخواست کرتے اور کہتے: اے اللہ! ہم تیرے نبی کے واسطے سے تیرا قرب حاصل کرتے تھے تو تو ہمیں بارش عطا کرتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کے واسطے سے تیرا قرب حاصل کرتے ہیں سو تو ہمیں بارش عطا فرما۔ انس ؓ نے کہا: تو ان پر بارش برسائی جاتی تھی۔

فوائد: 1 نبی ﷺ کے واسطے سے بارش کی دعا کا مطلب آپ سے بارش کی دعا کی درخواست کرنا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اس طرح دعا کی جائے کہ یا اللہ! اپنے نبی کے واسطے سے یا آپ کے طفیل سے بارش عطا فرما، یعنی نبی ﷺ کے واسطے سے مراد آپ کی ذات کا واسطہ نہیں بلکہ آپ کی دعا کا واسطہ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عمر بن خطاب ؓ اپنے عہد حکومت میں قحط کے موقع پر بارش کی دعا کے لیے نکلتے تو ان الفاظ میں دعا کرتے: ''اے اللہ! ہم تیرے نبی کے واسطے سے تیرا قرب حاصل کرتے تھے تو تو ہمیں بارش عطا کرتا تھا، اب ہم اپنے نبی کے چچا کے واسطے سے تیرا قرب حاصل کرتے ہیں سو تو ہمیں بارش عطا فرما۔'' مصنف عبد الرزاق (۹۲/۳، ح: ۴۹۱۳) میں ہے کہ پھر عمر ؓ عباس ؓ سے کہتے: «قُمْ فَاسْتَسْقِ» ''اٹھیں اور بارش کی دعا کریں۔'' اگر ذات کا واسطہ مراد ہوتا تو نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی وہ یہ کہتے کہ یا اللہ! ہمیں اپنے نبی کے واسطے سے بارش عطا فرما، جیسا کہ آج کل وسیلے کا یہ مطلب سمجھنے والے نبی ﷺ کے واسطے سے اور آپ کے بعد متعدد حضرات کی ذات کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ کسی کی ذات یا جاہ یا حرمت یا حق کے وسیلے سے دعا کرنا بدعت ہے، قرآن مجید یا صحیح احادیث کی کسی دعا میں ایسے وسیلے کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ اگر یہ سمجھا جائے کہ بزرگوں کا وسیلہ پیش کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو بزرگ اللہ تعالیٰ سے وہ کام کروا دیتے ہیں، یا اللہ کو وہ کام کرنا ہی پڑتا ہے تو یہ شرک ہے۔ قرآن و سنت کی رو سے جائز وسیلہ کی صرف تین صورتیں ہیں: ① اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء

وصفات کے واسطے سے دعا کی جائے، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ [الأعراف : ۱۸۰] ''اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، سو ان کے واسطے سے اسے پکارو۔'' ② اپنے کسی نیک عمل کا واسطہ دے کر دعا کرنا، جیسا کہ سورۂ فاتحہ (۵) میں ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے '' اُولُوا الْاَلْبَابِ '' کی دعا ذکر فرمائی: ﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ [آل عمران : ۱۹۳] ''اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک آواز دینے والے کو سنا، جو ایمان کے لیے آواز دے رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! پس ہمیں ہمارے گناہ بخش دے اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ فوت کر۔'' اور جس طرح غار میں پھنسنے والے تین آدمیوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے عمل کے واسطے سے دعا کی۔ ③ کسی زندہ شخص سے دعا کروانا، جیسا کہ صحابہ نبی ﷺ کی زندگی میں آپ سے دعا کرواتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کروائی۔

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ابن ابی شیبہ (۳۵۶/۲، ح: ۳۲۰۰۲) نے صحیح سند کے ساتھ '' أَبُوْ صَالِحِ السَّمَّانُ، عَنْ مَالِكِ الدَّارِيِّ '' کی روایت سے جو عمر رضی اللہ عنہ کے خازن تھے، بیان کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط پڑ گیا تو ایک آدمی نبی ﷺ کی قبر پر گیا اور اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کریں، کیونکہ وہ ہلاک ہو گئے۔ تو اس آدمی کے پاس خواب میں کوئی آیا اور اس نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ (اور ان سے کہو کہ دعائے استسقا کریں)۔ اور سیف نے ''المفتوح'' میں روایت کی ہے کہ یہ خواب دیکھنے والے بلال بن حارث مزنی صحابی رسول تھے۔ (فتح الباری) اس پر شیخ عبد العزیز ابن باز رحمہ اللہ نے تعلیق میں لکھا ہے: ''یہ اثر، اگر اسے صحیح بھی فرض کریں، نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے بارش کی دعا کروانے کی دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ سائل مجہول ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے خلاف ہے جو سب لوگوں سے زیادہ شرع کو جاننے والے تھے، ان میں سے کسی نے بھی آپ کی قبر کے پاس جا کر آپ سے بارش یا کسی اور چیز کی دعا کرنے کی درخواست نہیں کی، بلکہ جب قحط پڑا تو عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی اور کسی صحابی نے ان کے اس عمل کا انکار نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہی حق ہے اور اس آدمی نے آپ کی قبر پر جا کر جو کام کیا غلط اور شرک کا ذریعہ ہے، بلکہ بعض اہل علم نے تو اسے شرک کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ رہی سیف کی مذکورہ روایت جس میں سائل کا نام بلال بن حارث بتایا گیا ہے تو اس کے صحیح ہونے میں نظر ہے (کیونکہ سیف راوی خود متکلم فیہ ہے اور) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سیف سے اس کی سند بھی ذکر نہیں کی۔ اسے صحیح بھی فرض کریں تو یہ دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے خلاف ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کا علم زیادہ رکھنے والے ہیں۔ واللہ اعلم!''

3 ابن سعد وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ قحط کا یہ سال عام الرمادہ (راکھ کا سال) کہلاتا ہے، کیونکہ قحط کی شدت کی وجہ سے ہر طرف غبار پھیل گیا تھا۔ یہ سنہ ۱۸ ہجری میں حاجیوں کی واپسی کے ساتھ شروع ہوا اور نو مہینے جاری رہا۔ زبیر بن بکار نے اپنی کتاب ''الانساب'' میں اپنی سند کے ساتھ (اور ابو بکر الدینوری نے '' المجالسة و جواهر العلم : ۷۲۷ '' میں اپنی

سند کے ساتھ) ذکر کیا ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا مانگنے کے لیے کہا تو انھوں نے کہا: « اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ إِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ يُكْشَفْ إِلَّا بِتَوْبَةٍ وَقَدْ تَوَجَّهَ الْقَوْمُ بِيْ إِلَيْكَ لِمَكَانِيْ مِنْ نَبِيِّكَ وَهٰذِهِ أَيْدِيْنَا إِلَيْكَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِيْنَا إِلَيْكَ بِالتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ » ''اے اللہ! کوئی مصیبت گناہ کے بغیر نازل نہیں ہوئی اور توبہ کے بغیر دور نہیں ہوئی اور یہ لوگ مجھے تیرے نبی کے ساتھ میرے تعلق کی وجہ سے تیرے حضور لے آئے ہیں اور یہ ہمارے ہاتھ گناہوں کو لیے ہوئے تیری طرف اُٹھے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے ساتھ تیرے سامنے حاضر ہیں، سو تو ہمیں بارش عطا فرما۔'' تو آسمان سے پہاڑوں جیسے بادل آ کر برسنے لگے، یہاں تک کہ زمین سرسبز ہوگئی اور لوگوں کی زندگی لوٹ آئی۔ اور زبیر بن بکار نے ہی " دَاوُدُ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ " کی سند سے بیان کیا ہے کہ ''عام الرمادہ'' میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کروائی۔ پھر ساری حدیث ذکر کی، اس میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور کہا: رسول اللہ ﷺ عباس رضی اللہ عنہ کے لیے وہی مرتبہ سمجھتے تھے جو بیٹا باپ کے لیے سمجھتا ہے، تو اے لوگو! تم بھی عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرو اور انھیں اللہ کی طرف وسیلہ بناؤ۔ اس حدیث میں ہے کہ پھر وہ دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بارش عطا فرما دی۔ (فتح الباری)

4 اس واقعہ سے اللہ کے نیک بندوں سے اور رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیت سے دعا کروانے کا ثبوت ملتا ہے، اس کے علاوہ اس سے عباس رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہے اور عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی کہ انھوں نے کس طرح عباس رضی اللہ عنہ کا حق پہچانا اور ان کے سامنے تواضع کا اظہار کیا۔

٤ - بَابُ تَحْوِيلِ الرِّدَاءِ فِي الِاسْتِسْقَاءِ

4۔ باب: استسقا میں چادر کو پھیرنا

١٠١١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ ابْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَسْقَى فَقَلَبَ رِدَاءَهُ. [راجع: ١٠٠٥۔ أخرجه مسلم: ٨٩٤]

1011۔ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بارش کی دعا کی اور اپنی چادر کو پلٹا۔

١٠١٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: أَنَّهُ سَمِعَ عَبَّادَ ابْنَ تَمِيمٍ، يُحَدِّثُ أَبَاهُ عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى فَاسْتَسْقَى فَاسْتَقْبَلَ

1012۔ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مصلیٰ (عیدگاہ) کی طرف نکلے اور بارش کی دعا کی۔ چنانچہ آپ نے قبلے کی طرف منہ کیا اور اپنی چادر کو پلٹا اور دو رکعتیں پڑھیں۔

الْقِبْلَةَ وَقَلَبَ رِدَاءَهُ، وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ .

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ : كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ يَقُولُ : هُوَ صَاحِبُ الْأَذَانِ، وَلٰكِنَّهُ وَهْمٌ ، لِأَنَّ هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ الْمَازِنِيُّ ، مَازِنُ الْأَنْصَارِ . [راجع : ١٠٠٥ـ أخرجه مسلم : ٨٩٤]

ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: ابن عیینہ کہا کرتے تھے کہ یہ عبداللہ بن زید اذان والے ہیں، لیکن انھیں وہم ہو گیا، کیونکہ یہ عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی ہیں جو انصار کے بنو مازن سے ہیں (اور اذان والے عبداللہ بن زید بن عبد ربہ ہیں)۔

فوائد: 1 واقدی نے ذکر کیا ہے کہ آپ کی اوپر لینے والی چادر چھ ہاتھ لمبی اور چار ہاتھ چوڑی تھی اور آپ کا تہ بند چار ہاتھ اور دو بالشت لمبا اور دو ہاتھ اور ایک بالشت چوڑا تھا، آپ انھیں جمعہ اور عید میں پہنا کرتے تھے۔ اور ابن بزیزہ کی "شرح الاحکام" میں ہے کہ اوپر کی چادر کا ماپ وہ تھا جو واقدی نے تہ بند کا ذکر کیا ہے، مگر پہلی بات اولیٰ ہے۔ (فتح الباری) (واللہ اعلم)

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استسقا میں چادر کو پلٹنا سنت ہے۔ اس کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ نیچے کا حصہ اوپر اور اوپر کا نیچے ہو جائے اور دائیں طرف کا حصہ بائیں طرف اور بائیں طرف کا حصہ دائیں طرف ہو جائے۔ اسی طرح اندر کا حصہ باہر اور باہر کا اندر ہو جائے، اسے "تنکیس" کہتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دایاں حصہ بائیں کندھے پر اور بایاں دائیں کندھے پر ہو جائے، اسے قلب یا تحویل کہتے ہیں۔ ابو داؤد میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارش کی دعا کی تو آپ پر سیاہ چادر تھی، آپ نے ارادہ کیا کہ نیچے کا حصہ پکڑ کر اسے اوپر کریں، ایسا کرنا بھاری محسوس ہوا تو آپ نے کندھوں ہی پر اسے بدل لیا۔ [أبو داوٗد : ١١٦٤، صحيح] اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی چادر کی "تنکیس" کر لے تو ٹھیک ہے، کیونکہ آپ نے اس کا ارادہ کیا تھا اور اگر کندھوں ہی پر بدل لے تو زیادہ ٹھیک ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا عمل یہ ہے۔

3 ہمارے لیے چادر بدلنے کا اصل باعث تو رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے چادر بدلی تو ہمیں بھی بدلنی چاہیے۔ اس کے علاوہ علماء نے اس کی حکمت فال لینا بیان کی ہے کہ چادر بدلنے کی طرح قحط کی حالت بھی خوشحالی اور بارش میں بدل جائے۔ بعض نے کہا کہ بارش کے لیے زبان سے دعا کے ساتھ یہ فعلی دعا ہے کہ یا اللہ! ہماری حالت کو اس طرح بدل دے۔ تیسری بات یہ ہے کہ قحط کا سبب گناہ ہوتے ہیں اور خوشحالی کا سبب توبہ ہے تو زبان کے ساتھ توبہ و استغفار کے علاوہ یہ عمل کے ساتھ عہد ہے کہ یا اللہ! ہم اپنی بدعملی کو نیک عمل میں بدلنے کا عہد کرتے ہیں، تو ہمارے قحط کو خوشحالی میں بدل دے۔

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ نماز استسقا سے پہلے ہوگا، کیونکہ الفاظ یہ ہیں: « خَرَجَ إِلَى الْمُصَلّٰى فَاسْتَسْقَى فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، وَقَلَبَ رِدَاءَهُ، وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ » یعنی آپ ﷺ مصلی کی طرف نکلے اور بارش کی دعا کی، پھر قبلہ کی

طرف منہ کیا اور اپنی چادر بدلی اور دو رکعتیں پڑھیں۔ بہر حال اس میں وسعت ہے، اگر میدان میں پہنچ کر ٹھہرے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرے، پھر دو رکعتیں پڑھے تو کوئی حرج نہیں اور اگر پہلے دو رکعتیں پڑھے، پھر خطبہ دے تب بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ صحیح احادیث میں یہ بھی آیا ہے۔ (ابن عثیمین)

٥۔ بَابُ انْتِقَامِ الرَّبِّ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ خَلْقِهِ بِالْقَحْطِ إِذَا انْتُهِكَتْ مَحَارِمُ اللّٰهِ

5۔ باب: رب عز وجل کا اپنی مخلوق سے انتقام لینا جب اللہ کی حرمتوں کو چاک کیا جائے

فائدہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ باب صرف حموی کی روایت میں اسی طرح کسی حدیث یا اثر کے بغیر آیا ہے۔ ابن رشید نے کہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ باب الگ ٹکڑے میں تھا، اس لیے دوسرے راویوں نے اسے چھوڑ دیا۔ بخاری نے باب اس لیے لکھا تھا کہ اس میں کوئی حدیث درج کریں گے، مگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے درج نہ کر سکے۔ اس باب کے سب سے زیادہ مناسب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو استسقا کے دوسرے باب میں ہے، بخاری اسے یہاں کسی اور سند کے ساتھ لانا چاہتے تھے، مگر موقع نہیں ملا۔ (فتح الباری) یا باب لا کر اشارہ کیا ہے کہ اس کے لیے خود حدیث تجویز کرو، یعنی "تَشْحِيذُ الْأَذْهَانِ" مقصود ہے اور وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

٦۔ بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ

6۔ باب: جامع مسجد میں بارش کی دعا کرنا

١٠١٣۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو ضَمْرَةَ أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ أَبِي نَمِرٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَذْكُرُ: أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ بَابٍ كَانَ وِجَاهَ الْمِنْبَرِ وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ، فَاسْتَقْبَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَائِمًا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هَلَكَتِ الْمَوَاشِي وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللّٰهَ يُغِيثُنَا، قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ فَقَالَ: «اللّٰهُمَّ اسْقِنَا، اللّٰهُمَّ اسْقِنَا، اللّٰهُمَّ اسْقِنَا» قَالَ أَنَسٌ: وَلَا وَاللّٰهِ! مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَلَا قَزَعَةً وَلَا شَيْئًا، وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ بَيْتٍ وَلَا دَارٍ، قَالَ:

1013۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے ذکر کیا کہ ایک آدمی جمعہ کے دن اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر کے سامنے تھا، جب کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔ تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! مویشی ہلاک ہو گئے اور راستے کٹ گئے، اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہا: "اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما۔" انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! ہم آسمان میں کوئی بادل یا کوئی ٹکڑا یا کوئی چیز نہیں دیکھ رہے تھے اور ہمارے اور سلع

فَطَلَعَتْ مِنْ وَرَائِهِ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ، فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَاءَ انْتَشَرَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ، قَالَ : وَاللّٰهِ ! مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سِتًّا، ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذٰلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ، فَاسْتَقْبَلَهُ قَائِمًا، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللّٰهَ يُمْسِكْهَا، قَالَ : فَرَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ : « اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالْجِبَالِ وَالْآجَامِ وَالظِّرَابِ وَالْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ » قَالَ : فَانْقَطَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِي فِي الشَّمْسِ .

پہاڑی کے درمیان کوئی مکان تھا نہ کوئی حویلی، تو سلع پہاڑی کے پیچھے سے ڈھال جتنی ایک بدلی نکلی، جب وہ آسمان کے درمیان پہنچی تو پھیل گئی، پھر وہ برسنے لگی۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے چھ دن سورج نہیں دیکھا، پھر اگلے جمعے اسی دروازے سے ایک آدمی داخل ہوا، جب کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے، تو وہ آپ کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا: یا رسول اللہ! مال مویشی ہلاک ہو گئے اور راستے کٹ گئے، آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ اسے روک دے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھا دیے اور کہا: ''اے اللہ! ہمارے اردگرد (برسا) اور ہم پر نہ برسا، یا اللہ! ٹیلوں پر، پہاڑوں پر اور جہاں درختوں کے جھنڈ ہیں اور پھیلے ہوئے پہاڑوں پر اور وادیوں پر اور جہاں درخت اُگتے ہیں (وہاں بارش برسا)۔'' تو ہم سے بارش رک گئی اور ہم نکل کر دھوپ میں چلنے لگے۔

قَالَ شَرِيكٌ : فَسَأَلْتُ أَنَسًا أَهُوَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ ؟ قَالَ : لَا أَدْرِي . [راجع : ٩٣٢ ـ أخرجه مسلم : ٨٩٧]

شریک نے کہا: میں نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا یہ وہی پہلا آدمی تھا؟ انھوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔

فوائد و مسائل 1 اس حدیث کے بعض فوائد (٩٣٢) میں گزر چکے ہیں، بعض یہاں بیان کیے جاتے ہیں، یہاں رسول اللہ ﷺ کی دعا کے الفاظ " اِسْقِنَا " آئے ہیں، اس کے بعد والی حدیث میں " أَغِثْنَا " کے آئے ہیں، ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات راوی ایک ہی معنی ادا کرنے والا دوسرا لفظ بھی لے آتے ہیں جس سے معنی میں کوئی فرق نہ پڑے۔ اسے روایت بالمعنی کہتے ہیں اور یہ بالاتفاق صحیح ہے، ورنہ عربی الفاظ کا ترجمہ دوسری کسی زبان میں جائز ہی نہیں ہوگا۔ تو جب دوسری زبان میں ترجمہ ہو سکتا ہے تو عربی میں ایک لفظ کی جگہ اسی مفہوم کا دوسرا لفظ کیوں نہیں لایا جا سکتا۔ قرآن مجید میں بھی ایک ہی واقعہ کے لیے ایک جگہ کچھ الفاظ آتے ہیں، دوسری جگہ کچھ اور۔ پھر ان لوگوں کی زبان بھی جن کے اقوال ذکر ہوئے ہیں عربی نہیں تھی۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگرچہ استسقا کے لیے میدان میں نکلنا، خطبہ، دعا، چادر بدلنا اور نمازِ استسقا مسنون ہے، مگر بعض اوقات جامع مسجد میں خطبہ کے دوران بھی دعا کی جا سکتی ہے۔ امام صاحب اس کے لیے آگے مستقل دو تین باب بھی لائے ہیں۔

3 اس حدیث میں دورانِ خطبہ بارش مانگنے کے لیے اور بارش روکنے کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی دلیل بھی ہے۔ اس حدیث کی بعض روایات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام حاضرین کے ہاتھ اٹھانے کا بھی ذکر ہے، جیسا کہ "بَابُ رَفْعِ النَّاسِ أَيْدِيَهُمْ مَعَ الْإِمَامِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ" کی حدیث (۱۰۲۹) میں آ رہا ہے۔

4 بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، مگر جب تکلیف کا باعث بن جائے تو اسے روکنے کی دعا بھی کی جا سکتی ہے، مگر اس میں اس ادب کو ملحوظ رکھنا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اختیار فرمایا کہ سائل کے یہ کہنے کے باوجود کہ بارش روکنے کی دعا کریں آپ نے بارش بالکل بند کرنے کی دعا نہیں کی، بلکہ یہ دعا کی کہ یا اللہ! ہم سے بارش روک کر وہاں برسا جہاں ضرورت ہے۔

5 "اَلْآكَامُ" "أَكَمَةٌ" کی جمع ہے: مٹی کا ٹیلہ۔ "اَلظِّرَابُ" "ظَرِبٌ" (راء کے کسرہ کے ساتھ) کی جمع ہے: پھیلا ہوا پہاڑ جو اونچا نہ ہو۔ "اَلْآجَامُ" "أَجَمَةٌ" کی جمع ہے: درختوں کا جھنڈ۔

6 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا تین بار کرنی چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار "اِسْقِنَا" کہا۔

7 خطبہ جمعہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی جا سکتی ہے، مگر یہ بارش مانگنے یا روکنے ہی کے لیے ثابت ہے، اس کے علاوہ کسی مقصد کے لیے ثابت نہیں۔

8 اس میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانی بھی ہے کہ دعا کے ساتھ ہی منبر سے اترنے سے پہلے بدلی اٹھی، پھیلی، پھر بری اور ایسی زبردست بارش شروع ہوئی کہ جوانوں کو بھی گھر پہنچنا مشکل معلوم ہونے لگا۔

9 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بارش اور کائنات کے دوسرے معاملات رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں نہیں تھے، ورنہ آپ بادل کو حکم دیتے کہ حاضر ہو جا اور برسنے لگ جا، بلکہ آپ نے اللہ تعالیٰ ہی سے بارش کی دعا کی، پھر روکنے کی بھی اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کی اور یہ دعا لفظی بھی تھی کہ "حَوَالَيْنَا" اور فعلی بھی کہ ہاتھ کے اشارے کے ساتھ بھی دعا کی جو ساتھ ہی ساتھ قبول ہوئی اور آپ نے جدھر اشارہ کیا بادل چھٹتا گیا۔ خود آپ کا اس میں کچھ اختیار نہ تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ [آل عمران : ۱۲۸] "تیرے اختیار میں اس معاملے سے کچھ بھی نہیں۔" ہاں! جب آپ زندہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو جتنی طاقت دی تھی اس کے مطابق آپ لوگوں کی مدد فرماتے تھے اور یہ ہر ایک کو حکم ہے، فرمایا: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ [المائدۃ : ۲] "اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔"

۷ - بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ فِي خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةِ

7۔ باب: جمعہ کے خطبہ میں قبلہ کی طرف منہ کیے بغیر بارش کی دعا کرنا

۱۰۱۴ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا

1014۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی

إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ : أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ جُمُعَةٍ مِنْ بَابٍ كَانَ نَحْوَ دَارِ الْقَضَاءِ وَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ، فَاسْتَقْبَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَائِمًا، ثُمَّ قَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللَّهَ يُغِيثُنَا، فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ : « اَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا، اَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا، اَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا » قَالَ أَنَسٌ : وَلَا وَاللَّهِ ! مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَلَا قَزَعَةً وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ بَيْتٍ وَلَا دَارٍ، قَالَ : فَطَلَعَتْ مِنْ وَرَائِهِ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ، فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَاءَ انْتَشَرَتْ، ثُمَّ أَمْطَرَتْ، فَلَا وَاللَّهِ ! مَا رَأَيْنَا الشَّمْسَ سِتًّا، ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذَلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ وَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ، فَاسْتَقْبَلَهُ قَائِمًا، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللَّهَ يُمْسِكْهَا عَنَّا، قَالَ : فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ : « اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالظِّرَابِ، وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ، وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ » قَالَ : فَأَقْلَعَتْ، وَخَرَجْنَا نَمْشِي فِي الشَّمْسِ .

جمعہ کے دن مسجد میں اس دروازے سے داخل ہوا جو دارالقضاء کی طرف تھا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔ تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! مال ہلاک ہو گئے اور راستے کٹ گئے، اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اُٹھا دیے، پھر کہا: ''اے اللہ! ہمیں بارش دے، اے اللہ! ہمیں بارش دے، اے اللہ! ہمیں بارش دے۔'' انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اور نہیں، اللہ کی قسم! ہم آسمان میں نہ بادل دیکھ رہے تھے نہ کوئی بادل کا ٹکڑا، نہ ہی ہمارے اور سَلْع پہاڑ کے درمیان کوئی مکان تھا نہ حویلی، تو اس کے پیچھے سے ڈھال جتنی ایک بدلی نکلی، جب وہ آسمان کے درمیان پہنچی تو پھیل گئی، پھر برسنے لگی، تو نہیں، اللہ کی قسم! ہم نے چھ دن سورج نہیں دیکھا۔ پھر (اگلے) جمعے ایک آدمی اسی دروازے سے آیا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے، تو وہ آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! مال مویشی ہلاک ہو گئے اور راستے کٹ گئے، اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ اس بارش کو ہم سے روک لے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ اُٹھا دیے، پھر کہا: ''اے اللہ! ہمارے اردگرد (برسا) اور ہم پر نہیں، اے اللہ! ٹیلوں پر، پھیلے ہوئے پہاڑوں پر، وادیوں کے نچلے حصوں میں اور جہاں درخت اُگتے ہیں (وہاں بارش برسا)۔'' انس رضی اللہ عنہ نے

کہا: تو بارش رک گئی اور ہم نکل کر دھوپ میں چلنے لگے۔

قَالَ شَرِيكٌ : سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ : أَهُوَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ ؟ فَقَالَ : مَا أَدْرِي . [راجع : ٩٣٢- أخرجه مسلم : ٨٩٧]

شریک نے کہا: میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا یہ وہی پہلا آدمی تھا؟ تو انھوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔

فائدہ اس حدیث کے فوائد پچھلی حدیث میں گزر چکے ہیں، باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت واضح ہے۔ اس حدیث میں ''دارالقضاء'' کا لفظ آیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں قاضی حضرات فیصلے کیا کرتے تھے، مگر صحیح یہ ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان پر قرض تھا، انھوں نے وصیت کی کہ میرا فلاں مکان فروخت کر کے قرض ادا کر دینا، اس لیے لوگ اسے پہلے ''دارِ قضاءِ دَین'' (قرض کی ادائیگی والا مکان) کہتے تھے، پھر مختصر کر کے ''دارالقضاء'' کہنے لگے۔ (فتح الباری)

٨ - بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ عَلَى الْمِنْبَرِ

8۔ باب: منبر پر بارش کی دعا کرنا

١٠١٥- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ : بَيْنَمَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! قَحَطَ الْمَطَرُ، فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَسْقِيَنَا، فَدَعَا فَمُطِرْنَا، فَمَا كِدْنَا أَنْ نَصِلَ إِلَى مَنَازِلِنَا، فَمَا زِلْنَا نُمْطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ، قَالَ : فَقَامَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَصْرِفَهُ عَنَّا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا » قَالَ : فَلَقَدْ رَأَيْتُ السَّحَابَ يَتَقَطَّعُ يَمِينًا وَشِمَالًا، يُمْطَرُونَ وَلَا يُمْطَرُ أَهْلُ الْمَدِينَةِ . [راجع : ٩٣٢- أخرجه مسلم : ٨٩٧ معلولًا]

1015۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس دوران میں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، جب آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! بارش کا قحط پڑ گیا ہے، آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے۔ تو آپ نے دعا کر دی اور بارش برسنے لگی، قریب نہ تھا کہ ہم اپنے گھروں میں پہنچ سکیں اور اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر وہی شخص یا کوئی اور کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کریں کہ اسے ہم سے ہٹا دے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''یا اللہ! ہمارے اردگرد (برسا) اور ہم پر نہیں۔'' تو میں نے بادل کو دیکھا کہ وہ دائیں اور بائیں طرف چھٹتا جاتا تھا، دوسرے لوگوں پر بارش ہو رہی تھی اور مدینہ والوں پر نہیں ہو رہی تھی۔

فائدہ اس حدیث کے فوائد بھی (٩٣٢) اور (١٠١٣) میں گزر چکے ہیں۔

٩ - بَابٌ: مَنِ اكْتَفَى بِصَلَاةِ الْجُمُعَةِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

9- باب: جو بارش کی دعا کے لیے نماز جمعہ پر اکتفا کرے

١٠١٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: هَلَكَتِ الْمَوَاشِي وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ، فَدَعَا، فَمُطِرْنَا مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ: تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِي، فَادْعُ اللّٰهَ يُمْسِكْهَا، فَقَامَ ﷺ فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالظِّرَابِ وَالْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ» فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِينَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ. [راجع: ٩٣٢، أخرجه مسلم: ٨٩٧ مطولاً]

1016- انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: مویشی ہلاک ہو گئے اور راستے کٹ گئے تو آپ نے دعا کی اور اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی، وہ پھر آیا اور اس نے کہا: مکان گر گئے، راستے کٹ گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے، آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ اسے روک دے تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ! ٹیلوں پر اور پھیلے ہوئے پہاڑوں پر اور وادیوں اور درختوں کے اُگنے کی جگہوں پر (برسا)۔" تو بادل مدینہ سے اس طرح پھٹ گیا جیسے کپڑا پھٹ جاتا ہے۔

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بارش کی دعا کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ میدان میں نکل کر نماز استسقا کی جگہ جمعہ کی نماز پر اکتفا کیا جائے اور خطبہ جمعہ میں دعا کی جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ میدان میں نکل کر نماز استسقا مسنون نہیں، بلکہ بارش کی دعا دونوں طرح مسنون ہے۔

١٠ - بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا تَقَطَّعَتِ السُّبُلُ مِنْ كَثْرَةِ الْمَطَرِ

10- باب: جب زیادہ بارش کی وجہ سے راستے منقطع ہو جائیں

١٠١٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هَلَكَتِ الْمَوَاشِي وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللّٰهَ، فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَمُطِرُوا مِنْ جُمُعَةٍ

1017- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! مویشی ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع ہو گئے، اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کر دی تو جمعہ سے جمعہ تک بارش ہوتی رہی، پھر ایک آدمی رسول اللہ ﷺ

إِلَى جُمُعَةٍ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «اَللّٰهُمَّ عَلَى رُؤُسِ الْجِبَالِ وَالْآكَامِ وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ» فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِينَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ. [راجع: ٩٣٢- أخرجه مسلم: ٨٩٧ مطولاً]

کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! مکان گر گئے، راستے منقطع ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''یا اللہ! پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور ٹیلوں پر اور وادیوں کے نچلے حصوں میں اور جہاں درخت اُگتے ہیں (وہاں بارش برسا)۔'' تو بادل مدینہ سے اس طرح پھٹ گیا جیسے کپڑا پھٹ جاتا ہے۔

فائدہ اس حدیث میں اور اس سے پہلے باب کی حدیث میں اختصار ہے، کیونکہ بعض اوقات راوی ایک حدیث بیان کرتا ہے اور جو چیزیں واضح ہوں انھیں حذف کر دیتا ہے، گویا وہ جو بات بیان کرنا چاہتا ہے اتنی بات بیان کر دیتا ہے۔ ایسا کرنا محدثین کے نزدیک جائز ہے، بشرطیکہ حذف شدہ چیز سے معنی میں کوئی خرابی نہ آتی ہو۔

١١- بَابُ مَا قِيلَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يُحَوِّلْ رِدَاءَهُ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

11۔ باب: جو کہا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے جمعہ کے دن استسقا میں چادر کو نہیں پلٹا

١٠١٨- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَافَى بْنُ عِمْرَانَ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ إِسْحَاقَ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ هَلَاكَ الْمَالِ وَجَهْدَ الْعِيَالِ، فَدَعَا اللَّهَ يَسْتَسْقِي، وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ حَوَّلَ رِدَاءَهُ وَلَا اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ. [راجع: ٩٣٢- أخرجه مسلم: ٨٩٧ مطولاً]

1018۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے پاس مال مویشی کے ہلاک ہونے اور بال بچوں کے مصیبت میں پڑ جانے کی شکایت کی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کی۔ یہاں راوی نے ذکر نہیں کیا کہ آپ نے اپنی چادر پلٹی ہو اور نہ یہ کہ آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا ہو۔

فائدہ اگرچہ عام قاعدہ یہ ہے کہ عدم ذکر سے نفی لازم نہیں ہوتی، مگر یہ قاعدہ ہر جگہ لاگو نہیں ہوتا، بلکہ ایسے مقام پر جہاں کسی چیز کے ذکر کرنے کے اسباب بہت زیادہ ہوں پھر بھی اس کا ذکر نہ آئے وہاں عدم ذکر سے نفی مراد لی جا سکتی ہے، جیسا کہ یہاں ہے کہ اگر آپ نے چادر کو پلٹا ہوتا یا قبلہ رو ہو کر دعا کی ہوتی تو اس کا ذکر ضرور آتا۔ اس حدیث میں اختصار کی وجہ سے اگرچہ جمعہ کا ذکر نہیں، مگر یہی حدیث (١٠٣٣) میں تفصیل کے ساتھ آ رہی ہے وہاں جمعہ کا ذکر موجود ہے۔

١٢ ـ بَابٌ : إِذَا اسْتَشْفَعُوا إِلَى الْإِمَامِ لِيَسْتَسْقِيَ لَهُمْ لَمْ يَرُدَّهُمْ

12۔ باب: جب لوگ امام سے درخواست کریں کہ وہ بارش کی دعا کرے تو وہ ان کی درخواست رد نہ کرے

١٠١٩ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَلَكَتِ الْمَوَاشِي وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللَّهَ، فَدَعَا اللَّهَ، فَمُطِرْنَا مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «اللَّهُمَّ عَلَى ظُهُورِ الْجِبَالِ وَالْآكَامِ وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ» فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِينَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ. [أخرجه مسلم: ٨٩٧ مطولاً]

1019۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! مویشی ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع ہو گئے، اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دی، پھر جمعہ سے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ پھر ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! مکان گر گئے، راستے منقطع ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: ”یا اللہ! پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور ٹیلوں پر اور وادیوں کی نچلی جگہوں پر اور درخت اگنے کی جگہوں پر (بارش برسا)۔“ تو بادل مدینہ سے اس طرح پھٹ گیا جیسے کپڑا پھٹ جاتا ہے۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے پہلے اسی حدیث پر یہ عنوان قائم کیا تھا: ”بَابُ سُؤَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ الْاِسْتِسْقَاءَ إِذَا قَحَطُوا“ یعنی جب قحط پڑ جائے تو لوگ امام سے بارش کی دعا کی درخواست کریں۔ اس عنوان اور زیر شرح عنوان میں یہ فرق ہے کہ پہلے باب میں یہ بات اجاگر کی گئی ہے کہ قحط کے موقع پر لوگوں کو امام سے بارش کی دعا کی درخواست کرنی چاہیے اور یہاں اس بات کو اجاگر کیا ہے کہ جب لوگ یہ درخواست کریں تو امام کو ان کی درخواست قبول کرنی چاہیے۔

١٣ ـ بَابٌ إِذَا اسْتَشْفَعَ الْمُشْرِكُونَ بِالْمُسْلِمِينَ عِنْدَ الْقَحْطِ

13۔ باب: جب مشرکین قحط کے وقت مسلمانوں سے دعا کی درخواست کریں

١٠٢٠ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، عَنْ سُفْيَانَ، حَدَّثَنَا

1020۔ مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ابن

مَنْصُورٌ وَالْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ : أَتَيْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ : إِنَّ قُرَيْشًا أَبْطَؤُوا عَنِ الْإِسْلَامِ، فَدَعَا عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَتّٰى هَلَكُوا فِيهَا، وَأَكَلُوا الْمَيْتَةَ وَالْعِظَامَ، فَجَاءَهُ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ : يَا مُحَمَّدُ ! جِئْتَ تَأْمُرُ بِصِلَةِ الرَّحِمِ، وَإِنَّ قَوْمَكَ هَلَكُوا، فَادْعُ اللّٰهَ، فَقَرَأَ : ﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [الدخان : ١٠] ثُمَّ عَادُوا إِلٰى كُفْرِهِمْ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى : ﴿ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ﴾ [الدخان : ١٦] يَوْمَ بَدْرٍ .

مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انھوں نے کہا: قریش نے اسلام قبول کرنے میں دیر کی تو نبی ﷺ نے ان کے خلاف دعا کی تو انھیں قحط نے پکڑ لیا، یہاں تک کہ وہ اس میں ہلاک ہو گئے اور مردار اور ہڈیاں تک کھا گئے، تو ابو سفیان آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے محمد! آپ آئے ہیں صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہوگئی ہے، اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں۔ اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: ﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [الدخان : ١٠] ”پس اس دن کا انتظار کر جب آسمان واضح دھواں لائے گا۔“ پھر وہ دوبارہ اپنے کفر کی طرف پلٹ گئے تو (اس کے متعلق) اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ﴾ [الدخان : ١٦] ”جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ۔“ یعنی بدر کے دن۔

قَالَ : وَزَادَ أَسْبَاطٌ عَنْ مَنْصُورٍ : فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَسُقُوا الْغَيْثَ فَأَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ سَبْعًا، وَشَكَا النَّاسُ كَثْرَةَ الْمَطَرِ، قَالَ : « اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا » فَانْحَدَرَتِ السَّحَابَةُ عَنْ رَأْسِهِ، فَسُقُوا النَّاسُ حَوْلَهُمْ . [راجع : ١٠٠٧ ـ أخرجه مسلم : ٢٧٩٨]

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: اور اسباط نے منصور سے روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے: تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کر دی اور ان پر بارش ہوگئی جو سات راتیں برستی رہی اور لوگوں نے زیادہ بارش کی شکایت کی تو آپ نے کہا: ”اے اللہ! ہمارے اردگرد (برسا) اور ہم پر نہیں۔“ تو آپ کے سر سے بادل چھٹ گیا اور اردگرد کے لوگوں پر بارش ہونے لگی۔

فوائد: 1 یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے، کیونکہ اس میں ابو سفیان کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کا ذکر ہے اور ابو سفیان کے بدر سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کا کہیں ذکر نہیں۔ ابو سفیان سے مراد صخر بن حرب ہیں جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد تھے اور اسباط سے مراد اسباط بن نصر ہیں، اسباط بن محمد نہیں۔

2 بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اسباط کو غلطی لگی ہے، کیونکہ انھوں نے سات دن بارش ہونے اور لوگوں کی شکایت پر بارش کو

روکنے کی دعا کا جو ذکر کیا ہے یہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور مدینہ کا واقعہ ہے۔ اسباط کی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے انس رضی اللہ عنہ والی روایت کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں داخل کر دیا، حالانکہ یہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں نہیں۔ مگر یہ بات درست نہیں، نہ ہی اسباط کو کوئی غلطی لگی ہے، بلکہ یہ دو واقعے ہیں: ایک مدینہ میں بارش کی دعا کا جو انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ایک مکہ میں ابوسفیان کی بارش کی دعا کی درخواست کا جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دونوں میں بارش کے لیے دعا اور بارش کی کثرت کے بعد اسے روکنے کی دعا کا ذکر ہے۔ اس لیے خواہ مخواہ صحیح بخاری کی حدیث کو غلطی قرار دینا درست نہیں۔

3 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مضر یعنی قریش مکہ کے خلاف سات سالہ قحط کی دعا کی تھی، پھر جب انھوں نے آپ سے بارش کی دعا کی درخواست کی تو آپ نے دعا کر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین اگر مسلمانوں سے بارش کی دعا کرنے کی درخواست کریں تو ان کی درخواست قبول کی جا سکتی ہے، کیونکہ اس میں ان کی دشمنی کم ہونے اور اسلام کی طرف مائل ہونے کی بہت امید ہے۔

١٤ - بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا كَثُرَ الْمَطَرُ: حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا

14- باب: جب بارش زیادہ ہو جائے تو "(اَللّٰهُمَّ) حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا" کے ساتھ دعا کرنا

١٠٢١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ جُمُعَةٍ، فَقَامَ النَّاسُ فَصَاحُوا، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَحَطَ الْمَطَرُ وَاحْمَرَّتِ الشَّجَرُ وَهَلَكَتِ الْبَهَائِمُ، فَادْعُ اللَّهَ يَسْقِينَا، فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا» مَرَّتَيْنِ، وَايْمُ اللَّهِ! مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً مِنْ سَحَابٍ، فَنَشَأَتْ سَحَابَةٌ وَأَمْطَرَتْ، وَنَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَصَلَّى، فَلَمَّا انْصَرَفَ لَمْ تَزَلْ تُمْطِرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِي تَلِيهَا، فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ، صَاحُوا إِلَيْهِ: تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللَّهَ يَحْبِسْهَا عَنَّا، فَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ

1021- انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے تو لوگ کھڑے ہوئے اور چلا اٹھے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! بارش کا قحط پڑ گیا، درخت سرخ ہو گئے اور جانور ہلاک ہو گئے، اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے۔ تو آپ نے دو مرتبہ کہا: "اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما" اور اللہ کی قسم! ہم آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہیں دیکھ رہے تھے تو ایک بدلی اٹھی اور برسنے لگی اور آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی، جب فارغ ہوئے تو بارش اس کے بعد والے جمعہ تک برستی رہی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اگلے جمعے) کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے تو لوگ چلا اُٹھے: مکان گر گئے اور راستے منقطع ہو گئے، آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہم سے اسے روک دے۔ تو

حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا » فَكَشَطَتِ الْمَدِينَةُ فَجَعَلَتْ تَمْطُرُ حَوْلَهَا وَلَا تَمْطُرُ بِالْمَدِينَةِ قَطْرَةً، فَنَظَرْتُ إِلَى الْمَدِينَةِ وَإِنَّهَا لَفِي مِثْلِ الْإِكْلِيلِ . [راجع : ٩٣٢۔ أخرجه مسلم : ٨٩٧ باختلاف]

نبی ﷺ مسکرائے، پھر کہا: ”اے اللہ! ہمارے ارد گرد (برسا) اور ہم پر نہیں۔“ تو مدینہ سے بادل اتر گیا اور اس کے ارد گرد برسنے لگا، مدینہ میں ایک قطرہ بھی نہیں برستا تھا، تو میں نے مدینہ کو دیکھا کہ وہ تاج کی طرح کے بادل میں تھا یعنی اس کے ارد گرد بادل تھا۔

فوائد: 1 اس حدیث میں بعض الفاظ کا پہلی احادیث سے کچھ فرق ہے جو راویوں کے بیان کی وجہ سے ہے، جس سے مفہوم میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ آپ ﷺ کے مسکرانے کی وجہ یہ تھی کہ انسان ایک حال پر صبر نہیں کرتا، ابھی بارش مانگ رہے تھے اور جب بارش برسنے لگی ہے تو بند کرنے کی دعا کی درخواست کر رہے ہیں۔

2 اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے ہنسنے کا انداز بھی ظاہر ہے کہ آپ صرف مسکرائے، بے تحاشا ہنسنا آپ کا معمول نہیں تھا، زیادہ سے زیادہ بھی ہنستے تو اتنا کہ آپ کی کچلیاں یا ڈاڑھیں نظر آ جاتیں، منہ کھول کر قہقہہ مارنا آپ کا طریقہ نہیں تھا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: « مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا، حَتّٰى أَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ، إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ » [بخاري : ٦٠٩٢] ”میں نے نبی ﷺ کو کبھی پوری طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، آپ صرف مسکراتے تھے۔“

١٥ ۔ بَابُ الدُّعَاءِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ قَائِمًا

15۔ باب: استسقا میں کھڑے ہو کر دعا کرنا

١٠٢٢۔ وَقَالَ لَنَا أَبُو نُعَيْمٍ : عَنْ زُهَيْرٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ : خَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيُّ، وَخَرَجَ مَعَهُ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ وَزَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، فَاسْتَسْقَى فَقَامَ بِهِمْ عَلَى رِجْلَيْهِ عَلَى غَيْرِ مِنْبَرٍ، فَاسْتَغْفَرَ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ، وَلَمْ يُؤَذِّنْ وَلَمْ يُقِمْ .

قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ : وَرَأَى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ النَّبِيَّ ﷺ .

1022۔ ابو اسحاق سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ نکلے اور ان کے ساتھ براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم بھی نکلے اور انھوں نے بارش کی دعا کی، چنانچہ وہ ان کے ہمراہ منبر کے بغیر پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور استغفار کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں، وہ بلند آواز سے قراءت کر رہے تھے، نہ انھوں نے اذان کہلوائی نہ اقامت۔

ابو اسحاق نے کہا: اور عبد اللہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے۔

فوائد: 1 عبد اللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ نکلے ...... : یعنی صحرا کی طرف نکلے، یہ سنہ ۶۴ ہجری کی بات ہے جب مختار

کے کوفہ پر غلبے سے پہلے وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے کوفہ کے امیر تھے۔ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ لوگوں کو لے کر نماز استسقا پڑھو، چونکہ وہ امیر تھے اس لیے انھوں نے ہی نماز پڑھائی جب کہ ان کے ساتھ براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم بھی تھے جو ان سے پہلے اسلام لانے والے اور مرتبے میں افضل تھے۔ یہاں ان کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ اتنے جلیل القدر صحابہ نے بھی ان کے ہمراہ نماز پڑھی اور انھوں نے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ خاموش رہ کر ان کے عمل کی تصدیق کی۔

2 اس حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ استسقا میں خطبہ نماز سے پہلے ہے، مگر جیسا کہ پیچھے گزرا ہے خطبہ نماز کے بعد بھی جائز ہے۔

3 یہ حدیث موقوف ہے، یعنی صحابی کا عمل ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: شاید موقوف حدیث لانے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں صراحت ہے کہ عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ منبر کے بغیر پاؤں پر کھڑے ہوئے۔ شاید اس سے امام بخاری رحمہ اللہ اس کے بعد آنے والی مرفوع حدیث کا مطلب متعین کرنا چاہتے ہوں، کیونکہ اس میں ہے: « فَدَعَا اللّٰهَ قَائِمًا » کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کی، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے منبر کے بغیر زمین پر کھڑے ہو کر دعا کی۔ کھڑے ہو کر دعا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس طرح دعا کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے اور اپنی عاجزی اور مسکینی کا اظہار زیادہ ہوتا ہے۔

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلاۃِ استسقا کے لیے اذان اور اقامت نہیں ہوتی۔ ابن بطال نے کہا کہ اس بات پر امت کا اجماع ہے۔ (فتح الباری)

5 نمازِ استسقا سے پہلے استغفار کی حکمت یہ ہے کہ آدمی کو اپنا مطلب پیش کرنے سے پہلے وہ کام کرنا چاہیے جو اس کی درخواست کی قبولیت کا باعث ہو اور وہ یہاں استغفار ہے، جیسا کہ نوح علیہ السلام نے کہا: ﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۖ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا﴾ [نوح : ١٠، ١١] ”اپنے رب سے معافی مانگ لو، یقیناً وہ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے بہت برستی ہوئی بارش اتارے گا۔“ اسی طرح ہود علیہ السلام نے کہا: ﴿وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ﴾ [هود : ٥٢] ”اور اے میری قوم! اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اس کی طرف پلٹ آؤ، وہ تم پر بادل بھیجے گا جو خوب برسنے والا ہوگا اور تمھیں تمھاری قوت کے ساتھ اور قوت زیادہ دے گا۔“

١٠٢٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : حَدَّثَنِي عَبَّادُ بْنُ تَمِيمٍ : أَنَّ عَمَّهُ - وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ - أَخْبَرَهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِي لَهُمْ، فَقَامَ فَدَعَا اللّٰهَ قَائِمًا، ثُمَّ تَوَجَّهَ قِبَلَ الْقِبْلَةِ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ

1023۔ عباد بن تمیم سے روایت ہے کہ ان کے چچا (عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ) نے جو نبی ﷺ کے اصحاب میں سے تھے، انھیں خبر دی کہ نبی ﷺ لوگوں کے ہمراہ بارش کی دعا کرنے کے لیے نکلے تو آپ کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کی، پھر آپ نے قبلے کی طرف منہ کر لیا

فَأُسْقُوا . [راجع : ١٠٠٥- أخرجه مسلم : ٨٩٤ بدون «فاسقوا»]

اور اپنی چادر پلٹی تو بارش ہوگئی۔

فائدہ یہ حدیث دلیل ہے کہ دعا خطبہ کے وقت ہوتی ہے جب کہ امام کا منہ لوگوں کی طرف ہو اور چادر بدلنا اس وقت ہوتا ہے جب امام کا منہ قبلہ کی طرف ہو۔ (ابن عثیمین)

١٦- بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

16۔ باب: استسقا میں بلند آواز سے قراءت کرنا

١٠٢٤- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَسْقِي، فَتَوَجَّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ يَدْعُو وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ . [راجع : ١٠٠٥- أخرجه مسلم : ٨٩٤ بدون الجهر بالقراءة]

1024۔ عباد بن تمیم نے اپنے چچا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ بارش کی دعا کے لیے نکلے تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا، آپ دعا کر رہے تھے اور آپ نے اپنی چادر بدلی، پھر دو رکعتیں پڑھیں جن میں بلند آواز سے قراءت کی۔

فوائد 1 بظاہر یہ حدیث پچھلی حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر دعا کی، پھر قبلے کی طرف منہ کر لیا اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے قبلے کی طرف منہ کر کے دعا کی۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ آپ نے قبلے کی طرف منہ کرنے سے پہلے بھی کھڑے ہو کر دعا کی اور پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے بھی دعا کی۔ (ابن عثیمین)

2 ابن بطال نے اس پر بھی اجماع نقل کیا ہے کہ صلاۃ استسقا میں قراءت بلند آواز سے ہوگی۔ (فتح الباری) اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ رات کی تمام با جماعت نمازوں میں قراءت بلند آواز سے ہوتی ہے جب کہ دن کی نمازوں میں بلند آواز سے قراءت نہیں ہوتی، البتہ دن کی وہ نمازیں جن میں بڑا اجتماع ہوتا ہے ان میں قراءت جہر سے ہوتی ہے، جیسے جمعہ، عیدین، کسوف اور استسقا کی نمازیں ہیں، تاکہ امام کی قراءت کی وجہ سے سب کی توجہ متحد رہے۔

١٧- بَابٌ: كَيْفَ حَوَّلَ النَّبِيُّ ﷺ ظَهْرَهُ إِلَى النَّاسِ؟

17۔ باب: نبی ﷺ نے اپنی پیٹھ لوگوں کی طرف کیسے پھیری؟

١٠٢٥- حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ قَالَ:

1025۔ عباد بن تمیم کے چچا نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جس دن آپ بارش کی دعا کے لیے نکلے تو آپ نے

رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ خَرَجَ يَسْتَسْقِي، قَالَ: فَحَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو، ثُمَّ حَوَّلَ رِدَاءَهُ، ثُمَّ صَلَّى لَنَا رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ. [راجع: ١٠٠٥- أخرجه مسلم: ٨٩٤ بدون الجهر بالقراءة]

لوگوں کی طرف اپنی پیٹھ پھیری اور قبلہ کی طرف منہ کر لیا، آپ دعا کر رہے تھے، پھر آپ نے اپنی چادر بدلی، پھر آپ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں جن میں آپ نے بلند آواز سے قراءت کی۔

فائدہ کیفیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے قبلہ رو ہونے کی حالت میں چادر بدلی اور نماز پڑھائی۔

١٨- بَابُ صَلَاةِ الْاِسْتِسْقَاءِ رَكْعَتَيْنِ

18۔ باب: نمازِ استسقا دو رکعت ہے

١٠٢٦- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَسْقَى، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَقَلَبَ رِدَاءَهُ. [راجع: ١٠٠٥- أخرجه مسلم: ٨٩٤]

1026۔ عباد بن تمیم کے چچا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بارش کی دعا کی تو دو رکعتیں پڑھیں اور اپنی چادر بدلی۔

فائدہ حدیث کے فوائد پہلے گزر چکے ہیں، یہاں دو رکعت پڑھنے کی صراحت ہے جو باب کے موافق ہے۔

١٩- بَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ فِي الْمُصَلَّى

19۔ باب: عیدگاہ میں بارش کی دعا کرنا

١٠٢٧- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، سَمِعَ عَبَّادَ بْنَ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الْمُصَلَّى يَسْتَسْقِي وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَقَلَبَ رِدَاءَهُ.

1027۔ عباد بن تمیم کے چچا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ عیدگاہ کی طرف بارش کی دعا کے لیے نکلے اور آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں اور اپنی چادر بدلی۔

قَالَ سُفْيَانُ: فَأَخْبَرَنِي الْمَسْعُودِيُّ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: جَعَلَ الْيَمِينَ عَلَى الشِّمَالِ. [راجع: ١٠٠٥- أخرجه مسلم: ٨٩٤]

سفیان (بن عیینہ) نے کہا: مجھے مسعودی نے ابو بکر سے خبر دی، انھوں نے کہا: آپ نے (چادر کی) دائیں جانب کو بائیں جانب کر لیا۔

٢٠ ـ بَابُ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ فِي الْاسْتِسْقَاءِ

20۔ باب: استسقا میں قبلہ کی طرف منہ کرنا

١٠٢٨ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ ابْنُ مُحَمَّدٍ، أَنَّ عَبَّادَ بْنَ تَمِيمٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى يُصَلِّي، وَأَنَّهُ لَمَّا دَعَا ـ أَوْ أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ ـ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ.

1028۔ عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ عید گاہ کی طرف نماز کے لیے نکلے اور آپ نے جب دعا کی یا دعا کا ارادہ کیا تو قبلہ کی طرف منہ کر لیا اور اپنی چادر بدلی۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ هَذَا مَازِنِيٌّ، وَالْأَوَّلُ كُوفِيٌّ: هُوَ ابْنُ يَزِيدَ. [راجع: ١٠٠٥ ـ أخرجه مسلم: ٨٩٤]

ابو عبد اللہ (بخاری) نے کہا: یہ عبد اللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ ہیں اور پہلے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کوفی ہیں جو یزید کے بیٹے ہیں۔

فائدہ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ مازنی انصاری ہیں اور عبد اللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کوفی ہیں، یہ دونوں عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ سے مختلف ہیں جنھوں نے خواب میں اذان دیکھی تھی۔

٢١ ـ بَابُ رَفْعِ النَّاسِ أَيْدِيَهُمْ مَعَ الْإِمَامِ فِي الْاسْتِسْقَاءِ

21۔ باب: بارش کی دعا میں لوگوں کا امام کے ساتھ ہاتھ اٹھانا

١٠٢٩ ـ قَالَ أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ ابْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، قَالَ يَحْيَى ابْنُ سَعِيدٍ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: أَتَى رَجُلٌ أَعْرَابِيٌّ مِنْ أَهْلِ الْبَدْوِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَلَكَتِ الْمَاشِيَةُ، هَلَكَ الْعِيَالُ، هَلَكَ النَّاسُ! فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدَيْهِ يَدْعُو وَرَفَعَ النَّاسُ أَيْدِيَهُمْ مَعَهُ يَدْعُونَ، قَالَ:

1029۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بادیہ والوں میں سے ایک اعرابی جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! مویشی ہلاک ہو گئے، اہل و عیال ہلاک ہو گئے، لوگ ہلاک ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھا لیے اور دعا کرنے لگے، لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ اپنے ہاتھ اُٹھا لیے اور دعا کرنے لگے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم مسجد سے نکلے نہیں یہاں تک کہ بارش برسنے لگی

فَمَا خَرَجْنَا مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى مُطِرْنَا، فَمَا زِلْنَا نُمْطَرُ حَتّٰى كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْأُخْرَى، فَأَتَى الرَّجُلُ إِلَى نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! بَشِقَ الْمُسَافِرُ وَمُنِعَ الطَّرِيقُ. [راجع: ٩٣٢ـ أخرجه مسلم: ٨٩٧ مطولاً]

اور دوسرے جمعہ تک برستی رہی، تو وہی آدمی اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! مسافر تنگ آ گئے اور راستے بند ہو گئے۔

فائدہ اس حدیث کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۹۳۲) اور (۱۰۱۳)۔ اس باب سے ان لوگوں کا رد مقصود ہے جن کا کہنا ہے کہ استسقا میں امام کی دعا ہی کافی ہے۔

١٠٣٠ـ وَقَالَ الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَشَرِيكٍ، سَمِعَا أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ. [انظر: ١٠٣١، ٣٥٦٥، ٦٣٤١ـ أخرجه مسلم: ٨٩٥]

1030۔ انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھ لی۔

٢٢ـ بَابُ رَفْعِ الْإِمَامِ يَدَهُ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

22۔ باب: استسقا میں امام کا اپنے ہاتھ اٹھانا

١٠٣١ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى وَابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ، وَإِنَّهُ يَرْفَعُ حَتّٰى يُرَى بَيَاضُ إِبْطَيْهِ. [راجع: ١٠٣٠ـ أخرجه مسلم: ٨٩٥]

1031۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ استسقا کے سوا کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور (اس دعا میں) آپ اتنے ہاتھ اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آ جاتی تھی۔

فوائد 1 پچھلے باب کا اصل مقصد استسقا میں مقتدیوں کا ہاتھ اٹھانا ہے، اگرچہ اس میں مذکور حدیث میں مقتدیوں کے ساتھ امام کے ہاتھ اٹھانے کا بھی ذکر ہے، مگر اس باب میں خاص طور پر امام کے ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔

2 اس حدیث میں انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ استسقا کے سوا نبی ﷺ کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، حالانکہ نبی ﷺ سے تیس سے زیادہ مواقع پر دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے، مثلاً صفا پر، مروہ پر، عرفہ میں، جمرات میں اور دوسرے بہت سے مواقع

پر۔ چنانچہ بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب الدعوات“ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا مستقل باب باندھا ہے۔ اب انس رضی اللہ عنہ کی ہاتھ اٹھانے کی نفی کی حدیث میں اور متعدد مواقع پر آپ کے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی صحیح احادیث میں جمع وتطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دو توجیہیں بیان کی ہیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ کسی دعا میں ہاتھ اتنے اونچے نہیں اٹھاتے تھے جتنے استسقا میں اٹھاتے تھے، کیونکہ اس موقع پر آپ اتنے اونچے ہاتھ اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی، دوسرے موقعوں پر یہ بات نہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ استسقا میں ہاتھ اٹھانے کی جو کیفیت تھی اس کیفیت کے ساتھ آپ نے کوئی دعا نہیں کی۔ چنانچہ صحیح مسلم (٨٩٦) میں ”ثابت عن انس“ کی روایت میں ہے: « أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْقَى فَأَشَارَ بِظَهْرِ كَفَّيْهِ إِلَى السَّمَاءِ » یعنی رسول اللہ ﷺ نے بارش کی دعا کی تو ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف کر کے دعا کی۔ (فتح الباری) ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ نبی ﷺ خطبہ کے دوران استسقا کے سوا کسی دعا میں ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔ تینوں توجیہیں بہت اچھی ہیں۔

٢٣ - بَابُ مَا يُقَالُ إِذَا أَمْطَرَتْ ؟

23۔ باب: جب بارش ہو تو کیا کہا جائے؟

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿ كَصَيِّبٍ ﴾ [البقرة: ١٩]: الْمَطَرُ، وَقَالَ غَيْرُهُ: صَابَ وَأَصَابَ يَصُوبُ.

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ”كَصَيِّبٍ“ میں ”صَيِّبٌ“ کا معنی بارش ہے اور بعض دوسرے علماء نے کہا کہ یہ ”صَابَ يَصُوْبُ“ اور ”أَصَابَ“ سے مشتق ہے۔

فائدہ چونکہ باب کی حدیث میں ”صَيِّبٌ“ کا لفظ آ رہا ہے اس لیے امام بخاری نے قرآن میں مذکور ”كَصَيِّبٍ“ کا معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کر دیا اور دوسرے علماء سے اس کا اشتقاق بھی بیان کر دیا کہ یہ اجوف واوی ہے، مجرد اور مزید دونوں میں مستعمل ہے اور دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

١٠٣٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ الْمَرْوَزِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ: « اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا »

1032۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بارش دیکھتے تو کہتے: ”یا اللہ! (اسے) نفع دینے والی بارش (بنا دے)۔“

تَابَعَهُ الْقَاسِمُ بْنُ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ وَعُقَيْلٌ عَنْ نَافِعٍ.

اس (عبداللہ) کی متابعت قاسم بن یحییٰ نے عبیداللہ سے کی ہے اور اوزاعی اور عقیل نے نافع سے بیان کیا ہے۔

فوائد تحقیق 1 " صَيِّبًا نَافِعًا " فعل محذوف " اِجْعَلْهُ " کا مفعول بہ ہے، یعنی اے اللہ! اسے نافع بارش بنا دے۔

2 عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان کے افق پر بادل اُٹھتا ہوا دیکھتے تو کام کاج چھوڑ دیتے خواہ نماز میں ہوتے، پھر کہتے: « اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا » "اے اللہ! میں اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔" پھر اگر بارش برسنے لگتی تو کہتے: « اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا هَنِيْئًا » [أبو داوٗد : ٥٠٩٩] "اے اللہ! اسے خوش گوار بارش بنا دے۔"

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب تیز آندھی چلتی تو آپ کہتے: « اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ » "اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی کا اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی کا اور اس چیز کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے اور میں اس کے شر سے اور اس چیز کے شر سے جو اس میں ہے اور اس چیز کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے۔" اور جب آسمان پر بادل چھا جاتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا، آپ کبھی باہر جاتے کبھی اندر آتے، کبھی آتے کبھی جاتے، پھر جب بارش برسنے لگتی تو آپ کی وہ کیفیت دور ہو جاتی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے آپ کے چہرے میں اس چیز کو پہچان لیا اور آپ سے اس کے متعلق پوچھ لیا تو آپ نے فرمایا: "عائشہ! شاید یہ وہی ہو جس کے متعلق قوم عاد نے کہا تھا: ﴿ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ﴾ [الأحقاف : ٢٤] "تو جب انھوں نے اسے ایک بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کا رخ کیے ہوئے دیکھا تو انھوں نے کہا: یہ بادل ہے جو ہم پر مینہ برسانے والا ہے۔" [مسلم : ٨٩٩/١٥]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بارش نفع والی بھی ہوتی ہے اور نقصان والی بھی، اس لیے آپ بارش کے برسنے پر اس کے نفع مند ہونے کی دعا کیا کرتے تھے۔ ہمیں بھی بارش برسنے پر یہ دعا کرنی چاہیے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے نمونہ ہیں: ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب : ٢١] "بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے۔"

٢٤ - بَابُ مَنْ تَمَطَّرَ فِي الْمَطَرِ حَتّٰى يَتَحَادَرَ عَلٰى لِحْيَتِهِ

24- باب: جو شخص بارش کو اپنے آپ پر برسنے دے یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی پر قطرے گرنے لگیں

١٠٣٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: أَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلٰى

1033- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کو قحط نے آ لیا تو اس دوران میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے کہا:

عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَبَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَامَ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ، فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا أَنْ يَسْقِيَنَا، قَالَ : فَرَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ وَمَا فِي السَّمَاءِ قَزَعَةٌ، قَالَ : فَثَارَ سَحَابٌ أَمْثَالُ الْجِبَالِ، ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهِ حَتّٰى رَأَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهِ، قَالَ : فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ، وَفِي الْغَدِ، وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ، وَالَّذِي يَلِيهِ إِلَى الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى، فَقَامَ ذٰلِكَ الْأَعْرَابِيُّ أَوْ رَجُلٌ غَيْرُهُ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ، فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا، فَرَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ وَقَالَ : « اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا، وَلَا عَلَيْنَا » قَالَ : فَمَا جَعَلَ يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلٰى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّمَاءِ إِلَّا تَفَرَّجَتْ، حَتّٰى صَارَتِ الْمَدِينَةُ فِي مِثْلِ الْجَوْبَةِ حَتّٰى سَالَ الْوَادِي – وَادِي قَنَاةَ – شَهْرًا، قَالَ : فَلَمْ يَجِئْ أَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ . [راجع : ٩٣٢ـ أخرجه مسلم : ٨٩٧ باختلاف]

یا رسول اللہ! مال مویشی ہلاک ہو گئے اور اہل وعیال کو بھوک نے گھیر لیا، اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ نے (دعا کے لیے) اپنے ہاتھ اٹھائے جب کہ آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا تو پہاڑوں جیسے بادل اُمڈ آئے، پھر آپ اپنے منبر سے نہیں اترے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ بارش کے قطرے آپ کی ڈاڑھی پر گر رہے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم پر اس دن بارش ہوتی رہی اور اس سے اگلے دن اور اگلے دن کے بعد اور اس کے بعد والے دن دوسرے جمعہ تک بارش جاری رہی، تو وہی اعرابی اُٹھا یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! عمارتیں ڈھے گئیں اور مال غرق ہو گیا، اس لیے ہمارے لیے دعا کریں، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہا: ''اے اللہ! ہمارے اردگرد (برسا) اور ہم پر نہیں۔'' انس رضی اللہ عنہ نے کہا: تو آپ اپنے ہاتھ کے ساتھ بادل کے جس حصے کی طرف اشارہ کرتے وہ کھل جاتا، یہاں تک کہ مدینہ ایک گول تالاب جیسے دائرے میں ہو گیا اور یہاں تک کہ قنات نامی نالہ ایک ماہ بہتا رہا، پھر کسی جانب سے جو بھی آیا اس نے بہت بارش برسنے کا ذکر کیا۔

فائدہ: اس حدیث کے اکثر فوائد (۹۳۲) اور (۱۰۱۳) میں گزر چکے ہیں۔ مسجد نبوی کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی، جب زوردار بارش برسی تو وہ ٹپکنے لگی، رسول اللہ ﷺ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ حدیث سے ظاہر ہے کہ آپ نے بارش اپنے آپ پر جان بوجھ کر برسنے دی یہاں تک کہ اس کے قطرے آپ کی ڈاڑھی پر گرنے لگے اور آپ نے تسلی سے خطبہ پورا کیا، ورنہ اگر آپ چاہتے تو پہلا قطرہ گرتے ہی جگہ بدل لیتے۔ رسول اللہ ﷺ کو بارش سے بہت محبت تھی۔ انس رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ ہم پر بارش برسنے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے جسم سے کپڑا ہٹا دیا، یہاں تک کہ کچھ بارش آپ کے جسم پر پڑی، ہم نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: « لِأَنَّهُ حَدِيثُ عَهْدٍ بِرَبِّهِ تَعَالَى » [مسلم : ۸۹۸] ''کیونکہ یہ نئی نئی اپنے رب کی طرف سے آئی ہے جو بہت بلند ہے۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے ساتھ اس حدیث کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ سبحان اللہ! محبت اس کا نام ہے کہ محبوب کی ہر چیز سے محبت ہو، چونکہ علو اور بلندی اور عرش پر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور بارش اس کی طرف سے نئی نئی آئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے اپنے جسم سے کپڑا ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس تعلق کو وہ بے نصیب لوگ کیسے حاصل کر سکتے یا سمجھ سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کے منکر ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے علو اور بلندی کو ہی نہیں مانتے، بلکہ وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نہ اوپر عرش پر ہے نہ نیچے ہے، نہ دائیں نہ بائیں، نہ آگے ہے نہ پیچھے۔ غرض انھوں نے اللہ تعالیٰ کو ایک فرضی ہستی قرار دے رکھا ہے، جس کا وجود چھ طرفوں میں سے کسی طرف بھی نہیں، بلکہ ان کے بقول وہ ''لامکان'' ہے۔

کاش! یہ حضرات غور کریں کہ قبلہ بدلنے کے لیے رسول اللہ ﷺ بار بار آسمان کی طرف کیوں دیکھتے تھے اور دعا کے لیے ہر شخص کے ہاتھ بے اختیار اوپر کی جانب کیوں اُٹھتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنے عرش پر مستوی ہونے کا ذکر کیوں فرمایا ہے؟ ان علماء و مشائخ سے تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی وہ لونڈی اپنے رب کی پہچان زیادہ رکھتی تھی جس سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''اللہ کہاں ہے؟'' تو اس نے کہا: وہ آسمان میں ہے۔ پوچھا: ''میں کون ہوں؟'' اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تو آپ ﷺ نے اس کے مالک سے کہا: « أَعْتِقْهَا، فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ » [مسلم : ۵۳۷/۳۳] ''اسے آزاد کر دو، کیونکہ یہ مومنہ ہے۔''

٢٥ـ بَابٌ : إِذَا هَبَّتِ الرِّيحُ

25۔ باب: جب آندھی آ جائے

١٠٣٤ـ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي حُمَيْدٌ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا يَقُولُ : كَانَتِ الرِّيحُ الشَّدِيدَةُ إِذَا هَبَّتْ عُرِفَ ذَلِكَ فِي وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ .

1034۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سخت آندھی چلتی تو یہ چیز نبی ﷺ کے چہرے میں پہچانی جاتی۔

فوائد: 1 اس کی شرح حدیث (۱۰۳۲) میں گزر چکی ہے۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ '' اَلرِّيْحُ '' کا لفظ ہر جگہ عذاب کی ہوا کے لیے اور '' اَلرِّيَاحُ '' کا لفظ رحمت کی ہوا کے لیے آیا ہے مگر یہ بات کلی نہیں اکثری ہے، کیونکہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ ﴾ [یونس : ۲۲] ''اور کشتیاں لوگوں کو عمدہ ہوا کے ساتھ لے کر

چل پڑتی ہیں۔“

2 استسقا کے ابواب میں آندھی کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ عام طور پر بارش سے پہلے آندھی آتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو ہر وقت اللہ کی طرف دھیان رکھنا اور اس سے ڈرتے رہنا چاہیے اور پیش آمدہ حوادث، آفات اور زلازل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ سمجھنا چاہیے اور ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس سے استغفار کرنا چاہیے، نہ کہ یہ کہہ کر غفلت میں ڈوبے رہنا چاہیے کہ طبعی اور سائنسی اسباب کی بنا پر آندھیاں، طوفان، سیلاب اور زلزلے آتے ہیں۔ پہلی اقوام کو ان کی اسی سوچ نے ایمان سے محروم رکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَقَالُوا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ ﴾ [الأعراف: ۹۵] ”اور انھوں نے کہا: یہ تکلیف اور خوشی تو ہمارے باپ دادا کو (بھی) پہنچی تھی۔“

٢٦ـ بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: « نُصِرْتُ بِالصَّبَا »

26۔ باب: نبی ﷺ کا فرمان کہ ”میری مدد صبا کے ساتھ کی گئی“

١٠٣٥ـ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: « نُصِرْتُ بِالصَّبَا، وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ » [انظر: ٣٢٠٥، ٣٣٤٣، ٤١٠٥ـ أخرجه مسلم: ٩٠٠]

1035۔ ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میری مدد صبا (مشرق کی طرف سے آنے والی ہوا) کے ساتھ کی گئی اور عاد کو دَبور (مغرب کی طرف سے آنے والی ہوا) کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔“

فائدہ اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی مدد صبا (مشرق سے آنے والی ہوا) کے ساتھ کیے جانے سے مراد جنگِ خندق کا موقع ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ [الأحزاب: ۹] ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ پر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب تم پر کئی لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر آندھی بھیج دی اور ایسے لشکر جنھیں تم نے نہیں دیکھا۔“ کفار کے کئی لشکروں نے جن کی مجموعی تعداد دس ہزار تھی ایک ماہ سے مسلمانوں کا محاصرہ کر رکھا تھا اور وہ مسلسل ہر وقت خندق پار کرنے کی کوشش میں تھے، مسلمانوں پر وہ وقت بہت بھاری تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴾ [الأحزاب: ١٠، ١١] ”جب وہ تم پر تمھارے اوپر سے اور تمھارے نیچے سے آگئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ کے بارے میں گمان کرتے تھے، کئی طرح کے گمان۔ اس موقع پر ایمان والے آزمائے گئے اور ہلائے گئے، سخت ہلایا جانا۔“ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مشرق کی طرف سے ایسی بے پناہ یخ ٹھنڈی اور تند و تیز آندھی چلی کہ کفار کے خیمے اُڑ گئے، گھوڑے رسّے تڑوا کر بھاگ گئے، آگیں بجھ گئیں، دیگیں اُلٹ گئیں اور مجبوراً ان کے سردار ابو سفیان کو واپسی کا اعلان کرنا

پڑا۔ صبح ہوئی تو میدان دشمنوں سے پاک تھا۔ قوم عاد کو جس آندھی نے برباد کیا وہ ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی، حتیٰ کہ اس نے ایک کافر بھی باقی نہ رہنے دیا۔ دیکھیے سورۃ الحاقۃ کی ابتدائی آیات مع ترجمہ اور سورۃ القمر۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ قوم عاد جو کہتی تھی: ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [حم السجدۃ: ۱۵] ”ہم سے بڑھ کر کون طاقت ور ہے۔“ تو اسے ہوا کے ساتھ نیست و نابود کر دیا گیا جو بالکل ہلکی پھلکی ہے اور فرعون جو کہتا تھا: ﴿وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ﴾ [الزخرف: ۵۱] ”یہ دریا میرے تحت چل رہے ہیں۔“ تو اللہ تعالیٰ نے اسے اسی پانی میں غرق کر دیا جسے وہ اپنے تحت قرار دیتا تھا۔

٢٧ - بَابُ مَا قِيلَ فِي الزَّلَازِلِ وَالْآيَاتِ

27۔ باب: زلزلوں اور نشانیوں کے متعلق کیا کہا گیا ہے

١٠٣٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقْبَضَ الْعِلْمُ، وَتَكْثُرَ الزَّلَازِلُ، وَيَتَقَارَبَ الزَّمَانُ، وَتَظْهَرَ الْفِتَنُ، وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ - وَهُوَ الْقَتْلُ الْقَتْلُ - حَتَّى يَكْثُرَ فِيكُمُ الْمَالُ فَيَفِيضَ» [راجع: ٨٥- أخرجه مسلم: ١٥٧ بقطعة ليست في هذه الطريق]

1036۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ علم قبض کر لیا جائے گا اور زلزلے کثرت سے آئیں گے اور زمانہ قریب ہو جائے گا اور فتنے ظاہر ہو جائیں گے اور ہرج بہت ہو جائے گا۔ اور وہ قتل ہی قتل ہے۔ یہاں تک کہ تم میں مال بہت زیادہ ہو جائے گا اور بہنے لگے گا۔“

فوائد ومسائل: 1 زلزلوں کے ساتھ بعض اوقات آندھی اور بارش بھی آتی ہے، بعض اوقات اس کے ساتھ خسف بھی ہوتا ہے، یعنی زمین پھٹ جاتی ہے جس میں مکان یا آدمی اور دوسری چیزیں زمین کے اندر دھنس جاتی ہیں۔ اس لیے امام صاحب نے استسقا کے ابواب کے ضمن میں آندھیوں، زلزلوں اور قیامت کی نشانیوں کا ذکر کیا ہے۔ نشانیوں سے مراد ایسی چیزیں ہیں جو عام عادت کے خلاف ہوں۔ اس حدیث میں علاماتِ عامہ کا ذکر ہے، علاماتِ خاصہ دجال، یاجوج ماجوج کا خروج، مسیح علیہ السلام کا نزول، خروج دابہ اور ان سے ملتی جلتی علامات ہیں۔

2 زلزلوں اور نشانیوں کے متعلق کیا کہا گیا ہے؟ آیا ایسے موقع پر گرہن کی طرح نماز پڑھی جائے یا دعا کی جائے یا کیا کیا جائے؟ امام صاحب کی ذکر کردہ احادیث سے ظاہر ہے کہ ایسے مواقع پر ان کی شرط کے مطابق گرہن کی طرح کی کوئی نماز نہیں ہے۔ ہاں! اللہ کے حضور عاجزی اور استغفار کرنا چاہیے اور اس کے غضب سے پناہ مانگنی چاہیے، اسی طرح جیسے آپ نے آندھی کے شر سے پناہ مانگی ہے اور اس کی خیر کی دعا کی ہے، یہاں بھی یہ عمل کرنا چاہیے۔

3 حَتّٰى يُقْبَضَ الْعِلْمُ: اس کی تشریح خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، آپ نے فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا» [بخاري : ۱۰۰] ”اللہ تعالیٰ علم کو نکالنے کے ساتھ قبض نہیں کرے گا کہ اسے لوگوں (کے سینوں) سے نکال لے، بلکہ علم کو علماء کے قبض کرنے کے ساتھ قبض کرے گا، یہاں تک کہ جب وہ کوئی عالم نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیں گے، پھر ان سے سوال کیے جائیں گے تو وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، چنانچہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔“ یاد رہے کہ علم سے مراد یہاں وحی الٰہی کا علم ہے جو قرآن و حدیث کی صورت میں موجود ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ لَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴾ [البقرة : ۱۲۰] ”اور تجھ سے یہودی ہرگز راضی نہ ہوں گے اور نہ نصاریٰ، یہاں تک کہ تو ان کی ملت کی پیروی کرے۔ کہہ دے بے شک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ اور اگر تو نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، اس علم کے بعد جو تیرے پاس آیا ہے تو تیرے لیے اللہ سے (چھڑانے میں) نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مدد گار۔“ ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے والا علم وحی الٰہی تھا اور وہ صرف قرآن و سنت کا علم ہے۔ رہا سائنس وغیرہ کا علم اور نئی سے نئی چیزوں کی ایجاد تو وہ نبی ﷺ کے ذریعے نہیں بلکہ لوگوں کے تجربات کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے اور مسلمانوں اور کافروں سب کو حاصل ہوتی ہے، نبوت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مختصر یہ کہ اس حدیث میں علم قبض کر لیے جانے سے مراد قرآن و سنت کا علم ہے۔

4 وَ يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ: علماء نے اس کے متعدد مفہوم بیان کیے ہیں، مجھے ان میں سے نیچے درج تین مفہوم زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا مفہوم سب سے زیادہ صحیح ہے، کیونکہ یہ خود حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ، فَتَكُوْنَ السَّنَةُ كَالشَّهْرِ، وَيَكُوْنَ الشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ، وَتَكُوْنَ الْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ، وَيَكُوْنَ الْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ، وَتَكُوْنَ السَّاعَةُ كَاحْتِرَاقِ السَّعَفَةِ الْخُوْصَةِ» [مسند أحمد : ۱۰۹٤۲] ”قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ زمانہ ایک دوسرے کے قریب ہو جائے گا، چنانچہ سال مہینے کی طرح ہو جائے گا، مہینا ہفتے کی طرح، ہفتہ ایک دن کی طرح، دن ایک گھنٹے کی طرح اور گھنٹہ کھجور کے خشک پتے کے جلنے کی طرح۔“ مسند احمد کے محققین شعیب الارنؤوط اور اس کے ساتھیوں نے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح مسلم کی شرط پر صحیح ہے، اس کے تمام راوی ثقہ اور شیخین کی شرط پر ہیں، البتہ سہیل صرف مسلم کی شرط پر ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ وقت نہایت تیزی سے گزرے گا، اس میں برکت نہیں ہوگی۔ اس کا مشاہدہ ہم خود کر رہے ہیں کہ ایک جمعہ کے بعد دوسرا جمعہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ساتھ ہی آ گیا ہے۔ دوسرا مفہوم بقول نووی یہ ہے کہ قیامت قریب آ جائے گی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ عام زمانہ خاص زمانے یعنی قیامت کے قریب آ جائے گا اور قیامت کے قریب آنے کی وجہ سے وہ خبریں واقع ہوں گی جن کا

حدیث میں ذکر ہے۔ تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اس زمانے کے سب لوگ ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے کہ سب خیر سے خالی اور شر سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ بعض اہلِ علم نے اس کا مصداق اس بات کو قرار دیا ہے کہ آج کل شہروں اور ملکوں کی مسافت تیز رفتار گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کی وجہ سے بہت قریب ہو چکی ہے، پھر الیکٹرانک میڈیا، موبائل فون اور انٹرنیٹ کے ذریعے تمام دنیا ایک دوسرے کے اس طرح قریب ہو چکی ہے جیسے وہ ایک ہی بستی ہے۔ ان تمام مفہوموں میں کوئی تضاد نہیں۔ " وَيَتَقَارَبُ الزَّمَانُ " کے لفظ میں سب کی گنجائش ہے۔

١٠٣٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: « اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا وَفِي يَمَنِنَا » قَالَ: قَالُوا: وَفِي نَجْدِنَا؟ قَالَ: قَالَ: « اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا وَفِي يَمَنِنَا » قَالَ: قَالُوا: وَفِي نَجْدِنَا؟ قَالَ: قَالَ: « هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ، وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ » [انظر: ٧٠٩٤]

1037۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: "اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے شام میں برکت فرما اور ہمارے یمن میں بھی۔" لوگوں نے کہا: اور ہمارے نجد میں بھی؟ کہا: "اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے شام میں برکت فرما اور ہمارے یمن میں بھی۔" لوگوں نے کہا: اور ہمارے نجد میں بھی؟ کہا: "وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے۔"

فوائد و مسائل: 1 عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: صحیح بخاری کی تمام روایات میں جو ہم تک متصل سند سے پہنچی ہیں ان میں اسی طرح " قَالَ " ایک بار ہی ہے، یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: « اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا ...... » نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کیا۔ قابسی نے کہا کہ یہاں بخاری کے نسخوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر رہ گیا ہے، جب کہ آپ کا ذکر یہاں ضروری ہے، کیونکہ یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہی جا سکتی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: یہاں یہ روایت "حسین بن حسن بصری عن عبداللہ بن عون عن نافع" کی سند سے مروی ہے اور بخاری ہی میں دوسری جگہ ازہر سمان نے ابن عون سے یہ روایت ذکر کی ہے، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی تصریح ہے، جیسا کہ "کتاب الفتن (٧٠٩٤)" میں آئے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث موقوف نہیں بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے۔ (فتح الباری)

2 کعبہ سے مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں تو دائیں طرف یمن ہے اور بائیں طرف شام۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں ملکوں کے لیے دعا کی تو کچھ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! اور ہمارے نجد کے لیے بھی دعا کریں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے۔" اس حدیث میں چونکہ ذکر آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے لیے دعا نہیں کی اور فرمایا: "وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے" اس لیے پاک و ہند کے قبوری حضرات نے اپنی صدی کے مجدد شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ کو اس حدیث کا مصداق

قرار دے کر ان کی جتنی مذمت کر سکتے تھے کی ہے۔ ان حضرات کی ان سے عداوت کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق توحیدِ خالص کی دعوت دی اور نجد و حجاز کو قبر پرستی سے پاک کیا، جیسا کہ ابوالہیاج اسدی (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داماد تھے) نے بیان کیا کہ مجھے علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: « أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِيْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ » [مسلم، باب الأمر بتسوية القبر: ٩٦٩] ''کیا میں تمھیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا کہ جو بھی مورتی ہے اسے مٹا دو اور جو بھی اونچی قبر ہے اسے برابر کر دو۔'' اور جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: « نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَ أَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ » [مسلم، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه: ٩٧٠/٩٤] ''رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ قبر کو چونا گچ بنایا جائے اور یہ کہ اس پر بیٹھا جائے اور یہ کہ اس پر عمارت بنائی جائے۔'' جب شرک و بدعات کے ان اڈوں کو شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے ختم کیا تو قبوری حضرات نے لفظ ''نجد'' کو لے کر شیخ محمد بن عبد الوہاب کو اپنی مذمت کا نشانہ بنا لیا، حالانکہ ان کا یہ کام صریح تحریف ہے، محمد بن عبد الوہاب اس نجد کے رہنے والے ہی نہیں تھے جس کی رسول اللہ ﷺ نے مذمت کی۔

یاد رہے کہ نجد کا معنی اونچی جگہ ہے اور عرب میں متعدد بلند علاقے ہیں جو نجد کہلاتے ہیں۔ معجم البلدان اور تاج العروس دونوں میں عرب کے بارہ (۱۲) مشہور نجد گنوائے گئے ہیں: ① نجد البرق بالیمامہ ② نجد خال ③ نجد اُجاٴ ④ نجد العقاب (بدمشق) ⑤ نجد الود ⑥ نجد العثری ⑦ نجد عفری ⑧ نجد کبکب ⑨ نجد مربع ⑩ نجد الیمن ⑪ نجد الحجاز ⑫ نجد العراق۔ دیکھیے معجم البلدان (۲۶۵/۵) اور تاج العروس (۵۰۹/۲)۔

رسول اللہ ﷺ نے جس نجد کے متعلق فرمایا کہ ''وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے'' وہ نجدِ عراق ہے جو مدینہ سے مشرق کی طرف ہے۔ جب کہ محمد بن عبد الوہاب اور محمد بن سعود اور ان کے ساتھی نجدِ حجاز اور نجدِ یمامہ کے رہنے والے تھے۔ آج بھی آلِ سعود کی حکومت نجدِ عراق میں نہیں، بلکہ نجدِ یمامہ اور نجدِ حجاز میں ہے۔ نجدِ عراق وہ ہے جس کا مرکز کوفہ، بصرہ اور بغداد ہیں اور وہ مدینہ سے مشرق کی طرف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث میں واضح طور پر مدینہ سے مشرق کی طرف والے علاقے کی نشاندہی کی گئی ہے جو نجدِ عراق ہے اور فی الحقیقت وہی فتنوں کی سرزمین رہی ہے۔ چنانچہ امام احمد ابن حنبل نے اپنی مسند (۶۳۰۲) میں بہترین سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی ہے، انھوں نے کہا ہے: « حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا حَنْظَلَةُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ يَؤُمُّ الْعِرَاقَ: هَا، إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا، هَا، إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا ـ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ـ مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ » یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے عراق کا قصد کر رہے تھے۔ اس حدیث میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے تصریح کر دی ہے کہ شیطان کا سینگ طلوع ہونے کی جگہ اور نجد کا علاقہ جس کے لیے آپ نے دعا نہیں فرمائی وہ عراق ہے، حجاز یا تہامہ نہیں، جہاں سعودیوں کی حکومت

ہے۔ اب اس حدیث کے راویوں پر نظر ڈالیں: ① عبد اللہ بن نمیر ② حنظلہ بن ابی سفیان ③ سالم بن عبد اللہ بن عمر ④ اور جلیل القدر صحابی ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ سب راوی حدیث کی سب سے معتبر چھ کی چھ کتابوں کے راوی اور اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں۔ اسی طرح صحابی رسول عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ سے یہ بھی نقل کیا کہ فتنوں کی سرزمین مدینہ سے مشرق کی طرف ہے، چنانچہ انھوں نے کہا: « رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيْرُ إِلَى الْمَشْرِقِ فَقَالَ: « هَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا، إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ » [بخاري : ۳۲۷۹] ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ مشرق کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور آپ نے فرمایا: ''سنو! فتنہ یہاں ہے، بے شک فتنہ یہاں سے ہے جہاں شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے۔'' اور حدیث کے راوی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے سالم بن عبد اللہ بن عمر جو مدینہ کے فقہائے سبعہ سے ہیں، انھوں نے عراقیوں کو مخاطب کر کے کہا: « يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ ! مَا أَسْأَلَكُمْ عَنِ الصَّغِيْرَةِ، وَأَرْكَبَكُمْ لِلْكَبِيْرَةِ ! سَمِعْتُ أَبِيْ، عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ الْفِتْنَةَ تَجِيْءُ مِنْ هَاهُنَا - وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ - مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ » [مسلم، باب الفتنة من المشرق ...... : ۵۰/۲۹۰۵] ''اے اہلِ عراق! تم چھوٹی چھوٹی باتوں کے متعلق کتنے زیادہ سوال کرتے ہو اور بڑے بڑے کاموں کا کتنا زیادہ ارتکاب کرتے ہو، میں نے اپنے باپ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: ''فتنہ یہاں سے آئے گا۔ اور آپ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں شیطان کے سینگ طلوع ہوتے ہیں۔''

خلاصہ یہ کہ وہ نجد جس کے بارے میں آپ نے برکت کی دعا نہیں فرمائی اور جہاں سے آپ نے فتنوں کے نکلنے کی پیش گوئی فرمائی آپ نے اس کی نشاندہی بھی فرما دی کہ وہ مدینہ سے مشرق کی طرف ہے، جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اور اس کے طلوع ہونے کے وقت شیطان اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے، اس طرح کہ سورج اس کے سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے، اس وقت مشرکین اپنے خیال میں سورج کو سجدہ کرتے ہیں جو شیطان کو سجدہ ہوتا ہے، جیسا کہ دوسری احادیث میں مذکور ہے۔ (دیکھیے مسلم: ۸۳۲/۲۹۴) رسول اللہ ﷺ نے مشرق اور عراق کی طرف اشارہ کر کے واضح فرما دیا کہ فتنوں کی زمین عراق ہے۔ تاریخ سے یہ بات ظاہر ہے کہ اسلام کے اندر بڑے بڑے فتنوں کا آغاز مدینہ منورہ کے مشرق میں واقع ملک عراق سے ہوا۔ چنانچہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا قاتل اسی علاقے سے تھا، پھر امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنے کا آغاز یہیں سے ہوا اور مصر تک پھیل گیا۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفین یہیں واقع ہوئیں۔ خوارج کا فتنہ بھی کوفہ سے نکلا، انھوں نے بے شمار مسلمانوں کو قتل کیا۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو بھی ایک خارجی ہی نے شہید کیا۔ یہیں پر حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، پھر ان کا انتقام لینے کے نام پر مختار اٹھا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ رافضی شیعوں کا مرکز بھی یہی تھا اور تاتاریوں کا فتنہ جس میں انھوں نے اسلامی خلافت ختم کر دی یہیں واقع ہوا۔ اس کے علاوہ جہمیہ، معتزلہ، جبریہ اور قدریہ وغیرہ بھی نجد عراق ہی سے نکلے۔ اہل الرائے کا مرکز بھی کوفہ و بغداد تھا۔ قریب زمانے میں بھی عراق فتنوں کا مرکز بنا ہوا ہے، جیسے داعش کا فتنہ بھی

نہیں سے نکلا ہے۔ یہ بحث بہت تفصیل کے ساتھ شیخ اشرف سندھو نے اپنی کتاب " أكمل البيان في شرح حديث النجد قرن الشيطان " میں لکھی ہے اور یہ کتاب مکتبہ شاملہ میں موجود ہے۔

٢٨- بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى : ﴿ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ [الواقعة : ٨٢]

28۔ باب: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ”اور تم اپنا حصہ یہ ٹھہراتے ہو کہ تم جھٹلاتے ہو“

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : شُكْرَكُمْ .

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: " شُكْرَكُمْ " یعنی اس آیت میں رزق سے مراد شکر ہے۔

فائدہ: تیسیر الباری میں ہے: مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کے فضل و کرم سے پانی برسے تو تمھیں اس کا شکر کرنا چاہیے، لیکن تم شکر کے بدلے یہ کرتے ہو کہ اللہ کو تو جھٹلاتے ہو جس نے پانی برسایا اور ستاروں کو مانتے ہوئے کہتے ہو ان کی گردش سے پانی برسا۔ اس سے اس آیت کی مناسبت استسقا کے باب سے ظاہر ہو گئی۔ اب زید بن خالد جُہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اس باب میں لائے ہیں وہ بھی بارش سے متعلق ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں بارش ہوئی، پھر آپ نے یہی فرمایا جو اس حدیث میں ہے، پھر یہ آیتیں اتریں: ﴿ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴾ سے لے کر ﴿ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ [الواقعة : ٧٥ تا ٨٢] تک۔

١٠٣٨- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ : صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلَى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ : « هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟ » قَالُوا : اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ : « أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ : مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ، فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ : بِنَوْءِ كَذَا

1038۔ زید بن خالد جُہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ایک بارش کے بعد جو رات کو ہوئی تھی ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی، جب نبی ﷺ (نماز سے) فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف منہ کر لیا اور فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو تمھارے رب نے کیا کہا ہے؟“ انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: ”اس نے کہا ہے کہ میرے بندوں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ کچھ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور کچھ انکار کرنے والے ہیں، سو جس نے تو یہ کہا کہ ہم پر بارش اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوئی ہے تو یہ مجھ پر ایمان رکھنے والا

وَكَذَا، فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ ﴾ [راجع : ۸۴٦ـ أخرجه مسلم : ۷۱]

(اور) ستارے کا منکر ہے اور جس نے کہا: فلاں ستارے کے فلاں جگہ پر آنے سے بارش ہوئی تو یہ میرا منکر ہے (اور) ستارے پر ایمان رکھنے والا ہے۔"

فوائد 1 حُدَيْبِيَة : اس کا معنی کبڑا پن ہے۔ اس جگہ کا نام ایک کبڑے درخت کی وجہ سے حدیبیہ پڑ گیا جو وہاں تھا۔ (فتح الباری)

2 نَوْءٌ : قاموس میں ہے: " اَلنَّوْءُ " ستارا جو غروب کی طرف مائل ہو، جمع " أَنْوَاءٌ " اور " نُوْآنٌ "۔ یا ستارے کا فجر کے وقت مغرب میں غروب ہونا جس کے ساتھ ہی اس کے مقابلے میں مشرق کی طرف سے ایک اور ستارا طلوع ہو جائے۔

3 تاروں کو بارش کی علت یا فاعل یا خالق یا مؤثر سمجھنا صریح کفر و شرک ہے، کیونکہ ان کا بارش کے ساتھ اتنا تعلق بھی نہیں جتنا ہوا اور بادل کے آنے کے ساتھ بارش کی امید کا تعلق ہے۔

4 اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ موقع کی مناسبت سے نصیحت کرنی چاہیے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے رات بارش ہونے کے موقع پر ستاروں کی بارش میں کسی تاثیر کا رد فرمایا اور اس عقیدے کو کفر قرار دیا۔

5 استاذ کو چاہیے کہ شاگردوں کو پوری طرح متوجہ کرنے کے بعد انھیں تعلیم دے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے فرمایا: « هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟ » یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی بات کا علم نہ ہو تو یہ کہنا چاہیے: « اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ » لیکن یہ شرعی مسائل کے بارے میں کہا جائے گا، رہے کائنات میں آئندہ ہونے والے واقعات تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا انھیں جاننا ممکن نہیں، زندگی میں تو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے جو چاہتا تھا آپ کو بتا دیتا تھا۔

6 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام معنی میں کافر بھی عباد اللہ (اللہ کے بندے) ہیں، کیونکہ ساری مخلوق اللہ کی غلام ہے، فرمایا: ﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴾ [مریم : ۹۳] "آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ رحمان کے پاس غلام بن کر آنے والا ہے۔" لیکن کافر اللہ کے خاص بندوں میں شامل نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرمایا: ﴿ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ﴾ [الحجر : ٤٢] "بے شک میرے بندے، تیرا ان پر کوئی غلبہ نہیں۔"

۲۹ ـ بَابٌ : لَا يَدْرِي مَتَى يَجِيءُ الْمَطَرُ إِلَّا اللّٰهُ

29- باب: یہ بات کہ بارش کب ہوگی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : « خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ »

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "پانچ چیزیں ہیں جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

١٠٣٩ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مِفْتَاحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللَّهُ: لَا يَعْلَمُ أَحَدٌ مَا يَكُونُ فِي غَدٍ، وَلَا يَعْلَمُ أَحَدٌ مَا يَكُونُ فِي الْأَرْحَامِ، وَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ، وَمَا يَدْرِي أَحَدٌ مَتَى يَجِيءُ الْمَطَرُ»

[انظر: ٤٦٢٧، ٤٦٩٧، ٤٧٧٨، ٧٣٧٩]

1039۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”غیب کی چابی پانچ چیزیں ہیں جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا: کوئی یہ نہیں جانتا کہ کل کو کیا ہوگا اور کوئی نہیں جانتا کہ رحموں میں کیا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی۔“

فوائد: 1 اس حدیث کو ”ابواب الاستسقاء“ میں لانے کی مناسبت بالکل واضح ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں قیامت کا ذکر رہ گیا ہے اور دو چیزیں ایسی ہیں جن کا معنی تقریباً ایک ہے، اس لیے ان دونوں میں سے ایک کی جگہ یہ کر لینا چاہیے کہ ”اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔“

2 بعض اوقات عام لوگوں کی طرف سے ایک سوال آتا ہے کہ آج کل سائنس اتنی ترقی کر گئی ہے کہ محکمہ موسمیات والے پہلے ہی پیش گوئی کر دیتے ہیں کہ فلاں دن بارش ہوگی، اگر یہ مفاتح الغیب سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں تو وہ کیسے بتا دیتے ہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ علم یقین کا نام ہے، ظن وتخمین اور گمان کو علم نہیں کہتے۔ محکمہ موسمیات والے اپنے تجربے کے مطابق ہوا کے دباؤ اور فضا میں موجود نمی وغیرہ کو دیکھ کر بارش ہونے یا نہ ہونے کا اعلان کر دیتے ہیں، مگر ان کی بات کبھی درست ثابت ہوتی ہے کبھی نادرست۔ بعض اوقات تجربے کے مطابق بارش ہونے کے تمام اسباب ہوتے ہیں مگر بادل ایک بوند برسائے بغیر گزر جاتے ہیں اور بعض اوقات بارش کے اسباب میں سے کچھ بھی موجود نہیں ہوتا کہ یکایک تمام اسباب پیدا ہو کر بارش شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی دلیل کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب، کہاں اور کتنی ہوگی محکمہ موسمیات والوں کا یہ اعلان بھی ہے کہ آج بارش کا امکان ہے۔ سو فیصد علم نہ ان کے پاس ہے نہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ آیت پر اعتراض کرنے والوں کا حال مدعی سست گواہ چست والا ہے۔

3 کچھ پیر فقیر اور پنڈت بھی بارش اور لڑکی لڑکے کی پیش گوئی کرتے ہیں۔ مولانا وحید الزمان رحمہ اللہ ان کے متعلق لکھتے ہیں: ”جب اللہ تعالیٰ نے صاف قرآن میں اور پیغمبر ﷺ نے حدیث میں فرما دیا کہ اللہ کے سوا کسی کو یہ علم نہیں ہے کہ برسات کب پڑے گی، تو جس شخص میں ذرا بھی ایمان ہوگا وہ ان دھوتی بند پنڈتوں کی بات کیوں ماننے لگا اور معلوم ہوا جو ان پر اعتقاد رکھے وہ دائرۂ ایمان سے خارج اور کافر ہے۔ لطف یہ ہے کہ دن رات پنڈتوں کا جھوٹ اور بے تکا پن دیکھتے جاتے ہیں اور پھر بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ کافر لوگ ایسا کریں تو چنداں تعجب نہیں، حیرت ہوتی ہے کہ باوجود دعویٰ اسلام

مسلمان بادشاہ اور امیر نجومیوں کی باتیں غلط نکلتی سنتے ہیں، پھر ان سے آئندہ کے واقعات پوچھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ ان نام نہاد مسلمانوں کی عقل کہاں تشریف لے گئی ہے۔ صدہا مسلمان بادشاہتیں نجومیوں پر اعتقاد رکھنے کی وجہ سے ہی تباہ و برباد ہو چکی ہیں اور اب بھی مسلمان بادشاہ اس حرکت سے جو کفر صریح ہے باز نہیں آتے۔ [لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ] " (تیسیر الباری)

4 وَلَا يَعْلَمُ أَحَدٌ مَا يَكُوْنُ فِي الْأَرْحَامِ : یہاں بھی یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ آج کل الٹراساؤنڈ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ پیدا ہونے والا لڑکا ہے یا لڑکی؟ اس کے جواب میں علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ آیت کے الفاظ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں لڑکا ہے یا لڑکی، بلکہ فرمایا: ﴿ مَا فِي الْأَرْحَامِ ﴾ [لقمان : ٣٤] کہ جو کچھ پیٹوں میں ہے۔ ضروری نہیں ہیں کہ اس سے مراد لڑکا یا لڑکی ہی لی جائے، بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ جنین زندہ رہنے والا ہے یا ضائع ہونے والا، طویل عمر والا ہے یا تھوڑی عمر والا، خوش بخت ہے یا بد نصیب، تندرست رہے گا یا بیمار ہوگا۔ سو اگر اس کی جنس معلوم ہو بھی جائے کہ لڑکا ہے یا لڑکی تب بھی قرآن کے بیان پر کوئی حرف نہیں آتا۔ یقیناً یہ جواب بہت عمدہ ہے، مگر ابھی تک یہ دعویٰ سو فیصد درست ثابت نہیں ہوا، خود ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ جنین کی وضع پیٹ میں ایسی ہوتی ہے کہ اس کے اعضائے تناسل اس کے سر کے نیچے چھپے ہوتے ہیں اور الٹراساؤنڈ کے ذریعے اندازے ہی کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے جو اکثر صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط بھی نکلتا ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ الٹراساؤنڈ سے جنس معلوم ہو جاتی ہے سو فیصد درست نہیں۔ الٹراساؤنڈ کی شہرت کے باوجود میں نے زندگی میں دو دفعہ الٹراساؤنڈ کی پیش گوئی تمام دنیا کے سامنے غلط ثابت ہوتی ہوئی دیکھی۔ برطانیہ کے ولی عہد کی بیوی لیڈی ڈیانا کے ہاں ڈاکٹروں نے اعلان کیا کہ لڑکی پیدا ہوگی، مگر ان کے اعلان کے برعکس لڑکا پیدا ہوا۔ دوسرا پاکستان کی سابقہ وزیر اعظم بے نظیر کے ڈاکٹر نے اعلان کیا کہ لڑکا پیدا ہوگا، مگر لڑکی پیدا ہوئی۔ اب آپ سوچیں کہ برطانیہ اور پاکستان کے ان اونچے مناصب پر فائز لوگوں کے پاس الٹراساؤنڈ کے ماہرین کی کیا کمی تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر الٹراساؤنڈ کے ذریعے ایک ہزار بچوں کے متعلق پیش گوئی کی جائے جن میں سے نو سو ننانوے درست اور ایک غلط نکلے تو بھی اسے علم نہیں کہتے، کیونکہ علم وہ ہے جو یقینی ہو، کبھی غلط نہ نکلے۔ البتہ اگر کوئی آپریشن کر کے یا کسی جدید ایجاد سے اپنی آنکھوں سے بچے کی جنس دیکھ لے تو یہ مشاہدہ ہے، علم غیب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

[تَمَّ كِتَابُ الْإِسْتِسْقَاءِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ]

بسم الله الرحمن الرحيم

١٦- كِتَابُ الْكُسُوفِ

کتاب الکسوف

١- بَابُ الصَّلَاةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ

1- باب: سورج گرہن میں نماز

فائدہ کسف تغیر اور خسف ذلت کے معنی میں ہے۔ کسوف سورج یا چاند کی روشنی چھپ جانے کو کہتے ہیں۔ اس میں سورج یا چاند کی روشنی ختم نہیں ہوتی، بلکہ چھپ جاتی ہے۔ اردو میں اسے سورج گرہن یا چاند گرہن کہا جاتا ہے۔ سورج گرہن کا باعث یہ ہوتا ہے کہ سورج اور زمین کے درمیان چاند حائل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے سورج کی روشنی زمین پر نہیں پڑتی اور چاند گرہن اس وقت ہوتا ہے جب سورج اور چاند کے درمیان زمین حائل ہو جائے۔ اس لیے سورج، چاند اور زمین کی رفتار کا حساب لگا کر پیش گوئی کی جاسکتی ہے کہ سورج گرہن یا چاند گرہن کس تاریخ کو ہوگا۔ چنانچہ چاند گرہن ہمیشہ چاند کی تیرہ، چودہ یا پندرہ تاریخ ہی کو ہوتا ہے، کیونکہ سورج مغرب میں غروب ہوتا ہے جب کہ ان راتوں میں چاند مشرق کی طرف ہوتا ہے اور بعض اوقات زمین دونوں کے درمیان حائل ہو جاتی ہے جس سے سورج کی روشنی چاند تک نہ پہنچنے کی وجہ سے چاند گرہن ہو جاتا ہے۔ سورج گرہن چاند کی ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ تاریخ کو ہوتا ہے جب سورج، چاند اور زمین ایک خط میں ہوں۔ یہ طبعی صورت ہے، کبھی غیر طبعی سورج گرہن بھی ہو جاتا ہے جب چاند کے علاوہ کوئی اور سیارہ سورج کے سامنے آ جائے۔ یہ گرہن کسی بھی تاریخ میں ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ کیا چاند کی پندرہ تاریخ کو سورج گرہن ہوسکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ نہیں، ہاں! اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوسکتا ہے، مثلاً کوئی سیارہ درمیان میں آ جائے۔ یہ کسوف غیر طبعی ہوگا، کیونکہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔

١٠٤٠- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَانْكَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ يَجُرُّ رِدَاءَهُ حَتَّى دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَدَخَلْنَا

1040- ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ سورج گرہن ہو گیا تو نبی ﷺ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے اٹھے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہو گئے اور ہم بھی مسجد میں آ گئے۔ آپ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں،

فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ حَتَّى انْجَلَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ ﷺ: « إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَصَلُّوا وَادْعُوا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ » [انظر: ١٠٤٨، ١٠٦٢، ١٠٦٣، ٥٧٨٥، وانظر في الكسوف، باب: ١٣]

یہاں تک کہ سورج روشن ہو گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سورج اور چاند کو کسی کی موت کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتا، جب تم انھیں دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو، یہاں تک کہ تمھاری گرہن کی حالت دور کر دی جائے۔''

١٠٤١ - حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: « إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ، وَلَكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا، فَقُومُوا فَصَلُّوا » [انظر: ١٠٥٧، ٣٢٠٤- أخرجه مسلم: ٩١١]

1041- ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سورج اور چاند لوگوں میں سے کسی کی موت کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے، بلکہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، تو جب تم ان دونوں کو دیکھو تو اٹھو اور نماز پڑھو۔''

١٠٤٢ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ كَانَ يُخْبِرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: « إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلَكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَصَلُّوا » [انظر: ٣٢٠١، وانظر في الكسوف، باب: ١٣- أخرجه مسلم: ٩١٤]

1042- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سورج اور چاند کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے، بلکہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، تو جب تم انھیں دیکھو تو نماز پڑھو۔''

١٠٤٣- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ:

1043- مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج اس دن گرہن ہو گیا جس دن ابراہیم فوت ہوا، تو لوگوں نے کہا: سورج ابراہیم کی

كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ، فَقَالَ النَّاسُ : كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ فَصَلُّوا وَادْعُوا اللّٰهَ » [انظر : ۱۰۶۰، ۶۱۹۹، وانظر في الكسوف : باب : ۱۳ـ أخرجه مسلم : ۹۱۵ بذكر « رأيتموهما » و بزيادة « حتى ينكشف »]

موت پر گرہن ہوگیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’سورج اور چاند کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے، تو جب تم (انھیں) دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ سے دعا کرو۔‘‘

فوائد 1 رسول اللہ ﷺ کے حکم ’’ فَقُوْمُوْا فَصَلُّوْا ‘‘ (تو اٹھو اور نماز پڑھو) کو اکثر علماء استحباب پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نماز واجب نہیں مستحب ہے۔ دلیل ان کی اعرابی والی حدیث ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے پانچ نمازوں کے متعلق بتایا تو اس نے کہا: « هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا ؟ » ’’کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی نماز فرض ہے؟‘‘ تو آپ نے فرمایا: « لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ » [بخاري : ٤٦] ’’نہیں، الا یہ کہ تم اپنی خوشی سے پڑھو۔‘‘ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس دلیل سے ان کی بات ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ پانچ نمازیں تو ہر روز کسی سبب کے بغیر واجب ہیں، جب کہ سورج اور چاند گرہن کی نماز کا حکم ایک خاص سبب یعنی گرہن کی وجہ سے ہے، جیسا کہ تحیۃ المسجد کا حکم خاص سبب، یعنی مسجد میں داخل ہونے کی وجہ سے ہے، اس لیے اعرابی والی حدیث سے وتر واجب نہ ہونے کا استدلال تو کیا جا سکتا ہے مگر گرہن کی نماز یا تحیۃ المسجد کے واجب نہ ہونے کا استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ صلاۃ کسوف فرض کفایہ ہے، جب کافی لوگ اسے ادا کریں تو باقی کا فرض ساقط ہو جائے گا اور اگر سب لوگ ہی اسے چھوڑ دیں تو سب گناہ گار ہوں گے، کیونکہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نشانیوں سے ڈرائے اور ہم اپنے بستر پر یا کھیل کے میدان میں یا دوسرے کاموں میں مشغول رہیں۔ یہ چیز کم از کم اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوئے ادب ہے۔ اس لیے مجھے اس کے فرض کفایہ ہونے میں کوئی شک نہیں اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ صلاۃ کسوف چھوڑ دیں۔ (ابن عثیمین)

2 یہاں ایک سوال ہے کہ اگر گرہن طبعی چیز ہے جس کی پیش گوئی بھی کی جا سکتی ہے تو پھر نماز کیوں فرض فرمائی؟ جواب یہ ہے کہ جس طرح دوسری پانچ نمازوں کے وقت مقرر ہیں اسی طرح اس نماز کا وقت بھی مقرر فرمایا۔ اس کے علاوہ طبعی ہونے کے باوجود ظلمت کی وجہ سے اس سے خوف پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نے اتنے بڑے آفتاب و ماہتاب کو بے نور کر دیا ہے وہ اور نعمتیں بھی سلب کر سکتا ہے۔ پھر طبعی اشیا سے بھی حوادث کا خطرہ ہوتا ہے، مثلاً آندھی بارش وغیرہ۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ اس وقت عناصر میں تغیر و تبدل ہوتا ہے جس سے زلزلے کا امکان ہوتا ہے۔

3 نبی ﷺ کی زندگی میں تبوک سے واپسی پر ۲۹ شوال سنہ ۱۰ ہجری کو سورج گرہن ہوا، اسی دن آپ کے بیٹے ابراہیم فوت

ہوئے۔ یہ گرہن دیر تک جاری رہا اور آپ نے اس میں سب نمازوں سے لمبی نماز پڑھائی۔

٢- بَابُ الصَّدَقَةِ فِي الْكُسُوفِ

١٠٤٤- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالنَّاسِ، فَقَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الْأُولَى، ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ، فَخَطَبَ النَّاسَ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ، لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَادْعُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوا، وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا» ثُمَّ قَالَ: «يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! وَاللَّهِ! مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللَّهِ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ، يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! وَاللَّهِ! لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا»

[انظر: ١٠٤٦، ١٠٤٧، ١٠٥٠، ١٠٥٦، ١٠٥٨، ١٠٦٤، ١٠٦٥، ١٠٦٦، ١٢١٢، ٣٢٠٣، ٤٦٢٤، ٥٢٢١، ٦٦٣١، وانظر في الأذان، باب: ٩١، في الكسوف، باب: ٤ وباب: ١٥، وفي التهجد، باب: ٣٦- أخرجه مسلم: ٩٠١]

2- باب: کسوف میں صدقہ کرنا

1044- عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، چنانچہ آپ نے قیام کیا اور لمبا قیام کیا، پھر رکوع کیا اور لمبا رکوع کیا، پھر قیام کیا اور لمبا قیام کیا اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر رکوع کیا اور لمبا رکوع کیا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر آپ نے سجدہ کیا اور لمبا سجدہ کیا، پھر آپ نے دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا جیسے پہلی رکعت میں کیا تھا۔ پھر آپ پلٹے تو سورج روشن ہو چکا تھا، پھر آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا، اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا: ”سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، وہ نہ کسی کی موت سے گرہن ہوتے ہیں نہ کسی کی زندگی سے، تو جب تم یہ چیز دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور اس کی تکبیر کہو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔“ پھر فرمایا: ”اے امتِ محمد! اللہ کی قسم! اللہ سے بڑھ کر اس بات پر کوئی غیرت والا نہیں کہ اس کا غلام زنا کرے یا اس کی لونڈی زنا کرے۔ اے امتِ محمد! اللہ کی قسم! اگر تم وہ جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنسو اور بہت زیادہ رووو۔“

فوائد و مسائل: 1 ام المومنین عائشہ ؓ کے لفظ ”خَسَفَتِ الشَّمْسُ“ سے معلوم ہوا کہ سورج گرہن پر کسوف اور

خسوف دونوں لفظ استعمال ہو سکتے ہیں، اسی طرح چاند پر بھی دونوں لفظ بولے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے خطبہ میں بعض نے دونوں کے متعلق " لَا يَنْكَسِفَانِ " اور بعض نے " لَا يَنْخَسِفَانِ " بیان کیا ہے۔ جو لوگ لفظ کسوف کو سورج کے لیے اور خسوف کو چاند کے لیے خاص کرتے ہیں ان کی بات درست نہیں۔

2 امام بخاری رحمہ اللہ اس سے پہلے جتنی احادیث لائے ہیں ان میں گرہن کے موقع پر نماز کا حکم تو ہے مگر اس کی کیفیت کا ذکر نہیں، اس حدیث میں اس کی کیفیت کا ذکر بھی ہے کہ آپ نے ہر رکعت میں دو قیام اور دو رکوع کیے، دوسرا قیام اور دوسرا رکوع پہلے سے کم تھا۔ چار ابواب کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ نے پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ جتنی قراءت کی۔ ابو داؤد (١١٨٧) میں سلیمان بن یسار عن عروہ کے طریق سے پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کی مثل کے ساتھ یہ بھی ہے کہ دوسری رکعت کے پہلے قیام میں سورۂ آل عمران جتنی قراءت کی۔ (فتح الباری)

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسوف کے موقع پر خطبہ ہونا چاہیے اور نماز کے بعد ہونا چاہیے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ خطبہ کے دوران گرہن ختم ہو جائے اور نماز جو اصل ہے اس کا موقع ہی نہ آئے۔

4 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں چار چیزوں کا حکم دیا: دعا، تکبیر، نماز اور صدقہ۔ تکبیر کی وضاحت نہیں فرمائی کہ صرف " اَللّٰهُ أَكْبَرُ " کہا جائے یا " اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ أَكْبَرُ " کہا جائے۔ بظاہر تو ''اللہ اکبر'' ہی بار بار کہنا چاہیے اور بلند آواز سے کہنا چاہیے جو اس ہیبت ناک منظر کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ (واللہ اعلم)

5 عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ایک رکعت میں دو رکوعوں کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے موافق عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کی متفق علیہ روایتیں ہیں، ایسے ہی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایت جیسا کہ " صِفَةُ الصَّلَاةِ (٧٤٥) " میں گزر چکا ہے اور جابر رضی اللہ عنہ کی روایت جو مسلم (٩٠٤/٩) میں ہے اور علی رضی اللہ عنہ کی روایت جو مسند احمد (١٢١٦) میں ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو نسائی (١٤٨٣) میں ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جو مسند بزار (٥٩١٠، ٥٩١١) میں ہے اور ام سفیان کی جو طبرانی (١٦١/٢٥، ح: ٣٩١) میں ہے اور ان کی روایات میں کچھ زائد الفاظ بھی ہیں جنھیں قبول کرنا ترک کرنے سے بہتر ہے۔ اور جمہور اہلِ فتویٰ کا یہی قول ہے (کہ ہر رکعت میں دو رکوع ہونے چاہئیں)۔ اور دوسرے طرق سے ایک رکعت میں دو رکوعوں سے زیادہ رکوع بھی آتے ہیں۔ چنانچہ مسلم (٩٠١/٦) میں ایک اور سند سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور ایک اور سند (٩٠٤/١٠) سے جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر رکعت میں تین رکوع تھے اور مسلم (٩٠٨/١٨) ہی میں ایک اور سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ ہر رکعت میں چار رکوع تھے اور ابو داؤد (١١٨٢) میں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اور مسند بزار (٢٣٣/٢، ح: ٦٢٨) میں علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ ہر رکعت میں پانچ رکوع تھے، مگر ان میں سے کوئی سند بھی علت سے خالی نہیں، بیہقی اور ابن عبد البر نے اس کی وضاحت کی ہے۔ اور صاحب ہدی (ابن قیم) نے شافعی، احمد اور بخاری سے نقل کیا ہے کہ وہ ہر رکعت میں دو رکوعوں سے زیادہ رکوعوں کو بعض راویوں کی غلطی شمار کرتے تھے، کیونکہ حدیث کے اکثر طرق کو ایک دوسرے کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے اور سب اس بات پر جمع ہوتی ہیں کہ اس

دن ابراہیم علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ جب واقعہ ایک ہو تو راجح روایت ہی کو لیا جائے گا (جو ایک رکعت میں دو رکوع ہیں)۔
بعض نے ان احادیث کے درمیان یہ تطبیق دی ہے کہ سورج گرہن متعدد بار واقع ہوا ہے، اس لیے یہ تمام صورتیں جائز ہیں،
اسحاق اسی بات کی طرف گئے ہیں، مگر ان کے نزدیک ایک رکعت میں چار رکوع سے زیادہ ثابت نہیں۔ اور ابن خزیمہ اور ابن
المنذر اور خطابی اور ان کے علاوہ شافعی علماء نے کہا ہے کہ اس بارے میں جتنی روایات ثابت ہیں سب پر عمل جائز ہے اور یہ
اختلاف مباح میں سے ہے اور نووی نے شرح مسلم میں اسی کو قوی قرار دیا ہے۔ اور بعض اہلِ علم نے رکوعوں کی زیادتی اور کمی
کی حکمت گرہن کا چھوٹا اور لمبا ہونا قرار دیا ہے کہ اگر گرہن مختصر ہو تو ہر رکعت میں ایک رکوع کافی ہے، زیادہ ہو تو دو رکوع،
اور زیادہ ہو تو اس کے مطابق رکوع بڑھائے جائیں۔ (فتح الباری)

بندہ عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ ایک رکعت میں دو سے زیادہ رکوعوں والی روایات بھی صحیح ہیں، خصوصاً امام مسلم اور دوسرے
ائمہ کا انھیں صحیح قرار دینا اس کا ثبوت ہے۔ ان تمام روایات کو ضعیف قرار دینے کی بجائے ان کے بعض میں ابراہیم علیہ السلام کی
وفات کے ذکر کو بعض راویوں کی خطا قرار دیا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم کی روایات میں ابراہیم علیہ السلام کی وفات کا ذکر نہیں۔ رہی یہ
بات کہ سورج اور چاند کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات متعدد بار بھی دہرا سکتے ہیں، کیونکہ
جاہلیت کے عقیدے کا رد ضروری تھا۔ متعدد بار سورج گرہن کی احادیث کو اس بات سے بھی قوت حاصل ہوتی ہے کہ علم ہیئت
کی رُو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں متعدد بار سورج گرہن کا امکان ہے۔ قاضی سلیمان منصور پوری نے آپ کے زمانے میں
۱۸ گرہن بتائے ہیں جن میں سے ۹ مدینہ میں لگے۔ ۱۸ سال میں ۷۰ دفعہ زیادہ سے زیادہ اور ۲ بار کم از کم سورج گرہن کا
امکان ہے۔ ہر چار ماہ کے بعد گرہن کا امکان ہوتا ہے۔

6 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: گزشتہ فوائد کے علاوہ اس حدیث میں مزید یہ فوائد ہیں: ① نمازِ کسوف اور کسوف کے
وقت مذکورہ اعمال کی طرف جلدی کرنا (چادر گھسیٹتے ہوئے جانا)۔ ② زیادہ ہنسنے سے روکنا اور زیادہ رونے کی ترغیب دینا۔
③ انسان کے انجام موت اور فنا کا سامنے ہونا اور اللہ کی آیات سے عبرت حاصل کرنا۔ ④ ان لوگوں کا رد جو کہتے ہیں کہ
ستاروں کی زمین پر تاثیر ہے، کیونکہ جب سورج اور چاند کے اختیار میں کچھ نہیں تو ان سے کم تر ستاروں کے اختیار میں کیا ہو
گا۔ (نہ ہی وہ آئندہ کی خبر کا ذریعہ بن سکتے ہیں، جیسا کہ اقبال نے کہا ہے ؎

ستارہ کیا میری تقدیر کی خبر دے گا　　وہ خود فراخیٔ افلاک میں ہے خوار و زبوں)

⑤ امام صفوں سے آگے کھڑا ہوگا۔ ⑥ صفیں درست کرنا۔ ⑦ نماز کی جگہ پر کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہنا۔ ⑧ جو غلط عقیدہ
پیدا ہونے کا خطرہ ہو اسے وضاحت کے ساتھ بیان کر دینا۔ ⑨ صحابہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال نقل کرنے کا اہتمام کرنا۔
⑩ کسوف کی ایک حکمت قیامت کے دن کا کچھ نمونہ پیش کرنا اور ایک حکمت ان لوگوں کو سزا بھی ہے جنھوں نے گناہ نہ کیا
ہو۔ ⑪ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرہن کی صورت میں خوف پیدا کرنا اور اسے دور کر کے اُمید دلانا، تاکہ مومن اپنے رب سے
خوف و رجا کے درمیان رہے۔ ⑫ کسوف میں سورج چاند کی عبادت کرنے والوں کے عقیدے کی قباحت صاف واضح ہے،

بعض نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ ﴾ [حم السجدة : ۳۷] کو صلاۃِ کسوف پر محمول کیا ہے، کیونکہ خصوصاً یہ ایسا وقت ہے جس میں ان کی عبادت چھوڑ کر ان کے خالق کی عبادت آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے، کیونکہ سورج چاند میں پیدا ہونے والے نقص و تغیر سے معبودِ برحق جل و علا سبحانہ و تعالیٰ پاک ہے۔ (فتح الباری)

7 حافظ ابن حجر، عینی، قسطلانی اور بہت سے دوسرے کئی پہلے اور موجود حضرات نے جو اشعری یا ماتریدی عقیدہ رکھتے ہیں انھوں نے بندے کے زنا پر اللہ تعالیٰ کی غیرت کی تاویل کی ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ لغت میں غیرت اس تغیر اور تبدیلی کو کہتے ہیں جو حمیت اور انکار کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، اصل میں یہ میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے متعلق محال ہے، کیونکہ وہ ہر تغیر اور نقص سے پاک ہے، اس لیے اسے مجاز پر محمول کیا جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کا مطلب زنا سے منع کرنا ہے یا دنیا اور آخرت دونوں میں یا ایک میں اس کی سزا دینا ہے، یا اس سے ملتی جلتی تاویلیں کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً نقص سے پاک ہے، مگر اس کے افعال میں تغیر و حدوث ہر وقت جاری ہے، اس نے خود فرمایا ہے: ﴿ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴾ [الرحمٰن : ۲۹] ''اسی سے مانگتا ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے، ہر دن وہ ایک (نئی) شان میں ہے۔'' کائنات کی ہر چیز اس سے سوال کر رہی ہے، وہ ہر ایک کی بات سنتا ہے اور ان کی ہر حاجت پوری کرتا ہے۔ وہ ہر وقت نئی سے نئی حالت میں ہے، کسی کو پیدا کر رہا ہے اور کسی کو مار رہا ہے، کسی کو فتح دے رہا ہے اور کسی کو شکست، مگر ان حضرات نے اپنے اس خود ساختہ عقیدے کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کے کلام کا، اس کے عرش پر ہونے کا، آسمانِ دنیا پر اترنے کا، اس کے ہنسنے کا، اس کے چہرے، آنکھوں، ہاتھوں کا، انگلیوں کا، غضب، رضا، غیرت کا، غرض بہت سی صفات کا انکار کر دیا اور نام اس کا تاویل رکھ لیا۔ اور اہلِ سنت جو ان سب صفات کو مانتے ہیں انھیں مشبہ قرار دے دیا، یہ کہہ کر کہ یہ اللہ تعالیٰ کو بندوں جیسا مانتے ہیں، حالانکہ یہ اہلِ سنت پر صاف بہتان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر غور کیا جائے تو خود ان حضرات کے انکار اور تاویل کا اصل سبب ہی تشبیہ ہے، کیوں کہ انھوں نے اللہ کی صفات کو بندوں کی صفات کے مشابہ سمجھا تبھی انکار کیا، حالانکہ اگر وہ اہلِ سنت کی طرح یہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ پر محال یہ ہے کہ اس کی صفت غیرت کو مخلوق کی غیرت کے مشابہ قرار دیا جائے، رہی وہ غیرت جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے جلال کے لائق ہے تو اس کا اللہ کی صفت ہونا محال نہیں ہے، جیسا کہ اس حدیث اور دوسری احادیث سے ثابت ہے۔ اس لیے اہلِ سنت کا اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو اس طرح ماننا حق ہے جیسے اس نے خود یا اس کے نبی ﷺ نے بیان کی ہیں اور جس طرح اس کی شان کے لائق ہے اور جو کسی طرح بھی مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں، جیسے اس کا عرش پر مستوی ہونا، اس کا نزول، اس کی رضا، غضب، کلام اور دوسری صفات محال نہیں، بلکہ اس طرح ثابت ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہیں۔ اگر اس کو بھی تشبیہ اور اہلِ سنت کو مشبہ کہا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے وجود کا بھی انکار یا تاویل کرنی پڑے گی، کیونکہ مخلوق بھی موجود ہے اور اللہ تعالیٰ بھی موجود ہے۔ تو کیا ہم اس وجہ سے اللہ کے وجود کا انکار کر دیں گے کہ اس سے تشبیہ لازم آتی ہے، کیونکہ مخلوق بھی

موجود ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ موجود نہیں یا اس کے موجود ہونے کا مطلب یہ ہے اور وہ ہے۔ نہیں، بلکہ مخلوق کا وجود اس طرح ہے جو اس کے مناسب ہے اور اللہ تعالیٰ کا وجود اس طرح ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اکثر متکلمین نے اللہ کی صفات ماننے کو تشبیہ قرار دے کر اس کی صفات کا انکار یا انکار جیسی تاویل کر دی اور اللہ تعالیٰ کے وجود کو ایک وہمی اور فرضی چیز بنا دیا، ان کے مطابق اللہ تعالیٰ نہ عرش پر ہے نہ کرسی پر، نہ عرش کو قیامت کے دن آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے، نہ وہ اترتا ہے نہ قیامت کو زمین پر آئے گا، نہ وہ اوپر ہے نہ نیچے، نہ سامنے نہ پیچھے، نہ دائیں نہ بائیں، نہ وہ قیامت کے دن نظر آئے گا، نہ وہ کسی سے کلام کرتا ہے نہ کرے گا، نہ وہ غصے ہوتا ہے نہ خوش ہوتا ہے۔ اللہ کے بندو! تم نے تو ہم سے ہمارا رب ہی چھین لیا، حالانکہ اس نے ہمیں خود بتایا ہے کہ وہ عرش پر ہے، بلندی پر ہے، وہ سنتا بھی ہے، بولتا بھی ہے، دیکھتا بھی ہے، خوش بھی ہوتا ہے، اس میں غضب اور غیرت بھی ہے، جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ اس کی بجائے تمھارا یہ کہنا بھی کوئی تعارف ہے کہ وہ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں، تم ہمیں یہ بتاؤ کہ اس کی صفات کیا ہیں اور وہ کہاں ہے؟ صرف ذہنی وجود سے جو ''یہ نہیں وہ نہیں'' پر مشتمل ہے ایمان اور محبت والوں کا دل ٹھنڈا نہیں ہوتا۔

یہاں علامہ وحید الزمان کا نوٹ قابلِ ذکر ہے، وہ لکھتے ہیں: ''قسطلانی نے پچھلے متکلمین کی طرح غیرت کی تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ غیرت غصے کے جوش کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے تغیرات سے پاک ہے۔ اہلِ حدیث کا یہ طریق نہیں، اہلِ حدیث اللہ کی ان سب صفات کو جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں اپنے ظاہری معنی پر محمول رکھتے ہیں، ان میں تاویل اور تحریف نہیں کرتے۔ جب غضب اللہ کی صفات میں سے ہے تو غیرت بھی اس کی صفات میں سے ہوگی، غضب زائد اور کم ہو سکتا ہے تو غیرت بھی زیادہ اور کم ہو سکتی ہے۔ اور تغیر اللہ کی ذات اور صفاتِ حقیقیہ میں نہیں ہوتا، لیکن صفاتِ افعال میں تو تغیر ضرور ہے، مثلاً گناہ کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے، پھر توبہ کرنے سے راضی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے، کبھی کلام نہیں کرتا، کبھی اترتا ہے اور کبھی چڑھتا ہے، غرض صفاتِ افعالیہ کا حدوث و تغیر اہلِ حدیث کے نزدیک جائز ہے۔'' (تیسیر الباری)

٣- بَابُ النِّدَاءِ بِـ: "اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ" فِي الْكُسُوفِ

3- باب: گرہن کے وقت ''نماز کے لیے جمع ہو جاؤ'' کا اعلان کرنا

١٠٤٥- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامِ بْنِ أَبِي سَلَّامٍ الْحَبَشِيُّ الدِّمَشْقِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ

1045- عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو اعلان کیا گیا کہ نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔

عَوْفٍ الزُّهْرِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : لَمَّا كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ نُودِيَ : إِنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ . [انظر : ١٠٥١ - أخرجه مسلم : ٩١٠ بلفظ مختلف]

فائدہ مولانا وحید الزمان نے لکھا ہے: سورج گرہن، چاند گرہن، استسقا اور عیدین کی نماز میں اذان اور اقامت نہیں ہے، اتنا اعلان کر دینا درست ہے کہ نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔ (تیسیر الباری) مگر عیدین اور استسقا کے متعلق یہ بات درست نہیں، رسول اللہ ﷺ سے صرف گرہن کے موقع پر " اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ " کا اعلان کروانا ثابت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بخاری (١٠٦٦) اور مسلم (٩٠١/٤) میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اعلان کرنے والے کو بھیجا جس نے " اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ " کا اعلان کیا۔ (فتح الباری) یہ اعلان عیدین اور استسقا میں ثابت نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ گرہن واقع ہونے سے عموماً لوگ بے خبر ہوتے ہیں اور انھیں فوراً بلانا مقصود ہوتا ہے جب کہ عیدین کے متعلق پہلے ہی سب لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ آج عید ہے۔ استسقا کے متعلق بھی مسجد میں پہلے اطلاع ہو جاتی ہے اور اس میں لوگوں کو فوراً جمع کرنے کے اعلان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شیخ ابن عثیمین نے بھی یہی لکھا ہے۔

٤ - بَابُ خُطْبَةِ الْإِمَامِ فِي الْكُسُوفِ

4۔ باب: گرہن میں امام کا خطبہ دینا

وَقَالَتْ عَائِشَةُ وَأَسْمَاءُ : خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ . [راجع : ١٠٤٤، ٨٦]

اور عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی ﷺ نے خطبہ دیا۔

١٠٤٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، ح : وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ، قَالَ : حَدَّثَنَا يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي عُرْوَةُ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ : خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَخَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَصَفَّ النَّاسُ وَرَاءَهُ، فَكَبَّرَ فَاقْتَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قِرَاءَةً طَوِيلَةً، ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، ثُمَّ قَالَ : « سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ » فَقَامَ وَلَمْ يَسْجُدْ، وَقَرَأَ قِرَاءَةً

1046۔ نبی ﷺ کی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کی زندگی میں سورج گرہن ہوا تو آپ مسجد کی طرف نکلے اور لوگوں نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں تو آپ نے تکبیر کہی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے لمبی قراءت کی، پھر تکبیر کہی اور لمبا رکوع کیا، پھر کہا: " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ " پھر آپ کھڑے رہے اور سجدہ نہیں کیا اور لمبی قراءت کی جو پہلی قراءت سے کم تھی، پھر تکبیر کہی اور لمبا رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر کہا: " سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ " پھر سجدہ کیا، پھر

طَوِيلَةً هِيَ أَدْنَى مِنَ الْقِرَاءَةِ الْأُولَى، ثُمَّ كَبَّرَ وَرَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، وَهُوَ أَدْنَى مِنَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ قَالَ: «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ قَالَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ، فَاسْتَكْمَلَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ، وَانْجَلَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَنْصَرِفَ، ثُمَّ قَامَ فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: «هُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ»

دوسری رکعت میں بھی ایسے ہی کیا۔ چنانچہ چار سجدوں کے ساتھ چار رکوع پورے کیے اور آپ کے فارغ ہونے سے پہلے سورج روشن ہو گیا، پھر آپ کھڑے ہوئے اور اللہ کی ثنا کی جس کا وہ اہل ہے، پھر فرمایا: ''یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، وہ نہ کسی کی موت کی وجہ سے گرہن ہوتے ہیں نہ زندگی کی وجہ سے، تو جب تم انھیں دیکھو تو نماز کی پناہ لو۔''

وَكَانَ يُحَدِّثُ كَثِيرُ بْنُ عَبَّاسٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يُحَدِّثُ يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ بِمِثْلِ حَدِيثِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ، فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ: إِنَّ أَخَاكَ يَوْمَ خَسَفَتْ بِالْمَدِينَةِ لَمْ يَزِدْ عَلَى رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ الصُّبْحِ؟ قَالَ: أَجَلْ، لِأَنَّهُ أَخْطَأَ السُّنَّةَ. [راجع: ١٠٤٤ـ أخرجه مسلم: ٩٠١]

اور کثیر بن عباس بیان کرتے تھے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما گرہن والے دن کے متعلق اس حدیث ہی کی طرح بیان کرتے تھے جو عروہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی ہے۔ تو میں نے عروہ سے کہا: آپ کے بھائی (عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) نے تو جس دن مدینہ میں گرہن ہوا تھا صبح کی طرح دو رکعتوں سے زیادہ کچھ نہیں کیا۔ انھوں نے کہا: ہاں! اس لیے کہ وہ سنت سے چوک گئے۔

فوائد تحقیق 1 بعض لوگوں نے صلاۃ کسوف میں خطبے کا انکار کیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ان پر رد کے لیے یہ باب قائم کیا ہے۔ چنانچہ عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہما کی احادیث سے ایک ٹکڑا تعلیقاً نقل کیا ہے جس میں کسوف میں خطبے کی صراحت ہے۔ ان میں سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سند کے ساتھ ایک باب پہلے گزر چکی ہے، اس باب میں بھی بخاری نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے، اس میں اگرچہ خطبے کا لفظ نہیں مگر بخاری کا مقصد یہ بتانا ہے کہ خطبے والی حدیث اور یہ حدیث ایک ہی ہے اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما (جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن ہیں) پر گیارہ ابواب کے بعد گفتگو ہوگی۔ (ان شاء اللہ) (دیکھیے بخاری: ۱۰۵۳،۱۰۴۴)

2 فَافْزَعُوْا إِلَى الصَّلَاةِ: اس سے معلوم ہوا کہ گرہن ہونے پر جتنی جلدی ہو سکے نماز کی طرف لپکنا چاہیے۔

3 فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ (میں نے عروہ سے کہا): یہ زہری کا قول ہے، اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ زہری نے کہا، میں نے عروہ

سے کہا: اللہ کی قسم! آپ کے بھائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے تو ایسے نہیں کیا، وہ مدینہ میں تھے تو سورج گرہن ہوا، جب انھوں نے شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہوا تھا، تو انھوں نے صبح کی نماز کی طرح ہی نماز پڑھی۔ (فتح الباری)

4 بعض حضرات جو صبح کی نماز کی طرح کسوف کی دو رکعتوں کے قائل ہیں وہ ہر رکعت میں دو رکوع نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ عروہ تابعی ہیں جب کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما صحابی ہیں، اس لیے صحابی کے مقابلے میں تابعی کے قول کی کوئی حیثیت نہیں، مگر ان حضرات نے یہ خیال نہیں کیا کہ عروہ نے اپنی خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی بنا پر صحابی کے عمل کو سنت کے خلاف قرار دیا ہے۔ مقابلہ تابعی کے قول اور صحابی کے فعل کا نہیں بلکہ صحابی کے فعل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کسی کے قول یا فعل کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے، نہ ہی اس معاملے میں وہ ملامت گر کی ملامت سے ڈرتے تھے، خواہ ان کا سگا بھائی یا عزیز ہو یا کوئی کتنے بڑے مقام پر فائز ہو۔

5 مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں: عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نہ پہنچی ہوگی، حالانکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما صحابی تھے اور عروہ تابعی ہیں مگر عروہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کی اور حدیث کی پیروی سب پر مقدم ہے۔ اس روایت سے یہ بھی نکلا کہ بڑے جلیل القدر صحابہ، جیسے عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہیں، ان سے غلطی ہو جاتی تھی، تو اور مجتہدوں سے غلطی کا ہونا کچھ بعید نہیں اور اگر منصف آدمی امام ابن قیم کی کتاب ''اعلام الموقعین'' کو انصاف سے دیکھے تو اس کو ان مجتہدوں کی غلطیاں بخوبی معلوم ہو سکتی ہیں۔ (تیسیر الباری) ''اعلام الموقعین'' کا اردو ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی کے قلم سے ''دین محمدی'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، یہ ایک بے مثال کتاب ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔

٥ - بَابٌ: هَلْ يَقُولُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ أَوْ خَسَفَتْ؟

5۔ باب: کیا "كَسَفَتِ الشَّمْسُ" کہے یا "خَسَفَتْ" کہے؟

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾ [القيامة: ٨]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾ ''اور جب چاند گہنا جائے گا۔''

١٠٤٧ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى يَوْمَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ فَكَبَّرَ فَقَرَأَ قِرَاءَةً طَوِيلَةً، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: «سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ

1047۔ عائشہ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن نماز پڑھی جب سورج کا ''خسوف'' ہوا، چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی، پھر لمبی قراءت کی، پھر لمبا رکوع کیا، پھر اپنا سر اٹھایا اور کہا: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" اور پہلے کی طرح کھڑے رہے، پھر آپ نے لمبی قراءت کی اور وہ پہلی قراءت سے کم تھی، پھر لمبا رکوع کیا اور وہ پہلے

حَمِدَهُ » وَقَامَ كَمَا هُوَ، ثُمَّ قَرَأَ قِرَاءَةً طَوِيلَةً وَهِيَ أَدْنَى مِنَ الْقِرَاءَةِ الْأُولَى، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهِيَ أَدْنَى مِنَ الرَّكْعَةِ الْأُولَى، ثُمَّ سَجَدَ سُجُودًا طَوِيلًا، ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ سَلَّمَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَخَطَبَ النَّاسَ، فَقَالَ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ : « إِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ » [راجع : ١٠٤٤ـ أخرجه مسلم : ٩٠١]

رکوع سے کم تھا، پھر لمبا سجدہ کیا، پھر دوسری رکعت میں بھی ایسے ہی کیا، پھر آپ نے سلام پھیر دیا، جب کہ سورج روشن ہو چکا تھا، پھر آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور سورج اور چاند کے ''کسوف'' کے متعلق فرمایا: ''یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جن کا ''خسوف'' کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے نہیں ہوتا، تو جب تم ان دونوں کو دیکھو تو نماز کی پناہ لو۔''

فائدہ اس حدیث کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۱۰۴۴)۔ عموماً سورج کے لیے ''کسوف'' اور چاند کے لیے ''خسوف'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اس کے برعکس سعید بن منصور نے صحیح سند کے ساتھ عروہ کا قول نقل کیا ہے کہ '' كَسَفَتِ الشَّمْسُ '' نہ کہو، بلکہ '' خَسَفَتِ الشَّمْسُ '' کہو۔ مسلم (۹۰۵/۳) نے بھی ان کا قول نقل کیا ہے، مگر ان میں سے کوئی لفظ سورج یا چاند کے لیے خاص نہیں، بلکہ یہ دونوں لفظ سورج گرہن اور چاند گرہن دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں چاند کے لیے ''خسوف'' کا لفظ آیا ہے، فرمایا: ﴿ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴾ [القيامة : ٨] ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورج کے لیے ''خسوف'' کا لفظ استعمال کیا ہے، پھر سورج اور چاند دونوں کے لیے ''کسوف'' کا لفظ بولا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے خطبہ میں دونوں کے لیے ''خسوف'' کا لفظ آیا ہے، جیسا کہ متن میں تین جگہ یہ الفاظ آئے ہیں، غرض اس مسئلے میں وسعت ہے۔

٦ـ بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : « يُخَوِّفُ اللّٰهُ عِبَادَهُ بِالْكُسُوفِ »

6۔ باب: نبی ﷺ کا فرمان کہ ''اللہ اپنے بندوں کو گرہن کے ساتھ ڈراتا ہے''

وَقَالَ أَبُو مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [راجع : ١٠٥٩]

اور یہ روایت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کی ہے۔

فائدہ دیکھیے بخاری کی حدیث (۱۰۵۹)۔

١٠٤٨ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ

1048۔ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ

ابْنُ زَيْدٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ، لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَلَكِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُخَوِّفُ بِهَا عِبَادَهُ »

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، وہ کسی کی موت کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔“

وَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : وَلَمْ يَذْكُرْ عَبْدُ الْوَارِثِ وَشُعْبَةُ وَخَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ يُونُسَ : « يُخَوِّفُ بِهَا عِبَادَهُ »

اور ابو عبد اللہ (بخاری) نے کہا: عبد الوارث، شعبہ، خالد بن عبد اللہ اور حماد بن سلمہ نے یونس سے " يُخَوِّفُ بِهَا عِبَادَهُ " کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔

وَتَابَعَهُ مُوسَى، عَنْ مُبَارَكٍ، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : « إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُخَوِّفُ بِهِمَا عِبَادَهُ » وَتَابَعَهُ أَشْعَثُ عَنِ الْحَسَنِ .
[راجع : ١٠٤٠]

اور یونس کے ساتھ اس حدیث کو موسیٰ نے مبارک (بن فضالہ) سے، انھوں نے حسن (بصری) سے روایت کیا، اس میں ہے کہ ابو بکرہ نے نبی ﷺ سے سن کر مجھے خبر دی کہ ”اللہ تعالیٰ ان دونوں کے (گرہن کے) ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔“ اور یونس کے ساتھ اس حدیث کو اشعث (بن عبد الملک) نے بھی حسن (بصری) سے روایت کیا۔

فائدہ اس بات میں اب کوئی شک نہیں رہا کہ سورج اور چاند گرہن کا سبب چاند یا زمین کا حائل ہونا ہے، جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزرا ہے۔ علم ہیئت میں اس کا ٹھیک ٹھیک حساب پہلے ہی لگا لیا جاتا ہے، حتیٰ کہ یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ چاند یا سورج کا گرہن کس ملک میں کس وقت اور کتنا ہوگا۔ تجربے سے بھی ان کی بات بالکل درست نکلتی ہے۔ اس کے باوجود یہ بات کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے بالکل حق ہے، کیونکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظیم طاقت اور قدرت کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ دم بھر میں اتنے بڑے روشن کُروں کو تاریک کر دیتا ہے، اس لیے اس کی عظمت اور ہیبت سے بندوں کو ہر وقت ڈرنا چاہیے۔ یہ تو طبعی گرہن کی بات ہے، بعض اوقات غیر طبعی گرہن بھی ہوتا ہے، یعنی سورج یا چاند گرہن کی طے شدہ تاریخوں کے علاوہ بھی گرہن ہو سکتا ہے اور ہو جاتا ہے، اس طرح کہ چاند یا زمین کے علاوہ کوئی دوسرا چھوٹا یا بڑا سیارہ ان کے درمیان آ جائے۔ ایسی صورت میں کسی حادثے کے نتیجے میں دنیا کا نظام زیر و زبر ہو سکتا ہے، اسی لیے نبی ﷺ نے سمجھایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ اور ڈرانا ہے، تاکہ بندے ڈر کر نماز، ذکر، استغفار اور صدقے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی پناہ لیں اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ رحم فرما کر اس عذاب کو ٹال دے۔

٧- بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فِي الْكُسُوفِ

7- باب: کسوف کے موقع پر عذابِ قبر سے پناہ مانگنا

١٠٤٩- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ يَهُودِيَّةً جَاءَتْ تَسْأَلُهَا، فَقَالَتْ لَهَا: أَعَاذَكِ اللَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: أَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِي قُبُورِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «عَائِذًا بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ» [انظر: ١٠٥٥، ٦٣٦٦، ١٣٧٢- أخرجه مسلم: ٥٨٤، ٥٨٦ مطولاً باختلاف، (٩٠٣) مطولاً]

1049- عائشہ رضی اللہ عنہا زوجۂ نبی ﷺ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان سے مانگنے کے لیے آئی تو اس نے انھیں دعا دی کہ اللہ تمھیں عذابِ قبر سے پناہ میں رکھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا لوگوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس سے اللہ کی پناہ۔“

١٠٥٠- ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ مَرْكَبًا، فَخَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَرَجَعَ ضُحًى، فَمَرَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي وَقَامَ النَّاسُ وَرَاءَهُ، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ، ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ

1050- پھر ایک صبح کو رسول اللہ ﷺ سواری پر سوار ہوئے تو سورج گرہن ہو گیا، آپ دوپہر کو واپس آئے تو اپنی بیویوں کے حجروں کے درمیان سے گزرے، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے تو آپ نے لمبا قیام کیا، پھر لمبا رکوع کیا، پھر (اپنا سر) اٹھایا اور لمبا قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے چھوٹا تھا، پھر لمبا رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر سر اُٹھایا اور سجدہ کیا، پھر کھڑے ہو گئے اور لمبا قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر لمبا رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر سر اٹھایا اور لمبا قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر لمبا رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر سر اٹھایا اور سجدہ کیا اور فارغ

وَانْصَرَفَ، فَقَالَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُولَ، ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَتَعَوَّذُوا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ . [راجع : ١٠٤٤ـ أخرجه مسلم : ٩٠١]

ہوئے، پھر جو اللہ نے چاہا آپ نے بیان کیا، پھر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ عذابِ قبر سے پناہ مانگیں۔

فوائد 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہودی عذابِ قبر کے قائل ہیں اور یہ بھی کہ بعض یہودی بھی مسلمانوں کے لیے دل میں خیر خواہی رکھتے ہیں۔ دلیل اس کی اس یہودی عورت کا ام المومنین رضی اللہ عنہا کے لیے دعا کرنا ہے کہ اللہ انھیں عذابِ قبر سے پناہ میں رکھے۔

2 سورج گرہن کے ساتھ عذابِ قبر کی مناسبت یہ ہے کہ گرہن سے اندھیرا چھا جاتا ہے اور گناہ گاروں اور کافروں کی قبر میں بھی اندھیرا ہوگا۔ گرہن کے ساتھ قبر کے اندھیرے کی یاد دہانی ہوتی ہے، اس لیے اس موقع پر عذابِ قبر سے بچانے کی دعا کرنی چاہیے۔ حدیث کے آخری الفاظ " ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَتَعَوَّذُوا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ " ترجمۃ الباب کے عین مطابق ہیں۔

3 جس دن سورج گرہن ہوا اسی دن نبی ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی وفات ہوتی ہے۔ (بخاری: ۱۰۶۰) معلوم ہوا کہ سواری پر آپ اسی کے کفن وغیرہ کے لیے گئے تھے۔ واپسی پر سورج گرہن ہو گیا تو آپ نے خطبہ میں لوگوں کے غلط عقیدے کی اصلاح فرمائی۔

4 عذابِ قبر قرآن و سنت اور اجماعِ صحابہ سے ثابت ہے، چنانچہ تشہد کے بعد دعا کی جاتی ہے: « اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ » قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ﴾ [الأنعام : ۹۳] "اور کاش! تو دیکھے جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں، نکالو اپنی جانیں، آج تمھیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔" آیت میں " اَلْيَوْمَ " سے مراد ان کی موت کا دن ہے۔ اس پر مزید گفتگو " كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَا جَاءَ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ (١٣٧٢) " میں ہوگی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

٨ـ بَابُ طُولِ السُّجُودِ فِي الْكُسُوفِ

8۔ باب: کسوف میں سجدے کو لمبا کرنا

١٠٥١ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ نُودِيَ: إِنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ، فَرَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ رَكْعَتَيْنِ فِي سَجْدَةٍ، ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِي

1051۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو اعلان کیا گیا: " اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ " (نماز کے لیے جمع ہو جاؤ) تو نبی ﷺ نے ایک رکعت میں دو رکوع کیے، پھر آپ کھڑے ہوئے اور ایک رکعت میں دو رکوع کیے، پھر

سَجْدَةٍ، ثُمَّ جَلَسَ، ثُمَّ جُلِّيَ عَنِ الشَّمْسِ، قَالَ: وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: مَا سَجَدْتُ سُجُودًا قَطُّ كَانَ أَطْوَلَ مِنْهَا. [راجع: ١٠٤٥- أخرجه مسلم: ٩١٠]

آپ بیٹھ گئے اور سورج روشن ہو گیا (یعنی نماز کے آخری بیٹھنے میں سورج روشن ہو گیا)۔ (ابوسلمہ نے) کہا: اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے اس سے لمبا سجدہ کبھی نہیں کیا۔

فوائد: 1 قَالَ: وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: یہاں ایک سوال ہے کہ "قَالَ" کا فاعل کون ہے، یعنی جس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سن کر بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: میری تحقیق میں وہ ابوسلمہ ہیں جنھوں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہوں جنھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بیان کی ہے۔ اس صورت میں حدیث کا یہ ٹکڑا صحابی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا صحابی سے روایت ہو گا۔

2 بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ صلاۃِ کسوف میں قیام اور رکوع تو لمبا ہونا چاہیے مگر سجدہ لمبا نہیں ہونا چاہیے، اس باب اور حدیث میں ان کا رد ہے۔ فتح الباری میں صلاۃِ خسوف میں سجدہ لمبا کرنے کی متعدد احادیث لکھی ہیں۔

٩ - بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ جَمَاعَةً

9۔ باب: صلاۃِ کسوف جماعت کے ساتھ ادا کرنا

وَصَلَّى ابْنُ عَبَّاسٍ لَهُمْ فِي صُفَّةِ زَمْزَمَ. وَجَمَعَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَصَلَّى ابْنُ عُمَرَ.

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو زم زم کے صفہ میں نماز پڑھائی۔ اور علی بن عبداللہ بن عباس نے لوگوں کو جمع کیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نماز پڑھائی۔

١٠٥٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِرَاءَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ

1052۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی، چنانچہ آپ نے سورۂ بقرہ کی قراءت جتنا لمبا قیام کیا، پھر آپ نے لمبا رکوع کیا، پھر آپ نے سر اٹھایا اور لمبا قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر آپ نے لمبا رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر آپ نے سجدہ کیا، پھر لمبا قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر آپ نے لمبا رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر آپ نے سر اُٹھایا اور لمبا قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر آپ نے لمبا رکوع کیا اور

الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ ﷺ: « إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ، فَاذْكُرُوا اللّٰهَ »

وہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر آپ نے سجدہ کیا، پھر لوگوں کی طرف پلٹ گئے اور سورج روشن ہو چکا تھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو نہ کسی کی موت کی وجہ سے گرہن ہوتی ہیں نہ اس کی حیات کی وجہ سے، تو جب تم اسے دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو۔''

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَيْنَاكَ كَعْكَعْتَ! قَالَ ﷺ: « إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ عُنْقُودًا، وَلَوْ أَصَبْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا، وَأُرِيتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ، وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ » قَالُوا: بِمَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!؟ قَالَ: « بِكُفْرِهِنَّ » قِيلَ: يَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ؟ قَالَ: « يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، وَ يَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ كُلَّهُ، ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ »

[راجع : ٢٩۔ أخرجه مسلم : ٩٠٧]

لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ نے اپنی جگہ کوئی چیز پکڑی ہے، پھر ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے جنت کو دیکھا تو ایک گچھا پکڑنے لگا اور اگر میں اسے حاصل کر لیتا تو جب تک دنیا باقی ہے تم اس میں سے کھاتے رہتے اور مجھے آگ دکھائی گئی تو میں نے آج جیسا خوفناک منظر کبھی نہیں دیکھا اور میں نے دیکھا کہ اس میں سب سے زیادہ عورتیں ہیں۔'' لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ کس وجہ سے ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ ان کے کفر کی وجہ سے ہے۔'' آپ سے سوال کیا گیا: کیا وہ اللہ کا کفر کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان کی ناشکری کرتی ہیں، اگر تو ساری عمر ان میں سے کسی ایک کے ساتھ احسان کرے پھر وہ تم سے کوئی معمولی چیز دیکھے تو کہے گی: میں نے تمھاری طرف سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔''

فوائد: 1 باب ہے جماعت کے ساتھ نماز کسوف پڑھنا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مقرر کیا ہوا امام موجود نہ ہو تو حاضرین میں سے کوئی شخص نماز پڑھا دے، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے صفہ زم زم میں جماعت کروا دی۔ جمہور کا یہی

قول ہے۔ ثوری سے مروی ہے کہ اگر امام موجود نہ ہو تو سب اکیلے اکیلے نماز پڑھیں (مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے)۔

2 شافعی اور سعید بن منصور دونوں نے سفیان بن عیینہ سے، انھوں نے سلیمان احول سے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے طاؤس سے سنا، وہ کہتے تھے: سورج گرہن ہو گیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ہمیں زم زم کے صفہ میں چار سجدوں (یعنی دو رکعت) میں چھ رکوع نماز پڑھائی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: یہ موقوف صحیح ہے۔

3 ''صفہ'' کا معنی کھلی جگہ جس پر سایہ کیا گیا ہو یعنی چھپر یا سائبان۔ علی بن عبد اللہ بن عباس تابعی ہیں، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں۔ جس رات علی رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اس رات یہ پیدا ہوئے، ان کا نام ان کے نام پر رکھا گیا۔ بنو عباس کے تمام خلفاء ان کی اولاد سے ہیں۔ تیسیر الباری میں قسطلانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ روزانہ ایک ہزار سجدے کرتے تھے، اس لیے ان کا نام سجاد پڑ گیا۔ بندہ عبد السلام عرض کرتا ہے کہ ان کے علاوہ اور کئی بزرگوں کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ روزانہ دو سو رکعتیں پڑھتے تھے۔ بعض کے متعلق روزانہ پانچ سو رکعت اور بعض کا ایک ہزار رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ بعض کے متعلق چالیس سال تک فجر کی نماز عشاء کے وضو کے ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے۔ مگر یہ سب باتیں حقیقت سے بہت بعید ہیں، کیونکہ:

① اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے متعلق فرمایا: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ [المزمل : ۲۰] ''بلاشبہ تیرا رب جانتا ہے کہ تو رات کے دو تہائی کے قریب اور اس کا نصف اور اس کا تیسرا حصہ قیام کرتا ہے اور ان لوگوں کی ایک جماعت بھی جو تیرے ساتھ ہیں اور اللہ رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے۔ اس نے جان لیا کہ تم ہرگز اس کی طاقت نہیں رکھو گے، سو اس نے تم پر مہربانی فرمائی تو قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو۔'' جب ساری اولادِ آدم کے سردار ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ہرگز اس کی طاقت نہیں رکھو گے، جو آیت میں مذکور ہے، تو پھر ساری رات چالیس سال تک کون جاگ سکتا ہے۔ ② اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ سے رات کی نماز زیادہ سے زیادہ گیارہ یا تیرہ یا پندرہ رکعتیں آئی ہیں، ہمارے لیے وہی نمونہ اور اسوۂ حسنہ ہیں۔ یہ پانچ سو یا ہزار رکعت آپ کا یا آپ کے صحابہ کا طریقہ تو ہرگز نہیں۔ ③ رسول اللہ ﷺ نے ان تین آدمیوں سے جن میں سے ایک صاحب نے یہ عزم کیا تھا کہ میں رات بھر سویا نہیں کروں گا، یہ فرمایا تھا کہ ''میں رات قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔'' اور آخر میں فرمایا: « فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ » [بخاري : ٥٠٦٣] ''تو جو شخص میرے طریقے سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے نہیں۔'' ④ ایک ہزار سجدے یعنی پانچ سو رکعات یا بعض کی روزانہ ہزار رکعتیں رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کی پیروی نہیں بلکہ اللہ کے فرمان: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ﴾ [الحجرات : ۱] (اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو) کی صریح مخالفت ہے۔ ⑤ اتنی رکعتیں آرام و سکون اور خشوع و خضوع کے ساتھ کسی صورت نہیں پڑھی جا سکتیں، پھر محض ٹکروں سے کیا حاصل؟ یقیناً رسول اللہ ﷺ جتنی رکعتیں پڑھتے تھے انھی میں خشوع و خضوع اور اطمینان کا اہتمام ہو سکتا ہے۔ ایک صاحب نے کیا خوب بات کی ہے ؎

طوفانِ نوح لانے سے اے آنکھ فائدہ ؟ دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

⊙ ان ائمہ و مشائخ کے متعلق اتنی تعداد رکعتوں کی بیان کرنا جو مسلمانوں کے مسلّم امام ہیں درحقیقت ان کی توہین ہے، تعریف نہیں۔ ہماری دانست میں وہ حضرات اتنی رکعتیں نہیں پڑھتے تھے، نہ ہی روزانہ پڑھ سکتے تھے۔ اتنی تو ہمیشہ بیٹھکیں لگانا مشکل کام ہے۔ یہ صرف ان کے نادان معتقدین کا کام ہے کہ ان کی ایسی تعریف بیان کرتے ہیں جو دراصل توہین ہے۔ اگر بالفرض وہ اتنی رکعتیں پڑھتے تھے تو قرآن و سنت کی روشنی میں ان کا مسلمانوں کا امام ہونا بہت مشکل ہے۔ بعض حضرات اسے ان بزرگوں کی کرامت قرار دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے وقت میں برکت رکھ دی تھی، اس لیے وہ روزانہ یہ عمل کر سکتے تھے مگر اس سے یہ سوال حل نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل نبی ﷺ کو یہ معجزہ کیوں عطا نہیں فرمایا؟ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ آپ اور آپ کے صحابہ رات کے ثلث، نصف اور دو ثلث کے برابر ہرگز قیام نہیں کر سکیں گے۔ پھر کسی اور شخص میں یہ طاقت کیسے آ گئی؟ سید نذیر حسین محدث دہلوی کی کتاب ''معیار الحق'' کے ابتدائی حصے میں یہ بحث بہت عمدہ لکھی گئی ہے، قارئین اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ ساری کتاب بہت مضبوط اور مدلل ہے۔

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لفظ کفر ناشکری پر بھی بولا جاتا ہے۔

5 اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جہنم میں دیکھا کہ اس میں رہنے والیاں اکثر عورتیں ہیں، پوچھنے پر آپ نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان کی ناشکری کرتی ہیں۔ مستدرک حاکم (٨٧٨٨) میں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « إِنِ ائْتُمِنَّ أَفْشَيْنَ، وَإِنْ سَأَلْنَ أَلْحَفْنَ، وَإِذَا سُئِلْنَ بَخِلْنَ، وَإِذَا أُعْطِينَ لَمْ يَشْكُرْنَ » ''اگر ان کے پاس (کسی راز کی) امانت رکھی جائے تو اسے پھیلا دیتی ہیں اور اگر سوال کریں تو چمٹ کر کرتی ہیں اور جب ان سے مانگا جائے تو بخل کرتی ہیں اور انھیں دیا جائے تو شکر نہیں کرتیں۔'' حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور ذہبی نے تلخیص میں کہا ہے کہ یہ صحیح ہے۔

6 سعید بن منصور نے ایک اور سند کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے کہ انگور پکڑنے کا عمل دوسری رکعت کے دوسرے قیام کے دوران واقع ہوا۔ (فتح الباری)

7 رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے متعدد بار جنت اور جہنم کا مشاہدہ کروایا، ان میں سے ایک مشاہدہ معراج کے موقع پر کروایا گیا۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ معراج میں مشاہدۂ جمال تھا اور زمین پر مشاہدۂ جلال تھا۔ مگر کہنا یوں چاہیے کہ دونوں جگہ جنت کا مشاہدہ مشاہدۂ جمال تھا اور جہنم کا مشاہدہ مشاہدۂ جلال تھا۔

١٠۔ بَابُ صَلَاةِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْكُسُوفِ

10۔ باب: گرہن میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی نماز

١٠٥٣۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا

1053۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے

مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنِ امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهَا قَالَتْ : أَتَيْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ حِينَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّونَ وَ إِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي، فَقُلْتُ : مَا لِلنَّاسِ ؟ فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا إِلَى السَّمَاءِ، وَقَالَتْ : سُبْحَانَ اللَّهِ ! فَقُلْتُ : آيَةٌ ؟ فَأَشَارَتْ أَيْ : نَعَمْ، قَالَتْ : فَقُمْتُ حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ، فَجَعَلْتُ أَصُبُّ فَوْقَ رَأْسِي الْمَاءَ .

کہا: جب سورج گرہن ہوا اس وقت میں عائشہ زوجہ نبی ﷺ کے پاس آئی، دیکھا تو لوگ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ بھی کھڑی ہو کر نماز پڑھ رہی ہیں۔ میں نے کہا: لوگوں کو کیا ہوا؟ تو انھوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا: سبحان اللہ! میں نے کہا: کوئی نشانی ہے؟ انھوں نے اشارہ کیا، یعنی ہاں! تو میں بھی نماز کے لیے کھڑی ہو گئی حتی کہ مجھ پر غشی چھانے لگی، تو میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔

فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ : « مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا، حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ مِثْلَ أَوْ قَرِيبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ – لَا أَدْرِي أَيَّتَهُمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ – يُؤْتَى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهُ : مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوقِنُ – لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ – فَيَقُولُ : مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى، فَأَجَبْنَا وَآمَنَّا وَاتَّبَعْنَا، فَيُقَالُ لَهُ : نَمْ صَالِحًا، فَقَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُوقِنًا، وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ – لَا أَدْرِي أَيَّتَهُمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ – فَيَقُولُ : لَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ » [راجع : ٨٦ـ أخرجه مسلم : ٩٠٥]

جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا: ''کوئی بھی چیز جو میں نے نہیں دیکھی تھی وہ میں نے اپنے اس مقام میں دیکھ لی ہے، یہاں تک کہ جنت اور آگ بھی اور مجھے وحی کی گئی ہے کہ قبروں میں تمھاری آزمائش دجال کے فتنے کی طرح یا اس کے قریب کی جاتی ہے۔ میں نہیں جانتی کہ ان دونوں لفظوں میں سے اسماء رضی اللہ عنہا نے کیا لفظ کہا تھا۔ تم میں سے ہر ایک کے پاس فرشتہ آتا ہے اور اسے کہتا ہے: اس آدمی کے متعلق تمھارا علم کیا ہے؟ تو جو ایمان والا یا یقین والا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے ان میں سے کیا کہا تھا۔ وہ کہتا ہے: محمد اللہ کے رسول ہیں ﷺ، وہ ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت لے کر آئے، تو ہم نے قبول کیا اور ایمان لے آئے اور پیروی کی۔ تو اسے کہا جاتا ہے: صحیح سلامت سو جا، ہمیں معلوم ہو چکا تھا کہ تم یقین والے تھے۔ اور لیکن جو منافق یا شک والا ہے۔ میں

نہیں جانتی کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے ان دونوں میں سے کیا لفظ کہا تھا ۔ تو وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں سے ایک بات سنی تو وہی کہہ دی۔“

فوائد 1 اس حدیث کے بعض فوائد حدیث (٨٦) میں گزر چکے ہیں۔ اس باب سے ان لوگوں کا رد مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ گرہن کے موقع پر عورتیں گھروں میں نماز پڑھیں، اگرچہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کے گھر میں نماز پڑھی مگر اس حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہا کے علاوہ بھی عورتیں نماز پڑھ رہی تھیں، اس کے مطابق عورتیں مسجد کے پچھلے حصے میں دوسری نمازوں کی طرح گرہن کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ (فتح الباری)

2 اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ اور اس حدیث کے دو راویوں ہشام بن عروہ اور فاطمہ بنت منذر کی دادی ہیں۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غشی کی ابتدا ہو یا غشی طاری ہو جائے تو اس کا علاج پانی ڈالنا ہے اور آج تک یہی علاج چلا آ رہا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی نماز کے دوران اپنی تکلیف کا علاج ایسے طریقے سے کر سکتا ہے جس سے نماز باطل نہ ہو۔ (ابن عثیمین)

4 اس حدیث سے عذابِ قبر کا ثبوت بھی ملتا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”قبروں میں تمھاری آزمائش کی جاتی ہے۔“

١١۔ بَابُ مَنْ أَحَبَّ الْعَتَاقَةَ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ

11۔ باب: سورج گرہن میں غلام آزاد کرنا محبوب عمل ہے

١٠٥٤۔ حَدَّثَنَا رَبِيعُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ فَاطِمَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ، قَالَتْ: لَقَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعَتَاقَةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ.

[راجع: ٨٦۔ أخرجه مسلم: ٩٠٥ بقطعة لم ترد في هذه الطريق]

1054۔ اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

١٢۔ بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ فِي الْمَسْجِدِ

12۔ باب: صلاۃِ کسوف مسجد میں ادا کرنا

١٠٥٥۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ يَهُودِيَّةً جَاءَتْ تَسْأَلُهَا، فَقَالَتْ: أَعَاذَكِ اللَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: أَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِي

1055۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان سے مانگنے کے لیے آئی، اس نے کہا: اللہ تمھیں عذابِ قبر سے پناہ میں رکھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا لوگوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ کی پناہ اس سے۔“

قُبُورِهِمْ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ » [راجع : ١٠٤٩ـ أخرجه مسلم : ٥٨٦ مطولاً، وأخرجه (٩٠٣) بالقطعة الآتية]

١٠٥٦ـ ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ مَرْكَبًا، فَكَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَرَجَعَ ضُحًى فَمَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ ظَهْرَانَي الْحُجَرِ، ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَقَامَ النَّاسُ وَرَاءَهُ، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ سُجُودًا طَوِيلًا، ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ وَهُوَ دُونَ السُّجُودِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُولَ، ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَتَعَوَّذُوا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. [راجع : ١٠٤٤ـ أخرجه مسلم : ٩٠٣]

1056۔ پھر ایک صبح رسول اللہ ﷺ سواری پر سوار ہوئے تو سورج گرہن ہو گیا، آپ دوپہر کے وقت واپس آئے تو حجروں کے درمیان سے گزرے، پھر آپ کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھنے لگے اور لوگ بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے تو آپ نے لمبا قیام کیا، پھر لمبا رکوع کیا، پھر سر اُٹھایا اور لمبا قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر آپ نے لمبا رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر آپ نے سر اُٹھایا اور لمبا سجدہ کیا، پھر کھڑے ہوئے تو لمبا قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر لمبا رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر لمبا قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر لمبا رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر سجدہ کیا اور وہ پہلے سجدے سے کم تھا، پھر آپ (نماز سے) فارغ ہوئے تو جو اللہ نے چاہا رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا، پھر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ عذابِ قبر سے پناہ مانگیں۔

فائدہ اس حدیث کے اکثر فوائد (۱۰۴۴) میں گزر چکے ہیں۔ اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بیان کی ہے جو اس سے چار باب پہلے گزر چکی ہے، اس میں یہ صراحت نہیں کہ آپ نے نمازِ کسوف مسجد میں پڑھی لیکن اس حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ''حجروں کے درمیان سے گزرے'' سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے، کیونکہ نبی ﷺ کی بیویوں کے حجرے مسجد کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ صحیح مسلم (۹۰۳/۸) میں اس کی تصریح بھی ہے، چنانچہ وہاں عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ ہیں: « فَخَرَجْتُ فِيْ نِسْوَةٍ بَيْنَ ظَهْرَيِ الْحُجَرِ فِي الْمَسْجِدِ، فَأَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَرْكَبِهٖ، حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى مُصَلَّاهُ الَّذِيْ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْهِ » ''میں کچھ عورتوں کے ساتھ حجروں کے درمیان سے

ہوتی ہوئی مسجد میں آئی تو رسول اللہ ﷺ اپنی سواری سے اتر کر اپنی نماز کی جگہ میں آئے جہاں آپ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے۔'' نبی ﷺ سواری پر اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات کی وجہ سے گئے تھے، جیسا کہ پہلے باب میں گزرا ہے تو جب آپ واپس آئے تو مسجد میں آ گئے (اور وہیں نماز پڑھی)، آپ نے باہر نکل کر نماز نہیں پڑھی۔ ثابت ہوا کہ سنت یہی ہے کہ نمازِ کسوف مسجد میں پڑھی جائے، کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو صحرا میں یہ نماز پڑھنا زیادہ مناسب تھا، کیونکہ وہاں سورج کا گرہن سے نکل کر روشن ہونا زیادہ آسانی سے نظر آ سکتا تھا۔ (فتح الباری)

۱۳۔ بَابٌ: لَا تَنْكَسِفُ الشَّمْسُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ

13۔ باب: سورج کسی کی موت یا اس کی حیات کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتا

رَوَاهُ أَبُو بَكْرَةَ وَالْمُغِيرَةُ وَ أَبُو مُوسَى وَابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ . [راجع : ۱۰۴۰، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۲۹، ۱۰۵۹]

اسے ابوبکرہ، مُغیرہ، ابوموسیٰ، ابن عباس اور ابن عمر ﷺ نے بیان کیا ہے۔

فائدہ ان میں سے اکثر صحابہ کی احادیث پہلے گزر چکی ہیں، چنانچہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (۱۰۴۰) میں، مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (۱۰۴۳) میں، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث آئندہ (۱۰۵۹) میں، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث (۱۰۵۲) میں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث (۱۰۴۲) میں ملاحظہ کریں۔

۱۰۵۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسٌ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَصَلُّوا » [راجع : ۱۰۴۱۔ أخرجه مسلم : ۹۱۱]

1057۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سورج اور چاند نہ کسی کی موت کی وجہ سے گرہن ہوتے ہیں نہ اس کی حیات کی وجہ سے، بلکہ وہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، تو جب تم انھیں دیکھو تو نماز پڑھو۔''

فائدہ یہ حدیث عائشہ، ابومسعود رضی اللہ عنہما اور ترجمۃ الباب میں مذکور صحابہ کے علاوہ بھی متعدد صحابہ کرام ﷺ سے آئی ہے۔ اس باب کی احادیث جو صحیح بخاری میں نہیں بلکہ دوسری کتبِ احادیث میں آئی ہیں وہ یہ ہیں: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے صحیح مسلم (۹۰۴) میں، عبد اللہ بن عمرو، نعمان بن بشیر، قبیصہ ہلالی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے سنن نسائی (۱۴۹۶، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۳) میں، عبد اللہ بن مسعود، سمرہ بن جندب اور محمود بن لبید رضی اللہ عنہم سے مسند احمد (۳۴۸۷) میں اور عقبہ بن عامر اور بلال رضی اللہ عنہما سے معجم طبرانی (۲۹۲/۱۷، ح: ۸۰۶۔ ۳۵۸/۱، ح: ۱۰۹۴) میں۔ یہ متعدد روایات ہیں جن میں سے اکثر صحت کی شرط

کے مطابق ہیں اور اہلِ حدیث کے ہاں ان سے قطعی یقین حاصل ہوتا ہے کہ سورج یا چاند کا سبب کسی کی موت یا حیات نہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کسی کی موت یا حیات کا سورج یا چاند گرہن میں کوئی دخل ہے ان کی بات غلط ہے۔ (فتح الباری)

١٠٥٨ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ وَهِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلَّى بِالنَّاسِ فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ وَهِيَ دُونَ قِرَاءَتِهِ الْأُولَى، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ دُونَ رُكُوعِهِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ قَامَ فَصَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ قَامَ فَقَالَ : « إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلَكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ يُرِيهِمَا عِبَادَهُ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ » [راجع : ١٠٤٤ ـ أخرجه مسلم : ٩٠١]

1058۔ عائشہ ﷞ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور لمبی قراءت کی، پھر رکوع کیا اور لمبا رکوع کیا، پھر اپنا سر اُٹھایا اور لمبی قراءت کی اور وہ آپ کی پہلی قراءت سے کم تھی، پھر آپ نے رکوع کیا اور وہ آپ کے پہلے رکوع سے کم تھا، پھر آپ نے سر اُٹھایا اور دو سجدے کیے، پھر کھڑے ہوئے اور دوسری رکعت میں بھی ایسے ہی کیا، پھر آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”سورج اور چاند نہ کسی کی موت کی وجہ سے گرہن ہوتے ہیں نہ اس کی حیات کی وجہ سے، لیکن یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو وہ اپنے بندوں کو دکھاتا ہے، تو جب تم یہ دیکھو تو نماز کی پناہ لو۔“

فائدہ مصنف عبدالرزاق (۴۹۲۲) میں معمر کی ہشام سے روایت میں ” فَتَصَدَّقُوا “ کے الفاظ زیادہ ہیں، یعنی اس موقع پر صدقہ کیا کرو۔ (فتح الباری)

١٤ ـ بَابُ الذِّكْرِ فِي الْكُسُوفِ

14۔ باب: گرہن کے موقع پر ذکر کرنا

رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا . [راجع : ٢٩]

اسے ابن عباس ﷠ نے روایت کیا ہے۔

فائدہ ابن عباس ﷠ کی یہ حدیث (۱۰۵۲) میں متصل سند کے ساتھ گزر چکی ہے۔

١٠٥٩ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ : حَدَّثَنَا

1059۔ ابو موسیٰ ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ : خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَزِعًا يَخْشَى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ، فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى بِأَطْوَلِ قِيَامٍ وَ رُكُوعٍ وَسُجُودٍ رَأَيْتُهُ قَطُّ يَفْعَلُهُ، وَقَالَ : « هٰذِهِ الْآيَاتُ الَّتِي يُرْسِلُ اللّٰهُ، لَا تَكُونُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلٰكِنْ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِ عِبَادَهُ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوا إِلَى ذِكْرِهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ » [انظر في الكسوف، باب : ٦ و باب : ١٣ و باب : ١٥۔ أخرجه مسلم : ٩١٢]

کے زمانے میں سورج گرہن ہو گیا تو نبی ﷺ گھبرائے ہوئے اٹھے، اس سے ڈر رہے تھے کہ قیامت آ جائے گی، تو آپ مسجد میں آئے اور آپ نے سب سے لمبے قیام، رکوع اور سجدے کے ساتھ نماز پڑھی جو آپ کو پڑھتے ہوئے کبھی میرے دیکھنے میں آئی۔ اور آپ نے فرمایا: ''یہ نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے، یہ کسی کی موت یا اس کی حیات کی وجہ سے نہیں ہوتیں، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، تو جب تم اس میں سے کوئی چیز دیکھو تو اللہ کے ذکر اور اس سے دعا اور اس سے استغفار کی پناہ لو۔''

فائدہ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: گھبرانے اور ڈرنے کی وجہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ یہ گھبرانا صرف گہن سے نہ تھا، کیوں کہ گہن تو معمولی چیز ہے، بلکہ اس وجہ سے تھا کہ شاید قیامت کا گہن ہو۔ اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ ابھی تک قیامت کی نشانیاں جیسے دجال وغیرہ تو ظاہر ہی نہیں ہوئیں (رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے بھی قیامت نہیں آ سکتی تھی، فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ [الأنفال : ٣٣] ''اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ انھیں عذاب دے، جب کہ تو ان میں ہو۔'' عبد السلام) پھر آپ کو یہ ڈر کیسے ہوا کہ شاید قیامت کا گہن ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید اس وقت بڑی دس نشانیاں قیامت کی آپ کو نہ بتلائی گئی ہوں، مگر یہ جواب قیاس سے بعید ہے، کیونکہ یہ سورج گہن سنہ ۱۰ ہجری میں ہوا تھا جس سال آپ کے صاحب زادے ابراہیم کا انتقال ہوا، اس سے پہلے ہی آپ قیامت کی کئی نشانیاں صحابہ کو بتلا چکے تھے۔ عمدہ جواب یہ ہے کہ یہ جملہ نبی ﷺ کا فرمایا ہوا نہیں ہے، بلکہ راوی کا گمان ہے اور ممکن ہے آپ کی گھبراہٹ کسی اور وجہ سے ہو۔ بعض نے کہا: راوی کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایسے گھبرا کر اُٹھے جیسے قیامت آ گئی ہو۔ (تیسیر الباری) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک اور احتمال لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے علامات کے بارے میں پیش گوئیاں مشروط ہوں، شرطوں کا ذکر نہیں کیا گیا، شرطوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مشروط واقع نہ ہو یا صحابہ کے تعوذ میں ''الدجال'' کی کثرت کی بنا پر دجال کا آنا موقوف ہو گیا ہو، یا علامات کی خبر منسوخ ہو گئی ہو۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ بات درست نہیں، کیونکہ نسخ احکام میں ہوتا ہے خبروں میں نہیں، کیونکہ اگر پیش گوئی کے مطابق خبر واقع نہ ہو تو اسے منسوخ نہیں بلکہ جھوٹ کہا جاتا ہے۔ مرزا قادیانی بھی اس قسم کی باتوں کا سہارا لیتا تھا تاکہ جھوٹا نہ بن سکے۔ اس سوال کے جواب میں کچھ اور احتمال بھی ذکر کیے جاتے ہیں کہ بعض کہتے ہیں ساعت

سے مراد قیامت نہیں بلکہ کوئی اور اہم بات مثلاً آپ کی وفات ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے پیش نظر آپ کو اس کی علامات کا خیال نہ رہا ہو۔ ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: درست بات وہی ہے کہ یہ جملہ رسول اللہ ﷺ کا نہیں بلکہ راوی کا گمان ہے۔ رہا حافظ ابن حجر کا قول تو وہ صوفیوں کی گپوں جیسی بات ہے، صوفیاء اپنے الہامات اور کشوف کو درست ثابت کرنے کے لیے ایسی گپیں ہانکتے رہتے ہیں۔ مرزا قادیانی کی پیش گوئیاں بھی ایسی ہی تھیں کہ زلزلہ آئے گا، عمر بھر نہ آیا۔ پیش گوئی کی کہ عیسائی آتھم پندرہ ماہ بعد مرے گا مگر وہ تیس ماہ بعد مرا، جس پر جلوس نکالے گئے۔ پیش گوئی کی کہ محمدی بیگم میرے نکاح میں آئے گی مگر وہ اس کے نکاح کی حسرت دل میں لیے دنیا سے رخصت ہو گیا۔ مرزائیوں نے کہہ دیا کہ یہ پیش گوئیاں منسوخ ہو گئیں، حالانکہ اللہ کی طرف سے آنے والی خبر کے خلاف واقعہ ہونا محال ہے، کیونکہ ایسی صورت میں وہ خبر جھوٹ ہوگی اور اللہ سے جھوٹ واقع ہونا محال ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ اپنے کسی حکم کو منسوخ کر سکتا ہے اور کر دیتا ہے۔

١٥ ـ بَابُ الدُّعَاءِ فِي الْخُسُوفِ

15۔ باب: خسوف میں دعا کرنا

قَالَهُ أَبُو مُوسَى وَعَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ١٠٥٩، ١٠٤٤]

اسے ابو موسیٰ اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فائدہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث (1059) اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (1044) میں گزر چکی ہے۔

١٠٦٠ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُولُ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ، فَقَالَ النَّاسُ: انْكَسَفَتْ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ، لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَادْعُوا اللَّهَ وَصَلُّوا حَتَّى يَنْجَلِيَ» [راجع: ١٠٤٣ ـ أخرجه مسلم: ٩١٥ بذكر (ينكشف) بدل (ينجلي)]

1060۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورج اس دن گرہن ہو گیا جس دن ابراہیم فوت ہوئے، لوگوں نے کہا: یہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے گرہن ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو کسی کی موت کی وجہ سے یا اس کی حیات کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے، تو جب تم انھیں دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور نماز پڑھو یہاں تک کہ وہ روشن ہو جائے۔“

فائدہ اس حدیث کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (1043)۔

١٦۔ بَابُ قَوْلِ الْإِمَامِ فِي خُطْبَةِ الْكُسُوفِ: أَمَّا بَعْدُ

16۔ باب: امام کا گرہن کے خطبہ میں "أَمَّا بَعْدُ" کہنا

١٠٦١۔ وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ: فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللَّهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ» [راجع: ٨٦۔ أخرجه مسلم: ٩٠٥ مطولاً]

1061۔ اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا، پھر آپ نے خطبہ دیا، آپ نے اللہ کی حمد کی جس کا وہ اہل ہے، پھر فرمایا: "أَمَّا بَعْدُ۔"

فائدہ اس حدیث کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (٨٦)۔

١٧۔ بَابُ الصَّلَاةِ فِي كُسُوفِ الْقَمَرِ

17۔ باب: چاند گرہن میں نماز پڑھنا

١٠٦٢۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ. [راجع: ١٠٤٠]

1062۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہو گیا تو آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔

فائدہ اس حدیث کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (١٠٤٠)۔

١٠٦٣۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهُ، حَتَّى انْتَهَى إِلَى الْمَسْجِدِ، وَثَابَ النَّاسُ إِلَيْهِ فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ، فَانْجَلَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ، وَإِنَّهُمَا لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ

1063۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہو گیا تو آپ چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے یہاں تک کہ مسجد میں پہنچ گئے اور لوگ آپ کے پاس اکٹھے ہو گئے، آپ نے انھیں دو رکعتیں پڑھائیں، پھر جب سورج روشن ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، وہ دونوں کسی کی موت کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے، اس لیے جب یہ واقع

أَحَدٍ، وَإِذَا كَانَ ذَاكَ فَصَلُّوا وَادْعُوا حَتّٰى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ » وَذَاكَ أَنَّ ابْنًا لِلنَّبِيِّ ﷺ مَاتَ يُقَالُ لَهُ : إِبْرَاهِيمُ ، فَقَالَ النَّاسُ فِي ذَاكَ . [راجع : ١٠٤٠]

ہوں تو تم نماز پڑھو اور دعا کرو یہاں تک کہ جو مصیبت تم پر آئی ہے وہ دور ہو جائے۔" وجہ اس کی یہ تھی کہ نبی ﷺ کا ایک بیٹا فوت ہو گیا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا تھا، تو لوگوں نے اس کے متعلق یہ بات کہی۔

فوائد 1 علامہ وحید الزمان نے لکھا ہے: باب کی پہلی حدیث پر اعتراض ہوا ہے کہ حدیث ترجمۂ باب سے مطابقت نہیں رکھتی، کیونکہ اس میں چاند کا ذکر تک نہیں اور جواب یہ ہے کہ یہ روایت مختصر ہے، اس کے بعد والی روایت میں صاف چاند کا ذکر ہے، تو مقصود وہی دوسری روایت ہے اور اس کو اس لیے ذکر کر دیا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ روایت مختصر بھی مروی ہے۔ بعض نے کہا کہ صحیح بخاری کے ایک نسخہ میں اس حدیث میں یوں ہے: « اِنْكَسَفَتِ الْقَمَرُ » دوسرے ممکن ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کے اس طریق کی طرف اشارہ کیا ہو جس کو ابن ابی شیبہ نے نکالا، اس میں یوں ہے: « اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ أَوِ الْقَمَرُ » اور ایک طریق میں یوں ہے: « اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ » اور امام بخاری کی عادت ہے کہ ایک حدیث بیان کر کے اس کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور باب کا مطلب اس سے نکالتے ہیں۔ (تیسیر الباری)

2 رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ سے سورج گرہن اور چاند گرہن دونوں کا ثبوت ملتا ہے: « إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، وَإِنَّهُمَا لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَإِذَا كَانَ ذَاكَ فَصَلُّوْا وَادْعُوْا » استدلال اس سے یہ ہے کہ آپ نے سورج اور چاند دونوں کے متعلق فرمایا کہ ان کا گرہن ہو تو نماز پڑھو اور دعا کرو۔ اس کے بعض طرق میں اس سے بھی صریح الفاظ ہیں، چنانچہ ابن حبان (۲۸۳۳) میں نوح بن قیس عن یونس بن عبید کے طریق سے اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں: « فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ » یعنی سورج اور چاند گرہن میں سے کسی کو بھی دیکھو تو نماز پڑھو۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ چاند گرہن میں جماعت مستحب نہیں، کیونکہ عموماً رات کو زیادہ مشقت ہوتی ہے جو دن میں نہیں ہوتی۔ ابن حبان (۲۸۳۷) میں ایک اور سند سے ہے کہ نبی ﷺ نے چاند گرہن میں نماز پڑھائی، اس کے لفظ یہ ہیں: « صَلّٰى فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَلَاتِكُمْ » بیہقی (۶۳۵۷) نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے چاند گرہن میں نماز پڑھنے کا انکار کیا ہے۔ بعض نے تاویل کی ہے کہ چاند گرہن میں " صَلّٰی " یعنی نماز پڑھی کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا حکم دیا۔ صاحب " زَادُ الْمَعَادِ فِيْ هَدْيِ خَيْرِ الْعِبَادِ (۱/ ۵۷۳)" (ابن قیم ؒ) نے کہا ہے: "یہ بات نقل نہیں ہوئی کہ آپ نے چاند گرہن میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہو۔" لیکن ابن حبان نے اپنی "السیرۃ (۱/ ۲۵۱)" میں بیان کیا ہے کہ سنہ ۵ ہجری میں چاند گرہن ہوا تو نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو نماز کسوف پڑھائی اور یہ اسلام میں پہلی صلاۃ کسوف تھی۔ اگر یہ روایت ثابت ہو تو مذکورہ تاویل کی نفی ہو جاتی ہے۔ مغلطائی نے بھی اپنی مختصر "السیرۃ" (الدر المنظوم، ص: ۱۹۹، ح: ۹۷) میں یہ بات جزم سے کہی ہے۔ (فتح الباری)

أَحَدٍ، وَإِذَا كَانَ ذَاكَ فَصَلُّوا وَادْعُوا حَتّٰى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ » وَذَاكَ أَنَّ ابْنًا لِلنَّبِيِّ ﷺ مَاتَ يُقَالُ لَهُ: إِبْرَاهِيمُ ، فَقَالَ النَّاسُ فِي ذَاكَ . [راجع : ١٠٤٠]

ہوں تو تم نماز پڑھو اور دعا کرو یہاں تک کہ جو مصیبت تم پر آئی ہے وہ دور ہو جائے۔" وجہ اس کی یہ تھی کہ نبی ﷺ کا ایک بیٹا فوت ہو گیا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا تھا، تو لوگوں نے اس کے متعلق یہ بات کہی۔

فوائد ومسائل: 1 علامہ وحید الزمان نے لکھا ہے: باب کی پہلی حدیث پر اعتراض ہوا ہے کہ حدیث ترجمۂ باب سے مطابقت نہیں رکھتی، کیونکہ اس میں چاند کا ذکر تک نہیں اور جواب یہ ہے کہ یہ روایت مختصر ہے، اس کے بعد والی روایت میں صاف چاند کا ذکر ہے، تو مقصود وہی دوسری روایت ہے اور اس کو اس لیے ذکر کر دیا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ روایت مختصر بھی مروی ہے۔ بعض نے کہا کہ صحیح بخاری کے ایک نسخہ میں اس حدیث میں یوں ہے: « اِنْكَسَفَتِ الْقَمَرُ » دوسرے ممکن ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کے اس طریق کی طرف اشارہ کیا ہو جس کو ابن ابی شیبہ نے نکالا، اس میں یوں ہے: « اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ أَوِ الْقَمَرُ » اور ایک طریق میں یوں ہے: « اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ » اور امام بخاری کی عادت ہے کہ ایک حدیث بیان کر کے اس کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور باب کا مطلب اس سے نکالتے ہیں۔ (تیسیر الباری)

2 رسول اللہ ﷺ کے ان الفاظ سے سورج گرہن اور چاند گرہن دونوں کا ثبوت ملتا ہے: « إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، وَإِنَّهُمَا لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَإِذَا كَانَ ذَاكَ فَصَلُّوْا وَادْعُوْا » استدلال اس سے یہ ہے کہ آپ نے سورج اور چاند دونوں کے متعلق فرمایا کہ ان کا گرہن ہو تو نماز پڑھو اور دعا کرو۔ اس کے بعض طرق میں اس سے بھی صریح الفاظ ہیں، چنانچہ ابن حبان (۲۸۳۳) میں نوح بن قیس عن یونس بن عبید کے طریق سے اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں: « فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ » یعنی سورج اور چاند گرہن میں سے کسی کو بھی دیکھو تو نماز پڑھو۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ چاند گرہن میں جماعت مستحب نہیں، کیونکہ عموماً رات کو زیادہ مشقت ہوتی ہے جو دن میں نہیں ہوتی۔ ابن حبان (۲۸۳۷) میں ایک اور سند سے ہے کہ نبی ﷺ نے چاند گرہن میں نماز پڑھائی، اس کے لفظ یہ ہیں: « صَلّٰى فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَلَاتِكُمْ » بیہقی (۶۳۵۷) نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے چاند گرہن میں نماز پڑھنے کا انکار کیا ہے۔ بعض نے تاویل کی ہے کہ چاند گرہن میں " صَلّٰى " یعنی نماز پڑھی کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا حکم دیا۔ صاحب " زَادُ الْمَعَادِ فِيْ هَدْيِ خَيْرِ الْعِبَادِ (۵۷۳/۱)" (ابن قیم رحمہ اللہ) نے کہا ہے: "یہ بات نقل نہیں ہوئی کہ آپ نے چاند گرہن میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہو۔" لیکن ابن حبان نے اپنی "السيرة (۲۵۱/۱)" میں بیان کیا ہے کہ سنہ ۵ ہجری میں چاند گرہن ہوا تو نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو نمازِ کسوف پڑھائی اور یہ اسلام میں پہلی صلاۃِ کسوف تھی۔ اگر یہ روایت ثابت ہو تو مذکورہ تاویل کی نفی ہو جاتی ہے۔ مغلطائی نے بھی اپنی مختصر "السيرة" (الدر المنظوم، ص: ۱۹۹، ح: ۹۷) میں یہ بات جزم سے کہی ہے۔ (فتح الباری)

١٨- بَابٌ: الرَّكْعَةُ الْأُولَى فِي الْكُسُوفِ أَطْوَلُ

18- باب: کسوف میں پہلا رکوع زیادہ لمبا ہونا

١٠٦٤- حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمْ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي سَجْدَتَيْنِ الْأَوَّلُ الْأَوَّلُ أَطْوَلُ. [راجع: ١٠٤٤- أخرجه مسلم: ٩٠١]

1064- عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں سورج گرہن میں دو رکعتوں میں چار رکوع نماز پڑھائی، ہر پہلا رکوع بعد والے سے لمبا تھا۔

فائدہ یہ حدیث مفصل (١٠٤٤) میں گزر چکی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: یہ متن اس لمبی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو "بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ فِي الْمَسْجِدِ (١٠٥٦)" میں گزر چکی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بالمعنی اختصار کیا گیا ہے، کیونکہ اس میں ہے: « ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ » اور یہاں یہ الفاظ ہیں: « أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي سَجْدَتَيْنِ الْأُولَى أَطْوَلُ » اسماعیلی نے اسے ان لفظوں میں روایت کیا ہے: « الْأُولَى فَالْأُولَى أَطْوَلُ » پہلا رکوع پھر پہلا رکوع بعد والے سے لمبا تھا۔ (فتح الباری) ہدایۃ القاری میں ہے: یعنی نمازِ کسوف میں پہلا رکوع دوسرے سے اور دوسرا تیسرے سے اور تیسرا چوتھے سے طویل تر تھا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ پہلی رکعت دوسری رکعت سے طویل تھی، کیونکہ اس میں قیام اور رکوع طویل ہوتا تھا۔

١٩- بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْكُسُوفِ

19- باب: نمازِ کسوف میں قراءت بلند آواز سے کرنا

١٠٦٥- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ نَمِرٍ، سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: جَهَرَ النَّبِيُّ ﷺ فِي صَلَاةِ الْخُسُوفِ بِقِرَاءَتِهِ، فَإِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَتِهِ كَبَّرَ فَرَكَعَ، وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ: « سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ » ثُمَّ يُعَاوِدُ الْقِرَاءَةَ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ

1065- عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نمازِ خسوف میں بلند آواز سے قراءت کی، جب قراءت سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہی اور رکوع کیا اور جب رکوع سے سر اٹھایا تو کہا: " سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ " پھر نمازِ کسوف میں دوبارہ قراءت شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے اس نماز میں دو رکعتوں اور چار سجدوں میں چار رکوع کے ساتھ نماز پڑھی۔

سَجَدَاتٍ . [راجع : ١٠٤٤ - أخرجه مسلم : ٩٠١]

١٠٦٦ - وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ وَغَيْرُهُ : سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا : أَنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَبَعَثَ مُنَادِيًا بِـ : الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ، فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكْعَتَيْنِ، وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ .

1066 - اور اوزاعی اور کچھ اور لوگوں نے کہا: میں نے زہری سے سنا، انھوں نے عروہ سے، انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہو گیا تو آپ نے اعلان کرنے والے کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ نماز کے لیے جمع ہو جاؤ، تو آپ آگے ہوئے اور آپ نے دو رکعتوں اور چار سجدوں میں چار رکوع کیے۔

وَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ نَمِرٍ، سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ مِثْلَهُ . قَالَ الزُّهْرِيُّ : فَقُلْتُ : مَا صَنَعَ أَخُوكَ ذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ مَا صَلَّى إِلَّا رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ الصُّبْحِ إِذْ صَلَّى بِالْمَدِينَةِ ؟ قَالَ : أَجَلْ ! إِنَّهُ أَخْطَأَ السُّنَّةَ . تَابَعَهُ سُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ فِي الْجَهْرِ . [راجع : ١٠٤٤ - أخرجه مسلم : ٩٠١]

(ولید نے کہا:) اور مجھے عبدالرحمن بن نمر نے بتایا کہ انھوں نے ابن شہاب (زہری) سے ایسے ہی سنا ہے۔ زہری نے کہا: میں نے (عروہ سے) کہا: آپ کے بھائی عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے تو یہ نہیں کیا، انھوں نے تو مدینہ میں صبح کی طرح دو رکعتیں ہی پڑھی ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں! اس لیے کہ وہ سنت سے چوک گئے۔ سفیان بن حسین اور سلیمان ابن کثیر نے بھی زہری سے ابن نمر کی طرح ہی بلند آواز سے قراءت بیان کی ہے۔

فائدہ بعض لوگ صلاۃ کسوف میں امام کی آہستہ قراءت کے قائل ہیں، مگر صحیح بخاری کی اس صریح روایت کے بعد کہ آپ نے جہر کے ساتھ قراءت کی اس مسئلے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کہ میں آپ کی قراءت نہیں سنتا تھا اس بنا پر ہے کہ وہ پچھلی صفوں میں تھے۔ جس روایت میں ہے کہ وہ پہلی صف میں تھے وہ صحیح نہیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی روایت کہ میں آپ کی قراءت نہیں سنتی تھی اس لیے ہے کہ وہ اپنے حجرے میں تھیں۔ بعض نے اس سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے "نَحْوًا مِنْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ" یعنی سورۂ بقرہ کی مثل قراءت کی ہے، اگر آپ بلند آواز سے یہ قراءت کرتے تو "نَحْوًا" کہنے کی ضرورت نہیں تھی، مگر زیر شرح حدیث میں "جَهَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کے الفاظ کے بعد کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ مثبت نافی سے مقدم ہوتا ہے۔

[تَمَّ كِتَابُ الْكُسُوفِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

١٧۔ كِتَابُ سُجُودِ الْقُرْآنِ
قرآن کے سجدوں کی کتاب

١۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ وَسُنَّتِهَا

١٠٦٧۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْأَسْوَدَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ النَّجْمَ بِمَكَّةَ فَسَجَدَ فِيهَا وَسَجَدَ مَنْ مَعَهُ، غَيْرَ شَيْخٍ أَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى جَبْهَتِهِ، وَقَالَ: يَكْفِينِي هٰذَا، فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ قُتِلَ كَافِرًا. [انظر: ١٠٧٠، ٣٨٥٣، ٣٩٧٢، ٤٨٦٣۔ أخرجه مسلم: ٥٧٦]

1۔ باب: قرآن کے سجدے اور ان کا طریقہ

1067۔ عبداللہ (بن مسعود) ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے مکہ میں سورۂ نجم پڑھی تو اس میں آپ نے اور ان لوگوں نے سجدہ کیا جو آپ کے ساتھ تھے، سوائے ایک بوڑھے کے، اس نے کنکریوں یا مٹی کی ایک مٹھی لی اور اسے اپنی پیشانی تک اٹھایا اور کہنے لگا: مجھے یہی کافی ہے۔ پھر میں نے اس کے بعد اسے دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل ہوا۔

فوائد ومسائل: 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ نجم کے آخر میں سجدۂ تلاوت ہے جو پڑھنے والے کو کرنا چاہیے اور ان لوگوں کو بھی جو اس کی قراءت کو توجہ سے سن رہے ہوں۔ اتفاق سے کان میں پڑنے کا یہ حکم نہیں، جیسے راہ چلتے ہوئے یا ہمسائے کی طرف سے باجوں وغیرہ کی آواز آئے تو اگر توجہ سے کان لگا کر سنے تو گناہ گار ہوگا اور اگر بے اختیار کانوں میں پڑ جائے اور آدمی توجہ نہ کرے تو گناہ گار نہیں۔ (ابن عثیمین)

2 اس موقع پر تمام حاضرین نے خواہ مسلمان تھے یا کافر سب نے سجدہ کیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ ایک تو پڑھنے والے یعنی رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کا رعب اور دبدبہ تھا، پھر آپ کے پڑھنے کے انداز اور آواز کی تاثیر تھی اور اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے کلام میں عقلی دلائل اتنے مؤثر تھے اور خصوصاً آخری آیات کا زور بیان ایسا تھا کہ کافر بھی بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔ ذرا غور تو کیجیے کہ کس قدر جلال اور ہیبت والا کلام ہے، فرمایا: ﴿أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ۝ وَتَضْحَكُونَ

﴿وَلَا تَبْكُونَ ۝ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ۝ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا﴾ [النجم : ۵۹ تا ۶۲] ”تو کیا اس بات سے تم تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو۔ اور تم غافل ہو۔ تو اللہ کو سجدہ کرو اور (اسی کی) بندگی کرو۔“ حقیقت یہی ہے کہ قریشِ مکہ اہلِ زبان تھے، قرآن نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ اس کے حکم ” فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا “ کے بعد اپنے آپ کو سجدے سے روک نہ سکے اور بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔ ان کے سجدے کی یہی توجیہ صحیح ہے، دوسری توجیہیں جو کی گئی ہیں بے کار ہیں۔

3 کفار کے سجدے کی ایک توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم کی یہ آیات پڑھیں جن میں کفار کے بتوں کا ذکر ہے: ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ﴾ [النجم : ۱۹، ۲۰] (پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔ اور تیسری ایک اور (دیوی) منات کو) تو شیطان نے آپ کی آواز میں اس کے ساتھ یہ پڑھا: ” تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى “ ”یہ بلند سردار ہیں اور ان کی سفارش کی امید کی جاتی ہے۔“ اس پر کفار خوش ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بتوں کی تعریف کی ہے اور ان کی شفاعت کے قائل ہو گئے ہیں، اس لیے انھوں نے سورت کے آخر میں آپ کے ساتھ سجدہ کیا، حالانکہ نبی ﷺ کو شیطان کی اس حرکت کا علم تک نہ تھا۔ مگر یہ قصہ ثابت نہیں ہے، متعدد علماء نے اس کی سند کا باطل ہونا دلائل سے ثابت کیا ہے۔ دیکھیے شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی کتاب ” نصب المجانيق لنسف قصة الغرانيق (ص : ۱۰) “ اور علی بن حسن بن علی بن عبد الحمید کی کتاب ” دلائل التحقيق لإبطال قصة الغرانيق ۔ “ (تعلیق شرح ابن عثیمین)

4 سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے مگر اس بوڑھے مشرک نے اپنے تکبر کی وجہ سے زمین پر پیشانی نہیں رکھی، بلکہ کنکریوں یا مٹی کی مٹھی پیشانی کی طرف اٹھا کر کہا کہ مجھے یہی کافی ہے۔ معلوم ہوا صرف اتنے عمل سے سجدہ ادا نہیں ہوتا بلکہ سجدے کے لیے زمین پر پیشانی رکھنا پڑے گی۔ اس کے کبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کفر ہی کی حالت میں قتل ہوا۔ بخاری نے ”تفسیر سورۂ نجم (۴۸۶۳)“ میں اسرائیل عن ابی اسحاق کے طریق سے اس کا نام اُمیہ بن خلف بیان کیا ہے، یہ بدر میں واصلِ جہنم ہوا۔

5 امام بخاری رحمہ اللہ نے اسرائیل کی روایت (۴۸۶۳) میں نقل کیا ہے کہ ”سورۂ نجم پہلی سورت ہے جس میں سجدہ آیا ہے۔“ امام صاحب کے قرآن کے سجدوں کے ابواب کی ابتدا سورۂ نجم والی حدیث کے ساتھ کرنے میں یہی راز ہے۔ اس پر ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ سجدے والی سورت جو سب سے پہلے اتری وہ تو سورۂ علق ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اس کی سب سے پہلے اترنے والی آیات صرف پہلی پانچ آیات ہیں، سجدے والی آیت بعد میں اتری۔ ابن مردویہ نے زکریا بن ابی زائدہ عن ابی اسحاق کے طریق سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: « أَنَّ أَوَّلَ سُوْرَةٍ اسْتَعْلَنَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ » یعنی پہلی سورت جو رسول اللہ ﷺ نے علی الاعلان لوگوں کے سامنے پڑھی وہ سورۃ النجم تھی۔ اور ابن مردویہ نے ہی عبد الکبیر بن دینار عن ابی اسحاق کی روایت سے بیان کیا ہے: « أَوَّلُ سُوْرَةٍ تَلَاهَا عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ » یعنی سورۂ نجم پہلی سورت تھی جو آپ ﷺ نے مشرکین کے سامنے پڑھی۔ تینوں روایتوں کو جمع کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ

نجم پہلی سورت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے علی الاعلان بلند آواز کے ساتھ مشرکین کے سامنے پڑھا۔ (فتح الباری) مزید گفتگو اس حدیث پر تفسیر کے ابواب میں ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

٢- بَابُ سَجْدَةِ ﴿تَنْزِيلُ﴾ السَّجْدَةُ

2- باب: سورۃ ''تنزیل السجدۃ'' کا سجدہ

١٠٦٨- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ ﴿الٓمّٓ ۝ تَنْزِيلُ﴾ السَّجْدَةَ وَ ﴿هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ﴾ [راجع: ٨٩١- أخرجه مسلم: ٨٨٠]

1068- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں ﴿الٓمّٓ ۝ تَنْزِيلُ﴾ یعنی سورۂ سجدہ اور ﴿هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ﴾ پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد (۸۹۱) میں گزر چکے ہیں۔ اس حدیث سے بظاہر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سورۃ ''الٓمّٓ ۝ تَنْزِيلُ'' میں سجدہ ہے مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے سورت کے نام سے استدلال کیا ہے کہ اس میں سجدہ ہے، کیونکہ یہی حدیث اس سے پہلے (۸۹۱) پر گزری ہے، اس میں سورت کا نام '' الٓمّٓ تَنْزِيلُ السَّجْدَةَ '' آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا یہ نام اس لیے ہے کہ اس میں سجدہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں یہ صراحت نہیں دیکھی کہ آپ نے جمعہ کی صبح کو اس سورت کے پڑھتے ہوئے سجدہ کیا۔ البتہ ابن ابی داود کی ''کتاب الشریعۃ'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے کہا: میں نے جمعہ کے دن نبی ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی تو آپ نے ایک سورت پڑھی جس میں سجدہ تھا تو آپ نے سجدہ کیا۔ مگر اس کی اسناد میں وہ راوی ہے جس کا حال دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور طبرانی نے معجم الصغیر (۲۶۷) میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے صبح کی نماز میں سورۃ ''تنزیل السجدۃ'' میں سجدہ کیا، لیکن اس کی اسناد میں کمزوری ہے۔ ابن بطال نے کہا کہ اس سورت میں سجدہ ہونے پر اجماع ہے، البتہ نماز کے اندر اس میں سجدہ کے متعلق اختلاف ہے۔ (فتح الباری) خلاصہ یہ ہے کہ بخاری نے کسی ضعیف روایت سے استدلال کی بجائے سورت کے نام کے ساتھ اس میں سجدہ ہونے کا استدلال کیا ہے۔

٣- بَابُ سَجْدَةِ صٓ

3- باب: سورۂ ص کا سجدہ

١٠٦٩- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو النُّعْمَانِ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ

1069- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''ص'' تاکیدی سجدوں میں سے نہیں ہے اور میں نے

ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : ﴿ صٓ ﴾ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ، وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْجُدُ فِيهَا . [انظر : ٣٤٢٢]

نبی ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

فائدہ سورۂ ص میں جس آیت پر سجدہ ہے وہ یہ ہے: ﴿ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ﴾ [ص : ٢٤] ”اور داؤد نے یقین کر لیا کہ بے شک ہم نے اس کی آزمائش ہی کی ہے تو اس نے اپنے رب سے بخشش مانگی اور رکوع کرتا ہوا نیچے گر گیا اور اس نے رجوع کیا۔“ اس میں سجدہ کے تاکیدی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں سجدے کا حکم نہیں جس طرح سورۂ علق (۱۹) میں ہے: ﴿ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ﴾ اور جیسے بعض دوسری سورتوں میں سجدے کا حکم ہے، بلکہ اس میں داؤد علیہ السلام کے توبہ کے لیے سجدہ کرنے کا ذکر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مطلب یہ ہے کہ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس میں سجدہ کیا تو ہمیں بھی آپ کی اقتدا میں سورۂ ص میں سجدہ کرنا چاہیے۔ سنن نسائی (۹۵۷) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « سَجَدَهَا دَاوُدُ تَوْبَةً، وَ نَسْجُدُهَا شُكْرًا » ”داؤد علیہ السلام نے یہ سجدہ توبہ کے لیے کیا تھا اور ہم اسے شکر کے لیے کرتے ہیں۔“ اور سنن ابی داؤد (۱۴۱۰) میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تھے تو آپ نے سورۂ ص پڑھی، جب سجدے کے مقام پر پہنچے تو اترے اور سجدہ کیا، لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا، پھر ایک اور دن آپ نے وہی سورت پڑھی اور جب سجدے کے مقام پر پہنچے تو لوگ سجدے کے لیے تیار ہو گئے، نبی ﷺ نے فرمایا: « إِنَّمَا هِيَ تَوْبَةُ نَبِيٍّ، وَلٰكِنِّي رَأَيْتُكُمْ تَشَزَّنْتُمْ لِلسُّجُودِ، فَنَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدُوا » ”یہ تو ایک نبی کی توبہ کا ذکر ہے، لیکن میں نے تمھیں دیکھا کہ تم سجدے کے لیے تیار ہو گئے۔“ چنانچہ آپ اترے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔“ حدیث کے الفاظ ”لَيْسَتْ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ“ کا یہی مطلب ہے کہ اس سجدے کی زیادہ تاکید نہیں ہے۔

٤ - بَابُ سَجْدَةِ النَّجْمِ

4۔ باب: سورۂ نجم کا سجدہ

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [راجع : ١٠٧١]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

فائدہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس باب کے بعد والے باب میں متصل سند کے ساتھ آ رہی ہے۔

١٠٧٠ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ سُورَةَ

1070۔ عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سورۃ النجم پڑھی اور اس میں سجدہ کیا تو ایک آدمی کے سوا کوئی شخص نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ اس

النَّجْمِ، فَسَجَدَ بِهَا فَمَا بَقِيَ أَحَدٌ مِنَ الْقَوْمِ إِلَّا سَجَدَ، فَأَخَذَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى وَجْهِهِ، وَقَالَ: يَكْفِينِي هَذَا، فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا. [راجع: ١٠٦٧- أخرجه مسلم: ٥٧٦]

آدمی نے کنکریوں یا مٹی کی ایک مٹھی لی اور اسے اپنے چہرے کی طرف اٹھایا اور کہنے لگا: مجھے اتنا ہی کافی ہے۔ (عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا) پھر میں نے اسے بعد میں دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل ہوا۔

فائدہ: اس حدیث کے بعض فوائد (١٠٦٧) میں گزر چکے ہیں۔ باب کے ساتھ اس کی مطابقت ظاہر ہے۔ اس حدیث میں ایسے الفاظ یا ایسے کام کے خطرناک ہونے کا بیان ہے جس سے تکبر کا اظہار ہوتا ہو، کیونکہ بعض اوقات ایسا کام برے خاتمے کا سبب بن جاتا ہے، جیسے یہ آدمی جس نے مٹھی بھر کنکریاں یا مٹی لے کر اسے چہرے کی طرف اُٹھایا اور یہ کہا کہ مجھے یہی کافی ہے۔ اس کے اس عمل کا باعث یا تو تکبر تھا یا استہزاء، انجام اس کا یہ ہوا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل ہوا۔ (ابن عثیمین)

٥- بَابُ سُجُودِ الْمُسْلِمِينَ مَعَ الْمُشْرِكِينَ، وَالْمُشْرِكُ نَجَسٌ لَيْسَ لَهُ وُضُوءٌ

5- باب: مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ سجدہ کرنا، حالانکہ مشرک پلید ہے، اس کا وضو ہوتا ہی نہیں

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَسْجُدُ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ.

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما وضو کے بغیر سجدہ کر لیا کرتے تھے۔

١٠٧١- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ بِالنَّجْمِ، وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ.

1071- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں اور جنوں اور انسانوں نے سجدہ کیا۔

وَرَوَاهُ ابْنُ طَهْمَانَ، عَنْ أَيُّوبَ. [انظر: ٤٨٦٢، وانظر في سجود القرآن، باب: ٤]

اور اسے (ابراہیم) ابن طہمان نے ایوب سے بیان کیا ہے۔

فائدہ: یہ حدیث (١٠٦٧) میں گزر چکی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس باب میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت

کے لیے وضو ضروری نہیں، اس کے لیے انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بطور تائید نقل کیا ہے۔ حدیث سے یہ بات اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ مشرکین نے سجدے کی آیت پر سجدہ کیا اور مشرک پلید ہوتا ہے۔ اول تو اس وقت مشرکین کا وضو تھا ہی نہیں، اگر انھوں نے وضو کیا بھی ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔ اس کے علاوہ ظاہر ہے کہ تمام موجود مسلمانوں کا اس وقت باوضو ہونا بھی ضروری نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وضو کا حکم تو نماز کے لیے دیا ہے، اکیلا سجدہ نماز نہیں کہ اس میں وضو شرط ہو یا قبلہ کی طرف منہ کی شرط ہو۔ شعبی، بخاری، ابن تیمیہ، اہل الظاہر اور شوکانی کا یہی کہنا ہے کہ سجدۂ تلاوت کے لیے باوضو ہونا ضروری نہیں اور نہ قبلہ رو ہونا ضروری ہے۔

٦ - بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَسْجُدْ

6۔ باب: جو سجدہ کی آیت پڑھے اور سجدہ نہ کرے

١٠٧٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيعِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ، عَنِ ابْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَزَعَمَ أَنَّهُ قَرَأَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ: ﴿وَالنَّجْمِ﴾ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا. [انظر: ١٠٧٣ - أخرجه مسلم: ٥٧٧ مطولاً]

1072۔ عطا بن یسار سے روایت ہے کہ انھوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ انھوں نے نبی ﷺ کے سامنے سورۃ النجم پڑھی تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

١٠٧٣ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ: ﴿وَالنَّجْمِ﴾ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا. [راجع: ١٠٧٢ - أخرجه مسلم: ٥٧٧ مطولاً]

1073۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کے سامنے سورۃ النجم پڑھی تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

فوائد 1 یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں، کیونکہ اگر وہ واجب ہوتا تو نبی ﷺ ضرور سجدہ کرتے۔ اگر کوئی کہے کہ نبی ﷺ نے اس لیے سجدہ نہیں کیا کہ پڑھنے والے نے سجدہ نہیں کیا تو جواب یہ ہے کہ اگر سجدہ واجب ہوتا تو نبی ﷺ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سجدہ کرنے کا حکم ضرور دیتے، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایک واجب ترک کیا جا رہا ہو اور آپ خاموش رہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ ممکن ہے آپ نے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بعد میں سجدہ کر لیا ہو۔ مگر یہ محض احتمال

ہے جس کی کوئی دلیل نہیں، نہ ہی کہیں یہ آیا ہے کہ انھوں نے بعد میں سجدہ کیا تھا۔

2 بعض حضرات اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ مفصل سورتوں میں یعنی سورۂ حجرات سے آخر قرآن تک کی سورتوں میں سجدہ نہیں، کیونکہ زید رضی اللہ عنہ نے سورۂ نجم سن کر سجدہ نہیں کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں اس کا رد کیا کہ سورۂ نجم میں سجدہ تو صحیح احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ اس باب کی پہلی حدیث میں ہے۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ عنوان قائم کیا کہ آیتِ سجدہ پر کوئی شخص سجدہ نہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جواب ظاہر ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔

٧۔ بَابُ سَجْدَةِ: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾

7۔ باب: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ کا سجدہ

١٠٧٤۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ وَمُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَا: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَرَأَ: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾، فَسَجَدَ بِهَا، فَقُلْتُ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! أَلَمْ أَرَكَ تَسْجُدُ؟ قَالَ: لَوْ لَمْ أَرَ النَّبِيَّ ﷺ يَسْجُدُ لَمْ أَسْجُدْ. [راجع: ٧٦٦۔ أخرجه مسلم: ٥٧٨]

1074۔ ابوسلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انھوں نے ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ پڑھی تو اس میں سجدہ کیا، میں نے کہا: اے ابوہریرہ! کیا میں نے آپ کو نہیں دیکھا کہ آپ سجدہ کر رہے تھے؟ انھوں نے کہا: اگر میں نے نبی ﷺ کو سجدہ کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں سجدہ نہ کرتا۔

فائدہ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ مفصل سورتوں میں سجدۂ تلاوت نہیں ہے۔ البتہ اس حدیث سے یہ ظاہر ہے کہ ابوسلمہ اور کچھ اور لوگ مفصل سورتوں میں سجدۂ تلاوت کے قائل نہیں تھے، کیونکہ ان کے خیال میں اہلِ مدینہ کا اس پر عمل نہیں تھا۔ اس لیے ابوسلمہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سجدہ کرنے پر تعجب کا اظہار کیا، مگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا عمل ذکر کیا تو ابوسلمہ خاموش ہو گئے اور اہلِ مدینہ کے عمل کو پیش نہیں کیا اور مومن کا یہی کام ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کے بعد اس کے ہاں کسی کے قول یا فعل کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ محبِ سنت شاعر محمد فاخر زائر الٰہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے ۔

بقول مصطفیٰ زائر، زرائے دیگراں ماندم — جمالِ یار مانع گردد از اغیار عاشق را

''اے زائر! میں مصطفیٰ ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں دوسروں کی رائے قبول کر ہی نہیں سکتا، کیونکہ یار کا جمال عاشق کے لیے غیروں سے رکاوٹ بن جاتا ہے۔''

یاد رہے کہ اہلِ مدینہ میں سے عمر، ابن عمر اور دوسرے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے مفصل کی سورتوں میں سجدہ ثابت ہے۔ (فتح الباری)

٨ - بَابُ مَنْ سَجَدَ لِسُجُودِ الْقَارِئِ

وَ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ لِتَمِيمِ بْنِ حَذْلَمٍ - وَهُوَ غُلَامٌ - فَقَرَأَ عَلَيْهِ سَجْدَةً، فَقَالَ : اسْجُدْ فَإِنَّكَ إِمَامُنَا فِيهَا .

١٠٧٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ : حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ عَلَيْنَا السُّورَةَ فِيهَا السَّجْدَةُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ، حَتَّى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا مَوْضِعَ جَبْهَتِهِ . [انظر : ١٠٧٦، ١٠٧٩ - أخرجه مسلم : ٥٧٥]

8- باب: جو قراءت کرنے والے کے سجدے کی وجہ سے سجدہ کرے

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک لڑکے تمیم بن حذلم سے کہا جس نے ان کے سامنے سجدے کی آیت پڑھی کہ سجدہ کرو، کیونکہ اس میں تم ہمارے امام ہو۔

1075- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ہمارے سامنے وہ سورت پڑھتے جس میں سجدہ ہوتا تو آپ سجدہ کرتے اور ہم بھی سجدہ کرتے، یہاں تک کہ ہم میں سے کسی ایک کو اپنی پیشانی کے لیے جگہ نہ ملتی۔

٩ - بَابُ ازْدِحَامِ النَّاسِ إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ السَّجْدَةَ

١٠٧٦ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ آدَمَ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ، فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ، فَنَزْدَحِمُ حَتَّى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا لِجَبْهَتِهِ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ . [راجع : ١٠٧٥ - أخرجه مسلم : ٥٧٥]

9- باب: امام کے سجدہ کی آیت پڑھنے پر لوگوں کا بھیڑ کرنا

1076- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سجدے کی آیت پڑھتے اور ہم آپ کے پاس ہوتے تو آپ سجدہ کرتے اور ہم آپ کے ساتھ سجدہ کرتے، تو ہم بھیڑ کرتے یہاں تک کہ ہم میں سے بعض اپنی پیشانی کے لیے جگہ نہ پاتا جس پر سجدہ کرے۔

فوائد ومسائل: 1 ابن بطال نے کہا: اس بات پر اجماع ہے کہ پڑھنے والا سجدہ کرے تو جو اسے توجہ سے سن رہا ہے اس پر بھی سجدہ ہے۔ (فتح الباری) پہلے باب کے عنوان میں اشارہ ہے کہ پڑھنے والا جب سجدہ نہ کرے تو سننے والا بھی سجدہ نہ کرے۔ اسی لیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تمیم بن حذلم کو سجدے کے لیے کہا، کیونکہ وہ قراءت کر رہا تھا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انھیں کہا: سجدہ کرو، کیونکہ اس میں تم ہمارے امام ہو۔

2 عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مطابق جب قاری سجدے میں امام ٹھہرا تو اگر وہ سجدہ نہ کرے تو سننے والوں پر بھی سجدہ نہیں،

کیونکہ وہ مقتدی ہیں۔

3 سجدے والی آیت پڑھتے وقت اگر حاضرین زیادہ ہوں اور جگہ تنگ ہو جس کی وجہ سے سب کے لیے زمین پر سجدہ مشکل ہو تو کیا کیا جائے؟ امام بخاری ؒ نے اس کی صراحت نہیں کی۔ ایسی صورت میں آدمی کے لیے تین طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ ہو سکتا ہے: ایک یہ کہ جہاں جگہ ملے سجدہ کرے خواہ دوسرے آدمی کی پیٹھ پر سجدہ کر لے۔ دوسرا یہ کہ اشارے کے ساتھ سجدہ کر لے۔ تیسرا یہ کہ سجدہ مؤخر کرے، جب موقع ملے سجدہ کر لے۔ مگر اس طریقے میں امام کی پیروی نہیں رہتی، کیونکہ وہ تو اس کے ساتھ سجدہ کرنے ہی میں ہے، اس لیے یہ درست نہیں۔ امام صاحب کے عنوان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی جگہ نہ ملے تو دوسرے بھائی کی پیٹھ پر سجدہ کر لے۔ جیسا کہ طبرانی (۱۳۳۵۸) میں اسی حدیث میں مصعب بن ثابت عن نافع سے یہ الفاظ ہیں کہ یہ واقعہ مکہ میں ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے سورۃ النجم کی تلاوت کی اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: « حَتَّى يَسْجُدَ الرَّجُلُ عَلَى الرَّجُلِ » ''یہاں تک کہ آدمی نے آدمی (کی پیٹھ) پر سجدہ کیا۔'' اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جو ہم نے امام بخاری ؒ کے ترجمۃ الباب سے سمجھی ہے۔ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا متعدد مرتبہ ہوا ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ طبرانی نے اس کی ابتدا کا ذکر کیا ہو۔ (فتح الباری)

١٠ - بَابُ مَنْ رَأَى أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يُوجِبِ السُّجُودَ

10۔ باب: جس کا موقف یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے سجدۂ تلاوت کو واجب نہیں کیا

وَقِيلَ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ : الرَّجُلُ يَسْمَعُ السَّجْدَةَ وَلَمْ يَجْلِسْ لَهَا ! قَالَ : أَرَأَيْتَ لَوْ قَعَدَ لَهَا !؟ كَأَنَّهُ لاَ يُوجِبُهُ عَلَيْهِ .

اور عمران بن حصین ؓ سے پوچھا گیا کہ آدمی سجدے کی آیت سنتا ہے جب کہ وہ اس کے لیے نہیں بیٹھا، تو انھوں نے کہا: یہ بتاؤ کہ اگر وہ اس کے لیے بیٹھا ہو (تو کیا سجدہ ضروری ہے)!؟ گویا وہ اسے اس پر واجب قرار نہیں دیتے تھے۔

وَقَالَ سَلْمَانُ : مَا لِهَذَا غَدَوْنَا .

اور سلمان ؓ نے کہا: ہم اس (سجدۂ تلاوت) کے لیے نہیں آئے۔

وَقَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : إِنَّمَا السَّجْدَةُ عَلَى مَنِ اسْتَمَعَهَا .

اور عثمان ؓ نے کہا: سجدہ اسی پر ہے جو اسے توجہ سے سن رہا ہو۔

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ : لاَ يَسْجُدُ إِلاَّ أَنْ يَكُونَ طَاهِرًا، فَإِذَا سَجَدْتَ وَأَنْتَ فِي حَضَرٍ، فَاسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، فَإِنْ كُنْتَ رَاكِبًا فَلاَ عَلَيْكَ حَيْثُ كَانَ وَجْهُكَ .

اور زہری نے کہا: طہارت کے بغیر سجدہ نہ کرے اور جب تم اقامت کی حالت میں سجدہ کرو تو قبلہ کی طرف منہ کرو اور اگر تم سوار ہو تو تمھارا منہ جس طرف بھی ہو تم پر کوئی گناہ نہیں۔

وَكَانَ السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ لَا يَسْجُدُ لِسُجُودِ الْقَاصِّ .

اور سائب بن یزید رضی اللہ عنہ وعظ کہنے والے کے سجدے پر سجدہ نہیں کرتے تھے۔

فائدہ سجدۂ تلاوت واجب نہ ہونے کی سب سے مضبوط دلیل زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کے سامنے سورۂ نجم کی تلاوت کی تو آپ نے سجدہ نہیں کیا۔ (دیکھیے بخاری: ۱۰۷۲) اگر سجدہ واجب ہوتا تو آپ ﷺ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سجدے کا حکم دیتے اور خود بھی سجدہ کرتے۔ اب اس باب میں امام صاحب نے صحابہ اور تابعین کے آثار بیان کیے ہیں، ان میں سے عمران بن حصین، سلمان، عثمان اور سائب بن یزید رضی اللہ عنہم صحابی ہیں اور زہری تابعی ہیں۔ امام صاحب نے یہ سب آثار جزم کے ساتھ تعلیقاً ذکر کیے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ سب سند کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ ان تمام آثار کی اسانید اور مکمل الفاظ کی تفصیل فتح الباری میں ملاحظہ فرمائیں۔

١٠٧٧ـ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ التَّيْمِيِّ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْهُدَيْرِ التَّيْمِيِّ ـ قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَكَانَ رَبِيعَةُ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ ـ عَمَّا حَضَرَ رَبِيعَةُ مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَرَأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِسُورَةِ النَّحْلِ حَتَّى إِذَا جَاءَ السَّجْدَةَ نَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ، حَتَّى إِذَا كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْقَابِلَةُ قَرَأَ بِهَا حَتَّى إِذَا جَاءَ السَّجْدَةَ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّا نَمُرُّ بِالسُّجُودِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ أَصَابَ، وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ، وَلَمْ يَسْجُدْ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ .

1077۔ ربیعہ بن عبداللہ بن ہُدَیر تیمی سے جن کے متعلق ابوبکر (بن ابی ملیکہ) نے کہا کہ ربیعہ بہت اچھے لوگوں میں سے تھے، ان سے اس واقعہ کی روایت ہے جس میں وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن منبر پر سورۂ نحل کی تلاوت کی، یہاں تک کہ جب (آیتِ) سجدہ پر پہنچے تو اترے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا، جب آئندہ جمعہ ہوا تو انھوں نے وہی سورت پڑھی یہاں تک کہ جب (آیتِ) سجدہ پر پہنچے تو انھوں نے کہا: اے لوگو! ہم سجدے کے مقام سے گزرتے ہیں تو جس نے سجدہ کیا اس نے درست کیا اور جس نے سجدہ نہ کیا اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہیں کیا۔

وَزَادَ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَفْرِضِ السُّجُودَ إِلَّا أَنْ نَشَاءَ .

اور نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے کہ اللہ نے ہم پر سجدہ فرض نہیں کیا، الا یہ کہ ہم چاہیں۔

فائدہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد تمام امت سے افضل تھے۔ ان کا جمعہ کے خطبہ میں سجدہ کے مقام پر سجدہ نہ کرنا اور تمام موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر خاموش رہنا واضح دلیل ہے کہ ان حضرات کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب نہیں اور یہی بات حق ہے۔

١١۔ بَابُ مَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ فِي الصَّلَاةِ فَسَجَدَ بِهَا

11۔ باب: جو شخص نماز میں سجدہ کی آیت پڑھے اور نماز میں سجدہ کرے

١٠٧٨۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنِي بَكْرٌ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ، فَقَرَأَ: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ فَسَجَدَ، فَقُلْتُ: مَا هَذِهِ؟ قَالَ: سَجَدْتُ بِهَا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ، فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ فِيهَا حَتَّى أَلْقَاهُ. [راجع: ٧٦٦۔ أخرجه مسلم: ٥٧٨]

1078۔ ابو رافع سے روایت ہے کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عشاء پڑھی تو انھوں نے ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ پڑھی اور سجدہ کیا، میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا: میں نے اس سورت میں ابو القاسم ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا ہے تو میں آپ ﷺ سے ملنے تک یہ سجدہ کرتا ہی رہوں گا۔

فائدہ بعض اہل علم نماز میں سجدۂ تلاوت کے قائل نہیں، بعض جہری نماز میں قائل ہیں سری میں نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سجدۂ تلاوت کر سکتے ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جس طرح نماز سے باہر سجدۂ تلاوت کے لیے ''اللہ اکبر'' کہنے اور سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں نماز میں بھی ''اللہ اکبر'' کہے بغیر سجدہ کرنا چاہیے، مگر یہ درست نہیں، کیونکہ جب نماز کے اندر سجدہ آئے تو اس کا حکم نماز کا ہوگا۔ نماز سے باہر تو سجدۂ تلاوت کے لیے قبلہ رو ہونے اور باوضو ہونے میں اختلاف ہے مگر نماز میں باوضو اور قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی نماز بیان کرنے والوں نے ذکر کیا ہے: «أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ» [بخاري: ٧٨٥، ٧٨٧] ''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے اور جب بھی نیچے جاتے اور اوپر اُٹھتے تو اللہ اکبر کہتے۔'' نماز کے اختتام پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ تمھاری نسبت میری نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے زیادہ مشابہ ہے۔

١٢۔ بَابُ مَنْ لَمْ يَجِدْ مَوْضِعًا لِلسُّجُودِ مِنَ الزِّحَامِ

12۔ باب: جو بھیڑ کی وجہ سے سجدے کی جگہ نہ پائے

١٠٧٩۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى، عَنْ

1079۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ وہ سورت

عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ السُّورَةَ الَّتِي فِيهَا السَّجْدَةُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ، حَتّٰى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا مَكَانًا لِمَوْضِعِ جَبْهَتِهِ. [راجع : ١٠٧٥۔ أخرجه مسلم : ٥٧٥]

پڑھتے جس میں سجدہ ہوتا تو سجدہ کرتے اور ہم بھی سجدہ کرتے، یہاں تک کہ ہم میں سے کسی کو اپنی پیشانی رکھنے کی جگہ نہ ملتی۔

فائدہ یہ حدیث مع فوائد (١٠٧٦) میں گزر چکی ہے۔

[تَمَّ كِتَابُ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

١٨- أَبْوَابُ تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ

نمازِ قصر کے ابواب

١- بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّقْصِيرِ وَكَمْ يُقِيمُ حَتَّى يَقْصُرَ

1- باب: جو نماز میں قصر کے بارے میں آیا ہے اور کتنے دن ٹھہرے تو قصر کرے

١٠٨٠- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عَاصِمٍ وَحُصَيْنٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ تِسْعَةَ عَشَرَ يَقْصُرُ، فَنَحْنُ إِذَا سَافَرْنَا تِسْعَةَ عَشَرَ قَصَرْنَا، وَإِنْ زِدْنَا أَتْمَمْنَا. [انظر: ٤٢٩٨، ٤٢٩٩]

1080- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ انیس دن ٹھہرنے پر قصر کرتے رہے، تو ہم جب سفر میں انیس دن ٹھہریں گے قصر کریں گے اور اگر زیادہ دن ٹھہریں گے تو پوری نماز پڑھیں گے۔

١٠٨١- حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتَّى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ، قُلْتُ: أَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا؟ قَالَ: أَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا. [انظر: ٤٢٩٧- أخرجه مسلم: ٦٩٣]

1081- انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے تھے: ہم نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف نکلے تو آپ دو، دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے یہاں تک کہ مدینہ واپس آئے۔ میں نے کہا: کیا آپ مکہ میں کچھ ٹھہرے تھے؟ انھوں نے کہا: ہم اس میں دس راتیں ٹھہرے۔

فوائد: 1 قصر کا لفظی معنی کمی کرنا ہے، مراد سفر اور خوف کی حالت میں نماز میں کمی کرنا ہے۔ اس کے لیے "قَصَرَ يَقْصُرُ قَصْرًا (ن)"، "أَقْصَرَ يُقْصِرُ إِقْصَارًا" اور "قَصَّرَ يُقَصِّرُ تَقْصِيرًا" تینوں باب استعمال ہوتے ہیں، البتہ

اکثر استعمال مجرد یعنی " قَصَرَ يَقْصُرُ " ہی ہوتا ہے۔ یہ کمی رکعات کی تعداد میں بھی مسنون ہے اور اگر خوف زیادہ ہو تو نماز کی ہیئت و شکل میں بھی کمی ہو سکتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ﴾ [البقرة : ۲۳۹] ''پھر اگر تم ڈرو تو پیدل نماز پڑھ لو یا سوار۔'' ظاہر ہے پیدل چلتے ہوئے نماز میں رکوع اور سجود تو ممکن نہیں، اسی طرح سواری کی صورت میں رکوع و سجود اشارے ہی سے ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کو خالد بن سفیان کے قتل کے لیے بھیجا، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لیے لشکر تیار کر رہا تھا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو عصر کا وقت قریب تھا، انھوں نے جاتے جاتے ہی نماز پڑھ لی۔ [أبو داؤد، صلاة السفر، باب صلاة الطالب : ۱۲۴۹] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن اور ابن کثیر نے جید کہا ہے اور البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: « فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلَاةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَ فِي الْخَوْفِ رَكْعَةً » [مسلم : ٦٨٧] ''اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی ﷺ کی زبان پر نماز حضر میں چار رکعت، سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت فرض فرمائی ہے۔'' اس بات پر امت کا اتفاق ہے کہ سفر میں مغرب اور فجر کے سوا دوسری نمازوں میں چار کی بجائے دو رکعت پڑھنا قصر ہے۔

2 باب کا مطلب یہ ہے کہ سفر کے دوران کسی جگہ ٹھہرے تو کتنے دن ٹھہرنا ہو تو قصر کی اجازت ہے۔ اس سلسلے میں باب کی پہلی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں انیس (۱۹) دن ٹھہرے۔ آپ کا یہ ٹھہرنا فتح مکہ کے موقع پر تھا۔ آپ ماہِ رمضان کے آخر میں آئے اور آپ کا روزہ نہیں تھا۔ اس دوران آپ دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔ بخاری کی اس حدیث میں ہے کہ ''آپ اس موقع پر انیس (۱۹) دن ٹھہرے۔'' فتح الباری میں ہے کہ ''ابو داؤد (۱۲۳۰) میں اس طریق سے ہے کہ آپ مکہ میں سترہ (۱۷) دن ٹھہرے۔ ابوداؤد نے حفص بن غیاث عن عاصم کے طریق سے ایسے ہی روایت کی ہے اور (ابوداؤد نے) کہا ہے کہ عباد بن منصور نے عکرمہ سے انیس (۱۹) دن کہا ہے۔ اور ابوداؤد (۱۲۲۹) ہی میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ فتح مکہ کے سال جنگ کی، آپ مکہ میں اٹھارہ (۱۸) راتیں ٹھہرے اور دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے اور ابوداؤد (۱۲۳۱) ہی میں '' ابن اسحاق عن زہری عن عبیداللہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما '' کے طریق سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال میں پندرہ (۱۵) دن ٹھہرے اور قصر کرتے رہے۔ بیہقی (۵۴۷۲) نے اس اختلاف میں یہ تطبیق دی ہے کہ جس نے انیس (۱۹) دن کہا اس نے آنے اور جانے کے دن کو شامل کر لیا ہے اور جس نے سترہ (۱۷) دن کہا ہے اس نے ان دونوں کو نکال دیا ہے اور جس نے اٹھارہ (۱۸) دن کہا ہے اس نے ان میں سے ایک کو شامل کیا ہے۔ رہی پندرہ (۱۵) دن کی روایت تو اسے نووی نے '' الخلاصة (۲/۷۳۳) '' میں ضعیف کہا ہے، مگر یہ بات جید نہیں ہے، کیونکہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور اسے بیان کرنے میں ابن اسحاق اکیلے نہیں بلکہ نسائی (۱۴۵۳) نے اسے عراک بن مالک عن عبیداللہ کے طریق سے ایسے ہی بیان کیا ہے۔ جب ثابت ہو گیا کہ یہ روایت بھی صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ لینا چاہیے کہ راوی نے سمجھا کہ اصل روایت سترہ (۱۷) دن ہے تو اس نے اس میں سے آنے اور جانے کے دو دن نکال دیے اور پندرہ

(۱۵) دن کہہ دیا۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ انیس (۱۹) دن کی روایت تمام روایتوں سے راجح ہے، اس کی ترجیح کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر روایات میں یہی ہے۔

3 انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ "ہم مکہ میں دس راتیں ٹھہرے" حجۃ الوداع کی بات ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار ذوالحجہ کو تشریف لائے اور ۱۴ ذوالحجہ کو چلے گئے۔

4 سفر کے دوران کسی جگہ کتنے دن ٹھہرے تو قصر کر سکتا ہے، چار دن، دس دن، پندرہ دن، انیس دن یا اس سے زیادہ یا کم، مختلف اقوال ہیں۔ جو حضرات کہتے ہیں کہ چار دن ٹھہرنا ہو تو قصر کر سکتا ہے، زیادہ ٹھہرنا ہو تو نماز پوری پڑھے ان کا کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار ذوالحجہ کو مکہ میں آئے، چار دن یہاں ٹھہرے اور آٹھ ذوالحجہ کو حج کے لیے روانہ ہو گئے، اس دوران آپ قصر کرتے رہے، اس لیے چار دن سے زیادہ ٹھہرنا ہو تو قصر نہیں کر سکتا ہے۔ مگر ان حضرات کی بات سراسر تکلف ہے اور صحابہ کے فہم کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ میں اقامت صرف چار دن تھی، پھر آپ نے سفر شروع کر دیا، حالانکہ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم انس رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ ہم مکہ میں دس دن ٹھہرے۔ اب اس سے بڑھ کر صراحت کیا ہو گی کہ ان کے نزدیک حج کے تمام مناسک کی ادائیگی کے دوران آپ کی اقامت مکہ میں تھی اور آپ جب منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں گئے تو آپ مکہ مکرمہ ہی میں مقیم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر حج مکمل ہونے کے بعد ۱۴ ذوالحجہ کو شروع ہوا، آپ کے مکہ میں چار دن اقامت کی بات اور یہ کہ چار دن سے زیادہ ٹھہرنے کے ارادے سے آدمی مقیم ہو جاتا ہے اور اس کے لیے قصر جائز نہیں، ہمارے علم کے مطابق صحابہ یا تابعین میں سے کسی سے ثابت نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ طحاوی نے دعویٰ کیا ہے کہ شافعی رحمہ اللہ سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کی کہ مسافر چار دن اقامت کی نیت سے مقیم ہو جاتا ہے اور حافظ رحمہ اللہ اپنے بہت وسیع علم کے باوجود طحاوی کی بات کا رد نہیں کر سکے، صرف مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت کا ذکر کیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ مالک رحمہ اللہ بھی نہ صحابی ہیں نہ تابعی اور ان سے بھی یہ صرف ایک روایت ہے۔ اس کے مقابلے میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے اچھی طرح واقف ہیں بلکہ آپ کے خاص الخاص لوگوں میں سے ہیں، کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے، دس سال سفر و حضر میں آپ کی خدمت کرتے رہے، وہ کہہ رہے ہیں: «أَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا» "ہم مکہ میں دس راتیں ٹھہرے" اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چار دن کے بعد مکہ سے مسافر قرار دے رہے ہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فتح مکہ کے موقع پر آپ کے مکہ کے مختلف مقامات پر آمد و رفت کے باوجود یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ مکہ میں انیس (۱۹) دن ٹھہرے اور اس اقامت سے زیادہ پر نماز پوری کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ انس بن مالک اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے علاوہ مزید صحابہ کا عمل اس سے اگلے فائدے میں ملاحظہ کریں۔

5 ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں انیس (۱۹) دن ٹھہرے اور قصر کرتے رہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے یہ استدلال کیا کہ سفر کے دوران انیس (۱۹) دن کسی جگہ اقامت کرنے والا شخص قصر کر سکتا ہے، زیادہ دن اقامت کرنے والا قصر نہیں کر سکتا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ہی دن وہاں ٹھہرے تھے۔ مگر اس میں قابل غور بات

یہ ہے کہ نبی ﷺ کی یہ اقامت اتفاقاً واقع ہوئی، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر آپ اس سے زیادہ دن ٹھہرتے تو قصر نہ کرتے، بلکہ غالب گمان یہی ہے کہ اس سے زیادہ دن ٹھہرتے تب بھی قصر کرتے، کیونکہ دورانِ سفر ٹھہرنے والے کو عرف میں مسافر ہی سمجھا جاتا ہے مقیم نہیں، جیسا کہ آپ تبوک کے موقع پر بیس (۲۰) دن ٹھہرے اور نماز قصر کرتے رہے۔ [دیکھیے أبو داوٗد : ۱۲۳۵، صحیح]

6 رہی پندرہ دن تک قصر کی بات تو جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ راجح روایت انیس (۱۹) دن کی ہے، دوسری روایات مرجوح ہیں، اس لیے بخاری نے صرف اسی کو ذکر کیا ہے اور ظاہر ہے مرجوح روایت پر شرعی مسئلے کی بنیاد نہیں رکھی جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ دورانِ سفر اس اقامت کی مدت مقرر کرنا جس سے زیادہ ٹھہرنے پر قصر جائز نہ ہو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، اس لیے جب تک آدمی کسی جگہ کسی کام کے لیے گیا ہے اور اس کا ارادہ اسے وطن بنانے کا نہ ہو وہ مسافر ہے اور قصر کر سکتا ہے، عرف میں کوئی بھی اسے مقیم نہیں سمجھتا۔ وہ خود اور دوسرے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ وہ مسافر ہے جو اپنی کسی ضرورت کے لیے کچھ دن ٹھہرا ہوا ہے، جس کے پورا ہونے پر وہ اپنے وطن لوٹ جائے گا۔ یہاں صحابہ کے چند واقعات ملاحظہ کریں: ① انس رضی اللہ عنہ نے شام کے علاقے میں دو ماہ تک پڑاؤ کیا، اس دوران وہ نماز قصر پڑھتے رہے۔ [مصنف عبد الرزاق : ۴۳۵٤] ② انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رامہرمز'' میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نو (۹) ماہ تک پڑاؤ کیا، اس دوران وہ نماز قصر پڑھتے رہے۔ [السنن الكبرٰى للبيهقي : ۲۱۸/۳، ح : ۵٤۸۰] ③ نافع کہتے ہیں: برف باری کی بنا پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آذربائیجان میں چھ ماہ تک پڑاؤ کیا، اس دوران آپ قصر پڑھتے رہے۔ [مصنف عبد الرزاق : ٤۳۳۹] ④ عبد الرحمن ابن مسور کہتے ہیں: ہم نے ملک شام کی کسی بستی میں سعد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ دو ماہ تک پڑاؤ کیا، اس دوران ہم تو پوری نماز پڑھتے تھے البتہ سعد رضی اللہ عنہ نماز قصر ادا کرتے تھے۔ [مصنف ابن أبي شيبة : ۸۲۰۰] فقہ السنہ (۲۸۶/۱) میں حسن بصری سے نقل کیا گیا ہے کہ میں عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کابل میں دو سال مقیم رہا وہ قصر ہی کرتے رہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ تردد کی صورت میں ہے کہ طے نہ ہو کہ کب جانا ہے مگر تردد اتنا لمبا نہیں ہوتا، پھر برف پڑ جائے اور چھ ماہ سے پہلے راستے کھلنے کی صورت نہ ہو تو وہاں برف پگھلنے تک مجبوراً ٹھہرنے میں تردد کی کیا بات ہے، جیسا کہ اوپر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر گزرا ہے۔ البتہ ایک بات ضرور ہے کہ سلف میں اس مسئلے کے بارے میں اختلاف تھا، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما انیس (۱۹) دن کے قائل تھے، انس رضی اللہ عنہ شام میں پڑاؤ کے دوران دو ماہ تک اور رامہرمز میں وہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نو ماہ تک قصر کرتے رہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما چھ ماہ تک اور سعد بن مالک رضی اللہ عنہ دو ماہ تک قیام میں قصر کرتے رہے، البتہ سعد رضی اللہ عنہ کے بعض ساتھی پوری نماز پڑھتے رہے۔ اس لیے آدمی کو جس دلیل پر اطمینان ہو اس پر عمل کرے۔ بقول طحاوی چار دن والی بات کا ذکر صحابہ اور تابعین سے نہیں ملتا، جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔ مجھے اسی بات پر اطمینان ہے جو ابن عمر، انس، سعد اور عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے ظاہر ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ ہمارے دور کے مشہور عالم محمد بن صالح ابن محمد عثیمین نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔ ان حضرات نے طلب علم کے لیے مسافر طلبہ کے لیے قصر کو جائز کہا ہے، خواہ

وہ کتنی مدت قیام کریں۔ رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی یہی ہے کہ آپ جب بھی مدینہ سے نکلے آپ نے واپس آنے تک دورانِ سفر کبھی پوری نماز نہیں پڑھی، خواہ کسی جگہ کتنے دن ٹھہرے ہوں۔

٢۔ بَابُ الصَّلَاةِ بِمِنًى

2۔ باب: منیٰ میں نماز

١٠٨٢۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ إِمَارَتِهِ، ثُمَّ أَتَمَّهَا. [انظر: ١٦٥٥۔ أخرجه مسلم: ٦٩٤]

1082۔ عبداللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ان کی خلافت کے شروع میں (دو ہی پڑھیں)، پھر وہ نماز پوری پڑھنے لگے۔

فائدہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال تھی، وہ اپنی خلافت کے شروع میں آٹھ سال اور ایک روایت کے مطابق چھ سال منیٰ میں قصر کرتے رہے، پھر انھوں نے نماز پوری پڑھنا شروع کر دی۔ یقیناً ان کے ذہن میں اس کی کوئی تاویل ہوگی، کیونکہ وہ خلیفۂ راشد تھے، عشرہ مبشرہ میں سے تھے، ان کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے جان بوجھ کر سنت کی مخالفت کی، بلکہ انھوں نے تاویل کی اور تاویل کرنے والا کبھی درست ہوتا ہے کبھی اس سے خطا ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ رائے جو رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما اور خود ان کے پہلے عمل کے مطابق تھی وہی زیادہ درست ہے، لیکن ہم انھیں تاویل کی وجہ سے معذور سمجھتے ہیں۔ (ابن عثیمین) رہی یہ بات کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا سمجھ کر نماز پوری پڑھی تو اس پر حدیث (١٠٩٠) میں بات ہوگی۔

١٠٨٣۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ آمَنَ مَا كَانَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ. [انظر: ١٦٥٦۔ أخرجه مسلم: ٦٩٦]

1083۔ حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ہمیں منیٰ میں اس وقت نماز دو رکعت پڑھائی جب آپ کسی بھی وقت سے زیادہ امن کی حالت میں تھے۔

فائدہ یہ حجۃ الوداع کی بات ہے جب پورا جزیرۂ عرب فتح ہو چکا تھا اور مشرکین سے پاک ہو چکا تھا، ہر طرف امن کا دور دورہ تھا، کسی کو آپ کے خلاف سر اٹھانے کی جرأت نہ تھی۔ حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ نے یہ بات ان لوگوں کا رد کرنے کے لیے کہی جن کے خیال میں قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے قصر صرف اس وقت جائز ہے جب حالتِ خوف ہو،

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ [النساء : ۱۰۱] ''اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز کچھ کم کر لو اگر ڈرو کہ تمھیں وہ لوگ فتنے میں ڈال دیں گے جنھوں نے کفر کیا۔'' اس لیے حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ نے سب سے زیادہ امن کی حالت میں نماز قصر کی۔ یعلیٰ بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ [النساء : ۱۰۱] (تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں اگر تمھیں خوف ہو کہ کافر لوگ تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے) مگر اب تو سب لوگ امن میں ہیں، تو انھوں نے کہا: مجھے بھی اس پر تعجب ہوا جس پر تمھیں تعجب ہوا ہے تو میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: « صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ، فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهُ » [مسلم : ٦٨٦] ''یہ صدقہ ہے جو اللہ نے تم پر کیا ہے، اس لیے اس کا صدقہ قبول کرو۔''

١٠٨٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، قَالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ يَقُوْلُ : صَلَّى بِنَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمِنًى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، فَقِيلَ ذٰلِكَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ : صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَصَلَّيْتُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَصَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، فَلَيْتَ حَظِّي مِنْ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَانِ مُتَقَبَّلَتَانِ . [انظر : ١٦٥٧ - أخرجه مسلم : ٦٩٥]

1084۔ عبد الرحمن بن یزید نے کہا: عثمان رضی اللہ عنہ نے ہمیں منیٰ میں چار رکعتیں پڑھائیں، یہ بات عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بتائی گئی تو انھوں نے '' اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ '' پڑھا، پھر کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ کاش! ان چار رکعتوں میں سے میرا نصیب دو قبول شدہ رکعتیں ہی ہو جائے۔

فائدہ عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عمل حج کے مناسک ادا کرنے کے بعد منیٰ میں رمی جمرات کے لیے اقامت کے دوران تھا، جیسا کہ دو ابواب کے بعد عباد بن عبد اللہ بن زبیر کی روایت میں آ رہا ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے '' اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ '' پڑھنے سے ظاہر ہے کہ انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے منیٰ میں نماز پوری پڑھنے کو سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مصیبت جانا۔ بعض حضرات نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ قصر کو واجب سمجھتے تھے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض

اسے واجب قرار دیتے ہیں اور بعض نہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عمل سے قصر کے وجوب کے بجائے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قصر کو واجب نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں۔ ان کا " إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ " پڑھنا خلافِ اولیٰ کی وجہ سے تھا، اگر وہ قصر کو واجب سمجھتے تو ان کے پیچھے چار کبھی نہ پڑھتے، کیونکہ انسان اگر فرض نماز کی رکعتوں میں ایک رکعت کا اضافہ کر دے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اس لیے پکی بات یہی ہے کہ قصر واجب نہیں، کیونکہ صحابہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھنا ترک نہیں کیا اور جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ عثمان رضی اللہ عنہ کے پوری نماز پڑھنے پر اعتراض کرتے ہیں، پھر ان کے ساتھ چار رکعتیں پڑھتے ہیں تو انھوں نے کہا: " اَلْخِلَافُ شَرٌّ " " مخالفت کرنا بہت برا ہے۔" البتہ اس میں شک نہیں کہ قصر افضل ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور خود عثمان رضی اللہ عنہ کا چھ یا آٹھ سال تک کا عمل ہے۔

٣۔ بَابٌ : كَمْ أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فِي حَجَّتِهِ ؟

3۔ باب: نبی ﷺ اپنے حج میں کتنے دن ٹھہرے؟

١٠٨٥۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ الْبَرَّاءِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ : قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ وَ أَصْحَابُهُ لِصُبْحِ رَابِعَةٍ يُلَبُّونَ بِالْحَجِّ، فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَجْعَلُوهَا عُمْرَةً إِلَّا مَنْ مَعَهُ الْهَدْيُ .

تَابَعَهُ عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرٍ . [انظر : ١٥٦٤، ٢٥٠٥، ٣٨٣٢، وانظر في الوكالة، باب : ١۔ أخرجه مسلم : ١٢٤٠، ١٢٤١ بزيادة واختلاف]

1085۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب چار (ذوالحجہ) کی صبح کو (مکہ میں) آئے۔ وہ حج کا تلبیہ کہہ رہے تھے تو آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اسے عمرہ بنا لیں، سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ قربانی کا جانور ہے۔

"ابو العالیہ عن ابن عباس" کے علاوہ عطا نے بھی یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔

فائدہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی مدتِ اقامت کا بیان حدیث (۱۰۸۰، ۱۰۸۱) کے فوائد میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔

٤۔ بَابٌ : فِي كَمْ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ ؟

4۔ باب: کتنے سفر میں قصر کرے؟

فائدہ اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ وہ مسافت بیان کرنا چاہتے ہیں جو مسافر طے کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے قصر جائز ہے، اس سے کم پر جائز نہیں۔ اس مسئلے میں علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے۔ چنانچہ ابن المنذر وغیرہ نے اس میں تقریباً بیس قول ذکر کیے ہیں جن میں سے سب سے کم ایک میل ہے اور زیادہ سے زیادہ جب تک وہ اپنے شہر سے غائب رہے۔ (فتح الباری)

وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا وَلَيْلَةً سَفَرًا، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ يَقْصُرَانِ وَ يُفْطِرَانِ فِي أَرْبَعَةِ بُرُدٍ، وَهِيَ سِتَّةَ عَشَرَ فَرْسَخًا .

اور نبی ﷺ نے ایک دن رات کو سفر کہا ہے۔ اور ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم چار برید میں نماز قصر کرتے اور روزہ نہیں رکھتے تھے اور یہ سولہ فرسخ ہوتے ہیں۔

١٠٨٦۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، قَالَ : قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ : حَدَّثَكُمْ عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : « لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ » [انظر : ١٠٨٧۔ أخرجه مسلم : ١٣٣٨]

1086۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”عورت تین دن کا سفر محرم کے ساتھ ہونے کے بغیر نہ کرے۔“

١٠٨٧۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثًا إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ »

1087۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عورت تین راتوں کا سفر محرم ساتھ ہونے کے بغیر نہ کرے۔“

تَابَعَهُ أَحْمَدُ، عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [أخرجه مسلم : ١٣٣٨]

مُسدد کے ساتھ اس حدیث کو احمد (بن محمد مروزی) نے بھی عبد اللہ بن مبارک سے، انھوں نے عبید اللہ (عمری) سے، انھوں نے نافع سے، انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے، انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

١٠٨٨۔ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ »

1088۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”کسی عورت کے لیے جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں کہ وہ ایک دن رات کا سفر کرے جبکہ اس کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو۔“

تَابَعَهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ وَسُهَيْلٌ وَمَالِكٌ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ .

ابن ابی ذئب کے علاوہ یحییٰ بن ابی کثیر اور سہیل اور مالک نے بھی یہ حدیث مقبری سے، انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

[أخرجه مسلم : ۱۳۳۹] سے روایت کی ہے۔

فوائد: 1 جو عورت اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتی ہو: آپ ﷺ نے یہ الفاظ اس لیے فرمائے کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی یاد دہانی سے عورتوں کو اس حکم کی اطاعت پر اُبھارا جائے اور وہ اس حکم کو معمولی نہ سمجھیں اور خبردار رہیں کہ یہ حکم نہ ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا اللہ اور یوم آخرت پر پورا ایمان نہیں۔

2 یہاں ایک سوال ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث میں تین دن رات کا ذکر ہے اور ان کی دوسری حدیث میں ایک دن رات کا ذکر ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ایک دن رات کا ذکر ہے، بعض احادیث میں ایک رات کا ذکر ہے اور بعض میں ایک برید کا ذکر ہے، تو ان احادیث میں تطبیق کیا ہوگی؟ اہلِ علم نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ احادیث کسی نہ کسی سوال کے جواب میں آئی ہیں، یعنی آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کیا عورت تین دن رات کا سفر محرم کے بغیر کر سکتی ہے؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: نہیں! اور یہ پوچھا گیا کہ کیا وہ ایک دن رات کا سفر محرم کے بغیر کر سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! دوسرے الفاظ کو بھی ایسے ہی سمجھ لیں، یہ تطبیق اچھی ہے۔

3 امام بخاری رحمہ اللہ کو ان کی شرط کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث نہیں ملی جس میں آپ نے بتایا ہو کہ اتنا سفر کرنا ہو تو قصر جائز ہے، اس لیے انھوں نے ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے چار برید کے سفر میں قصر اور افطار کا اثر نقل کیا ہے اور ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی حدیث ذکر کر کے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن رات کو سفر قرار دیا ہے۔ گویا ان کے نزدیک ایک دن رات یا چار برید کے سفر پر قصر کی اجازت ہے، اس سے کم پر نہیں۔ مگر انھوں نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان کا تعلق محرم کے بغیر عورت کے سفر کی ممانعت سے ہے، ان سے یہ بات نہیں نکلتی کہ جو اس سے کم ہو وہ سفر ہی نہیں اور اس میں نماز قصر نہیں کی جا سکتی۔ رہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار تو اُن میں بہت اختلاف ہے، خود ابن عمر رضی اللہ عنہما سے چار برید کے علاوہ بھی مختلف اقوال آئے ہیں، اگر وہ ایک دن رات عورت کے محرم کے بغیر سفر کی ممانعت والی حدیث کا مطلب یہ سمجھتے کہ یہ قصر کی مسافت کے بیان کے لیے ہے تو کبھی اس کی مخالفت نہ کرتے، جب کہ فتح الباری میں ان سے جو آثار نقل کیے گئے ہیں ان میں سے ایک مدینہ سے خیبر تک سفر ہے، ان کے درمیان چھیانوے (۹۶) میل ہیں، دوسرا مدینہ سے سویداء تک سفر ہے، ان کے درمیان بہتر (۷۲) میل ہیں اور تیسرا مدینہ سے ریم تک سفر ہے، ان کے درمیان تیس (۳۰) میل ہیں اور آخر میں حافظ رحمہ اللہ نے مصنف ابن ابی شیبہ (۴۴۵/۲) سے ان کے دو قول ذکر کیے ہیں، ایک یہ کہ انھوں نے کہا: « إِنِّيْ لَأُسَافِرُ السَّاعَةَ مِنَ النَّهَارِ فَأَقْصُرُ » [ابن أبي شيبة : ۸۱۳۹] ''میں دن کی ایک گھڑی سفر کرتا ہوں تو قصر کرتا ہوں۔'' دوسرا یہ کہ انھوں نے کہا: « لَوْ خَرَجْتُ مِيْلًا قَصَرْتُ الصَّلَاةَ » [المحلی بالآثار : ۳۸۶/۴] ''اگر میں ایک میل جاؤں تو نماز قصر کروں گا۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ان دونوں آثار کی سند صحیح ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے یہ اقوال ایک دوسرے سے بہت ہی مختلف ہیں۔ (واللہ اعلم) اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مختلف اقوال مروی ہیں، اس لیے سب سے قوی دو ہی قول ہیں: ایک یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قصر کی آیت میں سفر کی کوئی حد مقرر نہیں کی، نہ ہی نبی ﷺ نے مقرر

کی ہے اور نہ ہی صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا ہے، اس لیے اصل یہی ہے کہ اسے عرف پر چھوڑ دیا جائے، جتنے فاصلے کو سفر سمجھا جاتا ہے اتنا طے کرنے کا ارادہ ہو تو شہر کی حدود سے نکل کر نماز کا وقت ہو جائے تو قصر کی جا سکتی ہے۔ البتہ شہر کے ارد گرد اتنی دور جانا ہو جسے عموماً شہر کا علاقہ ہی سمجھا جاتا ہے تو قصر نہ کی جائے، جیسا کہ نبی ﷺ قبا جاتے یا عوالی میں جاتے یا قضائے حاجت کے لیے دور جاتے تو قصر نہیں کرتے تھے۔ دوسرا قول تین فرسخ کا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم اور ابوداود میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: « كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ أَوْ ثَلَاثَةِ فَرَاسِخَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ » [مسلم : ٦٩١] ''رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسخ تک جاتے تو دو رکعت نماز پڑھتے۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ اس مسئلے میں یہ سب سے زیادہ صحیح اور صریح حدیث ہے اور جو لوگ اس کے قائل نہیں ان کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ مسافت ہے جہاں سے قصر کی ابتدا ہوتی ہے، یہ مطلب نہیں کہ اتنا سفر کرنا ہو تو قصر کر سکتے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ ان کی یہ بات بالکل درست نہیں۔ اس کے علاوہ بیہقی نے اسی سند کے ساتھ اپنی روایت میں اس حدیث کے راوی یحییٰ بن یزید سے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے انس رضی اللہ عنہ سے نماز قصر کرنے کے بارے میں پوچھا اور میں بصرہ سے کوفہ تک جاتا تھا اور واپس آنے تک دو، دو رکعتیں پڑھتا تھا تو انھوں نے یہ حدیث بیان کی۔

4 صحیح مسلم کی اس حدیث میں ''تین میل یا تین فرسخ'' کے الفاظ شک کے ساتھ آئے ہیں، صحیح مسلم ہی میں ہے کہ یہ شک شعبہ کو ہوا ہے۔ شعبہ کا ثقہ، حافظ اور متقن ہونا مسلّم ہے، بقول ثوری وہ ''امیر المومنین فی الحدیث'' ہیں۔ وہ چونکہ حدیث لکھتے نہیں تھے، حفظ سے بیان کرتے تھے، اس لیے انھیں معمولی شک بھی ہوتا تو صراحت کر دیتے کہ لفظ یا اس طرح ہے یا دوسری طرح۔ بہر حال '' ثَلَاثَةُ أَمْيَالٍ '' اور '' ثَلَاثَةُ فَرَاسِخَ '' میں سے ایک کا ہونا یقینی ہے، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ تین فرسخ پر عمل کیا جائے، کیونکہ اس میں تین میل بھی آ جاتا ہے۔ واضح رہے کہ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ اس طرح اگر نو میل سفر کا ارادہ ہو تو شہر کی حدود سے نکل کر قصر کر سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت اور حدیث میں جس طرح سفر کو مطلق رکھا گیا ہے اس کے مطابق کوئی حد مقرر نہ کی جائے بلکہ شہر اور اس کے مضافات سے نکلنے کے بعد جتنا بھی سفر کرے، تھوڑا ہو یا زیادہ قصر کر سکتا ہے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک میل کا قول پیچھے گزرا ہے اور اگر انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق تین فرسخ کے ارادے پر شہر سے نکل کر قصر کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ اگرچہ اس میں انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا عمل بیان کیا ہے، آپ کے فرمان سے قصر کے لیے سفر کی حد نقل نہیں کی۔ ان کی حدیث میں یہ ہے کہ آپ اتنے فاصلے پر قصر کرتے تھے، یہ صراحت نہیں کہ اس سے کم میں قصر نہیں کرتے تھے، اس لیے سفر کو مطلق رکھنے کی بات زیادہ قوی ہے۔ ہاں! احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ تین فرسخ، یعنی ۹ میل سے کم سفر ہو تو اس میں قصر نہ کی جائے۔ (واللہ اعلم)

5 فقہ السنۃ (۲۸۴/۱) میں ہے: فرسخ ۵۵۴۱ میٹر کا ہوتا ہے اور میل ۱۸۴۷ میٹر کا۔ اس کے مطابق تین فرسخ ۱۶۶۲۳ میٹر یعنی تقریباً ساڑھے سولہ کلو میٹر ہوں گے۔ یہ اندازہ تقریباً ہے، اہل علم کے اقوال اس سے کچھ کم یا زیادہ کے بھی ہیں۔

6 برید چار فرسخ کا ہوتا ہے، جو بارہ میل ہوتے ہیں۔ چار برید اڑتالیس (۴۸) میل ہوں گے، جو ۸۸،۲۵۶ میٹر کے برابر ہوں گے، یعنی تقریباً ساڑھے اٹھاسی (۸۸.۵) کلو میٹر۔

٥ - بَابٌ : يَقْصُرُ إِذَا خَرَجَ مِنْ مَوْضِعِهِ

5۔ باب: قصر اس وقت کرے جب اپنی جگہ (شہر کی حدود) سے نکل جائے

وَخَرَجَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَصَرَ وَهُوَ يَرَى الْبُيُوتَ، فَلَمَّا رَجَعَ قِيلَ لَهُ : هٰذِهِ الْكُوفَةُ، قَالَ : لَا حَتَّى نَدْخُلَهَا .

اور علی (بن ابی طالب) رضی اللہ عنہ (کوفہ سے) نکلے تو انھوں نے نماز قصر کی، حالانکہ وہ مکانات دیکھ رہے تھے، پھر جب واپس آئے تو انھیں کہا گیا کہ یہ کوفہ سامنے ہے۔ انھوں نے کہا: نہیں، جب تک ہم اس میں داخل نہ ہوں (قصر کرتے رہیں گے)۔

١٠٨٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَإِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : صَلَّيْتُ الظُّهْرَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا، وَبِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ . [انظر : ١٥٤٦، ١٥٤٧، ١٥٤٨، ١٥٥١، ١٧١٢، ١٧١٤، ١٧١٥، ٢٩٥١، ٢٩٨٦۔ أخرجه مسلم : ٦٩٠]

1089۔ انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ میں ظہر چار رکعت پڑھی اور ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں۔

فائدہ "الْكُشْمِيهَنِيّ" کی روایت میں ہے: «وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ» یعنی ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔ صحیح مسلم (۶۹۰) میں بھی اسی طرح ہے۔ (فتح الباری) اس سے باب میں مذکور مسئلہ ثابت ہوا کہ اپنی جگہ سے نکلے تو قصر کرے، جیسے نبی ﷺ نے ذوالحلیفہ میں قصر کی۔

١٠٩٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : الصَّلَاةُ أَوَّلُ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَيْنِ، فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ، وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ.

1090۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ شروع میں نماز دو رکعتیں فرض کی گئی، پھر سفر کی نماز برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز پوری کر دی گئی۔

قَالَ الزُّهْرِيُّ : فَقُلْتُ لِعُرْوَةَ : مَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ ؟ قَالَ : تَأَوَّلَتْ مَا تَأَوَّلَ عُثْمَانُ . [راجع : ۳۵۰ـ أخرجه مسلم : ٦٨٥]

زہری نے کہا: میں نے عروہ سے کہا: عائشہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ کیا ہے کہ وہ نماز پوری پڑھتی ہیں؟ انھوں نے کہا: انھوں نے وہی مطلب سمجھا ہے جو عثمان رضی اللہ عنہ نے سمجھا ہے۔

فوائد 1 "ذوالحلیفہ" مدینہ سے تقریباً چھ میل دور ہے۔ مدینہ سے نکلنے کے بعد نبی ﷺ کو اس جگہ عصر کا وقت ہو گیا تو آپ نے نماز قصر پڑھی۔

2 بخاری رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کا جو اثر نقل کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جس شخص کا سفر کا ارادہ ہو وہ شہر کی عمارتوں سے نکل جائے تو قصر کر سکتا ہے، خواہ اسے شہر کی عمارتیں نظر آ رہی ہوں، ضروری نہیں کہ وہ کچھ فاصلہ طے کرے تو قصر کرے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سفر کا ارادہ ہو جائے تو اپنے گھر میں بھی قصر کر سکتا ہے، مگر یہ بات درست نہیں، صرف نیت سے آدمی مسافر نہیں بن جاتا۔

3 قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "جب تم سفر کرو تو کوئی حرج نہیں کہ نماز قصر کر لو" اس سے ظاہر ہے کہ آیت کے نزول سے پہلے سفر کی حالت میں بھی چار رکعتیں ہی پڑھی جاتی تھیں، پھر مدینہ میں اس آیت کے نزول کے بعد سفر میں رکعتوں میں کمی کر دی گئی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ شروع میں نماز دو رکعتیں فرض کی گئی، پھر سفر کی نماز دو رکعتیں ہی برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز پوری چار رکعتیں کر دی گئی، یہ بظاہر آیت کے خلاف ہے، کیونکہ آیت میں سفر کی نماز چار سے کم کرنے کی اجازت کا ذکر ہے۔ اہلِ علم نے اسے اس طرح حل کیا ہے کہ شروع میں مکہ کے اندر نماز دو ہی رکعتیں فرض تھی، پھر معراج کے موقع پر چار رکعتیں کر دی گئیں، جو ہجرت کے بعد سفر و حضر میں جاری رہیں، یہاں تک کہ اس آیت کے نزول کے بعد سفر کی نماز چار کی بجائے دو کر دی گئی اور چونکہ معراج سے پہلے حضر اور سفر کی نماز دو رکعتیں تھیں، آخر میں سفر کی نماز پھر دو رکعت کر دی گئی تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ سفر کی نماز پہلی حالت پر برقرار رکھی گئی، یعنی جس طرح شروع اسلام میں نماز دو رکعت تھی آیت کے نزول کے بعد سفر کی نماز کو اسی حالت پر برقرار رکھا گیا۔ (واللہ اعلم)

4 انھوں نے وہی مطلب سمجھا ہے......: عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا سمجھ کر عرفات سے واپسی پر منیٰ کے ایام میں نماز پوری پڑھی، اس کی کئی وجہیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے اکثر محض گمان ہیں، مثلاً یہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے حج کے بعد مکہ میں ٹھہرنے کا ارادہ کیا تھا مگر یہ اس لیے غلط ہے کہ مہاجرین کے لیے مکہ میں اقامت حرام ہے۔ طحاوی وغیرہ نے زہری سے روایت کی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں اس لیے پڑھائیں کہ اس سال اعراب کثرت سے حج کے لیے آئے تھے تو انھوں نے چاہا کہ انھیں سکھا دیں کہ ان نمازوں کی رکعات چار ہیں۔ مگر یہ بات اس لیے درست نہیں کہ یہ ضرورت تو نبی ﷺ کو بھی تھی (مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا)۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ میں نماز پوری اس لیے پڑھی کہ انھوں نے وہاں گھر بنا لیا تھا، جیسا کہ احمد (۴۴۳) نے عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب انھوں نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں اور لوگوں

نے ان پر اعتراض کیا تو انھوں نے کہا: میں نے مکہ میں گھر بنا لیا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں گھر بنا لے تو وہ وہاں مقیم کی نماز پڑھے۔ مگر اس روایت کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ روایت صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ منقطع ہے اور اس کے بعض راوی قابلِ حجت نہیں۔ اس کے علاوہ مہاجر کے لیے مکہ میں رہنا جائز بھی نہیں تھا۔ سنن بیہقی (۲۰۴/۳، ح: ۵۴۳۰) میں عروہ سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے سفر میں نماز پوری پڑھنے کی وجہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ انھوں نے کہا کہ وہ سفر میں چار رکعتیں پڑھتی تھیں، میں نے ان سے کہا: کاش! آپ دو رکعتیں پڑھا کریں، تو انھوں نے کہا: «يَا ابْنَ أُخْتِي! إِنَّهُ لَا يَشُقُّ عَلَيَّ» ''اے میرے بھانجے! یہ مجھ پر شاق نہیں گزرتی۔'' حافظ رحمہ اللہ نے کہا: اس کی اسناد صحیح ہے۔ یہ دلیل ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاویل یہ تھی کہ قصر رخصت ہے، جس شخص پر شاق نہ ہو اس کے لیے نماز پوری پڑھنا افضل ہے۔ مگر جمہور کا کہنا ہے کہ پوری نماز جائز ہونے کے باوجود قصر افضل ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابو یعلی (۵۸۶۴) اور طبرانی نے المعجم الاوسط (۱۵۵۵) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر کیا، وہ سب مدینہ سے مکہ کو نکلنے کے وقت سے لے کر مدینہ واپس آنے تک چلنے اور مکہ میں ٹھہرنے کے دوران وہ، دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (فتح الباری)

٦۔ بَابٌ: يُصَلِّي الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا فِي السَّفَرِ

6۔ باب: سفر میں مغرب کی تین رکعتیں پڑھے

١٠٩١۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ، حَتّٰى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ.

قَالَ سَالِمٌ: وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَفْعَلُهُ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ. [انظر: ١٠٩٢، ١١٠٦، ١١٠٩، ١٦٦٨، ١٦٧٣، ١٨٠٥، ٣٠٠٠، وانظر في مواقيت الصلاة: باب: ٢٠۔ أخرجه مسلم: ٧٠٣]

1091۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں تیز چلنا ہوتا تو مغرب کو مؤخر کر دیتے حتیٰ کہ مغرب اور عشاء کو جمع کر لیتے۔

سالم نے کہا: اور عبد اللہ (بن عمر رضی اللہ عنہما) بھی ایسے ہی کرتے تھے، جب انھیں تیز چلنا ہوتا۔

١٠٩٢۔ وَزَادَ اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ سَالِمٌ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ

1092۔ سالم نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما مغرب اور عشاء مزدلفہ میں جمع کرتے تھے۔

عَنْهُمَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ .

قَالَ سَالِمٌ : وَأَخَّرَ ابْنُ عُمَرَ الْمَغْرِبَ، وَكَانَ اسْتُصْرِخَ عَلَى امْرَأَتِهِ صَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ، فَقُلْتُ لَهُ : الصَّلَاةَ ! فَقَالَ : سِرْ، فَقُلْتُ : الصَّلَاةَ ! فَقَالَ : سِرْ، حَتَّى سَارَ مِيلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ قَالَ : هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ .

سالم نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مغرب مؤخر کی جب کہ ان سے ان کی بیوی صفیہ بنت ابی عبید (کی سخت بیماری میں ان) کے پاس جلدی پہنچنے کی درخواست کی گئی تھی۔ میں نے ان سے کہا: نماز! انھوں نے کہا: چلو۔ میں نے (کچھ دیر بعد پھر) کہا: نماز! انھوں نے کہا: چلتے رہو، یہاں تک کہ وہ دو یا تین میل چلے، پھر اترے اور نماز پڑھی، پھر کہا: میں نے نبی ﷺ کو ایسے ہی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، جب آپ کو تیز چلنا ہوتا۔

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ يُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ فَيُصَلِّيهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ يُسَلِّمُ، ثُمَّ قَلَّمَا يَلْبَثُ حَتَّى يُقِيمَ الْعِشَاءَ، فَيُصَلِّيهَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ يُسَلِّمُ وَلَا يُسَبِّحُ بَعْدَ الْعِشَاءِ حَتَّى يَقُومَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ . [راجع : ١٠٩١- أخرجه مسلم : ٧٠٣ مختصراً، وأخرجه : ١٢٨٨]

اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جب آپ کو تیز چلنا ہوتا تو آپ مغرب کو مؤخر کرتے اور اس کی تین رکعتیں پڑھتے، پھر سلام پھیر دیتے، پھر تھوڑی دیر ہی ٹھہرتے حتی کہ عشاء کی نماز کھڑی کر دیتے، اس کی دو رکعتیں پڑھتے، پھر سلام پھیر دیتے اور عشاء کے بعد نفل نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ رات کے درمیان اٹھ کر نماز پڑھتے۔

فوائد 1 اس باب کا مقصد یہ ہے کہ سفر کی نماز قصر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ مغرب کی رکعات میں بھی کمی کی جائے، کیونکہ اگر اس کی ایک رکعت پڑھیں تو اس کا کچھ بچتا نہیں، دو رکعت پڑھیں تو اس کی وتریت ختم ہوتی ہے۔ رہی ڈیڑھ رکعت تو اس کی ادائیگی کی صورت کہیں بیان ہی نہیں ہوئی، اس لیے اس کی تینوں رکعتیں پوری پڑھی جائیں گی۔ اسی طرح فجر کی دو رکعتیں بھی پوری پڑھی جائیں گی، کیونکہ اگر اس کی ایک رکعت پڑھیں تو وہ وتر بن جائے گی اور فرائض میں دو وتر بن جائیں گے۔ (ابن عثیمین)

2 اُسْتُصْرِخَ : یعنی ان سے اونچی آواز کے ساتھ مدد مانگی گئی تھی، فریاد کی گئی تھی۔ یہ "صُرَاخٌ" سے مشتق ہے۔ "مُصْرِخٌ" فریاد کو پہنچنے والا، اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن شیطان کا قول نقل فرمایا: ﴿ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ﴾ [إبراهيم : ٢٢] ''نہ میں تمھاری فریاد کو پہنچنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے ہو۔''

3 دو یا تین میل چلے...... : حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں : بخاری نے کتاب الجہاد کے " بَابُ السُّرْعَةِ فِي السَّيْرِ " (۳۰۰۰) میں اسلم مولیٰ عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں مکہ کے راستے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا کہ انھیں صفیہ بنت ابی عبید کی طرف سے شدید تکلیف کی اطلاع پہنچی تو وہ تیزی سے چلے، یہاں تک کہ جب شفق غروب ہو چکی تو وہ اترے اور مغرب اور عشاء پڑھی، دونوں کو جمع کیا۔ اس روایت سے چند فوائد حاصل ہوئے : ایک یہ کہ یہ سفر کون سا تھا، دوسرا یہ کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما غروبِ شفق کے بعد نماز کے لیے اترے اور تیسرا یہ کہ اس میں صراحت ہے کہ انھوں نے دونوں نمازیں جمع کیں۔ نسائی (۵۹۷) نے ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ صفیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خط لکھ کر اطلاع دی تھی۔ مسلم (۷۰۳) میں نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔ ابو داوٗد (۱۲۱۷) کی ایک روایت میں اسی سند سے ہے : « فَسَارَ حَتّٰى غَابَ الشَّفَقُ، وَتَصَوَّبَتِ النُّجُوْمُ، ثُمَّ إِنَّهُ نَزَلَ فَصَلَّى الصَّلَاتَيْنِ جَمِيْعًا » "یعنی وہ چلتے رہے حتیٰ کہ شفق غائب ہو گئی اور ستارے خوب نکل آئے، پھر وہ اترے اور دونوں نمازیں اکٹھی پڑھیں۔" اور نسائی (۵۹۵) میں اسی طریق سے ہے : "یہاں تک کہ جب وہ شفق کے آخر میں تھے تو اترے اور مغرب پڑھی، پھر عشاء کی نماز کھڑی کی جب کہ شفق غائب ہو چکی تھی اور ہمیں نماز پڑھائی۔" نسائی کی یہ روایت اس پر محمول ہے کہ یہ ایک اور واقعہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے شروع میں ہے : « خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِيْ سَفَرٍ يُرِيْدُ أَرْضًا لَهُ » "میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ چلا، وہ اپنی ایک زمین کی طرف جا رہے تھے۔" اور پہلی روایت کے سفر کے متعلق ہے کہ وہ مکہ سے ان کی واپسی کے بعد تھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ الگ الگ سفر تھے۔ (فتح الباری) معلوم ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں جمع صوری اور جمع حقیقی دونوں کے قائل و عامل تھے اور انھوں نے جمع کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا حوالہ بھی دیا۔

4 اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنی بیویوں کا خیال رکھنے اور ان سے حسن سلوک کا پتا چلتا ہے۔

5 یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں عشاء کے بعد کی سنتیں نہیں پڑھتے تھے اور یہ بھی کہ قیام اللیل جس طرح حضر میں مسنون ہے سفر میں بھی مسنون ہے۔

۷۔ بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الدَّوَابِّ وَحَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ بِهِ

7۔ باب : نفل نماز سواریوں پر پڑھنا، ان کا منہ جس طرف بھی ہو

۱۰۹۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، قَالَ : حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ : رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ. [انظر : ۱۰۹۷، ۱۱۰۴۔ أخرجه مسلم : ۷۰۱]

1093۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی اونٹنی پر نماز پڑھ رہے تھے، آپ کو لے کر اس کا منہ جدھر بھی ہوتا۔

فوائد 1 "رَاحِلَةٌ" وہ اونٹ یا اونٹنی جو سفر کے لیے استعمال ہو۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سواری پر نماز پڑھنے کے لیے ضروری نہیں کہ نماز شروع کرتے وقت اس کا رخ قبلہ کی طرف کرے، یہی بات راجح ہے۔ یاد رہے کہ آدمی سواری پر صرف نفل نماز پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

١٠٩٤ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ وَهُوَ رَاكِبٌ فِي غَيْرِ الْقِبْلَةِ. [راجع: ٤٠٠ـ أخرجه مسلم: ٥٤٠ بقطعة ليست في هذه الطريق]

1094۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نفل نماز سوار ہونے کی حالت میں پڑھا کرتے تھے جب کہ آپ کا رُخ قبلہ کی بجائے اور جانب ہوتا تھا۔

فائدہ اس حدیث کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۴۰۰)۔ بخاری نے مغازی (۴۱۴۰) میں اس روایت میں جابر رضی اللہ عنہ سے یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ غزوۂ انمار کا واقعہ ہے۔ مدینہ سے ان لوگوں کا علاقہ مشرق کی طرف تھا، چنانچہ ان کی طرف جاتے ہوئے قبلہ بائیں جانب ہوگا۔ ترمذی (۳۵۱) میں جابر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ میں آیا تو آپ اپنی اونٹنی پر مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے، آپ سجدے کو رکوع سے نیچا کرتے تھے۔ (فتح الباری)

١٠٩٥ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ: وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَيُوتِرُ عَلَيْهَا، وَيُخْبِرُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُهُ. [راجع: ٩٩٩ـ أخرجه مسلم: ٧٠٠]

1095۔ نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی اونٹنی پر نماز پڑھا کرتے تھے اور اس پر وتر بھی پڑھ لیتے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ نبی ﷺ بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے۔

فائدہ اس حدیث کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۹۹۹)۔

٨ـ بَابُ الْإِيمَاءِ عَلَى الدَّابَّةِ

8۔ باب: سواری پر اشارے سے نماز پڑھنا

١٠٩٦ـ حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُصَلِّي فِي

1096۔ عبداللہ بن دینار نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں اونٹنی پر نماز پڑھتے، خواہ اس کا رُخ کہیں بھی ہوتا، اشارہ سے نماز پڑھتے تھے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ

السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ، أَيْنَمَا تَوَجَّهَتْ يُومِئُ، وَذَكَرَ عَبْدُ اللّٰهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُهُ . [راجع : ۹۹۹۔ أخرجه مسلم : ۷۰۰]

نبی ﷺ ایسے ہی کیا کرتے تھے۔

فائدہ اس حدیث کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۹۹۹)۔

۹۔ بَابٌ : يَنْزِلُ لِلْمَكْتُوبَةِ

9۔ باب: فرض نماز کے لیے سواری سے اترے

۱۰۹۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ، أَنَّ عَامِرَ بْنَ رَبِيعَةَ أَخْبَرَهُ، قَالَ : رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الرَّاحِلَةِ يُسَبِّحُ، يُومِئُ بِرَأْسِهِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ، وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ . [راجع : ۱۰۹۳۔ أخرجه مسلم : ۷۰۱ مختصرًا]

1097۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اونٹنی پر نفل پڑھ رہے تھے، سر کے ساتھ اشارہ کرتے جاتے تھے، اس کا رُخ جدھر بھی ہوتا اور رسول اللہ ﷺ فرض نماز میں ایسے نہیں کرتے تھے۔

فائدہ اس حدیث کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۱۰۹۳)۔

۱۰۹۸۔ وَقَالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ : قَالَ سَالِمٌ : كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُصَلِّي عَلَى دَابَّتِهِ مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُسَافِرٌ، مَا يُبَالِي حَيْثُ مَا كَانَ وَجْهُهُ . قَالَ ابْنُ عُمَرَ : وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُسَبِّحُ عَلَى الرَّاحِلَةِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ، وَيُوتِرُ عَلَيْهَا، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي عَلَيْهَا الْمَكْتُوبَةَ . [راجع : ۹۹۹۔ أخرجه مسلم : ۷۰۰]

1098۔ سالم نے کہا: عبد اللہ (بن عمر رضی اللہ عنہما) رات کو اپنی سواری پر نماز پڑھا کرتے تھے جب کہ وہ مسافر ہوتے جدھر بھی اس کا منہ ہوتا پروا نہیں کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اور رسول اللہ ﷺ سواری پر نفل پڑھ لیتے تھے جدھر بھی اس کا منہ ہوتا اور اسی پر وتر بھی پڑھ لیتے تھے، ہاں! اتنی بات ہے کہ وہ سواری پر فرض نہیں پڑھتے تھے۔

۱۰۹۹۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ ثَوْبَانَ، قَالَ : حَدَّثَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : أَنَّ

1099۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی ﷺ اپنی اونٹنی پر مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور جب فرض نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سواری سے اترتے

النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُصَلِّيَ الْمَكْتُوبَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ .

[راجع : ٤٠٠ـ أخرجه مسلم : ٥٤٠ بقطعة لم ترد في هذه الطريق]

اور قبلہ کی طرف منہ کر لیتے۔

فائدہ: ان احادیث کے فوائد کے لیے دیکھیے حدیث (۴۰۰)۔

١٠ـ بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ عَلَى الْحِمَارِ

10۔ باب: گدھے پر سوار ہو کر نفل نماز پڑھنا

١١٠٠ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا حَبَّانُ، قَالَ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ سِيرِينَ، قَالَ : اسْتَقْبَلْنَا أَنَسًا حِينَ قَدِمَ مِنَ الشَّامِ فَلَقِينَاهُ بِعَيْنِ التَّمْرِ، فَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وَوَجْهُهُ مِنْ ذَا الْجَانِبِ ـ يَعْنِي : عَنْ يَسَارِ الْقِبْلَةِ ـ فَقُلْتُ : رَأَيْتُكَ تُصَلِّي لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ ! فَقَالَ : لَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَعَلَهُ لَمْ أَفْعَلْهُ .

1100۔ انس بن سیرین نے کہا: جب انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ شام سے واپس آئے تو ہم نے ان کا استقبال کیا، چنانچہ ہم انھیں "عین التمر" مقام پر ملے، میں نے انھیں دیکھا کہ وہ گدھے پر سوار ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور ان کا چہرہ اس جانب یعنی قبلہ کی بائیں جانب تھا۔ میں نے کہا: میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ قبلے کے غیر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا: اگر یہ نہ ہوتا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے کرتے ہوئے دیکھا ہے تو میں یہ کام نہ کرتا۔

رَوَاهُ ابْنُ طَهْمَانَ، عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

[أخرجه مسلم : ٧٠٢]

اسے (ابراہیم) بن طہمان نے حجاج سے، انھوں نے انس بن سیرین سے، انھوں نے انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

فوائد: 1 یہ اس وقت کی بات ہے جب انس رضی اللہ عنہ حجاج کی شکایت کے لیے بصرہ سے شام گئے تھے، اس وقت دارالخلافہ شام کا شہر دمشق تھا، واپسی پر انس بن سیرین اور ان کے ساتھی استقبال کے لیے "عین التمر" مقام پر ان سے جا کر ملے۔ "عین التمر" عراق کا ایک مقام ہے جو شام کی سرحد کے قریب ہے۔ انس بن سیرین نے ان سے گدھے پر سوار ہونے یا اس پر نماز پڑھنے کے بارے میں سوال نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے ہی ان کے علم میں تھا، البتہ انھوں نے قبلہ کے غیر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا۔

2 انس رضی اللہ عنہ کے نبی ﷺ کے فعل کا حوالہ دینے سے مراد نبی ﷺ کا غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بھی ہو سکتا ہے اور آپ کا گدھے پر سوار ہو کر نماز پڑھنا بھی ہو سکتا ہے۔ امام صاحب کے باب سے ظاہر ہے کہ وہ اس سے گدھے پر سوار ہو کر نفل نماز پڑھنا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سراج نے یحییٰ بن سعید سے، انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو گدھے پر سوار ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب کہ آپ خیبر کی طرف جا رہے تھے۔ سند اس کی حسن ہے۔ صحیح مسلم (۷۰۰/۳۵) میں اس کی ایک شاہد حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے، انھوں نے کہا: ''میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ گدھے پر سوار نماز پڑھ رہے تھے، جب کہ آپ خیبر کی طرف جا رہے تھے۔'' اس سے بخاری نے باب میں جو احتمال ذکر کیا ہے کہ گدھے پر سوار ہو کر نفل پڑھ سکتے ہیں اس کا راجح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ موطا (۵۱۵) میں یحییٰ بن سعید سے ہے کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ گدھے پر سوار نماز پڑھ رہے تھے اور ان کا رُخ قبلے کے غیر کی طرف تھا، وہ اشارے سے رکوع و سجود کر رہے تھے، بغیر اس کے کہ پیشانی پر کوئی چیز رکھیں۔ (فتح الباری) ویسے بخاری نے باب میں نبی ﷺ کے گدھے پر سوار ہو کر نماز پڑھنے کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف گدھے پر نفل نماز کا ذکر کیا ہے اور وہ ان کی ذکر کردہ حدیث سے ظاہر ہے، کیونکہ جواز کے لیے صحابی کا فعل ہی کافی ہے۔ (ابن عثیمین)

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گدھا حرام ہونے کے باوجود اس کا پسینہ پاک ہے، کیونکہ اس پر سواری کی صورت میں اس کے پسینے سے اجتناب ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ وہ سوار کے کپڑے یا جسم پر لگ ہی جاتا ہے۔ خصوصاً جب سفر شام سے عراق تک ہو یا مدینہ سے خیبر تک ہو۔ بلی کو دیکھ لیجیے حرام ہونے کے باوجود فرمایا: «إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ» [ابن ماجه : ٣٦٧] ''وہ نجس نہیں ہے۔'' اسی طرح گدھے کا جوٹھا بھی پاک ہے۔

4 اس حدیث سے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تواضع ظاہر ہے، کیونکہ متکبر لوگ گدھے کی سواری سے عار محسوس کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ گدھے کی سواری کا جواز بلکہ سنت ہونا بھی ثابت ہوا۔

١١- بَابُ مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ فِي السَّفَرِ دُبُرَ الصَّلَاةِ وَقَبْلَهَا

11- باب: جو سفر میں نماز کے بعد اور اس سے پہلے نفل (سنتیں) نہ پڑھے

١١٠١- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَنَّ حَفْصَ ابْنَ عَاصِمٍ حَدَّثَهُ، قَالَ: سَافَرَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَقَالَ: صَحِبْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ أَرَهُ يُسَبِّحُ فِي السَّفَرِ، وَقَالَ اللَّهُ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي

1101- حفص بن عاصم نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سفر کیا تو کہا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ رہا ہوں، میں نے آپ کو نہیں دیکھا کہ آپ سفر میں نفل پڑھتے ہوں اور اللہ جل ذکرہ نے فرمایا: ''تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے۔''

رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب : ٢١] [انظر :
١١٠٢ ـ أخرجه مسلم : ٦٨٩ مطولاً]

فائدہ اس حدیث سے ایک عظیم قاعدہ معلوم ہوا کہ جو کام نبی ﷺ نے اس کا سبب موجود ہونے کے باوجود نہیں کیا اس کا ترک سنت ہوگا اور جو آپ نے کیا ہے اس کا کرنا سنت ہوگا، گویا سنت فعلی بھی ہوتی ہے اور سنت ترکی بھی۔ (ابن عثیمین)

١١٠٢ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عِيسَى بْنِ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ : صَحِبْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَكَانَ لَا يَزِيدُ فِي السَّفَرِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ، وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذٰلِكَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ . [راجع :
١١٠١ ـ أخرجه مسلم : ٦٨٩ مطولاً]

1102۔ حفص بن عاصم نے کہا کہ انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا، آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی ایسے ہی کرتے تھے۔

فوائد 1 ان حدیثوں میں نفل سے مراد فرض نماز سے پہلے اور بعد کی سنتیں ہیں، جنھیں سننِ رواتب کہا جاتا ہے۔ دلیل اس کی صحیح مسلم (٦٨٩) میں مروی حفص بن عاصم کی حدیث ہے جو اوپر کی دو حدیثوں میں سے دوسری کی سند کے ساتھ ہے، انھوں نے کہا: میں مکہ کے راستے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رہا تو انھوں نے ہمیں ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں، پھر وہ چلے، ہم بھی ان کے ساتھ تھے حتیٰ کہ وہ اپنے خیمے میں آ گئے اور ہم ان کے گرد بیٹھ گئے۔ اچانک ان کی نظر پڑی تو انھوں نے کچھ لوگوں کو کھڑے ہوئے دیکھا، کہا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: نفل پڑھ رہے ہیں، تو انھوں نے کہا: اگر میں نے نفل پڑھنے ہوتے تو میں (فرض) نماز مکمل کرتا، پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے وہ حدیث بیان کی جو اوپر گزری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں نفلوں سے مراد فرض نماز سے پہلے اور بعد کی سنتیں ہیں۔
2 صبح کی نماز کی سنتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ سفر میں بھی صبح کی سنتیں ترک نہیں کرتے تھے۔ ان کے علاوہ سفر میں صلاۃ تہجد، صلاۃ ضحیٰ، صلاۃ استخارہ اور سواری پر نوافل آپ ﷺ سے ثابت ہیں۔

١٢ ـ بَابُ مَنْ تَطَوَّعَ فِي السَّفَرِ فِي غَيْرِ دُبُرِ الصَّلَوَاتِ وَقَبْلِهَا

12۔ باب: جو شخص سفر میں نمازوں کے بعد اور پہلے کی سنتوں کے علاوہ نفل نماز پڑھے

وَرَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فِي السَّفَرِ .

اور نبی ﷺ نے سفر میں فجر کی دو رکعتیں پڑھیں۔

١١٠٣ ـ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ : حَدَّثَنَا

1103۔ (عبدالرحمن) ابن ابی لیلیٰ نے کہا: ام ہانی رضی اللہ عنہا کے

شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ: مَا أَنْبَأَنَا أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الضُّحَى غَيْرُ أُمِّ هَانِئٍ، ذَكَرَتْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اغْتَسَلَ فِي بَيْتِهَا فَصَلَّى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ، فَمَا رَأَيْتُهُ صَلَّى صَلَاةً أَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ أَنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ.

[انظر: ١١٧٦، ٤٢٩٢ - أخرجه مسلم: ٣٣٦، وفي صلاة المسافرين (٨٠)]

سوا ہمیں کسی نے نہیں بتایا کہ نبی ﷺ نے صلاۃ ضحیٰ پڑھی، انھوں نے ذکر کیا کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کے گھر میں غسل کیا، پھر آٹھ رکعتیں پڑھیں، میں نے آپ کو اس سے ہلکی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ہاں! یہ بات تھی کہ آپ رکوع و سجود کو پورا کرتے تھے۔

فوائد: 1 ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا علی رضی اللہ عنہ کی بہن اور رسول اللہ ﷺ کے چچا کی بیٹی تھیں۔ ان کی رہائش مکہ میں تھی۔

2 سفر میں رسول اللہ ﷺ کے فجر کی سنتیں پڑھنے کا ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم (۶۸۱) میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں سفر کے دوران صبح کی نماز کے وقت نبی ﷺ اور صحابہ کے سوئے رہنے کا ذکر ہے، اس میں ہے کہ سورج نکلنے کے بعد آپ ﷺ نے صبح سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں، پھر صبح کی نماز پڑھی۔ اسی طرح صحیح مسلم (۶۸۰/۳۱۰) ہی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی قصہ میں آپ کے صبح کی نماز سے پہلے دو رکعتوں کا ذکر ہے۔ صاحب زاد المعاد (۵۹۹/۱) نے کہا: نبی ﷺ سے فجر کی نماز کے سوا یہ بات ثابت نہیں کہ آپ نے سفر میں نماز سے پہلے یا بعد سنتیں پڑھی ہوں۔ البتہ ابو داوٗد (۱۲۲۲) اور ترمذی (۵۵۰) میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ اٹھارہ (۱۸) سفر کیے، میں نے آپ کو ظہر سے پہلے سورج ڈھلنے پر دو رکعتیں ترک کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ روایت ثابت نہیں۔ ترمذی نے بھی اسے غریب کہا ہے اور بخاری سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اسے حسن سمجھا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ زوال کی سنتیں ہیں، ظہر سے پہلے کی سننِ راتبہ نہیں۔ (واللہ اعلم) (فتح الباری) براء رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو شیخ البانی نے بھی ضعیف کہا ہے۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ سننِ رواتب کو چھوڑ کر دوسرے نوافل سفر میں ادا کیا کرتے تھے۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں اس نماز کو صلاۃ ضحیٰ کہیں یا صلاۃِ فتح، دونوں صورتوں میں اس سے باب میں مذکورہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس دن کی صلاۃِ ضحیٰ صلاۃ الفتح بھی تھی۔

4 عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نے جو یہ کہا کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے سوا کسی نے نہیں بتایا کہ نبی ﷺ نے صلاۃِ ضحیٰ پڑھی اس پر بعض اہلِ علم نے کہا کہ صحیح احادیث سے صلاۃِ ضحیٰ ثابت ہے، جیسا کہ " أَبْوَابُ التَّطَوُّعِ (۱۱۷۷ تا ۱۱۷۹) " میں اس پر مستقل باب آ رہا ہے، مگر اس سے ابن ابی لیلیٰ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، وہ صرف اپنے علم کی بات کر رہے ہیں۔ (فتح الباری)

١١٠٤۔ وَقَالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَامِرٍ، أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ : أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى السُّبْحَةَ بِاللَّيْلِ فِي السَّفَرِ عَلَى ظَهْرِ رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ .
[راجع : ١٠٩٣ـ أخرجه مسلم : ٧٠١]

1104۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے رات کے وقت سفر میں اپنی سواری پر نفل نماز پڑھی، جدھر بھی اس کا رخ ہوتا تھا۔

١١٠٥۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُسَبِّحُ عَلَى ظَهْرِ رَاحِلَتِهِ حَيْثُ كَانَ وَجْهُهُ يُومِئُ بِرَأْسِهِ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ . [راجع : ٩٩٩ـ أخرجه مسلم : ٧٠٠]

1105۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نفل نماز اپنی اونٹنی کے اوپر سوار ہو کر پڑھ لیا کرتے تھے، آپ کا رخ جدھر بھی ہوتا، آپ سر کے ساتھ اشارہ کرتے تھے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسے ہی کرتے تھے۔

فائدہ: اس مسئلہ میں پکی بات یہی ہے کہ سفر میں فجر کی سنتیں پڑھے، ظہر، عصر یا مغرب کی سنن رواتب نہ پڑھے، ان کے علاوہ نوافل حضر وسفر میں مستحب ہیں، مثلاً صلاۃ ضحیٰ، وتر، تہجد، استخارہ، وضو اور مسجد میں آنے کی رکعتیں وغیرہ۔

١٣۔ بَابُ الْجَمْعِ فِي السَّفَرِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

13۔ باب: سفر میں مغرب اور عشاء کو جمع کرنا

١١٠٦۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ : سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ . [راجع : ١٠٩١ـ أخرجه مسلم : ٧٠٣]

1106۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو جب تیز چلنا ہوتا تو مغرب اور عشاء کو جمع کر لیتے تھے۔

١١٠٧۔ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنِ الْحُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : كَانَ رَسُولُ

1107۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ جب چل رہے ہوتے تو ظہر اور عصر کی نماز جمع کر لیتے اور مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر لیتے تھے۔

اللّٰهِ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ سَيْرٍ، وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ .

[انظر في تقصير الصلاة، باب : ١٥]

١١٠٨۔ وَعَنْ حُسَيْنٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي السَّفَرِ .

1108۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ سفر میں مغرب اور عشاء کو جمع کیا کرتے تھے۔

وَتَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ وَحَرْبٌ عَنْ يَحْيَى، عَنْ حَفْصٍ، عَنْ أَنَسٍ : جَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ . [انظر : ١١١٠]

اور حسین (معلم) کے ساتھ اس حدیث کو علی بن مبارک اور حرب نے بھی یحییٰ سے روایت کیا، انھوں نے حفص سے، انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ نبی ﷺ نے جمع کیا۔

فائدہ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسافر ظہر وعصر کو اور مغرب وعشاء کو جمع کر سکتا ہے، اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک جمع تقدیم یعنی دونوں نمازیں پہلی نماز کے وقت میں پڑھ لینا، دوسری جمع تاخیر، یعنی دونوں نمازیں بعد والی نماز کے وقت میں پڑھنا، ان دونوں صورتوں کو جمع حقیقی کہا جاتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ پہلی نماز اس کے آخر وقت میں اور دوسری اس کے اول وقت میں پڑھے، اسے جمع صوری کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں اگرچہ دونوں نمازیں جمع کی گئی ہیں مگر دونوں اپنے اپنے وقت پر پڑھی گئی ہیں۔ اس لیے یہ صرف صورت میں جمع ہے، حقیقت میں نہیں۔ بعض حضرات جمع کی پہلی دونوں صورتوں کے قائل نہیں، وہ صرف جمع صوری کو مانتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں: ﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ﴾ [النساء : ١٠٣] ''بے شک نماز ایمان والوں پر ہمیشہ سے ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔'' مگر نماز کے یہ اوقات اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ ہی نے مقرر فرمائے ہیں اور آپ ہی نے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا ہے۔ اس لیے سفر میں جمع کرنا ''کتاب موقوت'' ہی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ عرفات میں ظہر کے وقت میں عصر پڑھنا اور مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں مغرب پڑھنا ''کتاب موقوت'' کے خلاف ہے؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جب سفر جاری ہو اس وقت جمع جائز ہے، جب سفر میں کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہو تو جائز نہیں، اس لیے حج کے موقع پر عرفات اور مزدلفہ کے سوا جمع کرنا جائز نہیں، مگر یہ بات درست نہیں، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ حجۃ الوداع میں بطحا میں چمڑے کے سرخ خیمے میں مقیم تھے، آپ دوپہر کے وقت اس سے نکلے، بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کے وضو سے بچا ہوا پانی پکڑا ہوا تھا، لوگ ان سے وہ پانی لے رہے تھے، کسی کو مل گیا کسی نے اپنے ساتھی کے ہاتھ کی تری سے کچھ حاصل کر لیا، پھر ایک برچھی زمین میں گاڑی گئی اور آپ نے آگے بڑھ کر ظہر کی دو رکعتیں اور عصر کی دو رکعتیں

پڑھائیں۔ [بخاري : ۱۸۷، ۳۷٦، ٤٩٥، ٤٩٩۔ مسلم : ٥٠٣] اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آپ نے اس وقت دونوں نمازیں ظہر کے وقت میں اس وقت جمع فرمائیں جب آپ منیٰ کی طرف چلنے سے پہلے بطحا میں خیمہ لگا کر ٹھہرے ہوئے تھے۔ (ابن عثیمین)

جو حضرات جمع صوری پر اصرار کرتے ہیں انھوں نے جمع کی حکمت پر غور نہیں کیا۔ صحیح مسلم میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: « جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَبَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، قَالَ : فَقُلْتُ : مَا حَمَلَهُ عَلٰى ذٰلِكَ؟ فَقَالَ : أَرَادَ أَنْ لَا يُحْرِجَ أُمَّتَهُ » [مسلم : ٧٠٦/٥٣] "رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک میں ظہر اور عصر کو جمع کیا اور مغرب اور عشاء کو جمع کیا۔ راوی نے کہا: میں نے (معاذ رضی اللہ عنہ سے) پوچھا: آپ نے کس وجہ سے ایسا کیا؟ انھوں نے کہا: آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنی امت کو تنگی میں نہ ڈالیں۔" صحیح مسلم کی حدیث (٧٠٦/٥٢) میں ہے کہ سفر تبوک میں رسول اللہ ﷺ کا معمول ہی یہ تھا کہ آپ ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے سفر میں ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کو جمع کیا۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اس سے آپ کا مقصد کیا تھا؟ انھوں نے کہا: آپ کا مقصد یہ تھا کہ اپنی امت کو تنگی میں نہ ڈالیں۔ [مسلم : ٧٠٥/٥١]

معلوم ہوا جمع کا مقصد یہ ہے کہ امت کو تنگی میں نہ ڈالا جائے۔ اب اس سے بڑھ کر تنگی کیا ہو سکتی ہے کہ نماز کے لیے انتظار کیا جائے اور عین ظہر کے آخر اور عصر کے اول وقت میں دونوں نمازیں پڑھی جائیں۔ یہ شریعت کے آسانی پیدا کرنے کے مزاج ہی کے خلاف ہے۔ آپ عرفات، مزدلفہ اور بطحا میں نبی ﷺ کی جمع تقدیم و تاخیر کو دیکھ لیں۔ اس کے علاوہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی شفق غروب ہونے کے بعد مغرب و عشاء جمع کرنے کی حدیث کو دیکھ لیں۔ ان سب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جمع تقدیم بھی سنت ہے اور جمع تاخیر بھی اور سفر جاری ہو یا سفر کے دوران ٹھہرا ہوا ہو جمع کر سکتا ہے۔ البتہ اگر کسی آبادی میں ٹھہرا ہوا ہے تو اُسے اذان سن کر مسجد میں آنا ضروری ہے، کیونکہ اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ سفر کی وجہ سے جماعت کے ساتھ نماز واجب نہیں رہتی۔

١٤ ـ بَابٌ : هَلْ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ إِذَا جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ؟

14۔ باب: جب مغرب اور عشاء جمع کرے تو کیا اذان کہے یا اقامت کہے؟

١١٠٩ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي سَالِمٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

1109۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ کو سفر میں تیز چلنے کی جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز کو مؤخر کر دیتے یہاں

ﷺ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ حَتَّى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ.

تک کہ اسے اور عشاء کو جمع کر لیتے۔

قَالَ سَالِمٌ: وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَفْعَلُهُ إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ، وَيُقِيمُ الْمَغْرِبَ فَيُصَلِّيهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ يُسَلِّمُ، ثُمَّ قَلَّمَا يَلْبَثُ حَتَّى يُقِيمَ الْعِشَاءَ فَيُصَلِّيهَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ يُسَلِّمُ وَلَا يُسَبِّحُ بَيْنَهُمَا بِرَكْعَةٍ وَلَا بَعْدَ الْعِشَاءِ بِسَجْدَةٍ حَتَّى يَقُومَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ. [راجع: ١٠٩١ـ أخرجه مسلم: ٧٠٣]

سالم نے کہا: اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو بھی جب تیز چلنے کی جلدی ہوتی تو وہ ایسے ہی کرتے تھے اور آپ مغرب کی اقامت کہتے اور اس کی تین رکعتیں پڑھتے، پھر سلام پھیر دیتے، پھر کم ہی ٹھہرتے یہاں تک کہ عشاء کی اقامت کہتے اور اس کی دو رکعتیں پڑھتے، پھر سلام پھیر دیتے اور ان دونوں کے درمیان نفل نماز کی کوئی رکعت نہیں پڑھتے تھے اور نہ عشاء کے بعد کوئی رکعت پڑھتے تھے، یہاں تک کہ آپ رات کے درمیان اُٹھتے۔

١١١٠ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا حَرْبٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنِي حَفْصُ ابْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَنَسٍ، أَنَّ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ فِي السَّفَرِ، يَعْنِي: الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ. [راجع: ١١٠٨]

1110۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں یہ دو نمازیں، یعنی مغرب اور عشاء جمع کیا کرتے تھے۔

فوائد: 1 اس باب سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ مغرب اور عشاء اگر جمع کرنی ہوں تو کیا اذان کہے یا اقامت پر اکتفا کرے۔ امام صاحب کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اذان اور اقامت دونوں کے قائل ہیں، کیونکہ انھوں نے نفی کا کوئی اشارہ نہیں کیا۔ مزدلفہ میں بھی نبی ﷺ نے ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشاء پڑھی ہے۔ کرمانی اور ابن بطال نے کہا کہ شاید راوی نے جب یہ کہا کہ آپ مغرب اور عشاء کی نماز پڑھتے تھے تو اس میں نماز کا لفظ مطلق ہے، اس لیے اس سے مراد کامل اور پوری نماز ہے، جس میں نماز کے ارکان، شرائط اور سنن سب شامل ہیں، جن میں اذان بھی ہے اور اقامت بھی۔ (کیونکہ مطلق کسی فرد کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد فردِ کامل ہوتا ہے) اور نبی ﷺ نے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے چچا زاد بھائی کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا تھا: «إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا، ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا» [بخاري: ٦٥٨] ''جب نماز کا وقت ہو تو اذان کہو اور اقامت کہو اور تمھیں امامت وہ کروائے

جو تم میں سے بڑا ہے۔"

2 ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: « يُؤَخِّرُ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ حَتَّى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ » "یعنی مغرب کی نماز مؤخر کرتے یہاں تک کہ اسے اور عشاء کو جمع کر لیتے۔" یہاں یہ ذکر نہیں کیا کہ مغرب کو کتنا مؤخر کرتے، امام مسلم (۷۰۳/۴۳) نے اس کی وضاحت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما شفق غائب ہونے کے بعد مغرب اور عشاء کو جمع کرتے۔ تفصیل اس کی حدیث (۱۰۹۰) کے فوائد میں گزر چکی ہے۔

3 دو نمازیں جمع کرنے کی صورت میں کیا موالات، یعنی ایک نماز کے ساتھ ہی دوسری نماز پڑھنا ضروری ہے یا دونوں کے درمیان کچھ وقفہ بھی ہو سکتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ موالات نہ جمع تقدیم میں ضروری ہے نہ جمع تاخیر میں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب کی نماز پڑھائی، پھر ہر آدمی نے اپنا اونٹ اپنے ڈیرے میں بٹھایا جہاں وہ ٹھہرنا چاہتا تھا، پھر آپ نے اقامت کہلوائی اور عشاء کی نماز پڑھائی۔ (ابن عثیمین) اور عرفہ میں آپ نے ظہر کے ساتھ ہی عصر پڑھا دی، کوئی وقفہ نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح سہولت ہو اسی طرح کر لے۔

١٥ ـ بَابٌ : يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ إِلَى الْعَصْرِ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ

فِيهِ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [راجع : ١١٠٧]

١١١١ ـ حَدَّثَنَا حَسَّانُ الْوَاسِطِيُّ ، قَالَ : حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا، وَإِذَا زَاغَتْ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ . [انظر : ١١١٢ـ أخرجه مسلم : ٧٠٤]

15۔ باب: جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر شروع کرے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کر دے

اس مسئلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

1111۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر شروع کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کر دیتے، پھر دونوں کو جمع کر لیتے اور جب ڈھل جاتا تو ظہر کی نماز پڑھتے، پھر سوار ہو جاتے۔

فائدہ یہ حدیث دلیل ہے کہ سفر میں آدمی کو نماز کے بارے میں وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس میں اسے سہولت ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے سے پہلے سفر شروع کر دیتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کر دیتے جو سورج کے زرد ہونے تک ہے، پھر اتر کر عصر کے وقت میں ظہر اور عصر جمع کر لیتے۔ یہ روایت یہاں عقیل سے مفضل نے بیان کی ہے۔

صحیح مسلم (۴۸/۷۰۴) میں عقیل سے جابر بن اسماعیل کی روایت میں ہے کہ ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے، پھر دونوں کو جمع کر لیتے اور مغرب کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ اسے اور عشاء کو اس وقت جمع کرتے جب شفق غروب ہو جاتی۔ اور مسلم (۴۷/۷۰۴) ہی میں عقیل کی روایت ہے: «أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَدْخُلَ أَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا» "یعنی آپ ﷺ سفر میں ظہر کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ عصر کا اوّل وقت ہو جاتا، پھر آپ دونوں نمازوں کو جمع کر لیتے۔" صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ حدیث جمع تاخیر کی واضح دلیل ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اور اگر سفر شروع کرنے سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو ظہر پڑھتے اور روانہ ہو جاتے، صحیح بخاری کے الفاظ یہی ہیں، مگر دوسری کتب حدیث سے ثابت ہے کہ اس صورت میں آپ ظہر اور عصر پڑھ کر روانہ ہوتے۔ اس کی تفصیل اگلے باب میں آ رہی ہے۔

١٦۔ بَابٌ: إِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ مَا زَاغَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ

16۔ باب: جب سورج ڈھلنے کے بعد روانہ ہو تو ظہر پڑھ کر سوار ہو جائے

١١١٢۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلٰى وَقْتِ الْعَصْرِ، ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا، فَإِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ. [راجع: ١١١١۔ أخرجه مسلم: ٧٠٤]

1112۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر شروع کرتے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کر دیتے، پھر (سواری سے) نیچے اترتے اور ان دونوں نمازوں کو جمع کرتے اور اگر روانہ ہونے سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو آپ ظہر پڑھ کر سوار ہو جاتے۔

فوائد 1 اس باب سے ظاہر ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ عرفہ کے سوا جمع تقدیم یعنی ظہر کے وقت میں عصر پڑھنے کے قائل نہیں ہیں، مگر جیسا کہ حدیث (۱۱۰۷) اور (۱۱۰۸) کے فوائد میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزری ہے کہ آپ ﷺ نے بطحا میں ہاجرہ (دوپہر) کے وقت ظہر اور عصر جمع فرمائی، اس سے جمع تقدیم بھی ثابت ہے۔ اس حدیث کے علاوہ حافظ ابن حجر نے انس رضی اللہ عنہ کی یہی روایت جو عقیل نے بیان کی ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ اسماعیلی نے اسے اسحاق بن راہویہ کے طریق سے بیان کیا ہے، انھوں نے اسے شبابہ سے اور شبابہ نے عقیل سے روایت کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: «كَانَ إِذَا كَانَ فِي سَفَرٍ فَزَالَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا ثُمَّ ارْتَحَلَ» یعنی آپ جب سفر میں ہوتے اور سورج ڈھل جاتا تو آپ ظہر اور عصر اکٹھی پڑھ کر روانہ ہو جاتے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: بعض لوگوں نے اس میں یہ علت نکالی ہے کہ شبابہ سے یہ الفاظ بیان کرنے میں اسحاق اکیلے ہیں، پھر اسحاق سے جعفر فریابی اکیلے ہیں، مگر یہ کوئی

عیب والی بات نہیں، کیونکہ وہ دونوں حافظ اور امام ہیں۔ (فتح الباری)

اس مسئلے میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث بالکل صحیح اور واضح ہے، انھوں نے کہا: « أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَ إِنْ يَرْتَحِلْ قَبْلَ أَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ، حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعَصْرِ، وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلُ ذٰلِكَ، إِنْ غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، وَ إِنْ يَرْتَحِلْ قَبْلَ أَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ جَمَعَ بَيْنَهُمَا » [أبو داوٗد : ۱۲۰۸، ۱۲۲۰۔ ترمذي : ۵۵۳۔ مسند أحمد : ۲۲۰۹۴] ''یعنی رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ غزوۂ تبوک میں جب روانہ ہونے سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو آپ ظہر اور عصر جمع کر لیتے اور اگر سورج ڈھلنے سے پہلے روانہ ہو جاتے تو ظہر کو مؤخر کر دیتے یہاں تک کہ عصر کے لیے اترتے اور مغرب میں بھی ایسے ہی کرتے، اگر روانہ ہونے سے پہلے سورج غروب ہو جاتا تو مغرب اور عشاء جمع کر لیتے اور اگر سورج غروب ہونے سے پہلے روانہ ہو جاتے تو مغرب کو مؤخر کر دیتے یہاں تک کہ عشاء کے لیے اترتے، پھر دونوں کو جمع کر لیتے۔'' شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے ارواء الغلیل (۵۷۸) میں اسے صحیح کہا ہے اور اس میں نکالی گئی تمام علتوں کا مسکت جواب دیا ہے۔

2 سفر میں دو نمازیں جمع کرنا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ آسانیوں میں سے ایک بہت بڑی آسانی ہے۔ تیسیر الباری میں ہے: اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں عجب آسانی رکھی ہے، فرمایا: ﴿ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ [الحج : ۷۸] (اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں ڈالی) مگر یہ اور ہی بات ہے کہ مسلمان اپنے اوپر سختی کر لیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دی ہوئی آسانی سے بھاگ کر اور لوگوں کی پناہ لیں اور ان کے اقوال کو سند قرار دیں۔ (تیسیر الباری)

تنبیہ: اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ فجر کی نماز عشاء یا ظہر کے ساتھ جمع نہیں کی جا سکتی، اسی طرح عصر کو مغرب کے ساتھ جمع نہیں کیا جا سکتا۔

۱۷۔ بَابُ صَلَاةِ الْقَاعِدِ

17۔ باب: بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز

فائدہ چونکہ یہ بھی ایک قسم کا قصر ہے، اس لیے اسے '' أَبْوَابُ تَقْصِيْرِ الصَّلَاةِ '' میں ذکر کیا ہے۔

۱۱۱۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ : صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ بَيْتِهِ وَهُوَ شَاكٍ، فَصَلّٰى جَالِسًا وَصَلّٰى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ : أَنِ اجْلِسُوْا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ :

1113۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر میں نماز پڑھی اور آپ بیمار تھے، چنانچہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور آپ کے پیچھے کچھ لوگوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، آپ نے انھیں اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا: ''امام اسی لیے بنایا

« إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا » [راجع : ٦٨٨۔ أخرجه مسلم : ٤١٢ مطولاً]

جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس لیے جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم سر اٹھاؤ۔‘‘

١١١٤۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : سَقَطَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ فَرَسٍ، فَخُدِشَ ــ أَوْ فَجُحِشَ ــ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ نَعُودُهُ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَصَلَّى قَاعِدًا فَصَلَّيْنَا قُعُودًا، وَقَالَ : « إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ : سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا : رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ » [راجع : ٣٧٨۔ أخرجه مسلم : ٤١١]

1114۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تو آپ کی دائیں جانب چھل گئی۔ ہم آپ کے پاس بیمار پرسی کرنے کے لیے آئے تو نماز کا وقت ہو گیا، آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو ہم نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی اور آپ نے فرمایا: ’’امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس لیے جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم سر اٹھاؤ اور جب وہ ’’سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ‘‘ کہے تو تم ’’رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ‘‘ کہو۔‘‘

فائدہ ان احادیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۳۷۸) اور (۶۸۸)۔

١١١٥۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، أَخْبَرَنَا حُسَيْنٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَأَلَ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ. أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبِي، قَالَ : حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ، عَنْ أَبِي بُرَيْدَةَ، قَالَ : حَدَّثَنِي عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ ــ وَكَانَ مَبْسُورًا ــ قَالَ : سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا، فَقَالَ : « إِنْ صَلَّى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ، وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا

1115۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے بیان کیا اور انھیں بواسیر تھی، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے آدمی کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ’’اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو وہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس کے لیے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا آدھا اجر ہے اور جو سو کر پڑھے اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا آدھا اجر ہے۔‘‘

فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ، وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ » [انظر : ۱۱۱۶، ۱۱۱۷]

فوائد: 1 " اَلْبَوَاسِيْرُ " " بَاسُوْرٌ " کی جمع ہے، باء کے ساتھ، مقعد کے اندرونی حصے کا ورم یا مسے جن سے خون رستا رہتا ہے اور بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اس حدیث میں " نَائِمًا " یعنی سو کر پڑھنے والے سے مراد لیٹ کر پڑھنے والا ہے، کیونکہ سونے کے بعد تو ہوش ہی نہیں رہتا، نماز کیا پڑھے گا۔

2 صحیح بخاری کے شارح ابن بطال لکھتے ہیں: '' عمران رضی اللہ عنہ کی حدیث نفل نماز کے بارے میں ہے، کیونکہ فرض نماز بیٹھ کر پڑھنے والا یا تو کھڑا ہونے کی طاقت رکھتا ہوگا یا اس سے عاجز ہوگا، اگر وہ کھڑا ہونے کی طاقت رکھتا ہے پھر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو تمام علماء کے نزدیک اس کی نماز نہیں ہوگی، وہ نماز اسے دوبارہ پڑھنا لازم ہے۔ پھر اسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے سے آدھا اجر کیسے مل سکتا ہے اور اگر وہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا تو اس سے قیام کا فرض ساقط ہے جس کی بجائے اس پر بیٹھنا فرض ہے اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو کھڑا ہو کر نماز پڑھنے والا اس سے افضل نہیں ہے۔''

قیام سے عاجز ہونے کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا اجر ملے گا، اس کی دلیل ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ، كُتِبَ لَهُ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا » [بخاري : ۲۹۹۶] '' جب بندہ بیمار ہو جائے تو اس کے لیے اس کی مثل عمل لکھے جاتے ہیں جو وہ اقامت اور تندرستی کی حالت میں کیا کرتا تھا۔'' سنن ترمذی (۳۷۱، ۳۷۲) کے آخر میں ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے حدیث " وَمَنْ صَلَّى جَالِسًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ " کے متعلق کہا ہے کہ یہ تندرست اور اس شخص کے بارے میں ہے جس کا کوئی عذر نہ ہو، رہا وہ جس کا بیماری وغیرہ کا عذر ہو اور وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو اسے کھڑے ہو کر نماز والے جیسا اجر ہی ملے گا اور ان حدیثوں میں سے بعض میں سفیان ثوری کے قول جیسی روایت بھی آئی ہے۔

3 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے سے پورا اجر ملتا تھا، جیسا کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو (حیرت سے) آپ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' اے عبد اللہ بن عمرو! تمھیں کیا ہوا؟'' انھوں نے کہا: مجھے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: '' آدمی کی بیٹھ کر نماز آدھی نماز کے برابر ہے اور آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « أَجَلْ، وَلٰكِنِّي لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنْكُمْ » [مسلم : ۷۳۵] '' ہاں! ٹھیک ہے، لیکن میں تم میں سے کسی جیسا نہیں ہوں۔''

١٨- بَابُ صَلَاةِ الْقَاعِدِ بِالْإِيمَاءِ

18- باب: بیٹھ کر اشارے سے پڑھنے والے کی نماز

١١١٦- حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ

1116- عبد اللہ بن بریدہ سے روایت ہے کہ عمران بن

الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ - وَكَانَ رَجُلًا مَبْسُورًا - وَقَالَ أَبُو مَعْمَرٍ مَرَّةً: عَنْ عِمْرَانَ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَقَالَ: «مَنْ صَلّٰى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ، وَمَنْ صَلّٰى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ، وَمَنْ صَلّٰى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ»

حصین رضی اللہ عنہما نے کہا۔ جنھیں بواسیر کی تکلیف تھی۔ کہ میں نے نبی ﷺ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے آدمی کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ”جو کھڑا ہو کر نماز پڑھے وہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے اس کے لیے کھڑے ہونے والے سے آدھا اجر ہے اور جو سو کر پڑھے اس کے لیے بیٹھنے والے سے آدھا اجر ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: نَائِمًا عِنْدِي مُضْطَجِعًا هَا هُنَا. [راجع: ۱۱۱۵]

ابو عبد اللہ (بخاری) نے کہا: میرے نزدیک یہاں سونے والے سے مراد لیٹنے والا ہے۔

فائدہ حدیث میں اشارے کا ذکر نہیں، باب سے اس کی مطابقت اس طرح ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا اگر رکوع و سجود کر سکتا ہو تو کرے اور اگر وہ رکوع و سجود نہ کر سکتا ہو تو اشارے کے سوا اس کے لیے کوئی صورت ہی نہیں، اس لیے وہ بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

۱۹۔ بَابٌ: إِذَا لَمْ يُطِقْ قَاعِدًا صَلّٰى عَلٰى جَنْبٍ

19۔ باب: جب بیٹھ کر نماز کی طاقت نہ ہو تو پہلو پر نماز پڑھے

وَقَالَ عَطَاءٌ: إِنْ لَمْ يَقْدِرْ أَنْ يَتَحَوَّلَ إِلَى الْقِبْلَةِ، صَلّٰى حَيْثُ كَانَ وَجْهُهُ.

اور عطا نے کہا: اگر قبلے کی طرف منہ کرنے کی طاقت نہ ہو تو جدھر کو منہ ہو نماز پڑھے۔

۱۱۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ابْنِ طَهْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْحُسَيْنُ الْمُكْتِبُ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ بِي بَوَاسِيرُ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ، فَقَالَ: «صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ» [راجع: ۱۱۱۵]

1117۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے بواسیر تھی تو میں نے نبی ﷺ سے نماز کے متعلق پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو پہلو پر پڑھو۔“

فوائد 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک ہوش و حواس قائم ہیں نماز کی معافی نہیں، کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے، یہ بھی نہ ہو تو لیٹ کر پڑھے۔ قبلے کی طرف منہ ہو سکے تو بہتر ورنہ جدھر بھی رُخ ہو نماز پڑھ لے، رکوع و سجود کی طاقت نہ ہو تو اشارے سے پڑھ لے۔

2 حدیث میں لیٹ کر نماز پڑھنے کی کیفیت یہ بیان ہوئی ہے کہ (قبلہ رُخ) پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھے، ظاہر ہے یہ نماز اشارے ہی سے ہوگی۔ بعض حضرات نے اس کی بجائے یہ کیفیت اختیار کی ہے کہ قبلے کی طرف ٹانگیں کر کے سیدھا لیٹ جائے اور سر کے پیچھے کوئی تکیہ وغیرہ رکھ لے تاکہ اس کا رُخ قبلے کی طرف ہو جائے، مگر یہ کیفیت "عَلٰی جَنْبٍ" (پہلو پر) کے خلاف ہے۔ ہاں! اس میں شک نہیں کہ اگر پہلو پر نہ لیٹ سکے تو جس طرح ہو سکے نماز پڑھ لے، اس وقت یہ صورت بھی اگر آسان ہو تو اختیار کر لے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن: ١٦] "سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔" مگر پہلو پر لیٹ سکتا ہو تو یہ صورت اختیار کرنا صریح حکم کے مقابلے میں اپنا قیاس مقدم کرنا ہے۔

٢٠ - بَابٌ: إِذَا صَلّٰى قَاعِدًا ثُمَّ صَحَّ أَوْ وَجَدَ خِفَّةً تَمَّمَ مَا بَقِيَ

20۔ باب: جب بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو پھر تندرست ہو جائے یا طبیعت ہلکی محسوس کرے تو جو باقی ہے پوری کرے

وَقَالَ الْحَسَنُ: إِنْ شَاءَ الْمَرِيضُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ قَائِمًا وَ رَكْعَتَيْنِ قَاعِدًا.

اور حسن نے کہا: اگر مریض چاہے تو دو رکعتیں کھڑے ہو کر اور دو بیٹھ کر پڑھ لے۔

١١١٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا لَمْ تَرَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي صَلَاةَ اللَّيْلِ قَاعِدًا قَطُّ حَتّٰى أَسَنَّ، فَكَانَ يَقْرَأُ قَاعِدًا حَتّٰى إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَقَرَأَ نَحْوًا مِنْ ثَلَاثِينَ آيَةً أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً، ثُمَّ رَكَعَ. [انظر: ١١١٩، ١١٤٨، ٤٨٣٧، وانظر في التهجد، باب: ٦- أخرجه مسلم: ٧٣١ باختلاف، وأخرجه: ٢٨٢٠ بقطعة لم ترد في هذه الطريق]

1118۔ ام المومنین عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو رات کی نماز بیٹھ کر پڑھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، یہاں تک کہ جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی تو آپ بیٹھ کر قرآن پڑھتے رہتے، یہاں تک کہ جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو جاتے اور تقریباً تیس یا چالیس آیات پڑھتے پھر رکوع کرتے۔

١١١٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ وَ أَبِي النَّضْرِ مَوْلٰى

1119۔ ام المومنین عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے اور بیٹھ کر قرآن پڑھتے رہتے،

عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ، فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ نَحْوٌ مِنْ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً، قَامَ فَقَرَأَهَا وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمَّ يَرْكَعُ، ثُمَّ سَجَدَ، يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ، فَإِذَا قَضٰى صَلَاتَهُ نَظَرَ، فَإِنْ كُنْتُ يَقْظٰى تَحَدَّثَ مَعِي، وَ إِنْ كُنْتُ نَائِمَةً اضْطَجَعَ . [راجع: ١١١٨۔ أخرجه مسلم: ٧٣١ باختلاف]

یہاں تک کہ آپ کی قراءت میں سے تیس یا چالیس آیات باقی ہوتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے اور کھڑے ہو کر وہ آیات پڑھتے، پھر رکوع کرتے، پھر سجدہ کرتے، دوسری رکعت میں بھی ایسے ہی کرتے۔ پھر جب نماز پوری کر لیتے تو دیکھتے اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے اور اگر میں سوئی ہوتی تو لیٹ جاتے۔

فوائد: 1 اس باب سے ان لوگوں کا رد مقصود ہے جن کا کہنا ہے کہ جو شخص طاقت نہ ہونے کی وجہ سے فرض نماز بیٹھ کر شروع کرے، پھر کھڑا ہو سکے تو اس کے لیے نئے سرے سے نماز شروع کرنا واجب ہے، وہیں سے آگے کھڑا ہو کر نماز مکمل نہیں کر سکتا۔ تیسیر الباری میں ہے: ”حدیث سے یہ نکلا کہ بیٹھ کر نماز شروع کرے تو اس سے لازم نہیں کہ ساری نماز بیٹھ کر پڑھے، جیسے بیٹھ کر شروع کرنے کے بعد کھڑے ہونا درست ہے ویسے ہی کھڑے ہو کر شروع کرنے کے بعد بیٹھ جانا بھی درست ہے، کیونکہ دونوں میں کچھ فرق نہیں۔“

2 یہاں ”أَبْوَابُ تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ“ پورے ہو گئے، براعتِ اختتام لفظ ”اِضْطَجَعَ“ میں ہے۔ آپ ﷺ کا یہ عمل وفات سے ایک سال پہلے کا ہے۔ (فتح الباری)

[تَمَّ أَبْوَابُ تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

١٩- كِتَابُ التَّهَجُّدِ

تہجد کی کتاب

١- بَابُ التَّهَجُّدِ بِاللَّيْلِ

1- باب رات کو تہجد پڑھنا

وَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ﴾ [الإسراء : ٧٩]

اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ''اور رات کے کچھ حصے میں پھر اس (قرآن) کے ساتھ بیدار رہ اس حال میں کہ تیرے لیے زائد ہے۔''

فوائد تحقیق 1 " وَمِنَ الَّيْلِ " میں " مِنْ "بعض کے معنی میں ہے، یعنی رات کے کچھ حصے میں قیام کر، ساری رات نہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی بات کا انکار فرمایا تھا جنھوں نے کہا کہ ہم ساری رات قیام کریں گے، سوئیں گے نہیں۔ [دیکھیے بخاري : ٥٠٦٣]

2 ''تہجد'' ترکِ ہجو یعنی نیند ترک کرنے کا نام ہے، اس کے لیے سو کر اٹھنا لازم نہیں۔ رات نیند سے اٹھ کر ہو یا عشاء کے فوراً بعد نیند کی بجائے قیام کیا جائے، وہ تہجد ہی ہے۔ سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات اور اس کی آخری آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

3 نَافِلَةً لَّكَ : جو فرض سے زائد ہو، جمع نوافل۔ بعض لوگ اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے لیے خاص طور پر تہجد ایک زائد فرض ہے، مگر یہ درست نہیں، آیات کا یہ سلسلہ ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ ﴾ [بني إسرائيل : ٧٨] (نماز قائم کر سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک) سے شروع ہوتا ہے اور انھی آیات میں ﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ﴾ [بني إسرائيل : ٧٩] بھی ہے۔ ان آیات کے اول مخاطب اگرچہ رسول اللہ ﷺ ہیں مگر ان تمام احکام کا مخاطب امت کا ہر فرد بھی ہے اور امت پر تہجد فرض نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے جب فرائض شمار کرتے ہوئے دن رات میں پانچ نمازوں کا ذکر فرمایا تو سائل نے پوچھا: « هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا ؟ » ''کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ فرض ہے؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: « لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ » ''نہیں الا یہ کہ تم خوشی سے پڑھو۔'' [بخاري : ٤٦] اس لیے تحقیق یہی ہے کہ تہجد نبی ﷺ

پر بھی فرض نہیں تھی۔ " نَافِلَةً " کا ترجمہ "نفل" کی بجائے "خاص طور پر زائد فرض" کیا جائے تو امت کے ہر فرد پر بھی یہ ایک زائد فرض ہوگا، کیونکہ آیت میں خطاب ہر مسلمان کو ہے۔ بعض حضرات ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « ثَلَاثَةٌ عَلَيَّ فَرِيْضَةٌ وَهِيَ لَكُمْ سُنَّةٌ: الْوِتْرُ وَالسِّوَاكُ وَقِيَامُ اللَّيْلِ » "تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور وہ تمھارے لیے سنت ہیں: وتر، مسواک اور قیام اللیل۔" یہ روایت سنن کبریٰ بیہقی (۷/۶۲، ح: ۱۳۲۷۲) میں ہے اور اس کے آخر میں بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: (اس کا راوی) موسیٰ بن عبدالرحمٰن بہت ہی ضعیف ہے اور اس مسئلے میں کوئی سند ثابت نہیں۔ (واللہ اعلم) امام بیہقی کے مطابق صرف یہ روایت ہی بہت ضعیف نہیں بلکہ نبی ﷺ پر تہجد فرض ہونے کی کسی روایت کی سند ثابت نہیں اور ظاہر ہے جب ثابت نہیں تو آیت میں " نَافِلَةً لَّكَ " کے الفاظ آپ کے لیے اور امت کے ہر فرد کے لیے ہیں۔

١١٢٠۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَبِي مُسْلِمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ: « اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ لَكَ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَقَوْلُكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ ﷺ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ. اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ، وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ » أَوْ « لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ »

1120۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ جب رات کو اُٹھتے، تہجد پڑھتے تو یوں کہتے تھے: "اے اللہ! تیرے ہی لیے تمام حمد ہے تو ہی آسمانوں اور زمین کو قائم رکھنے والا ہے اور انھیں بھی جو ان میں ہیں، اور تیرے ہی لیے تمام حمد ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت تیرے ہی لیے ہے اور ان کی بھی جو ان میں ہیں، اور تیرے ہی لیے تمام حمد ہے تو ہی آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے، اور تیرے ہی لیے تمام حمد ہے تو ہی آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اور تیرے ہی لیے حمد ہے تو ہی حق ہے اور تیرا وعدہ ہی حق ہے اور تیری ملاقات حق ہے اور تیری بات حق ہے اور جنت حق ہے اور آگ حق ہے اور سب نبی حق ہیں اور محمد ﷺ حق ہے اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ! میں تیرا ہی فرماں بردار ہو گیا اور تجھی پر ایمان لایا اور میں نے تجھی پر بھروسا کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی مدد سے جھگڑا کیا اور تیری ہی طرف فیصلہ لے کر آیا، سو مجھے بخش دے جو میں نے پہلے کیا اور جو پیچھے کیا اور جو میں نے چھپا

کر کیا اور جو میں نے علانیہ کیا، تو ہی آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

قَالَ سُفْيَانُ : وَزَادَ عَبْدُ الْكَرِيمِ أَبُو أُمَيَّةَ : « وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ »

سفیان نے کہا: اور عبدالکریم ابوامیہ نے یہ الفاظ زیادہ کیے: "اور نہ کسی (گناہ وغیرہ) سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ کچھ (نیکی وغیرہ) کرنے کی مگر اللہ کی مدد کے ساتھ۔"

قَالَ سُفْيَانُ : قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ أَبِي مُسْلِمٍ : سَمِعَهُ مِنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [انظر : ٦٣١٧، ٧٣٨٥، ٧٤٤٢، ٧٤٩٩ـ أخرجه مسلم : ٧٦٩]

سفیان نے کہا: سلیمان بن ابی مسلم نے کہا کہ اس نے اسے طاؤس سے سنا، اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، اس نے نبی ﷺ سے سنا۔

فوائد: 1 حدیث کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو اٹھتے تو نماز شروع کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھتے تھے، مگر صحیح ابن خزیمہ (۱۱۵۲) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تہجد کے لیے اٹھتے تو تکبیر کے بعد کہتے: « اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ ...... » (فتح الباری)

2 " لَكَ الْحَمْدُ " میں جار مجرور کو پہلے لانے سے تخصیص اور حصر مقصود ہے، اس لیے ترجمہ کیا گیا ہے: "تیرے ہی لیے تمام حمد ہے۔" یعنی کسی اور کے لیے نہیں، کیونکہ کسی اور میں کوئی خوبی اپنی نہیں بلکہ سب خوبیاں تیری عطا کردہ ہیں۔ اسی طرح جہاں بھی " لَكَ " پہلے آیا ہے یہی معنی ہے۔

3 " قَيِّمٌ " جو خود قائم ہو اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہو۔ "قیام" اور "قیوم" کا بھی یہی معنی ہے۔ " نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ " "یعنی انھیں روشن کرنے والا ہے۔" یعنی " نُوْرٌ " بمعنی " مُنَوِّرٌ " ہے۔ " أَنْتَ الْحَقُّ " خبر پر الف لام آنے سے تخصیص پیدا ہوگئی۔ " حَقٌّ " کا معنی ثابت ہے، یعنی صرف تو ہی ہے جس کا وجود ہمیشہ سے ثابت ہے، کیونکہ تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، تیرے سوا سب باطل ہے......ع

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ

" لِقَاؤُكَ حَقٌّ " سے لے کر " وَالسَّاعَةُ حَقٌّ " تک " حَقٌّ " پر الف لام نہیں، کیونکہ ان میں حصر مراد نہیں۔

4 اللہ تعالیٰ کی اس ساری حمد و ثنا کے بعد اصل مقصود کی درخواست ہے: « فَاغْفِرْلِيْ ...... » معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرنے سے پہلے جتنی ہو سکے اس کی حمد و ثنا کرنی چاہیے۔ سورۂ فاتحہ اس کی بہترین مثال ہے۔

٢ـ بَابُ فَضْلِ قِيَامِ اللَّيْلِ

2۔ باب: رات کے قیام کی فضیلت

١١٢١ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، ح: وَحَدَّثَنِي مَحْمُودٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا رَأَى رُؤْيَا قَصَّهَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَتَمَنَّيْتُ أَنْ أَرَى رُؤْيَا فَأَقُصَّهَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَكُنْتُ غُلَامًا شَابًّا، وَكُنْتُ أَنَامُ فِي الْمَسْجِدِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَرَأَيْتُ فِي النَّوْمِ كَأَنَّ مَلَكَيْنِ أَخَذَانِي، فَذَهَبَا بِي إِلَى النَّارِ، فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ وَإِذَا لَهَا قَرْنَانِ وَإِذَا فِيهَا أُنَاسٌ قَدْ عَرَفْتُهُمْ، فَجَعَلْتُ أَقُولُ: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ، قَالَ: فَلَقِيَنَا مَلَكٌ آخَرُ فَقَالَ لِي: لَمْ تُرَعْ. [راجع: ٤٤٠ـ أخرجه مسلم: ٢٤٧٩]

1121۔ ابن عمر ﷺ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی زندگی میں آدمی کوئی خواب دیکھتا تو اسے نبی ﷺ کے سامنے بیان کرتا تھا، مجھے بھی تمنا ہوئی کہ میں کوئی خواب دیکھوں اور اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کروں اور میں جوان لڑکا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجد میں سویا کرتا تھا، تو میں نے خواب میں دیکھا جیسے دو فرشتوں نے مجھے پکڑا اور مجھے آگ کی طرف لے گئے، دیکھا تو کنویں کی منڈیر کی طرح اس کی منڈیر بنی ہوئی تھی اور اس پر چرخی کے ستونوں جیسے دو ستون تھے اور دیکھا تو اس میں کچھ لوگ تھے جنھیں میں نے پہچان لیا۔ تو میں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میں آگ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ کہتے ہیں: پھر ہمیں ایک اور فرشتہ ملا تو اس نے مجھے کہا: مت ڈرو۔

١١٢٢ـ فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: «نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ» فَكَانَ بَعْدُ لَا يَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيلًا. [انظر: ١١٥٧، ٣٧٣٩، ٣٧٤١، ٧٠١٦، ٧٠٢٩، ٧٠٣١ـ أخرجه مسلم: ٢٤٧٩]

1122۔ پھر میں نے یہ خواب (اپنی بہن) حفصہ ﷞ کو بیان کیا تو حفصہ ﷞ نے اسے رسول اللہ ﷺ کو بیان کیا، آپ نے فرمایا: ”عبداللہ نیک آدمی ہے، کاش! وہ رات کا کچھ حصہ نماز پڑھا کرتا۔“ تو اس کے بعد عبداللہ رات کو کم ہی سویا کرتے تھے۔

فوائد: 1 حافظ ابن حجر ﷫ لکھتے ہیں: معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری ﷫ کو قیام اللیل کی کوئی صریح حدیث اپنی شرط پر نہیں ملی، اس لیے انھوں نے ابن عمر ﷠ کی حدیث پر اکتفا کیا ہے۔ اس مسئلے میں امام مسلم نے ابوہریرہ ﷜ کی حدیث روایت کی ہے: «أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ صَلَاةُ اللَّيْلِ» [مسلم: ١١٦٣] ”فرض نماز کے بعد سب سے افضل

نماز رات کی نماز ہے۔'' معلوم ہوتا ہے بخاری نے اسے ذکر کرنے میں اس لیے توقف کیا ہے کہ اس کے متصل اور مرسل ہونے میں اور موقوف ومرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔ (فتح الباری)

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اچھا خواب دیکھنے کی تمنا ہونی چاہیے، کیونکہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ [دیکھیے بخاری : ۶۹۸۳] ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تمنا میں اچھا خواب دیکھنے کے ساتھ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنے کی خواہش بھی تھی، یہ سونے پر سہاگہ تھا۔ اب بھی اپنا خواب کسی نیک آدمی کو سنانے کی خواہش اچھی بات ہے۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں سونا جائز ہے، اس سے نوجوان لڑکوں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب سنانے کے لیے خواب دیکھنے کی تمنا کرتے تھے، تاکہ اسی بہانے آپ سے بات کر سکیں۔

4 اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ بندے کو اس کی کوتاہی سے کسی نہ کسی طریقے سے آگاہ کر دیتا ہے، خواب کے ساتھ یا کسی اور طریقے سے، اور یہ کہ کوئی آدمی تعریف کے لائق ہو تو اس کی تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عبداللہ صالح آدمی ہے۔'' اس حدیث میں رات کے قیام کی فضیلت بھی ہے۔

5 " لَوْ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ " میں لفظ " لَوْ " شرط کے لیے نہیں کہ یہ معنی ہو کہ عبداللہ نیک آدمی ہے اگر وہ رات کو نماز پڑھتا، ورنہ نہیں۔ بلکہ تمنی کے لیے ہے، یعنی کاش وہ رات کو نماز پڑھتا۔ (فتح الباری)

6 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم کی بات معلوم کرنے کے لیے کسی دوسرے کو وکیل بنا سکتے ہیں، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی ہمشیرہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو خواب سنا کر تعبیر پوچھنے کے لیے کہا، جو ان سے بڑی تھیں۔ معلوم ہوا عورتوں سے بھی علم حاصل کر سکتے ہیں۔

7 کنویں کی منڈیر پر پانی نکالنے کے لیے جو چرخی لگائی جاتی ہے اس کے نیچے دونوں جانب اگر لکڑیاں ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو " زُرْنُوْقٌ " کہتے ہیں اور اگر ستون ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو " قَرْنٌ " کہتے ہیں، بعض اوقات لکڑیوں کو بھی " قَرْنٌ " کہہ دیتے ہیں۔ (فتح الباری)

8 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خصوصاً مسجد میں سونے والوں کو مسجد کا حق یعنی صلاۃ اللیل ادا کرنی چاہیے اور عموماً ہر صالح آدمی کو قیام اللیل کرنا چاہیے۔

9 رات کی نماز کا جہنم سے آزادی میں بہت دخل ہے۔

10 آدمی خواب میں فرشتوں کو دیکھ سکتا ہے اور یہ بھی کہ بعض اوقات نیک آدمی کو بھی خواب میں ڈرایا جاتا ہے اور تسلی بھی دی جاتی ہے۔

11 اس حدیث میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت بھی ہے کہ نیکی کا اتنا شوق رکھتے تھے کہ اس کے بعد وہ رات کو بہت کم سوتے تھے۔

٣۔ بَابُ طُولِ السُّجُودِ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ

3۔ باب: رات کے قیام میں لمبا سجدہ کرنا

١١٢٣۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، كَانَتْ تِلْكَ صَلَاتَهُ، يَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذَلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ، وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ، ثُمَّ يَضْطَجِعُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُنَادِي لِلصَّلَاةِ. [راجع: ٦١٩۔ أخرجه مسلم: ٧٢٤، و أخرجه: ٧٣٦]

1123۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے، یہ آپ ﷺ کی نماز تھی۔ اس میں سجدہ اس کے برابر ہوتا کہ تم میں سے کوئی پچاس آیتوں کی مقدار آپ ﷺ کے سر اٹھانے سے پہلے پڑھے، اور فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے، پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے، یہاں تک کہ آپ کے پاس مؤذن نماز کے لیے آتا۔

فائدہ اتنے لمبے سجدے میں آپ کیا پڑھتے تھے، صحیح بخاری کی " كِتَابُ الْأَذَانِ، بَابُ التَّسْبِيحِ وَالدُّعَاءِ فِي السُّجُودِ " (۸۱۷) میں گزر چکا ہے کہ آپ رکوع اور سجدے میں یہ دعا کثرت سے پڑھتے تھے: « سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْلِي » اس کے علاوہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: « وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ، فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ » [مسلم: ٤٧٩] "یعنی سجدے میں دعا کی کوشش کرو، کیونکہ بہت لائق ہے کہ تمھاری دعا قبول کی جائے۔" کتبِ احادیث میں سجدے کے دوران متعدد دعائیں آئی ہیں۔ صبح کی سنتوں کے بعد لیٹنے کے متعلق بات " كِتَابُ التَّهَجُّدِ " کے آخر میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

٤۔ بَابُ تَرْكِ الْقِيَامِ لِلْمَرِيضِ

4۔ باب: مریض کا قیام ترک کرنا

١١٢٤۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: سَمِعْتُ جُنْدَبًا يَقُولُ: اشْتَكَى النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَةً أَوْ لَيْلَتَيْنِ. [انظر: ١١٢٥، ٤٩٥٠، ٤٩٥١، ٤٩٨٣۔ أخرجه مسلم: ١٧٩٧ مطولاً]

1124۔ جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ بیمار ہو گئے تو آپ نے ایک رات یا دو راتیں قیام نہ کیا۔

١١٢٥۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ جُنْدُبِ بْنِ

1125۔ جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آنے سے (کچھ دن) رکے

عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : احْتَبَسَ جِبْرِيلُ ﷺ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ : أَبْطَأَ عَلَيْهِ شَيْطَانُهُ، فَنَزَلَتْ : ﴿وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ [الضحى : ۱ تا ۳] [راجع : ۱۱۲۴۔ أخرجه مسلم : ۱۷۹۷ بزيادة]

رہے تو قریش کی ایک عورت نے کہا: اس کے شیطان نے اس کے پاس آنے سے دیر کر دی ہے، تو یہ سورت اتری: ﴿وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ ”قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت کی! اور رات کی جب وہ چھا جائے! نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔“

فوائد 1 بعض شارحین نے اعتراض کیا ہے کہ دوسری حدیث کا باب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، کیونکہ اس میں رات کا قیام ترک کرنے کا کوئی ذکر نہیں، مگر امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ حدیث یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں درحقیقت ایک ہی ہیں، کیونکہ دونوں کی سند ایک ہے، یعنی ”سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ جُنْدُبٍ“ اس لیے قصہ ایک ہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی روایت میں سفیان سے ابونعیم نے بیان کیا ہے اور دوسری میں سفیان سے محمد بن کثیر نے اور پہلی میں سورت کے نزول کا سبب بیماری کی وجہ سے ایک یا دو راتیں قیام نہ کر سکنا ہے اور دوسری میں اس کا سبب جبریل علیہ السلام کا کچھ دن آپ کے پاس نہ آنا ہے۔ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر (۴۹۵۰) میں یہ دونوں سبب اکٹھے بیان ہوئے ہیں، چنانچہ جندب رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور آپ نے دو یا تین راتیں قیام نہیں کیا تو ایک عورت آئی اور اس نے کہا: اے محمد! مجھے امید ہے کہ تمھارا شیطان تمھیں چھوڑ چکا ہے، میں نے اسے دو تین راتوں سے آپ کے پاس آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تو اللہ عزوجل نے یہ سورت نازل فرمائی: ﴿وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ [الضحى : ۱ تا ۳] فتح الباری میں ہے کہ یہ عورت ابولہب کی بیوی تھی، جیسا کہ حاکم (۵۲۳/۲) نے زید بن ارقم سے ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نام اس کا ام جمیل عوراء بنت حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف تھا اور یہ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کی بہن تھی۔ (فتح الباری)

2 صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں جندب بجلی رضی اللہ عنہ ہی سے ایک حدیث (۴۹۵۱) میں ہے کہ ایک عورت نے کہا: « يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَا أُرَى صَاحِبَكَ إِلَّا أَبْطَأَكَ، فَنَزَلَتْ : ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ [الضحى : ۳] » ”یا رسول اللہ! میں تو یہی گمان کرتی ہوں کہ آپ کے ساتھی نے آپ کے پاس آنے میں دیر کر دی ہے، تو اس پر یہ سورت اتری: ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾۔“ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بتایا کہ اس خاتون سے مراد ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں، کیونکہ ام جمیل نے جبریل علیہ السلام کا ذکر ”شیطان“ کے لفظ سے کیا اور آپ کو ”یا محمد“ کے لفظ سے مخاطب کیا، جب کہ اس حدیث میں مذکورہ عورت نے آپ کو ”یا رسول اللہ!“ کہہ کر خطاب کیا اور جبریل علیہ السلام کے متعلق ”صَاحِبَكَ“ (آپ کا ساتھی) کے الفاظ استعمال کیے۔ یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں، جیسا کہ ابن بطال نے ”تفسیر بقی بن مخلد“ سے نقل کیا ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے اور ان کا یہ کہنا

آپ کی پریشانی دیکھ کر اظہارِ ہمدردی کے لیے تھا، جب کہ اُم جمیل کا کہنا طعن اور استہزا کے لیے تھا۔ (خلاصہ فتح الباری)

٥۔ بَابُ تَحْرِيضِ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى صَلَاةِ اللَّيْلِ وَالنَّوَافِلِ مِنْ غَيْرِ إِيجَابٍ

5۔ باب: نبی ﷺ کا فرض قرار دیے بغیر رات کی نماز اور نوافل کی ترغیب دینا

وَطَرَقَ النَّبِيُّ ﷺ فَاطِمَةَ وَ عَلِيًّا عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لَيْلَةً لِلصَّلَاةِ. [انظر: ١١٢٧]

اور نبی ﷺ ایک رات کو علی اور فاطمہ ؓ کے پاس نماز کے لیے آئے۔

١١٢٦۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَيْقَظَ لَيْلَةً فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللّٰهِ! مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتْنَةِ، مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ! مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ؟ يَا رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ» [راجع: ١١٥]

1126۔ ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک رات بیدار ہوئے تو فرمایا: سبحان اللہ! آج رات کس قدر فتنے نازل کیے گئے، کس قدر خزانے نازل کیے گئے، کون ہے جو حجروں والیوں کو جگا دے؟ کتنی ہی دنیا میں لباس پہننے والی عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔"

فائدہ: باب میں دو باتوں کا ذکر ہے: ایک قیام اللیل اور نوافل کی ترغیب، دوسری اس کا فرض نہ ہونا۔ علی ؓ والی حدیث آگے متصل سند کے ساتھ آ رہی ہے، اس پر وہاں بات ہو گی۔ ام سلمہ ؓ والی حدیث ''کتاب العلم (۱۱۵)'' میں گزر چکی ہے۔ یہاں اس سے قیام اللیل کی ترغیب اس طرح ہے کہ نماز فتنوں سے بچنے اور خزانے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری کی اسی حدیث میں ''کتاب الادب (۶۲۱۸)'' وغیرہ میں نماز کی ترغیب کے یہ صریح الفاظ موجود ہیں: «مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجَرِ، يُرِيدُ بِهِ أَزْوَاجَهُ، حَتّٰى يُصَلِّينَ» ''کون ہے جو حجروں والیوں یعنی آپ کی بیویوں کو جگا دے، تاکہ وہ نماز پڑھیں۔'' امام بخاری بہت دفعہ ایک حدیث لاتے ہیں جس سے وہ اس کے کسی دوسرے طریق میں مذکور الفاظ کی طرف اشارہ کر رہے ہوتے ہیں۔ اور قیام اللیل فرض نہ ہونا اس طرح ہے کہ آپ نے صرف ترغیب دی ہے، ان پر قیام لازم نہیں کیا۔ (فتح الباری)

١١٢٧۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ، أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ

1127۔ علی بن ابی طالب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات ان کے اور فاطمہ بنت النبی ؑ کے پاس آئے اور فرمایا: ''کیا تم دونوں نماز نہیں پڑھتے؟'' میں

أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ بِنْتَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْلَةً، فَقَالَ: «أَلَا تُصَلِّيَانِ؟» فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنْفُسُنَا بِيَدِ اللّٰهِ، فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا، فَانْصَرَفَ حِينَ قُلْنَا ذٰلِكَ وَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيَّ شَيْئًا، ثُمَّ سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُوَلٍّ يَضْرِبُ فَخِذَهُ وَهُوَ يَقُولُ: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ [الكهف: ٥٤] [انظر: ٤٧٢٤، ٧٣٤٧، ٧٤٦٥، وانظر في التهجد، باب: ٥۔ أخرجه مسلم: ٧٧٥]

نے کہا: یا رسول اللہ! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب ہمیں اُٹھانا چاہے اٹھادے۔ جب ہم نے یہ کہا تو آپ واپس ہو گئے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا، پھر میں نے آپ کو پیٹھ پھیر کر جاتے ہوئے سنا، آپ اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہہ رہے تھے: ''انسان ہمیشہ سے سب چیزوں سے زیادہ جھگڑنے والا ہے۔''

فوائد: 1 سنن نسائی میں زہری سے حکیم بن حکیم نے یہ روایت مفصل بیان کی ہے۔ علی ؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ میرے اور فاطمہ (ؓ) کے پاس رات کو آئے اور ہمیں نماز کے لیے جگایا، پھر اپنے گھر چلے گئے اور رات دیر تک لمبی نماز پڑھتے رہے مگر ہماری کوئی حس وحرکت نہ سنی، تو پھر ہمارے پاس دوبارہ آئے اور ہمیں جگایا اور فرمایا: ''اُٹھو نماز پڑھو۔'' میں آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ کر بیٹھ گیا اور میں کہہ رہا تھا: اللہ کی قسم! ہم اتنی ہی نماز پڑھ سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہماری قسمت میں لکھ دی ہے، اگر وہ چاہتا تو ہمیں اٹھا دیتا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ واپس مڑ گئے، آپ اپنی ران پر ہاتھ مارتے جاتے تھے اور کہہ رہے تھے: ''ہم اتنی ہی نماز پڑھ سکتے ہیں جو اللہ نے ہماری قسمت میں لکھ دی ہے اور انسان ہمیشہ سے سب چیزوں سے زیادہ جھگڑنے والا ہے۔'' [نسائي: ١٦١٢] طبری نے کہا: ''اگر نبی ﷺ کو رات کی نماز کی بہت زیادہ فضیلت کا علم نہ ہوتا تو کبھی اپنی بیٹی کو اور اپنے چچازاد کو ایسے وقت میں گھبراہٹ میں نہ ڈالتے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے سکون بنایا ہے، لیکن آپ نے ان کے لیے آرام وسکون کی جگہ یہ فضیلت حاصل کرنے کو ترجیح دی اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تعمیل کے لیے کہ ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ﴾ [طٰه: ١٣٢] ''اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو۔'' اس سے رات کے قیام کی ترغیب صاف ظاہر ہے اور فرض نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے پھر ان سے اصرار نہیں کیا۔

2 علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: علی ؓ نے جو جواب دیا وہ فی الحقیقت درست تھا مگر اس کا استعمال اس موقع پر درست نہ تھا، کیونکہ دنیا دارِ تکلیف (عمل کا مقام) ہے، اس میں نفس پر زور ڈال کر اللہ تعالیٰ کے تمام احکام بجا لانے چاہییں، تقدیر پر تکیہ کر لینا اور عبادت سے قاصر ہو کر بیٹھ رہنا اور جب کوئی اچھی بات کا حکم کرے تو تقدیر پر حوالہ کرنا (جدل) کج بحثی اور جھگڑا ہے۔ تقدیر کا اعتقاد اس لیے نہیں کہ آدمی اپاہج ہو کر بیٹھ رہے اور تدبیر سے غافل ہو جائے، بلکہ تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ سب کچھ باقی محنت اور مشقت اور اسباب حاصل کرنے کی کوشش کرے، مگر یہ سمجھتا رہے کہ ہوگا وہی جو اللہ نے قسمت میں لکھ دیا ہے۔ چونکہ رات کا وقت تھا اور علی ؓ آپ کے چھوٹے بھائی تھے، دوسرے داماد، لہٰذا ایسے موقع پر بحث لمبی کرنے کو اور سوال جواب کو نامناسب سمجھ کر کچھ جواب نہ دیا مگر ان کی کج بحثی اور مجادلہ پر افسوس کیا۔ (تیسیر الباری)

١١٢٨۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيَدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ خَشْيَةَ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ النَّاسُ، فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ، وَمَا سَبَّحَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ سُبْحَةَ الضُّحَى قَطُّ، وَ إِنِّي لَأُسَبِّحُهَا. [انظر: ١١٧٧۔ أخرجه مسلم: ٧١٨]

1128۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک عمل چھوڑے رکھتے حالانکہ آپ کو پسند ہوتا کہ آپ اسے کریں، اس خوف سے کہ لوگ وہ عمل کریں گے تو ان پر فرض کر دیا جائے گا، اور نبی ﷺ نے کبھی ضحیٰ کے نفل نہیں پڑھے اور میں تو انھیں پڑھتی ہوں۔

فوائد و مسائل: 1 إِنْ كَانَ لَيَدَعُ: اس میں "إِنْ" اصل میں "إِنَّ" حرفِ تاکید ہے، "لَيَدَعُ" میں بھی لام تاکید کا ہے اور "يَدَعُ" باب "وَدَعَ يَدَعُ" کا مضارع ہے، بمعنی "يَتْرُكُ" یعنی چھوڑے رکھتے تھے۔

2 علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو شاید وہ قصہ معلوم نہ ہوگا جسے ام ہانی رضی اللہ عنہا نے نقل کیا کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ضحیٰ کی نماز پڑھی (اور آپ نے ابوہریرہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما کو اس کی تاکید فرمائی تھی)۔ باب کا مطلب اس حدیث سے یوں نکلتا ہے کہ ضحیٰ کی نفل نماز کا پڑھنا آپ کو پسند تھا تو گویا آپ نے اس کی ترغیب دلائی اور پھر اسے واجب نہ کیا، کیونکہ آپ نے خود اسے نہیں پڑھا۔ بعض نے کہا کہ "آپ نے کبھی ضحیٰ کی نماز نہیں پڑھی" اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ہمیشگی کے ساتھ کبھی نہیں پڑھی، کیونکہ دوسری روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ آپ نے اسے پڑھا۔ (تیسیر الباری) تفصیل اس کی حدیث (١١٧٧) میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

١١٢٩۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ، ثُمَّ صَلَّى مِنَ الْقَابِلَةِ فَكَثُرَ النَّاسُ، ثُمَّ اجْتَمَعُوا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ، فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ: «قَدْ رَأَيْتُ الَّذِي صَنَعْتُمْ وَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ الْخُرُوجِ

1129۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی تو آپ کی نماز کے ساتھ کچھ لوگوں نے بھی نماز پڑھی، پھر آپ نے اگلی رات نماز پڑھی تو لوگ زیادہ ہو گئے، پھر وہ تیسری یا چوتھی رات میں جمع ہوئے تو رسول اللہ ﷺ ان کی طرف نہیں نکلے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: "جو تم نے کیا وہ میں نے دیکھ لیا اور مجھے تمھاری طرف نکلنے سے صرف اس بات نے روکا کہ میں ڈرا کہ یہ تم پر فرض نہ کر دی جائے۔" اور یہ

إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ » وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ . [راجع : ٧٢٩- أخرجه مسلم : ٧٦١ وأخرجه : ٧٨٢ باختلاف] ماہِ رمضان کی بات ہے۔

فوائد تحقیق 1 ایک رات مسجد میں نماز پڑھی: صحیح بخاری کی حدیث (۷۲۹ تا ۷۳۱) میں گزر چکا ہے کہ آپ کی یہ نماز مسجد میں اعتکاف کے لیے بنائی ہوئی چٹائی کی چار دیواری میں تھی، جسے آپ دن کو بچھا لیتے اور رات کو اس کی چار دیواری بنا لیتے تھے۔ اس حدیث کے بعض فوائد بھی ان حدیثوں کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں۔

2 رسول اللہ ﷺ کا رمضان کی ان تین راتوں میں لوگوں کے ساتھ قیام اللیل کرنے اور انھیں جماعت کروانے سے اس کی ترغیب ثابت ہوئی اور پھر تیسرے یا چوتھے دن اس کے فرض ہونے کے اندیشے سے آپ کا چار دیواری سے باہر نہ نکلنا قیام اللیل واجب نہ ہونے کی دلیل ہے۔

3 سنن ابی داود (۱۳۷۵) میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ رمضان کی تئیسویں، پچیسویں اور ستائیسویں رات کو قیام کروایا۔ ستائیسویں رات میں خاص طور پر " جَمَعَ أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ وَالنَّاسَ " یعنی اپنے گھر والوں اور اپنی عورتوں اور دیگر لوگوں کو جمع کیا اور رات اتنا لمبا قیام کیا کہ صحابہ ڈرے کہ سحری رہ نہ جائے، پھر آپ نے رمضان کی باقی راتوں کا قیام لوگوں کو نہیں کروایا۔ یہ حدیث صحیح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رمضان کے قیام کے لیے لوگوں کو دعوت دے کر بھی جمع کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے جو قیامِ رمضان کی جماعت کروانا چھوڑا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اس بات سے ڈرے کہ وہ مسلمانوں پر فرض نہ کر دیا جائے۔ جب آپ فوت ہو گئے اور یہ خطرہ باقی نہ رہا تو امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قیامِ رمضان با جماعت کا باقاعدہ اہتمام کر دیا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل کے ساتھ اس کی ترغیب دی تھی۔

٦- بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ حَتَّى تَرِمَ قَدَمَاهُ

6- باب: نبی ﷺ (کا رات) کا قیام حتی کہ آپ کے قدم سوج جاتے

وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا : كَانَ يَقُومُ حَتَّى تَفَطَّرَ قَدَمَاهُ . [راجع : ١١١٨]

وَالْفُطُورُ : الشُّقُوقُ، ﴿انْفَطَرَتْ﴾ [الانفطار : ١] : انْشَقَّتْ .

اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ ﷺ قیام کیا کرتے تھے حتی کہ آپ کے دونوں پاؤں پھٹ جاتے۔

(قرآن میں مذکور لفظ) " الْفُطُورُ " کا معنی کئی پھٹی جگہیں ہے۔ "انْفَطَرَتْ" کا معنی ہے: (جب آسمان) پھٹ جائے گا۔

فائدہ تحقیق عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس معلق روایت کو خود امام بخاری نے "کتاب التفسیر (۴۸۳۷)" میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔ " فُطُورٌ " " فَطْرٌ " کی جمع ہے، جیسے " فَلْسٌ " کی جمع " فُلُوسٌ " ہے، کئی پھٹی جگہ، دراڑ، شگاف۔

١١٣٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، عَنْ زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَيَقُومُ أَوْ لِيُصَلِّيَ حَتَّى تَرِمُ قَدَمَاهُ، أَوْ سَاقَاهُ، فَيُقَالُ لَهُ، فَيَقُولُ: «أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟» [انظر: ٤٨٣٦، ٦٤٧١- أخرجه مسلم: ٢٨١٩]

1130- مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ اتنا قیام کرتے یا کہا اتنی نماز پڑھتے کہ آپ کے دونوں پاؤں سوج جاتے یا آپ کی دونوں پنڈلیاں سوج جاتیں، آپ سے کہا جاتا تو آپ فرماتے: ”تو کیا میں بہت شکر گزار بندہ نہ بنوں؟“

فوائد 1 قیام کی وجہ سے پاؤں پر ورم آنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کھڑے رہنے کی وجہ سے خون کا دورہ پوری طرح نہیں رہتا جس سے پاؤں کچھ سوج جاتے ہیں۔ رہا پاؤں کا پھٹنا تو حافظ رحمہ اللہ نے تو لکھا ہے کہ ورم زیادہ ہو تو پاؤں میں زخم اور چیر پیدا ہو جاتے ہیں اور ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی صاحب نے اس کی ایک توجیہ یہ کی کہ سردیوں میں ٹھنڈے پانی اور سردی میں قیام کی وجہ سے پاؤں میں شگاف پیدا ہو جاتے ہیں۔

2 آپ سے کہا جاتا: کیا کہا جاتا اور کون کہتا تھا؟ اس کی تفصیل بخاری کی تفسیر سورۃ الفتح میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ رات قیام کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے قدم پھٹ گئے، تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: «لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَ قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟» ”یا رسول اللہ! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، حالانکہ اللہ نے آپ کے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں؟“ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: «أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا؟» [بخاري: ٤٨٣٧] ”تو کیا پھر میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بننا پسند نہ کروں؟“

3 اس سے معلوم ہوا کہ نماز اور دوسری عبادات صرف گناہوں کی مغفرت ہی کے لیے نہیں کی جاتیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے بھی کی جاتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ [سبا: ١٣] ”اے آلِ داود! شکر ادا کرنے کے لیے عمل کرو اور میرے بندوں میں سے پورے شکر گزار کم ہی ہیں۔“ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے جتنی بھی عبادت کی جائے کم ہے، کیونکہ نعمتوں کا شمار نہیں اور عبادت جتنی بھی ہو صرف ایک آنکھ کی روشنی کے برابر بھی نہیں ہو سکتی۔ ”ذَنْبٌ“ کے معنی کی تحقیق سورۃ الفتح کی تفسیر میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

4 رسول اللہ ﷺ اتنے قیام کے باوجود اکتاتے نہیں تھے، بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا: «جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ» [نسائي: ٣٩٤٠] ”میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔“ اس لیے آپ اتنی مشقت برداشت کرتے، اس لیے ہمیں بھی اپنے آپ کو عبادت کے لیے مشقت کا عادی بنانا چاہیے، مگر اتنا نہیں کہ طبیعت میں ملال اور اکتاہٹ پیدا ہو جائے،

جیسا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کی لمبی نماز کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَهْ، عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُونَ، فَوَاللهِ! لاَ يَمَلُّ اللهُ حَتَّى تَمَلُّوا» [بخاري: ٤٣] ”ٹھہرو، عمل اتنا ہی کرو جتنی طاقت رکھتے ہو، کیونکہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا، حتیٰ کہ تم ہی اکتا جاتے ہو۔“

٧- بَابُ مَنْ نَامَ عِنْدَ السَّحَرِ

7- باب: جو سحر کے قریب سو جائے

فائدہ سحر رات کے آخری حصے کو کہتے ہیں جو صبح سے کچھ پہلے ہوتا ہے۔ (قاموس)

١١٣١- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، أَنَّ عَمْرَو بْنَ أَوْسٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَهُ: «أَحَبُّ الصَّلاَةِ إِلَى اللَّهِ صَلاَةُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللَّهِ صِيَامُ دَاوُدَ، وَكَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ، وَيَنَامُ سُدُسَهُ، وَيَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا» [انظر: ١١٥٢، ١١٥٣، ١٩٧٤، ١٩٧٥، ١٩٧٦، ١٩٧٧، ١٩٧٨، ١٩٧٩، ١٩٨٠، ٣٤١٨، ٣٤١٩، ٣٤٢٠، ٥٠٥٢، ٥٠٥٣، ٥٠٥٤، ٥١٩٩، ٦١٣٤، ٦٢٧٧- أخرجه مسلم: ١١٥٩]

1131- عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: ”اللہ کو سب سے زیادہ محبوب نماز داود علیہ السلام کی نماز ہے اور سب سے زیادہ محبوب روزہ داود علیہ السلام کا روزہ ہے۔ وہ رات کا نصف سو جاتے تھے، اس کا تیسرا حصہ قیام کرتے اور اس کا چھٹا حصہ سو جاتے تھے اور وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہیں رکھتے تھے۔“

١١٣٢- حَدَّثَنِي عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَشْعَثَ، سَمِعْتُ أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ مَسْرُوقًا، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَتِ: الدَّائِمُ، قُلْتُ: مَتَى كَانَ يَقُومُ؟ قَالَتْ: كَانَ يَقُومُ إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ.

1132- مسروق سے روایت ہے کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب تھا؟ انھوں نے کہا: ہمیشگی والا۔ میں نے کہا: آپ کب اٹھتے تھے؟ کہا: جب مرغ کی اذان سنتے تھے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنِ الْأَشْعَثِ قَالَ : إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ قَامَ فَصَلَّى . [انظر : ٦٤٦١، ٦٤٦٢- أخرجه مسلم : ٧٤١ وبنحو أوله أخرجه : ٧٨٣]

ہمیں محمد بن سلام نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہمیں ابو الاحوص نے اشعث سے خبر دی، انھوں نے کہا: جب آپ مرغ کی اذان سنتے تو اٹھتے اور نماز پڑھتے تھے۔

١١٣٣- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ : ذَكَرَ أَبِي، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : مَا أَلْفَاهُ السَّحَرُ عِنْدِي إِلَّا نَائِمًا، تَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ . [انظر في أحاديث الأنبياء، باب : ٣٨- أخرجه مسلم : ٧٤٢]

1133- عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ میرے پاس تو جب بھی آپ ﷺ کو سحر ہوئی سوتے ہوئے ہی ہوئی۔

فوائد 1 ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی ؒ نے کہا: ابن قیم ؒ نے رات کے بارہ گھنٹے بنائے ہیں، داود ؑ نصف یعنی چھ گھنٹے سو جاتے، ثلث یعنی چار گھنٹے قیام کرتے اور سدس یعنی دو گھنٹے سو جاتے۔ مگر یہ یہود کی بات ہے جن کے لیے عشاء کی نماز نہیں تھی، شام ہوتے ہی رات پڑ جاتی تھی، ہمارے ہاں عشاء تک تو ویسے ہی جاگنا ہوتا ہے اور صبح کے ساتھ رات ختم ہو جاتی ہے۔ ان کے درمیان فرض کریں 9 گھنٹے ہوں تو ان کا نصف ساڑھے چار گھنٹے ہوا، ''ثلث'' تین گھنٹے اور سدس ڈیڑھ گھنٹہ ہوا اور اگر رات چھ گھنٹے ہو تو نیند تین گھنٹے، قیام دو گھنٹے اور پھر نیند ایک گھنٹہ۔ ہماری امت کے لیے اتنا قیام بہت ہے۔

2 فتح الباری میں ہے کہ عادت یہی ہے کہ مرغ اکثر آدھی رات کے وقت بولتا ہے، یہ بات محمد بن ناصر نے کہی ہے۔ ابن التین نے کہا کہ یہ بات عبد اللہ بن عباس ؓ کے یہ کہنے کے قریب ہے (جب وہ اپنی خالہ میمونہ ؓ کے گھر نبی ﷺ کے پاس ٹھہرے اور نبی ﷺ کی رات کی نماز کا مشاہدہ کیا) انھوں نے کہا: « حَتَّى انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ، أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ » [بخاري : ١١٩٨] ''یہاں تک کہ جب رات آدھی ہوگئی یا اس سے تھوڑا پہلے یا اس سے تھوڑا بعد تو آپ ﷺ جاگ گئے۔'' تیسیر الباری میں ہے: ''کہتے ہیں پہلے پہل مرغ آدھی رات کے وقت بانگ دیتا ہے۔ احمد (٢١٦٧٩) اور ابو داود (٥١٠١) نے نکالا کہ مرغ کو برا مت کہو، وہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔ مرغ کی عادت ہے کہ فجر طلوع ہوتے ہی اور سورج کے ڈھلنے پر بانگ دیا کرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے۔'' مسند احمد اور ابو داود کی یہ حدیث صحیح ہے۔

3 مہلب نے کہا: نماز کا یہ طریقہ سب سے زیادہ محبوب اس لیے ہے کہ اس میں نفس کے لیے آسانی ہے، جس کی اکتاہٹ کا خوف ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا حتی کہ تم ہی اکتا جاتے ہو اور اللہ تعالیٰ کو

پسند ہے کہ وہ اپنا فضل ہمیشہ رکھے اور مسلسل احسان کرتا رہے۔ اور اس میں زیادہ سہولت اس لیے ہے کہ قیام کے بعد نیند سے بدن کو راحت ملتی ہے اور جاگنے کی وجہ سے جسم کی تھکاوٹ اور پژمردگی ختم ہو جاتی ہے، جب کہ صبح تک جاگنے میں یہ بات نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ بھی اس میں کئی مصلحتیں ہیں کہ آدمی صبح کی نماز اور دن کے اذکار کا آغاز نشاط اور توجہ سے کرتا ہے اور اس میں ریا کا امکان کم ہے، کیونکہ جو بندہ رات کا آخری سدس سو جائے اس کا رنگ روشن اور قوتیں درست ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے رات کے عمل کو دیکھنے والوں سے مخفی رکھتا ہے۔ (فتح الباری) اس کے علاوہ نماز کے بعد سونے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواب کی صورت میں بشارتوں کا امکان بہت ہوتا ہے۔

4 امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلی حدیث میں داؤد علیہ السلام کی نماز کا معمول بیان کیا، اس کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کی دو حدیثیں بیان کیں، جن سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نصف شب کے قریب بیدار ہو کر قیام کرتے تھے اور رات کے آخری حصے میں پھر سو جاتے تھے، گویا آپ کی نماز داؤد علیہ السلام کی نماز کی طرح ہی تھی۔

5 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے بھی اگر غور کیا جائے تو داؤد علیہ السلام کے روزوں جتنے ہی ہوتے تھے، اگرچہ باقاعدہ ایک دن روزہ اور ایک دن ناغہ نہیں تھا بلکہ آپ مختلف طریقوں سے روزے رکھتے تھے۔ سوموار اور جمعرات کا روزہ ہو تو آٹھ روزے یہ ہو گئے، ایامِ بیض کے تین روزے اس کے علاوہ تھے، شعبان تقریباً سارا ہی روزہ رکھتے تھے، ماہِ رمضان پورا روزے رکھتے تھے، عرفہ اور عاشورہ کا روزہ اس کے علاوہ تھا۔ کبھی روزے رکھتے ہی جاتے، کبھی کافی دن ناغہ کر لیتے، غرض نفل روزوں میں ایک اسلوب کی پابندی نہیں تھی، مگر روزوں کا عدد داؤد علیہ السلام کے روزوں جتنا یا اس سے کچھ کم یا زیادہ تھا۔

٨- بَابُ مَنْ تَسَحَّرَ فَلَمْ يَنَمْ حَتَّى صَلَّى الصُّبْحَ

8- باب: جو سحری کھائے اور صبح کی نماز پڑھنے تک نہ سوئے

١١٣٤- حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَسَحَّرَا، فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سَحُورِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى. قُلْنَا لِأَنَسٍ: كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سَحُورِهِمَا وَدُخُولِهِمَا فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: كَقَدْرِ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِينَ آيَةً. [راجع: ٥٧٦]

1134- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سحری کھائی، جب سحری سے فارغ ہوئے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف کھڑے ہوئے اور آپ نے نماز پڑھی۔ ہم نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا: ان کے سحری کھانے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا وقت تھا؟ انھوں نے کہا: اتنا کہ آدمی پچاس آیتیں پڑھ لے۔

فائدہ اس حدیث کی شرح (۵۷٦) میں گزر چکی ہے۔ یہاں اس حدیث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ رمضان میں سحری کے وقت سونے کا معمول نہیں تھا۔ بعض اوقات اس کے علاوہ بھی صرف لیٹنے پر اکتفا کرتے اور سوتے نہیں تھے، جیسا کہ عائشہ ؓ کی حدیث میں آرہا ہے گا۔ لیٹنے پر بھی سونے کا لفظ بولا جاتا ہے۔

۹۔ بَابُ طُولِ الْقِيَامِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ

9۔ باب: رات کی نماز میں لمبا قیام کرنا

١١٣٥۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً، فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سَوْءٍ، قُلْنَا: وَمَا هَمَمْتَ؟ قَالَ: هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ وَأَذَرَ النَّبِيَّ ﷺ.

[أخرجه مسلم: ٧٧٣]

1135۔ عبد اللہ (بن مسعود) ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ایک رات نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ کھڑے ہی رہے یہاں تک کہ میں نے ایک بری بات کا ارادہ کیا۔ ہم نے کہا: تو آپ نے کیا ارادہ کیا؟ کہا: میں نے ارادہ کیا کہ میں بیٹھ جاؤں اور نبی ﷺ کو (کھڑا) رہنے دوں۔

فائدہ اس بات میں اختلاف ہے کہ قیام لمبا ہونا چاہیے یا رکوع وسجود زیادہ ہونے چاہییں۔ عبد اللہ بن مسعود ؓ کی اس حدیث سے طولِ قیام والی بات کا راجح ہونا ظاہر ہے، خصوصاً اس لیے کہ آپ گیارہ یا تیرہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ قیام کا دورانیہ تقریباً ثلث رات کے برابر ہوتا تھا۔ ان میں قیام کے مطابق رکوع وسجود بھی لمبے ہوتے تھے۔ آپ کی توجہ رکعتوں کی تعداد کی کثرت کی طرف نہیں تھی، بلکہ انھیں حسن وخوبی کے ساتھ ادا کرنے کی طرف تھی۔ کیت کی بہ نسبت کیفیت زیادہ ملحوظ خاطر تھی۔ دو دو سو، پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار رکعات روزانہ کا وہاں کوئی نشان نہیں ملتا۔

١١٣٦۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ.

[راجع: ٢٤٥۔ أخرجه مسلم: ٢٥٥]

1136۔ حذیفہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب رات تہجد کے لیے اُٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک کے ساتھ رگڑتے تھے۔

فائدہ یہ حدیث اس سے پہلے (۲۴۵) پر گزر چکی ہے۔ اس حدیث میں بظاہر رات کی نماز میں لمبے قیام کا ذکر نہیں، صحیح بخاری کے شارحین نے مختلف مناسبتیں ذکر کی ہیں، مثلاً یہ خاص طور پر مسواک سے ظاہر ہے کہ آپ لمبا قیام کرتے

تھے، کیونکہ معمولی قیام کے لیے اتنے اہتمام کی ضرورت نہیں۔ بعض نے کہا: "يَتَهَجَّدُ" کے لفظ سے طولِ قیام نکلتا ہے، کیونکہ تہجد ترکِ ہجود یعنی نیند ترک کرنے کا نام ہے، معمولی قیام کو ترکِ ہجود قرار دینا مشکل ہے۔ یہ اور اس جیسی توجیہات اپنی جگہ مگر غالب گمان یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنے عام طریقے کے مطابق حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے ساتھ ان کی دوسری حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو صحیح تو ہے مگر بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں، البتہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے ایک رکعت میں سورۂ بقرہ، نساء اور آل عمران ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ لمبی حدیث ہے۔ [دیکھیے مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب تطویل القراءة في صلاة الليل : ۷۷۲] اس نماز کی ایک رکعت سے اس رات آپ کا طولِ قیام ظاہر ہے۔

١٠ ـ بَابٌ : كَيْفَ كَانَ صَلَاةُ النَّبِيِّ ﷺ، وَكَمْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ؟

10۔ باب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی (رات کی) نماز کس طرح کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کتنی نماز پڑھتے تھے؟

١١٣٧ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : إِنَّ رَجُلًا قَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ؟ قَالَ : «مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خِفْتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ» [راجع : ٤٧٢ ـ أخرجه مسلم : ٧٤٩ و ٧٥١، و في صلاة المسافرين (١٥٦)]

1137۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! رات کی نماز کس طرح ہے؟ فرمایا: ''دو، دو رکعتیں، پھر جب تو صبح سے ڈرے تو ایک رکعت وتر پڑھ لے۔''

١١٣٨ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : كَانَ صَلَاةُ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ، يَعْنِي : بِاللَّيْلِ . [أخرجه مسلم : ٧٦٤]

1138۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تیرہ رکعت ہوتی تھی، یعنی رات کی نماز۔

١١٣٩ ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ

1139۔ مسروق سے روایت ہے کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں پوچھا

يَحْيَى بْنِ وَثَّابٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ : سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِاللَّيْلِ؟ فَقَالَتْ : سَبْعٌ وَ تِسْعٌ وَإِحْدَى عَشْرَةَ ، سِوَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ .

تو انھوں نے کہا: سات اور نو اور گیارہ رکعتیں، فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ۔

١١٤٠۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى، قَالَ : أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ .
[انظر : ١١٤٧، ٢٠١٣، ٣٥٦٩۔ أخرجه مسلم : ٧٣٨]

1140۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ رات کو تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر اور فجر کی دو رکعتیں بھی شامل تھیں۔

فوائد: 1 ان چار احادیث میں سے پہلی حدیث کی کچھ شرح (۴۷۲) میں گزر چکی ہے۔ آخری تین حدیثوں کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۹۹۴) اور (۹۹۵)۔

2 ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے پوچھنے پر بتایا کہ رات کی نماز دو، دو رکعتیں ہے، جب صبح ہونے کا خوف ہو تو ایک رکعت وتر پڑھ۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: امت کے حق میں یہی (ایک وتر الگ پڑھنا) افضل ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے پوچھنے والے کو یہ جواب دیا ہے۔ خود آپ سے وتر الگ پڑھنا اور دوسری رکعتوں کے ساتھ ملا کر پڑھنا دونوں طرح ثابت ہے۔

3 ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز تیرہ رکعتیں تھی، ان سے مروی اکثر روایات میں تیرہ ہی کا ذکر ہے، بعض روایات میں گیارہ کا ذکر بھی ہے۔ [دیکھیے بخاری : ٥٤٦٩] اب یا تو یہ روایت مرجوح ہے، کیونکہ اکثر روایات تیرہ کی ہیں، یا پھر گیارہ رکعت والی روایت میں ان دو ہلکی رکعتوں کو شمار نہیں کیا گیا جن کے ساتھ قیام اللیل شروع کرنے کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی، آپ نے فرمایا: « إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحْ صَلَاتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ » [مسلم : ٧٦٨] "جب تم میں سے کوئی رات کو قیام کرے تو اپنی نماز دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرے۔" خود رسول اللہ ﷺ کا بھی اس پر عمل تھا، چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: « كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ، افْتَتَحَ صَلَاتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ » [مسلم : ٧٦٧] "رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز کے لیے اٹھتے تو اپنی نماز کو دو ہلکی رکعتوں کے ساتھ شروع کرتے۔" زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے اپنا مشاہدہ ذکر کیا ہے کہ میں نے کہا: آج رات میں رسول اللہ ﷺ کی نماز غور سے دیکھوں گا، تو نبی ﷺ نے

دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں لمبی لمبی پڑھیں، پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے پہلی رکعتوں سے کم تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں اور وہ اس سے پہلی دو رکعتوں سے کم تھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں اور وہ ان سے پہلی دو رکعتوں سے کم تھیں، پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور وہ ان سے پہلی دو رکعتوں سے کم تھیں، پھر ایک وتر پڑھا تو یہ تیرہ رکعتیں ہوئیں۔ [دیکھیے مسلم : ۷۶۵] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کل تیرہ رکعت ہی صحیح ثابت ہے، جن میں پہلی دو ہلکی رکعتیں بھی شامل ہیں۔

4 ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کی رات کی نماز کے بارے میں جو فرمایا سات، نو اور گیارہ رکعتیں، یہ آپ ﷺ کے مختلف اوقات میں کم یا زیادہ رکعتوں کے اعتبار سے ہے، یعنی آپ کم از کم سات اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔
ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کس طرح تھی تو انھوں نے کہا: « مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهَا عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّيْ أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّيْ أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلَاثًا » [بخاري : ۲۰۱۳] ''آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، آپ چار رکعتیں پڑھتے، سو ان کے حسن اور طول کے متعلق مت پوچھو، پھر چار رکعتیں پڑھتے، سو ان کے حسن اور طول کے متعلق مت پوچھ، پھر آپ تین رکعتیں پڑھتے۔'' مگر عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبد اللہ بن ابی قیس کے سوال کے جواب میں کہ نبی ﷺ کتنے وتر پڑھتے تھے، یہ کہا: « كَانَ يُوْتِرُ بِأَرْبَعٍ وَثَلَاثٍ وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ وَعَشْرٍ وَثَلَاثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِأَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَلَا بِأَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ » [أبو داؤد : ۱۳۶۲] ''آپ چار اور تین رکعتوں کے ساتھ اور چھ اور تین کے ساتھ اور آٹھ اور تین کے ساتھ اور دس اور تین رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اور آپ سات رکعتوں سے کم اور تیرہ رکعتوں سے زیادہ وتر نہیں پڑھتے تھے۔'' یہ حدیث بھی صحیح ہے، اس حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے زیادہ سے زیادہ تیرہ رکعتوں کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: یہ فرق ان دو ہلکی رکعتوں کی وجہ سے ہے جن کے ساتھ آپ رات کی نماز کا آغاز کرتے تھے۔ چنانچہ جس روایت میں ہے کہ آپ گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اس میں ہے کہ آپ چار رکعتیں پڑھتے، ان کے حسن اور طول کے متعلق مت پوچھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے گیارہ رکعتوں والی روایت میں لمبی رکعتوں والے رات کے قیام کا شمار کیا ہے، پہلی دو ہلکی رکعتیں جو آپ ﷺ شروع میں پڑھتے تھے ان کا شمار نہیں کیا۔ غرض ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ اور تیرہ کی روایات دونوں صحیح ہیں، کمی بیشی ان دو خفیف رکعتوں کے ذکر کرنے یا نہ کرنے کی وجہ سے ہے جن کے ساتھ آپ رات کے قیام کا آغاز فرماتے تھے۔

5 فتح الباری میں ہے: ''گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ تہجد اور وتر رات کی نماز کے ساتھ خاص ہیں اور دن کے فرائض یعنی ظہر چار رکعت، عصر چار رکعت اور مغرب تین رکعت، یہ گیارہ رکعتیں دن کے وتر ہیں، اس لیے مناسب یہ تھا کہ رات کی نماز بھی تعداد میں دن کی نماز کی طرح ہو، رہی تیرہ کی مناسبت تو صبح کی نماز بعد والی نمازوں کے ساتھ ملا کر تیرہ رکعتیں ہوئیں، کیونکہ صبح کی نماز بھی دن کی نماز ہے۔'' (فتح الباری) (واللہ اعلم)

١١ـ بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ وَنَوْمِهِ، وَمَا نُسِخَ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ

11۔ باب: نبی ﷺ کا رات کا قیام اور آپ کی نیند اور رات کا قیام جو منسوخ ہوا

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ ٱلَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِّصْفَهُۥٓ أَوِ ٱنقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ ٱلْقُرْءَانَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سَنُلْقِى عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ ٱلَّيْلِ هِىَ أَشَدُّ وَطْـًٔا وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝ إِنَّ لَكَ فِى ٱلنَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا﴾ [المزمل: ١ - ٧] وَقَوْلُهُ: ﴿عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَٱقْرَءُوا۟ مَا تَيَسَّرَ مِنَ ٱلْقُرْءَانِ ۚ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَءَاخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِى ٱلْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ ٱللَّهِ ۙ وَءَاخَرُونَ يُقَٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ۖ فَٱقْرَءُوا۟ مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَقْرِضُوا۟ ٱللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا۟ لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ ٱللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا﴾ [المزمل: ٢٠]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''اے کپڑے میں لپٹنے والے! رات کو قیام کر مگر تھوڑا۔ آدھی رات (قیام کر) یا اس سے تھوڑا سا کم کر لے۔ یا اس سے زیادہ کر لے اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔ یقیناً ہم ضرور تجھ پر ایک بھاری کلام نازل کریں گے۔ بلاشبہ رات کو اٹھنا (نفس کو) کچلنے میں زیادہ سخت اور بات کرنے میں زیادہ درستی والا ہے۔ بلاشبہ تیرے لیے دن میں ایک لمبا کام ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''اس نے جان لیا کہ تم ہرگز اس کی طاقت نہیں رکھو گے، سو اس نے تم پر مہربانی فرمائی تو قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو۔ اس نے جان لیا کہ یقیناً تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ دوسرے زمین میں سفر کریں گے، اللہ کا فضل تلاش کریں گے اور کچھ دوسرے اللہ کی راہ میں لڑیں گے، پس اس میں سے جو میسر ہو پڑھو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو قرض دو، اچھا قرض دینا اور جو نیکی بھی تم اپنی جانوں کے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے کہ وہ بہتر اور ثواب میں کہیں بڑی ہے۔''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: نَشَأَ: قَامَ بِالْحَبَشِيَّةِ. وِطَاءً: قَالَ: مُوَاطَأَةَ الْقُرْآنِ، أَشَدُّ مُوَافَقَةً لِسَمْعِهِ وَبَصَرِهِ وَقَلْبِهِ. ﴿لِيُوَاطِـُٔوا﴾ [التوبة: ٣٧]: لِيُوَافِقُوا.

ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''نَشَأَ'' کا معنی حبشی زبان میں ہے: کھڑا ہوا۔ ''وِطَاءً'' کا معنی موافق ہونا ہے، یعنی رات کا قرآن آدمی کے کانوں، آنکھوں اور دل کے زیادہ موافق ہے۔ ''لِيُوَاطِـُٔوا'' کا معنی ہے: تاکہ وہ موافقت کریں۔

١١٤١- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَظُنَّ أَنْ لَا يَصُومَ مِنْهُ، وَيَصُومُ حَتّٰى نَظُنَّ أَنْ لَا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا، وَكَانَ لَا تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ، وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ.

1141۔ انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ (کسی) مہینے کے کچھ دنوں میں روزہ نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ آپ اس کے کسی دن میں روزہ نہیں رکھیں گے اور (کسی مہینے میں مسلسل) روزہ رکھتے حتی کہ ہم گمان کرتے کہ آپ ﷺ اس (مہینے) کے کسی دن کا روزہ نہیں چھوڑیں گے اور تم رسول اللہ ﷺ کو کسی رات نماز پڑھتے دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے اور سویا ہوا دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے۔

تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ وَأَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ حُمَيْدٍ.
[انظر: ١٩٧٢، ١٩٧٣، ٣٥٦١۔ أخرجه مسلم: ١١٥٨ مختصرًا]

اس حدیث کو (محمد بن جعفر کے ساتھ) سلیمان اور ابو خالد الاحمر نے بھی حمید سے روایت کیا ہے۔

فوائد: 1 معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری صحیح مسلم کی حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: «فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ افْتَرَضَ قِيَامَ اللَّيْلِ فِي أَوَّلِ هٰذِهِ السُّورَةِ، فَقَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ حَوْلًا، وَأَمْسَكَ اللّٰهُ خَاتِمَتَهَا اثْنَيْ عَشَرَ شَهْرًا فِي السَّمَاءِ، حَتّٰى أَنْزَلَ اللّٰهُ فِي آخِرِ هٰذِهِ السُّورَةِ التَّخْفِيفَ، فَصَارَ قِيَامُ اللَّيْلِ تَطَوُّعًا بَعْدَ فَرِيضَةٍ» [مسلم، كتاب المساجد: ٧٤٦/١٣٩] "بے شک اللہ عزوجل نے سورۂ مزمل کے شروع میں قیام اللیل فرض فرمایا تو اللہ کے نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب ایک سال تک قیام کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا خاتمہ بارہ ماہ تک آسمان میں روکے رکھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں تخفیف نازل فرمائی تو قیام اللیل فرض ہونے کے بعد نفل ہو گیا۔" چونکہ یہ حدیث بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لیے انھوں نے انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو کافی سمجھا جو وہ یہاں لائے ہیں، کیونکہ اس میں ہے کہ "تم کسی رات آپ کو سویا ہوا دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے۔" یہ دلیل ہے کہ آپ بعض اوقات ساری رات سو جاتے تھے۔ یہ صورت نفل نماز کی ہوتی ہے، اگر فرضیت جاری رہتی تو ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ کسی رات قیام نہ کریں۔ اس سے ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی موافقت ظاہر ہو رہی ہے۔ اور محمد بن نصر نے "قیام اللیل (ص: ۳۲)" میں سماک الحنفی عن ابن عباس کے طریق سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا شاہد ذکر کیا ہے کہ فرضیت اور اس کے منسوخ ہونے کے درمیان ایک سال تھا۔ اسی طرح انھوں نے ابو عبدالرحمن السلمی، حسن، عکرمہ اور قتادہ سے صحیح سندوں کے ساتھ یہ بات نقل کی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ فرضیت مکہ ہی میں منسوخ ہو گئی تھی، کیونکہ

قیام اللیل کی فرضیت معراج کی رات پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے تھی اور صحیح قول کے مطابق وہ ہجرت سے ایک سال سے زیادہ پہلے تھی۔ (فتح الباری) یعنی رسول اللہ ﷺ نے جب ایک صحابی کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں تو اس نے کہا: کیا مجھ پر اس کے علاوہ بھی فرض ہے؟ تو آپ نے فرمایا: «لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ» [بخاري : ٤٦] ”نہیں، الا یہ کہ تم خوشی سے پڑھو۔“ یہ دلیل ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہونے کے بعد قیام اللیل فرض نہیں رہا۔

2 عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر ایک سوال ہے کہ سورۂ مزمل کے آخر میں رات کے نصف یا اس سے کم و بیش قیام کی فرضیت منسوخ کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ...﴾ [المزمل : ٢٠] اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا قیام کرو۔ تو زیادہ قیام کی فرضیت منسوخ ہونے کے بعد اتنا قیام تو پھر بھی فرض رہا۔ حافظ رحمہ اللہ نے اس کا حل امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے بعض اہل علم سے بیان کیا کہ سورۂ مزمل کے آخری حصے سے قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوئی سوائے ”مَا تَيَسَّرَ“ (جو آسانی سے ہو سکے) کے، پھر پانچ نمازوں کے فرض ہونے کے ساتھ ”مَا تَيَسَّرَ“ بھی منسوخ ہو گیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی بات دل کو لگتی ہے۔ (واللہ اعلم)

3 ایک سوال یہاں اور ہے کہ پیچھے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزری ہے کہ رسول اللہ ﷺ مرغ کی اذان سن کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے جب کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بعض دفعہ ساری رات سونے کا ذکر ہے، ان میں تطبیق کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے گھر میں اپنے مشاہدے کی بات کی ہے جب کہ انس رضی اللہ عنہ نے اپنے مشاہدے کی بات کی ہے، دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

4 انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ ساری رات سوتے بھی نہیں تھے اور ساری رات جاگتے اور عبادت بھی نہیں کرتے تھے، ہر رات میں سوتے بھی اور عبادت بھی کرتے، تو جو شخص آپ کو جس حال میں دیکھنا چاہتا دیکھ لیتا۔

5 علامہ وحید الزمان نے اس پر ایک خوبصورت نوٹ لکھا ہے: ”بعضے بے وقوف یہ سمجھتے ہیں کہ ساری رات جاگنا اور عبادت کرنا یا ہمیشہ روزے رکھنا نبی ﷺ کی عبادت سے بڑھ کر ہے، ان کو اتنا شعور نہیں کہ ساری رات جاگتے رہنے سے یا ہمیشہ روزہ رکھنے سے نفس کو عادت ہو جاتی ہے، پھر اس کو عبادت میں کوئی تکلیف نہیں رہتی، پس جو نبی ﷺ نے کیا وہی افضل اور وہی اعلیٰ اور وہی مشکل ہے۔ آپ کی نو بیویاں تھیں، آپ ان کا بھی حق ادا فرماتے، اپنے نفس کا بھی حق ادا فرماتے، اپنے عزیز و اقارب اور عام مسلمانوں کے بھی حقوق ادا فرماتے، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے تھے، کہیے اس کے لیے کتنا بڑا دل اور جگر چاہیے۔ ایک سونٹا لے کر، لنگوٹ باندھ کر اکیلے دم سادھ کر بیٹھ رہنا اور بے فکری سے ایک طرف کا ہونا یہ نفس پر بہت سہل ہے۔“ (تیسیر الباری)

6 ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حبشی زبان میں ” نَشَأَ “ کا معنی ہے: ”کھڑا ہوا“، یہ سورۂ مزمل میں مذکور لفظ ” نَاشِئَةَ الَّيْلِ “ کی تفسیر ہے۔ ” نَاشِئَةٌ “ مصدر ہے بروزن ” عَافِيَةٌ “، اس کا معنی ہوا: ”رات کو اٹھنا۔“ یاد رہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ بھی موجود ہیں یا نہیں۔ ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور بعض دیگر اہل علم کے قول کے

مطابق "نَاشِئَۃ" حبشی زبان کا لفظ ہے، مگر جمہور کا کہنا یہ ہے کہ قرآن میں کوئی غیر عربی لفظ نہیں اور جو ایسے الفاظ ہیں جو دوسری زبانوں میں بولے جاتے ہیں وہ ایسے الفاظ ہیں جو عربی اور دوسری زبانوں کے اپنے اپنے الفاظ ہیں۔

7 أَشَدُّ وِطَاءً: طبری نے کہا: "وِطَاءً" یہ قراءت تمھارے اس قول سے ہے: "وَاطَأَ اللِّسَانُ الْقَلْبَ مُوَاطَأَةً وَوِطَاءً" یعنی زبان نے دل کی موافقت کی۔ باب مفاعلہ کا مصدر "مُفَاعَلَةً" اور "فِعَالًا" کے وزن پر آتا ہے، جیسے "مُوَاطَأَةً وَوِطَاءً" اور "قَاتَلَ يُقَاتِلُ مُقَاتَلَةً وَقِتَالًا" گویا "أَشَدُّ وِطَاءً" میں "وِطَاءً" باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ یہ قراءت عام نہیں ہے، اس کے مطابق آیت کا معنی یہ ہے کہ رات کا اُٹھنا دل کی زبان کے ساتھ موافقت کا زیادہ باعث ہے، کیونکہ رات کو نہ شور ہوتا ہے اور نہ کوئی اور دیکھنے والا، اس لیے زبان سے جو نکلتا ہے دن کی نسبت رات کو دل کے زیادہ موافق ہوتا ہے۔ اسی مصدر سے قرآن میں ایک لفظ "لِيُوَاطِئُوا" ہے، اس کا معنی ہے: تاکہ وہ موافق ہو جائیں۔ عام مشہور قراءت ہے: ﴿أَشَدُّ وَطْأً﴾ اس کا معنی ہے: بے شک رات کا اٹھنا (نفس کو) کچلنے میں زیادہ سخت ہے۔

١٢ - بَابُ عَقْدِ الشَّيْطَانِ عَلَى قَافِيَةِ الرَّأْسِ إِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ

12 - باب: شیطان کا گُدی پر گرہ لگانا جب آدمی رات کو نماز نہ پڑھے

١١٤٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ، يَضْرِبُ كُلَّ عُقْدَةٍ: عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللَّهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ، وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ» [انظر: ٣٢٦٩- أخرجه مسلم: ٧٧٦]

1142- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص جب سوتا ہے تو شیطان اس کی گُدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے، ہر گرہ پر یہ کہہ کر منتر پڑھتا ہے کہ تیرے لیے لمبی رات پڑی ہے اس لیے سو جا، پھر اگر وہ جاگے اور اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وضو کرے تو ایک اور گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر نماز پڑھے تو آخری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ تروتازہ خوش طبیعت ہوتا ہے، ورنہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ گندی طبیعت والا بہت سست ہوتا ہے۔"

١١٤٣ - حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو

1143- سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے آپ کے خواب کے بارے میں روایت کی کہ

رَجَاءٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الرُّؤْيَا قَالَ : « أَمَّا الَّذِي يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ، فَإِنَّهُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفِضُهُ، وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ » [راجع : ٨٤٥۔ أخرجه مسلم : ٢٢٧٥ بقطعة أخرى لم ترد في هذه الطريق]

آپ نے فرمایا: ''رہا وہ شخص جس کا سر پتھر کے ساتھ کچلا جا رہا تھا تو یہ وہ شخص ہے جو قرآن کو حاصل کرتا ہے، پھر اسے چھوڑ دیتا ہے اور فرض نماز سے سویا رہتا ہے۔''

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے '' كِتَابُ التَّهَجُّدِ '' کا پانچواں باب یہ ذکر کیا ہے: '' بَابُ تَحْرِيْضِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى صَلَاةِ اللَّيْلِ وَالنَّوَافِلِ مِنْ غَيْرِ إِيْجَابٍ '' اس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری قیام اللیل کو واجب نہیں سمجھتے اور حق بھی یہی ہے۔ مگر بعض احادیث سے قیام اللیل کی فرضیت معلوم ہوتی ہے، ان میں سے ایک حدیث تو وہ ہے جس میں ہے کہ جب کوئی آدمی سوتا ہے تو شیطان اس کی گُدی پر تین گرہیں لگاتا ہے جو اللہ کے ذکر سے، پھر وضو سے، پھر نماز کے ساتھ کھل جاتی ہیں، ورنہ وہ صبح اس حال میں کرتا ہے کہ '' خَبِيْثُ النَّفْسِ كَسْلَانَ '' ہوتا ہے۔ معلوم ہوا یہ گرہیں کھولنے کے لیے قیام اللیل ضروری ہے۔ دوسری حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے اس خواب کا ذکر ہے جس میں آپ کو بہت سی چیزیں دکھائی گئیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ وہ آدمی جس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا: « فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ، فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ وَلَمْ يَعْمَلْ فِيْهِ بِالنَّهَارِ، يُفْعَلُ بِهٖ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ » [بخاري : ١٣٨٦] ''یہ وہ آدمی تھا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا کیا تو وہ اس سے غافل ہو کر رات کو سویا رہا اور دن کو اس پر عمل نہ کیا، یہ عمل اس کے ساتھ قیامت تک کیا جاتا رہے گا۔'' اس حدیث سے بھی قیام اللیل فرض معلوم ہو رہا ہے۔ امام صاحب نے زیر شرح باب ان دونوں احادیث کی وضاحت کے لیے قائم کیا ہے۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ والی حدیث کے متعلق تو وہ اس حدیث کی وہ روایت لائے ہیں جس میں صراحت ہے کہ وہ شخص فرض نماز چھوڑ کر سویا رہتا تھا، معلوم ہوا اس کا قیام اللیل سے تعلق نہیں۔ رہی وہ حدیث جس میں ہے کہ آدمی جب سوتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے تو اس کا مطلب امام صاحب نے باب کے الفاظ کے ساتھ بیان کر دیا: '' بَابُ عَقْدِ الشَّيْطَانِ عَلٰى قَافِيَةِ الرَّأْسِ إِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ '' یعنی شیطان کسی آدمی کی گدی پر گرہیں اس وقت لگاتا ہے جب اس نے اس سے پہلے رات کو نماز نہ پڑھی ہو، یعنی گرہیں لگانے سے پہلے اس نے عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو۔ کیونکہ اگر کوئی شخص عشاء کی نماز پڑھ چکا ہو تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے رات میں نماز نہیں پڑھی، خصوصاً اگر وہ عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ چکا ہو، بلکہ وہ تو اس شخص کی طرح ہے جس نے آدھی رات کا قیام کیا ہو، جیسا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: « مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ » [مسلم : ٦٥٦] ''جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا اس نے

نصف رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی۔" امام بخاری رحمہ اللہ کے گرہوں والی حدیث کے بعد سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ والی حدیث کو لانے کا یہی مقصد ہے کہ اس میں "صلاۃ مکتوبہ" یعنی فرض نماز کی صراحت ہے۔ اسی طرح گرہوں والی حدیث سے مراد بھی وہ شخص ہے جو نماز عشاء چھوڑ کر سو جاتا ہے۔ (خلاصہ فتح الباری)

١٣ - بَابٌ : إِذَا نَامَ وَلَمْ يُصَلِّ بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ

13۔ باب: جب کوئی آدمی سو جائے اور اس نے نماز نہ پڑھی ہو تو شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے

١١٤٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، قَالَ : حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ فَقِيلَ : مَا زَالَ نَائِمًا حَتَّى أَصْبَحَ، مَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَقَالَ : « بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ » [انظر : ٣٢٧٠ - أخرجه مسلم : ٧٧٤]

1144۔ عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی کا ذکر کیا گیا اور بتایا گیا کہ وہ سویا ہی رہا حتیٰ کہ صبح ہو گئی، نماز کے لیے نہیں اٹھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے۔"

فوائد ومسائل: 1 مَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ (نماز کے لیے نہیں اٹھا): اس نماز سے مراد مطلق نماز ہے، فرض ہو یا نفل، یا صرف نفل نماز یا صرف فرض نماز؟ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد فرض نماز ہے، گویا یہ پچھلے باب ہی کا تتمہ ہے اور بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق بھی قیام اللیل سے نہیں بلکہ فرض نماز سے ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ صحیح ابن حبان (۲۵۶۲) میں یہی روایت " سفيان ثوري عن سلمة بن كهيل عن أبي الأحوص عن عبد الله " (یعنی بخاری ہی کی سند) سے مروی ہے، اس کے آخر میں ہے: « قَالَ سُفْيَانُ : هَذَا عِنْدَنَا يُشْبِهُ أَنْ يَكُونَ نَامَ عَنِ الْفَرِيضَةِ » "سفیان نے کہا: ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرض نماز سے سویا رہا۔"

2 شیطان کے پیشاب سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے اس کی تاویل کی ہے کہ پیشاب کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے اسے اپنا محکوم بنا لیا اور خاص طور پر کان کا ذکر اس لیے کیا کہ آدمی کان ہی سے آواز وغیرہ سن کر بیدار ہوتا ہے، شیطان اس میں پیشاب کر کے اس کے کان بہرے کر دیتا ہے۔ مگر تاویل کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب حقیقت ممکن نہ ہو، شیطان کا کھانا پینا، جماع کرنا حدیث سے ثابت ہے تو وہ پیشاب بھی کرتا ہو گا۔ رہی یہ بات کہ وہ پیشاب ہمیں نظر نہیں آتا اور اسے دھویا کیسے جائے تو جب شیطان خود نظر نہیں آتا تو اس کا پیشاب نظر نہ آنے میں کیا تعجب ہے!؟ اور اسے دھونا

یہی ہے کہ اٹھ کر اللہ کا ذکر کرے، وضو کرے اور فریضہ نماز ادا کرے۔

١٤ ـ بَابُ الدُّعَاءِ وَالصَّلَاةِ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ

14۔ باب: رات کے آخری حصے میں دعا کرنا اور نماز پڑھنا

وَ قَالَ: ﴿ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴾ [الذاريات : ١٧] أَيْ مَا يَنَامُونَ، ﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ [الذاريات : ١٨]

اور (اللہ عزوجل نے) فرمایا: " (وہ متقی لوگ) رات کے تھوڑے حصے میں ہجوع نہیں کرتے تھے۔" یعنی سوتے نہیں تھے۔" اور رات کے آخری حصوں میں وہ بخشش کی دعا کرتے تھے۔"

فائدہ " مَا يَهْجَعُونَ " کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ " مَا " مصدریہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ رات میں سے بہت تھوڑا حصہ سوتے تھے۔ لیکن اگر یہ ترجمہ کیا جائے تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے دائمی عمل سے اس مطلب کی تائید نہیں ہوتی، ہاں! اگر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو مدنظر رکھا جائے جو اوپر گزری ہے تو یہ مطلب بالکل درست ہے، یعنی جو شخص عشاء کی نماز جماعت سے پڑھے تو گویا اس نے نصف رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا اس نے ساری رات قیام کیا۔ [دیکھیے مسلم : ٦٥٦] " مَا يَهْجَعُونَ " کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اس میں " مَا " نافیہ ہے، ابن کثیر نے یہ مطلب ابن عباس، مطرف بن عبد اللہ اور مجاہد سے نقل کیا ہے اور تفسیر ابن کثیر کے محقق حکمت بن بشیر نے طبری اور دوسری کتابوں میں مذکور ان کی سندوں کو حسن یا صحیح کہا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ اور ابو جعفر باقر کے اقوال بھی اسی پر مبنی ہیں کہ "مَا" نافیہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: " لَمْ تَكُنْ تَمْضِي عَلَيْهِمْ لَيْلَةٌ إِلَّا يَأْخُذُونَ مِنْهَا وَلَوْ شَيْئًا " "یعنی ان پر جو رات بھی گزرتی تھی اس میں سے کچھ نہ کچھ حصہ لیتے تھے خواہ تھوڑا ہی ہو۔" انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ابو العالیہ نے کہا: " كَانُوا يُصَلُّونَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ " "وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے تھے۔" اور ابو جعفر باقر نے کہا: " كَانُوا لَا يَنَامُونَ حَتَّى يُصَلُّوا الْعَتَمَةَ " "وہ جب تک عشاء نہ پڑھ لیتے سوتے نہیں تھے۔" (ابن کثیر) یہ مطلب امام بخاری کے اس موقف کے مطابق ہے جو انھوں نے " بَابُ عَقْدِ الشَّيْطَانِ عَلَى قَافِيَةِ الرَّأْسِ إِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ " میں اختیار کیا ہے۔

١١٤٥ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : « يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ

1145۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف اترتا ہے، جب رات کا آخری تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے، فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی

إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ؟ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟ » [انظر: ۶۳۲۱، ۷۴۹۴۔ أخرجه مسلم: ۷۵۸]

دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے دوں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش مانگے تو میں اسے بخشوں؟"

فائدہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ "يَنْزِلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا" (ہمارا رب ہر رات آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے) اس کے ساتھ ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بلندی کی جانب ہے اور جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ اس بات کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی جگہ میں ہونا مانا جائے، اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے۔ (فتح الباری) فتح الباری کی اس عبارت پر شیخ عبد العزیز ابن باز رحمہ اللہ کی تعلیق یہ ہے کہ "جمہور سے حافظ کی مراد اہلِ کلام ہیں، رہے اہل السنہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اور اچھے طریقے سے ان کی پیروی کرنے والے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت مانتے ہیں، یعنی ان کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندی، یعنی اوپر کی جانب ہے اور وہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عرش کے اوپر ہے۔ البتہ اس کا عرش پر بلند ہونا مخلوق کی مثل نہیں، نہ ہی کسی کو اس کے عرش پر ہونے کی کیفیت معلوم ہے۔ کتاب وسنت سے اس کی دلیلیں شمار سے باہر ہیں، اس لیے ہوشیار رہو اور احتیاط رکھو۔" (واللہ اعلم) اس کے بعد حافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: نزول یعنی اللہ تعالیٰ کے آسمانِ دنیا پر اترنے کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے تو اس کو ظاہر اور حقیقت پر محمول کیا ہے، یہ مشبہہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی بات سے بہت بلند ہے اور بعض نے اس مفہوم کی تمام احادیث کا انکار کیا ہے، یہ خوارج اور معتزلہ ہیں۔ ان کی یہ بات مکابرہ ہے، یعنی کسی دلیل کے بغیر "میں نہ مانوں" کی رٹ لگانا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ انھوں نے قرآن میں اس مفہوم کی آیات کی تاویل کی ہے اور اس مفہوم کی احادیث کا جہل یا ضد کی وجہ سے انکار کر دیا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس مفہوم کی تمام احادیث کا وہی معنی کیا جائے گا جو ان کے الفاظ سے ظاہر ہے اور اس پر اجمالاً ایمان رکھا جائے گا، نہ کسی کے ساتھ تشبیہ دی جائے گی نہ ان کی کیفیت بیان کی جائے گی۔ یہ جمہور سلف ہیں اور بیہقی وغیرہ نے اسے ائمہ اربعہ، دونوں سفیانوں (ثوری اور ابن عیینہ) دونوں حمادوں (ابن زید اور ابن سلمہ) اوزاعی، لیث اور دوسرے ائمہ سے نقل کیا ہے۔ (فتح الباری)

ملاحظہ: حافظ رحمہ اللہ نے شروع میں نزول اور جہتِ علو کو اس کے ظاہری اور حقیقی معنی پر محمول کرنے والوں کو مشبہہ قرار دیا ہے اور ان کے قول سے اللہ کی پناہ مانگی ہے اور آخر میں تشبیہ اور کیفیت کے بیان کے بغیر اسے سلف کا مذہب قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنھیں حافظ رحمہ اللہ نے مشبہہ قرار دیا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزول کو بلاتشبیہ و بلاتکییف ہی مانتے ہیں اور جو لوگ نزول جیسی صفات کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو درحقیقت تحریف اور انکار ہے وہ سلف کو بھی بلاتشبیہ و بلاتکییف ماننے کے باوجود مشبہہ ہونے کا طعن دیتے ہیں، جیسے زمخشری نے کہا: "قَدْ شَبَّهُوْهُ بِخَلْقِهِ ...... فَتَسَتَّرُوا بِالْبَلْكَفَةِ" یعنی انھوں (سلف) نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے مشابہ قرار دیا ...... اور اس پر بلا کیف کا پردہ ڈال دیا۔ علماء نے نثر کے علاوہ شعروں

میں بھی زمخشری کا رد کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق خود اس سے اور اس کے رسول ﷺ سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا، نہ کوئی دوسرا جان سکتا ہے۔ اس معاملے میں امام مالک رحمہ اللہ کا قول حقیقت کا بہترین ترجمان ہے، جب ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے تو کس طرح مستوی ہے؟ انھوں نے کہا: ''اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْكَيْفُ مَجْهُوْلٌ وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ'' ''اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا سب جانتے ہیں اور کس طرح ہے یہ معلوم نہیں اور اس کے متعلق سوال بدعت ہے۔'' یعنی قرآن مجید میں سورۂ طٰہٰ کی آیت (۵): ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ نازل ہونے پر کسی صحابی نے آپ ﷺ سے یہ سوال نہیں کیا کہ کس طرح مستوی ہے، اس لیے یہ سوال بدعت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نزول، قیامت کے دن زمین پر آنے، اس کے دیدار، اس کے ہنسنے، اس کے غضب اور دوسری صفات کا وہی معنی کیا جائے گا جو ان الفاظ کا معنی ہے، مگر کسی کی مثل نہیں کہا جائے گا، نہ یہ کہ کس طرح ہے۔ مگر صفات کے منکرین یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر اترتا ہے یا قیامت کے دن آئے گا اور فیصلے کرے گا اور ایمان والے اس کی زیارت کریں گے۔ یہ لوگ اپنے انکار کو تاویل کے پردے میں چھپاتے ہیں۔ سلف کا مذہب بیان کرنے کے بعد حافظ رحمہ اللہ نے تاویل والوں کا مذہب بیان کیا ہے اور ان کی تین قسمیں کی ہیں: ایک وہ جو ایسے مناسب طریقے سے تاویل کرتے ہیں جو کلامِ عرب میں مستعمل ہے اور ایک وہ جو تاویل میں حد سے بڑھ جاتے ہیں حتیٰ کہ ایک طرح کی تحریف کے قریب تک جا پہنچے ہیں اور ایک وہ جو ان کے درمیان رہتے ہیں، بعض میں تاویل کرتے ہیں اور بعض کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ بیہقی رحمہ اللہ نے کہا: ان سب سے بڑھ کر سلامتی والی بات یہ ہے کہ ان صفات پر بلا تکییف ایمان رکھا جائے اور ان کی اصل مراد سے خاموشی اختیار کی جائے، الا یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے ان کی وضاحت آ جائے تو اسے اختیار کیا جائے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ سب اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ کوئی خاص اور متعین تاویل واجب نہیں ہے تو پھر اس کے مرادی معنی کو اللہ کے سپرد کرنے ہی میں سلامتی ہے۔ تفصیل اس کی ''كِتَابُ التَّوْحِيْدِ'' میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ) (خلاصہ فتح الباری)

تاویل کرنے والوں نے اللہ تعالیٰ کے نزول کی عجیب وغریب تاویلیں کی ہیں، حافظ رحمہ اللہ نے کہا: ''نزول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا امر اترتا ہے یا اس کا فرشتہ اترتا ہے۔'' اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ فرشتہ تو اتر سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے کہیں آنے جانے سے عاجز ہے، وہ نہیں اتر سکتا، جب کہ قیامت کے دن کے متعلق اس نے خود فرمایا ہے: ﴿ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴾ [الفجر : ۲۲] ''اور تیرا رب آئے گا اور فرشتے جو صف در صف ہوں گے۔'' یہاں اللہ تعالیٰ کے اترنے سے فرشتے کا اترنا مراد ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ رب تعالیٰ کے ساتھ فرشتوں کا ذکر بھی ہے۔ اسی طرح امر بھی مراد نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کا امر تو ہر وقت اترتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ ﴾ [السجدۃ : ۵] ''وہ آسمان سے زمین تک ہر معاملے کی تدبیر کرتا ہے، پھر وہ معاملہ اس کی طرف اوپر جاتا ہے۔'' ایسی تاویلات دراصل وہ باطل تحریفات ہیں جو یونانیوں کے فلسفے سے متاثر لوگوں نے ان کفار کے فلسفے اور شریعتِ اسلام کو اکٹھا کرنے کی کوشش میں کی ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر آئے یا زمین پر تو وہ عرش پر تو نہ رہا، کیوں

کہ ہر وقت زمین کے کسی نہ کسی حصے میں رات کا آخری ثلث ضرور ہوگا، اس لیے عرش اس سے خالی ہو گا۔ اس اعتراض کا اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے جیسا سمجھا، جو دوسری جگہ جائیں تو پہلی خالی ہو جاتی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ مخلوق جیسا نہیں، فرمایا: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾ [الشورٰی : ۱۱] ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔'' ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی ؒ نے کہا: ابن تیمیہ ؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی چھوٹا سا تو نہیں کہ عرش اس سے خالی ہو جائے وہ تو زمین، آسمان اور عرش، غرض سب سے بڑا ہے، اس کی بڑائی کی کوئی حد نہیں، اس کا نزول ایسے ہی ہے جیسے ایک خط کے بقدر نیچے سرک آئے، لہٰذا وہ عرش پر بھی ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا رات کے آخری ثلث میں آسمانِ دنیا پر نزول حقیقت ہے۔

علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: نزول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات سے اترتا ہے۔ اب یہ تاویل کرنا کہ اس کی رحمت اترتی ہے محض فاسد ہے۔ علاوہ اس کے اس کی رحمت اتر کر آسمان تک رہ جانے سے ہم کو فائدہ ہی کیا ہے، پھر اس کی رحمت رات کے ثلث کے ساتھ خاص بھی نہیں۔ اسی طرح یہ تاویل کہ اس کا فرشتہ اترتا ہے یہ بھی فاسد ہے، کیونکہ فرشتہ یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ جو کوئی مجھ سے دعا کرے میں قبول کروں گا، جو بخشش مانگے میں اس کے گناہ بخش دوں گا، دعا قبول کرنا یا گناہوں کا بخشنا خاص پروردگار کا کام ہے۔ اہلِ حدیث نے اس قسم کی حدیثوں کو جن میں صفاتِ الٰہی کا بیان ہے دل و جان سے قبول کیا ہے اور ان کو ان کے ظاہری معنی پر محمول رکھا ہے۔ مگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں اور ہمارے اصحاب میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ نے اس حدیث کی شرح میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جو دیکھنے کے قابل ہے اور مخالفین کے تمام اعتراضوں اور شبہوں کا جواب دیا ہے۔ (تیسیر بہ تغییر یسیر)

١٥ - بَابُ مَنْ نَامَ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَأَحْيَا آخِرَهُ

15۔ باب: جو رات کے شروع میں سو جائے اور اس کے آخری حصے میں بیدار رہے

وَقَالَ سَلْمَانُ لِأَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا : نَمْ ، فَلَمَّا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ قَالَ : قُمْ ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((صَدَقَ سَلْمَانُ)) [انظر : ١٩٦٨]

اور سلمان ؓ نے ابو الدرداء ؓ سے کہا: سو جاؤ، پھر جب رات کا آخری وقت ہوا تو کہا: اٹھو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سلمان نے سچ کہا۔''

فائدہ ابو درداء ؓ بڑے عابد تھے، سلمان ؓ ان کے گھر آئے تو ان کی بیوی پراگندہ کپڑوں میں تھی، سلمان ؓ نے کہا: خاوند ہوتے ہوئے یہ حالت؟ اس نے شکایت کی تو سلمان ؓ نے ابو درداء ؓ کو روکا اور کہا: صرف رات کے آخر میں قیام کرو اور ان کا روزہ بھی افطار کروایا، تو اس نے نبی ﷺ سے شکایت کی، آپ نے فرمایا: ((صَدَقَ سَلْمَانُ)) ''سلمان نے سچ کہا۔'' مکمل حدیث صحیح بخاری (۱۹۶۸) میں ملاحظہ کریں۔

١١٤٦ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، وَحَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ : سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا : كَيْفَ صَلَاةُ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ؟ قَالَتْ : كَانَ يَنَامُ أَوَّلَهُ وَيَقُومُ آخِرَهُ فَيُصَلِّي، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ وَثَبَ، فَإِنْ كَانَ بِهِ حَاجَةٌ اغْتَسَلَ، وَإِلَّا تَوَضَّأَ وَخَرَجَ . [أخرجه مسلم : ٧٣٩ مطولاً]

1146۔ اسود نے کہا: میں نے عائشہ ؓ سے پوچھا کہ نبی ﷺ کی رات کو نماز کس طرح تھی؟ انھوں نے کہا: آپ رات کے شروع حصے میں سو جاتے تھے اور اس کے آخری حصے میں اٹھتے اور نماز پڑھتے تھے، پھر دوبارہ اپنے بستر میں چلے جاتے، جب مؤذن اذان کہتا تو آپ اُچھل کر اٹھتے، اگر آپ کو (نہانے کی) حاجت ہوتی تو غسل کرتے ورنہ وضو کرتے اور چلے جاتے۔

فوائد ومسائل: 1 وَثَبَ (اچھل کر کھڑے ہو جاتے): اس طرح اٹھنے سے انسان کو بیدار ہونے میں آسانی ہوتی ہے، لیکن اگر سستی سے اٹھے تو بعض اوقات اٹھ ہی نہیں سکتا اور اگر رسول اللہ ﷺ کی طرح اُچھل کر کھڑا ہو جائے تو رات کا قیام یا صبح کی نماز آسانی سے ادا کر سکتا ہے۔ ہمارے بھائی مولانا محمد رفیق جھجوی نے ایک لطیفہ سنایا کہ ہمارا ایک دوست صبح اُٹھتا تو چھلانگ لگا کر چارپائی سے نیچے اتر جاتا، ہم نے اس سے کہا: آرام سے اترا کرو، کہیں چوٹ نہ لگ جائے۔ وہ کہتا کہ جب میں جاگتا ہوں تو ابھی تک شیطان کو میرے جاگنے کی خبر نہیں ہوتی، میں اسے معلوم ہونے سے پہلے پہلے چارپائی سے اتر جاتا ہوں، تاکہ وہ پتا چلنے پر مجھے چارپائی پر لیٹے رہنے کی ترغیب نہ دے سکے۔ رسول اللہ ﷺ اللہ کے فضل سے شیطان سے ہر طرح سے محفوظ تھے، جب آپ اس طرح ہوشیاری سے اٹھتے تھے تو ہمیں بالاولی اس طرح اُٹھنا چاہیے۔

2 ام المومنین عائشہ ؓ نے جو کہا کہ ''اگر آپ کو حاجت ہوتی تو غسل کرتے'' یہ وہ بات ہے جسے علم بلاغت میں کنایہ کہتے ہیں، یعنی کسی چیز کی جگہ اس کا لازم ذکر کر دیا جائے۔ مطلب ان کا یہ ہے کہ اگر آپ نے بیوی سے مباشرت کی ہوتی اور آپ کو غسل کی حاجت ہوتی تو غسل کرتے۔ کنائے کی ایک مثال یہ ہے: '' فُلَانٌ كَثِيرُ الرَّمَادِ '' کہ فلاں کے گھر بہت راکھ ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ مہمان بہت آتے ہیں اور ان کی مہمان نوازی کے لیے کھانا بہت پکتا ہے، اس لیے راکھ بہت بنتی ہے۔ اسی طرح '' فُلَانٌ طَوِيلُ الْعِمَادِ '' (لمبے ستون والا) ہے، یعنی فلاں بہت عزت اور مرتبے والا ہے، اس کا خیمہ دوسروں کے خیموں سے لمبا اور اونچا ہوتا ہے۔ (ابن عثیمین)

١٦ ۔ بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ

16۔ باب: رمضان اور غیر رمضان میں نبی ﷺ کا رات کو قیام

١١٤٧ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي

1147۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے، انھوں نے عائشہ ؓ سے پوچھا: رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز

سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ ؟ فَقَالَتْ : مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا، قَالَتْ عَائِشَةُ : فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ ؟ فَقَالَ : « يَا عَائِشَةُ ! إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي » [راجع : ۱۱۴۰۔ أخرجه مسلم : ۷۳۸]

کس طرح تھی؟ تو انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ چار رکعتیں پڑھتے، سو ان کے حسن اور ان کے طول کے بارے میں مت پوچھ، پھر چار رکعتیں پڑھتے، سو ان کے حسن اور ان کے طول کے بارے میں مت پوچھ، پھر آپ تین رکعتیں پڑھتے۔ عائشہ ؓ نے کہا کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''اے عائشہ! میری آنکھیں سو جاتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔''

فوائد: 1 نبی ﷺ کی رات کی نماز کی رکعتوں کی تعداد کے متعلق عائشہ ؓ اور ابن عباس ؓ کی احادیث کی تحقیق اسی '' كِتَابُ التَّهَجُّدِ '' کے دسویں باب کی احادیث کے فوائد میں گزر چکی ہے۔

2 بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ نبی ﷺ پہلی چار رکعتیں اکٹھی پڑھتے تھے، پھر دوسری چار رکعتیں اکٹھی پڑھتے تھے، پھر تین رکعتیں اکٹھی پڑھتے تھے، مگر یہ بات درست نہیں بلکہ آپ چار اور تین رکعتیں اس طرح پڑھتے تھے کہ ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم میں خود عائشہ ؓ سے مروی ہے: « كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ وَهِيَ الَّتِيْ يَدْعُو النَّاسُ الْعَتَمَةَ إِلَى الْفَجْرِ، إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ، وَيُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ » [مسلم : ۷۳۶/۱۲۲] ''رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز، جسے لوگ عتمہ کہتے ہیں سے فارغ ہونے سے فجر تک کے درمیان گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے، آپ ہر دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیرتے تھے اور ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ دو، دو کر کے چار رکعتیں پڑھتے، ان میں لمبی قراءت کرنے کی وجہ سے کچھ استراحت کرتے، پھر دو، دو رکعتیں کر کے چار لمبی رکعتیں پڑھتے، پھر کچھ استراحت فرما کر وتر کے لیے پہلے دو رکعتیں، پھر ایک رکعت پڑھتے۔ سلف کا بھی یہی عمل رہا، اس لیے اسے صلاۃ التراویح کا نام دے دیا گیا۔ (ابن عثیمین)

3 ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے ام المومنین عائشہ ؓ سے رمضان میں رات کی نماز کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ عمل میں دوام کو

پسند فرماتے تھے، اس لیے سارا سال آپ کا یہی عمل تھا۔ جو حضرات ماہِ رمضان میں بیس تراویح پڑھتے ہیں ان میں سے بعض کا کہنا یہ ہے کہ گیارہ رکعت آپ کی تہجد کی نماز تھی، تراویح بیس رکعت تھی، حالانکہ آپ سے تہجد اور تراویح الگ الگ پڑھنا کہیں ثابت نہیں۔ آپ کی رات کی نماز گیارہ رکعت ہی تھی، تہجد، قیام اللیل، قیامِ رمضان، صلاۃِ وتر اور تراویح سب اسی کے نام ہیں۔ اس کے علاوہ آپ سے ماہِ رمضان یا غیر رمضان میں بیس رکعت پڑھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، آپ ﷺ سے بیس رکعت کی جو روایت بیان کی جاتی ہے اس کے ضعیف ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ بیس رکعت رسول اللہ ﷺ سے تو ثابت نہیں، نہ ہی یہ آپ کی سنت ہے، البتہ یہ خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ حالانکہ یہ بات بھی درست نہیں، کیونکہ موطا امام مالک (۲۷۹) میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اُبی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا کہ وہ گیارہ رکعت پڑھائیں۔ موطا میں بیس رکعت والی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ لوگ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔ کسی روایت میں عمر رضی اللہ عنہ کا بیس رکعت کا حکم دینا ثابت نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنے طور پر بیس رکعتیں شروع کر دی تھیں، اسی رواج کو ختم کرنے کے لیے عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعات پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ بیس رکعت والے بھائیوں کو سوچنا چاہیے کہ بعض لوگ تو چھتیس اور چالیس بھی پڑھتے تھے، جیسا کہ سنن ترمذی میں ہے، بلکہ ایسے بزرگ بھی گزرے ہیں جو سو، دو سو، پانچ سو یا ہزار رکعتیں پڑھنے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اب خود ہی سوچ لیں کہ نبی ﷺ کی حسن وطول والی گیارہ رکعتیں پڑھنی ہیں یا آپ سے بڑھ کر ٹھونگے مارنے والی زیادہ سے زیادہ رکعتیں پڑھنی ہیں۔

طوفانِ نوح لانے سے اے آنکھ فائدہ دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

١١٤٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ سَعِيدٍ، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاةِ اللَّيْلِ جَالِسًا، حَتَّى إِذَا كَبِرَ قَرَأَ جَالِسًا، فَإِذَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنَ السُّورَةِ ثَلَاثُونَ أَوْ أَرْبَعُونَ آيَةً، قَامَ فَقَرَأَهُنَّ، ثُمَّ رَكَعَ. [راجع: ١١١٨ - أخرجه مسلم: ٧٣١]

1148۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو رات کی نماز کی کسی رکعت میں بیٹھ کر قرآن پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، حتیٰ کہ جب آپ بوڑھے ہو گئے تو آپ بیٹھ کر قرآن پڑھتے رہتے، جب سورت میں سے تیس یا چالیس آیات رہ جاتیں تو کھڑے ہو جاتے اور وہ آیات پڑھتے، پھر رکوع کرتے۔

فائدہ: اس حدیث کی شرح (۱۱۱۸) میں گزر چکی ہے۔

١٧- بَابُ فَضْلِ الطُّهُورِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَفَضْلِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْوُضُوءِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

17- باب: رات اور دن میں باوضو رہنے کی فضیلت اور رات اور دن میں وضو کے بعد نماز پڑھنے کی فضیلت

١١٤٩- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ أَبِي حَيَّانَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ: «يَا بِلَالُ! حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ» قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى عِنْدِي أَنِّي لَمْ أَتَطَهَّرْ طُهُورًا فِي سَاعَةِ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ، إِلَّا صَلَّيْتُ بِذَلِكَ الطُّهُورِ مَا كُتِبَ لِي أَنْ أُصَلِّيَ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: دَفَّ نَعْلَيْكَ يَعْنِي تَحْرِيكَ.

[انظر في فضائل الصحابة، باب: ٢٣- أخرجه مسلم: ٢٤٥٨]

1149- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز فجر کے بعد بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: ''مجھے وہ عمل بتاؤ جس پر تمھیں ان تمام اعمال سے زیادہ اجر کی امید ہے جو تم نے اسلام میں کیے، کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمھارے جوتوں کے چلنے کی آواز سنی ہے۔'' انھوں نے کہا: میں نے اپنے علم میں اس سے زیادہ امید والا کوئی عمل نہیں کیا کہ میں نے رات یا دن کی کسی گھڑی میں جب بھی وضو کیا تو میں نے اس وضو کے ساتھ اتنی نماز پڑھی جو میری قسمت میں لکھی تھی۔

ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: '' دَفَّ نَعْلَيْكَ '' کا معنی جوتوں کی حرکت ہے۔

فوائد 1 اس باب میں دو کاموں کی فضیلت کا ذکر ہے: ایک دن رات یعنی ہر وقت باوضو رہنے کی فضیلت، دوسرا رات یا دن میں جب بھی وضو کرے اس کے بعد کچھ نہ کچھ نماز پڑھنے کی فضیلت، مگر باب میں مذکور حدیث میں صرف دوسرے عمل کی فضیلت کا ذکر ہے، امام بخاری کے ترجمۃ الباب میں پہلے کام کی فضیلت ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس کی فضیلت حدیث سے ثابت ہے مگر وہ ان کی شرط پر نہیں، اس لیے انھوں نے ان الفاظ سے اس حدیث کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ وہ حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس سوال کے جواب میں بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: «يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا أَذَّنْتُ قَطُّ إِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ، وَمَا أَصَابَنِي حَدَثٌ قَطُّ إِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهَا وَرَأَيْتُ أَنَّ لِلَّهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِهِمَا» [ترمذي: ٣٦٨٩- مسند أحمد: ٢٣٠٤٠] ''یا رسول اللہ! میں نے جب بھی اذان کہی دو رکعتیں پڑھیں اور میں جب بھی بے وضو ہوا تو میں نے اس کے ساتھ ہی وضو کر لیا اور میں نے سمجھا کہ مجھ پر اللہ کے لیے دو رکعتیں لازم ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انھی

دو کاموں کی وجہ سے (تمھیں یہ مقام ملا)۔"

2 ترمذی کی حدیث سے تحیۃ الوضو کے علاوہ ہر وقت باوضو رہنے کی فضیلت ظاہر ہے جس کی طرف باب میں اشارہ ہے اور بخاری کی حدیث میں ہر وضو کے بعد کچھ نہ کچھ نماز کی فضیلت ظاہر ہے، اسے تحیۃ الوضو کہا جاتا ہے۔ یہ کوئی نماز بھی ہوسکتی ہے، فرض نماز ہو یا مسجد میں بیٹھنے سے پہلے کی نماز ہو یا سنن رواتب ہوں، غرض کوئی بھی نماز ہو اس مقصد کے لیے کافی ہے، کیونکہ وہ وضو کے بعد پڑھی گئی ہے۔ اگر ان میں سے کسی کا موقع نہ ہو تو خاص وضو کی وجہ سے کم از کم دو رکعتیں پڑھی جائیں۔

3 بلال رضی اللہ عنہ کو اس عمل پر سب سے زیادہ امید اس لیے تھی کہ اعمال میں سب سے افضل نماز ہے اور پوشیدہ عمل ظاہر عمل سے افضل ہے اور یہ دونوں چیزیں بلال رضی اللہ عنہ کے عمل میں موجود تھیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس عمل پر بہت بڑی جزا عطا کرتا ہے جو وہ چھپا کر کرتا ہو۔

4 بظاہر اعمال سے مراد یہاں نفل اعمال ہیں، کیونکہ فرائض تو یقیناً افضل ہیں۔

5 اللہ کے نیک بندوں سے ان کے خاص عمل کے متعلق پوچھنا چاہیے، تاکہ بندہ اس پر عمل کرے اور استاد کو شاگرد سے یہ بات پوچھنی چاہیے، تاکہ ٹھیک ہو تو اس کی حوصلہ افزائی کرے اور غلط ہو تو اس سے منع کر دے۔ (فتح الباری)

6 یہ حدیث دلیل ہے کہ وضو رات یا دن کسی وقت بھی کیا جائے تو اس کے بعد نماز مستحب ہے خواہ اس وقت میں نماز منع ہو اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ جس نماز کا کوئی سبب ہو وہ ان اوقات میں بھی جائز ہے جن میں نماز پڑھنا منع ہے۔ اس کے مطابق اگر کوئی شخص عصر کے بعد مسجد میں آکر بیٹھنا چاہے تو تحیۃ المسجد پڑھے، حتیٰ کہ اگر سورج غروب ہونے سے چند منٹ پہلے آئے تب بھی یہ رکعتیں پڑھے بغیر نہ بیٹھے، کیونکہ اس نماز کا سبب موجود ہے۔ اسی طرح اگر کسی بھی وقت بیت اللہ کا طواف کرے تو طواف کی رکعتیں پڑھیں۔ اگر عصر کے بعد سورج گرہن ہو تو صلاۃ کسوف پڑھے، اگر کسوف ہی کی حالت میں غروب ہو رہا ہو تو بھی یہ نماز پڑھے۔ اسی طرح ممانعت کے اوقات میں فوت شدہ سنتیں بھی پڑھ سکتا ہے اور جنازہ بھی، کیونکہ ان سب کا سبب موجود ہے۔ (ابن عثیمین)

7 اس حدیث میں بلال رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کی شہادت ہے، کیونکہ نبی کا خواب وحی ہوتا ہے۔ رہا ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چلنا تو چونکہ وہ بیداری میں بطور خادم آپ کے آگے چلتے تھے اس لیے خواب میں بھی وہی حالت دکھائی گئی ہے۔ اس سے بلال رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جنت میں داخل ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ وہ آپ کے تابع اور خادم کی حیثیت سے آگے چلیں گے۔ (فتح الباری)

8 یہ حدیث دلیل ہے کہ صحابہ اجتہاد کر لیتے تھے، پھر بعض اوقات وہ درست ہوتا بعض اوقات نادرست، جیسا کہ یہاں بلال رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرما دی اور عمار رضی اللہ عنہ نے جنابت لاحق ہونے پر پانی نہ ملنے کی وجہ سے زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر نماز پڑھی، ان کا عمل درست نہیں تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلاح کر دی اور انھیں سمجھایا کہ انھیں کیا کرنا چاہیے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد میں بھی اگر کوئی خطا ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ کو آگاہ کر کے اس کی

اصلاح کر دیتے تھے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ﴾ [التحريم : ١] ”اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے؟“ اور فرمایا: ﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ﴾ [الأنفال : ٦٧] ”کبھی کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے ہاں قیدی ہوں، یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون بہا لے۔“ اور فرمایا: ﴿ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴾ [التوبة : ٤٣] ”اللہ نے تجھے معاف کر دیا، تو نے انھیں کیوں اجازت دی، یہاں تک کہ تیرے لیے وہ لوگ صاف ظاہر ہو جاتے جنھوں نے سچ کہا اور تو جھوٹوں کو جان لیتا۔“ اس سے علماء نے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں اگر کسی صحابی نے کوئی عمل کیا ہو اور وحی کے ذریعے اس کا خطا ہونا ثابت نہ ہو تو وہ بھی تقریری سنت ہے، جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: « كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ » [بخاري : ٥٢٠٨] ”ہم عزل کرتے تھے جب کہ قرآن اتر رہا تھا۔“ وحی کا سلسلہ بند ہونے کے بعد اب کوئی عمل سنت نہیں ہو سکتا۔

9 صحیح بخاری کے ایک شارح نے اپنی بدعات کے ثبوت کے لیے لکھا ہے: ”حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے نفلی عبادت کا وقت معین کیا اور نبی ﷺ نے اس کی تصویب کر دی، اس سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادت کا اپنے اجتہاد سے وقت معین کرنا جائز ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ معمولات اہل سنت صحیح ہیں، کیونکہ اہل سنت نے اپنے اجتہاد سے عید میلاد النبی اور گیارھویں، سوئم، چہلم اور عرس کا وقت معین کیا ہے اور نبی ﷺ نے چونکہ ان کا رد نہیں کیا اس لیے ان ایام کے معین کرنے میں کوئی حرج نہیں۔“ اس عبارت میں چند باتیں قابل ملاحظہ ہیں: ① نبی ﷺ اپنی زندگی میں کیے گئے صحابہ کے اعمال کو درست یا غلط کہتے تھے، وفات کے بعد تو اسی قرآن و سنت پر اکتفا کیا جائے گا جو مسلمانوں کے پاس محفوظ ہے۔ اب آپ کا بعد میں کیے ہوئے کسی عمل کو درست یا نادرست قرار دینا ممکن نہیں۔ ② جس عمل کا وقت مقرر کیا جائے کم از کم وہ عمل تو ثابت ہونا ضروری ہے اور اس ثابت شدہ عمل کے لیے وقت بھی اپنی سہولت کے لیے مقرر کیا جائے، اسے دین بنا کر سب کے لیے باعث ثواب قرار نہ دیا جائے۔ جب کہ عید میلاد، گیارھویں، سوئم، چہلم یہ تمام اعمال ہی بدعت ہیں اور اہل بدعت کا شعار ہیں۔ ③ اہل سنت کہلانے والے یہ حضرات اپنے آپ کو ایک امام کے مقلد قرار دیتے ہیں، ان کے بقول اجتہاد چاروں اماموں پر ختم ہو چکا ہے، اس لیے ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے، اجتہاد جائز نہیں اور اہل حدیث پر یہ طعن کرتے ہیں کہ یہ لوگ ان ائمہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتے، اب ان مقلدین کو واضح کرنا پڑے گا کہ ان کے امام کا یہ اجتہاد کس کتاب میں ہے کہ عید میلاد النبی، گیارھویں شریف، سوئم، چہلم اور عرس جائز ہیں اور ثواب کا کام ہیں۔

10 علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: علماء کا اتفاق ہے کہ بہشت میں بیداری کے عالم میں اس دنیا میں رہ کر رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کوئی نہیں گیا، آپ معراج کی شب وہاں تشریف لے گئے، اسی طرح آپ کو دوزخ دکھائی گئی اور یہ جو بعض فقیروں سے منقول ہے کہ ان کا خادم حقہ کے لیے آگ لینے دوزخ میں گیا محض غلط ہے۔ (تیسیر الباری)

١٨ـ بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّشْدِيدِ فِي الْعِبَادَةِ

18۔ باب: عبادت میں بہت سختی اٹھانا ناپسندیدہ ہے

١١٥٠ـ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَإِذَا حَبْلٌ مَمْدُودٌ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ، فَقَالَ: «مَا هٰذَا الْحَبْلُ؟» قَالُوا: هٰذَا حَبْلٌ لِزَيْنَبَ، فَإِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا، حُلُّوهُ لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ» [أخرجه مسلم: ٧٨٤]

1150۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ آئے تو دیکھا کہ ایک رسی دو ستونوں کے درمیان تنی ہوئی ہے، فرمایا: ''یہ رسی کیسی ؟'' انھوں نے کہا: یہ رسی (ام المومنین) زینب رضی اللہ عنہا کی ہے، وہ جب (نماز میں) ست ہوتی ہیں تو اس کے ساتھ لٹک جاتی ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اسے کھول دو، تم میں سے ہر ایک اپنی خوش دلی کے مطابق نماز پڑھے، جب ست ہو جائے تو بیٹھ جائے۔''

١١٥١ـ قَالَ: وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَتْ عِنْدِي امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي أَسَدٍ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: «مَنْ هٰذِهِ؟» قُلْتُ: فُلَانَةُ، لَا تَنَامُ بِاللَّيْلِ، فَذُكِرَ مِنْ صَلَاتِهَا، فَقَالَ: «مَهْ، عَلَيْكُمْ مَا تُطِيقُونَ مِنَ الْأَعْمَالِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا» [راجع: ٤٣ـ أخرجه مسلم: ٧٨٥]

1151۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میرے پاس بنو اسد کی ایک عورت بیٹھی تھی کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' میں نے کہا: فلاں عورت ہے، رات کو نہیں سوتی، پھر اس کی نماز کا ذکر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رک جاؤ، تم صرف اس عمل کو اپنے آپ پر لازم کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا حتیٰ کہ تم اکتا جاؤ۔''

فائدہ: عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی تشریح کے لیے حدیث (۴۳) کے فوائد ملاحظہ کریں۔

١٩ـ بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ تَرْكِ قِيَامِ اللَّيْلِ لِمَنْ كَانَ يَقُومُهُ

19۔ باب: جو شخص رات قیام کیا کرتا تھا اسے اس کو چھوڑ دینا ناپسندیدہ ہے

١١٥٢ـ حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ الْحُسَيْنِ، حَدَّثَنَا مُبَشِّرٌ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ. وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ،

1152۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اے عبداللہ! فلاں آدمی کی طرح نہ ہونا، وہ رات قیام کیا کرتا تھا تو اس

قَالَ : حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « يَا عَبْدَ اللّٰهِ ! لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ »

نے رات کا قیام چھوڑ دیا۔"

وَقَالَ هِشَامٌ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الْعِشْرِينَ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ ابْنِ ثَوْبَانَ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ مِثْلَهُ . وَتَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ . [راجع : ١١٣١ـ أخرجه مسلم : ١١٥٩]

اور ہشام نے کہا : ہمیں ابن ابی عشرین نے بیان کیا، ہمیں اوزاعی نے بیان کیا، اس نے کہا مجھے یحییٰ (بن ابی کثیر) نے، انھوں نے عمرو بن حکم بن ثوبان سے، اس نے کہا مجھے یہی حدیث ابوسلمہ نے بیان کی۔ ابن ابی عشرین کی طرح عمرو بن ابی سلمہ نے بھی اس کو اوزاعی سے روایت کیا ہے۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے پہلے باب میں عبادت میں بہت سختی اٹھانے کے ناپسندیدہ ہونے کا ذکر کیا ہے، اس کی مناسبت سے یہ باب ذکر کیا، کیونکہ ہمت سے زیادہ عبادت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی تھوڑی عبادت بھی چھوڑ بیٹھتا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو خاص طور پر یہ تاکید اس لیے فرمائی کہ وہ ساری رات قیام اللیل کرتے تھے اور روزانہ روزہ رکھتے تھے، آپ نے انھیں میانہ روی کے ساتھ قیام اللیل پر دوام کی تاکید فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اتنی عبادت کرنی چاہیے جو وہ آسانی سے ہمیشہ کرسکتا ہو اور پھر اس پر ہمیشگی کرنی چاہیے، کیونکہ نیکی کا کام شروع کر کے اسے چھوڑنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

٢٠ ـ بَابٌ

20۔ باب (بلاعنوان)

فائدہ: یہ باب بلاعنوان ہے، اس کا تعلق پہلے باب ہی سے ہے، اس میں مذکور حدیث پہلی حدیث ہی کا حصہ اور تتمہ ہے۔

١١٥٣ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ، قَالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ : « أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَقُومُ اللَّيْلَ وَتَصُومُ النَّهَارَ ؟ »

1153۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ نے مجھے فرمایا: "کیا مجھے یہ خبر نہیں ملی کہ تم رات بھر نماز پڑھتے ہو اور دن بھر روزہ رکھتے ہو؟" میں نے کہا: میں واقعی ایسا کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: "جب تم ایسا کرو گے تو تمھاری

قُلْتُ : إِنِّي أَفْعَلُ ذٰلِكَ، قَالَ : « فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ هَجَمَتْ عَيْنُكَ وَنَفِهَتْ نَفْسُكَ، وَإِنَّ لِنَفْسِكَ حَقٌّ، وَلِأَهْلِكَ حَقٌّ، فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ » [راجع : ١١٣١ـ اخرجه مسلم : ١١٥٩]

آنکھیں اندر دھنس جائیں گی اور تمھاری جان سخت تھک جائے گی اور یقیناً تمھاری جان کا تم پر حق ہے اور تمھارے اہل کا تم پر حق ہے، اس لیے روزہ رکھو اور چھوڑو بھی اور قیام کرو اور سوو بھی۔"

فائدہ: اس حدیث کی پوری تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح بخاری کی احادیث (١٩٧٥، ٥٠٥٢، ٣٤١٨) ملاحظہ کریں۔

٢١ـ بَابُ فَضْلِ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى

21۔ باب: اس شخص کی فضیلت جو رات کو آواز کے ساتھ (ذکر کرتا ہوا) جاگے، پھر نماز پڑھے

١١٥٤ـ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ، أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، قَالَ : حَدَّثَنِي عُمَيْرُ بْنُ هَانِئٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي جُنَادَةُ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ، حَدَّثَنِي عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي، أَوْ دَعَا، اسْتُجِيبَ لَهُ، فَإِنْ تَوَضَّأَ وَصَلّٰى قُبِلَتْ صَلَاتُهُ »

1154۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا: "جو شخص رات کو آواز کے ساتھ (ذکر کرتا ہوا) جاگے اور یہ کلمات کہے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا سب ملک ہے اور اسی کے لیے سب حمد ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور اللہ پاک ہے اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اور نہ بچنے کی کوئی طاقت ہے نہ کچھ کرنے کی قوت مگر اللہ کی مدد سے۔ پھر یوں کہے: اے اللہ مجھے بخش دے۔ یا کوئی دعا کرے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے، پھر اگر وہ وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کی جاتی ہے۔"

فوائد: 1 "تَعَارَّ الظَّلِيمُ" کا معنی ہے: شتر مرغ چیخا۔ "اَلتَّعَارُّ" کا معنی ہے: جاگنا، انگڑائی لینا، بستر پر سوتے میں بولتے ہوئے پہلو بدلنا۔ اکثر کا کہنا ہے کہ اس کا معنی آواز کے ساتھ جاگنا ہے۔ اس حدیث میں اس شخص کی فضیلت بیان ہوئی ہے جو جاگے تو اس کے منہ سے ذکر کے الفاظ آواز کے ساتھ نکل رہے ہوں، اس لیے "اِسْتَيْقَظَ" یا "اِنْتَبَهَ" (بیدار ہوا) کی بجائے "تَعَارَّ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ یہ بات اسی کو حاصل ہوتی ہے جسے ذکر کی عادت ہو اور اس

کا اس سے دل لگا ہوا ہو اور ذکر اس پر اس طرح غالب ہو کہ وہ سوتے جاگتے اس کی زبان پر جاری ہو، تو جس کا یہ حال ہو اللہ کی طرف سے اس کی یہ عزت افزائی ہوتی ہے کہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس کی نماز مقبول ہوتی ہے۔ (فتح الباری) یہ عمل "أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللَّهِ" میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، جسے یہ حدیث ملے اسے اس پر عمل غنیمت سمجھنا چاہیے اور اللہ سبحانہ سے قبولیت کا یقین رکھنا چاہیے۔

2 صحیح بخاری کے راوی ابوعبداللہ فربری نے کہا: میں نے بیدار ہوتے وقت یہ ذکر اپنی زبان پر جاری کر لیا، پھر میں سویا تو میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَهُدُوٓا۟ إِلَى ٱلطَّيِّبِ مِنَ ٱلْقَوْلِ﴾ [الحج : ٢٤] "اور انھیں پاکیزہ بات کی طرف ہدایت کی گئی۔" (فتح الباری)

١١٥٥۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي الْهَيْثَمُ بْنُ أَبِي سِنَانٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ يَقُصُّ فِي قَصَصِهِ وَهُوَ يَذْكُرُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ : « إِنَّ أَخًا لَكُمْ لَا يَقُولُ الرَّفَثَ » يَعْنِي بِذَلِكَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ رَوَاحَةَ :

وَفِينَا رَسُولُ اللَّهِ يَتْلُو كِتَابَهُ
إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ
أَرَانَا الْهُدَى بَعْدَ الْعَمَى فَقُلُوبُنَا
بِهِ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ
يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ
إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِينَ الْمَضَاجِعُ

تَابَعَهُ عُقَيْلٌ، وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ : أَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَعِيدٍ وَالْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ. [انظر : ٦١٥١]

1155۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے وعظ میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے فرمان کا ذکر کیا کہ "تمھارا ایک بھائی بے ہودہ بات نہیں کہتا۔" آپ کی مراد عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے (جن کے یہ اشعار ہیں، علامہ وحید الزمان نے اشعار کا اردو شعروں میں یہ ترجمہ کیا ہے):

ایک پیغمبر خدا کا پڑھتا ہے اس کی کتاب
اور سناتا ہے ہمیں جب صبح کی پو پھٹتی ہے
ہم تو اندھے تھے اسی نے راستہ بتلا دیا
بات ہے اس کی یقینی، دل میں جا کر کھپتی ہے
رات کو رکھتا ہے پہلو اپنے بستر سے الگ
کافروں کی خواب گاہ کو نیند بھاری کرتی ہے

یونس کی طرح اس حدیث کو عقیل نے بھی زہری سے روایت کیا اور زبیدی نے یوں کہا کہ مجھ سے زہری نے سعید (بن مسیب) اور اعرج سے بیان کیا، انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔

فوائد 1 بے ہودہ بات نہیں کہتا: یعنی شاعروں کی طرح ان کے اشعار بے ہودہ اور لغو، عشقیہ اور فحش مضامین کے نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کی مدح کی ہے، ایسے اشعار کہنا بالاتفاق جائز بلکہ ثواب ہیں۔ (تیسیر الباری)

2 معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے "يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ" قرآن مجید کی اس آیت سے اخذ کیا ہے: ﴿ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ﴾ [السجدة: ١٦] "ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور طمع کرتے ہوئے پکارتے ہیں۔"

١١٥٦ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ كَأَنَّ بِيَدِي قِطْعَةَ إِسْتَبْرَقٍ، فَكَأَنِّي لَا أُرِيدُ مَكَانًا مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا طَارَتْ إِلَيْهِ، وَرَأَيْتُ كَأَنَّ اثْنَيْنِ أَتَيَانِي أَرَادَا أَنْ يَذْهَبَا بِي إِلَى النَّارِ، فَتَلَقَّاهُمَا مَلَكٌ، فَقَالَ: لَمْ تُرَعْ، خَلِّيَا عَنْهُ. [راجع: ٤٤٠ـ أخرجه مسلم: ٢٤٧٨]

1156۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کے زمانے میں دیکھا جیسے میرے ہاتھ میں گاڑھے ریشم کا ایک ٹکڑا ہے اور جیسے میں جنت کی جس جگہ بھی جانا چاہتا ہوں وہ مجھے اُڑا کر وہاں لے جاتا ہے اور میں نے دیکھا جیسے دو شخص میرے پاس آئے، انھوں نے چاہا کہ مجھے آگ کی طرف لے جائیں تو آگے سے انھیں ایک فرشتہ ملا، اس نے (مجھے) کہا: ڈرو نہیں (اور انھیں کہا:) اسے چھوڑ دو۔"

١١٥٧ـ فَقَصَّتْ حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِحْدَى رُؤْيَايَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ»، فَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ. [راجع: ١١٢٢ـ أخرجه مسلم: ٢٤٧٩]

1157۔ تو حفصہ رضی اللہ عنہا نے میرے ان دونوں خوابوں میں سے ایک نبی ﷺ کو سنایا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: "عبد اللہ اچھا آدمی ہے، کاش وہ رات کو نماز پڑھا کرتا۔" تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ رات کو نماز پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ اس کی شرح حدیث (۱۱۲۲) میں گزر چکی ہے۔

١١٥٨ـ وَكَانُوا لَا يَزَالُونَ يَقُصُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ الرُّؤْيَا أَنَّهَا فِي اللَّيْلَةِ السَّابِعَةِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيهَا فَلْيَتَحَرَّهَا مِنَ

1158۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کو (اپنے اپنے) خواب بیان کرتے رہتے تھے کہ آخری عشرے کی ساتویں رات لیلۃ القدر ہے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: "میں دیکھتا ہوں کہ تمھارے خواب آخری عشرے (میں لیلۃ القدر ہونے) پر

الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ » [انظر : ۲۰۱۵، ۶۹۹۱۔ أخرجه مسلم : ۱۱۶۵]

متفق ہو گئے ہیں، تو جو اسے تلاش کرنے والا ہو وہ اسے آخری دس راتوں میں تلاش کرے۔''

فائدہ اس حدیث کی شرح "كِتَابُ الصِّيَامِ" کے آخر میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

۲۲۔ بَابُ الْمُدَاوَمَةِ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

22۔ باب: فجر کی دو سنتوں پر ہمیشگی کرنا

۱۱۵۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ ۔ هُوَ ابْنُ أَبِي أَيُّوبَ ۔ قَالَ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ، ثُمَّ صَلَّى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَرَكْعَتَيْنِ جَالِسًا، وَرَكْعَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءَيْنِ، وَلَمْ يَكُنْ يَدَعُهُمَا أَبَدًا. [راجع : ۶۱۹۔ أخرجه مسلم : ۷۲۴ باختلاف]

1159۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے عشاء پڑھی، پھر آپ نے آٹھ رکعتیں پڑھیں اور دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھیں اور دو رکعتیں دو اذانوں کے درمیان پڑھیں اور آپ یہ دو رکعتیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

فوائد 1 یہاں دو اذانوں سے مراد صبح کی اذان اور اقامت ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو جو فرمایا تھا کہ "اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ" کے الفاظ "فِي الْأُوْلَى مِنَ الصُّبْحِ" [أبو داود : ۵۰۱] کہ یہ الفاظ صبح کی پہلی اذان میں کہو، اس سے مراد فجر کی اذان ہے جو اقامت سے پہلے ہوتی ہے، کیونکہ وہ اذان جو رات کے آخری حصے میں ہوتی ہے اسے لوگ اگرچہ پہلی اذان کہتے ہیں مگر وہ صبح کی نماز کے لحاظ سے پہلی نہیں ہے، کیونکہ صبح کی نماز کے لیے اذان صبح طلوع ہونے کے بعد ہی ہوتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے چچا زاد سے کہا تھا: « فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ » [بخاري : ۶۳۱] ''جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہے، پھر جو تم میں سے بڑا ہے وہ جماعت کروائے۔'' (ابن عثیمین)

2 اس حدیث میں دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھنے کا ذکر ہے مگر وہ وتر کے بعد ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم (۷۳۸/۱۲۶) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، مگر یہاں راوی نے اس کا ذکر نہیں کیا، یا تو اسے اس میں شک ہو گیا یا اس نے جان بوجھ کر اس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں سنت سے ثابت ہیں، مگر یہ عمل ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھی کرنا چاہیے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی تہجد کا بیان کرنے والے اکثر حضرات نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ ابن قیم نے کہا: یہ آپ ﷺ کے اس فرمان کے خلاف نہیں: « اِجْعَلُوْا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا » [بخاري : ۹۹۸] کہ رات کو اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ، کیونکہ یہ دو رکعتیں وتر کے تابع ہیں، جیسا کہ فرض نماز کے بعد سنتِ راتبہ کی رکعتیں ہیں۔

رہا بیٹھ کر پڑھنا تو یہ یا تو آپ کے تھک جانے کی وجہ سے تھا یا اس لیے کہ نماز کے آخر میں پڑھے جانے والے وتر اور ان دو رکعتوں میں فرق ہو جائے اور واضح ہو جائے کہ ان رکعتوں کا مرتبہ وتر کے مرتبے سے کم ہے، اس لیے آپ نے انھیں بیٹھ کر پڑھا ہے۔ (ابن عثیمین)

3 نفل نماز ہونے کے باوجود ان دو رکعتوں کے متعلق یہ کہنے سے کہ آپ انھیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے ان کی اہمیت اور فضیلت ظاہر ہے، حتیٰ کہ ابن ابی شیبہ میں حسن بصری کے متعلق مذکور ہے کہ وہ ان رکعتوں کو واجب قرار دیتے تھے، مگر دن رات میں پانچ نمازوں سے زیادہ کے نفل ہونے کی تصریح کے بعد یہ بات کمزور ہے۔

٢٣۔ بَابُ الضَّجْعَةِ عَلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

23۔ باب: فجر کی دو رکعتوں کے بعد دائیں پہلو پر لیٹنا

١١٦٠۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ ابْنُ أَبِي أَيُّوبَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ، عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ. [راجع: ٦١٩ـ أخرجه مسلم: ٧٢٤ باختلاف]

1160۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ جب فجر کی دو رکعتیں پڑھتے تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تھے۔

فوائد 1 صبح کی سنتوں کے بعد نبی ﷺ کا دائیں پہلو پر لیٹنا بہت سی احادیث میں مروی ہے۔ سنن ابی داود (۱۲۶۱) میں صحیح سند سے ان رکعتوں کے بعد لیٹنے کا حکم بھی آیا ہے، چنانچہ ابو ہریرہ ؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ، فَلْيَضْطَجِعْ عَلَى يَمِينِهِ، فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ: أَمَا يُجْزِئُ أَحَدَنَا مَمْشَاهُ إِلَى الْمَسْجِدِ حَتَّى يَضْطَجِعَ عَلَى يَمِينِهِ، قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فِي حَدِيثِهِ: قَالَ: لَا، قَالَ: فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عُمَرَ، فَقَالَ: أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَلَى نَفْسِهِ، قَالَ: فَقِيلَ لِابْنِ عُمَرَ: هَلْ تُنْكِرُ شَيْئًا مِمَّا يَقُولُ؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنَّهُ اجْتَرَأَ وَجَبُنَّا، قَالَ: فَبَلَغَ ذٰلِكَ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: فَمَا ذَنْبِي إِنْ كُنْتُ حَفِظْتُ وَنَسُوا» ''جب تم میں سے کوئی شخص صبح سے پہلے دو رکعتیں پڑھے تو وہ اپنی دائیں جانب پر لیٹ جائے۔'' تو مروان بن حکم نے ان سے کہا: کیا ہم میں سے کسی کو اس کا مسجد کی طرف چل کر جانا کافی نہیں جب تک اپنی دائیں جانب پر لیٹے نہیں؟ تو (ابو ہریرہ ؓ نے) کہا: نہیں۔ کہا: یہ بات ابن عمر ؓ کو پہنچی تو انھوں نے کہا: ابو ہریرہ (ؓ) نے اپنے آپ پر بہت زیادتی کی ہے۔ ابن عمر ؓ سے کہا گیا: جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں آپ اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا: نہیں، لیکن انھوں نے جرأت کی

اور ہم بزدل رہے۔ یہ بات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے کہا: پھر اس میں میرا کیا گناہ ہے کہ وہ بھول گئے اور میں نے یاد رکھا؟'' ان رکعتوں کے بعد لیٹنے کو بعض حضرات نے واجب کہا، کیونکہ حدیث میں اس کا حکم ہے، بعض نے امر کے لفظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف واجب کہنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ جو شخص ان رکعتوں کے بعد نہ لیٹے اس کی صبح کی نماز ہی صحیح نہیں، مگر یہ درست نہیں بلکہ مبالغہ ہے۔ بعض نے اس لیٹنے کا انکار کیا ہے، جیسے ابن ابی شیبہ (۶۳۸۹) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اس کا انکار کیا۔ مگر یہ اس پر محمول ہے کہ انھیں اس کے حکم والی حدیث نہیں پہنچی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ بدعت ہے، حتیٰ کہ ان سے یہ روایت بھی آئی ہے کہ انھوں نے ان سنتوں کے بعد لیٹنے والے کو کنکریاں مارنے کا حکم دیا۔ (فتح الباری) مگر صحیح حدیث آنے کے بعد اس کے خلاف کسی کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا، یا وہ اسے گھر میں سنت سمجھتے ہوں گے، مسجد میں نہیں۔ وتروں کے بعد بھی لیٹنا آیا ہے۔ زہری سے مالک وتروں کے بعد لیٹنے کے ذکر میں متفرد ہیں، مگر زہری کے دوسرے شاگرد صرف فجر کی سنتوں کے بعد یا دونوں کے بعد لیٹنا ذکر کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سنت نہیں بلکہ آپ آرام کے لیے لیٹتے تھے مگر وتر کے بعد والا لیٹنا آرام کے لیے تھا تو دو رکعت سنتِ فجر سے تھک تو نہیں جاتے تھے، پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں اس کا حکم بھی موجود ہے، اس لیے امر کا تقاضا تو یہی ہے کہ یہ لیٹنا واجب ہو مگر بعض اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سنتوں کے بعد نہیں لیٹتے تھے جیسا کہ اگلے باب میں آئے گا، اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ لیٹنا سنت یعنی مستحب ضرور ہے خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو تہجد پڑھیں، البتہ واجب نہیں۔ (واللہ اعلم)

شیخ ابن عثیمین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حکم والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، مگر شیخ ناصر الدین البانی نے صحیح ابو داؤد (۱۱۴۶) میں بڑی تفصیل سے اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح ہے۔ شیخ نے اس کی صحت پر وارد ہونے والے تمام سوالوں کا جواب دیا ہے اور آخر میں کہا ہے کہ اس ساری بحث سے واضح ہو گیا کہ ابن تیمیہ کا اس حدیث کو باطل کہنا، جیسا کہ ابن قیم نے ان سے زاد المعاد (۳۷۲/۱) میں نقل کیا ہے، مردود ہے، کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ شیخ کی بحث قابلِ دید ہے۔

2 دائیں طرف لیٹنے میں یہ حکمت ہے کہ بائیں جانب دل ہے، اگر اس طرف لیٹے گا تو گہری نیند سو جانے کا امکان ہے۔ دائیں طرف لیٹے گا تو دل کے معلق رہنے کی وجہ سے گہری نیند کا امکان کم ہے۔ (فتح الباری) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس لیٹنے ہی میں دائیں طرف کا حکم نہیں دیا بلکہ گہری نیند کے لیے سونے کے وقت بھی دائیں جانب لیٹنے کا حکم دیا، جیسا کہ آپ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے فرمایا: « إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ » ''جب تم اپنے بستر پر آؤ تو نماز والا وضو کرو، پھر اپنی دائیں جانب پر لیٹ جاؤ۔'' اس موقع پر آپ نے انھیں یہ دعا پڑھنا سکھایا: « اَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِيْ إِلَيْكَ ...... » [بخاري : ۲۴۷، ۶۳۱۱] (ابن عثیمین)

١٤- بَابُ مَنْ تَحَدَّثَ بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ وَلَمْ يَضْطَجِعْ

24- باب: جو دو رکعتوں کے بعد باتیں کرتا رہے اور لیٹے نہیں

١١٦١- حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا صَلَّى، فَإِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِي، وَإِلَّا اضْطَجَعَ حَتَّى يُؤْذَنَ بِالصَّلَاةِ. [راجع: ٦١٩- أخرجه مسلم: ٧٢٤ باختلاف و أخرجه: ٧٤٣ بلفظه]

1161- عائشہ ﷺ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب نماز پڑھتے تو اگر میں جاگتی ہوتی تو میرے ساتھ باتیں کرتے، ورنہ لیٹ جاتے حتیٰ کہ (آپ کو) نماز کی اطلاع دی جاتی۔

فوائد 1 اس باب کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتوں کے بعد ہمیشہ نہیں لیٹتے تھے۔ یہ دلیل ہے کہ ابو داؤد وغیرہ میں ان سنتوں کے بعد لیٹنے کا حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے، یعنی یہ سنت ہے واجب نہیں۔ بعض نے اس لیٹنے پر ہمیشگی نہ کرنے کا یہ مطلب نکالا ہے کہ یہ لیٹنا سنت یعنی مستحب بھی نہیں، مگر پھر سنن ابی داؤد کی اس صحیح حدیث کا کچھ فائدہ نہیں رہتا جس میں آپ نے ان دو رکعتوں کے بعد لیٹنے کا حکم دیا ہے۔

ایک فائدہ اس لیٹنے کا یہ ہے کہ تہجد پڑھنے کے بعد کچھ آرام کرنے سے فجر کی نماز کے لیے طبیعت تازہ ہو جاتی ہے اور آدمی اسے خوش دلی سے ادا کر لیتا ہے۔ واضح رہے کہ اس لیٹنے کے دوران کوئی خاص دعا مقرر نہیں، " اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا ...... " والی دعا رسول اللہ ﷺ مسجد کو جاتے ہوئے راستے میں پڑھتے تھے۔

2 اس باب میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ فجر کی سنتوں کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے، حتیٰ کہ فیض الباری میں اپنے بعض حضرات کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص صبح کی سنتوں کے بعد بات کر لے تو وہ انھیں دوبارہ پڑھے۔

٢٥- بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّطَوُّعِ مَثْنَى مَثْنَى

25- باب: جو کچھ نفل نماز دو، دو رکعت کر کے پڑھنے کے بارے میں آیا ہے

وَ يُذْكَرُ ذَلِكَ عَنْ عَمَّارٍ، وَأَبِي ذَرٍّ، وَأَنَسٍ، وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، وَعِكْرِمَةَ، وَالزُّهْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ. وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ: مَا أَدْرَكْتُ فُقَهَاءَ أَرْضِنَا إِلَّا يُسَلِّمُونَ فِي كُلِّ اثْنَتَيْنِ

(امام بخاری نے کہا:) اور عمار، ابو ذر، انس ﷺ اور جابر بن زید، عکرمہ اور زہری ﷺ سے یہی منقول ہے۔ اور یحییٰ بن سعید انصاری نے کہا: میں نے تو اپنی سرزمین (مدینہ منورہ) کے فقہاء کو یہی دیکھا کہ وہ دن میں ہر دو رکعتوں پر

مِنَ النَّهَارِ . سلام پھیرتے تھے۔

فائدہ: اس باب کا مقصد یہ ہے کہ رات اور دن کی نفل نماز دو، دو رکعت ہی ہے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا چاہیے۔ امام بخاری اس باب میں ان لوگوں کا رد کرنا چاہتے ہیں جو ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں نفل پڑھنے کے قائل ہیں۔ جہاں تک رات کی نماز کا تعلق ہے تو اس کے دو، دو رکعت ہونے پر اتفاق ہے، کیونکہ صحیح بخاری کی حدیث (۹۹۰) « صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى » (رات کی نماز دو، دو رکعت ہے) بالاتفاق صحیح ہے، البتہ ابن ماجہ کی حدیث (۱۳۲۲) « صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى » (رات اور دن کی نماز دو، دو رکعت ہے) کی صحت میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم نے اس میں "النَّهَارِ" کی زیادتی کو شاذ کہا ہے، مگر امام بخاری رحمہ اللہ اسے صحیح سمجھتے ہیں، چنانچہ سنن کبریٰ بیہقی میں ہے: « سُئِلَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ يَعْنِي الْبُخَارِيَّ عَنْ حَدِيْثِ يَعْلَى : أَصَحِيْحٌ هُوَ ؟ فَقَالَ : نَعَمْ . قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ : قَالَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ : كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُصَلِّيْ أَرْبَعًا لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ » "ابوعبداللہ بخاری سے یعلیٰ کی حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا: کیا وہ صحیح ہے؟ تو انھوں نے کہا: ہاں! ابوعبداللہ نے کہا کہ سعید بن جبیر نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما فرض نماز کے سوا ایسی کوئی چار رکعتیں نہیں پڑھتے تھے جن کے درمیان وہ فاصلہ نہ کریں۔" [السنن الکبری للبیهقي، باب صلاة اللیل والنهار مثنی مثنی : ٤٥٧٥]

مگر چونکہ "صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ" والی حدیث صحیح ہونے کے باوجود صحیح بخاری کی شرط پر نہیں تھی اس لیے امام بخاری نے یہ باب قائم کیا: "مَا جَاءَ فِي التَّطَوُّعِ مَثْنَى مَثْنَى" یعنی نفل نماز دو، دو کر کے پڑھنے کے بارے میں جو کچھ آیا ہے۔ اور اس بات کو ثابت کرنے کے لیے وہ احادیث ذکر کیں جن میں دن کو یا رات کو نفل نماز دو، دو رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہے۔ اگرچہ اکثر علماء رات دن کی نمازوں کو دو، دو کر کے پڑھنا افضل قرار دیتے ہیں مگر وہ دن ہو یا رات ایک سلام کے ساتھ اکٹھا چار رکعتیں پڑھنا بھی جائز قرار دیتے ہیں مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے ہر نفل نماز کو دو، دو کر کے پڑھنے ہی کو اختیار کیا ہے، چار اکٹھی پڑھنے کے جواز کا ذکر نہیں کیا۔ ابن عثیمین کی شرح میں ہے کہ ہمارے سلفی استاد عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے "صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى" کو صحیح کہا ہے، انھوں نے کہا ہے: "النَّهَارِ" کے زائد الفاظ صحیح ہیں۔ شیخ البانی نے کہا: اس کی سند صحیح ہے اور اسے بخاری، احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان، بیہقی اور خطابی نے صحیح کہا ہے۔

ایک سلام کے ساتھ چار رکعت نفل کے جواز میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ، تُفْتَحُ لَهُنَّ أَبْوَابُ السَّمَاءِ » [أبو داوٗد، کتاب الصلاۃ، باب الأربع قبل الظهر و بعدها : ۱۲۷۰] "ظہر سے پہلے چار رکعتیں ہیں جن کے درمیان سلام نہ ہو، ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔" اس حدیث کا ایک راوی عُبیدہ بن معتب ہے، ابوداؤد (۱۲۷۰) نے کہا: مجھے یحییٰ بن سعید سے یہ بات پہنچی ہے کہ انھوں نے کہا: اگر میں عُبیدہ سے کوئی چیز بیان کرتا تو میں اس سے یہ حدیث بیان کرتا۔ ابوداؤد نے کہا: عُبیدہ ضعیف ہے۔ تقریب میں ابن حجر نے اسے ضعیف کہا ہے اور ذہبی نے میزان الاعتدال (۲۵/۳) میں امام احمد کا

قول نقل کیا ہے: "تَرَكُوْا حَدِيْثَهُ" کہ محدثین نے اس کی حدیث ترک کر دی ہے۔ شیخ البانی نے صحیح ابی داوٗد (الام: ۱۱۵۳) میں کہا ہے کہ یہ حدیث اپنی تمام سندوں کو ملا کر حسن ہے مگر اس میں یہ الفاظ (کہ ان چار رکعتوں کے درمیان سلام نہ ہو) ضعیف ہیں۔

اس کے علاوہ بعض حضرات نے نمازِ تسبیح کی چار رکعتوں سے بھی ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھنے کا استدلال کیا ہے، مگر اول تو اس حدیث کی صحت پر اتفاق نہیں، پھر اس میں یہ صراحت نہیں کہ چاروں رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہوں۔ اس لیے امام بخاری کی بات ہی مضبوط ہے کہ دن ہو یا رات نوافل دو، دو کر کے ہی پڑھنے چاہییں، ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں نہیں پڑھنی چاہییں۔ ظہر سے پہلے، اس کے بعد اور عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھنے کا جہاں ذکر آیا ہے ان سب کو دو، دو کر کے ہی پڑھنا چاہیے، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ [دیکھیے ترمذي: ۵۹۸۔ نسائي: ۸۷٤] البتہ وتر اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ پانچ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھ لیتے تھے اور سات رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھ لیتے تھے اور نو رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھ لیتے تھے، جن میں سے آٹھویں رکعت پر تشہد کرتے اور سلام نہ پھیرتے، پھر نویں رکعت پڑھ کر تشہد پڑھتے اور سلام پھیر دیتے۔

١١٦٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ أَبِي الْمَوَالِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ، يَقُولُ: «إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ، ثُمَّ لِيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي، ثُمَّ

1162۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تمام کاموں میں استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے: "جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو وہ فرض نماز کے علاوہ دو رکعتیں پڑھے، پھر یوں کہے: "اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعے سے خیر کا سوال کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ذریعے سے تجھ سے طاقت کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں، کیونکہ تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو علام الغیوب ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے میرے دین میں، میری معیشت میں اور میرے کام کے انجام میں بہتر ہے۔ یا یہ کہا کہ میرے جلدی والے کام میں اور دیر والے کام میں (بہتر

بَارِكْ لِي فِيهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ : فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ » قَالَ: « وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ » [انظر : ٦٣٨٢، ٧٣٩٠]

ہے)- تو اسے میری قسمت میں کر دے اور اسے میرے لیے آسان کر دے، پھر میرے لیے اس میں برکت فرما اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے میرے دین میں اور میری معیشت میں اور میرے کام کے انجام میں برا ہے - یا یہ کہا کہ میرے جلدی والے کام میں اور دیر والے کام میں (برا ہے) - تو اسے مجھ سے ہٹا دے اور مجھے اس سے ہٹا دے اور میری قسمت میں بھلائی کر دے جہاں بھی ہو، پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔'' آپ نے فرمایا: '' اور (هٰذَا الْأَمْر کی جگہ) اپنی حاجت کا نام لے۔''

فائدہ اس کی شرح حدیث (۶۳۸۲) میں آئے گی ۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) امام بخاری ؒ اس باب میں آٹھ احادیث لائے ہیں جن میں سے چھ سند کے ساتھ اور دو معلق ہیں، ان سب میں رسول اللہ ﷺ کے مختلف اوقات میں نفل نماز دو، دو کر کے پڑھنے کا ذکر ہے، مقصد ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ دن کے نوافل چار، چار کر کے پڑھنے چاہئیں۔ استدلال اس طرح ہے کہ وتر کو چھوڑ کر کسی صحیح حدیث میں صراحت کے ساتھ نفل نماز چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھنا ثابت نہیں جب کہ دن اور رات دونوں میں نبی ﷺ سے نوافل دو، دو کر کے پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ ان احادیث میں ہے۔

١١٦٣ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ ، سَمِعَ أَبَا قَتَادَةَ بْنَ رِبْعِيٍّ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ » [راجع : ٤٤٤- أخرجه مسلم : ٧١٤]

1163 - ابو قتادہ بن رِبعی انصاری ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں کوئی مسجد میں آئے تو بیٹھے نہیں جب تک دو رکعتیں نہ پڑھے۔''

فائدہ محمد بن صالح بن عثیمین کی شرح بخاری میں ہے: ''اس باب میں یہ حدیث لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری ؒ تحیۃ المسجد کو نفل نماز سمجھتے ہیں، اکثر علماء کا یہی کہنا ہے کہ یہ سنت ہے، واجب نہیں۔ مگر بعض اہل علم اسے

واجب قرار دیتے ہیں اور ان کی دلیل بہت مضبوط ہے جو یہ ہے کہ نبی ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، ایک آدمی آیا اور بیٹھ گیا، نبی ﷺ نے خطبہ چھوڑ کر فرمایا: ''کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اٹھو، دو رکعتیں پڑھو اور مختصر پڑھو۔'' اور فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو دو رکعتیں پڑھے اور ان میں اختصار کرے۔'' [مسلم : ۸۷۵] بخاری کے اسی باب میں آگے یہ حدیث آ رہی ہے۔ استدلال اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے خطبہ چھوڑ کر ان رکعتوں کا اور انھیں مختصر پڑھنے کا حکم دیا اور خطبہ کے دوران آنے والے ہر شخص کو یہ رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا، جب کہ خطبہ سننا واجب ہے۔ واجب کی ادائیگی کی بجائے سنت کی ادائیگی میں مشغول ہونا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رکعتیں واجب نہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ امام جمعہ کے دن آئے تو وہ دو رکعتیں پڑھنے کی بجائے منبر پر آ جاتا ہے۔ دوسری دلیل کعب بن مالک ؓ کی حدیث ہے کہ جب وہ مسجد میں نبی ﷺ کے پاس آئے تو کسی روایت میں آپ کے انھیں دو رکعتیں پڑھنے کے حکم کا ذکر نہیں۔ تیسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں تین آدمیوں کا قصہ آیا ہے، جن میں سے ایک حلقے کے اندر جگہ دیکھ کر بیٹھ گیا، ایک پیچھے بیٹھ گیا اور ایک چلا گیا۔ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ آپ نے بیٹھنے والوں کو دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا۔ ان تینوں دلیلوں کے متعلق دل میں کچھ کھٹک ہے، کیونکہ یہ اتنی مضبوط نہیں کہ وجوب کی دلیل کے مقابل پیش کی جا سکیں۔'' (بالاختصار) تحیۃ المسجد کے متعلق کچھ بحث حدیث (۴۴۴) اور (۹۳۰) میں گزر چکی ہے وہاں بھی دیکھ لیں۔

١١٦٤۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : صَلّٰى لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ . [راجع : ٣٨٠۔ أخرجه مسلم : ٦٥٨ مطولاً، ٦٦٠ باختلاف و زيادة]

1164۔ انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں، پھر واپس چلے گئے۔

فائدہ اس کی تفصیل حدیث (۳۸۰) میں گزر چکی ہے۔

١١٦٥۔ حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي سَالِمٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَ رَكْعَتَيْنِ

1165۔ عبد اللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں ظہر سے پہلے پڑھیں، دو ظہر کے بعد، دو جمعہ کے بعد، دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد پڑھیں۔

بَعْدَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ . [راجع : ۹۳۷۔ أخرجه مسلم : ۷۲۹ باختلاف، و أخرجه : ۸۸۲ مختصرًا]

فائدہ اس کی شرح حدیث (۹۳۷) میں گزر چکی ہے۔

۱۱۶۶۔ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، قَالَ : سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ يَخْطُبُ : « إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ أَوْ قَدْ خَرَجَ، فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ » [راجع : ۹۳۰۔ أخرجه مسلم : ۸۷۵]

1166۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو یا وہ آ چکا ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھے۔''

فائدہ اس کی شرح حدیث (۹۳۰) میں گزر چکی ہے۔

۱۱۶۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا سَيْفٌ ، سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يَقُولُ : أُتِيَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي مَنْزِلِهِ فَقِيلَ لَهُ : هَذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ دَخَلَ الْكَعْبَةَ، قَالَ : فَأَقْبَلْتُ فَأَجِدُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ خَرَجَ وَ أَجِدُ بِلَالًا عِنْدَ الْبَابِ قَائِمًا، فَقُلْتُ : يَا بِلَالُ ! صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْكَعْبَةِ ؟ قَالَ : نَعَمْ، قُلْتُ : فَأَيْنَ ؟ قَالَ : بَيْنَ هَاتَيْنِ الْأُسْطُوَانَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ فِي وَجْهِ الْكَعْبَةِ . [راجع : ۳۹۷۔ أخرجه مسلم : ۱۳۲۹ بدون ذكر : ثم خرج]

1167۔ مجاہد نے کہا: کوئی صاحب ابن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر میں آئے اور انھیں بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے اندر جا چکے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ سن کر میں آیا تو دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نکل چکے ہیں اور میں بلال (رضی اللہ عنہ) کو دروازے کے پاس کھڑا دیکھتا ہوں تو میں نے کہا: اے بلال کیا رسول اللہ ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں! میں نے کہا: تو کہاں پڑھی ہے؟ انھوں نے کہا: ان دو ستونوں کے درمیان، پھر آپ نکلے اور کعبے کے سامنے نماز پڑھی۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : أَوْصَانِي النَّبِيُّ ﷺ بِرَكْعَتَيِ الضُّحَى .

ابو عبد اللہ (بخاری) نے کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے ضحیٰ کی دو رکعتوں کی وصیت فرمائی۔

وَقَالَ عِتْبَانُ: غَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَعْدَمَا امْتَدَّ النَّهَارُ، وَصَفَفْنَا وَرَاءَهُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ.

اور عتبان رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ صبح دن چڑھے میرے پاس آئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی تو آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔

فائدہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث (٣٩٧) میں گزر چکی ہے اور عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث (٤٢٥) اور (١١٠٥) میں گزر چکی ہے۔

٢٦ـ بَابُ الْحَدِيثِ يَعْنِي بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

26۔ باب: فجر کی سنتوں کے بعد باتیں کرنا

١١٦٨ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: أَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، فَإِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِي، وَإِلَّا اضْطَجَعَ.

1168۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دو رکعتیں پڑھتے، پھر اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے، ورنہ لیٹ جاتے۔

قُلْتُ لِسُفْيَانَ: فَإِنَّ بَعْضَهُمْ يَرْوِيهِ: رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، قَالَ سُفْيَانُ: هُوَ ذَاكَ. [راجع: ٦١٩ـ أخرجه مسلم: ٧٢٤ باختلاف، وأخرجه: ٧٤٣ بلفظه]

(بخاری کے اس روایت میں شیخ علی بن عبداللہ مدینی نے کہا:) میں نے سفیان سے کہا: بعض حضرات انھیں فجر کی دو رکعتیں روایت کرتے ہیں۔ سفیان نے کہا: اس سے یہی مراد ہے۔

فائدہ: ان بعض حضرات سے مراد مالک بن انس ہیں۔ بعض لوگوں نے صبح کی سنتوں کے بعد باتیں کرنا منع قرار دیا ہے، امام صاحب نے ان کے رد کے لیے یہ باب ذکر کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ صبح کی سنتوں کے بعد آپس میں بات کرنا جائز ہے، کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس وقت میں باتیں کی ہیں۔ البتہ مسجد میں جب لوگ نوافل میں مشغول ہوں تو اونچی آواز سے قرآن پڑھنا بھی درست نہیں، ایک دوسرے سے اونچی آواز میں باتیں کرنا جس سے شور پیدا ہو، کیسے درست ہو سکتا ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں اعتکاف کیا تو صحابہ کو سنا کہ وہ اونچی آواز سے قراءت کر رہے تھے تو فرمایا: «أَلَا إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ، فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، وَلَا يَرْفَعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الْقِرَاءَةِ، أَوْ قَالَ: فِي الصَّلَاةِ» [أبو داوٗد: ١٣٣٢، صحيح] ”سنو، تم سب اپنے رب سے سرگوشی کرنے والے ہو تو ایک دوسرے کو تکلیف نہ دو اور قراءت میں، یا کہا کہ نماز میں ایک دوسرے سے آواز اونچی نہ کرو۔“

٢٧ - بَابُ تَعَاهُدِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَمَنْ سَمَّاهُمَا تَطَوُّعًا

27۔ باب: فجر کی سنتوں کا خاص دھیان رکھنا اور جس نے انھیں نفل کہا ہے

١١٦٩ - حَدَّثَنَا بَيَانُ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ مِنْهُ تَعَاهُدًا عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ . [راجع : ٦١٩۔ أخرجه مسلم : ٧٢٤]

1169۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نوافل میں سے کسی نماز کا اتنا خاص دھیان نہیں رکھتے تھے جتنا فجر کی دو رکعتوں کا رکھتے تھے۔

فائدہ سننِ مؤکدہ میں سے کسی کی اتنی تاکید نہیں جتنی ان سنتوں کی ہے، اسی لیے نبی ﷺ یہ رکعتیں نہ حضر میں چھوڑتے تھے نہ سفر میں۔ دوسری سنتوں کے مقابلے میں ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں معین سورتیں یعنی ﴿قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ یا ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ......﴾ [البقرة : ١٣٦] اور ﴿قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا ......﴾ [آل عمران : ٦٤] پڑھی جاتی ہیں۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں تخفیف مسنون ہے اور ایک یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا» [مسلم : ٧٢٥] ”فجر کی دو رکعتیں دنیا و ما فیہا سے بہتر ہیں۔“ اس لیے انھیں کسی صورت ترک نہیں کرنا چاہیے، اگر رہ جائیں تو بعد میں پڑھ لینی چاہییں۔ بعض حضرات نے اسی بنا پر انھیں واجب کہا ہے، مگر بخاری نے حدیث میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ ” عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ “ کی دلیل سے انھیں نفل قرار دیا ہے۔

٢٨ - بَابُ مَا يُقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

28۔ باب: فجر کی رکعتوں میں کیا پڑھا جائے

١١٧٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، ثُمَّ يُصَلِّي إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ . [راجع :

1170۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، پھر جب صبح کی اذان سنتے تو دو ہلکی رکعتیں پڑھتے۔

۶۱۹۔ أخرجه مسلم : ۷۲٤ باختلاف، و أخرجه بطوله : ۷۳٦]

۱۱۷۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَمَّتِهِ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ ، وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى ـ هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ ـ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُخَفِّفُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، حَتّٰى إِنِّي لَأَقُولُ : هَلْ قَرَأَ بِأُمِّ الْكِتَابِ؟! [راجع : ۶۱۹۔ أخرجه مسلم : ۷۲٤]

1171۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ صبح کی نماز سے پہلے والی دو رکعتیں اتنی ہلکی پڑھتے کہ میں کہتی : کیا آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی ہے؟!

فوائد تحقیق 1 ام المومنین عائشہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی صبح کی سنتیں اس قدر ہلکی ہونے کا ذکر کیا کہ انھیں شک ہوتا ہے کہ آپ نے فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے لیے فاتحہ پڑھنا تو ہر حال میں لازم ہے۔ اس سے زیادہ آپ نے کچھ پڑھا یا نہیں اور پڑھا تو کیا پڑھا؟ امام بخاری نے اس کے متعلق کوئی حدیث ذکر نہیں کی، کیونکہ وہ ان کی شرط پر نہیں تھی۔ مگر صحیح احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے، چنانچہ پہلی رکعت میں ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور دوسری میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھنے کا ذکر صحیح مسلم (۷۲۶) اور ابن ماجہ (۱۱۵۰) میں ہے اور پہلی رکعت میں ﴿قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا......﴾ [البقرة : ۱۳٦] اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا......﴾ [آل عمران : ٦٤] کا ذکر صحیح مسلم (۷۲۷/۱۰۰) میں ہے۔ اس لیے کبھی وہ اور کبھی یہ آیات پڑھ لینی چاہییں۔

2 بعض حضرات ان سنتوں میں لمبی قراءت کے قائل ہیں، حتیٰ کہ بعض نے کہا کہ میں بعض اوقات ان رکعتوں میں دو جزو کی قراءت کر لیتا ہوں۔ مگر صحیحین کی احادیث اس کے خلاف ہیں۔ ہاں صبح کے فرائض میں نبی ﷺ ساٹھ سے سو تک آیات پڑھتے تھے، مگر یہ حضرات عموماً صبح کی نماز میں لمبی قراءت کا اہتمام نہیں کرتے۔ بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرات فجر کی نماز اتنی دیر سے پڑھتے ہیں کہ اگر نماز دہرانی پڑھے تو سورج نکلنے سے پہلے دہرائی جا سکے۔ اب اس وقت میں ساٹھ سے سو آیات کیسے پڑھی جائیں، ہاں سنتوں کا وقت اس صورت میں کافی لمبا ہے، اس لیے یہ حضرات سنتوں میں اپنی منزل پوری کر لیتے ہوں گے۔

3 حافظ ابن حجر ؒ نے یہ رکعات ہلکی پڑھنے کی ایک حکمت بیان کی ہے کہ جس طرح رات کی نماز کی ابتدا آپ دو ہلکی رکعتوں سے کرتے تھے اسی طرح دن کی نمازوں کی ابتدا بھی دو ہلکی رکعتوں سے کرتے، تاکہ تازہ ہو کر بعد میں نشاط کے ساتھ لمبی قراءت کر سکیں۔

٢٩- بَابُ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ

29- باب: فرض نماز کے بعد نوافل

١١٧٢- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ، وَسَجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ، فَأَمَّا الْمَغْرِبُ وَالْعِشَاءُ فَفِي بَيْتِهِ.

1172- ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں، عشاء کے بعد دو رکعتیں اور جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔ رہی مغرب اور عشاء (کی سنتیں) تو آپ نے اپنے گھر میں پڑھیں۔

قَالَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ: بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي أَهْلِهِ.

اور ابن ابی الزناد نے اس حدیث کو موسیٰ بن عقبہ سے، انھوں نے نافع سے روایت کیا، اس میں "فِيْ بَيْتِهِ" کی جگہ "فِيْ أَهْلِهِ" ہے۔

تَابَعَهُ كَثِيرُ بْنُ فَرْقَدٍ، وَأَيُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ.

عبیداللہ کے ساتھ اس حدیث کو کثیر بن فرقد اور ایوب نے بھی نافع سے روایت کیا ہے۔

[راجع: ٩٣٧- أخرجه مسلم: ٧٢٩ باختلاف، و أخرجه: ٨٨٢ مختصرًا]

فائدہ یہ حدیث (٩٣٧) میں گزر چکی ہے۔

١١٧٣- وَحَدَّثَتْنِي أُخْتِي حَفْصَةُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ بَعْدَ مَا يَطْلُعُ الْفَجْرُ، وَكَانَتْ سَاعَةً لَا أَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِيهَا.

1173- اور میری بہن حفصہ ؓ نے مجھے بتایا کہ نبی ﷺ فجر طلوع ہونے کے بعد دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے اور یہ ایسا وقت تھا جس میں میں نبی ﷺ کے پاس نہیں جاتا تھا۔

تَابَعَهُ كَثِيرُ بْنُ فَرْقَدٍ، وَأَيُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ.

عبیداللہ کے ساتھ اس حدیث کو کثیر بن فرقد اور ایوب نے بھی نافع سے روایت کیا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ : بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي أَهْلِهِ . [راجع : ٦١٨۔ أخرجه مسلم : ٧٢٣]

اور ابن ابی الزناد نے اس حدیث کو موسیٰ بن عقبہ سے، انھوں نے نافع سے روایت کیا، اس میں " فِيْ بَيْتِهِ " کی جگہ " فِيْ أَهْلِهِ " ہے۔

فوائد تحقیق 1 ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث سننِ رواتب کے بارے میں ہے جو دوام کے ساتھ فرض نماز سے پہلے یا پیچھے پڑھی جاتی ہیں۔ عام طور پر انھیں سنتِ مؤکدہ کہا جاتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ان کی تعداد دس آئی ہے، لیکن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ان کی تعداد بارہ آئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: « مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّيْ لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا، غَيْرَ فَرِيْضَةٍ، إِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ » [مسلم : ٧٢٨/١٠٣] "جو بھی مسلم بندہ اللہ کے لیے ہر روز بارہ رکعت نفل فرض کے علاوہ پڑھے تو اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دے گا۔" عبد اللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلاۃِ تطوع (نفل نماز) کے متعلق پوچھا تو انھوں نے ان کی تفصیل یہ بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے، پھر جا کر لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھاتے، پھر گھر آ کر دو رکعتیں پڑھتے اور آپ لوگوں کو مغرب پڑھاتے، پھر گھر آ کر دو رکعتیں پڑھتے اور لوگوں کو عشاء پڑھاتے، پھر گھر آ کر دو رکعتیں پڑھتے۔ اس کے بعد انھوں نے آپ کے رات کے نوافل کا ذکر کیا۔ [مسلم : ٧٣٠] اور فجر سے پہلے دو رکعتوں کا ذکر اس سے پہلے ابواب میں گزر چکا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگرچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں دس سننِ رواتب کا ذکر ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی حدیث میں بارہ رکعتوں پر دوام کی فضیلت بیان ہوئی ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فعلی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ رکعات پڑھنے کا ذکر ہے، اس لیے بارہ رکعات والی پر عمل اولیٰ ہے، کیوں کہ ایک تو اس میں آپ کا قول ہے جو فعل سے راجح ہوتا ہے، پھر بارہ رکعات آپ کے عمل سے بھی ثابت ہیں، جیسا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے علم کے مطابق بات کی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات ظہر سے پہلے صرف دو رکعتیں بھی پڑھ لیتے تھے، مگر فضیلت بارہ رکعتوں ہی کی بیان ہوئی ہے۔

2 صحیح مسلم (٧٢٨) کے حوالے سے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث اوپر گزری ہے اس کی سند اس طرح ہے: " حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ سَالِمٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ، عَنْ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ، عَنْ أُمِّ حَبِيْبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " آگے بارہ رکعتوں کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے، حدیث کے آخر میں ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پھر آج تک یہ رکعتیں ہمیشہ پڑھتی رہیں اور عمرو بن اوس نے کہا: میں بھی آج تک ہمیشہ انھیں پڑھتا رہا اور نعمان بن سالم نے بھی ایسے ہی کہا۔ اس لیے ہمیں بھی ان سنتوں پر دوام کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

٣٠ - بَابُ مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ

١١٧٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الشَّعْثَاءِ جَابِرًا، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثَمَانِيًا جَمِيعًا، وَسَبْعًا جَمِيعًا. قُلْتُ: يَا أَبَا الشَّعْثَاءِ! أَظُنُّهُ أَخَّرَ الظُّهْرَ وَعَجَّلَ الْعَصْرَ، وَعَجَّلَ الْعِشَاءَ وَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ، قَالَ: وَأَنَا أَظُنُّهُ. [راجع: ٥٤٣- أخرجه مسلم: ٧٠٥، وفي صلاة المسافرين (٥٤)]

30- باب: جس نے فرض نماز کے بعد نفل نماز نہیں پڑھی

1174- عمرو بن دینار نے کہا کہ میں نے ابوالشعثاء جابر سے سنا، انھوں نے کہا: میں نے ابن عباس ؓ سے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آٹھ رکعتیں اکٹھی اور سات رکعتیں اکٹھی پڑھیں۔ میں نے کہا: اے ابوالشعثاء! میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے ظہر کو مؤخر کیا اور عصر کو جلدی پڑھ لیا اور عشاء کو جلدی پڑھ لیا اور مغرب کو مؤخر کر دیا، تو انھوں نے کہا: میرا بھی یہی گمان ہے۔

فوائد ومسائل: 1 اس حدیث پر مفصل بحث حدیث (۵۴۳) میں گزر چکی ہے۔ باب کے ساتھ حدیث کی مطابقت اس طرح ہے کہ جب آپ نے ظہر اور عصر کی آٹھ رکعتیں اکٹھی پڑھیں تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان کے درمیان کوئی مؤکدہ یا غیر مؤکدہ سنت نہیں پڑھی، کیونکہ اگر پڑھی ہوتو آٹھ رکعتیں اکٹھی نہیں ہوں گی، یہی معاملہ مغرب اور عشاء کی سات رکعتوں کا ہے۔ رہی آٹھ رکعتوں اور سات رکعتوں کے بعد کوئی نماز تو اس کا یہاں ذکر نہیں اور ان کا ذکر نہ ہونے سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ آپ نے بعد میں کوئی سنتیں نہیں پڑھیں۔

2 امام بخاری کا مطلب یہ ہے کہ سنن رواتب فرض نہیں ہیں، اگر کوئی ترک کر دے تو اس پر مؤاخذہ نہ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ آپ نے مقیم ہوتے ہوئے جمع کے موقع پر یہ سنتیں نہیں پڑھیں۔ مگر یہ دلیل خاص ہے، جس سے عام حکم ثابت ہونا مشکل ہے، البتہ تطوع کے لفظ سے ظاہر ہے کہ یہ سنتیں فرض نہیں ہیں۔ بہر حال اس حدیث سے دو نمازیں جمع کرنے کے موقع پر سنتیں نہ پڑھنا ظاہر ہے۔

٣١ - بَابُ صَلَاةِ الضُّحَى فِي السَّفَرِ

١١٧٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ تَوْبَةَ، عَنْ مُوَرِّقٍ، قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَتُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَعُمَرُ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَأَبُو بَكْرٍ؟ قَالَ: لَا،

31- باب: سفر میں ضحیٰ کی نماز پڑھنا

1175- مُوَرِّق سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے ابن عمر ؓ سے پوچھا: کیا آپ ضحیٰ کی نماز پڑھتے ہیں؟ انھوں نے نہیں۔ میں نے کہا: تو عمر ؓ؟ کہا: نہیں۔ میں نے کہا: تو ابوبکر ؓ؟ کہا: نہیں۔ میں نے کہا: تو نبی ﷺ؟

قُلْتُ: فَالنَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ: لَا إِخَالُهُ.

کہا: میں آپ کو بھی گمان نہیں کرتا۔

فائدہ ضحیٰ کا ترجمہ اکثر شارحین نے چاشت کیا ہے، یہ فارسی لفظ ہے جواب شاید ہی کوئی سمجھتا ہو۔ ضحیٰ کا معنی وہ وقت ہے جب سورج کچھ بلند ہو جائے۔ اس وقت نماز کو صلاۃ ضحیٰ کہا جاتا ہے۔

۱۱۷۶۔ حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا عَمْرُو ابْنُ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى يَقُولُ: مَا حَدَّثَنَا أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى غَيْرُ أُمِّ هَانِئٍ، فَإِنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ، فَاغْتَسَلَ وَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، فَلَمْ أَرَ صَلَاةً قَطُّ أَخَفَّ مِنْهَا، غَيْرَ أَنَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ. [راجع: ۱۱۰۳۔ أخرجه مسلم: ۳۳۶، وفي صلاة المسافرين (۸۰)]

1176۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا: ہمیں ام ہانی ؓ کے سوا کسی نے بیان نہیں کیا کہ اس نے نبی ﷺ کو ضحیٰ کی نماز پڑھتے دیکھا ہو۔ انھوں نے کہا: نبی ﷺ فتح مکہ کے دن ان کے گھر آئے، غسل کیا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں، میں نے کبھی اس سے ہلکی نماز نہیں دیکھی، مگر آپ رکوع اور سجود پورا ادا کرتے تھے۔

فوائد 1 فتح مکہ کے دن نبی ﷺ نے جو نماز پڑھی اس کے متعلق بعض علماء کا کہنا ہے کہ وہ صلاۃ ضحیٰ تھی اور وہ زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ صلاۃ فتح تھی اور جو بھی کوئی شہر فتح کرے اسے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے یہ آٹھ رکعتیں پڑھنی چاہییں، جیسا کہ سعد بن ابی وقاص ؓ نے جنگ قادسیہ کے بعد مدائن کی فتح کے موقع پر آٹھ رکعت صلاۃ الفتح پڑھی تھیں اور فتح الباری میں ہے کہ خالد بن ولید ؓ نے بھی فتح کے بعض موقعوں پر یہ نماز پڑھی تھی۔ پہلی صورت میں یہ حدیث سفر میں صلاۃ ضحیٰ کی دلیل ہے، دوسری صورت میں نہیں ہے۔ عبداللہ بن عمر ؓ نے خود تو رسول اللہ ﷺ کو ضحیٰ کی نماز پڑھتے نہیں دیکھا لیکن کسی دوسرے سے سنا تو انھیں یقین نہیں آیا، اس لیے انھوں نے کہا: میں گمان نہیں کرتا کہ آپ نے پڑھی ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے مسجد نبوی میں کچھ لوگوں کو ضحیٰ کی نماز پڑھتے دیکھا، کسی نے ان سے پوچھا تو انھوں نے کہا: یہ بدعت ہے۔ [ابن أبي شيبة: ۷۷۸۲] اب امام بخاری اس حدیث کو جو اس باب میں لائے ہیں اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا، کیونکہ یہ باب اس لیے لایا گیا ہے کہ سفر میں آپ ﷺ نے ضحیٰ کی نماز پڑھی ہے، جیسے ام ہانی ؓ کی حدیث سے نکلتا ہے۔ بعض نے کہا: امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ جن احادیث میں ضحیٰ کی نماز کا نہ پڑھنا مذکور ہے وہ حالتِ سفر پر محمول ہیں (کیونکہ ابن عمر ؓ سفر میں سننِ رواتب بھی نہیں پڑھتے تھے) اور جن روایتوں میں صلاۃ ضحیٰ مذکور ہے وہ حالتِ حضر میں ہے۔ بعض نے کہا: ترجمۃ الباب کا مطلب یہ ہے کہ سفر میں ضحیٰ کی نماز پڑھی جائے یا نہیں؟ تو ابن عمر ؓ کی حدیث سے نفی ثابت کی اور ام ہانی ؓ کی حدیث سے اسے ثابت کیا۔ (واللہ اعلم)

(تیسیر الباری) اور یہ قاعدہ ہے کہ ثابت کرنے والا نفی کرنے والے سے مقدم ہوتا ہے، اس لیے ام ہانی رضی اللہ عنہا کی اثبات کی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نفی کی روایت پر مقدم ہوگی۔

2 بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے صلاۃ ضحیٰ کو خاص طریقے سے پڑھنے کو بدعت کہا ہے، مثلاً اسے مسجد ہی میں ضروری خیال کرنا۔

3 ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تردد کے ساتھ روایت کے بعد کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحیٰ کی نماز نہیں پڑھتے تھے، کیا ہمیں ضحیٰ کی نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ ہو سکے تو پڑھنی چاہیے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت فضیلت بیان فرمائی ہے، جیسا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی کے ہر جوڑ پر صبح کو ایک صدقہ لازم ہوتا ہے، سو ہر تسبیح ایک صدقہ ہے، ہر تحمید صدقہ ہے، ہر لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، امر بالمعروف صدقہ ہے اور نہی عن المنکر صدقہ ہے اور ان سب کی جگہ ضحیٰ کی دو رکعتیں کافی ہو جاتی ہیں۔'' [مسلم : ۷۲۰] یاد رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر انسان میں تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہیں اور روزانہ ہر ایک جوڑ کے عوض صدقہ فرض ہے۔ [أبو داوٗد : ٥٢٤٢، صحیح]

ابو درداء اور ابوذر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے روایت کی، اس نے فرمایا: « ابْنَ آدَمَ! ارْكَعْ لِي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفِكَ آخِرَهُ » [ترمذي : ٤٧٥، صحیح] ''اے آدم کے بیٹے! دن کے شروع میں میرے لیے چار رکعتیں پڑھ لے تو میں تمھیں اس کے آخر کے لیے کافی ہو جاؤں گا۔'' اکثر اہلِ علم نے اس سے مراد صلاۃ ضحیٰ لی ہے، اگرچہ بعض نے اس سے مراد صلاۃ فجر لی ہے۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے بعض صحابہ کو ضحیٰ کی دو رکعتوں کی وصیت فرمائی، جیسا کہ صحیح بخاری میں آگے آ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ اس پر ہمیشگی نہیں فرمائی مگر جب آپ نے کئی صحابہ کو اس کی وصیت کی تو آپ کا دائمی عمل ضروری نہیں۔ صلاۃ ضحیٰ کی تاکید کے لیے یہی احادیث کافی ہیں، اس لیے آدمی حضر اور سفر میں حتی الوسع اس کا اہتمام کرے، کیونکہ ان سے آدمی کے تین سو ساٹھ جوڑوں پر عائد صدقات ادا ہو جاتے ہیں۔

٣٢- بَابُ مَنْ لَمْ يُصَلِّ الضُّحَى وَرَآهُ وَاسِعًا

١١٧٧- حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَبَّحَ سُبْحَةَ الضُّحَى، وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا. [راجع: ١١٢٨- أخرجه مسلم: ٧١٨]

32۔ باب: جو ضحیٰ کی نماز نہ پڑھے اور اس میں گنجائش سمجھے

1177۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضحیٰ کے نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور میں انھیں پڑھتی ہوں۔

فائدہ: اس حدیث میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے صلاۃِ ضحیٰ کا انکار نہیں کیا، صرف اپنے دیکھنے کا انکار کیا ہے اور دوسرے صحابہ سے سننے کے بعد اس کی فضیلت کے پیش نظر اپنے پڑھنے کا اقرار کیا ہے۔ قسطلانی نے لکھا ہے کہ صلاۃِ ضحیٰ ثابت ہونے کی روایات صحابہ کی ایک جماعت سے آئی ہیں، جن میں انس، ابو ہریرہ، ابوذر، ابوامامہ، عقبہ بن عبد السلمی، ابن ابی اوفی، ابوسعید، زید بن ارقم، ابن عباس، جابر بن عبد اللہ، جبیر بن مطعم، حذیفہ بن یمان، ابن عمر، ابوموسیٰ، عتبان بن مالک، عقبہ بن عامر، علی بن ابی طالب، معاذ بن انس، نواس بن سمعان، ابوبکرہ اور ابو مرۃ الطائفی رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔ (ارشاد الساری) عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس مسئلے میں امام مسلم نے مختلف روایات ذکر کی ہیں، چنانچہ اس میں عبد اللہ بن شقیق سے مروی ہے کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحیٰ کی نماز پڑھتے تھے؟ انھوں نے کہا: نہیں، الا یہ کہ آپ اپنے غائب رہنے کے بعد آئیں۔ [مسلم : ٧١٧] مسلم ہی میں معاذہ کی ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحیٰ کی نماز چار رکعات پڑھتے تھے اور جتنی اللہ چاہتا زیادہ پڑھ لیتے۔ [مسلم : ٧١٩] ان تین روایتوں میں سے پہلی میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلاۃِ ضحیٰ دیکھنے کی نفی کی ہے، دوسری میں غائب رہنے کے بعد آنے کے سوا اس کی نفی کی ہے اور تیسری روایت میں مطلق اس کا اثبات کیا ہے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ انھوں نے اپنے مشاہدے کی نفی کی ہے اور دوسرے صحابہ سے اس کے ثبوت میں جو سنا اسے مختلف اوقات میں بیان کر دیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھنے کی وجہ یہ بیان کی: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی عمل چھوڑے رکھتے تھے، حالانکہ آپ اسے کرنا پسند کرتے تھے، اس خوف سے کہ لوگ اس پر عمل کریں تو ان پر فرض کر دیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی صلاۃِ ضحیٰ نہیں پڑھی اور میں اسے پڑھتی ہوں۔“ [بخاري : ١١٢٨] باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت ظاہر ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صلاۃِ ضحیٰ پڑھتے ہوئے نہ دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ نماز نہیں پڑھتے تھے، اگر یہ ضروری ہوتی تو آپ اسے کبھی ترک نہ کرتے۔

٣٣- بَابُ صَلَاةِ الضُّحَى فِي الْحَضَرِ

33۔ باب: حضر میں صلاۃِ ضحیٰ پڑھنا

قَالَهُ عِتْبَانُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [راجع : ٤٢٤]

عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔

فائدہ: مسند احمد (٢٣٧٧٣) میں عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ان الفاظ میں آئی ہے: « أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْ بَيْتِهِ سُبْحَةَ الضُّحٰى ، فَقَامُوْا وَرَاءَهُ فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ » ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ضحیٰ کے نفل پڑھے، وہ لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی۔“ (فتح الباری) یعنی عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں پڑھی جانے والی نماز کو صلاۃِ ضحیٰ کہا گیا ہے۔

١١٧٨- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ،

1178۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا:

حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ الْجُرَيْرِيُّ - هُوَ ابْنُ فَرُّوخٍ - عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : أَوْصَانِي خَلِيلِي بِثَلَاثٍ لَا أَدَعُهُنَّ حَتَّى أَمُوتَ : صَوْمِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَصَلَاةِ الضُّحَى، وَنَوْمٍ عَلَى وِتْرٍ . [انظر : ۱۹۸۱۔ أخرجه مسلم : ۷۲۱]

میرے خلیل نے مجھے تین کاموں کی وصیت کی، میں انھیں مرنے تک نہیں چھوڑوں گا: ہر ماہ تین روزے، صلاۃ ضحیٰ اور وتر پڑھ کر سونا۔

فوائد 1 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خلیل سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خلیل کا معنی وہ جس کی دوستی دل کے درمیان پہنچ جائے اور اس میں کسی پہلو سے بھی کوئی خامی نہ رہے۔ اس حدیث سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔

2 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے خلاف نہیں کہ ''اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا، کیونکہ ناممکن بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سوا کسی کو خلیل بنائیں، یہ نہیں کہ کوئی دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل بنائے۔ (فتح الباری)

3 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین کاموں کی وصیت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو بھی کی [دیکھیے مسلم : ۷۲۲] اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کو بھی کی۔ [دیکھیے نسائي : ۲٤۰٤] (فتح الباری)

4 ہر ماہ میں تین روزوں کی وصیت کا مقصد ایک یہ ہے کہ طبیعت کو روزہ رکھنے کی عادت پڑ جائے اور آدمی رمضان کے فرض روزے خوش دلی سے رکھ سکے۔ دوسرا یہ کہ ہر نیکی کم از کم دس گنا کے برابر ہوتی ہے، اس طرح آدمی ہر ماہ تین روزے رکھ کر ہمیشہ کے روزے کا اجر حاصل کرے گا اور تیسرا یہ کہ فرض روزوں کی ادائیگی میں جو کمی ہوئی اس کو پورا کیا جائے۔ ان کے علاوہ روزوں سے حاصل ہونے والے اللہ کے قرب اور دوسرے روحانی و جسمانی فوائد کا کوئی شمار ہی نہیں۔

5 ابو درداء، ابو ذر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم مال دار صحابہ میں سے نہیں تھے، اس لیے انھیں نماز اور روزے کی وصیت فرمائی۔ نماز کے سلسلے میں دو کاموں کی وصیت فرمائی، دن کے وقت صلاۃ ضحیٰ کی، کیونکہ اس سے آدمی کے تین سو ساٹھ جوڑوں پر لازم صدقہ ادا ہو جاتا ہے اور رات کو صلاۃ تہجد کی، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔

6 یاد رہے کہ وتر، صلاۃ اللیل، تہجد، قیام اللیل، صلاۃ التراویح سب ایک ہی نماز کے نام ہیں۔ ان تین صحابہ کو سونے سے پہلے وتر یعنی تہجد پڑھ لینے کی وصیت اس لیے فرمائی کہ ایسا نہ ہو کہ پچھلی رات نہ اُٹھ سکیں اور قیام اللیل رہ جائے۔ خصوصاً ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حفظِ حدیث میں بہت مشغول رہتے تھے، ان کے لیے صبح اُٹھنا مشکل تھا۔ اس لیے طلبہ کو اور جسے پچھلے پہر اُٹھنا مشکل ہو اسے سونے سے پہلے ہی تہجد پڑھ لینی چاہیے۔ ہاں، اگر کسی کو اعتماد ہو کہ میں صبح اٹھ سکتا ہوں تو اسے رات کے

آخری حصے میں قیام کرنا چاہیے، کیونکہ اس وقت میں زیادہ فضیلت ہے۔ اگر کوئی سونے سے پہلے وتر پڑھ لے، پھر رات کے آخری حصے میں جاگ جائے تو وتر دوبارہ نہ پڑھے، کیونکہ سنن ابی داوٗد میں حدیث ہے، جسے ترمذی نے حسن کہا ہے: «لَا وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ» [أبو داوٗد : ١٤٣٩۔ ترمذي : ٤٧٠] ''ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے۔''

7 ہر ماہ تین روزے مہینے کے اول، آخر یا درمیان کسی وقت بھی رکھ لیے جائیں تو کافی ہیں، لیکن ایام بیض یعنی قمری مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ کو ہوں تو بہتر ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: «يَا أَبَا ذَرٍّ ! إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصُمْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ، وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ، وَخَمْسَ عَشْرَةَ» [ترمذي : ٧٦١] ''اے ابوذر! جب تو مہینے میں روزے رکھے تو ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ کو رکھ۔''

١١٧٩۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ – وَكَانَ ضَخْمًا – لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ الصَّلَاةَ مَعَكَ، فَصَنَعَ لِلنَّبِيِّ ﷺ طَعَامًا، فَدَعَاهُ إِلَى بَيْتِهِ وَنَضَحَ لَهُ طَرَفَ حَصِيرٍ بِمَاءٍ، فَصَلَّى عَلَيْهِ رَكْعَتَيْنِ.

1179۔ انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کے ایک آدمی نے، جو بھاری جسم والا تھا، نبی ﷺ سے کہا: میں آپ کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہو سکتا، چنانچہ اس نے نبی ﷺ کے لیے کھانا بنایا اور آپ کو اپنے گھر بلایا اور آپ کے لیے ایک بڑی چٹائی کی ایک جانب پر پانی چھڑکا، تو آپ نے اس پر دو رکعتیں پڑھیں۔

وَقَالَ فُلَانُ بْنُ فُلَانِ بْنِ جَارُودٍ لِأَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى؟ فَقَالَ: مَا رَأَيْتُهُ صَلَّى غَيْرَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ. [راجع : ٦٧٠]

فلاں بن فلاں بن جارود نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا نبی ﷺ ضحیٰ کی نماز پڑھا کرتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: میں نے اس دن کے سوا نہیں دیکھا کہ آپ نے یہ نماز پڑھی ہو۔

٣٤۔ بَابٌ: اَلرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الظُّهْرِ

34۔ باب: ظہر سے پہلے دو رکعتیں

١١٨٠۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: حَفِظْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشْرَ رَكَعَاتٍ، رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ

1180۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے دس رکعتیں یاد کیں: دو رکعتیں ظہر سے پہلے، دو رکعتیں اس کے بعد، دو رکعتیں مغرب کے بعد اپنے گھر میں، دو رکعتیں عشاء کے بعد اپنے گھر میں اور دو رکعتیں

بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، كَانَتْ سَاعَةً لَا يُدْخَلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِيهَا.

[راجع : ٩٣٧- أخرجه مسلم : ٧٢٩ باختلاف و أخرجه : ٨٨٢ بقطعة لم ترد في هذه الطريق]

صبح کی نماز سے پہلے، یہ وہ وقت تھا جس میں نبی ﷺ کے پاس کوئی نہیں جاتا تھا۔

١١٨١- حَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ: أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ وَطَلَعَ الْفَجْرُ، صَلَّى رَكْعَتَيْنِ. [راجع : ٦٨١- أخرجه مسلم : ٧٢٣]

1181۔ مجھے حفصہ ؓ نے بیان کیا کہ جب مؤذن اذان کہتا اور فجر طلوع ہو جاتی تو آپ ﷺ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

١١٨٢- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ.

تَابَعَهُ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ وَعَمْرٌو عَنْ شُعْبَةَ.

[أخرجه مسلم : ٧٣٠ مطولاً فيه بعض معناه]

1182۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور صبح سے پہلے دو رکعتیں ترک نہیں کرتے تھے۔

یحییٰ کے ساتھ اس حدیث کو ابن ابی عدی اور عمرو (بن مرزوق) نے بھی شعبہ سے روایت کیا ہے۔

فائدہ ان احادیث پر کلام کے لیے دیکھیے حدیث (۹۳۷) اور (۱۱۷۲)۔

٣٥- بَابُ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ

35۔باب: مغرب سے پہلے نماز

١١٨٣- حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنِ الْحُسَيْنِ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ الْمُزَنِيُّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ» قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: «لِمَنْ شَاءَ» كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً. [راجع : ٧٣٦٨]

1183۔ عبداللہ المزنی ؓ نے نبی ﷺ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا: ''مغرب سے پہلے نماز پڑھو۔'' تیسری بار فرمایا: ''جو چاہے۔'' اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ لوگ اسے سنت بنا لیں۔

فائدہ سنت بنا لینے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اسے لازم طریقہ نہ سمجھ لیں۔

تنبیہ: امام بخاری ؒ نے عصر سے پہلے کسی نماز کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «رَحِمَ اللَّهُ امْرَأً صَلَّى

قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا »[أبو داؤد : ١٢٧١ ـ ترمذي : ٤٣٠ ـ مسند أحمد : ٥٩٨٠] ''اللہ اس بندے پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے۔'' اس کے علاوہ علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی آیا ہے، چنانچہ ترمذی (۵۹۸) اور نسائی (۸۷۴) میں ہے: « وَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا » یعنی آپ ﷺ عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ مگر اچھی سندوں کے باوجود اپنی شرط کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے بخاری نے ان احادیث کا ذکر نہیں کیا۔

١١٨٤ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ ، قَالَ : حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ أَيُّوْبَ، قَالَ : حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ بْنُ أَبِيْ حَبِيْبٍ، قَالَ : سَمِعْتُ مَرْثَدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْيَزَنِيَّ قَالَ : أَتَيْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ الْجُهَنِيَّ فَقُلْتُ : أَلَا أُعْجِبُكَ مِنْ أَبِيْ تَمِيْمٍ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ ؟ فَقَالَ عُقْبَةُ : إِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، قُلْتُ : فَمَا يَمْنَعُكَ الْآنَ ؟ قَالَ : الشُّغْلُ .

1184۔ مرثد بن عبداللہ الیزنی نے کہا: میں عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور میں نے کہا: میں آپ کو ابوتمیم کا عجیب کام نہ بتاؤں، وہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ تو عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ عمل کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا: تو اب آپ کو کون سی چیز روکتی ہے؟ کہا: مصروفیت۔

فوائد 1 ''ابوتمیم'' کا نام عبداللہ بن مالک جیشانی ہے، مخضرم تابعی کبیر ہیں۔ نبی ﷺ کے زمانے میں مسلمان ہوئے، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے قرآن پڑھا، پھر عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آئے اور مصر کی فتح میں شریک ہوئے اور وہیں رہائش اختیار کر لی۔ ابن یونس نے کہا: نبی ﷺ کے زمانے میں موجود ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ (فتح الباری)

2 اسماعیلی نے اس روایت میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: « حِيْنَ يَسْمَعُ نِدَاءَ الْمَغْرِبِ » یعنی وہ جب مغرب کی اذان سنتے ہیں تو مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ اسی روایت میں مرثد کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں عقبہ رضی اللہ عنہ کے پاس ابوتمیم کا یہ عمل ان کا عیب نکالنے کے لیے پیش کر رہا تھا، تو عقبہ رضی اللہ عنہ نے ان کے عمل کی تائید یہ کہہ کر کی کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ عمل کیا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔

3 بعض لوگوں نے مغرب سے پہلے کی ان رکعتوں کو ناجائز قرار دیا ہے اور اس کے لیے عذر یہ تراشا ہے کہ مغرب کا وقت بہت مختصر ہوتا ہے، اس میں نماز سے پہلے رکعتیں پڑھنے کی گنجائش نہیں۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں، نماز مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک رہتا ہے، جو سب کے نزدیک سورج غروب ہونے کے بعد افق کی سرخی کا نام ہے۔ مغرب کی نماز سے پہلے ان دو رکعتوں کو ناجائز کہنے والے یہ بعض حضرات اس سرخی کے غائب ہونے کے بعد افق پر موجود سفیدی کو شفق قرار

دیتے ہیں۔ ان کے قول کے مطابق تو مغرب کا وقت اور زیادہ ہے، جو فجر سے سورج طلوع ہونے کے وقت کے برابر ہوتا ہے۔ یہ حضرات جب نمازِ فجر سے پہلے سنتوں کو تسلیم کرتے ہیں تو مغرب کی نماز کا وقت بھی اتنا ہونے کے باوجود ان رکعتوں کو کیوں ناجائز قرار دیتے ہیں؟ مغرب سے عشاء تک کا یہ وقت تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے۔ جس میں بعض اوقات نبی ﷺ سورۂ اعراف کی قراءت کرتے تھے جو سوا پارے کے قریب ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم مدینہ میں تھے تو جب مؤذن مغرب کی نماز کے لیے اذان کہتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جلدی سے ستونوں کے پیچھے کھڑے ہو کر دو، دو رکعتیں پڑھتے، یہاں تک کہ پردیسی آدمی مسجد میں آتا تو یہ سمجھتا کہ مغرب کی نماز پڑھی جا چکی ہے، کیونکہ بہت سے لوگ یہ رکعتیں پڑھ رہے ہوتے تھے۔ [مسلم : ۸۳۷] بعض حضرات نے یہ بات بنائی ہے کہ صحابہ کے بعد یہ نماز ترک کر دی گئی تھی، حالانکہ زیرِ شرح حدیث میں یہ رکعتیں پڑھنے والے ابوتمیم تابعی تھے اور ان کے اس عمل کی تصدیق صحابیٔ رسول ﷺ نے کی اور اپنے نہ پڑھنے کا عذر اپنی مشغولیت بتایا۔ ایک بہانہ یہ بنایا جاتا ہے کہ فلاں فلاں صحابی نے یہ رکعتیں نہیں پڑھیں، مگر یہ فرض تو نہیں کہ ہر صحابی پڑھتا۔ نبی ﷺ کے سامنے مسجد نبوی کے ستونوں کے پیچھے پڑھنے والوں کی کثرت کو بھی پیشِ نگاہ رکھنا چاہیے۔

4 كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً : اس سے معلوم ہوا کہ مغرب سے پہلے رکعتوں کا درجہ وہ نہیں جو بارہ سننِ مؤکدہ کا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ بھی سنت ہیں، جو چاہے پڑھے۔ مگر ان کا انکار یا لوگوں کو ان سے روکنا ہرگز جائز نہیں، زیادہ نہیں تو زندگی میں ایک دفعہ ہی یہ رکعتیں پڑھ لے، تاکہ حدیث پر عمل ہو جائے، جیسا کہ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے یہ رکعتیں ایک ہی دفعہ پڑھی ہیں جب میں نے یہ حدیث سنی۔ (فتح الباری)

٣٦ ـ بَابُ صَلَاةِ النَّوَافِلِ جَمَاعَةً

36۔ باب: نوافل کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا

ذَكَرَهُ أَنَسٌ وَعَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع : ٣٨٠، ١٠٤٤]

اسے انس اور عائشہ رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

١١٨٥ ـ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيُّ: أَنَّهُ عَقَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا فِي وَجْهِهِ مِنْ بِئْرٍ كَانَتْ فِي دَارِهِمْ. [راجع : ٧٧]

1185۔ ابن شہاب سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انھیں رسول اللہ ﷺ یاد ہیں اور وہ کلی بھی یاد ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے گھر میں موجود کنویں سے لے کر ان کے منہ پر کی تھی۔

فائدہ یہ روایت (۷۷) میں گزر چکی ہے۔

١١٨٦ - فَزَعَمَ مَحْمُودٌ: أَنَّهُ سَمِعَ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، يَقُولُ: كُنْتُ أُصَلِّي لِقَوْمِي بِبَنِي سَالِمٍ، وَكَانَ يَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ وَادٍ إِذَا جَاءَتِ الْأَمْطَارُ، فَيَشُقُّ عَلَيَّ اجْتِيَازُهُ قِبَلَ مَسْجِدِهِمْ، فَجِئْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ: إِنِّي أَنْكَرْتُ بَصَرِي، وَإِنَّ الْوَادِيَ الَّذِي بَيْنِي وَ بَيْنَ قَوْمِي يَسِيلُ إِذَا جَاءَتِ الْأَمْطَارُ، فَيَشُقُّ عَلَيَّ اجْتِيَازُهُ، فَوَدِدْتُ أَنَّكَ تَأْتِي فَتُصَلِّي مِنْ بَيْتِي مَكَانًا أَتَّخِذُهُ مُصَلًّى، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «سَأَفْعَلُ» فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَعْدَ مَا اشْتَدَّ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى قَالَ: «أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟» فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي أُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ فِيهِ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَكَبَّرَ، وَصَفَفْنَا وَرَاءَهُ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا حِينَ سَلَّمَ.

1186۔ تو محمود (بن ربیع انصاری) رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انھوں نے عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا، جو ان صحابہ میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر میں شریک ہوئے، وہ کہتے تھے: میں اپنی قوم بنو سالم کو نماز پڑھایا کرتا تھا اور میرے اور ان کے درمیان ایک پہاڑی نالہ تھا، جب بارشیں ہوتیں تو مجھے ان کی مسجد کی طرف جاتے ہوئے اسے پار کرنا بہت مشکل ہوتا۔ تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ سے کہا: میری نظر کمزور ہو گئی ہے اور وہ پہاڑی نالہ جو میرے اور میری قوم کے درمیان ہے بارشیں ہونے پر بہنے لگتا ہے اور مجھے اسے پار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، تو میں چاہتا ہوں کہ آپ آئیں اور میرے گھر میں کسی جگہ پر نماز پڑھیں، تو میں اسے نماز کی جگہ بنا لوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں (یہ کام) جلد کروں گا۔'' تو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سویرے سویرے دن چڑھے میرے پاس آئے، رسول اللہ ﷺ نے اجازت مانگی، میں نے آپ کو اجازت دی تو آپ آ کر بیٹھے نہیں حتیٰ کہ یہ فرمایا: ''تم اپنے گھر میں کس جگہ پسند کرتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟'' میں نے آپ کے لیے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں میں چاہتا تھا کہ میں نماز پڑھا کروں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ نے تکبیر کہی اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں، پھر آپ نے سلام پھیر دیا اور جب آپ نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیر دیا۔

فَحَبَسْتُهُ عَلَى خَزِيرٍ يُصْنَعُ لَهُ، فَسَمِعَ أَهْلُ الدَّارِ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي بَيْتِي، فَثَابَ رِجَالٌ مِنْهُمْ حَتَّى كَثُرَ الرِّجَالُ فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: مَا فَعَلَ مَالِكٌ، لَا أَرَاهُ؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: ذَاكَ مُنَافِقٌ، لَا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا تَقُلْ ذَاكَ، أَلَا تَرَاهُ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ؟» فَقَالَ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، أَمَّا نَحْنُ فَوَاللَّهِ! لَا نَرَى وُدَّهُ وَلَا حَدِيثَهُ إِلَّا إِلَى الْمُنَافِقِينَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ»

پھر میں نے آپ کو کچھ حلیم کے لیے روک لیا جو آپ کے لیے بنایا جا رہا تھا۔ محلے والوں نے رسول اللہ ﷺ کے میرے گھر تشریف لانے کی خبر سنی تو ان میں سے کچھ آدمی میرے گھر جمع ہو گئے، یہاں تک کہ گھر میں بہت سے آدمی آ گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: مالک کا کیا ہوا، وہ مجھے نظر نہیں آ رہا؟ تو ان میں سے ایک آدمی نے کہا: وہ تو منافق ہے، اسے اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ نہ کہو، تم اسے دیکھتے نہیں کہ اس نے ”لا الٰہ الا اللہ“ کہا ہے، اس کے ساتھ وہ اللہ کے چہرے کی طلب رکھتا ہے؟“ تو اس نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، لیکن ہم تو اس کی دوستی اور بات چیت منافقین ہی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے اس شخص کو آگ پر حرام کر دیا ہے جو ”لا الٰہ الا اللہ“ کہے، اس کے ساتھ اللہ کے چہرے کی طلب رکھتا ہو۔“

قَالَ مَحْمُودٌ: فَحَدَّثْتُهَا قَوْمًا فِيهِمْ أَبُو أَيُّوبَ صَاحِبُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي غَزْوَتِهِ الَّتِي تُوُفِّيَ فِيهَا، وَيَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَلَيْهِمْ بِأَرْضِ الرُّومِ، فَأَنْكَرَهَا عَلَيَّ أَبُو أَيُّوبَ، قَالَ: وَاللَّهِ! مَا أَظُنُّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَا قُلْتَ قَطُّ، فَكَبُرَ ذَلِكَ عَلَيَّ، فَجَعَلْتُ لِلَّهِ عَلَيَّ إِنْ سَلَّمَنِي حَتَّى أَقْفُلَ مِنْ غَزْوَتِي أَنْ أَسْأَلَ عَنْهَا عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، إِنْ وَجَدْتُهُ حَيًّا فِي مَسْجِدِ قَوْمِهِ، فَقَفَلْتُ فَأَهْلَلْتُ

محمود بن ربیع ؓ نے کہا: پھر میں نے یہ حدیث کچھ لوگوں کو سنائی جن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ابو ایوب ؓ بھی تھے، یہ اس غزوے کی بات ہے جس میں ابو ایوب ؓ فوت ہوئے اور یزید بن معاویہ روم کی سرزمین میں ان کے امیر تھے۔ تو ابو ایوب ؓ نے میری بیان کردہ حدیث کو (صحیح) ماننے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں یہ گمان نہیں کرتا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی یہ بات کہی ہوگی جو تم نے کہی ہے۔ یہ بات مجھ پر بہت گراں گزری،

بِحَجَّةٍ أَوْ بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ سِرْتُ حَتّٰى قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ، فَأَتَيْتُ بَنِي سَالِمٍ، فَإِذَا عِتْبَانُ شَيْخٌ أَعْمٰى يُصَلِّي لِقَوْمِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ مِنَ الصَّلَاةِ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ، وَأَخْبَرْتُهُ مَنْ أَنَا، ثُمَّ سَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ الْحَدِيثِ، فَحَدَّثَنِيهِ كَمَا حَدَّثَنِيهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ . [راجع : ٤٢٤۔ أخرجه مسلم : ٣٣، وفي المساجد (٢٦٣)]

تو میں نے اللہ کے لیے اپنے آپ پر لازم کر لیا کہ اگر اللہ نے مجھے اس غزوے سے واپس جانے تک سلامت رکھا تو میں عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق ضرور پوچھوں گا، اگر میں نے انھیں ان کی قوم کی مسجد میں زندہ پایا۔ پھر میں واپس آیا تو میں نے حج یا عمرے کا احرام باندھا، پھر میں سفر کر کے مدینہ آیا تو بنو سالم کے محلے میں گیا، دیکھا تو عتبان رضی اللہ عنہ بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے، اپنی قوم کو نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انھوں نے نماز سے سلام پھیرا تو میں نے انھیں سلام کہا اور اپنے متعلق بتایا کہ میں کون ہوں، پھر میں نے ان سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انھوں نے وہ حدیث مجھے اسی طرح بیان کی جس طرح انھوں نے مجھے پہلی دفعہ بیان کی تھی۔

فوائد: 1 اس حدیث کے اکثر فوائد (۴۲۴) میں گزر چکے ہیں، چند فوائد یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔ یہاں اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ نوافل کی جماعت کروائی جا سکتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے عتبان بن مالک اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھروں میں جماعت کروائی۔ مگر ایسا کبھی کبھار کیا جا سکتا ہے، اس مقصد کے لیے باقاعدہ دعوت دے کر لوگوں کو بلانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، البتہ ماہِ رمضان میں رسول اللہ ﷺ کا قیام اللیل با جماعت کروانا اور اس کے لیے دعوت دے کر لوگوں کو جمع کرنا سنن ابی داؤد (۱۳۷۵) میں ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ تین راتوں کے بعد رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کو چھوڑنے کا سبب آپ نے یہ بیان فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ فرض ہو جائے۔ جب آپ کی وفات کے بعد یہ خطرہ نہ رہا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رمضان میں با جماعت قیام اللیل کا باقاعدہ اہتمام کر دیا۔

2 اَلَّتِي تُوُفِّيَ فِيهَا: فتح الباری میں ہے: ابن سعد (۴۸۴/۳، ۴۸۵) وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ انھیں لشکر کے قدموں کے نیچے دفن کیا جائے اور ان کی قبر کی جگہ غائب کر دی جائے، چنانچہ انھیں قسطنطنیہ کی دیوار کی ایک جانب دفن کر دیا گیا۔ یزید بن معاویہ سے مراد یزید بن معاویہ بن ابی سفیان ہیں اور " عَلَيْهِمْ " کا مطلب ہے کہ وہ ان کے امیر تھے۔ یہ سنہ ۵۰ ہجری کی بات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے بعد کی بات ہے۔ مجاہدین اس غزوہ میں قسطنطنیہ تک پہنچ گئے، حتیٰ کہ انھوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ (فتح الباری) صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: « أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ » [بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في قتال

الروم : ٢٩٢٤] ''میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر سے جنگ کرے گا انھیں بخش دیا گیا ہے۔'' اس پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: '' مَدِيْنَةَ قَيْصَرَ '' سے مراد قسطنطنیہ ہے، اس حدیث میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے، کیونکہ جس نے سب سے پہلے بحری جنگ کی وہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بیٹے یزید کی بھی منقبت ہے، کیونکہ وہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے قیصر کے شہر سے جنگ کی۔'' (فتح الباری)

زیر شرح حدیث میں ہے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ارضِ روم میں اس لشکر میں تھے جس کے امیر یزید تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ یزید کی زیرِ امارت اس لشکر میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے علاوہ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور صحابہ کی بڑی تعداد شامل تھی۔

٣٧۔ بَابُ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ

37۔ باب: نفل نماز گھروں میں ادا کرنا

١١٨٧ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ، وَعُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ، وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا»

تَابَعَهُ عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ . [راجع : ٤٣٢۔ أخرجه مسلم : ٧٧٧]

1187۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی کچھ نماز اپنے گھروں میں پڑھا کرو اور انھیں قبریں نہ بناؤ۔''

عبدالوہاب نے بھی وہیب کی طرح ایوب سے بیان کیا ہے۔

فوائد 1 اس حدیث کے بعض فوائد (۴۳۲) میں گزر چکے ہیں، مزید چند فوائد یہ ہیں: ''کچھ نماز'' سے مراد نفل نماز ہے، کیونکہ فرض نماز مسجد میں ادا کرنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نفل نماز گھروں میں ادا کرنے کی تاکید فرمائی اور اس کی بہت فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «صَلُّوْا أَيُّهَا النَّاسُ ! فِيْ بُيُوْتِكُمْ، فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَاةِ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ »[بخاري : ٧٣١] ''لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو، کیونکہ فرض نماز کے سوا آدمی کی سب سے بہتر نماز اپنے گھر میں ہے۔''

2 کچھ نماز گھر میں پڑھنے کے بہت سے فائدے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ اخلاص کے زیادہ قریب ہے، یعنی اس میں ریا کا امکان کم ہے اور اس میں گھر والوں کے لیے نماز کی ترغیب بھی ہے اور تعلیم و تربیت بھی۔ کیونکہ گھر والے جب اپنے بڑے کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو وہ بھی اس کی طرح کرنے کی کوشش کریں گے، حتیٰ کہ چھوٹے بچے بھی جو ابھی سمجھ دار نہیں ہوئے، جب آپ کو نماز پڑھتے دیکھیں گے تو آپ کے ساتھ کھڑے ہو جائیں گے اور آپ ہی کی طرح رکوع

ہجود کی کوشش کریں گے۔ اس کے علاوہ نماز کے ساتھ گھر میں برکت ہوتی ہے۔

3 اور انھیں قبریں نہ بناؤ: اس میں اشارہ ہے کہ قبریں نماز کی جگہ نہیں ہے اور حقیقت بھی یہی ہے، کیونکہ قبرستان میں نماز نہیں ہوتی، بلکہ قبر سامنے ہو تو نماز جائز نہیں خواہ وہ قبرستان میں نہ ہو، جیسا کہ ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا تُصَلُّوْا إِلَى الْقُبُوْرِ، وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا» [مسلم : ۹۷۲/۹۸] ''قبروں کی طرف منہ کر کے نہ نماز پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔''

4 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض مسلمان ملکوں میں مسجدوں کے اندر جو قبریں بنی ہوئی ہیں ان مسجدوں میں نماز درست نہیں، کیونکہ وہ قبرستان کے حکم میں ہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر قبر پہلے بنی ہوئی ہے تو اس میں نماز جائز نہیں، کیونکہ اس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر نہیں رکھی گئی اور ایسی مسجد کو منہدم کرنا واجب ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا ہے۔ لیکن اگر مسجد پہلے بنی ہوئی ہے اور بعد میں کسی میت کو اس میں دفن کیا گیا ہے تو اس میں نماز صحیح ہے، کیونکہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ لیکن قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں اور اس قبر کو اکھاڑ کر میت کو دوسرے لوگوں کے ساتھ کسی قبرستان میں دفن کرنا واجب ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے مکہ کی مسجد حرام میں نماز پڑھتے تھے اور کعبہ کا طواف بھی کرتے تھے، حالانکہ کعبہ کے اندر اور باہر بت رکھے ہوئے تھے، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیاد تقویٰ یعنی ایک اللہ کی عبادت پر رکھی تھی، پھر جب تک بتوں کو نکالنے کی طاقت نہ تھی ان کی موجودگی ہی میں نماز پڑھتے رہے اور طواف کرتے رہے۔ (شرح ابن عثیمین)

[تَمَّ كِتَابُ التَّهَجُّدِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٢٠ - كِتَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ

مکہ اور مدینہ کی مسجد میں نماز کی فضیلت کی کتاب

١ - بَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ

١١٨٨ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ، عَنْ قَزَعَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَرْبَعًا قَالَ: سَمِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ، وَكَانَ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً. [راجع: ٥٨٦ - أخرجه مسلم: ٨٢٧ بقطعة لم ترد في هذه الطريق، وفي الحج (٤١٥)]

1 - باب: مکہ اور مدینہ کی مسجد میں نماز کی فضیلت

1188 - قزعہ (بن یحییٰ) سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے چار باتیں سنیں، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے ہمراہ بارہ جنگیں لڑی تھیں۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کو مختصر کر دیا ہے، یہاں اس کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ ان چار باتوں میں سے ایک وہ ہے جس میں مکہ اور مدینہ کی مسجد کی فضیلت کا ذکر ہے اور اس کے بعد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کی ان چار باتوں کو حذف کر کے امام صاحب نے غیر حافظ کو حفظ کے فائدے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اگرچہ امام صاحب نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث بھی اس باب کے بعد پانچویں باب میں درج کر دی ہے جس میں ان چاروں باتوں کا تفصیل سے ذکر ہے۔ (ملخص فتح الباری)

١١٨٩ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ ﷺ،

1189 - ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تین مسجدوں کے سوا کسی جگہ کی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں: مسجد حرام اور مسجد رسول اللہ ﷺ اور مسجد اقصیٰ۔“

وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى ﴾ [أخرجه مسلم : ١٣٩٧]

١١٩٠۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ رَبَاحٍ وَعُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : « صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ » [أخرجه مسلم : ١٣٩٤]

1190۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے سوا دوسری جگہوں میں ہزار نماز سے بہتر ہے۔“

فوائد: 1 روئے زمین پر تین مسجدوں کے سوا کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں آدمی کجاوے باندھ کر یعنی سفر کی تیاری کے ساتھ جائے، یہ سمجھ کر کہ زمین کے اس حصے میں عبادت کا ثواب زیادہ ہے، یا وہاں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ ان مسجدوں کو دوسری تمام جگہوں پر اس لیے فضیلت ہے کہ مسجد حرام زمین پر بنائی گئی سب سے پہلی مسجد ہے، مسلمانوں کا قبلہ ہے اور اس کا حج فرض ہے۔ بیت المقدس پہلی امتوں کا قبلہ رہا ہے اور مسجد نبوی وہ ہے جو سید الانبیاء ﷺ نے تعمیر فرمائی اور جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔

2 نبی ﷺ نے ان کے علاوہ دوسری تمام جگہوں کی طرف کجاوے باندھ کر یعنی سفر کی تیاری کر کے جانے سے منع فرمایا۔ سفر کے بغیر اپنے شہر میں نماز باجماعت یا دعا کے لیے کسی مسجد میں جانا جائز ہے، بلکہ ثواب اور فضیلت کا باعث ہے، کیونکہ ﴿ فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ ﴾ [النور : ٣٦] (ان عظیم گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ وہ بلند کیے جائیں اور ان میں اس کا نام یاد کیا جائے) میں ان مساجد کی فضیلت قرآن مجید میں مذکور ہے اور مسجد کا دوسری جگہوں سے افضل ہونا مسلّم ہے۔ لیکن سفر کر کے کسی جگہ اس لیے جانا کہ وہاں عبادت کا ثواب دوسری جگہوں سے زیادہ ہے صرف ان تین مساجد کے لیے جائز ہے۔ ان کے علاوہ کوئی مسجد ہو یا کسی پیغمبر یا بزرگ کی جائے پیدائش یا جائے رہائش یا قبر یا دریا یا پہاڑ یا درخت یا مکان جہاں کسی نبی یا بزرگ نے نماز پڑھی ہو یا کچھ دن ٹھہرے ہوں یا کوئی خاص واقعہ ہوا ہو، الغرض کسی جگہ کو متبرک سمجھ کر سفر کر کے اس کی طرف جانا منع ہے۔

3 ” لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ “ میں مستثنیٰ منہ مذکور نہیں، حافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ” إِلَّا “ استثنا مفرغ ہے، مقدر یہ ہوگا: ” لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَى مَوْضِعٍ “ ”یعنی تین مسجدوں کے سوا کسی جگہ کی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان تینوں کے سوا کسی بھی جگہ کی طرف سفر ممنوع ہو، کیونکہ مفرغ میں مستثنیٰ منہ ہر عام سے زیادہ عام مقدر ہوتا ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ یہاں عموم سے مراد مخصوص جگہ ہو جو مسجد ہے۔ یعنی حدیث کا معنی یہ ہے کہ ” لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ “ میں مستثنیٰ منہ اس طرح مقدر نکالا جائے کہ ان تین مسجدوں کے سوا کسی مسجد کی

طرف کجاوے نہ باندھے جائیں، مسجدوں کے علاوہ دوسری جگہوں کی طرف جا سکتا ہے، جیسا کہ نیک لوگوں کی ملاقات کے لیے جانا، خواہ زندہ ہوں یا فوت شدہ (یعنی ان کی قبروں کی طرف جانا)، اسی طرح فضیلت والی جگہوں کی طرف سفر کر کے جانا، تاکہ وہاں نماز پڑھی جائے اور ان سے برکت حاصل کی جائے۔ (خلاصہ فتح الباری)

4 اب دیکھنا یہ ہے کہ حدیث کے ان دو مفہوموں میں سے صحیح کون سا ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ ان تینوں مسجدوں کے سوا کسی بھی جگہ کی طرف جانے کے لیے کجاوے باندھنا ممنوع ہے، خواہ کوئی قبر ہو یا کسی کی جائے پیدائش یا جائے وفات یا جائے رہائش یا کسی نبی یا بزرگ کے کسی عمل کی یادگار جگہ ہو، کہیں بھی کجاوے کس کر جانا ممنوع ہے، یا یہ مفہوم صحیح ہے کہ ان تین مسجدوں کے سوا کسی مسجد کی طرف سفر کرنا ممنوع ہے، باقی تمام جگہوں کی طرف جائز ہے؟ اس معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو دیکھا جائے تو انھوں نے حدیث کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ ان تین مسجدوں کے سوا کسی بھی جگہ کی طرف کجاوے باندھنا اور سفر کر کے جانا منع ہے، خواہ کوئی مسجد ہو یا قبر یا پہاڑ یا کوئی اور جگہ۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو موطا امام مالک اور مسند احمد وغیرہ میں آئی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ طور پر گئے، واپسی پر ان کی ملاقات ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے ہوئی، انھوں نے پوچھا: آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟ انھوں نے کہا: میں طور سے آ رہا ہوں، میں نے وہاں نماز پڑھی ہے، انھوں نے کہا: سنو! اگر تمھارے اس کی طرف سفر کرنے سے پہلے میں تمھیں مل جاتا تو تم یہ سفر نہ کرتے، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے: «لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ : الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِيْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى» [مسند أحمد: ۲۳۸۵۰، مسند کے محققین نے کہا ہے: إسنادہ صحیح] اس حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ابو بصرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اتفاق کیا ہے کہ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ طور کی طرف بھی سفر کر کے جانا اور وہاں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ وہ طور جس کے پاس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا، پھر کسی اور جگہ کی طرف سفر کر کے جانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

5 جو لوگ انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کی زیارت کی نیت سے کجاوے باندھتے یعنی سفر کرتے ہیں وہ ایک عجیب سوال کرتے ہیں کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نہ تجارت کے لیے سفر جائز ہے، نہ علم حاصل کرنے کے لیے، نہ دوستوں، بزرگوں اور عزیزوں کی ملاقات کے لیے، نہ دنیا کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے، نہ سیر و تفریح کے لیے، غرض ان تین مسجدوں کی زیارت کی نیت کے علاوہ کسی بھی مقصد کے لیے سفر جائز نہیں، جبکہ ان تمام کاموں کے لیے "شَدُّ الرِّحَالِ" بالاتفاق جائز ہے، اس لیے بزرگوں کی قبروں کی زیارت کی نیت سے بھی سفر کر کے جانا جائز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات ایک مغالطے کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ ان تمام چیزوں میں سے کسی جگہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے، بلکہ ان کاموں کی اہمیت ہے جن کے لیے سفر کیا جاتا ہے، جب کہ بزرگوں کی قبر کی طرف جاتے ہوئے کوئی بھی آدمی خواہ یہ سمجھے کہ میں ان بزرگوں کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں، مگر وہاں اس کے سامنے قبر کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور وہ جس طرح زندہ بزرگ سے فیض حاصل کرتے تھے اپنے خیال میں وہ اب ان کی قبر سے فیض حاصل کرتے اور اپنے آپ پر انوار کی بارش برساتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ میں قبر پرستی

اسی سے شروع ہوئی۔ یہ حضرات جب بھی کسی قبر کی زیارت کے لیے سفر کریں گے تو یہ نہیں کہیں گے کہ میں فلاں بزرگ کی قبر کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں، بلکہ یہ کہیں گے کہ میں فلاں حضرت کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں۔ عام لوگوں کا تو کہنا ہی کیا ہے، صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے جلیل القدر بزرگ نے بھی یہاں یہی انداز اختیار کیا ہے، آپ ان کے الفاظ دیکھیں، لکھتے ہیں: " وَاخْتُلِفَ فِي شَدِّ الرِّحَالِ إِلَى غَيْرِهَا كَالذَّهَابِ إِلَى زِيَارَةِ الصَّالِحِيْنَ أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا وَإِلَى الْمَوَاضِعِ الْفَاضِلَةِ لِقَصْدِ التَّبَرُّكِ بِهَا وَالصَّلَاةِ فِيهَا . فَقَالَ الشَّيْخُ أَبُوْ مُحَمَّدٍ الْجُوَيْنِيُّ : يَحْرُمُ شَدُّ الرِّحَالِ إِلَى غَيْرِهَا عَمَلًا بِظَاهِرِ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَأَشَارَ الْقَاضِي حُسَيْنٌ إِلَى اخْتِيَارِهِ وَبِهِ قَالَ عِيَاضٌ وَطَائِفَةٌ وَيَدُلُّ عَلَيْهِ مَا رَوَاهُ أَصْحَابُ السُّنَنِ مِنْ إِنْكَارِ أَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ عَلَى أَبِي هُرَيْرَةَ خُرُوْجَهُ إِلَى الطُّوْرِ وَقَالَ لَهُ : لَوْ أَدْرَكْتُكَ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مَا خَرَجْتَ ، وَاسْتَدَلَّ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ يَرَى حَمْلَ الْحَدِيْثِ عَلَى عُمُوْمِهِ وَوَافَقَهُ أَبُوْ هُرَيْرَةَ . وَالصَّحِيْحُ عِنْدَ إِمَامِ الْحَرَمَيْنِ وَغَيْرِهِ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ : أَنَّهُ لَا يَحْرُمُ . " ''اور ان تین مسجدوں کے علاوہ کی طرف شد رحال کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے، جیسے زندہ یا فوت شدہ صالحین کی زیارت کے لیے جانا اور فضیلت والی جگہوں کی طرف ان سے برکت حاصل کرنے اور نماز پڑھنے کے لیے جانا ہے۔ چنانچہ شیخ ابو محمد جوینی نے کہا: اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے ان کے علاوہ کی طرف شد رحال حرام ہے، قاضی حسین نے اس بات کے راجح ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہی قول عیاض اور ایک گروہ کا ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طور پر جانے کا انکار کیا اور ان سے کہا: اگر میں تمھارے وہاں جانے سے پہلے تمھیں مل جاتا تو تم وہاں نہ جاتے، اور دلیل میں یہ حدیث پیش کی، سو یہ دلیل ہے کہ ابو بصرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو (ہر جگہ کے لیے) عام قرار دیتے ہیں اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی۔ اور شافعی حضرات میں امام الحرمین وغیرہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ان تین مسجدوں کے سوا کی طرف شدِ رحال حرام نہیں ہے۔''

اس کے بعد حافظ رحمہ اللہ نے جواز کے قائلین کی طرف سے اس حدیث کے متعدد جواب نقل کیے ہیں جن پر تھوڑا سا غور کریں تو ان کی کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہاں حافظ رحمہ اللہ کا کلام نقل کرنے سے میرا مقصود دو باتیں ہیں: ایک یہ کہ حافظ رحمہ اللہ نے صالحین کی قبروں کی زیارت کا ذکر ''زندہ یا فوت شدہ صالحین کی زیارت کے لیے جانا'' کے الفاظ سے کیا ہے۔ حالانکہ اگر فوت شدہ صالحین کی قبروں کی طرف جانا ان کی زیارت ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی قبر کی زیارت کرنے والے آپ کے صحابی ہوتے جس کا کوئی بھی قائل نہیں، یہ صرف دل بہلانے کی بات ہے کہ صالحین کی قبروں کی زیارت کے بعد آدمی یہ سمجھے کہ میں نے صالحین کی زیارت کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے بعد یہ سمجھے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے، حالانکہ اب آپ کی زیارت قیامت کے دن ہی ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کے نصیب میں فرمائے۔ اس سے پہلے بیداری میں اس کی حیثیت وہم و گمان سے زیادہ نہیں۔ سورۂ نجم میں ہے: ﴿ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ﴾ [النجم : ۲۳] ''یہ لوگ صرف گمان کے اور ان چیزوں کے پیچھے چل رہے

ہیں جو ان کے دل چاہتے ہیں۔" دوسری بات یہ کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ کون سی جگہیں ہیں جو دوسری جگہوں پر فضیلت رکھتی ہیں اور جن کی طرف سفر کرنے سے خاص برکت حاصل ہوتی ہے اور وہاں نماز پڑھنے کے لیے شد رحال کرنا چاہیے۔ قرآن و حدیث میں تو ایسی کسی جگہ کا ذکر نہیں۔ اگر زندہ صالحین یا اقارب کی زیارت ہو یا تجارت یا تحصیلِ علم ہو یا سیر و تفریح وغیرہ تو اس میں اصل فضیلت کسی جگہ کو حاصل نہیں، بلکہ فضیلت اس کام کی ہے جس کے لیے سفر کیا جا رہا ہے۔ اگر رباط مراد ہو تو اس کے لیے کوئی جگہ خاص نہیں، اس میں اصل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

6 شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ساتھ ان کے زمانے کے بہت سے علماء کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کی نیت سے شد رحال جائز ہے یا نہیں۔ شیخ الاسلام اسے نا جائز کہتے تھے، اس کے متعلق ان کا تفصیلی کلام "الجواب الباهر" اور "اقتضاء الصراط المستقيم" اور دوسری کتابوں اور فتاویٰ میں موجود ہے۔ دوسرے کئی علماء اسے جائز کہتے تھے، دونوں طرف سے اس کے متعلق کئی رسالے لکھے گئے۔ شیخ الاسلام کے رد میں تقی الدین سبکی نے کتاب لکھی جس میں انھوں نے نبی ﷺ کی قبر کی طرف شد رحال اور آپ سے استغاثہ (مدد مانگنے) کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر بے جا طعن و تشنیع کی، جس کے جواب میں شیخ الاسلام کے شاگرد علامہ ابن عبد الہادی مقدسی نے اپنی مشہور کتاب "اَلصَّارِمُ الْمُنْكِيْ فِي الرَّدِّ عَلَى السُّبْكِيْ" لکھی جو اس مسئلے پر انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے اور جس میں قبوری لوگوں کے خود ساختہ دلائل کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام کے زمانے میں ان کے مخالفین نے خلط مبحث کرتے ہوئے ان پر الزام لگایا کہ وہ زیارتِ قبور کو جائز نہیں سمجھتے، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کو بھی جائز نہیں مانتے۔ شیخ نے اپنی کتابوں میں بار بار وضاحت کی کہ زیارتِ قبور مستحب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا» [مسلم: ۱۹۷۷] "میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا تو تم ان کی زیارت کرو۔" جب آدمی کسی جگہ رہتا ہو یا کہیں جائے تو قبروں کی زیارت کر سکتا ہے اور کرنی چاہیے، کیونکہ وہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔ ممنوع یہ ہے کہ آدمی کسی قبر کی زیارت کی نیت سے شد رحال یعنی سفر کرے خواہ نبی ﷺ کی قبر ہو۔ البتہ مسجد نبوی کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت سے شد رحال مستحب اور باعثِ ثواب ہے، پھر مدینہ جا کر آپ کی قبر کی زیارت کرے اور مسجد قبا میں جا کر نماز بھی پڑھے۔

٢ - بَابُ مَسْجِدِ قُبَاءٍ

١١٩١ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ، حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ لَا يُصَلِّي مِنَ الضُّحَى إِلَّا فِي يَوْمَيْنِ : يَوْمَ يَقْدَمُ بِمَكَّةَ، فَإِنَّهُ كَانَ يَقْدَمُهَا ضُحًى

2۔ باب: مسجد قبا

1191۔ نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما صلاۃِ ضحیٰ صرف دو دن پڑھتے تھے: ایک جس دن وہ مکہ آتے، کیونکہ وہ اس میں ضحیٰ کے وقت آتے تھے، چنانچہ وہ بیت اللہ کا طواف کرتے، پھر مقامِ (ابراہیم) کے پیچھے دو رکعتیں پڑھتے

فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْمَقَامِ، وَيَوْمَ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ، فَإِنَّهُ كَانَ يَأْتِيهِ كُلَّ سَبْتٍ، فَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَرِهَ أَنْ يَخْرُجَ مِنْهُ حَتَّى يُصَلِّيَ فِيهِ، قَالَ: وَكَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَزُورُهُ رَاكِبًا وَمَاشِيًا. [انظر: ١١٩٣، ١١٩٤، ٧٣٢٦ـ أخرجه مسلم: ١٣٩٩]

اور ایک اس دن جب وہ مسجد قبا میں جاتے، کیونکہ وہ اس میں ہر ہفتے کے دن جاتے تھے، پھر جب وہ مسجد میں داخل ہوتے تو اس بات کو ناپسند کرتے کہ اس میں نماز پڑھے بغیر نکلیں اور بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پیدل اور سوار اس کی زیارت کیا کرتے تھے۔

فائدہ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سنت کے بے انتہا پیرو تھے، انھوں نے جب ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث سنی کہ نبی ﷺ نے مکہ کی فتح کے دن ضحیٰ کی نماز پڑھی تو وہ بھی یہی کرنے لگے کہ جب مکہ میں داخل ہوتے تو ضحیٰ کی نماز پڑھتے، اور وقتوں میں اس لیے نہ پڑھتے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو اور دنوں میں یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ سبحان اللہ! نبی ﷺ کی پیروی صحابہ پر ختم تھی، یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی کسی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ (تیسیر الباری)

١١٩٢ـ قَالَ: وَكَانَ يَقُولُ: إِنَّمَا أَصْنَعُ كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِي يَصْنَعُونَ، وَلَا أَمْنَعُ أَحَدًا أَنْ يُصَلِّيَ فِي أَيِّ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ، غَيْرَ أَنْ لَا تَتَحَرَّوْا طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا. [أخرجه مسلم: ٨٢٨]

1192۔ نافع نے کہا: اور وہ (عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کہا کرتے تھے: میں تو اسی طرح کرتا ہوں جیسے میں نے اپنے ساتھیوں کو کرتے دیکھا ہے اور میں کسی کو منع نہیں کرتا کہ دن یا رات کے کسی وقت میں نماز پڑھے، ہاں! اتنی بات ہے کہ سورج کے طلوع ہونے یا غروب ہونے کا قصد نہ کرے۔

٣ـ بَابُ مَنْ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ

3۔ باب: جو شخص ہر ہفتے کے دن مسجد قبا میں جائے

١١٩٣ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا. وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَفْعَلُهُ. [راجع: ١١٩١ـ]

1193۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ہر ہفتے کے دن پیدل اور سوار ہو کر مسجد قبا میں جاتے تھے۔ اور عبد اللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما بھی ایسے ہی کرتے تھے۔

[أخرجه مسلم : ١٣٩٩]

٤- بَابُ إِتْيَانِ مَسْجِدِ قُبَاءٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا

4۔ باب: مسجد قبا میں پیدل اور سوار ہو کر جانا

١١٩٤- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِي قُبَاءَ رَاكِبًا وَمَاشِيًا.

1194۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ (مسجد) قبا میں پیدل اور سوار ہو کر جاتے تھے۔

زَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ: فَيُصَلِّي فِيهِ رَكْعَتَيْنِ. [راجع : ١١٩١- أخرجه مسلم : ١٣٩٩]

ابن نمیر نے یہ الفاظ زیادہ کیے کہ ہمیں عبید اللہ نے نافع سے بیان کیا کہ پھر آپ اس میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

فوائد: 1 مسجد قبا مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں مسجد نبوی سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ پہلی مسجد ہے جو اسلام میں بنائی گئی۔ مسجد قبا میں نماز کی بہت فضیلت آئی ہے، چنانچہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءَ، فَصَلَّى فِيهِ صَلَاةً، كَانَ لَهُ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ » [ابن ماجه: ١٤١٢ وصححه الألباني] ”جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے، پھر مسجد قبا میں آئے اور اس میں نماز پڑھے تو اسے عمرے کے اجر کی طرح اجر ملے گا۔“

2 صحیح بخاری کی ان احادیث میں بھی مسجد قبا میں نماز کی فضیلت کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ ہر ہفتے کے دن پیدل یا سوار ہو کر مسجد قبا میں آتے اور اس میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اہل علم نے رسول اللہ ﷺ کے ہفتے کے دن مسجد قبا میں جانے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قبا سے جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد نبوی میں آتے تھے۔ ان میں سے جو بیماری یا کسی اور وجہ سے نہ آ سکتے تو رسول اللہ ﷺ ان کی ملاقات اور عیادت کے لیے ہفتہ کے دن وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ شد رحال سے مراد سفر کی تیاری کر کے جانا ہے، پانچ کلومیٹر معمولی فاصلہ ہے، اس کے لیے کجاوے باندھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے جو شخص مدینہ جائے اس کے لیے مسجد قبا میں جا کر نماز پڑھنا مستحب ہے، مگر دور دراز سے مسجد قبا میں نماز کی نیت کے لیے آنا ”لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ“ کے تحت منع ہے، البتہ مسجد نبوی کی زیارت کی نیت سے کجاوے باندھ کر یعنی سفر کر کے جانا، پھر مدینہ منورہ جا کر مسجد قبا میں نماز پڑھنا، نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کرنا، اسی طرح شہدائے اُحد کی قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے۔

٥ - بَابُ فَضْلِ مَا بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ

5۔ باب: (نبی ﷺ کی) قبر اور منبر کے درمیان کی جگہ کی فضیلت

١١٩٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ الْمَازِنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ» [أخرجه مسلم: ١٣٩٠]

1195۔ عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جگہ جو میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

١١٩٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ ابْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي» [انظر: ١٨٨٨، ٦٥٨٨، ٧٣٣٥ - أخرجه مسلم: ١٣٩١]

1196۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ جگہ جو میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض کے اوپر ہے۔''

فوائد 1 ہدایۃ القاری میں ہے: ''امام بخاری رحمہ اللہ نے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت بیان کرنے کے بعد یہ عنوان قائم کیا ہے، تاکہ اس حقیقت سے آگاہ کریں کہ مسجد نبوی کے بعض حصے دوسرے حصوں سے افضل ہیں۔ عنوان میں قبر کا لفظ بیان کیا ہے جب کہ حدیث میں لفظ ''بَيْتٌ'' (گھر) ہے، یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک اسی ''بیت'' میں ہے۔ بعض روایات میں ''قبر'' کا لفظ بھی ہے، لیکن وہ روایت بالمعنی ہے، چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''حدیث کے مذکورہ الفاظ ہی صحیح ہیں، البتہ بعض راویوں نے روایت بالمعنی کے طور پر ''بَيْنَ قَبْرِي وَ مِنْبَرِي'' کے الفاظ بیان کیے ہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ حدیث بیان کی تھی اس وقت آپ نہ فوت ہوئے تھے نہ آپ کی قبر کا وجود ہی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ کو دفن کرنے کے متعلق اختلاف ہوا تو کسی نے بھی اس حدیث کو دلیل نہیں مانا، اگر یہ الفاظ ان کے علم میں ہوتے تو اس تاریخی مسئلے میں نص صریح کا حکم رکھتے تھے۔'' [التوسل والوسيلة، ص: ١٥٢]

2 رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے تین معانی بیان کیے ہیں: پہلا یہ کہ یہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ حذف ہے، یعنی ذکر کے حلقوں میں ہمیشہ شریک رہنے سے خصوصاً نبی ﷺ کے عہد مبارک میں اللہ کی رحمتوں کا جو

نزول ہوتا تھا اور جو سعادتیں حاصل ہوتی تھیں وہ سب مسجد کے اس قطعے میں بیٹھنے سے حاصل ہوتی ہیں خواہ آدمی وہاں ذکر نہ کرے، ہاں! ذکر کرے تو بہتر ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اس قطعے میں عبادت آدمی کو جنت میں لے جائے گی، اس صورت میں یہ مجاز ہے۔ تیسرا معنی یہ ہے کہ یہ ٹکڑا حقیقتاً جنت کا ٹکڑا ہے اور بعینہٖ یہ قطعہ آخرت کو جنت میں منتقل کر دیا جائے گا۔ حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ ان اقوال کا خلاصہ ہے جو علماء نے اس حدیث کے متعلق کہے ہیں اور یہ اقوال اسی ترتیب سے قوی ہیں۔ (فتح الباری) حقیقتاً جنت کا ٹکڑا قرار دینے کو سب سے کم قوی قرار دینے کا سبب وہ ہے جو حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ جنت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ﴾ [طٰہ : ۱۱۸، ۱۱۹] ”بے شک تیرے لیے یہ ہے کہ تو اس میں نہ بھوکا ہوگا اور نہ ننگا ہوگا۔ اور یہ کہ تو اس میں نہ پیاسا ہوگا اور نہ دھوپ کھائے گا۔“ جب کہ ”رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ“ میں بیٹھنے والوں کو دنیا میں یہ چیزیں حاصل نہیں ہوتیں۔ (فتح الباری)

3 ”ذکر کے حلقوں میں شرکت“ کے لفظ سے انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا ، قَالُوْا : وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ ؟ قَالَ : حِلَقُ الذِّكْرِ » [ترمذي : ۳۵۱۰۔ الصحيحة: ۲۵۶۲] ”جب تم جنت کے باغوں کے پاس سے گزرو تو چرو۔“ پوچھا: جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”ذکر کے حلقے۔“

4 وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي: اکثر علماء کا کہنا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا وہ منبر جس پر آپ اس وقت کھڑے تھے قیامت کے دن حوض پر نصب کیا جائے گا۔ بعض نے کہا: اس سے مراد آپ کا وہ منبر ہے جو قیامت کے دن آپ کے لیے حوض کے کنارے پر رکھا جائے گا۔ بعض نے یہ معنی کیا ہے کہ آپ کے منبر کے پاس حاضری آدمی کو حوض کوثر پر پہنچنے اور اس سے پینے کا سبب ہے۔

٦ ـ بَابُ مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ

١١٩٧ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، سَمِعْتُ قَزَعَةَ مَوْلَى زِيَادٍ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ بِأَرْبَعٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَعْجَبْنَنِي وَآنَقْنَنِي قَالَ : « لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ يَوْمَيْنِ إِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ، وَلَا صَوْمَ فِي يَوْمَيْنِ : الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى، وَلَا صَلَاةَ

6۔ باب: مسجد بیت المقدس

1197۔ زیاد کے مولیٰ قزعہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چار حدیثیں بیان کرتے ہوئے سنا، وہ مجھے بہت اچھی لگیں اور مجھے پسند آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی عورت اپنے خاوند یا محرم کے بغیر دو دن کا سفر نہ کرے اور دو دن کا روزہ نہیں ہوتا: عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور دو نمازوں کے بعد کوئی نماز نہیں: صبح کے بعد سورج

بَعْدَ صَلَاتَيْنِ : بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ ، وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ : مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى، وَمَسْجِدِي » [راجع : ٥٨٦۔ أخرجه مسلم : ٨٢٧ مختصراً، وهو كذلك في كتاب الصوم (١٤٠)، وفي الحج (٤١٥)]

طلوع ہونے تک اور عصر کے بعد غروب ہونے تک اور تین مسجدوں کے سوا کسی جگہ کی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں: مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری مسجد۔"

فائدہ یہ حدیث (٥٨٦) پر گزر چکی ہے۔ " لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ يَوْمَيْنِ إِلَّا وَ مَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ " پر "کتاب الحج" میں بات ہوگی۔ " وَلَا صَوْمَ فِي يَوْمَيْنِ : الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى " پر "کتاب الصوم" میں بات ہوگی۔ " وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاتَيْنِ : بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ " پر بات حدیث (٥٨٦) میں گزر چکی ہے اور " وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ " پر بات قریب ہی گزری ہے۔ اس حدیث میں بیت المقدس کی یہ فضیلت بیان ہوئی ہے کہ وہ ان تین عظیم الشان جگہوں میں شامل ہے جن کے سوا کسی بھی جگہ کی طرف شد رحال منع ہے۔

[تَمَّ كِتَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٢١ - كِتَابُ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ

کتاب: نماز کے دوران کیے جانے والے کام

١ - بَابُ اسْتِعَانَةِ الْيَدِ فِي الصَّلَاةِ إِذَا كَانَ مِنْ أَمْرِ الصَّلَاةِ

1 - باب: نماز میں ہاتھ سے مدد لینا جب وہ کام نماز سے تعلق رکھتا ہو

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا : يَسْتَعِينُ الرَّجُلُ فِي صَلَاتِهِ مِنْ جَسَدِهِ بِمَا شَاءَ ، وَوَضَعَ أَبُو إِسْحَاقَ قَلَنْسُوَتَهُ فِي الصَّلَاةِ وَرَفَعَهَا .

وَوَضَعَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَفَّهُ عَلَى رُصْغِهِ الْأَيْسَرِ، إِلَّا أَنْ يَحُكَّ جِلْدًا أَوْ يُصْلِحَ ثَوْبًا .

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آدمی اپنی نماز میں اپنے جسم کے جس حصے سے جو چاہے مدد لے لے۔ اور ابو اسحاق نے نماز میں اپنی ٹوپی اتار کر رکھی اور اسے اٹھا بھی لیا۔

اور علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ہتھیلی اپنی بائیں کلائی کے جوڑ پر رکھی ہوتی، الا یہ کہ اپنی جلد کے کسی حصے کو کھجلاتے یا اپنا کوئی کپڑا درست کرتے۔

فوائد 1 باب میں مذکور لفظ " إِذَا كَانَ مِنْ أَمْرِ الصَّلَاةِ " سے معلوم ہوا کہ نماز میں وہ کام جائز ہے جس کا تعلق نماز سے ہو۔ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: "مثلاً نمازی کے سامنے سے کوئی گزر رہا ہو اس کو ہٹا دینا یا سجدے کے مقام پر کوئی ایسی چیز آ پڑے جس پر سجدہ نہ ہو سکے اسے سرکا دینا۔ آگے جا کر امام بخاری نے علی رضی اللہ عنہ کا جو اثر نقل کیا ہے اس سے یہ نکالا کہ بدن کھجلانا یا کپڑا سوارنا گو نماز کا کام نہیں، مگر یہ مستثنیٰ ہے یعنی نماز میں جائز ہے۔ مترجم کہتا ہے: نماز کے کاموں میں سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہاتھ سے پیکدان لے کر اس میں تھوک لینا یا گلدان سرکا لینا، اس سے بھی نماز فاسد نہ ہو گی۔ (تیسیر الباری)

2 علماء کہتے ہیں کہ نماز میں عملِ کثیر سے نماز باطل ہو جاتی ہے قلیل سے نہیں، مگر عملِ کثیر کی تعریف میں اختلاف ہے، جسے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ نماز نہیں پڑھ رہا، بعض کہتے ہیں کہ کثیر وہ عمل ہے جو دو ہاتھوں سے ہو۔ اس کے مطابق جو کام دونوں ہاتھ لگائے بغیر نہ ہو سکے وہ کثیر ہے، اگرچہ ایک ہاتھ ہی سے کرے، مثلاً پگڑی باندھنا۔ اگر کوئی کام ایک ہاتھ سے ہو سکتا ہو

تو وہ دو ہاتھوں سے کرنے سے بھی کثیر نہ ہوگا۔ مگر سب سے زیادہ درست بات یہ ہے کہ نماز کے دوران جو کام نبی ﷺ سے ثابت ہیں وہ عمل کثیر نہیں، ان کی مثل اعمال کا بھی یہی حکم ہے، ان سے زائد عمل کثیر ہے۔

3 ابو اسحاق کا نام عمرو بن عبداللہ بن عبید السبیعی الکوفی ہے، سنہ ۲۹ھ یا ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں پیدا ہوئے، کبیر تابعی ہیں۔ یہ اثر استدلال کے لیے نہیں، کیونکہ ابو اسحاق تابعی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ سجدہ کرتے وقت ٹوپی اتار لے اور سجدے کے بعد رکھ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ مسئلہ ایک بزرگ سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: "وَضْعُ الْعِمَامَةِ أَسْهَلُ مِنْ وَضْعِ الْأُمَامَةِ" یعنی رسول اللہ ﷺ تو سجدے میں اُمامہ بنت زینب کو نیچے رکھ دیتے تھے، پھر اٹھا لیتے تھے، عمامہ کو رکھنا اور پھر اٹھانا تو اس کے مقابلے میں معمولی کام ہے۔

4 علی رضی اللہ عنہ جسم میں جہاں ضرورت ہوتی کھجلا لیتے، تاکہ ساری نماز میں اس کی طرف ہی توجہ نہ رہے، کیونکہ نماز میں اصل مقصود خشوع ہے۔

١١٩٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، وَهِيَ خَالَتُهُ، قَالَ: فَاضْطَجَعْتُ عَلَى عَرْضِ الْوِسَادَةِ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى انْتَصَفَ اللَّيْلُ، أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَجَلَسَ فَمَسَحَ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ خَوَاتِيمَ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ، فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي.

1198۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک رات گزاری اور وہ ان کی خالہ تھیں۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہما نے) کہا: تو میں تکیے کے عرض میں لیٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اہلیہ اس کے طول میں لیٹ گئے، پھر رسول اللہ ﷺ سو گئے، یہاں تک کہ رات آدھی ہوگئی، یا تھوڑا سا اس سے پہلے یا تھوڑا سا اس کے بعد کا وقت ہوگیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ جاگے اور بیٹھ گئے اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اپنے چہرے سے نیند کو صاف کیا، پھر آپ نے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت کی، پھر اُٹھ کر ایک پرانے مشکیزے کی طرف گئے جو لٹکایا ہوا تھا تو آپ نے اس سے اچھی طرح وضو کیا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔

قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تو میں بھی اٹھا اور میں نے بھی ویسے ہی کیا جیسے رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا، پھر میں

جَنْبِهِ، فَوَضَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى يَفْتِلُهَا بِيَدِهِ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ. [راجع : ۱۱۷ ۔ أخرجه مسلم : ۷۶۳]

جا کر آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا دایاں کان اپنے ہاتھ سے پکڑ کر مروڑنے لگے۔ غرض آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر وتر پڑھا، پھر آپ لیٹ گئے، یہاں تک کہ آپ کے پاس مؤذن آیا تو آپ اُٹھے اور دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر آپ نکلے اور صبح کی نماز پڑھائی۔

فوائد: 1 اس حدیث کے بہت سے فوائد حدیث (۱۱۷) میں گزر چکے ہیں، چند مزید فوائد یہ ہیں: تکیے کے طول کی بجائے اس کے عرض میں الگ ہو کر سونے سے لڑکپن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حسنِ ادب کا اندازہ ہوتا ہے۔

2 اس طرح سونے کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ آپ کا بستر زمین پر ہو، اگرچہ بعض اوقات آپ چارپائی پر بھی سوتے تھے۔ [دیکھیے بخاري : ۴۳۲۳۔ مسند أحمد : ۱۲۴۱۷، ۲۵۱۰۰] معلوم ہوا سنت سے دونوں طرح سونا ثابت ہے۔

3 رسول اللہ ﷺ انسان تھے، انسانی ضروریات سے بے نیاز نہیں تھے، آپ کھاتے پیتے اور سوتے تھے، صاحب اہل و عیال تھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ صفت بیان فرمائی ہے۔ [دیکھیے الفرقان : ۲۰۔ الرعد : ۳۸]

4 تکیہ رکھنا مستحب ہے، رسول اللہ ﷺ دائیں پہلو پر سوتے تھے، اگر تکیہ نہ رکھا جائے تو سر نیچے لٹک جاتا ہے۔ بستر بھی انسان کی ضرورت ہے، جسم کی راحت کا حسبِ ضرورت خیال رکھنا چاہیے، تاکہ آدمی اپنے فرائض بخوبی سرانجام دے سکے۔ راہبوں کی طرح خواہ مخواہ اپنے آپ کو ایذا میں رکھنا ہمارے نبی ﷺ کا شیوہ نہیں۔ [بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ]

5 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ رات کو جلد ہی تہجد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے، رات کے نصف کو یا اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد، تاکہ اس کے بعد صبح سے پہلے کچھ آرام بھی کر لیں۔

6 آدمی کو نیند سے اُٹھ کر آنکھیں مل کر نیند کو دور کرنا چاہیے۔ آنکھوں کے علاج کے ماہرین اس عمل کو آنکھوں کے لیے بہت مفید بتاتے ہیں، کیونکہ اس سے آنکھ میں اور اس کے اردگرد کے اعصاب و عضلات میں دورانِ خون بہتر ہوتا ہے اور آنکھ موتیے اور نظر کی کمزوری سے محفوظ رہتی ہے۔

7 رات نیند سے اُٹھ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے: ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ [آل عمران : ۱۹۰] سے لے کر سورت کے آخر تک آیات کی تلاوت مسنون ہے۔ ان آیات سے کائنات اور اس کے عجائبات میں غور کرنے کی طرف توجہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی نعمتوں کے شکر کا جذبہ دل میں اُبھرتا ہے، خصوصاً جب رات چاندنی نہ ہو اور اردگرد بجلی کے قمقموں نے آسمان کے حسن کو چھپا نہ رکھا ہو۔

8 آدمی کو اچھے سے اچھا مشروب پینا چاہیے، پرانے مشکیزے میں پانی نئے کی نسبت زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے، اس لیے موسم کے مطابق ٹھنڈا یا گرم پانی پینے میں کوئی حرج نہیں، نہ ہی صاف ستھرے اور اچھے کھانے میں کوئی مضائقہ ہے۔ اصحاب کہف نے شہر سے کھانا لانے والے کو یہی تاکید کی تھی: ﴿ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ ﴾ [الكهف : ١٩] ''پس وہ دیکھے کہ اس میں کھانے کے لحاظ سے زیادہ ستھرا کون ہے، پھر تمھارے پاس اس سے کچھ کھانا لے آئے۔''

9 نماز کے لیے وضو بہت اچھی طرح کرنا چاہیے۔ اچھی طرح سے مراد زیادہ پانی بہانا نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق کرنا ہے، کیونکہ آپ سے ایک ایک، دو دو اور تین تین دفعہ وضو کے اعضا کو دھونا ثابت ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

10 آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ ایک بستر میں سونا مسنون ہے، خواہ پلنگ پر ہو یا زمین پر۔ الگ الگ چارپائی اور بستر پر سونے میں وہ یگانگت پیدا نہیں ہوتی جو اکٹھے سونے میں ہے۔

11 کان مروڑنے کا مقصد ایک تو یہ سمجھانا تھا کہ مقتدی اکیلا ہو تو اسے بائیں کی بجائے دائیں طرف برابر کھڑا ہونا چاہیے، دوسرا ابن عباس رضی اللہ عنہما بچے تھے، جب وہ سونے لگتے تو رسول اللہ ﷺ ان کا کان مروڑ کر ہوشیار کر دیتے، جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: ''یہیں سے بخاری نے ترجمہ باب نکالا، کیونکہ جب نمازی کو دوسرے کی نماز درست کرنے کے لیے ہاتھ سے کام لینا درست ہوا تو اپنی نماز درست کرنے کے لیے تو بطریق اولیٰ ہاتھ سے کام لینا جائز ہوگا۔ (تیسیر الباری)

٢ - بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ

2۔ باب: نماز میں بات کرنا منع ہے

١١٩٩ - حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا، فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا، وَقَالَ: « إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا » [انظر : ١٢١٦، ٣٨٧٥۔ أخرجه مسلم : ٥٣٨]

1199۔ عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ جب نماز پڑھ رہے ہوتے تو اس وقت ہم آپ کو سلام کہہ لیا کرتے تھے اور آپ ہمیں جواب دے دیا کرتے تھے۔ پھر جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے تو ہم نے آپ کو سلام کہا تو آپ نے ہمیں سلام کا جواب نہیں دیا اور فرمایا: ''نماز میں بہت بڑی مشغولیت ہے۔''

١١٩٩م - حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا هُرَيْمُ بْنُ سُفْيَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ

1199م۔ ہم سے ابن نمیر نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اسحاق ابن منصور (سلولی) نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ہُریم بن سفیان نے، انھوں نے اعمش سے، انھوں نے ابراہیم (نخعی)

عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ.

سے، انھوں نے علقمہ سے، انھوں نے عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو اسی طرح بیان کیا ہے۔

۱۲۰۰۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا عِيسَى، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ شُبَيْلٍ، عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ قَالَ: قَالَ لِي زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ: إِنْ كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، يُكَلِّمُ أَحَدُنَا صَاحِبَهُ بِحَاجَتِهِ، حَتَّى نَزَلَتْ: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ﴾ الْآيَةَ [البقرة: ٢٣٨]، فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ. [انظر: ٤٥٣٤۔ أخرجه مسلم: ٥٣٩]

1200۔ ابو عمرو شیبانی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے زمانے میں نماز میں بات کر لیا کرتے تھے، ہم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے ضرورت کی بات کر لیتا تھا، یہاں تک کہ یہ آیت اتری: ''سب نمازوں کی حفاظت کرو (اور درمیانی نماز کی اور اللہ کے لیے فرماں بردار ہو کر کھڑے رہو)'' تو ہمیں (نماز میں) خاموش رہنے کا حکم دے دیا گیا۔

فوائد 1 نماز میں جان بوجھ کر بات کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، مگر بھول کر بات کرنے سے یا بے اختیار منہ سے کچھ الفاظ نکلنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، جیسے معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابی کو نماز میں چھینک آنے پر ''يَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہہ دیا تو دوسرے صحابی اسے گھورنے لگے، اس نے کہا: ہائے! میری ماں مجھے گم پائے، کیا بات ہے؟ تم مجھے گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟ یہ ساری حدیث صحیح مسلم (۵۳۷) میں ہے۔ اس صحابی کے کلام پر آپ نے اسے نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا، بلکہ سمجھا دیا کہ نماز میں بات کرنا منع ہے۔ اسی طرح سہو کی صورت میں نماز کی اصلاح کے لیے عمداً کلام کرنے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی۔ بعض لوگ ان تمام صورتوں میں کلام سے نماز کو باطل قرار دے کر دوبارہ نماز پڑھنا واجب قرار دیتے ہیں، مگر ذوالیدین والی حدیث ان کے خلاف حجت ہے، کیونکہ اس کا کلام ''لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ'' [بخاري: ٦٠٥١] بلاشک وشبہ عمداً تھا اور صحیح بات یہی ہے کہ سہو کا یہ واقعہ نماز میں کلام منع ہونے کے بعد کا ہے، کیونکہ اسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے اور خود اس موقع پر اپنے موجود ہونے کی صراحت کی ہے اور وہ سنہ ۷ ہجری میں مسلمان ہوئے ہیں۔ نماز میں کلام کے منع ہونے کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ مکہ میں ہوا یا مدینہ میں۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہے کہ نماز میں سکوت کا حکم اور کلام کی ممانعت ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ [البقرة: ٢٣٨] کے نزول سے ہوئی جو مدنی ہے، مگر بعض لوگوں کے قول کے مطابق نماز میں سکوت کا حکم قرآن مجید کی آیت: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ [الأعراف: ٢٠٤] سے واقع ہوا۔ ان کے کہنے کے مطابق اس آیت کی رو سے مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تو دوسرے لوگوں سے کلام تو بالاولیٰ ممنوع ہوگا، کیونکہ یہ آیت بالاتفاق مکی ہے۔ اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آیت کے نزول کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے دوران آپس میں باتیں بھی کر لیتے تھے تو سورۂ فاتحہ کی قراءت کیسے منع ہوگئی؟ حقیقت یہ ہے کہ ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ کے بعد ''فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ'' سے مراد صرف قیام میں سکوت

نہیں، بلکہ ساری نماز میں سکوت کا حکم ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں وہ سکوت مراد ہے جو قراءت سری کے منافی نہیں، کیونکہ رکوع، سجود، قومہ، جلسہ اور قعدہ میں بالاتفاق سراً پڑھا جاتا ہے، اس لیے امام کے پیچھے فاتحہ آہستہ پڑھنا سکوت کے منافی نہیں اور ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ [الأعراف: ٢٠٤] سے اس کلام سے منع کیا گیا جو بلند آواز سے ہو یا دوسروں کے لیے باعث تشویش ہو اور ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ سے کسی دوسرے کے ساتھ ہر قسم کا کلام ممنوع ٹھہرا، خواہ دورانِ قراءت ہو یا دورانِ نماز سلام پھیرنے تک ہو۔ اس سے نمازی کا سورۂ فاتحہ اور دوسرے اذکار وادعیہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے سری کلام ممنوع نہیں۔

2 عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعلق ایک اختلاف یہ ہے کہ نجاشی کے پاس سے ان کی مکہ میں آمد کے وقت یہ واقعہ ہوا یا مدینہ میں آمد کے وقت، کیونکہ وہ ایک دفعہ حبشہ سے مکہ واپس آئے تھے، پھر واپس چلے گئے اور دوبارہ وہاں سے واپس آئے تو مدینہ میں آئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ آمد اس وقت تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران ان کے سلام کا جواب نہیں دیا اور یہ ان کی حبشہ سے دوسری دفعہ بدر سے پہلے مدینہ میں آمد تھی اور یہی بات درست ہے۔ اس کی تائید زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ نماز میں ایک دوسرے سے کلام ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ کے نزول کے ساتھ منع ہوا جو مدینہ میں نازل ہوئی۔ خود عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو کلثوم خزاعی نے بیان کی ہے نماز میں کلام کی ممانعت میں ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ کا ذکر موجود ہے۔ (فتح الباری)

3 "شُغْلًا" میں تنوین تنویع کے لیے ہو تو معنی ہوگا: نماز میں ایک قسم کی مشغولیت ہے اور اگر یہ تنوین تعظیم کی ہو تو معنی ہوگا: نماز میں بہت بڑی مشغولیت ہے۔ (فتح الباری) علامہ وحید الزمان نے ترجمہ کیا ہے: "نماز میں فرصت کہاں؟"

٣۔ بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ التَّسْبِيحِ وَالْحَمْدِ فِي الصَّلَاةِ لِلرِّجَالِ

3۔ باب: نماز میں مردوں کے تسبیح اور حمد کہنے کا جواز

١٢٠١۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ يُصْلِحُ بَيْنَ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، وَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَجَاءَ بِلَالٌ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَقَالَ: حُبِسَ النَّبِيُّ ﷺ فَتَؤُمُّ النَّاسَ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنْ شِئْتُمْ، فَأَقَامَ بِلَالٌ الصَّلَاةَ، فَتَقَدَّمَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَصَلَّى،

1201۔ سہل (بن سعد) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو عمرو بن عوف کے درمیان صلح کروانے کے لیے گئے اور نماز کا وقت ہو گیا تو بلال رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے میں کوئی رکاوٹ ہو گئی ہے تو کیا آپ لوگوں کی امامت کروائیں گے؟ انھوں نے کہا: ہاں! اگر تم لوگ چاہو، تو بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے اقامت کہی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور نماز پڑھانے لگے۔

فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ يَمْشِي فِي الصُّفُوفِ يَشُقُّهَا شَقًّا، حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ الْأَوَّلِ، فَأَخَذَ النَّاسُ بِالتَّصْفِيحِ - قَالَ سَهْلٌ : هَلْ تَدْرُونَ مَا التَّصْفِيحُ ؟ هُوَ التَّصْفِيقُ - وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرُوا الْتَفَتَ، فَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ فِي الصَّفِّ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ : مَكَانَكَ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللَّهَ، ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى وَرَاءَهُ، وَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلَّى . [راجع : ٦٨٤ـ أخرجه مسلم : ٤٢١ بزيادة]

اتنے میں نبی ﷺ تشریف لے آئے اور صفوں میں چلتے اور انھیں چیرتے ہوئے پہلی صف میں جا کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے تصفیح شروع کر دی۔ سہل رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ تصفیح کیا ہے؟ وہ یہی تالی بجانا ہے۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی نماز میں ادھر ادھر نہیں جھانکتے تھے، جب لوگوں نے زیادہ تالیاں بجائیں تو جھانک کر دیکھا تو نبی ﷺ صف میں موجود تھے، آپ ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہو تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کی پھر الٹے پاؤں پیچھے آ گئے اور نبی ﷺ آگے بڑھے اور آپ نے نماز پڑھائی۔

فائدہ یہ حدیث یہاں کچھ مختصر ہے، مفصل حدیث مع فوائد (۶۸۴) میں گزر چکی ہے۔ باب سے اس حدیث کی مطابقت واضح ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نماز میں ہاتھ اُٹھا کر اللہ کی حمد کی اور مفصل حدیث میں ہے کہ نماز کے بعد نبی ﷺ نے نماز میں تالیاں بجانے کی بجائے ''سبحان اللہ'' کہنے کا حکم دیا۔

٤ـ بَابُ مَنْ سَمَّى قَوْمًا أَوْ سَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى غَيْرِهِ مُوَاجَهَةً وَهُوَ لَا يَعْلَمُ

4۔ باب: جو نماز میں کسی کا نام لے یا سامنے منہ رکھتے ہوئے کسی کو سلام کہے اور (جسے سلام کہا ہے) اسے علم نہ ہو

فوائد 1 اس عمل سے نماز میں خلل آتا ہے یا نہیں، علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: ''غرض امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ ہے کہ اس طرح سلام کہنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ " اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ " میں آپ ﷺ کو سلام کہنا ہے، لیکن نمازی آپ کو مخاطب نہیں کرتا اور نہ آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوتی ہے جب تک فرشتے آپ کو خبر نہیں دیتے، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اگر کوئی قبر شریف کے پاس آپ کو مخاطب کر کے نماز میں سلام کہے تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور جو کوئی وہاں سلام کہے تو آپ خود سن لیتے ہیں جیسے دوسری حدیث میں وارد ہے۔'' (تیسیر الباری)

واضح رہے کہ علامہ مرحوم کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے: « مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا بُلِّغْتُهُ » ''جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر صلاۃ بھیجے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر صلاۃ بھیجے وہ مجھے

پہنچادی جاتی ہے۔'' مگر یہ روایت موضوع ہے۔ اسے عقیلی نے الضعفاء الکبیر (۴/۱۳۶) میں، بیہقی نے شعب الایمان (۱۴۸۱) میں اور خطیب نے تاریخ بغداد (۴/۵۹) میں روایت کیا ہے، الفاظ پہلی دو کتابوں کے ہیں۔ اس روایت اور اس مفہوم کی تمام روایات کا بے اصل ہونا محمد بن احمد بن عبد الہادی المقدسی نے اپنی لاجواب کتاب '' اَلصَّارِمُ الْمُنْكِيْ فِي الرَّدِّ عَلَى السُّبْكِيْ '' میں دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے اور حق یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہوں یا کوئی اور قبر کے پاس یا دور سے سلام کہنے والے کا سلام نہیں سنتے، نہ کچھ اور سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے: ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ [فاطر: ۲۲] ''تو ان کو ہرگز سنانے والا نہیں جو قبروں میں ہیں۔'' ہاں ! جن کے متعلق حدیث میں سننے کا ذکر ہے وہ سنتے ہیں، کیونکہ ان کے سننے کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے جو اللہ کی طرف سے آپ کو ملی اور وہ ہے بدر کے مقتول کفار سے رسول اللہ ﷺ کا خطاب، یقیناً اسے کنویں میں پھینکے جانے والے کفار نے سنا۔ [دیکھیے بخاري : ۴۰۲۶] اسی طرح میت کو دفن کرنے کے بعد واپس جانے والے لوگوں کے جوتوں کی آواز مُردہ سنتا ہے، کیونکہ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔ [دیکھیے بخاري : ۱۳۷۴]

2 جو نماز میں کسی کا نام لے: مثلاً دعا کرتے ہوئے کسی دوست، عزیز، بھائی یا بزرگ کا نام لے کر کہے: یا اللہ! فلاں کو بخش دے یا اس کے حق میں کوئی دعا کرے، بشرطیکہ اسے مخاطب نہ کرے۔ '' غَيْرِهٖ مُوَاجَهَةً '' کا یہ مطلب ہے، یا مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے والی کسی قوم کا نام لے کر بددعا کرے تو اس سے نماز میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

١٢٠٢ ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الصَّمَدِ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كُنَّا نَقُولُ : اَلتَّحِيَّةُ فِي الصَّلَاةِ وَنُسَمِّي، وَيُسَلِّمُ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ، فَسَمِعَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : « قُولُوا : اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فَإِنَّكُمْ إِذَا فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ فَقَدْ سَلَّمْتُمْ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ لِلّٰهِ

1202۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نماز میں سلام کہا کرتے تھے اور نام لیتے تھے اور ایک دوسرے کو سلام کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے سن لیا تو فرمایا: ''تم یوں کہا کرو: تمام قولی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں اور تمام بدنی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں (بھی اللہ کے لیے ہیں)، سلام تجھ پر اے نبی ! اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں، سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ کیونکہ جب تم یہ کام کرو گے تو تم نے آسمان وزمین میں موجود اللہ کے ہر صالح بندے کو سلام

صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ﴾ [راجع : ٨٣١۔ پہنچا دیا۔“
أخرجه مسلم : ٤٠٢ بزيادة]

فائدہ: اس حدیث کے مفصل فوائد حدیث (۸۳۱) میں ملاحظہ کریں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص مسئلے کا علم نہ ہونے کی وجہ سے نماز میں کوئی بات کرے اس کی نماز درست ہے۔

٥۔ بَابٌ : اَلتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ

5۔ باب: تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے

١٢٠٣۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « اَلتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ، وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ » [أخرجه مسلم : ٤٢٢]

1203۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”سبحان اللہ کہنا مردوں کے لیے اور تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے۔“

١٢٠٤۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « اَلتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ، وَالتَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ » [راجع : ٦٨٤۔ أخرجه مسلم : ٤٢١ مطولاً]

1204۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”سبحان اللہ کہنا مردوں کے لیے اور تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے۔“

فائدہ: ان احادیث کے فوائد کے لیے حدیث (۶۸۴) ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث کا تعلق نماز سے ہے کہ نماز میں امام کی خطا کی اصلاح کے لیے مرد ”سبحان اللہ“ کہیں اور عورتیں تالی بجائیں۔ نماز سے باہر مرد اور عورتیں سب ”سبحان اللہ“ کہہ سکتے ہیں، البتہ تالیاں بجانے سے دونوں کو اجتناب کرنا چاہیے۔ اسی طرح نماز میں عورت کے لیے ”سبحان اللہ“ کہنے کی ممانعت کا یہ مطلب نہیں کہ عورت کی آواز نماز کے علاوہ بھی مردوں کو سنائی دینا منع ہے، جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کے لیے غیر محرم مردوں سے لوچ دار انداز و آواز میں بات کرنا منع ہے، مضبوط لہجے میں بات کرسکتی ہے، انھیں مسائل بھی بتا سکتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴾ [الأحزاب : ٣٢] ”تو بات کرنے میں نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے طمع کر بیٹھے اور وہ بات کہو جو اچھی ہو۔“ نماز میں چونکہ اللہ تعالیٰ سے بات ہو رہی ہوتی ہے اس لیے اس میں مردوں کے

لیے کسی عورت کی آواز کے فتنہ بننے کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا۔

٦ـ بَابُ مَنْ رَجَعَ الْقَهْقَرَى فِي صَلَاتِهِ أَوْ تَقَدَّمَ بِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ

6۔ باب: جو شخص کسی پیش آنے والے معاملے کی وجہ سے اپنی نماز میں الٹے پاؤں پیچھے ہٹے یا آگے بڑھے

رَوَاهُ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [راجع : ٦٨٤]

اسے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

فائدہ: اس کی وضاحت کے لیے دیکھیے حدیث (٦٨٤)۔

١٢٠٥ـ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ يُونُسُ : قَالَ الزُّهْرِيُّ : أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ : أَنَّ الْمُسْلِمِينَ بَيْنَا هُمْ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ، وَأَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُصَلِّي بِهِمْ، فَفَجَأَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ وَهُمْ صُفُوفٌ فَتَبَسَّمَ يَضْحَكُ، فَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى عَقِبَيْهِ، وَظَنَّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُرِيدُ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الصَّلَاةِ، وَهَمَّ الْمُسْلِمُونَ أَنْ يَفْتَتِنُوا فِي صَلَاتِهِمْ فَرَحًا بِالنَّبِيِّ ﷺ حِينَ رَأَوْهُ، فَأَشَارَ بِيَدِهِ : أَنْ أَتِمُّوا، ثُمَّ دَخَلَ الْحُجْرَةَ، وَأَرْخَى السِّتْرَ، وَتُوُفِّيَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ . [راجع : ٦٨٠ـ أخرجه مسلم : ٤١٩]

1205۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس دوران میں کہ مسلمان سوموار کے دن فجر کی نماز میں مصروف تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ انھیں نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک نبی ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کی چار دیواری کا پردہ ہٹا کر ان کے لیے نمودار ہوئے اور آپ نے انھیں دیکھا جب کہ وہ صفوں میں تھے تو آپ مسکرا کر ہنسنے لگے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑیوں پر پیچھے ہٹے اور انھوں نے سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے آنے والے ہیں۔ مسلمانوں نے جب نبی ﷺ کو دیکھا تو انھوں نے آپ کی خوشی میں آزمائش میں پڑنے (یعنی نماز توڑنے) کا ارادہ کر لیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ نماز پوری کرو، پھر آپ حجرے میں تشریف لے گئے اور پردہ گرا دیا اور اسی دن فوت ہو گئے۔

فوائد: 1 اس حدیث کے بعض فوائد (٦٨٠) میں ملاحظہ کریں۔ اس باب میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہٹنے اور پھر اپنی جگہ پر جانے اور رسول اللہ ﷺ کے اس پر خاموش رہنے سے اس کام کے جواز کے لیے استدلال کیا گیا ہے۔

2 یہ حدیث دلیل ہے کہ نبی ﷺ سوموار کے دن فوت ہوئے۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوموار کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: « فِيهِ وُلِدْتُ وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ » [مسلم : ١١٦٢] ''میں اسی دن

پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔'' ایک قول یہ ہے کہ آپ کی ہجرت اور مدینہ آمد بھی سوموار کے دن تھی۔ اس لیے جو لوگ نبی ﷺ کا میلاد یعنی یوم پیدائش مناتے ہیں انھیں سال میں صرف ایک دفعہ عید میلاد کی بجائے ہر سوموار کو شکر میلاد النبی ﷺ ادا کرنا چاہیے اور وہ بھی روزہ رکھ کر، نہ کہ عید منا کر، کیونکہ عید کے متعلق تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « فَإِنَّهَا أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ » [مسند أحمد: ٨٢١] ''عید کے دن کھانے پینے کے دن ہیں۔'' حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ کی ولادت کے دن کا شکر ادا کرنے کا طریقہ سوموار کے دن روزہ رکھنا ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے آزادی ملنے کے دن کا شکر ۱۰ محرم کو روزہ رکھ کر ادا کیا، بنی اسرائیل بھی اسی لیے اس دن روزہ رکھتے تھے اور مسلمانوں کے لیے بھی اس دن روزہ رکھنا مسنون ہے۔ پھر جو لوگ آپ کے یوم پیدائش میں محفلِ میلاد سجاتے ہیں انھیں اسی دن یوم ماتم بھی منانا چاہیے، کیونکہ آپ کی وفات بھی سوموار کو ہوئی۔ جب کہ شریعت میں دونوں کام ہی ناجائز ہیں، محفل میلاد تو اس لیے کہ وہ بدعت ہے، آپ کی پیدائش کے دن یہ محفل نہ نبی ﷺ نے سجائی نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، اس لیے یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ رہی ماتم کی مجلس تو اس کی بھی اجازت نہیں، کیونکہ جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: « كُنَّا نَعُدُّ الْاِجْتِمَاعَ إِلٰى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ » [مسند أحمد : ٦٩٠٥۔ ابن ماجه : ١٦١٢، حديث صحيح] ''ہم صحابہ میت کو دفن کرنے کے بعد اس کے گھر والوں کے ہاں اجتماع اور کھانا بنانے کو نوحہ خوانی (بین کرنا) شمار کرتے تھے۔''

٧۔ بَابٌ: إِذَا دَعَتِ الْأُمُّ وَلَدَهَا فِي الصَّلَاةِ

7۔ باب: جب ماں اپنی کسی اولاد کو نماز کی حالت میں بلائے

١٢٠٦۔ وَقَالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي جَعْفَرٌ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ قَالَ : قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : « نَادَتِ امْرَأَةٌ ابْنَهَا وَهُوَ فِي صَوْمَعَةٍ، قَالَتْ : يَا جُرَيْجُ ! قَالَ : اَللّٰهُمَّ أُمِّي وَصَلَاتِي، قَالَتْ : يَا جُرَيْجُ ! قَالَ : اَللّٰهُمَّ أُمِّي وَصَلَاتِي، قَالَتْ : يَا جُرَيْجُ ! قَالَ : اَللّٰهُمَّ أُمِّي وَصَلَاتِي، قَالَتْ : اَللّٰهُمَّ لَا يَمُوتُ جُرَيْجٌ حَتّٰى يَنْظُرَ فِي وَجْهِ الْمَيَامِيسِ، وَكَانَتْ تَأْوِي إِلَى صَوْمَعَتِهِ رَاعِيَةٌ تَرْعَى الْغَنَمَ، فَوَلَدَتْ، فَقِيلَ لَهَا : مِمَّنْ هٰذَا الْوَلَدُ ؟ قَالَتْ : مِنْ جُرَيْجٍ، نَزَلَ مِنْ

1206۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک عورت نے اپنے بیٹے کو آواز دی جب وہ (اپنے) عبادت خانے میں تھا، اس نے کہا: اے جریج! اس نے کہا: یا اللہ! میری ماں (اس کا جواب دوں) یا میری نماز (اسے جاری رکھوں)! اس نے (پھر) کہا: اے جریج! اس نے کہا: اے اللہ! میری ماں اور میری نماز! اس نے (پھر) کہا: اے جریج! اس نے کہا: اے اللہ! میری ماں اور میری نماز۔ اس (ماں) نے کہا: یا اللہ! جریج فوت نہ ہو جب تک وہ بدکار عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے۔ اور جریج کے عبادت خانے (کی نچلی منزل) میں ایک بھیڑ بکریاں چرانے والی آ کر ٹھہرا کرتی

صَوْمَعَتِهِ، قَالَ جُرَيْجٌ : أَيْنَ هَذِهِ الَّتِي تَزْعُمُ أَنَّ وَلَدَهَا لِي؟ قَالَ : يَا بَابُوسُ! مَنْ أَبُوكَ؟ قَالَ : رَاعِي الْغَنَمِ » [انظر : ٢٤٨٢، ٣٤٣٦، ٣٤٦٦ـ أخرجه مسلم : ٢٥٥٠ مطولاً]

تھی، اس نے بچہ جنا، تو اس سے پوچھا گیا: یہ بچہ کس کا ہے؟ اس نے کہا: جریج کا ہے (اور کس کا)، وہ اپنے عبادت خانے سے اترا تھا۔ جریج نے کہا: وہ عورت کہاں ہے جو دعویٰ کرتی ہے کہ اس کا بچہ میرا بیٹا ہے؟ (جریج نے) کہا: اے بچے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا: بکریاں چرانے والا گڈریا۔‘‘

فوائد ومسائل: 1 حدیث میں جریج کی ماں کا اپنے بیٹے ’’ اِبْنَهَا ‘‘ کو بلانے کا ذکر ہے اور امام بخاری نے باب ’’ إِذَا دَعَتِ الْأُمُّ وَلَدَهَا ‘‘ میں ’’ وَلَدَهَا ‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ماں بیٹے کو بلائے یا بیٹی کو، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

2 ’’ اَلْمَيَامِيْسُ ‘‘ ’’ مُوْمِسَةٌ ‘‘ کی جمع ہے: زانیہ۔ ’’ بَابُوْسٌ ‘‘ بروزن ’’ جَاسُوْسٌ ‘‘ : چھوٹا بچہ، دودھ پیتا بچہ۔ ’’ صَوْمَعَةٌ ‘‘ عیسائی راہب آبادی سے دور صحرا یا جنگل میں ایک عبادت خانہ بنا لیتے تھے جس کی عموماً دو منزلیں ہوتی تھیں، وہ خود اکیلے اوپر کی منزل میں مصروفِ عبادت رہتے اور نچلی منزل میں آنے جانے والے مسافر آرام کر لیتے تھے، جمع: ’’ صَوَامِعُ ‘‘ بعض شارحین نے اس کا ترجمہ گرجا کیا ہے، یہ غلط ہے، عیسائیوں کے گرجے کو ’’ بِيْعَةٌ ‘‘ کہا جاتا ہے جس کی جمع ’’ بِيَعٌ ‘‘ ہے، یہ ان کی اجتماعی عبادت کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴾ [الحج : ٤٠] ’’اور اگر اللہ کا لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ذریعے ہٹانا نہ ہوتا تو بری طرح ڈھا دیے جاتے (راہبوں کے) جھونپڑے اور (نصرانیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں، جن میں اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔‘‘

3 ماں نماز پڑھتے ہوئے بیٹے یا بیٹی کو آواز دے تو کیا وہ اسے جواب دے یا نہ دے؟ اور اگر نماز کی حالت میں جواب دے تو نماز باقی رہے گی یا ٹوٹ جائے گی، اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے، اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے حکم واضح نہیں کیا۔ اگر تو بیٹا فرض نماز پڑھ رہا ہے تو ماں کے بلانے کا جواب نہ دے، کیونکہ فرض نماز میں بات کرنا معصیت ہے، اس لیے کہ آدمی فرض نماز پڑھ رہا ہو تو نماز توڑنا منع ہے، ہاں! اس کے بلانے پر نماز مختصر کر کے جواب دے سکتا ہے اور ایسے کرنا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’میرا ارادہ نماز لمبی پڑھنے کا ہوتا ہے، مگر میں بچے کا رونا سن کر اسے مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان ہوگی۔‘‘ [ترمذي : ٣٧٦ـ بخاري : ٧٠٨] رہی نفل نماز تو وہ نفل ہے جب کہ ماں کے بلانے پر جانا واجب ہے، اس لیے اسے جواب ضرور دے، مگر نماز ٹوٹ جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اگر اسے امید ہے کہ اگر ماں کو معلوم ہو کہ بیٹا نماز پڑھ رہا ہے تو جواب نہ دینے پر ناراض نہیں ہوگی

تو اسے کسی طریقے سے احساس دلا دے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں، مثلاً سبحان اللہ کہہ دے یا کھانس دے اور نماز مختصر کر کے حاضر ہو جائے، لیکن اگر ماں کے مزاج کی وجہ سے ڈر ہو کہ اماں ناراض ہو جائے گی تو نفل نماز توڑنے میں کوئی گناہ نہیں، نہ ہی اس کی قضا واجب ہے، کیونکہ جو کام شروع کرنا واجب نہیں اس کا پورا کرنا بھی واجب نہیں۔

4 ابن بطال نے لکھا ہے کہ پہلی امتوں میں نماز کے اندر آپس میں بات کرنا منع نہیں تھا، مگر یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ جریج کا کہنا "اَللّٰهُمَّ أُمِّيْ وَصَلَاتِيْ" کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر ماں کو جواب دیتا ہوں تو نماز جاتی ہے اور اگر جواب نہیں دیتا تو ماں جاتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔

5 اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اولاد کے حق میں ماں باپ کی دعا یا بد دعا قبول ہوتی ہے۔ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: "ماں کو خوش رکھنا اور مرنے تک اس کو راضی رکھنا بڑی سعادت اور اقبال مندی کی دلیل ہے، تجربے سے معلوم ہو گیا ہے کہ جن لڑکوں کے والدین ان سے خوش ہوتے ہیں ان کو دنیا میں بے انتہا خوشی اور فراغت رہتی ہے اور والدین کو ناراض رکھنے والے کبھی چین نہیں پاتے، ایک نہ ایک بلا میں گرفتار رہتے ہیں۔" (تیسیر الباری) بندہ عبد السلام عرض کرتا ہے کہ تجربے سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ جن لڑکوں کے استاذ ان سے خوش ہوتے ہیں ان کے علم میں برکت ہوتی ہے اور اساتذہ کو ناخوش رکھنے والوں کے علم میں اتنی برکت نہیں ہوتی۔

6 اس واقعہ سے ماں کی شفقت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، ماں مدت کے بعد آئی تھی، ملاقات سے محروم رہی، مگر اس نے بد دعا میں بھی ہاتھ ہلکا ہی رکھا، ورنہ وہ جریج کے زنا میں مبتلا ہونے کی بد دعا بھی کر سکتی تھی۔

7 اس واقعہ سے اللہ کے اولیاء کی کرامات کا بھی ثبوت ملتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کو مشکلات سے نکال دیتا ہے، فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ [الطلاق: ۲] "اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔"

8 نبی ﷺ کے بلانے پر نمازی کو نماز توڑ کر جواب دینا لازم ہے خواہ فرض پڑھ رہا ہو یا نفل، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ [الأنفال: ۲۴] "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اور رسول کی دعوت خوشی سے قبول کرو، جب وہ تمھیں اس چیز کے لیے دعوت دے جو تمھیں زندگی بخشتی ہے۔"

اس حدیث کے بعض فوائد اور پورا واقعہ وہاں آئے گا جہاں صحیح بخاری میں یہ حدیث (۳۴۳۶) مفصل آئی ہے۔

٨- بَابُ مَسْحِ الْحَصَا فِي الصَّلَاةِ

8۔ باب: نماز میں کنکریوں پر ہاتھ پھیرنا

١٢٠٧- حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مُعَيْقِيْبٌ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ

1207۔ معیقیب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے اس آدمی کو فرمایا جو سجدے کی جگہ مٹی برابر کیا کرتا تھا، آپ نے فرمایا: "اگر تمھیں ایسا کرنا ہے تو ایک دفعہ کر لیا کر۔"

يَسْجُدُ قَالَ : « إِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً » [أخرجه مسلم : ٥٤٦]

فوائد: 1 حدیث میں سجدے کی جگہ مٹی برابر کرنے کا ذکر ہے جب کہ بخاری نے باب میں کنکریوں کا ذکر کیا ہے، اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ سجدے کی جگہ برابر کرنے میں کنکریوں، تنکوں، کانٹوں اور دوسری چیزوں کا وہی حکم ہے جو مٹی کا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی جو وجہ بیان کی ہے وہ سب میں پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ سنن ابی داؤد (۹۴۶) میں مُعیقیب رضی اللہ عنہ ہی سے صحیح سند کے ساتھ یہ الفاظ آئے ہیں: « لَا تَمْسَحْ وَأَنْتَ تُصَلِّيْ، فَإِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً تَسْوِيَةَ الْحَصٰى » ''یعنی جب تو نماز پڑھ رہا ہو تو (زمین پر) ہاتھ مت پھیر اور اگر تمھیں ضروری کرنا ہے تو کنکریاں برابر کرنے کے لیے ایک دفعہ کر لے۔''

2 انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلّٰى يُنَاجِيْ رَبَّهُ » [بخاري : ٥٣١] ''تم میں سے جو شخص نماز پڑھتا ہے وہ صرف اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے۔'' ظاہر ہے کوئی آدمی بھی پسند نہیں کرے گا کہ خاص اس سے سرگوشی کرنے والا بار بار زمین پر ہاتھ پھیرتا اور کنکریاں برابر کرتا رہے تو ساری کائنات کے مالک کو یہ بات کیسے گوارا ہو سکتی ہے؟ یہ بھی اس کی خاص رحمت ہے کہ اس نے نماز میں ایک بار ایسا کرنے کی اجازت دے دی ہے کہ اس کے بندوں کو سجدے کی حالت میں تکلیف نہ ہو۔

3 بہتر یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے سجدے کی جگہ ہموار کر لے اور پریشان کرنے والی ہر چیز ہٹا دے۔

4 مُعیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی رضی اللہ عنہ: یہ بنو عبد شمس کے حلیف تھے، قدیم الاسلام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی کے محافظ تھے، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے انھیں بیت المال کا محافظ بنایا۔ انھیں جذام کا مرض ہو گیا تھا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے اطباء کو جمع کیا تو مرض رک گیا، یہ وہی ہیں جن کے ہاتھ سے عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں نبی ﷺ کی انگوٹھی گر گئی تھی۔ ان سے سات حدیثیں مروی ہیں، صحیح بخاری میں ان سے ایک ہی حدیث مروی ہے۔ (کتب رجال)

٩ - بَابُ بَسْطِ الثَّوْبِ فِي الصَّلَاةِ لِلسُّجُوْدِ

١٢٠٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا بِشْرٌ، حَدَّثَنَا غَالِبٌ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ شِدَّةِ الْحَرِّ، فَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَحَدُنَا أَنْ يُمَكِّنَ وَجْهَهُ مِنَ الْأَرْضِ بَسَطَ ثَوْبَهُ فَسَجَدَ عَلَيْهِ . [راجع : ٣٨٥]

9- باب: نماز میں سجدے کے لیے کپڑا بچھانا

1208- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ شدید گرمی میں نماز پڑھتے تھے تو جب ہم میں سے کوئی شخص زمین پر اپنا چہرہ جما کر نہ رکھ سکتا تو اپنا کپڑا بچھا لیتا اور اس پر سجدہ کر لیتا۔

أخرجه مسلم : ٦٢٠]

فائدہ: اس حدیث کی شرح (۳۸۵) میں گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سجدے میں ماتھا اور ناک زمین پر جما کر رکھنے چاہئیں۔ آخرت میں اس کے فائدے کا تو شمار ہی نہیں، دنیا میں مسلسل اس عمل کی برکت سے پرانے سے پرانا زکام دور ہو جاتا ہے۔ (والحمد للہ)

١٠ـ بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ

10۔ باب: نماز میں جو کام جائز ہیں

١٢٠٩ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كُنْتُ أَمُدُّ رِجْلَيَّ فِي قِبْلَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي، فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَرَفَعْتُهَا، فَإِذَا قَامَ مَدَدْتُهَا. [راجع: ٣٨٢ـ أخرجه مسلم: ٥١٢، وأخرجه: ٧٤٤]

1209۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آپ کے قبلے کی جانب اپنے پاؤں پھیلائے ہوئے ہوتی۔ پھر جب آپ سجدہ کرتے تو میرا پاؤں دباتے تو میں پاؤں اٹھا لیتی، پھر جب آپ کھڑے ہو جاتے تو میں انھیں پھیلا دیتی۔

فائدہ: اس کے فوائد حدیث (۳۸۲) میں گزر چکے ہیں۔

١٢١٠ـ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ، حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ صَلَّى صَلَاةً قَالَ: «إِنَّ الشَّيْطَانَ عَرَضَ لِي فَشَدَّ عَلَيَّ لِيَقْطَعَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ، فَأَمْكَنَنِي اللَّهُ مِنْهُ، فَذَعَتُّهُ، وَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أُوثِقَهُ إِلَى سَارِيَةٍ حَتَّى تُصْبِحُوا فَتَنْظُرُوا إِلَيْهِ، فَذَكَرْتُ قَوْلَ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي، فَرَدَّهُ اللَّهُ خَاسِيًا»

1210۔ ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک نماز پڑھی، (اس کے بعد) فرمایا: ''شیطان میرے سامنے آیا اور اس نے مجھ پر حملہ کر دیا، تاکہ وہ میری نماز توڑ دے، اللہ تعالیٰ نے اسے میرے قابو میں کر دیا تو میں نے اس کا گلا گھونٹا (یا میں نے اسے دھکا دیا) اور میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے کسی ستون سے باندھ دوں، تاکہ تم صبح کو اسے دیکھو، پھر مجھے سلیمان علیہ السلام کی بات یاد آئی: ''اے میرے رب! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو'' تو اللہ نے اسے ذلیل کر کے واپس ہٹا دیا۔''

ثُمَّ قَالَ النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ : فَذَعَتُّهُ بِالذَّالِ، أَيْ : خَنَقْتُهُ، وَفَدَعَتُّهُ مِنْ قَوْلِ اللّٰهِ : ﴿ يَوْمَ يُدَعُّونَ ﴾ [الطور : ١٣] أَيْ يُدْفَعُونَ، وَالصَّوَابُ فَدَعَتُّهُ، إِلَّا أَنَّهُ كَذَا قَالَ، بِتَشْدِيدِ الْعَيْنِ وَالتَّاءِ . [راجع : ٤٦١ـ أخرجه مسلم : ٥٤١]

پھر نضر بن شمیل نے کہا: "فَذَعَتُّهُ" کا معنی ہے: میں نے اس کا گلا گھونٹا اور "فَدَعَتُّهُ" اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے: ﴿ يَوْمَ يُدَعُّونَ ﴾ (یعنی جس دن وہ دھکیلے جائیں گے) اور درست "فَدَعَتُّهُ" ہے، مگر راوی نے ایسے ہی عین اور تاء کی تشدید کے ساتھ کہا ہے۔

فوائد 1 اس حدیث کی شرح (۴۶۱) میں گزر چکی ہے، چند مزید فوائد یہ ہیں: یہاں یہ اعتراض نہ ہوگا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ جس راستے سے گزر رہے ہوں شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے، جب شیطان عمر رضی اللہ عنہ سے ایسا ڈرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیسے آ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو عمر رضی اللہ عنہ سے کہیں افضل ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چور، ڈاکو، بدمعاش پولیس سے زیادہ ڈرتے ہیں بادشاہ سے اتنا نہیں ڈرتے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بادشاہ کو ہم پر رحم آ جائے گا۔ اس سے یہ نہیں نکلتا کہ پولیس کا سپاہی بادشاہ سے افضل ہے۔ [تيسير الباري باصلاح يسير]

2 اس حدیث سے امام بخاری نے نکالا کہ کسی دشمن کو دھکیلنا یا اسے دھکا دینا اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے کتاب الصلاۃ میں اہلِ حدیث کا یہ مذہب صحیح قرار دیا کہ نماز میں کھنکارنا یا گھر میں کوئی نہ ہو تو (قبلے کی طرف) دروازہ کھول دینا، سانپ بچھو نکلے تو اس کا مار ڈالنا، سلام کا جواب ہاتھ کے اشارے سے دینا، کسی ضرورت سے آگے یا پیچھے سرک جانا، یہ سب کام درست ہیں، ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (تيسير الباري)

١١ـ بَابٌ : إِذَا انْفَلَتَتِ الدَّابَّةُ فِي الصَّلَاةِ

11۔ باب: جب نماز میں جانور چھوٹ جائے

وَقَالَ قَتَادَةُ : إِنْ أُخِذَ ثَوْبُهُ يَتْبَعُ السَّارِقَ وَيَدَعُ الصَّلَاةَ .

اور قتادہ نے کہا: جب چور نمازی کا کپڑا لے جائے تو اس کا پیچھا کرے اور نماز چھوڑ دے۔

فائدہ یہ اثر مصنف عبد الرزاق (۳۲۹۱) میں باسند آیا ہے، وہاں اس میں اس سے پہلے یہ الفاظ ہیں کہ قتادہ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے، وہ ایک بچے کو کنویں کے کنارے پر دیکھتا ہے اور ڈرتا ہے کہ اس میں گر جائے گا؟ انھوں نے کہا: "اس کے لیے نماز چھوڑ دے۔"

١٢١١ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا الْأَزْرَقُ ابْنُ قَيْسٍ قَالَ : كُنَّا بِالْأَهْوَازِ نُقَاتِلُ الْحَرُورِيَّةَ، فَبَيْنَا أَنَا عَلَى جُرُفِ نَهَرٍ إِذَا رَجُلٌ يُصَلِّي، وَإِذَا لِجَامُ

1211۔ ازرق بن قیس نے کہا: ہم اہواز میں حروریہ (خوارج) سے لڑ رہے تھے کہ ایک دفعہ میں ایک نہر کے کنارے پر تھا، دیکھا تو ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا اور اس کی

دَابَّتِهِ بِيَدِهِ، فَجَعَلَتِ الدَّابَّةُ تُنَازِعُهُ، وَجَعَلَ يَتْبَعُهَا - قَالَ شُعْبَةُ: هُوَ أَبُو بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيُّ - فَجَعَلَ رَجُلٌ مِنَ الْخَوَارِجِ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ افْعَلْ بِهٰذَا الشَّيْخِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ الشَّيْخُ، قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ قَوْلَكُمْ وَ إِنِّي غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ سِتَّ غَزَوَاتٍ، أَوْ سَبْعَ غَزَوَاتٍ أَوْ ثَمَانَ وَشَهِدْتُ تَيْسِيرَهُ، وَ إِنِّي أَنْ كُنْتُ أَنْ أُرَاجِعَ مَعَ دَابَّتِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَدَعَهَا تَرْجِعُ إِلَى مَأْلَفِهَا فَيَشُقُّ عَلَيَّ.

[انظر: ٦١٢٧]

گھوڑی کی لگام اس کے ہاتھ میں تھی، گھوڑی اس سے لگام کھینچنے لگی اور وہ اس کے پیچھے پیچھے جانے لگا۔ شعبہ نے کہا: وہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک خارجی کہنے لگا: یا اللہ! اس بوڑھے کے ساتھ ایسے ایسے کر۔ جب وہ بوڑھا فارغ ہوا تو اس نے کہا: میں نے تمھاری بات سن لی اور میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چھ یا سات یا آٹھ جنگیں لڑی ہیں اور میں نے آپ کے آسانیاں دینے کا مشاہدہ کیا اور میں اپنی گھوڑی کے ساتھ جاؤں تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں اسے چھوڑ دوں اور وہ اپنی مانوس جگہ پر چلی جائے اور یہ میرے لیے دشواری کا باعث بنے۔

١٢١٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَرَأَ سُورَةً طَوِيلَةً، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ اسْتَفْتَحَ بِسُورَةٍ أُخْرَى، ثُمَّ رَكَعَ حَتَّى قَضَاهَا وَسَجَدَ، ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ فِي الثَّانِيَةِ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوا حَتَّى يُفْرَجَ عَنْكُمْ، لَقَدْ رَأَيْتُ فِي مَقَامِي هٰذَا كُلَّ شَيْءٍ وُعِدْتُهُ، حَتَّى لَقَدْ رَأَيْتُ أُرِيدُ أَنْ آخُذَ قِطْفًا مِنَ الْجَنَّةِ حِينَ رَأَيْتُمُونِي جَعَلْتُ أَتَقَدَّمُ، وَلَقَدْ رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَأَخَّرْتُ، وَرَأَيْتُ فِيهَا عَمْرَو بْنَ لُحَيٍّ وَهُوَ الَّذِي سَيَّبَ السَّوَائِبَ» [راجع: ١٠٤٤ - أخرجه مسلم: ٩٠١]

1212۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: سورج گرہن ہو گیا تو نبی ﷺ (نماز میں) کھڑے ہو گئے، آپ نے ایک لمبی سورت پڑھی، پھر رکوع کیا اور لمبا رکوع کیا، پھر اپنا سر اٹھایا، پھر ایک اور سورت شروع کر دی، پھر رکوع کیا، حتی کہ وہ رکعت پوری کی اور سجدے میں گئے، پھر دوسری رکعت میں ایسے ہی کیا، پھر فرمایا: ''یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جب تم اسے دیکھو تو نماز پڑھو یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے۔ میں نے اپنی اس جگہ میں ہر وہ چیز دیکھ لی جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ جنت سے ایک خوشہ توڑ لوں، جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں آگے بڑھنے لگا ہوں اور میں نے جہنم کو دیکھا اس کا بعض بعض کو توڑ رہا ہے، جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا ہوں اور میں نے اس میں عمرو بن لحی کو دیکھا، یہی وہ شخص تھا جس نے (عرب میں بتوں کے

نام پر) سانڈ چھوڑے۔"

فوائد ومسائل: 1 آزرق بن قیس والی روایت میں مذکور واقعہ سنہ ۶۵ ہجری کا ہے۔ خارجیوں نے نافع بن ازرق کے ساتھ بصرہ کا محاصرہ کر لیا، حتیٰ کہ وہ قتل ہو گیا اور بصرہ کے امراء کی ایک جماعت بھی قتل ہو گئی، آخر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ کو بصرہ کا والی اور مہلب کو خوارج سے لڑنے کے لیے امیر مقرر کیا۔ اہواز سے مراد بصرہ اور ایران کے درمیان کئی بستیاں ہیں۔ اس نہر سے مراد دجلہ ہے، عربی میں دریا کو نہر کہتے ہیں، جیسے نہر نیل اور فرات اور "جُرُف" اس کنارے کو کہتے ہیں جس کے نیچے سے سیلاب نے مٹی نکال دی ہو، جیسے فرمایا: ﴿ أَمْ مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ﴾ [التوبة: ۱۰۹] "یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کھوکھلے تودے کے کنارے پر رکھی، جو گرنے والا تھا؟ پس وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر گیا۔"

2 اسماعیلی کی روایت میں یوں ہے کہ گھوڑی قبلے کی طرف بھاگی، ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے آگے چل کر اسے پکڑ لیا اور پھر پچھلے پاؤں لوٹ آئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ خارجی مردود کہنے لگا: اس گدھے کو دیکھو اس نے گھوڑی کے لیے نماز چھوڑ دی۔ عمرو بن مرزوق نے اسے کہا: اللہ تجھے ذلیل کرے، تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو گالیاں دیتا ہے۔ اس قصے سے امام بخاری نے یہ نکالا کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز نہیں توڑی، حالانکہ آگے چلے اور پیچھے لوٹے، اگر انھوں نے نماز توڑ دی ہوتی تو پچھلے پاؤں کیوں لوٹتے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں نکالا کہ امام حسن بصری نے کہا: نماز پڑھتے میں گھوڑا بھاگے تو نماز چھوڑ کر اسے پکڑ لے اور اگر قبلہ کی طرف پیٹھ ہو گئی تو نماز دوبارہ پڑھے۔ (تیسیر الباری)

3 خوارج مردود نے دین اسلام کو جو سب دینوں سے آسان ہے مشکل بنا رکھا تھا، ذری ذری سی بات میں کفر کا فتویٰ دینا، ہر گناہ گار کو کافر قرار دے کر اس کے قتل کے درپے ہونا ان کا شعار تھا۔ ظاہر میں بڑے متقی، پرہیز گار، سر منڈا ہوا، پوری ڈاڑھی، مگر دل میں ذرا بھی نور ایمان نہ تھا۔ (تیسیر الباری)

4 سورج گرہن والی حدیث سے باب کا مطلب ان الفاظ سے نکلتا ہے کہ "میں آگے بڑھنے لگا ہوں" پھر فرمایا: "میں پیچھے ہٹا ہوں۔"

5 وَهُوَ الَّذِي سَيَّبَ السَّوَائِبَ: جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِن بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ﴾ [المائدة: ۱۰۳] "اللہ نے نہ کوئی کان پھٹی اونٹنی مقرر فرمائی ہے اور نہ کوئی سانڈ چھٹی ہوئی اور نہ کوئی اوپر تلے بچے دینے والی مادہ اور نہ کوئی بچوں کا باپ اونٹ۔" عرب لوگ جاہلیت کے زمانہ میں بتوں کے نام پر کسی جانور کو منت مان کر چھوڑ دیتے، وہ کھاتا، چرتا پھرتا، کوئی اس پر سواری نہ کرتا، اسے سائبہ کہتے۔ ہندوستان کے مشرک اسے سانڈ کہتے ہیں۔ (تیسیر الباری)

١٢ - بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْبُصَاقِ وَالنَّفْخِ فِي الصَّلَاةِ

12- باب: نماز میں تھوکنے اور پھونک مارنے کا جواز

وَيُذْكَرُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو: نَفَخَ النَّبِيُّ ﷺ فِي سُجُودِهِ فِي كُسُوفٍ.

اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بیان کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے نماز کسوف کے سجدے میں پھونک ماری۔

فائدہ سنن ابی داود (١١٩٤) میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے نبی ﷺ کی صلاۃ کسوف کی حدیث مفصل آئی ہے، اس کے آخر میں ہے: «ثُمَّ نَفَخَ فِي آخِرِ سُجُوْدِهِ، فَقَالَ: أُفْ أُفْ» ''یعنی آپ نے اپنے سجدے کے آخر میں پھونک ماری اور کہا: ''اُف اُف۔'' اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں گھبراہٹ اور خوف کی وجہ سے اگر منہ سے پھونک کی آواز نکلے یا اُف اُف اور اس جیسا کوئی لفظ نکل جائے تو نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ پھونک مارنے سے اگر ایک حرف کی آواز پیدا ہو تو نماز درست ہے، اگر دو حرفوں کی آواز نکلے اور عمداً ایسا کرے تو نماز باطل ہے، ان کی یہ بات درست نہیں۔

١٢١٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، فَتَغَيَّظَ عَلَى أَهْلِ الْمَسْجِدِ، وَقَالَ: «إِنَّ اللَّهَ قِبَلَ أَحَدِكُمْ، فَإِذَا كَانَ فِي صَلَاتِهِ فَلَا يَبْزُقَنَّ» أَوْ قَالَ: «لَا يَتَنَخَّمَنَّ» ثُمَّ نَزَلَ فَحَتَّهَا بِيَدِهِ.

1213- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مسجد کے قبلہ میں ایک کھنکار دیکھا تو مسجد والوں پر غصے ہوئے اور فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں ہوتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے، اس لیے وہ ہرگز نہ تھوکے'' یا فرمایا: ''وہ ہرگز کھنکار نہ پھینکے۔'' پھر آپ اترے اور اسے اپنے ہاتھ سے کھرچ دیا۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: إِذَا بَزَقَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْزُقْ عَلَى يَسَارِهِ. [راجع: ٤٠٦- أخرجه مسلم: ٥٤٧]

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جب تم میں سے کوئی تھوکے تو اپنی بائیں جانب تھوکے۔

فائدہ اس حدیث کے فوائد (٤٠٥) اور (٤٠٦) میں ملاحظہ کریں۔ اگرچہ اس روایت میں موقوفاً یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول مروی ہے، مگر آگے جو روایت ہے اس میں مرفوعاً مروی ہے تو حدیث باب کے مطابق ہوگئی اور نماز میں تھوکنے کا جواز معلوم ہوا۔ (تیسیر الباری) اور ظاہر ہے کہ تھوکنے کے ساتھ پھونک بھی نکلتی ہے، اس لیے امام صاحب نے تھوکنے اور پھونکنے کا

ذکر اکٹھا کیا۔

١٢١٤۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ : سَمِعْتُ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ، فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ عَنْ شِمَالِهِ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى » [راجع : ٢٤١ـ أخرجه مسلم : ٤٩٣ بقطعة ليست في هذه الطريق وأخرجه : ٥٥١ بهذا اللفظ]

1214۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی نماز کی حالت میں ہو تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے، اس لیے وہ نہ اپنے سامنے تھوکے اور نہ اپنی دائیں جانب، بلکہ اپنی بائیں جانب اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے۔''

فائدہ اس کی شرح حدیث (۲۴۱) میں گزر چکی ہے۔

١٣ـ بَابٌ : مَنْ صَفَّقَ جَاهِلًا مِنَ الرِّجَالِ فِي صَلَاتِهِ لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُ

13۔ باب: کوئی مرد ناواقفیت کی وجہ سے نماز میں تالی بجا دے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی

فِيهِ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [راجع : ٦٨٤]

اس کے بارے میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے حدیث ثابت ہے۔

فائدہ یہ مفصل حدیث صحیح بخاری (۶۸۴) اور (۱۲۳۴) میں ہے، باب سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ جن صحابہ نے مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نماز میں تالی بجائی نبی کریم ﷺ نے انھیں نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا۔

١٤ـ بَابٌ : إِذَا قِيلَ لِلْمُصَلِّي : تَقَدَّمْ أَوِ انْتَظِرْ، فَانْتَظَرَ فَلَا بَأْسَ

14۔ باب: جب نمازی سے کہا جائے کہ ''آگے ہو جا'' یا ''انتظار کر'' اور وہ انتظار کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں

١٢١٥۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُمْ عَاقِدُو أُزْرِهِمْ مِنَ الصِّغَرِ عَلَى رِقَابِهِمْ، فَقِيلَ

1215۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ نبی ﷺ کے ساتھ اس حال میں نماز پڑھتے تھے کہ وہ اپنی چادریں چھوٹی ہونے کی وجہ سے انھیں گردنوں پر باندھے ہوتے تھے تو عورتوں سے کہا گیا: ''تم اس وقت تک اپنے سر نہ اٹھانا

لِلنِّسَاءِ : « لَا تَرْفَعْنَ رُءُوسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوسًا » . [راجع : ٣٦٢ـ أخرجه مسلم : ٤٤١]

جب تک مرد سیدھے ہو کر نہ بیٹھ جائیں۔"

فوائد 1 اس حدیث کے کچھ فوائد (۳۶۲) میں گزر چکے ہیں۔ باب کا مطلب یہ ہے کہ اگر نمازی اس شخص کے کہنے پر عمل کرے جو نماز میں نہیں ہے تو اس کی نماز میں کوئی خلل نہ آئے گا۔ (تیسیر الباری) اس باب سے ان حضرات کا رد مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اگر نمازی باہر سے کسی کی اصلاح قبول کرے تو اس کی نماز باطل ہے، حتیٰ کہ نمازی قرآن کی قراءت میں بھی نماز سے باہر والے آدمی کا لقمہ قبول نہیں کر سکتا۔ صحیح یہی ہے کہ نماز کی اصلاح کے لیے باہر کے آدمی کی بات قبول کرنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔ امام مالک سترے سے کچھ دور نماز پڑھ رہے تھے، ایک آدمی نے ان سے کہا: "تَقَدَّمْ أَيُّهَا الْمُصَلِّيْ!" "اے نمازی! آگے ہو جا" تو وہ سترے کے قریب ہو گئے اور ساتھ یہ کہا: ﴿ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ﴾ [النساء: ۱۱۳] "اور تجھے وہ کچھ سکھایا جو تو نہیں جانتا۔"

2 عورتوں کو سر نہ اٹھانے کا حکم اس لیے دیا تاکہ ان کی نگاہ مردوں کے ستر پر نہ پڑے۔ مگر اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ عورتوں سے یہ اس وقت کہا جاتا تھا جب وہ نماز میں ہوتی تھیں۔ تو باب کا مطلب حدیث سے نکلنا دشوار ہے اور اس کی توجیہ اس طرح ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ گو لفظ میں دو احتمال ہوتے ہیں جب بھی وہ اس سے دلیل لیتے ہیں اور یہاں بھی یہ احتمال ہے کہ عورتوں سے یہ نماز کی حالت میں کہا گیا ہو اور جب عورتوں سے یہ کہا گیا کہ تم اپنے سر اس وقت تک نہ اٹھاؤ جب تک مرد سیدھے نہ بیٹھ جائیں تو مردوں کا عورتوں سے آگے بڑھنا بھی نکل آیا۔ (تیسیر الباری) مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ظاہر یہی ہے کہ عورتوں سے یہ بات ان کے نماز شروع کرنے سے پہلے کہی گئی ہو، تاکہ وہ نماز میں اس پر عمل کر سکیں، مگر عین ممکن ہے کہ نماز شروع کرنے کے بعد جب ان میں سے کسی عورت نے اس حکم پر عمل نہ کیا ہو یا بعد میں آنے کی وجہ سے اسے یہ حکم معلوم ہی نہ ہو تو نماز کے دوران آنے والے کسی صحابی نے ان کے نماز پڑھنے کے دوران یہ بات پھر کہہ دی ہو کہ جب تک مرد سجدے سے اٹھ کر بیٹھ نہ جائیں تم اپنے سر مت اٹھاؤ۔

١٥ـ بَابٌ : لَا يَرُدُّ السَّلَامَ فِي الصَّلَاةِ

15۔ باب: نماز میں سلام کا جواب نہ دے

١٢١٦ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ : كُنْتُ أُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيَّ، فَلَمَّا رَجَعْنَا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ وَقَالَ : « إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا »

1216۔ عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کو اس وقت سلام کہہ لیا کرتا تھا جب آپ نماز میں ہوتے اور آپ مجھے جواب دیا کرتے تھے۔ تو جب ہم (نجاشی کے پاس سے) واپس آئے تو میں نے سلام کہا، مگر آپ نے جواب نہیں دیا اور (بعد میں) فرمایا: "نماز میں

[راجع : ۴۰۰۔ أخرجه مسلم : ۵۴۰]

بہت بڑی مشغولیت ہے۔"

فائدہ: اس کی شرح حدیث (۱۱۹۹) میں گزر چکی ہے۔

۱۲۱۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ شِنْظِيرٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي حَاجَةٍ لَهُ فَانْطَلَقْتُ ثُمَّ رَجَعْتُ وَقَدْ قَضَيْتُهَا، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ، فَوَقَعَ فِي قَلْبِي مَا اللَّهُ أَعْلَمُ بِهِ، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي: لَعَلَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَجَدَ عَلَيَّ أَنِّي أَبْطَأْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ، فَوَقَعَ فِي قَلْبِي أَشَدُّ مِنَ الْمَرَّةِ الْأُولَى، ثُمَّ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيَّ فَقَالَ: «إِنَّمَا مَنَعَنِي أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ أَنِّي كُنْتُ أُصَلِّي» وَكَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ مُتَوَجِّهًا إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ. [راجع : ۴۰۰۔ أخرجه مسلم : ۵۴۰]

1217۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک کام کے لیے بھیجا، میں چلا گیا، جب وہ کام کر کے واپس آیا تو میں نے نبی ﷺ کے پاس آ کر سلام کہا، آپ نے مجھے جواب نہیں دیا، تو میرے دل میں ایسے ایسے خیال آئے جنھیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا: شاید رسول اللہ ﷺ مجھ پر اس لیے ناراض ہو گئے ہیں کہ میں نے ان کے پاس آنے میں دیر کر دی ہے، میں نے پھر آپ کو سلام کہا تو آپ نے جواب نہیں دیا، اب میرے دل میں پہلی بار سے بھی زیادہ رنج ہوا۔ میں نے پھر آپ کو سلام کہا تو (اس بار) آپ نے مجھے جواب دیا اور فرمایا: "میں نے تمھیں سلام کا جواب اس لیے نہیں دیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔" آپ اس وقت اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور آپ کا منہ قبلہ سے دوسری جانب تھا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام کا جواب زبان سے دینا جائز نہیں، ہاں! اشارے سے جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دفعہ نماز کی حالت میں ہونے کی وجہ سے اشارے کے ساتھ جواب دیا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ نمازی کو اشارے سے بھی سلام کا جواب نہیں دینا چاہیے اور اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اشارے سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ نماز میں سلام مت کہو، مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی یہ تاویل نہیں ہو سکتی، انھوں نے کہا: نبی ﷺ (مسجد) قبا میں گئے، اس میں نماز پڑھنے لگے تو انصار آپ کے پاس آئے، وہ آپ کو سلام کہنے لگے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: «كَيْفَ رَأَيْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِينَ كَانُوا يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّي؟ قَالَ: يَقُولُ: هٰكَذَا، وَبَسَطَ كَفَّهُ» [أبو داود : ۹۲۷] "آپ نے رسول اللہ ﷺ کو کس طرح لوگوں کو جواب دیتے ہوئے دیکھا جب وہ آپ کو سلام کہتے تھے؟ انھوں نے کہا: اس طرح کرتے تھے اور انھوں نے اپنی ہتھیلی کو پھیلا

دیا۔" نبی ﷺ کے ہاتھ سے اشارہ کرنے کی جن حضرات نے یہ تاویل کی ہے کہ آپ کا مقصد سلام کا جواب دینا نہیں تھا بلکہ سلام کہنے سے روکنا تھا انھوں نے یہ خیال نہ کیا کہ اس تاویل سے ان کے ایک اور مسئلے کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے، کیونکہ ان حضرات کا مذہب ہے کہ جو شخص نماز میں باہر والے شخص کو ایسا اشارہ کرے جسے وہ سمجھ جائے تو اس کی نماز باطل ہو گئی۔ رہا نماز میں ایسے اشارے کا جواز جو نماز سے باہر والے کی سمجھ میں آ جائے تو امام بخاری رحمہ اللہ نے "كِتَابُ السَّهْوِ" کے آخر میں ایک باب خاص اس مقصد کے لیے باندھا ہے۔

١٦ - بَابُ رَفْعِ الْأَيْدِي فِي الصَّلَاةِ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ

١٢١٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: بَلَغَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنَّ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ بِقُبَاءٍ كَانَ بَيْنَهُمْ شَيْءٌ، فَخَرَجَ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فِي أُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَحُبِسَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَجَاءَ بِلَالٌ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ حُبِسَ وَقَدْ حَانَتِ الصَّلَاةُ، فَهَلْ لَكَ أَنْ تَؤُمَّ النَّاسَ؟ قَالَ: نَعَمْ إِنْ شِئْتَ، فَأَقَامَ بِلَالٌ الصَّلَاةَ، وَتَقَدَّمَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَكَبَّرَ لِلنَّاسِ، وَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَمْشِي فِي الصُّفُوفِ يَشُقُّهَا شَقًّا حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ، فَأَخَذَ النَّاسُ فِي التَّصْفِيحِ - قَالَ سَهْلٌ: التَّصْفِيحُ هُوَ التَّصْفِيقُ - قَالَ: وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ الْتَفَتَ فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ يَأْمُرُهُ أَنْ

16- باب: کسی پیش آنے والے معاملے کی وجہ سے نماز میں ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا

1218- سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ قبا میں بنو عمرو بن عوف کے درمیان کچھ جھگڑا ہوا ہے تو آپ ان میں صلح کروانے کے لیے اپنے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ وہاں گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو وہاں رکنا پڑ گیا، ادھر نماز کا وقت ہو گیا تو بلال رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: ابوبکر! رسول اللہ ﷺ کو کوئی رکاوٹ پیش آ گئی ہے تو کیا آپ لوگوں کو امامت کرائیں گے؟ انھوں نے کہا: ہاں! اگر تم چاہو۔ چنانچہ بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کی اقامت کہی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے ہو گئے اور لوگوں (کو جماعت کرانے) کے لیے اللہ اکبر کہا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ صفوں میں چلتے ہوئے آ گئے اور انھیں چیرتے چیرتے پہلی صف میں آ کھڑے ہوئے، تو لوگوں نے تصفیح شروع کر دی۔ سہل رضی اللہ عنہ نے کہا: تصفیح تالی بجانے کو کہتے ہیں۔ کہا: اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز میں ادھر ادھر نہیں جھانکتے تھے، جب لوگوں نے زیادہ ہی تالیاں بجائیں تو انھوں نے جھانکا، دیکھا تو رسول اللہ ﷺ موجود ہیں۔ آپ

يُصَلِّيَ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَدَهُ فَحَمِدَ اللّٰهَ، ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى وَرَاءَهُ حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ، وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلَّى لِلنَّاسِ .

نے انھیں اشارہ کر کے نماز پڑھانے کا حکم دیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اٹھا دیے اور اللہ کی حمد کی، پھر الٹے پاؤں پیچھے آکر صف میں کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے آگے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔

فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ : « يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! مَا لَكُمْ حِينَ نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي الصَّلَاةِ أَخَذْتُمْ بِالتَّصْفِيحِ ؟ إِنَّمَا التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ، مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَقُلْ : سُبْحَانَ اللّٰهِ » ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ : « يَا أَبَا بَكْرٍ ! مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ لِلنَّاسِ حِينَ أَشَرْتُ إِلَيْكَ؟ » قَالَ أَبُو بَكْرٍ : مَا كَانَ يَنْبَغِي لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ .
[راجع : ٦٨٤ـ أخرجه مسلم : ٤٢١]

جب فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا: ''لوگو! تمھیں کیا ہے کہ جب تمھیں نماز میں کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو تم تالیاں بجانے لگتے ہو؟ تالی بجانا تو عورتوں کے لیے ہے، جسے نماز میں کوئی معاملہ پیش آئے وہ سبحان اللہ کہے۔'' پھر آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''لوگوں کو نماز پڑھانے سے تمھیں کس چیز نے منع کیا جب میں نے تمھیں اس کا اشارہ بھی کر دیا؟'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوقحافہ کے بیٹے کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے آگے نماز پڑھاتا۔

فوائد 1 اس کے اکثر فوائد حدیث (۶۸۴) میں گزر چکے ہیں، چند مزید یہ ہیں: اس روایت میں ہے: '' فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَهُ '' جبکہ کُشْمِيهَنِيّ کی روایت میں: '' يَدَيْهِ '' ہے، یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ یہاں سے باب کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ نماز میں دعا وغیرہ کے لیے ہاتھ اٹھانے سے نماز باطل نہیں ہوتی، خواہ اس جگہ ہاتھ نہ اٹھائے جاتے ہوں، کیونکہ یہ عاجزی اور خود سپردگی کی حالت ہے۔ (فتح الباری)
2 رسول اللہ ﷺ سے فجر کی نماز میں دعائے قنوت کے لیے ہاتھ اٹھانا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ بعض حضرات وتر کے قنوت میں ہاتھ اٹھانا درست نہیں سمجھتے، مگر فرض نماز میں قنوت کے لیے ہاتھ اٹھانے کے بعد وتر میں ہاتھ اٹھانے کے لیے الگ ثبوت کی ضرورت نہیں، کیونکہ کوئی عمل فرض نماز میں ثابت ہو تو نفل میں اس کے لیے الگ ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

١٧ ـ بَابُ الْخَصْرِ فِي الصَّلَاةِ

17۔ باب: نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا

١٢١٩ ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ،

1219۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

قَالَ: نُهِيَ عَنِ الْخَصْرِ فِي الصَّلَاةِ .

وَقَالَ هِشَامٌ وَ أَبُو هِلَالٍ : عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . [انظر : ۱۲۲۰۔ أخرجه مسلم : ٥٤٥]

اور ہشام اور ابو ہلال نے ابن سیرین سے، انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

۱۲۲۰۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: نُهِيَ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ مُخْتَصِرًا .
[۱۲۱۹۔ أخرجه مسلم : ٥٤٥]

1220۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: آدمی کو کوکھ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

فوائد 1 "اَلْخَصْرُ" اور "اِخْتِصَارٌ" یہاں ایک چیز کا نام ہے، یعنی "خَاصِرَۃٌ" (کوکھ) پر ہاتھ رکھنا، خواہ ایک ہاتھ رکھے یا دونوں۔ ترمذی نے اپنی جامع میں "اِخْتِصَارٌ" کی یہی تعریف بیان کی ہے۔ نسائی کے باب سے بھی یہی ظاہر ہے۔ (فتح الباری) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں "نُهِيَ" کے الفاظ ہیں، یعنی منع کیا گیا ہے۔ یہ وضاحت نہیں کہ کس نے منع کیا ہے۔ ہشام اور ابو ہلال والی روایت میں صراحت ہے کہ اس فعل سے نبی ﷺ نے منع کیا ہے۔ یہ صراحت نہ بھی ہو تو صحابی کا یہ کہنا کہ "فلاں کام سے منع کیا گیا ہے" اگر کوئی اور قرینہ نہ ہو تو یہی معنی رکھتا ہے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، کیونکہ صحابہ کو منع کرنے والے نبی کریم ﷺ کے سوا کوئی اور نہیں۔

2 نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے کیوں منع کیا گیا ہے اس کی متعدد حکمتیں بیان کی گئی ہیں، جن میں سے سب سے صحیح اور مضبوط یہ ہیں، ان میں سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جسے سب سے اعلیٰ کہا ہے وہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے "بَابُ مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ" میں روایت کی ہے۔ مسروق نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا: « كَانَتْ تَكْرَهُ أَنْ يَجْعَلَ يَدَهُ فِي خَاصِرَتِهِ وَتَقُولُ : إِنَّ الْيَهُودَ تَفْعَلُهُ » [بخاري : ٣٤٥٨] "یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو ناپسند کرتی تھیں کہ آدمی اپنا ہاتھ اپنی کوکھ پر رکھے اور کہتی تھیں کہ یہود ایسا کرتے ہیں۔" ابن ابی شیبہ (۴۰۰/۱، ح: ۴۵۹۸) نے اس میں یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں: « فِي الصَّلَاةِ » اور اس کی ایک روایت (۴۰۰/۱، ح: ۴۶۰۰) میں ہے: « لَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ » "یعنی یہود کی مشابہت مت کرو۔" اس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل حرام ہے، کیونکہ یہود و نصاریٰ سے مشابہت حرام ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا: « مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ » [أبو داوٗد، عن ابن عمر رضي الله عنهما : ٤٠٣١] "جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انھی میں سے ہے۔" دوسری مضبوط وجہ وہ ہے جو زیاد بن صبیح نے روایت کی ہے، انھوں نے کہا: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک جانب میں نماز پڑھی تو میں نے اپنی دونوں کوکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ جب وہ نماز پڑھ چکے تو کہنے لگے: « هٰذَا الصَّلْبُ فِي الصَّلَاةِ، وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْهُ » [أبو داوٗد :

٣٠٩۔ نسائي : ٨٩١۔ یہ اگرچہ مرفوع ہے اور بہت سے ائمہ نے اسے صحیح کہا ہے، مگر زیاد بن صبیح کے تفرد کی وجہ سے حافظ نے اسے دوسرا درجہ دیا ہے۔ ! "یہ نماز میں صلیب کے مشابہ ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ اس سے منع فرماتے تھے۔" یہ صلیب کے مشابہ ہونا اس لیے ہے کہ جسے صلیب پر چڑھایا جاتا ہے اسے ایک اونچے کھمبے پر سیدھا باندھا جاتا ہے اور اس کھمبے کے اوپر چوڑائی میں باندھی ہوئی لکڑی کے ساتھ اس کے دونوں ہاتھ باندھ دیے جاتے ہیں، جس طرح ریاضی میں جمع کا نشان ہوتا ہے۔ کوکھ پر دونوں ہاتھ رکھنے سے بھی آدمی کی شکل اس سے ملتی جلتی ہو جاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو اس سے شدید نفرت اس لیے تھی کہ عیسائی صلیب کی پوجا کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے: « أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِيْ بَيْتِهِ شَيْئًا فِيْهِ تَصَالِيْبُ إِلَّا نَقَضَهُ » [بخاري : ٥٩٥٢، عن عائشة ۔ أبو داوٗد : ٤١٥١] "نبی ﷺ اپنے گھر میں جو بھی چیز دیکھتے کہ اس میں صلیب کی تصویریں ہوتیں تو اسے توڑ دیتے۔" بعض حضرات نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ یہ متکبروں کا طریقہ ہے۔ بعض نے کہا: اہلِ جہنم کے آرام کا یہ طریقہ ہے۔ پہلی دو وجوں کے ساتھ یہ بھی شامل ہو سکتی ہیں۔

3 بعض لوگوں نے "مُخْتَصِرًا" کا معنی یہ کیا ہے کہ نبی ﷺ نے نماز کو مختصر کرنے سے منع کیا، یعنی اس طرح کرنے سے منع کیا کہ نماز کے ارکان پوری طرح ادا نہ کیے جائیں، مگر اس کا وہی معنی صحیح ہے جو اوپر گزرا ہے۔

١٨۔ بَابٌ : يُفَكِّرُ الرَّجُلُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ

18۔ باب: آدمی نماز میں کسی چیز کے بارے میں سوچے

وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : إِنِّي لَأُجَهِّزُ جَيْشِي وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ .

اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنے لشکر کے ساز و سامان کی تیاری کرتا ہوں جب کہ میں نماز میں ہوتا ہوں۔

فوائد 1 مُہلّب نے کہا: "سوچنا" ایک عام چیز ہے جس سے آدمی نہ نماز میں بچ سکتا ہے نہ نماز سے باہر، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالنے کا اختیار دے رکھا ہے، لیکن ہر سوچ ایک جیسی نہیں، اگر نماز کے دوران سوچ آخرت اور دین کے بارے میں ہو تو دنیا کے معاملے سے اس کا نقصان کم ہے۔ (فتح الباری)

2 عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول مصنف ابن ابی شیبہ (١٨٦/٢، ح: ٧٩٥١) میں انھی الفاظ میں ہے۔ صالح بن احمد ابن حنبل نے کتاب المسائل میں اپنے والد صاحب سے ہمام بن حارث کے طریق سے بیان کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور قراءت نہیں کی، جب فارغ ہوئے تو لوگوں نے کہا: امیر المومنین! آپ نے قراءت نہیں کی۔ کہا: میں نماز میں اپنے دل سے ایک قافلے کی بات کرتا رہا جس کی تیاری میں نے مدینہ سے کی، یہاں تک کہ شام میں جا پہنچا۔ عیاض اشعری کے طریق سے ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور قراءت نہیں کی۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: آپ نے قراءت نہیں کی، تو وہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے، انھوں نے کہا: یہ سچ کہہ رہے ہیں، تو انھوں نے نماز دوبارہ پڑھی اور نماز

کے بعد کہا: «لَا صَلَاةَ لَيْسَتْ فِيْهَا قِرَاءَةٌ» ''جس نماز میں قراءت نہ ہو وہ نماز ہی نہیں۔'' پھر فرمایا: مجھے ایک قافلے نے مشغول کر دیا جسے میں نے شام کی طرف جانے کے لیے تیار کیا تھا تو میں اس کے بارے میں سوچنے لگ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے نماز قراءت ترک کرنے کی وجہ سے دوبارہ پڑھی، اس لیے نہیں کہ وہ قافلے کی فکر میں غرق رہے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو طحاوی (۱/۴۴۱) نے '' ضَمْضَمِ بْنِ جَوْسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَنْظَلَةَ '' کے طریق سے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی تو پہلی رکعت میں قراءت نہیں کی، جب دوسری رکعت ہوئی تو انھوں نے سورۂ فاتحہ دو بار پڑھی اور جب فارغ ہوئے تو سہو کے دو سجدے کیے۔ ان تمام آثار کے راوی ثقہ ہیں اور یہ الگ الگ واقعات ہیں جو مختلف اوقات میں واقع ہوئے اور آخری واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب تھا۔ (فتح الباری)

3 عمر رضی اللہ عنہ کے اثر میں ان کی جس سوچ کا ذکر ہے اس کا تعلق جہاد سے ہے اور جہاد کی مصلحت کے متعلق نماز کے دوران بھی سوچنے میں کوئی حرج نہیں، جس طرح جہاد کرتے ہوئے کئی جسمانی کام نماز کے دوران کیے جاتے ہیں جو عام حالات میں نماز کے دوران جائز نہیں، ایسے ہی جہاد سے متعلق جو ذہنی کام ہیں انھیں نماز کے دوران جاری رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (ابن عثیمین)

١٢٢١۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا رَوْحٌ، حَدَّثَنَا عُمَرُ - هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ - قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعَصْرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ سَرِيعًا دَخَلَ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ، ثُمَّ خَرَجَ وَرَأَى مَا فِي وُجُوهِ الْقَوْمِ مِنْ تَعَجُّبِهِمْ لِسُرْعَتِهِ فَقَالَ: «ذَكَرْتُ وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ تِبْرًا عِنْدَنَا، فَكَرِهْتُ أَنْ يُمْسِيَ - أَوْ يَبِيتَ - عِنْدَنَا، فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ» [راجع: ٨٥١]

1221۔ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی، جب آپ نے سلام پھیرا تو تیزی سے اٹھ کر اپنی کسی بیوی کے گھر چلے گئے، پھر واپس آ گئے اور لوگوں کے چہروں میں آپ کے تیزی سے جانے کی وجہ سے تعجب کے جو آثار تھے انھیں دیکھا تو فرمایا: ''مجھے نماز کے دوران سونے کی ایک ڈلی یاد آئی جو ہمارے پاس تھی تو میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ شام تک - یا رات بھر - ہمارے پاس رہے، تو میں نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔''

فوائد 1 اس حدیث کے بعض فوائد (۸۵۱) میں گزر چکے ہیں، دو ایک یہ ہیں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ آدمی جب نماز میں کوئی بات سوچنے لگے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی، مگر اسے چاہیے کہ اس سوچ کو لمبا نہ کرتا جائے، بلکہ جونہی کسی سوچ کا کوئی دروازہ کھلے توجہ ہٹا کر اسے بند کرنے کی کوشش کرے۔ بندہ عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ میں سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی پیر آف جھنڈا کی مجلس میں موجود تھا، ایک آدمی نے پوچھا کہ نماز میں خیالات بہت آتے ہیں، اس کا کیا علاج ہے؟ انھوں نے کہا: نماز میں جو آپ پڑھ رہے ہیں اس کے معنی پر غور کریں۔ واقعی یہ ایک بہترین نسخہ ہے

کے بعد کہا: «لَا صَلَاةَ لَيْسَتْ فِيهَا قِرَاءَةٌ» ”جس نماز میں قراءت نہ ہو وہ نماز ہی نہیں۔“ پھر فرمایا: مجھے ایک قافلے نے مشغول کر دیا جسے میں نے شام کی طرف جانے کے لیے تیار کیا تھا تو میں اس کے بارے میں سوچنے لگ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے نماز قراءت ترک کرنے کی وجہ سے دوبارہ پڑھی، اس لیے نہیں کہ وہ قافلے کی فکر میں غرق رہے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو طحاوی (۴۴۱/۱) نے "ضَمْضَمِ بْنِ جَوْسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَنْظَلَةَ" کے طریق سے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی تو پہلی رکعت میں قراءت نہیں کی، جب دوسری رکعت ہوئی تو انھوں نے سورۂ فاتحہ دو بار پڑھی اور جب فارغ ہوئے تو سہو کے دو سجدے کیے۔ ان تمام آثار کے راوی ثقہ ہیں اور یہ الگ الگ واقعات ہیں جو مختلف اوقات میں واقع ہوئے اور آخری واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب تھا۔ (فتح الباری)

3 عمر رضی اللہ عنہ کے اثر میں ان کی جس سوچ کا ذکر ہے اس کا تعلق جہاد سے ہے اور جہاد کی مصلحت کے متعلق نماز کے دوران بھی سوچنے میں کوئی حرج نہیں، جس طرح جہاد کرتے ہوئے کئی جسمانی کام نماز کے دوران کیے جاتے ہیں جو عام حالات میں نماز کے دوران جائز نہیں، ایسے ہی جہاد سے متعلق جو ذہنی کام ہیں انھیں نماز کے دوران جاری رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (ابن عثیمین)

١٢٢١ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا رَوْحٌ، حَدَّثَنَا عُمَرُ - هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ - قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعَصْرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ سَرِيعًا دَخَلَ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ، ثُمَّ خَرَجَ وَرَأَى مَا فِي وُجُوهِ الْقَوْمِ مِنْ تَعَجُّبِهِمْ لِسُرْعَتِهِ فَقَالَ: «ذَكَرْتُ وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ تِبْرًا عِنْدَنَا، فَكَرِهْتُ أَنْ يُمْسِيَ - أَوْ يَبِيتَ - عِنْدَنَا، فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ» [راجع: ٨٥١]

1221- عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی، جب آپ نے سلام پھیرا تو تیزی سے اٹھ کر اپنی کسی بیوی کے گھر چلے گئے، پھر واپس آ گئے اور لوگوں کے چہروں میں آپ کے تیزی سے جانے کی وجہ سے تعجب کے جو آثار تھے انھیں دیکھا تو فرمایا: ”مجھے نماز کے دوران سونے کی ایک ڈلی یاد آئی جو ہمارے پاس تھی تو میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ شام تک - یا رات بھر - ہمارے پاس رہے، تو میں نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔“

فوائد 1 اس حدیث کے بعض فوائد (۸۵۱) میں گزر چکے ہیں، دو ایک یہ ہیں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ آدمی جب نماز میں کوئی بات سوچنے لگے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی، مگر اسے چاہیے کہ اس سوچ کو لمبا نہ کرتا جائے، بلکہ جونہی کسی سوچ کا کوئی دروازہ کھلے توجہ ہٹا کر اسے بند کرنے کی کوشش کرے۔ بندہ عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ میں سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی پیر آف جھنڈا کی مجلس میں موجود تھا، ایک آدمی نے پوچھا کہ نماز میں خیالات بہت آتے ہیں، اس کا کیا علاج ہے؟ انھوں نے کہا: نماز میں جو آپ پڑھ رہے ہیں اس کے معنی پر غور کریں۔ واقعی یہ ایک بہترین نسخہ ہے

جو بہت حد تک کارگر ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی نماز میں کسی کام کا عزم کر سکتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے نماز کے دوران اس کام کا عزم کر لیا تھا۔

2 اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ضرورت مندوں میں مال تقسیم کرنے اور جلد از جلد تقسیم کرنے کی کس قدر فکر تھی۔

3 یہ بھی معلوم ہوا کہ ساتھیوں کو اگر آدمی کی کسی بات کے متعلق تعجب ہو یا وہ اسے معلوم کرنا چاہتے ہوں تو انھیں وہ بات بتا دینی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہی عادت تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں سے کوئی بات چھپاتے نہیں تھے، جیسا کہ آپ کی مدینہ تشریف آوری کے موقع پر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے پہلی کتابوں میں آپ کی علامات میں سے مہر نبوت دیکھنے کا ارادہ کیا اور وہ آپ کے پیچھے اس مقصد کے لیے گئے تو آپ نے خود ہی چادر گرا دی، تا کہ وہ مہر نبوت دیکھ لیں۔ البتہ اگر کوئی بات بتانے میں نقصان ہو تو وہ بے شک نہ بتائے۔ (ابن عثیمین)

١٢٢٢۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا أُذِّنَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضُرَاطٌ، حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ أَقْبَلَ، فَإِذَا ثُوِّبَ أَدْبَرَ، فَإِذَا سَكَتَ أَقْبَلَ، فَلَا يَزَالُ بِالْمَرْءِ يَقُولُ لَهُ: اذْكُرْ مَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ، حَتَّى لَا يَدْرِيَ كَمْ صَلَّى»

1222۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب نماز کے لیے اذان کہی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے، تا کہ وہ اذان کی آواز نہ سنے، جب مؤذن خاموش ہوتا ہے تو آ جاتا ہے، پھر جب اقامت کہی جاتی ہے تو بھاگ جاتا ہے۔ جب وہ خاموش ہوتا ہے تو پھر آ جاتا ہے اور آدمی کو کہتا ہی رہتا ہے کہ فلاں بات یاد کرو جو اسے یاد نہیں ہوتی، حتیٰ کہ اسے معلوم نہیں رہتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے۔“

قَالَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: «إِذَا فَعَلَ أَحَدُكُمْ ذَلِكَ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ قَاعِدٌ»، وَسَمِعَهُ أَبُو سَلَمَةَ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

[راجع: ٦٠٨۔ أخرجه مسلم: ٣٨٩ و في المساجد (٨٢)]

ابو سلمہ (بن عبد الرحمن) نے کہا: ”جب تم میں سے کوئی شخص یہ کام کرے تو بیٹھے بیٹھے دو سجدے کر لے۔“ اور ابو سلمہ نے یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے بعض فوائد (٦٠٨) میں گزر چکے ہیں۔ یہاں باب کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ نماز کے اندر کوئی بات سوچنے سے نماز باطل نہیں ہوتی جب تک کوئی رکن نہ چھوڑ دے۔ اس کی دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں:

"حتیٰ کہ اسے معلوم نہیں رہتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے" اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کی نماز باطل ہے، بلکہ یہ فرمایا: "وہ آخر میں دو سجدے کر لے۔" مطلب یہ ہے کہ فقہی نماز ہو جاتی ہے، یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے نماز نہیں پڑھی، جس طرح کوئی رکن چھوڑ دینے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے نماز نہیں پڑھی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے "مُسِيْءُ الصَّلَاةِ" کو کہا تھا: "دوبارہ نماز پڑھ، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔" کیونکہ اس نے اطمینان ترک کر دیا تھا جو نماز کا رکن ہے۔ فقہی اور قانونی طور پر نماز کا ہو جانا الگ بات ہے اور اس کا اللہ کے ہاں قبول ہونا الگ بات ہے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: « إِنَّ الرَّجُلَ لَيَنْصَرِفُ وَمَا كُتِبَ لَهُ إِلَّا عُشْرُ صَلَاتِهِ تُسْعُهَا ثُمْنُهَا سُبْعُهَا سُدْسُهَا خُمُسُهَا رُبُعُهَا ثُلُثُهَا نِصْفُهَا » [أبو داوٗد : ٧٩٦، حديث حسن أو صحيح] "آدمی نماز سے فارغ ہو جاتا ہے، حالانکہ اس کے لیے صرف اس کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، اس کا نوواں، اس کا آٹھواں، اس کا ساتواں، اس کا چھٹا، اس کا پانچواں، اس کا چوتھا، اس کا تیسرا، اس کا نصف۔" آخر میں جو یہ کہا کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ دو سجدے کرنے والی بات ابوسلمہ کی ہے، بلکہ یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کا حصہ ہے جو ابوسلمہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ ابوسلمہ کے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع والی سند آگے (١٢٣١، ١٢٣٢) میں آ رہی ہے۔

١٢٢٣ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ ابْنُ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: يَقُولُ النَّاسُ: أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ! فَلَقِيتُ رَجُلًا فَقُلْتُ: بِمَا قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْبَارِحَةَ فِي الْعَتَمَةِ؟ فَقَالَ: لَا أَدْرِي، فَقُلْتُ: لَمْ تَشْهَدْهَا؟ قَالَ: بَلَى، قُلْتُ: لَكِنْ أَنَا أَدْرِي، قَرَأَ سُورَةَ كَذَا وَكَذَا.

1223۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ نے بہت حدیثیں بیان کی ہیں! تو میں ایک آدمی سے ملا اور میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے آج رات عشاء کی نماز میں کیا تلاوت کی تھی؟ اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا: کیا تم اس میں موجود نہیں تھے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! میں نے کہا: لیکن مجھے معلوم ہے، آپ نے فلاں فلاں سورت پڑھی ہے۔

فائدہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ اس کا کوئی کیا کرے کہ بعضوں کو اللہ تعالیٰ ایسا حافظہ دیتا ہے کہ کوئی بات نہیں بھولتے اور بعضے رات کی بات دن کو بھول جاتے ہیں، جیسے ان صحابی کو یاد نہ رہا کہ آپ ﷺ نے گزشتہ رات کو عشاء کی نماز میں کون سی سورتیں پڑھی تھیں۔ اللہ نے مجھے حافظہ اچھا دیا تھا، اس لیے میں نے آپ ﷺ کی بہت سی حدیثیں یاد رکھیں اور انھیں روایت کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے یہ نکالا کہ وہ صحابی کسی دوسرے خیال میں غرق ہوں گے جب تو انھیں یاد نہ رہا کہ آپ ﷺ نے کون سی سورتیں پڑھی تھیں، اس سے باب کا مطلب نکل آیا۔ (تیسیر الباری)

[تَمَّ كِتَابُ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَحْدَهُ]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۲ - كِتَابُ السَّهْوِ

کتاب: نماز میں بھول جانا

١ـ بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّهْوِ إِذَا قَامَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَرِيضَةِ

١٢٢٤ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ مِنْ بَعْضِ الصَّلَوَاتِ، ثُمَّ قَامَ فَلَمْ يَجْلِسْ، فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ وَنَظَرْنَا تَسْلِيمَهُ كَبَّرَ قَبْلَ التَّسْلِيمِ، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ، ثُمَّ سَلَّمَ. [راجع: ٨٢٩ـ أخرجه مسلم: ٥٧٠]

١٢٢٥ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَامَ مِنِ اثْنَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ لَمْ يَجْلِسْ بَيْنَهُمَا، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ. [راجع:

1۔ باب: جب بھول کر فرض نماز کی دو رکعتوں کے بعد کھڑا ہو جائے

1224۔عبد اللہ ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کسی نماز میں سے دو رکعتیں پڑھائیں اور اُٹھ کر کھڑے ہو گئے، (تشہد کے لیے) بیٹھے نہیں۔ لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، جب آپ نے اپنی نماز پوری کر لی اور ہم آپ کے سلام کا انتظار کر رہے تھے تو آپ نے سلام پھیرنے سے پہلے اللہ اکبر کہا اور بیٹھے بیٹھے دو سجدے کیے، پھر آپ نے سلام پھیر دیا۔

1225۔عبد اللہ ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ظہر کی دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے، درمیان میں بیٹھے نہیں۔ جب آپ نے اپنی نماز پوری کر لی تو دو سجدے کر لیے، پھر اس کے بعد سلام پھیر دیا۔

۸۲۹۔ أخرجه مسلم : ۵۷۰]

فوائد: 1 " سَهْوٌ " باب " سَهَا يَسْهُوْ " کا مصدر ہے: غافل ہو جانا، بھول جانا۔ نماز سے غافل ہو جانے کو " سَهْوٌ عَنِ الصَّلَاةِ " کہا جاتا ہے اور اس پر سخت وعید ہے، فرمایا: ﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴾ [الماعون : ۴، ۵] "پس ان نمازیوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے، وہ جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔" اور نماز میں اس کی کوئی چیز بھول جانے کو " سَهْوٌ فِي الصَّلَاةِ " کہا جاتا ہے، یہ انبیاء علیہم السلام کو بھی ہو جاتا ہے۔ نسیان کا معنی بھی بھول جانا ہے۔ بعض لوگوں نے ان میں فرق بتانے کی کوشش کی ہے، مگر وہ محض تکلف ہے۔ دیکھیے نسیان کا لفظ غافل ہو جانے کے لیے بھی آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴾ [طٰهٰ : ۱۲۶] "اسی طرح تیرے پاس ہماری آیات آئیں تو تو انھیں بھول گیا اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا۔" رسول اللہ ﷺ نے نماز میں بھولنے کے متعلق نسیان کا لفظ استعمال فرمایا جہاں لفظ سہو عام استعمال ہوتا ہے، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے نماز میں چار رکعات کی بجائے پانچ پڑھا دیں، لوگوں کے یاد دلانے پر آپ نے سجدۂ سہو کیا، پھر فرمایا: « إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ، أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ » [مسلم : ۵۷۲۔ بخاري : ۴۰۱] "میں تمھارے جیسا ایک بشر ہوں، اسی طرح بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو، تو جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کروا دیا کرو۔" اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ روایت صحیح نہیں جس میں آپ کی طرف یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں: « أَمَا إِنِّيْ لَا أَنْسٰى وَلٰكِنْ أُنَسّٰى لِكَيْ أَشْرَعَ » "میں بھولتا نہیں بلکہ مجھے بھلایا جاتا ہے، تاکہ میں شریعت بیان کروں۔" شیخ ناصر الدین البانی نے "السلسلة الضعيفة (۱۰۱)" میں لکھا ہے: "بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهٗ" "یہ روایت باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔"

2 حدیث کے راوی صحابی عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام مالک ہے، بحینہ ان کی والدہ کا نام ہے، جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے، اس لیے یہاں بحینہ سے پہلے "بن" کو شروع میں الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے، یعنی عبد اللہ ابن بحینہ۔

3 كَبَّرَ قَبْلَ التَّسْلِيْمِ، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ : اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ بھول کی وجہ سے درمیانی تشہد رہ جانے سے سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔ دوسری یہ کہ صرف سجدۂ سہو کیا جائے گا، رہ جانے والا تشہد ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ تیسری یہ کہ ان سجدوں کے لیے تکبیر کہی جائے گی اور امام بلند آواز سے تکبیر کہے گا۔ چوتھی یہ کہ ان دو سجدوں کے درمیان فاصلہ ہوگا، کیونکہ اگر درمیان میں اطمینان سے نہ بیٹھے تو دو سجدے شمار نہیں ہوتے۔ پانچویں یہ کہ اس صورت میں سجدۂ سہو سلام سے پہلے ہوگا، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سہو کی ہر صورت میں سجدہ سلام سے پہلے ہوگا، جیسا کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے۔ ہاں! اس سے ان لوگوں کا رد ضرور ہوتا ہے جو سہو کی ہر صورت میں سجدہ سلام کے بعد بتاتے ہیں۔ چھٹی یہ کہ سجدۂ سہو اگر سلام سے پہلے ہو تو اس کے بعد تشہد نہیں ہوگا، بلکہ سلام ہی ہوگا۔ ساتویں یہ کہ مقتدی کو خواہ نماز میں سہو نہ ہوا ہو اسے امام کے سجدۂ سہو کے ساتھ سجدہ کرنا پڑے گا۔ ابن حزم نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، مثلاً اس صورت میں کہ مقتدی تیسری یا چوتھی رکعت میں شامل ہوا ہے تو اسے بھی امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔ [المحلی بالآثار : ۸۱/۳]

4 پہلے تشہد کے لیے بیٹھنے کی بجائے اگر بھول کر کھڑا ہو جائے تو خواہ اسے خود یاد آ جائے یا مقتدی سبحان اللہ کہیں اسے بیٹھنا نہیں چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے کھڑا ہونے پر صحابہ نے سبحان اللہ کہا تھا، جیسا کہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں آیا ہے، مگر آپ نے نماز جاری رکھی۔ البتہ اگر نماز پوری ہونے پر آخری تشہد کے لیے بیٹھنے کی بجائے بھول کر کھڑا ہو جائے تو خواہ خود یاد آ جائے یا مقتدی یاد کروا دیں اسے بیٹھ جانا چاہیے، کیونکہ جان بوجھ کر نماز میں کمی کی طرح اضافہ بھی جائز نہیں۔

5 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی سہو ونسیان ہو سکتا ہے، صرف اللہ تعالیٰ وہ ذات پاک ہے جس کے متعلق موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى﴾ [طٰهٰ : ٥٢] ''میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔''

6 عبداللہ ابن بحینہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث امام صاحب اس لیے لائے ہیں کہ اس میں صراحت ہے کہ یہ واقعہ نماز ظہر کا ہے، پہلی حدیث میں یہ صراحت نہیں۔

٢ - بَابٌ : إِذَا صَلَّى خَمْسًا

2۔ باب: جب نماز پانچ رکعت پڑھے

١٢٢٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا، فَقِيلَ لَهُ : أَزِيدَ فِي الصَّلَاةِ ؟ فَقَالَ : «وَمَا ذَاكَ ؟» قَالَ : صَلَّيْتَ خَمْسًا، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ . [راجع : ٤٠١ - أخرجه مسلم : ٥٧٢]

1226۔ عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھا دی۔ آپ سے کہا گیا: کیا نماز میں رکعتیں بڑھا دی گئی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تو بات کیا ہے؟'' کہا: آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ تو آپ ﷺ نے سلام کے بعد دو سجدے کیے۔

فوائد: 1 اس حدیث کے کچھ فوائد (۴۰۱) میں گزر چکے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں اضافے کی صورت میں بھی سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔ ظہر یا عصر کی پانچ رکعتوں کی صورت میں صرف سجدۂ سہو کافی ہے۔

2 نماز میں کمی یا بیشی ہو جائے اور نمازی کو اس کا علم نہ ہو سکے تو سلام کے بعد اس کمی یا بیشی کے متعلق امام اور مقتدی جو بات کریں اس سے پڑھی ہوئی نماز باطل نہیں ہوتی، کیونکہ یہ جان بوجھ کر نماز کے دوران گفتگو نہیں، نماز کی مصلحت سے تعلق رکھتی ہے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی آپس میں اس وقت بھی گفتگو ہوئی جب آپ نے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا اور پانچ رکعتیں پڑھنے کے بعد بھی ہوئی، مگر آپ نے پڑھی ہوئی نماز نہیں دہرائی۔ آپ نے صرف وہ نماز پڑھی جو رہ گئی اور سجدۂ سہو کر لیا اور پانچ رکعتوں کے بعد صرف سجدۂ سہو کیا۔

3 نماز کو مکمل سمجھ کر اگر قبلے سے منہ پھیر لے تو سہو کا علم ہونے کے بعد نماز دہرانے کی ضرورت نہیں، صرف سجدۂ سہو کافی ہے۔

4 بعض لوگوں نے چار رکعتوں والی نماز میں پانچ رکعتیں پڑھنے کی صورت میں یہ مذہب ایجاد کیا ہے کہ ایسی صورت میں نمازی دو حال سے خالی نہیں، یا تو چوتھی رکعت میں اتنی دیر بیٹھا ہوگا جس میں تشہد پڑھا جا سکے یا نہیں بیٹھا ہوگا۔ اگر نہیں بیٹھا تو اس کی نماز باطل ہے، دوبارہ پوری نماز پڑھے اور اگر اتنی دیر بیٹھا ہے تو نماز تو ہو گئی مگر چونکہ ایک رکعت زیادہ پڑھی ہے اس لیے ایک رکعت اور پڑھے، تاکہ چار رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہو جائیں۔ مگر ان حضرات کی یہ بات بخاری کی اس صحیح حدیث کے صاف خلاف ہے، کیونکہ نبی ﷺ کی پانچ رکعتیں ان دو حال سے خالی نہیں ہو سکتیں، یا تو آپ چوتھی رکعت میں تشہد کی مقدار بیٹھے ہوں گے یا نہیں۔ پہلی صورت میں آپ کو دو رکعت پڑھنی چاہیے تھی جو آپ نے نہیں پڑھی اور دوسری صورت میں آپ کو پوری نماز دوبارہ پڑھنی چاہیے تھی وہ بھی آپ نے نہیں پڑھی بلکہ صرف سجدۂ سہو پر اکتفا کیا۔ مومن کی شان یہی ہے کہ حدیث آنے کے بعد اس کے مقابلے میں اپنے ڈھکوسلے پیش نہ کرے۔

٣ـ بَابٌ: إِذَا سَلَّمَ فِي رَكْعَتَيْنِ أَوْ فِي ثَلَاثٍ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ مِثْلَ سُجُودِ الصَّلَاةِ أَوْ أَطْوَلَ

3۔ باب: جب دو یا تین رکعتوں میں سلام پھیر دے تو دو سجدے کرے جو نماز کے سجدے جیسے یا اس سے لمبے ہوں

١٢٢٧ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ أَوِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ: اَلصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَنَقَصَتْ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: «أَحَقٌّ مَا يَقُولُ؟» قَالُوا: نَعَمْ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ.

1227۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیر دیا تو ذوالیدین نے آپ سے کہا: یا رسول اللہ! کیا نماز کم ہو گئی ہے؟ تو نبی ﷺ نے اپنے اصحاب سے پوچھا: ''کیا جو بات یہ کہہ رہا ہے سچ ہے؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے دو اور رکعتیں پڑھیں، پھر دو سجدے کیے۔

قَالَ سَعْدٌ: وَرَأَيْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ صَلَّى مِنَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ، فَسَلَّمَ وَتَكَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى مَا بَقِيَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، وَقَالَ: هَكَذَا فَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ.

سعد (راوی) نے کہا: میں نے عروہ بن زبیر کو دیکھا، انھوں نے مغرب کی دو رکعتیں پڑھیں، پھر سلام پھیر دیا اور کلام کیا، پھر جو نماز باقی تھی پڑھی اور دو سجدے کر لیے اور کہا: نبی ﷺ نے ایسے ہی کیا تھا۔

[راجع: ٤٨٢ـ أخرجه مسلم: ٥٧٣ باختلاف]

فوائد 1 امام بخاری اس باب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ذوالیدین کے قصے والی حدیث لائے ہیں جس کی تمام

روایتوں میں صرف دو رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہاں! تین رکعتیں پڑھنے کا ذکر عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو صحیح مسلم (۵۷۴) میں ہے۔ امام بخاری نے باب میں دو حدیثوں کی طرف اشارہ کیا ہے، مگر حافظ ابن حجر نے اسے ایک ہی واقعہ قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں ذوالیدین کا بار بار کہنا اور آپ کا وہی جواب دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ مگر بخاری اور مسلم کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں دو واقعے سمجھنے میں کوئی حرج نہیں۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں بھول کی وجہ سے امام اور نمازیوں کی بات چیت سے نماز باطل نہیں ہوتی، بلکہ سجدۂ سہو سے پہلے صرف اتنی نماز پڑھنی پڑے گی جو رہ گئی ہے اور اگر کوئی اضافہ ہو گیا ہے تو صرف سجدۂ سہو کیا جائے گا۔ بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ اگر امام یا مقتدیوں میں سے جس نے کوئی بات کر لی اس کی نماز باطل ہو گئی، اسے دوبارہ ساری نماز پڑھنی پڑے گی، وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ قصہ نماز میں کلام کی ممانعت سے پہلے کا ہے۔ مگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہی اس وقت ہوئے ہیں جب نماز میں کلام منع ہو چکا تھا۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی صحابی سے سن کر روایت کر دی ہے، مگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں: « صَلّٰی بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ » ”یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی“ اور صحیح مسلم میں ان کی روایت ہے: « بَيْنَا أَنَا أُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الظُّهْرِ » ”یعنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا۔“ [مسلم: ۵۷۳/۱۰۰] اس کے باوجود یہ کہنا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی سے سن کر یہ حدیث بیان کی ہے محض زبردستی ہے۔ اس حدیث کے دوسرے راوی عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمان ہوئے ہیں۔

3 گو اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ سہو کے سجدے نماز کے سجدوں کے برابر یا اس سے لمبے ہوں، مگر دوسرے طریق میں جو آگے آ رہا ہے یہ موجود ہے، امام بخاری نے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ اسی طرح حدیث میں تین رکعتوں کے بعد سلام پھیرنے کا ذکر بھی نہیں ہے، لیکن امام مسلم نے جو حدیث (۵۷۴) عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کی اس میں یہ ذکر ہے، امام بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ اس سے حدیث کی مطابقت باب سے ثابت ہو گئی۔ (تیسیر الباری)

٤۔ بَابُ مَنْ لَمْ يَتَشَهَّدْ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ

4۔ باب: جس نے سہو کے سجدوں میں تشہد نہیں کیا

وَسَلَّمَ أَنَسٌ وَالْحَسَنُ وَلَمْ يَتَشَهَّدَا. وَقَالَ قَتَادَةُ: لَا يَتَشَهَّدُ.

اور انس رضی اللہ عنہ اور حسن نے سلام پھیر دیا اور تشہد نہیں کیا۔ اور قتادہ نے کہا: تشہد نہ کرے۔

فائدہ تخریج: قتادہ سے دو روایتیں آئی ہیں: ایک یہ کہ تشہد نہ کرے اور دوسری یہ کہ تشہد کرے۔ (فتح الباری)

١٢٢٨۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ

1228۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو

ابْنُ أَنَسٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَيْنِ، فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ: أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ!؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟» فَقَالَ النَّاسُ: نَعَمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَصَلَّى اثْنَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ. [راجع: ٤٨٢]

رکعتیں پڑھ کر (نمازیوں کی طرف) پھرے تو ذوالیدین نے آپ سے کہا: یارسول اللہ! کیا نماز کم ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''کیا ذوالیدین نے صحیح کہا ہے؟'' لوگوں نے کہا: جی ہاں! تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور دو اور رکعتیں پڑھیں، پھر سلام پھیر دیا، پھر تکبیر کہی اور اپنے سجدے جیسا یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر آپ نے سر اٹھالیا۔

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عَلْقَمَةَ قَالَ: قُلْتُ لِمُحَمَّدٍ: فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ تَشَهُّدٌ؟ قَالَ: لَيْسَ فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ.

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا: ہم سے حماد (بن زید) نے، انھوں نے سلمہ بن علقمہ سے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے محمد (بن سیرین) سے پوچھا: کیا سہو کے سجدوں میں تشہد ہے؟ انھوں نے کہا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو تشہد کا ذکر نہیں۔

فوائد ومسائل: 1 باب کا مطلب یہ ہے کہ سلام کے بعد اگر سجدۂ سہو کرے تو اس کے بعد تشہد نہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ رہا سلام سے پہلے سجدۂ سہو تو اس کے بعد جمہور کے نزدیک تشہد نہیں، بلکہ سجدۂ سہو کے ساتھ ہی سلام پھیر دیا جائے گا۔ (فتح الباری) 2 بعض لوگوں نے سجدۂ سہو کا ایک عجیب طریقہ اختیار کیا ہے جس کا صحیح یا ضعیف کسی حدیث میں ذکر نہیں، بلکہ یہ انھی کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔ وہ یہ کہ آخری رکعت میں تشہد پڑھنے کے بعد ایک طرف سلام پھیر دیتے ہیں، پھر سجدہ سہو کرتے ہیں، پھر دوبارہ تشہد، درود اور دعائیں پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر دونوں طرف سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو نہیں کر سکتا، کیونکہ نماز سے بالکل خارج ہو چکا ہے، لیکن یہ بات بالکل غیر معقول ہے، کیونکہ نماز سے خروج تو ایک طرف سلام پھیرنے ہی سے ہو جاتا ہے۔ 3 رہی یہ بات کہ سجدۂ سہو نماز کے سلام سے پہلے کرے یا بعد؟ تو رسول اللہ ﷺ سے بعض اوقات سلام سے پہلے سجدے کا ذکر ہے اور بعض اوقات سلام کے بعد۔ آپ ﷺ سے چھ طرح کے سہو پر سجدۂ سہو ثابت ہے: ① آپ دو رکعت کے بعد کھڑے ہو گئے، درمیانہ تشہد نہیں پڑھا اور چار رکعتیں پوری کرنے کے بعد سلام سے پہلے سجدۂ سہو کیا، جیسا کہ عبداللہ ابن بحینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ (بخاری: ١٢٢٥) ② آپ نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، پھر ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے توجہ

دلانے پر باقی دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اور سلام کے بعد سہو کے سجدے کیے۔ (بخاری: ۱۲۲۷) ③ نبی ﷺ نے تین رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، پھر توجہ دلانے پر باقی ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا، سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کیے اور سلام پھیر دیا۔ (مسلم: ۵۷۴) ④ آپ نے پانچ رکعات پڑھیں اور سلام کے بعد معلوم ہونے پر دو سجدے کیے۔ (بخاری: ۱۲۲۶)
⑤ آپ نے فرمایا: «وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ، فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ» [مسلم: ۵۷۲] ''جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو درست معلوم کرنے کی کوشش کرے، پھر اس کے مطابق نماز کو پورا کرے اور دو سجدے کرے۔'' ⑥ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے اور اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے تین رکعتیں یا چار، تو وہ شک کو چھوڑ دے اور اس پر بنیاد رکھے جس کا اسے یقین ہو، پھر سلام سے پہلے دو سجدے کر لے، پھر اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی تو وہ سجدے اس کی نماز کو جفت رکعتیں بنا دیں گے اور اگر اس نے نماز چار رکعتیں پوری کی ہوں گی تو وہ سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کے لیے ہو جائیں گے۔'' (مسلم: ۵۷۱)

4 اس مسئلے میں بہت اختلاف ہے کہ سجدۂ سہو سلام سے پہلے ہے یا بعد۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہر صورت میں سجدۂ سہو سلام سے پہلے ہے، بعض ہر صورت میں سلام کے بعد کہتے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ اگر سہو کی وجہ سے کمی ہوئی ہو تو سجدہ سلام سے پہلے ہے اور اگر زیادتی ہوئی ہو تو سلام کے بعد۔ بعض نے کہا کہ ہر موقع پر حدیث کے مطابق سجدہ کرے، جیسا کہ اوپر چھ صورتیں گزری ہیں اور اگر ان کے علاوہ کوئی سہو ہو تو سلام سے پہلے سجدہ کرے۔ بعض نے کہا: ہر موقع پر حدیث کے مطابق عمل کرے اور اگر کوئی اور صورت ہو تو اگر کمی ہو تو سلام سے پہلے سجدہ کرے اور اگر زیادتی ہو تو سلام کے بعد۔ بعض نے کہا: بھول کر نماز میں زیادتی ہو یا کمی دونوں صورتوں میں نمازی کو اختیار ہے، سلام سے پہلے سجدۂ سہو کر لے یا سلام کے بعد۔ ابن ابی شیبہ نے المصنف (۴۴۳۸) میں یہ قول علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: بیہقی (۳۸۱۳ تا ۳۸۱۹) نے سجدۂ سہو کو سلام سے پہلے یا بعد کرنے میں اختیار کو ترجیح دی ہے، دلیل ان کی یہ ہے کہ نبی ﷺ سے سجدۂ سہو سلام سے پہلے بھی ثابت ہے اور بعد بھی۔ اس لیے دونوں طرح سنت ہے اور شریعت کی آسانیوں کا تقاضا بھی یہی ہے۔ صاحب مرعاۃ المفاتیح مولانا عبید اللہ مبارک پوری رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے کہ تمام صورتوں میں نمازی کو سلام سے پہلے یا بعد دونوں طرح سجدۂ سہو کا اختیار ہے اور پہلے یا بعد سجدے میں سے کسی کو راجح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (مرعاۃ المفاتیح: ۱۰۲۱) یاد رہے کہ پہلے جن لوگوں کے مذاہب کا ذکر ہوا وہ اپنی پسند کردہ صورت کو راجح قرار دیتے ہیں، حالانکہ سب کے نزدیک سلام سے پہلے یا بعد دونوں طرح سجدۂ سہو ادا کرنا جائز ہے۔

5 سجدۂ سہو کے بعد تشہد ہے یا نہیں، یہ سوال اس صورت میں ہے جب سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے، سلام سے پہلے ہو تو جمہور کا کہنا یہی ہے کہ تشہد دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ رہا سلام کے بعد تو دلائل جمع کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ تشہد پڑھنے یا نہ پڑھنے کا اختیار ہے۔

٥- بَابُ مَنْ يُكَبِّرُ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ؟

١٢٢٩- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ - قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَكْثَرُ ظَنِّي الْعَصْرَ - رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى خَشَبَةٍ فِي مُقَدَّمِ الْمَسْجِدِ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا، وَفِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَهَابَا أَنْ يُكَلِّمَاهُ، وَخَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ فَقَالُوا: أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ؟ وَ رَجُلٌ يَدْعُوهُ النَّبِيُّ ﷺ ذَا الْيَدَيْنِ فَقَالَ: أَنَسِيتَ أَمْ قَصُرَتْ؟ فَقَالَ: «لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ» قَالَ: بَلَى قَدْ نَسِيتَ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ.

[راجع: ٤٨٢- أخرجه مسلم: ٥٧٣ باختلاف]

5- باب: جو سہو کے دو سجدوں میں تکبیر کہے

1229- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے پچھلے پہر کی دو نمازوں میں سے ایک نماز دو رکعتیں پڑھائی- محمد (بن سیرین) نے کہا: میرا غالب گمان یہ ہے کہ وہ عصر تھی- پھر آپ نے سلام پھیر دیا اور مسجد کے اگلے حصے میں ایک لکڑی کی طرف اٹھے اور اپنا ہاتھ اس پر رکھ لیا۔ حاضرین میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، وہ دونوں آپ سے بات کرنے سے ڈرے رہے اور جلدی والے لوگ نکل گئے اور (آپس میں) کہنے لگے: کیا نماز کم ہوگئی ہے؟ اور ایک آدمی نے، جسے نبی ﷺ ذوالیدین (ہاتھوں والا) کہا کرتے تھے، یہ کہا: کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم ہوگئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہ میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز کم کی گئی ہے۔'' اس نے کہا: کیوں نہیں، آپ یقیناً بھول گئے ہیں۔ تو آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر سلام پھیر دیا، پھر تکبیر کہی اور اپنے (عام) سجدے کی طرح سجدہ کیا یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر اپنا سر اٹھایا اور تکبیر کہی، پھر اپنا سر (سجدے میں) رکھا اور تکبیر کہی اور اپنے (عام) سجدے کی طرح سجدہ کیا یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر اپنا سر اٹھایا اور تکبیر کہی۔

فائدہ یہ حدیث (۴۸۲) میں گزر چکی ہے۔

١٢٣٠- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ

1230- عبداللہ ابن بحینہ اسدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو بنو عبدالمطلب کے حلیف تھے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز

الْأَسْدِيِّ حَلِيفِ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ وَعَلَيْهِ جُلُوسٌ، فَلَمَّا أَتَمَّ صَلَاتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، فَكَبَّرَ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، وَسَجَدَهُمَا النَّاسُ مَعَهُ مَكَانَ مَا نَسِيَ مِنَ الْجُلُوسِ.

تَابَعَهُ ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ فِي التَّكْبِيرِ .

[أخرجه مسلم : ٥٧٠]

میں کھڑے ہو گئے، جب کہ آپ کے ذمے (تشہد میں) بیٹھنا تھا۔ جب آپ نے اپنی نماز پوری کر لی تو آپ نے سلام سے پہلے دو سجدے کیے اور ہر سجدے میں تکبیر کہی، جب کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ دونوں سجدے کیے، اس بیٹھنے کی جگہ جو آپ بھول گئے تھے۔

لیث کے ساتھ اس حدیث کو ابن جریج نے بھی ابن شہاب سے روایت کیا اور (سجدوں میں) "اللہ اکبر" کہنا نقل کیا ہے۔

فوائد 1 اس کے بعض فوائد حدیث (۸۲۹) میں ملاحظہ فرمائیں۔ محمد بن سیرین نے اپنا غالب گمان یہ بیان کیا کہ وہ نمازِ عصر تھی، کیونکہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں شک کے بغیر نمازِ عصر کا ذکر ہے۔ (فتح الباری) مسجد کے قبلے کی طرف سیدھی کھڑی ہوئی لکڑی پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ مسلم (۵۷۳/۹۷) کی ایک روایت میں ہے کہ آپ غصے کی حالت میں اس لکڑی سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اہلِ علم نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہایت لطیف اور حساس مزاج والے تھے، بھول کی وجہ سے طبیعت پر پڑنے والا اثر غصے جیسی صورت میں ظاہر ہوا، مگر آپ کو معلوم نہ ہو سکا کہ بات کیا ہے، اس لیے پریشان ہو کر لکڑی سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ زیادہ خیال یہی ہے کہ اس لکڑی سے مراد وہی کھجور کا تنا ہے جس پر آپ منبر بننے سے پہلے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ منبر اس واقعے کے بعد ۹ ہجری میں بنایا گیا، کیونکہ اس کے بنانے کے وقت کا مشاہدہ کرنے والوں میں رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جنھوں نے سب سے آخر میں ہجرت کی۔ اس سے پہلے جن احادیث میں آپ کے منبر سے اترنے وغیرہ کا ذکر ہے اس سے مراد منبر کی جگہ ہے، جیسا کہ عید کے بعد خطبہ میں اترنے کا ذکر ہے۔

2 بعض حضرات ہر حال میں یہ واقعہ نماز میں کلام کی ممانعت سے پہلے بنانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ذوالیدین رضی اللہ عنہ بدر کی جنگ میں شہید ہو گئے تھے، جیسا کہ زہری نے کہا ہے، مگر یہ بات درست نہیں۔ بدر میں شہید ہونے والے صحابی ذوالشمالین رضی اللہ عنہ تھے۔ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: یہ ذوالیدین دوسرا شخص ہے اور ذوالشمالین دوسرا شخص، کیونکہ آخر الذکر تو جنگِ بدر میں شہید ہوا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے پانچ برس بعد اسلام لائے، وہ کیسے اس نماز میں شریک ہو سکتے تھے جو جنگِ بدر سے پہلے ہوئی ہو۔ (اسی طرح عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بھی اس واقعے میں شریک تھے جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے) اور زہری نے غلطی کی جو ذوالیدین کو ذوالشمالین سمجھا، حالانکہ ذوالیدین رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہا۔ یہ بنی سُلیم میں سے تھے، ان کا نام خرباق تھا۔ (تیسیر الباری)

3 ابوبکر، عمر اور دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے آپ کی ہیبت کی وجہ سے خاموش رہنے سے صحابہ کے حسنِ ادب کا اندازہ ہوتا ہے۔

4 ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے آپ سے سوال کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر غصے ہونے کی بجائے صحابہ سے اس کی تصدیق چاہی، انھوں نے اس کی تصدیق کی تو آپ نے ان سب کی بات مان کر رہ جانے والی دو رکعتیں پڑھا کر سجدۂ سہو کر لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے متعلق اس ساری گفتگو کے باوجود آپ نے پہلی دو رکعتوں کو باطل قرار دے کر انھیں دوبارہ نہیں پڑھا جس طرح آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح بات کرنے سے نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔ واضح رہے کہ جب یہ واقعہ ہوا نماز میں کلام کرنا ممنوع قرار دیا جا چکا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو اپنی بھول یاد نہ ہو تو نمازیوں کی بات تسلیم کر لینی چاہیے۔

5 اس روایت میں صاف دو سجدے کرنا مذکور ہے، اس حدیث سے یہ نکلا کہ اگر بھولے سے آدمی نماز میں وہ کام کرے جو نماز کے منافی ہیں تو نماز نہیں جاتی، مثلاً بعضے جلد باز لوگ مسجد سے چل کھڑے ہوئے تھے، ایک اور روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے گھر چلے گئے تھے، پھر واپس آئے۔ (تیسیر الباری)

6 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو کرنے کے لیے وہی تکبیر کافی ہے جس کے ساتھ آدمی سجدے میں چلا جائے۔ اس کے لیے پہلے تکبیر تحریمہ کہنا، پھر تکبیر کہہ کر سجدۂ سہو کرنا مسنون نہیں، نہ ہی ایسی کوئی صحیح حدیث ہے۔

٦- بَابٌ: إِذَا لَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ

6- باب: جب معلوم نہ ہو کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو (تشہد میں) بیٹھے ہوئے دو سجدے کر لے

١٢٣١- حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ الدَّسْتُوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِذَا نُودِيَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ، وَلَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ الْأَذَانَ، فَإِذَا قُضِيَ الْأَذَانُ أَقْبَلَ، فَإِذَا ثُوِّبَ بِهَا أَدْبَرَ، فَإِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا وَكَذَا، مَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ، حَتَّى

1231- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب نماز کے لیے اذان کہی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے، تاکہ وہ اذان نہ سنے، پھر جب اذان پوری ہو جاتی ہے تو آ جاتا ہے، پھر جب نماز کے لیے اقامت کہی جاتی ہے تو بھاگ جاتا ہے اور جب اقامت پوری ہو جاتی ہے تو آ جاتا ہے اور کہتا ہے: فلاں فلاں بات یاد کر، جو باتیں اسے یاد نہیں تھیں، یہاں تک کہ آدمی کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس نے کتنی

يَظَلَّ الرَّجُلُ إِنْ يَدْرِي كَمْ صَلَّى، فَإِذَا لَمْ يَدْرِ أَحَدُكُمْ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا، فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ » [راجع : ٦٠٨۔ أخرجه مسلم : ٣٨٩ وفي المساجد (٨٢)]

نماز پڑھی ہے۔ تو جب تم میں سے کسی کو یاد نہ رہے کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے، تین رکعتیں یا چار، تو ایسا شخص بیٹھے ہوئے (سہو کے) دو سجدے کر لے۔"

فائدہ اس کے فوائد حدیث (٦٠٨) میں گزر چکے ہیں۔

٧۔ بَابُ السَّهْوِ فِي الْفَرْضِ وَالتَّطَوُّعِ

7۔ باب: فرض اور نفل میں سہو ہونا

وَسَجَدَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ وِتْرِهِ.

اور ابن عباس ﷠ نے اپنے وتر کے بعد دو سجدے کیے۔

فائدہ اس باب سے ان لوگوں کا رد مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ نوافل میں سہو پر سجدہ نہیں۔ ابن عباس ﷠ کا اثر لانے کا مقصد یہ ہے کہ نماز وتر نفل ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سواری پر وتر پڑھ لیتے تھے جب کہ فرض نمازیں اتر کر پڑھتے تھے۔ تو ابن عباس ﷠ کے نماز وتر میں سجدۂ سہو کرنے سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک فرض اور نفل دونوں میں سہو کی صورت میں دو سجدے کیے جائیں گے۔

١٢٣٢۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : « إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي جَاءَ الشَّيْطَانُ، فَلَبَسَ عَلَيْهِ حَتَّى لَا يَدْرِيَ كَمْ صَلَّى، فَإِذَا وَجَدَ ذَلِكَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ » [راجع : ٦٠٨۔ أخرجه مسلم : ٣٨٩ وفي المساجد (٨٢)]

1232۔ ابو ہریرہ ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص جب کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے تو شیطان آ کر اس کی نماز خلط ملط کر دیتا ہے، حتیٰ کہ اسے پتا نہیں رہتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے۔ تو جب تم میں سے کسی کے ساتھ یہ معاملہ پیش آئے تو وہ (تشہد میں) بیٹھے ہوئے دو سجدے کر لے۔"

فائدہ اس کے اکثر فوائد حدیث (٦٠٨) میں گزر چکے ہیں۔ اس حدیث میں مطلق نماز کا ذکر ہے خواہ فرض ہو یا نفل، اس لیے امام بخاری ﷫ نے اس سے یہ نکالا کہ فرض اور نفل دونوں میں سہو کا ایک ہی حکم ہے، یعنی سجدۂ سہو کرے۔ (تیسیر الباری)

٨- بَابٌ : إِذَا كُلِّمَ وَهُوَ يُصَلِّي فَأَشَارَ بِيَدِهِ وَاسْتَمَعَ

8- باب: جب آدمی سے بات کی جائے اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو وہ ہاتھ کا اشارہ کرے اور غور سے بات سن لے (تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی)

١٢٣٣- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ : حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ : أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَزْهَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَرْسَلُوهُ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَقَالُوا : اقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنَّا جَمِيعًا، وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَقُلْ لَهَا : إِنَّا أُخْبِرْنَا أَنَّكِ تُصَلِّينَهُمَا، وَقَدْ بَلَغَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْهَا . وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : وَكُنْتُ أَضْرِبُ النَّاسَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْهَا .

فَقَالَ كُرَيْبٌ : فَدَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَبَلَّغْتُهَا مَا أَرْسَلُونِي، فَقَالَتْ : سَلْ أُمَّ سَلَمَةَ، فَخَرَجْتُ إِلَيْهِمْ فَأَخْبَرْتُهُمْ بِقَوْلِهَا، فَرَدُّونِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ بِمِثْلِ مَا أَرْسَلُونِي بِهِ إِلَى عَائِشَةَ، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْهَى عَنْهَا، ثُمَّ رَأَيْتُهُ يُصَلِّيهِمَا حِينَ صَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ دَخَلَ وَعِنْدِي نِسْوَةٌ مِنْ بَنِي حَرَامٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ الْجَارِيَةَ، فَقُلْتُ : قُومِي بِجَنْبِهِ قُولِي لَهُ : تَقُولُ لَكَ أُمُّ سَلَمَةَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! سَمِعْتُكَ

1233۔ کُریب سے روایت ہے کہ ابن عباس اور مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن ازہر رضی اللہ عنہم نے اسے عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا اور انھوں نے کہا: ہم سب کی طرف سے انھیں سلام کہنا اور ان سے عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں پوچھنا اور انھیں کہنا کہ ہمیں آپ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ آپ وہ دو رکعتیں پڑھتی ہیں، جب کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ نبی ﷺ نے ان (دو رکعتوں) سے منع فرمایا ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اور میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ان دو رکعتوں سے روکنے کے لیے لوگوں کو پیٹا کرتا تھا۔

کُریب نے کہا: تو میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور انھیں ان حضرات کا پیغام پہنچایا تو انھوں نے کہا: ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھو۔ میں نکل کر ان حضرات کے پاس گیا اور انھیں عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات بتائی تو انھوں نے مجھے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف وہی پیغام دے کر بھیجا جو دے کر مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا تھا، تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو ان رکعتوں سے منع کرتے ہوئے سنا، پھر میں نے آپ کو یہ رکعتیں اس وقت پڑھتے ہوئے دیکھا جب آپ عصر کی نماز پڑھ کر (میرے پاس) آئے اور میرے پاس بنو حرام کی کچھ انصاری

تَنْهٰى عَنْ هَاتَيْنِ، وَأَرَاكَ تُصَلِّيهِمَا ؟ فَإِنْ أَشَارَ بِيَدِهِ، فَاسْتَأْخِرِي عَنْهُ، فَفَعَلَتِ الْجَارِيَةُ، فَأَشَارَ بِيَدِهِ فَاسْتَأْخَرَتْ عَنْهُ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ : «يَا بِنْتَ أَبِي أُمَيَّةَ ! سَأَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَإِنَّهُ أَتَانِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُونِي عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ، فَهُمَا هَاتَانِ» [انظر : ٤٣٧٠ وانظر في السهو، باب : ٩۔ أخرجه مسلم : ٨٣٤]

عورتیں تھیں۔ میں نے آپ کی طرف ایک لڑکی کو بھیجا اور میں نے (اسے) کہا: تو آپ ﷺ کی ایک جانب کھڑی ہو جانا اور آپ سے کہنا کہ ام سلمہ آپ سے کہتی ہیں: یا رسول اللہ! میں نے آپ کو ان دو رکعتوں سے منع کرتے ہوئے سنا اور میں آپ کو انھیں پڑھتے ہوئے دیکھ رہی ہوں؟ پھر اگر آپ اپنے ہاتھ سے اشارہ کریں تو تو آپ سے (پیچھے) ہٹ جانا۔ اس لڑکی نے ایسے ہی کیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ آپ سے ہٹ گئی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو (ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے) کہا: ”اے ابوامیہ کی بیٹی! تم نے مجھ سے عصر کے بعد ان دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا ہے تو بات یہ ہے کہ میرے پاس قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگ آئے تھے اور انھوں نے مجھے ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے مشغول رکھا، چنانچہ یہ وہ دو رکعتیں ہیں۔“

فوائد ومسائل: 1 نمازِ عصر کے بعد نماز کے متعلق کلام حدیث (۵۸۹) سے لے کر حدیث (۵۹۳) میں گزر چکا ہے۔ اس باب اور حدیث سے ان لوگوں کا رد مقصود ہے جن کا کہنا ہے کہ نمازی اگر نماز سے باہر کسی شخص کی بات کان لگا کر سنے یا ایسا اشارہ کرے جس سے بات سمجھ میں آ جائے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ استدلال ظاہر ہے کہ اس لڑکی نے جا کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پیغام رسول اللہ ﷺ کو دیا تو آپ نے اشارے کے ساتھ جواب دیا جسے سمجھ کر لڑکی نے آ کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا، اس کے باوجود نبی ﷺ نے نماز جاری رکھی۔

2 ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو علم تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہر روز عصر کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھتے ہیں، جیسا کہ انھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بتایا، مگر یہاں چونکہ بات پھیلنے کا خطرہ تھا اس لیے انھوں نے قاصد کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف پھیر دیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی علم تھا، مگر انھوں نے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ محلّٰی ابن حزم میں ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھی ان دو رکعتوں پر عمل تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ رکعتیں مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، اس لیے اگر کوئی شخص گھر میں اس وقت تک پڑھے جب تک سورج بلند ہو، جیسا کہ ابوداود (۱۲۷۴) کی صحیح حدیث میں ہے تو کوئی حرج نہیں۔

٩- بَابُ الْإِشَارَةِ فِي الصَّلَاةِ

قَالَهُ كُرَيْبٌ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ١٢٣٣]

١٢٣٤- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَلَغَهُ أَنَّ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ كَانَ بَيْنَهُمْ شَيْءٌ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فِي أُنَاسٍ مَعَهُ، فَحُبِسَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَجَاءَ بِلَالٌ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ حُبِسَ، وَقَدْ حَانَتِ الصَّلَاةُ، فَهَلْ لَكَ أَنْ تَؤُمَّ النَّاسَ؟ قَالَ: نَعَمْ إِنْ شِئْتَ، فَأَقَامَ بِلَالٌ وَتَقَدَّمَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَكَبَّرَ لِلنَّاسِ، وَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَمْشِي فِي الصُّفُوفِ حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ، فَأَخَذَ النَّاسُ فِي التَّصْفِيقِ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ الْتَفَتَ فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْمُرُهُ أَنْ يُصَلِّيَ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللَّهَ وَرَجَعَ الْقَهْقَرَى وَرَاءَهُ حَتَّى قَامَ فِي الصَّفِّ، فَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَصَلَّى لِلنَّاسِ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! مَا لَكُمْ حِينَ نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي الصَّلَاةِ أَخَذْتُمْ فِي التَّصْفِيقِ، إِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ،

9- باب: نماز میں اشارہ کرنا

کُریب نے اسے ام سلمہ ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

1234- سہل بن سعد ساعدی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو عمرو بن عوف کے درمیان کچھ جھگڑا ہوا ہے تو رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان صلح کروانے کے لیے چند لوگوں کے ہمراہ ان کے پاس گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو وہاں کچھ رکاوٹ پڑ گئی اور نماز کا وقت ہو گیا۔ تو بلال ؓ ابو بکر ؓ کے پاس آئے اور کہا: ابو بکر! رسول اللہ ﷺ کو کوئی رکاوٹ پڑ گئی ہے اور نماز کا وقت ہو چکا ہے تو کیا آپ لوگوں کو امامت کرائیں گے؟ انھوں نے کہا: ہاں! اگر تم چاہو۔ تو بلال ؓ نے اقامت کہی اور ابو بکر ؓ آگے بڑھے اور لوگوں (کو جماعت کرانے) کے لیے اللہ اکبر کہا۔ اور (اتنے میں) رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے، آپ صفوں میں چلتے ہوئے پہلی صف میں کھڑے ہو گئے۔ اس پر لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کر دیں، مگر ابو بکر ؓ نماز میں ادھر ادھر نہیں جھانکتے تھے، جب لوگوں نے زیادہ ہی تالیاں بجائیں تو انھوں نے جھانک کر دیکھا تو رسول اللہ ﷺ موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کیا جس سے آپ انھیں حکم دے رہے تھے کہ نماز پڑھاتے رہیں۔ ابو بکر ؓ نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور (رسول اللہ ﷺ کے انھیں نماز پڑھانے کے حکم پر) اللہ کی حمد کی اور الٹے پاؤں پیچھے آ گئے، یہاں تک کہ صف میں کھڑے ہو گئے، تو

مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَقُلْ : سُبْحَانَ اللّٰهِ، فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ حِينَ يَقُولُ : سُبْحَانَ اللّٰهِ إِلَّا الْتَفَتَ . يَا أَبَا بَكْرٍ ! مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ لِلنَّاسِ حِينَ أَشَرْتُ إِلَيْكَ ؟ » فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : مَا كَانَ يَنْبَغِي لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ . [راجع : ٦٨٤۔ أخرجه مسلم : ٤٢١]

رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا: ''لوگو! تمھیں کیا ہے کہ جب تمھیں نماز میں کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو تم تالیاں بجانے لگتے ہو، تالیاں بجانا تو عورتوں کے لیے ہے، جسے نماز میں کوئی معاملہ پیش آئے وہ سبحان اللہ کہے، کیونکہ اسے سبحان اللہ کہتے ہوئے جو بھی سنے گا وہ دھیان کرے گا۔ ابو بکر! جب میں نے تمھیں اشارہ کر دیا تو تمھیں لوگوں کو نماز پڑھانے سے کس چیز نے روکا؟'' ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابو قحافہ کے بیٹے کے لائق نہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے آگے نماز پڑھائے۔

فائدہ اس کے فوائد حدیث (۶۸۴) میں گزر چکے ہیں، یہاں استدلال اس سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے دوران ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا جسے انھوں نے سمجھ لیا۔ معلوم ہوا اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اس حدیث میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تواضع بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ اپنے معروف نام ابو بکر کی بجائے اپنے آپ کو ابو قحافہ کا بیٹا کہا جو لوگوں میں معروف نہیں تھے۔

١٢٣٥ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ : حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنَا الثَّوْرِيُّ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ فَاطِمَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ : دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَهِيَ تُصَلِّي قَائِمَةً وَالنَّاسُ قِيَامٌ، فَقُلْتُ : مَا شَأْنُ النَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا إِلَى السَّمَاءِ، فَقُلْتُ : آيَةٌ ؟ فَقَالَتْ بِرَأْسِهَا : أَيْ نَعَمْ . [راجع : ٨٦۔ أخرجه مسلم : ٩٠٥ مطولاً]

1235۔ اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور وہ کھڑی ہو کر نماز پڑھ رہی تھیں اور لوگ بھی (نماز میں) کھڑے تھے۔ میں نے کہا: لوگوں کا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے سر کے ساتھ آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا: کوئی نشانی ہے؟ انھوں نے سر کے ساتھ اشارہ کیا کہ ہاں۔

فائدہ اس کے فوائد حدیث (۸۶) میں گزر چکے ہیں۔

١٢٣٦ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ، قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ،

1236۔ نبی ﷺ کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے،

عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي بَيْتِهِ وَهُوَ شَاكٍ جَالِسًا، وَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: « إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا » [راجع: ٦٨٨- أخرجه مسلم: ٤١٢ مطولاً]

انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے بیماری کی حالت میں اپنے گھر میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور آپ کے پیچھے کچھ لوگوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، آپ نے انھیں اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ، جب نماز سے پھرے تو فرمایا: ''امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، تو جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم سر اٹھاؤ۔''

فائدہ اس کے فوائد حدیث (٦٨٨) میں گزر چکے ہیں، یہاں استدلال اس لفظ سے ہے: « فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوْا » کہ آپ ﷺ نے انھیں اشارے سے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ براعتِ اختتام لفظ " فَارْفَعُوْا " میں ہے۔

[تَمَّ كِتَابُ السَّهْوِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَحْدَهُ]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٢٣ - كِتَابُ الْجَنَائِزِ

کتاب الجنائز

"اَلْجَنَائِزُ" "جِنَازَةٌ" کی جمع ہے، جیم کے فتحہ کے ساتھ میت اور جیم کے کسرہ کے ساتھ چارپائی جس پر میت ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں معنوں کے لیے دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں، یہاں جنازہ سے مراد میت ہے۔ لفظ "جِنَازَةٌ" "جَنَزَ" سے نکلا ہے جس کا معنی ہے: "اس نے چھپایا" چونکہ میت کو چادر وغیرہ سے چھپایا جاتا ہے، اس لیے اسے "جنازہ" کہا جاتا ہے۔ چونکہ نمازوں میں سے آخری نماز جنازہ ہے جو آدمی کے مرنے کے بعد اس کی میت پر پڑھی جاتی ہے اور جس کا اسے جنازہ پڑھنے والوں کی دعا سے گناہوں کی بخشش کی صورت میں فائدہ ہوتا ہے، اس لیے محدثین اسے "كِتَابُ الصَّلَاةِ" کے آخر میں لاتے ہیں۔ اس کے بعد زکوۃ کا بیان ہوتا ہے۔

١ - بَابٌ: فِي الْجَنَائِزِ وَمَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

1- باب: جنازوں کے بارے میں اور جس کا آخری کلام "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" ہو

وَقِيلَ لِوَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ: أَلَيْسَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِفْتَاحَ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: بَلَى، وَلَكِنْ لَيْسَ مِفْتَاحٌ إِلَّا لَهُ أَسْنَانٌ، فَإِنْ جِئْتَ بِمِفْتَاحٍ لَهُ أَسْنَانٌ فُتِحَ لَكَ، وَإِلَّا لَمْ يُفْتَحْ لَكَ.

وہب بن منبہ سے کہا گیا: کیا "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" جنت کی چابی نہیں ہے؟ کہا: کیوں نہیں، مگر ہر چابی کے دندانے ہوتے ہیں، تو اگر تم وہ چابی لاؤ گے جس کے دندانے موجود ہوں تو تمھارے لیے دروازہ کھل جائے گا، ورنہ وہ تمھارے لیے نہیں کھلے گا۔

فوائد ومسائل: 1 باب کے الفاظ "وَمَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کے ساتھ ابوداود میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث (٣١١٦) کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ" "جس شخص کا آخری کلام "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔" زین بن المنیر نے کہا: اس حدیث کے الفاظ میں وہ شخص شامل ہے جس نے یہ کلمہ کہا اور اسے اچانک موت آگئی اور وہ بھی جو زندہ رہا، مگر اس کے

سوا اس نے کوئی بات نہ کی، اور اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ اس نے کلمہ پڑھا، پھر اس کے حکم یعنی توحید پر قائم رہا، خواہ پھر اس نے یہ الفاظ نہ کہے ہوں، پھر اگر اس نے کچھ برے اعمال کیے تو وہ اللہ کی مرضی کے سپرد ہے اور اگر اس نے اچھے اعمال کیے تو اللہ کی رحمت کا معاملہ بہت وسیع ہے، کیونکہ زبان سے کلمہ کہنے اور اس کے مفہوم پر قائم رہنے میں کوئی فرق نہیں۔ (واللہ اعلم) (فتح الباری)

2 صحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث (۹۱۶) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ » ”اپنے فوت ہونے والوں کو ” لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ “ کی تلقین کرو۔“ اس تلقین کا فائدہ یہ ہے کہ فوت ہونے والے کا آخری کلام ” لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ “ ہو جائے۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ اس تلقین کا طریقہ یہ ہے کہ مرنے والے کے آخری وقت میں اس کے پاس بیٹھ کر ” لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ “ پڑھنا چاہیے، تاکہ وہ یہ کلمہ پڑھ لے۔ اسے یہ کہنا نہیں چاہیے کہ کلمہ پڑھو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ موت کی سختی کی وجہ سے یہ کہنے سے انکار کر دے، مگر یہ بات درست نہیں، بلکہ اسے کہنا چاہیے کہ ” لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ “ پڑھو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے کہا تھا: « يَا عَمِّ ! قُلْ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ » [بخاري : ۱۳۶۰] ”چچا! لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہہ لو۔“ اسی طرح انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ بنو النجار کے ایک آدمی کی بیمار پرسی کے لیے اس کے پاس گئے اور اسے کہا: ”ماموں جان! ” لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ “ کہو۔“ اس نے کہا: میں ماموں ہوں یا چچا؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں، بلکہ تم ماموں ہو۔“ آپ نے پھر اس سے کہا: ” لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہو۔“ اس نے کہا: میرے لیے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“ [مسند أحمد : ۱۲۵۴۳ ، إسناده صحيح على شرط مسلم] البتہ یہ ضرور ہے کہ فوت ہونے والا ایک دفعہ ” لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ “ پڑھ لے تو اسے بار بار نہ کہا جائے۔ ترمذی نے حدیث (۹۷۷) کے تحت بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک کو موت کے قریب بار بار تلقین کی گئی تو انھوں نے کہا: جب میں نے ایک بار کہہ دیا تو میں اس پر قائم ہوں جب تک کوئی اور بات نہ کروں۔ (فتح الباری) معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری ” لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ “ والی حدیث اپنی شرط پر نہ ہونے کی وجہ سے نہیں لائے۔

3 ابوزرعہ رازی کے وراق ابوجعفر محمد بن علی کا بیان ہے کہ ہم ”ماشہران“ میں ابوزرعہ کے پاس ان کے آخری وقت میں گئے، اس وقت ان کے پاس ابو حاتم، ابن وارہ، منذر بن شاذان اور دوسرے محدثین موجود تھے، انھوں نے آپس میں حدیثِ تلقین کا ذکر کیا اور اس بات سے حیا کی کہ انھیں کلمہ کی تلقین کریں۔ کہنے لگے: آؤ ہم وہ حدیث ذکر کرتے ہیں، تو ابن وارہ نے کہا: ” حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيْدِ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ صَالِحٍ “ آگے ” ابْنُ أَبِيْ “ کہتے رہے، مگر آگے حدیث نہیں پڑھی اور ابو حاتم نے کہا: ” حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ صَالِحٍ...... “ اور آگے کچھ نہیں کہا، باقی سب خاموش رہے۔ تو ابوزرعہ نے عین حالت نزع میں کہا: « حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيْدِ، عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِيْ عَرِيْبٍ، عَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ » اتنا کہا تھا

کہ روح پرواز کر گئی۔ [سير أعلام النبلاء ، أحوال أبي زرعة الرازي : ١٣/٧٦، ٧٧]

4 معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بظاہر مرجیہ کے عقیدے کی تائید ہوتی ہے کہ ایمان تصدیق اور اقرار کا نام ہے، اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے وہب بن منبہ کا قول ذکر کیا کہ بے شک " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " جنت کی چابی ہے مگر دندانوں کے بغیر یہ چابی بھی کام نہیں کرتی، یعنی تصدیق اور اقرار کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ لیکن حدیث کے الفاظ میں صرف آخری کلام " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " ہونے پر جنت کی بشارت ہے۔ اس میں اعمال کا ذکر نہیں، اس لیے بظاہر جنت میں داخلے کے لیے اعمال ضروری نہیں ٹھہرتے۔ اہل علم نے یہ مسئلہ کئی طرح سے حل کیا ہے، ایک یہ کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو موت سے پہلے نادم ہو کر توبہ کرتے ہوئے " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " کہتا ہے، اس کے بعد اسے عمل کی فرصت نہیں ملتی تو ندامت اور توبہ سے گناہ معاف ہونے کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بعض روایات میں " مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهِ " کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ [دیکھیے مسند أحمد : ٢٢٠٦٠] ظاہر ہے آخری وقت میں دل کے اخلاص کے ساتھ وہی کلمہ ہو سکتا ہے جس میں ندامت اور توبہ ہو۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے " كِتَابُ اللِّبَاسِ (٥٨٢٧) " میں ابو ذر رضی اللہ عنہ والی حدیث " وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ ؟ " کے بعد کہا ہے : " هٰذَا عِنْدَ الْمَوْتِ، أَوْ قَبْلَهُ إِذَا تَابَ وَنَدِمَ " یعنی یہ بشارت اس وقت ہے جب موت کے وقت یا اس سے پہلے یہ کلمہ کہتے ہوئے توبہ کرے اور نادم ہو۔

دوسرا حل یہ ہے کہ جو شخص موت کے وقت اخلاص کے ساتھ یہ کلمہ پڑھے اور اس کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں تو اگر اللہ چاہے تو گناہ معاف کر کے جنت میں داخل کر دے اور اگر چاہے تو گناہوں کی سزا دے کر آخر کار جنت میں داخل کر دے۔ مطلب یہ کہ جس کا آخری کلام اخلاص کے ساتھ " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " ہوگا وہ ہر حال میں آخر کار جنت میں چلا جائے گا، خواہ شروع میں جنت میں داخل نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ دل کے اخلاص کے ساتھ " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " کہنے والا شخص آخر کار جنت میں چلا جائے گا۔

ایک حل اس سوال کا شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''امام بخاری نے وہب کا قول ذکر کیا کہ ان سے کہا گیا: کیا " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " جنت کی چابی نہیں ہے؟ کہنے والے کا مقصد اس سے یہ تھا کہ جب آدمی " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " کہے اور ارکان اسلام میں سے کوئی کام بجا نہ لائے تو کیا یہ جنت میں داخلے کے لیے کافی ہے؟ تو انھوں نے صاف سیدھا جواب دیا کہ ہر چابی کے دندانے ہوتے ہیں، اگر تم وہ چابی لاؤ جس کے دندانے موجود ہوں تو دروازہ کھل جائے گا، ورنہ نہیں۔'' تو جو بات وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے کہی ہے وہ حق ہے، چنانچہ صرف " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " ہمیشہ نجات کا باعث نہیں سوائے اس شخص کے جس کا عذر ہو، جیسا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اسلام مٹتا جائے گا، صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " کے سوا کچھ نہیں جانتے ہوں گے، تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے خواہ انھوں نے نہ نماز پڑھی ہو نہ زکوٰۃ دی ہو اور نہ روزہ رکھا ہو، کیونکہ وہ معذور ہیں۔ البتہ عذر کے بغیر جنت میں اسی چابی کے ساتھ داخل ہوگا جس کے

دنانے موجود ہوں گے۔ شیخ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ سنن ابن ماجہ (۴۰۴۹) میں ہے اور صحیح حدیث ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام مٹتا جائے گا جیسے کپڑے کے نقش و نگار مٹتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ کسی کو معلوم تک نہ ہوگا کہ روزہ کیا ہے، نماز کیا ہے، قربانی کیا ہے اور صدقہ کیا ہے اور اللہ عزوجل کی کتاب ایک ہی رات میں اٹھالی جائے گی، زمین میں اس کی ایک آیت بھی باقی نہیں رہے گی اور لوگوں میں بوڑھے مردوں اور بوڑھی عورتوں کے کچھ گروہ رہ جائیں گے، جو کہتے ہوں گے: ہم نے اپنے آباء کو اس کلمہ '' لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ '' پر پایا ہے، اس لیے ہم اسے کہتے ہیں۔ تو صلہ نے ان سے کہا: '' لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ '' انھیں کیا فائدہ دے گا، جب کہ انھیں یہ بھی معلوم نہ ہوگا کہ نماز، روزہ، قربانی اور صدقہ کیا ہے؟ تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے اعراض کیا، انھوں نے یہ سوال تین بار دہرایا، ہر بار حذیفہ رضی اللہ عنہ ان سے اعراض کرتے رہے، پھر تیسری بار ان کی طرف متوجہ ہو کر تین بار کہا: اے صلہ! یہ کلمہ انھیں آگ سے بچالے گا۔

١٢٣٧ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ، حَدَّثَنَا وَاصِلٌ الْأَحْدَبُ، عَنِ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: « أَتَانِي آتٍ مِنْ رَبِّي فَأَخْبَرَنِي ـ أَوْ قَالَ: بَشَّرَنِي ـ أَنَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ » قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: « وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ » [انظر: ١٤٠٨، ٢٣٨٨، ٣٢٢٢، ٥٨٢٧، ٦٢٦٨، ٦٤٤٣، ٦٤٤٤، ٧٤٨٧ـ أخرجه مسلم: ٩٤، و جاء مطولاً في كتاب الزكاة (٣٢)]

1237۔ ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے بتایا۔ یا فرمایا: اس نے مجھے بشارت دی۔ کہ میری امت میں سے جو شخص اس حال میں فوت ہو کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔'' میں نے کہا: خواہ وہ زنا کرے اور خواہ وہ چوری کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خواہ وہ زنا کرے اور خواہ وہ چوری کرے۔''

١٢٣٨ـ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، حَدَّثَنَا شَقِيقٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: « مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ » وَقُلْتُ أَنَا: مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ . [انظر:

1238۔ عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس حال میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک بناتا ہو وہ آگ میں داخل ہوگا۔'' اور میں کہتا ہوں کہ جو شخص اس حال میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

٤٤٩٧، ٦٦٨٣۔ أخرجه مسلم : ٩٢]

فوائد 1 فتح الباری میں ہے کہ زین بن الْمُنَیِّر نے کہا: ”ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث امید دلانے والی ان احادیث میں سے ہے جن پر تکیہ کرتے ہوئے بعض جاہل ہلاک کرنے والے اعمال پر دلیر ہو جاتے ہیں۔“ حالانکہ ان کا ظاہری معنی مراد نہیں، کیونکہ شریعت کے قواعد میں طے ہو چکا ہے کہ آدمیوں کے حقوق صرف ایمان پر موت سے ساقط نہیں ہوتے، لیکن ان کے ساقط نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ جسے جنت میں داخل کرنا چاہے اسے بھی اپنے پاس سے وہ حقوق ادا کر کے جنت میں داخل نہیں کر سکتا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کی وہ بات رد کر دی جس میں وہ زنا اور چوری کرنے والے کے جنت میں داخلے کو بعید سمجھ رہے تھے۔ آپ ﷺ کے فرمان ” دَخَلَ الْجَنَّةَ “ سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ابتدا ہی میں جنت میں داخل ہو جائے گا اور یہ بھی کہ اگر وہ جنتی سزا کا مستحق ہے تو اس سزا کے بعد جنت میں داخل ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور عافیت عطا فرمائے۔

2 علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ جو شخص توحید پر مرے وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہنے کا، ایک نہ ایک دن اس کو بہشت ضرور ملے گی۔ گو وہ ایسے گناہوں میں گرفتار ہو جو اللہ کا حق ہیں جیسے زنا یا بندوں کا حق جیسے چوری اور یہ اُن حدیثوں کے خلاف نہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حقوق العباد ساقط نہیں ہو سکتے، کیوں کہ ایسے گناہ گاروں کو اللہ بہشت میں داخل کرنا چاہے گا تو ان کے حقوق حق داروں کو خوش کر کے بخشوائے گا۔ (تیسیر الباری)

3 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص ” لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ “ کہے تو کبھی نہ کبھی یہ کلمہ اسے ضرور نفع دے گا، خواہ اس سے پہلے اسے کوئی نہ کوئی مصیبت اٹھانی پڑے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کبائر کے مرتکب ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے اور یہ کہ کبائر سے بندہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور یہ کہ غیر موحد لوگ جنت میں نہیں جائیں گے۔ اور صرف زنا اور چوری کا ذکر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ان کے ساتھ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کی طرف اشارہ ہے۔

4 ” وَ إِنْ زَنٰى وَ إِنْ سَرَقَ “ میں خوارج اور معتزلہ کا واضح رد ہے جن کا کہنا ہے کہ جو زنا کرے یا چوری کرے اور توبہ کے بغیر مر جائے تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، خواہ وہ توحید پر فوت ہو بلکہ وہ ابدی جہنمی ہے۔

5 یاد رہے کہ ” لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ “ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ” مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ “ کے بغیر یہ کلمہ نفع دے گا، بلکہ ” لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ “ پورا اسلام قبول کرنے کا نام ہے۔ اس لیے اس میں ” مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ “ بھی شامل ہے اور تصدیق و اقرار کے ساتھ ساتھ ارکانِ خمسہ اور دوسرے اعمال بھی شامل ہیں۔ اسی لیے امام بخاری نے اس کے ساتھ وہب بن منبہ کا قول پیش کیا اور اس کے ساتھ یہ وضاحت کی کہ اس سے مراد ندامت اور توبہ کے ساتھ یہ کلمہ پڑھنا ہے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

6 علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ حدیث لا کر اس طرف اشارہ کیا کہ پہلی حدیث میں جو فرمایا کہ جس کا آخری کلام ” لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ “ ہو اس سے مراد آخری حکماً یا لفظاً ہے، یعنی ضروری نہیں کہ خواہ مخواہ مرتے وقت زبان سے کلمہ

کہے، بلکہ توحید کے اعتقاد پر مرے اور وہب کا قول لا کر مرجیہ کا رد کیا جو نرے ایمان کو کافی سمجھتے ہیں، اعمالِ صالحہ کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ (تیسیر الباری)

٢- بَابُ الْأَمْرِ بِاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ

2- باب: جنازوں کے پیچھے جانے کا حکم

١٢٣٩- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَشْعَثِ، قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: أَمَرَنَا بِاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ، وَعِيَادَةِ الْمَرِيضِ، وَإِجَابَةِ الدَّاعِي، وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ، وَإِبْرَارِ الْقَسَمِ، وَرَدِّ السَّلَامِ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، وَنَهَانَا عَنْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ، وَخَاتَمِ الذَّهَبِ، وَالْحَرِيرِ، وَالدِّيبَاجِ، وَالْقَسِّيِّ، وَالْإِسْتَبْرَقِ. [انظر: ٢٤٤٥، ٥١٧٥، ٥٦٣٥، ٥٦٥٠، ٥٨٣٨، ٥٨٤٩، ٥٨٦٣، ٦٢٢٢، ٦٢٣٥، ٦٦٥٤- أخرجه مسلم: ٢٠٦٦]

1239- براء (بن عازب) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا، آپ نے ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے، بیمار کی بیمار پرسی کرنے، بلانے والے کے بلانے پر جانے، مظلوم کی مدد کرنے، قسم پوری کرنے، سلام کا جواب دینے اور چھینک والے کے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنے کے جواب میں "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہنے کا حکم دیا اور آپ نے ہمیں چاندی کے برتنوں، سونے کی انگوٹھی، ریشم، دیباج، قسی اور استبرق سے منع فرمایا۔

١٢٤٠- حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ»

تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ. وَرَوَاهُ سَلَامَةُ عَنْ عُقَيْلٍ. [أخرجه مسلم: ٢١٦٢]

1240- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: ''مسلمان کے حق دوسرے مسلمان پر پانچ ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی بیمار پرسی کرنا، جنازے کے پیچھے جانا، دعوت قبول کرنا اور چھینک مارنے والے کے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنے کے جواب میں "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہنا۔

عمرو بن ابی سلمہ کے ساتھ اس حدیث کو عبد الرزاق نے بھی روایت کیا، کہا: ہم کو معمر نے خبر دی۔ نیز اس حدیث کو سلامہ (بن روح) نے عقیل سے بیان کیا۔

فوائد ومسائل: 1 براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جن سات کاموں کا حکم دیا گیا ان میں سے اس باب سے صرف ایک کام کا تعلق ہے اور وہ ہے جنازوں کے ساتھ جانا۔ اس پر کلام " بَابُ فَضْلِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ (١٣٢٣، ١٣٢٤)" میں آئے گا جو " كِتَابُ الْجَنَائِزِ " کے وسط میں ہے۔ یہاں جنازے کے ساتھ جانے کے حکم کا ذکر ہے اور وہاں اس کی فضیلت کا، لہٰذا تکرار نہیں۔ باقی کاموں کی شرح " كِتَابُ الْأَدَبِ (٦٢٢٢) " اور " كِتَابُ اللِّبَاسِ (٥٨٤٩) " میں آئے گی اور منع کردہ چیزوں پر " كِتَابُ اللِّبَاسِ (٥٨٣٨) " میں گفتگو ہوگی۔ یہاں منع کردہ سات چیزوں میں سے ایک چیز بھول کر بخاری یا ان کے استاذ سے رہ گئی ہے اور وہ ہے: " اَلْمِيثَرَةُ الْحَمْرَاءُ " یعنی ریشم کی سرخ گدیاں جو زین کے اوپر رکھی جاتی ہیں۔ (دیکھیے بخاری: ٥٨٦٣) منع کردہ چیزوں میں سے دیباج، قَسِّی اور استبرق بھی ریشمی کپڑوں کی قسمیں ہیں، کہتے ہیں کہ قَسِّی کپڑے شام یا مصر سے بن کر آتے تھے اور استبرق موٹا ریشمی کپڑا ہے۔

2 ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق بیان ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم (٢١٦٢/٤) میں پانچ حقوق والی حدیث بھی ہے اور ایک اور طریق (٢١٦٢/٥) سے یہ بھی ہے: « حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ » "یعنی مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔" چھٹا حق یہ بیان کیا ہے: « وَ إِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ » "جب وہ تجھ سے خیر خواہی کا تقاضا کرے تو اس کی خیر خواہی کر۔" یعنی مشورہ دیتے وقت اس کی خیر خواہی کو مدنظر رکھو۔ " حَقُّ الْمُسْلِمِ " کے لفظ سے معلوم ہوا کہ یہ کام واجب ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ فرضِ کفایہ ہیں۔ " رَدُّ السَّلَامِ " کے احکام " كِتَابُ الْإِسْتِئْذَانِ " میں آئیں گے، " عِيَادَةُ الْمَرِيضِ " پر " كِتَابُ الْمَرْضَى " میں بات ہوگی، " إِجَابَةُ الدَّعْوَةِ " کی شرح " بَابُ حَقِّ إِجَابَةِ الْوَلِيمَةِ وَالدَّعْوَةِ " میں آئے گی اور " تَشْمِيتُ الْعَاطِسِ " کی شرح " كِتَابُ الْأَدَبِ " میں آئے گی۔ (فتح الباری)

3 احادیث میں بعض چیزیں گن کر بتائی گئی ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے علاوہ کوئی چیز واجب نہیں، بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا طریقِ تعلیم ہے، کیونکہ اس طرح بات یاد رہتی ہے۔ گن کر بتائی ہوئی چیزوں میں سے کوئی ایک رہ جائے تو وہ عدد پورا کرنے کے لیے دماغ پر زور ڈالنے سے یاد آ جاتی ہے، جیسا کہ فرمایا: "سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنا سایہ عطا کرے گا......" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح احادیث سے ان کے علاوہ بھی سات، پھر مزید سات ایسے خوش نصیب نقل کیے ہیں۔

4 إِبْرَارُ الْقَسَمِ: ایک روایت میں " إِبْرَارُ الْمُقْسِمِ " ہے، یعنی قسم ڈالنے والے کی قسم کو پورا کرنا۔ [دیکھیے بخاری: ٢٤٤٥] مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلم دوسرے مسلم کو قسم ڈال کر کوئی کام کہے تو اس کا حق ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔

٣- بَابُ الدُّخُولِ عَلَى الْمَيِّتِ بَعْدَ الْمَوْتِ إِذَا أُدْرِجَ فِي أَكْفَانِهِ

١٢٤١، ١٢٤٢- حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ : أَخْبَرَنِي مَعْمَرٌ وَيُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ : أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ : أَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى فَرَسِهِ مِنْ مَسْكَنِهِ بِالسُّنْحِ حَتَّى نَزَلَ، فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتَّى دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَتَيَمَّمَ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ مُسَجًّى بِبُرْدِ حِبَرَةٍ، فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ، ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهُ، ثُمَّ بَكَى فَقَالَ : بِأَبِي أَنْتَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ! لَا يَجْمَعُ اللَّهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ، أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا .

3- باب: موت کے بعد کفن کے کپڑوں میں لپیٹے جانے کے بعد میت کے پاس جانا

1241، 1242- نبی ﷺ کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ مدینہ کی مضافاتی بستی سُنح میں واقع اپنے گھر سے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور اس سے اتر کر مسجد میں آ گئے، پھر کسی سے بات کیے بغیر عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ گئے اور سیدھے نبی ﷺ کے پاس چلے گئے۔ آپ پر ایک یمنی چادر ڈالی ہوئی تھی، انھوں نے آپ کے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور جھک کر اسے چوما، پھر رو پڑے اور کہنے لگے: اللہ کے نبی! میرا باپ آپ پر قربان! اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ وہ موت جو آپ پر آنی لکھی ہوئی تھی وہ آپ پر آ چکی۔

قَالَ أَبُو سَلَمَةَ : فَأَخْبَرَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا : أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ خَرَجَ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُكَلِّمُ النَّاسَ، فَقَالَ : اجْلِسْ، فَأَبَى فَقَالَ : اجْلِسْ، فَأَبَى، فَتَشَهَّدَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَمَالَ إِلَيْهِ النَّاسُ وَتَرَكُوا عُمَرَ، فَقَالَ : أَمَّا بَعْدُ، فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ، فَإِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ، فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى : ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾ إِلَى ﴿الشَّاكِرِينَ﴾ [آل عمران : ١٤٤]

ابو سلمہ نے کہا کہ مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ (گھر سے) نکلے تو عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے بات کر رہے تھے۔ کہا: بیٹھ جاؤ، مگر وہ نہیں مانے، پھر کہا: بیٹھ جاؤ، وہ پھر نہیں مانے۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا تو لوگ ان کی طرف آ گئے اور انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اما بعد! تو تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً محمد ﷺ فوت ہو گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ زندہ ہے، فوت نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور نہیں ہے محمد مگر ایک رسول، بے شک اس

وَاللّٰهِ! لَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُونُوا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَهَا حَتّٰى تَلَاهَا أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ، فَمَا يُسْمَعُ بَشَرٌ إِلَّا يَتْلُوهَا. [الحديث: ١٢٤١۔ انظر: ٣٦٦٧، ٣٦٦٩، ٤٤٥٢، ٤٤٥٥، ٥٧١٠] [الحديث: ١٢٤٢۔ انظر: ٣٦٦٨، ٣٦٧٠، ٤٤٥٣، ٤٤٥٤، ٤٤٥٦، ٤٤٥٧، ٥٧١١]

سے پہلے کئی رسول گزر چکے تو کیا اگر وہ فوت ہو جائے یا قتل کر دیا جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے اور جو اپنی ایڑیوں پر پھر جائے تو وہ اللہ کو ہرگز کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلد جزا دے گا۔" اللہ کی قسم! ایسے معلوم ہوا کہ لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت اتاری ہے جب تک ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے نہیں پڑھا، لوگوں نے اسے ان سے ہاتھوں ہاتھ لیا، پھر جسے سنا جاتا وہ یہی آیت پڑھ رہا تھا۔

١٢٤٣۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي خَارِجَةُ ابْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ أُمَّ الْعَلَاءِ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ بَايَعَتِ النَّبِيَّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهُ اقْتُسِمَ الْمُهَاجِرُونَ قُرْعَةً فَطَارَ لَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ، فَأَنْزَلْنَاهُ فِي أَبْيَاتِنَا، فَوَجِعَ وَجَعَهُ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، فَلَمَّا تُوُفِّيَ وَغُسِّلَ وَكُفِّنَ فِي أَثْوَابِهِ، دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ: رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ! فَشَهَادَتِي عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللّٰهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَمَا يُدْرِيكِ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَكْرَمَهُ؟» فَقُلْتُ: بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَمَنْ يُكْرِمُهُ اللّٰهُ؟ فَقَالَ: «أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ، وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ، وَاللّٰهِ! مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللّٰهِ مَا يُفْعَلُ بِي» قَالَتْ: فَوَاللّٰهِ! لَا أُزَكِّي أَحَدًا بَعْدَهُ أَبَدًا.

1243۔ اُم العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جس نے نبی ﷺ کی بیعت کی تھی کہ مہاجرین کو قرعہ کے ساتھ (انصار میں) تقسیم کیا گیا تو ہمارے حصے میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ آئے، تو ہم نے انھیں اپنے گھروں میں ٹھہرا لیا، پھر وہ اپنی اس تکلیف میں مبتلا ہوئے جس میں ان کی وفات ہوئی۔ جب وہ فوت ہو گئے اور انھیں غسل دیا گیا اور انھیں انھی کے کپڑوں میں کفن دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے کہا: اے ابو السائب! تم پر اللہ کی رحمت ہو، تمھارے بارے میں میری شہادت یہ ہے کہ یقیناً اللہ نے تمھیں عزت عطا فرمائی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے اسے یقیناً عزت عطا فرمائی ہے؟" میں نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ آپ پر قربان! پھر کون ہے جسے اللہ عزت عطا فرمائے گا؟ آپ نے فرمایا: "اس کے پاس تو یقین، یعنی موت آ گئی، اللہ کی قسم! میں بھی اس کے لیے خیر کی امید رکھتا ہوں، (لیکن) اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا، حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ

کیا کیا جائے گا۔'' ام العلاء نے کہا: تو اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کسی کو پاک نہیں کہوں گی۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، مِثْلَهُ.

ہم سے سعید بن عفیر نے بیان کیا، کہا: ہم سے لیث نے اسی کی مثل بیان کیا جو اوپر گزرا ہے۔

وَقَالَ نَافِعُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ عُقَيْلٍ: «مَا يُفْعَلُ بِهِ»

اور نافع بن یزید نے عقیل سے یہ الفاظ بیان کیے ہیں: ''(میں نہیں جانتا کہ) اس (عثمان) کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔''

وَتَابَعَهُ شُعَيْبٌ وَعَمْرُو بْنُ دِينَارٍ وَ مَعْمَرٌ. [انظر: ٢٦٨٧، ٣٩٢٩، ٧٠٠٣، ٧٠٠٤، ٧٠١٨]

اور عقیل کے ساتھ اس روایت کو شعیب، عمرو بن دینار اور معمر نے بھی روایت کیا ہے۔

١٢٤٤ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا قُتِلَ أَبِي جَعَلْتُ أَكْشِفُ الثَّوْبَ عَنْ وَجْهِهِ أَبْكِي وَيَنْهَوْنِي عَنْهُ، وَالنَّبِيُّ ﷺ لَا يَنْهَانِي، فَجَعَلَتْ عَمَّتِي فَاطِمَةُ تَبْكِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تَبْكِينَ أَوْ لَا تَبْكِينَ، مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتَّى رَفَعْتُمُوهُ»

1244۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب میرے والد قتل کر دیے گئے تو میں ان کے منہ سے کپڑا ہٹا کر رونے لگا اور صحابہ مجھے اس سے منع کرنے لگے اور نبی ﷺ مجھے منع نہیں کر رہے تھے اور میری پھوپھی فاطمہ رونے لگی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''تو رو یا نہ رو، فرشتوں نے اس پر اپنے پروں کے ساتھ سایہ کیے رکھا، یہاں تک کہ تم لوگوں نے اسے اٹھایا۔''

تَابَعَهُ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي ابْنُ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعَ جَابِرًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ. [انظر: ١٢٩٣، ٢٨١٦، ٤٠٨٠ـ أخرجه مسلم: ٢٤٧١]

شعبہ کے ساتھ ابن جریج نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور کہا: مجھ سے محمد بن منکدر نے بیان کیا، انھوں نے جابر (بن عبد اللہ) رضی اللہ عنہما سے سنا۔

فوائد 1 اس باب کی ضرورت یہ تھی کہ فوت ہونے کے بعد عموماً آدمی کی خوبصورتی پہلے جیسی نہیں رہتی، اس لیے اس کی آنکھیں بند کر دی جاتی ہیں اور اس پر کپڑا ڈال دیا جاتا ہے۔ اس سے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ اس کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر دیکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ بعض حضرات نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ صرف وہ آدمی اسے دیکھ سکتا ہے جو اسے غسل دے یا جو غسل میں مدد دے رہے ہوں۔ اس لیے امام بخاری اس کے جواز کے لیے تین حدیثیں لائے ہیں: پہلی حدیث

میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دینا ہے۔ پیشانی کا ذکر نسائی (۱۸۳۹) اور مسند احمد (۲۵۸۴۱) میں ہے۔ دوسری حدیث میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے غسل اور کفن کے بعد آپ ﷺ کے ان کے پاس جانے کا ذکر ہے۔ ترمذی کی حدیث (۹۸۹) میں ہے کہ آپ ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا۔ تیسری حدیث میں جابر رضی اللہ عنہ کا اپنے والد کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر دیکھنے کا ذکر ہے۔ صحابہ انھیں اس لیے منع کر رہے تھے کہ کفار نے ان کی ناک کاٹ دی تھی، مگر رسول اللہ ﷺ نے انھیں دیکھنے سے منع نہیں کیا، یہ جواز کی دلیل ہے۔ دوسری حدیث کی باب سے مناسبت تو ظاہر ہے کہ نبی ﷺ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو غسل اور کفن دیے جانے کے بعد ان کے پاس گئے، البتہ پہلی اور تیسری حدیث میں غسل اور کفن سے پہلے میت کا چہرہ دیکھنے کا ذکر ہے، ان احادیث کی مناسبت یہ ہے کہ جب غسل اور کفن سے پہلے دیکھنے کی اجازت ہے تو اس کے بعد تو بالاولیٰ اجازت ہے، کیونکہ غسل سے اس کے چہرے اور جسم کی میل کچیل اور آلائش وغیرہ صاف کی جا چکی ہوتی ہے۔

2 اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا: یہ بات ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی باتوں کا رد کرنے کے لیے کہی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ سوموار کے دن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز پڑھائی جس کے دوران نبی ﷺ نے گھر کا پردہ ہٹایا اور مسلمانوں کو نماز باجماعت کی حالت میں دیکھ کر خوش ہوئے اور پردہ گرا دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی طبیعت بہتر دیکھی تو سُنح والی بیوی کے گھر چلے گئے، کیونکہ اس دن اس کی باری تھی۔ نبی ﷺ کے فوت ہونے پر اکثر صحابہ کو آپ کی وفات کا یقین نہیں آیا، ان میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: « وَاللّٰهِ ! مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ قَالَتْ وَ قَالَ عُمَرُ : وَاللّٰهِ ! مَا كَانَ يَقَعُ فِيْ نَفْسِيْ إِلَّا ذَاكَ ـ وَلَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ، فَلَيُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَ رِجَالٍ وَأَرْجُلَهُمْ » [بخاري، كتاب فضائل الصحابة، باب قول النبي ﷺ : لو كنت متخذا خليلا : ۳٦٦٧] ''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے، اللہ آپ کو ضرور اٹھائے گا اور آپ ضرور کچھ لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میرے دل میں یہی بات آتی تھی۔'' عمر رضی اللہ عنہ آپ پر آنے والی موت کو ایک عارضی غشی قرار دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے: « لَا أَسْمَعَنَّ أَحَدًا يَقُوْلُ : إِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ، إِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَمُتْ، وَلٰكِنْ أَرْسَلَ إِلَيْهِ رَبُّهُ كَمَا أَرْسَلَ إِلٰى مُوْسٰى، فَلَبِثَ عَنْ قَوْمِهِ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً » [صحيح ابن حبان، كتاب التاريخ، باب وفاة النبي ﷺ : ٦٦٢٠، عن أنس، حديث صحيح] ''میں کسی سے ہرگز یہ نہ سنوں کہ محمد ﷺ فوت ہو گئے ہیں، بلکہ اللہ نے محمد ﷺ کو بلا بھیجا ہے، جیسے موسیٰ علیہ السلام کو بلا بھیجا تھا اور وہ اپنی قوم سے چالیس راتیں غائب رہے تھے۔'' لوگوں نے یہ دیکھا تو سالم (بن عبید) رضی اللہ عنہ سے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کے خاص ساتھی کے پاس جاؤ اور انھیں بلا کر لاؤ۔ میں دہشت زدہ روتا ہوا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، جب انھوں نے مجھے دیکھا تو کہا: کیا رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے؟ میں نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں: « لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَذْكُرُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ إِلَّا ضَرَبْتُهُ بِسَيْفِيْ هٰذَا » ''میں جسے یہ کہتے ہوئے

سنوں گا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں تو میں اسے اپنی اس تلوار سے قتل کر دوں گا۔'' تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: چلو، تو میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ آگے تقریباً وہی قصہ بیان کیا ہے جو اوپر صحیح بخاری کی حدیث میں گزرا ہے۔ [الشمائل المحمدية (٣٩٧) لأبي عيسى محمد بن عيسى الترمذي، باب ما جاء في وفاة رسول الله ﷺ و صححه الألباني في مختصر الشمائل : ٣٣٣]

3 پہلی حدیث سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں : ① رسول اللہ ﷺ کے فوت ہونے پر قرآن مجید، حدیث رسول ﷺ کے علاوہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، اسی لیے انھوں نے آپ ﷺ کو دفن کر دیا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر ایک آن کے لیے موت آئی تھی یا آپ کی روح جسم کے ایک کونے میں اکٹھی ہو گئی تھی اور اس جیسی دوسری باتیں جو کی جاتی ہیں سب بے کار ہیں۔ ② ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ سے اور ساری امت سے علم و عمل میں اور عقیدے کی پختگی میں زیادہ تھے۔ ③ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس عقیدے کو کہ نبی ﷺ فوت نہیں ہو سکتے آپ کی عبادت قرار دیا، کیونکہ کبھی فوت نہ ہونے والی ہستی صرف ایک ہے۔ اور ان کے خطبے کی بدولت آپ کے فوت نہ ہونے کا خیال صحابہ کے دل سے نکل گیا۔ ④ میت کی پیشانی پر بوسہ دیا جا سکتا ہے، جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو بوسہ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا، تو زندہ کی پیشانی پر بالاولیٰ بوسہ دیا جا سکتا ہے۔ ⑤ صحابہ کے نزدیک ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقام عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ تھا، اسی لیے وہ عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف چلے گئے۔ ⑥ میت کو کسی چادر وغیرہ سے ڈھانپ دینا چاہیے، تاکہ بلا ضرورت وہ لوگوں کو دکھائی نہ دے۔ ⑦ کسی کو یہ کہنا کہ ''میرے ماں باپ تم پر قربان'' جائز ہے۔ ⑧ میت پر رونا جائز ہے، البتہ چیخنا یا واویلا کرنا یا جاہلانہ حرکتیں کرنا حرام ہے۔

4 ''سُنْح'' سین کے ضمہ اور نون کے سکون کے ساتھ مدینہ سے ایک میل پر بنو الحارث بن خزرج کی بستی تھی، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی ایک خاتون سے نکاح کیا ہوا تھا۔ ''حِبَرَۃٌ'' ''عِنَبَۃٌ'' کے وزن پر، یمن کی بنی ہوئی دھاری دار قیمتی چادر۔

5 مَا أَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ : یہ وہی بات ہے جسے کہنے کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو سورۂ احقاف میں حکم دیا: ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَاۤ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ ﴾ [الأحقاف : ٩] ''کہہ دے میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں اور نہ میں یہ جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ (یہ کہ) تمھارے ساتھ (کیا)۔'' اس پر مشہور سوال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے اور اپنے صحابہ کے حسن انجام کا واضح علم تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ ﴾ [الفتح : ٢] ''تاکہ اللہ تیرے لیے بخش دے تیرا کوئی گناہ جو پہلے ہوا اور جو پیچھے ہوا۔'' اور آپ نے فرمایا: ((أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ)) [مسلم : ٢٢٧٨] ''میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس کی قبر کھلے گی اور میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا اور میں ہی سب سے پہلا ہوں گا جس کی شفاعت قبول ہو گی۔'' اور دوسری کئی احادیث ہیں اس موضوع پر۔ اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کا حسن انجام کئی آیات میں ذکر فرمایا، دیکھیے سورۂ توبہ (١٠٠) اور سورۂ فتح کی

آخری آیات اور دیگر آیات۔ تو پھر آپ ﷺ نے یہ کیوں فرمایا: « مَا أَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ » اس کا ایک جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ پہلے کی بات ہے۔ جب اللہ نے آپ کو "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ" والی بشارت نہیں دی تھی، اس آیت کے اترنے کے بعد آپ کو معلوم ہو گیا، مگر یہ جواب درست نہیں، کیونکہ آپ کو دنیا میں غالب ہونے کی اور آخرت میں جنتی ہونے کی بشارتیں تو "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ" سے بہت پہلے مکہ ہی میں مل چکی تھیں، فرمایا: ﴿ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾ [بني إسرائيل : ٧٩] "قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود پر کھڑا کرے" وغیرہ۔ صحیح جواب یہ ہے کہ آپ کو اپنے اور اپنے صحابہ کے مستقبل کا مجمل علم تھا اور وہ بھی اتنا جتنا اللہ تعالیٰ نے بتا دیا۔ اس دوران دنیا میں اور آخرت میں پیش آنے والے تمام واقعات کا تفصیلی علم نہیں تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ [البقرة : ٢٥٥] "اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرتے مگر جتنا وہ چاہے۔" جیسا کہ سورۂ فتح کے بعد وفات تک پیش آنے والے غزوات و واقعات کا ان کے واقع ہونے سے پہلے آپ کو ان کا تفصیلی علم نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ حوض کوثر پر بعض لوگوں کو اپنا ساتھی کہنے پر فرشتے کہیں گے: « إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ » [بخاري : ٦٥٧٦] "(اے نبی!) آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔" اور جیسے آپ شفاعت کے لیے جب سجدے میں جائیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں اپنی وہ تعریفیں ڈالے گا جو اس سے پہلے آپ کو معلوم نہیں ہوں گی۔ [دیکھیے بخاري : ٧٥١٠] خلاصہ یہ کہ اس سوال کا درست جواب یہی ہے کہ آپ کو آئندہ کی بعض باتوں کا اجمالی علم تھا، ہر بات کا تفصیلی علم نہیں تھا۔

6 کسی شخص کے آخرت میں "مَغْفُوْرٌ لَهٗ" یا جنتی ہونے کی شہادت یقین کے ساتھ نہیں دینی چاہیے، سوائے ان کے جن کے جنتی ہونے کی بشارت قرآن مجید یا حدیثِ رسول ﷺ میں موجود ہے۔

7 انبیاء و شہداء کے زندہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ان پر موت نہیں آئی، فرمایا: ﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴾ [الزمر : ٣٠] "بے شک تو مرنے والا ہے اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں۔" اور ﴿ اَفَا۠ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ ﴾ [آل عمران : ١٤٤] کے بعد ان پر موت آنے کا انکار قرآن مجید کا انکار ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ انھیں ایک نئی زندگی عطا کی گئی ہے جو دنیوی زندگی نہیں بلکہ ﴿ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾ [آل عمران : ١٦٩] کے مطابق رب تعالیٰ کے ہاں انھیں رزق دیا جاتا ہے اور ﴿ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ [البقرة : ١٥٤] کے تحت وہ ایسی زندگی ہے جسے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اور اب دنیا کے لوگوں سے ان کی ملاقات قیامت سے پہلے ممکن نہیں، فرمایا: ﴿ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾ [المؤمنون : ١٠٠] "اور ان کے پیچھے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے، ایک پردہ ہے۔" جو لوگ آپ سے بیداری میں ملاقات اور گفتگو کا دعویٰ کرتے ہیں سب ان کے ذہنی مغالطے ہیں یا صاف جھوٹ، کیونکہ وفات کے بعد جب کسی ایک صحابی کی بیداری میں نہ آپ سے بات ہو سکی نہ ملاقات، تو ان لوگوں کی کیا حیثیت ہے۔

٤۔ بَابُ الرَّجُلِ يَنْعَى إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ بِنَفْسِهِ

4۔ باب: آدمی کسی میت کے گھر والوں کو خود اس کی موت کی خبر دے

١٢٤٥۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ أَرْبَعًا. [انظر: ١٣١٨، ١٣٢٧، ١٣٢٨، ١٣٣٣، ٣٨٨٠، ٣٨٨١۔ أخرجه مسلم: ٩٥١]

1245۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی موت کی خبر اس دن دے دی جس دن وہ فوت ہوئے۔ آپ عیدگاہ کی طرف نکلے، صحابہ کی صفیں بنائیں اور چار تکبیریں کہیں۔

فوائد 1 بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آدمی کو کسی کے پاس غم والی خبر خود نہیں پہنچانی چاہیے، جیسا کہ سعدی نے کہا ہے ؎

بلبلا مژدۂ بہار بیار　　　　خبرِ بد بہ بومِ شوم گزار

''اے بلبل! تو بہار کی خوش خبری لا، بری خبر منحوس اُلو کے لیے رہنے دے۔''

یہ باب اس لیے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی اور دوسرے صحابہ کی موت یا شہادت کی خبر خود بنفس نفیس دی، کسی دوسرے کے سپرد نہیں کی، کیونکہ دوسرا بھی تو آپ کا بھائی ہے، اگر تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے کہ ایسی خبر دو تو دوسرے کے لیے کیوں پسند کرتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ » [بخاري: ١٣] ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

2 ''نجاشی'' حبشہ کے بادشاہ کا لقب ہے، جیسا کہ ایران کے بادشاہ کو کسریٰ (خسرو) اور روم کے بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا۔ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو پناہ دی اور ہر طرح ان کا اکرام اور تعاون کیا، وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آیا تھا۔ آپ نے اسے صحابہ کا بھائی قرار دیا اور فرمایا: « إِنَّ أَخًا لَكُمْ قَدْ مَاتَ، فَقُومُوا فَصَلُّوا عَلَيْهِ، يَعْنِي النَّجَاشِيَّ » [مسلم: ٩٥٢] ''تمھارا ایک بھائی فوت ہو گیا ہے، اٹھو اور اس کا جنازہ پڑھو۔'' آپ ﷺ کی مراد نجاشی تھا۔'' اور آپ نے اسے '' عَبْدٌ لِلَّهِ صَالِحٌ '' بھی کہا۔ [دیکھیے مسلم: ٩٥٢/٦٥]

3 نبی ﷺ نے اسے تمام صحابہ کا بھائی قرار دیا، اس لیے امام بخاری نے باب یہ باندھا: ''آدمی میت کے گھر والوں کو خود

اس کی موت کی خبر دے۔'' کیونکہ وہ حبشہ میں اکیلا ہی مسلمان تھا اور اس نے اپنی رعایا سے اپنا ایمان چھپا کر رکھا ہوا تھا، البتہ مسلمانوں کے سامنے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام میں آپ پر ایمان لانے کا اقرار کیا تھا۔

4 یہ اس زمانے کی بات ہے جب نہ موٹریں تھیں نہ ریل، نہ ہیلی کاپٹر نہ ہوائی جہاز، اسی طرح خبر پہنچانے کے ذرائع میں سے نہ تار تھی نہ ٹیلی فون، نہ ہی کوئی انٹرنیٹ۔ اللہ تعالیٰ کا آپ کو دنیاوی اسباب کے بغیر وحی کے ذریعے یہ خبر دینا آپ کی نبوت کی ایک قوی دلیل ہے۔

5 "نَعٰى يَنْعٰى نَعْيًا" باب "مَنَعَ يَمْنَعُ مَنْعًا": موت کی خبر دینا۔ بعض احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے "نعی" یعنی موت کی خبر دینے سے منع فرمایا ہے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ تو اس سے اس قدر بچتے تھے کہ ان کا کوئی عزیز فوت ہو جاتا تو کہتے: «لَا تُؤْذِنُوْا بِهِ أَحَدًا، إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يَكُوْنَ نَعْيًا، إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأُذُنَيَّ هَاتَيْنِ، يَنْهٰى عَنِ النَّعْيِ» [ابن ماجه: ١٤٧٦، حديث حسن] ''اس کے متعلق کسی کو اطلاع نہ دو، مجھے ڈر ہے کہ "نعی" نہ ہو جائے، کیونکہ میں نے اپنے ان دونوں کانوں سے رسول اللہ ﷺ کو "نعی" سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔'' حتیٰ کہ انھوں نے اپنے متعلق وصیت کی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو کسی کو میرے بارے میں اطلاع نہ دینا، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ "نعی" نہ ہو جائے۔ [دیکھیے ترمذي: ٩٨٦، وقال: حديث حسن] "نعی" سے منع کرنے کے باوجود خود رسول اللہ ﷺ نے موت کی اطلاع دی ہے، جیسا کہ اس باب کی احادیث سے ظاہر ہے۔ علماء نے دونوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ "نعی" کا لفظ کسی کی موت کی اطلاع دینے کے لیے بھی آتا ہے اور جاہلیت میں کسی کے مرنے پر جس طریقے سے اطلاع دی جاتی تھی اس پر بھی بولا جاتا ہے۔ وہ لوگ اس موقع پر کپڑے پھاڑ کر مرنے والے کی سچی جھوٹی خوبیوں کے بیان کے ساتھ روتے پیٹتے ہوئے اس کے مرنے کا اعلان کیا کرتے تھے، جیسا کہ جاہلی شاعر طرفہ اپنے بھائی معبد کی بیٹی کو تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

فَإِنْ مُتُّ فَانْعِيْنِيْ بِمَا أَنَا أَهْلُهُ وَ شُقِّيْ عَلَيَّ الْجَيْبَ يَا ابْنَةَ مَعْبَدِ

''پھر اگر میں مر جاؤں تو میری موت کا اعلان اس طریقے سے کرنا جو میری شان کے مطابق ہو اور اے معبد کی بیٹی! مجھ پر اپنا گریبان پھاڑ کر اعلان کرنا۔''

ایسی نعی حرام ہے جس میں میت کی تعریف اور نوحہ خوانی جیسی صورت ہو، ایسی کسی حرکت کے بغیر مرنے والے کی موت کا اعلان جائز ہے۔ امام بخاری نے یہ باب اسی لیے باندھا ہے کہ صرف موت کی اطلاع دینا جائز بلکہ کسی حد تک ضروری ہے، تاکہ اس کے عزیز و اقارب اور لوگ جنازے میں شریک ہو سکیں۔ مگر آج کل جس طرح گلیوں، بازاروں میں سپیکر پر اعلان کیا جاتا ہے، پھر جنازے سے پہلے جس طرح میت کی تعریف اور غم کا اظہار کیا جاتا ہے یہ اس نعی ہی کی صورت ہے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

6 اس حدیث سے جنازہ غائبانہ کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نجاشی کی میت نبی ﷺ کے سامنے ظاہر کر دی

گئی تھی، مگر ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں۔ غائبانہ جنازہ کو جائز نہ سمجھنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ نبی ﷺ کا عام معمول نہیں تھا، حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے امیر المومنین ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی وفات پر بھی جنازہ غائبانہ پڑھنے کا کہیں ذکر نہیں۔ بعض کے قول کے مطابق نجاشی کے جنازہ کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے ملک میں اس کا جنازہ پڑھنے والے نہیں تھے، اس لیے اگر کسی کا جنازہ نہ پڑھا گیا ہو تو اس کا جنازہ غائبانہ پڑھا جا سکتا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ نجاشی مسلمانوں کا بہت بڑا محسن تھا، اس لیے اس کا جنازہ غائبانہ پڑھا گیا۔ اسی طرح اب بھی مسلمانوں کا کوئی عظیم مسلم محسن فوت ہو تو اس کا جنازہ غائبانہ پڑھا جا سکتا ہے، جیسا کہ نجاشی کے علاوہ آپ نے شہدائے اُحد کا جنازہ غائبانہ پڑھایا۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا، فَصَلّٰى عَلٰى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ، ثُمَّ انْصَرَفَ عَلَى الْمِنْبَرِ ......» [بخاري : ۱۳۴۴، ۶۵۹۰] ''نبی ﷺ ایک دن نکلے اور آپ نے اُحد والوں پر نماز پڑھی، جیسے میت پر آپ نماز پڑھتے تھے، پھر آپ منبر کی طرف مڑے ......'' آگے آپ کا خطبہ مذکور ہے۔ بعض حضرات اس حدیث میں '' فَصَلّٰى '' کا معنی ''اہلِ اُحد کے لیے دعا کی'' کرتے ہیں، مگر اس کے بعد '' صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ '' (آپ کے میت پر صلاۃ کی طرح) کے الفاظ اس تاویل کی نفی کرتے ہیں، کیونکہ اگر یہاں '' صَلَاتَهُ '' کا معنی صرف دعا کیا جائے تو پھر کسی میت پر بھی نماز جنازہ جائز نہیں ہوگی، صرف دعا کی اجازت ہوگی۔ اسی طرح یہ نماز مسجد نبوی میں تھی یا اس کے قریب مصلیٰ (عیدگاہ) میں، کیونکہ اس میں آپ کے نماز کے بعد منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینے کا ذکر کیا گیا اور شہدائے اُحد کے قبرستان کے پاس تو کوئی منبر موجود نہ تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ جنازہ غائبانہ کو عام معمول نہیں بنانا چاہیے مگر اسلام اور مسلمانوں کی کوئی بڑی شخصیت فوت ہو جائے تو اس کا جنازہ پڑھا جا سکتا ہے اور کسی عمل کے جواز کے لیے اس کا رسول اللہ ﷺ سے متعدد بار ثابت ہونا ضروری نہیں، کوئی عمل ایک مرتبہ بھی ثابت ہو جائے تو اس کی نفی اور اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔ جنازے کی دعا میں '' اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا، وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا '' کے الفاظ پر بھی غور کرنا چاہیے۔

۱۲۴۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ ـ وَ إِنَّ عَيْنَيْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَتَذْرِفَانِ ـ ثُمَّ أَخَذَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ مِنْ غَيْرِ إِمْرَةٍ فَفُتِحَ لَهُ » [انظر : ۲۷۹۸، ۳۰۶۳، ۳۶۳۰، ۳۷۵۷، ۴۲۶۲]

1246۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''زید (رضی اللہ عنہ) نے جھنڈا پکڑا تو وہ قتل ہو گئے، پھر اسے جعفر (رضی اللہ عنہ) نے پکڑا تو وہ قتل ہو گئے، پھر اسے عبداللہ ابن رواحہ (رضی اللہ عنہ) نے پکڑا تو وہ بھی قتل ہو گئے ــ اور (یہ بیان کرتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں بہ رہی تھیں ــ پھر خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) نے امیر بنائے جانے کے بغیر اسے پکڑا تو انھیں فتح حاصل ہو گئی۔''

فائدہ: حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو ان تینوں صحابہ کی شہادت کی خبر خود دی۔ بخاری نے مسجد میں موجود لوگوں کو شہید ہونے والوں کے اہل قرار دیا، کیوں کہ جہاد پر جانے والوں کی خبر کا ہر مسلمان منتظر ہوتا ہے اور سارے مسلمان ایک کنبہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ''نعی'' یعنی موت کی خبر دینا ممنوع نہیں، ورنہ رسول اللہ ﷺ ان صحابہ کی موت کی اطلاع نہ دیتے، صرف جاہلیت جیسی ''نعی'' حرام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ موت کی اطلاع دینے سے میت کے اقارب کو غم اور صدمہ پہنچتا ہے، مگر اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں کہ گھر والے اطلاع کے بعد ہی جنازے کی تیاری کر سکتے ہیں، عزیز و اقارب اور دوسرے لوگوں کو اطلاع دے سکتے ہیں، اس کی وصیتیں پوری کر سکتے ہیں، پسماندگان کی اعانت و حفاظت کا انتظام کر سکتے ہیں۔ [إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْأَحْكَامِ وَالْمَصَالِحِ]

٥ ـ بَابُ الْإِذْنِ بِالْجَنَازَةِ

5۔ باب: جنازے کی اطلاع دینا

وَقَالَ أَبُو رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَلَا آذَنْتُمُونِي ؟» [راجع : ٤٥٨]

ابو رافع نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی؟''

فائدہ: اس سے پہلے باب میں ان لوگوں کو کسی کی موت کی خبر دینے کا ذکر تھا جنھیں اس سے پہلے یہ علم نہ ہوا اور اس باب سے مراد کسی کو جنازہ تیار ہونے کی اطلاع دینا ہے، تاکہ وہ جنازے میں شریک ہو جائے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ معلق روایت وہی ہے جو اس سے پہلے (۴۵۸) پر گزر چکی ہے، اس کے فوائد وہاں ملاحظہ کریں۔

١٢٤٧ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: مَاتَ إِنْسَانٌ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعُودُهُ، فَمَاتَ بِاللَّيْلِ فَدَفَنُوهُ لَيْلًا، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَخْبَرُوهُ، فَقَالَ: «مَا مَنَعَكُمْ أَنْ تُعْلِمُونِي؟» قَالُوا: كَانَ اللَّيْلُ فَكَرِهْنَا ـ وَكَانَتْ ظُلْمَةٌ ـ أَنْ نَشُقَّ عَلَيْكَ، فَأَتَى قَبْرَهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ. [راجع: ٨٥٧ ـ أخرجه مسلم: ٩٥٤ باختلاف]

1247۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک انسان فوت ہو گیا جس کی بیمار پرسی رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ وہ رات کو فوت ہوا اور صحابہ نے اسے رات ہی کو دفن کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو انھوں نے آپ کو بتایا، آپ نے فرمایا: ''وہ کیا بات تھی جس کی وجہ سے تم نے مجھے اطلاع نہیں دی؟'' انھوں نے کہا: رات تھی اور اندھیرا تھا، اس لیے ہم نے آپ کو تکلیف دینا پسند نہیں کیا۔ تو آپ ﷺ اس کی قبر پر آئے اور اس پر جنازہ پڑھا۔

فائدہ: بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ وہی میت ہے جس کا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (۴۵۸) میں ذکر ہے۔ اس پر

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ درست نہیں، بلکہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایک خاتون کا ذکر ہے جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، نام اس کا اُم محجن رضی اللہ عنہا تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں مذکور ایک مرد ہے جس کا نام طلحہ بن براء بن عمیر البلوی رضی اللہ عنہ ہے۔ ابو داوٗد (۳۱۵۹) نے اس کی حدیث اختصار سے بیان کی ہے اور طبرانی (۳۵۵۴) نے حصین بن وَحْوَح انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی کے لیے ان کے پاس آئے، آپ نے فرمایا: ''میرا خیال یہی ہے کہ طلحہ کو موت نے آ لیا ہے، سو تم مجھے اس کی اطلاع دینا اور اسے جلدی لے جانا۔'' پھر آپ ابھی سالم بن عوف کے محلے تک نہیں پہنچے تھے کہ وہ فوت ہو گئے اور انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے دفن کر دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بلانا، کیونکہ مجھے آپ کے بارے میں یہودیوں کا ڈر ہے، ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپ کو نقصان پہنچے۔ صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی، آپ آئے اور قبر پر کھڑے ہو گئے، لوگوں نے آپ کے ساتھ صفیں بنا لیں، پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے اور کہا: « اَللّٰهُمَّ الْقَ طَلْحَةَ يَضْحَكُ إِلَيْكَ وَ تَضْحَكُ إِلَيْهِ » ''یا اللہ! طلحہ سے اس طرح ملاقات فرما کہ وہ تیری طرف ہنس رہا ہو اور تو اس کی طرف ہنس رہا ہو۔'' (فتح الباری) علامہ البانی نے کہا: ''إسناده ضعیف۔'' (دیکھیے سلسلہ ضعیفہ: ۳۲۳۲) اس حدیث کے اکثر فوائد (۴۵۸) میں گزر چکے ہیں۔

٦۔ بَابُ فَضْلِ مَنْ مَاتَ لَهُ وَلَدٌ فَاحْتَسَبَ

6۔ باب: اس شخص کی فضیلت جس کا بچہ فوت ہو جائے تو وہ ثواب کی نیت رکھے

وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [البقرة : ١٥٥]

اللہ عزوجل نے فرمایا: ''اور کامل صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دے۔''

١٢٤٨ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « مَا مِنَ النَّاسِ مِنْ مُسْلِمٍ يُتَوَفّٰى لَهُ ثَلَاثٌ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ، إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إِيَّاهُمْ » [انظر : ١٣٨١]

1248۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں میں سے جس بھی مسلمان کے تین بچے فوت ہو جائیں جو گناہ کی عمر کو نہ پہنچے ہوں تو اللہ اسے ان بچوں پر اپنی مزید رحمت کی وجہ سے جنت میں داخل کر دے گا۔''

١٢٤٩ ۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَصْبَهَانِيِّ، عَنْ ذَكْوَانَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ النِّسَاءَ قُلْنَ لِلنَّبِيِّ ﷺ :

1249۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ ہمارے لیے ایک دن مقرر فرما دیں، تو آپ نے انھیں وعظ کیا اور فرمایا: ''کوئی بھی عورت جس کے تین

اجْعَلْ لَنَا يَوْمًا فَوَعَظَهُنَّ وَقَالَ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَ لَهَا ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ كَانُوا لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ» قَالَتِ امْرَأَةٌ: وَاثْنَانِ؟ قَالَ: «وَاثْنَانِ» [راجع: ۱۰۱۔ أخرجه مسلم: ۲۶۳۳]

بچے فوت ہو جائیں تو وہ اس کے لیے آگ سے حجاب بن جائیں گے۔" ایک عورت نے کہا: اور دو؟ آپ نے فرمایا: "دو بھی۔"

۱۲۵۰۔ وَقَالَ شَرِيكٌ، عَنِ ابْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ، حَدَّثَنِي أَبُو صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: «لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ» [راجع: ۱۰۲۔ أخرجه مسلم: ۲۶۳۴]

1250۔ اور شریک نے ابن اصبہانی سے یوں روایت کی کہ مجھے ابو صالح (ذکوان) نے بیان کیا کہ ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس روایت میں "گناہ کی عمر کو نہ پہنچے ہوں" کے الفاظ ثابت ہیں۔

۱۲۵۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَمُوتُ لِمُسْلِمٍ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ، فَيَلِجَ النَّارَ إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ» [انظر: ۶۶۵۶، وانظر في الجنائز، باب: ۹۱۔ أخرجه مسلم: ۲۶۳۲]

1251۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "کوئی بھی مسلم جس کے تین بچے فوت ہو جائیں وہ آگ میں داخل نہیں ہوگا، مگر قسم پوری کرنے کے لیے۔"

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾ [مريم: ۷۱]

ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: (قسم پوری کرنے کا مطلب یہ آیت ہے:) "اور تم میں سے جو بھی ہے اس (جہنم) پر وارد ہونے والا ہے۔"

فوائد: 1 باب میں مذکور تین احادیث میں سے پہلی حدیث میں ایسے شخص کے لیے جس کے تین یا دو بچے فوت ہو جائیں جنت میں داخلے کی بشارت ہے، مگر اس میں یہ بھی ممکن تھا کہ وہ جہنم میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد جنت میں داخل ہو جائے۔ اس لیے امام صاحب دوسری حدیث لائے جس میں بچوں کی وفات کو ان کے باپ کے لیے آگ سے حجاب قرار دیا ہے۔ تیسری حدیث میں جو آیا ہے کہ وہ صرف قسم پوری کرنے کے لیے جہنم پر وارد ہوگا سو جہنم پر وارد ہونے اور آگ سے حجاب میں ہونے میں کوئی تناقض نہیں، کیونکہ جہنم پر رکھے ہوئے پل پر سے ایسے لوگ ہی گزریں گے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا﴾ [الأنبياء: ۱۰۲] "وہ اس کی آہٹ تک نہیں سنیں گے۔" یہ وہ لوگ ہوں گے جن

کے لیے پہلے ہی بھلائی لکھی جا چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو جہنم سے گزرتے ہوئے اس کی آہٹ تک نہ سنے اس سے زیادہ آگ سے حجاب میں کون ہوگا۔

2 ان حدیثوں کی بعض روایات میں یہ بشارت ان عورتوں کے لیے بھی آئی ہے جس کا ایک بچہ فوت ہوا ہو۔ حافظ رحمہ اللہ نے وہ روایات نقل کر کے فرمایا کہ ان میں سے کوئی روایت بھی حجت بننے کے قابل نہیں۔ ان کی بہ نسبت وہ احادیث زیادہ صحیح ہیں جن میں تین یا دو بچوں کا ذکر ہے۔ ہاں! ایک بچے کی وفات پر صبر کے نتیجے میں جنت کی بشارت کے لیے صحیح بخاری میں مروی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ایک بچے کے مفہوم کی سب حدیثوں سے زیادہ صحیح ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: « مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِيْ جَزَاءٌ، إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ، إِلَّا الْجَنَّةُ » [بخاري، كتاب الرقاق : ٦٤٢٤] ”جب میں اپنے مومن بندے کی خاص پیاری چیز قبض کر لوں، پھر وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کرے تو میرے پاس اس کی جزا کے لیے جنت کے سوا کوئی چیز نہیں۔“ اور ظاہر ہے کہ خاص پیاری چیز اپنے بچے سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے۔ اس حدیث میں فوت ہونے والے سب بچے شامل ہیں، ایک ہو یا دو یا تین یا زیادہ، ان پر ثواب کی نیت سے صبر کرنے کا اجر جنت ہے، بلکہ نا تمام بچہ فوت ہونے پر صبر کا بھی یہی ثواب ہے، کیونکہ وہ بھی آدمی کی خاص پیاری چیز ہوتی ہے۔

3 ” وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ “ سے مراد سورۂ بقرہ کی آیت (۱۵۵) کی طرف اشارہ ہے جس میں صبر کرنے والوں کا وصف یہ بیان ہوا ہے: ﴿ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ١ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ [البقرة : ١٥٦] ”وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ کے ہیں اور بے شک ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“ گویا امام بخاری یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حدیث میں ثواب کی نیت سے جس صبر کا ذکر ہے اس سے مراد وہ صبر ہے جو اس آیت میں مذکور ہے، جس کے ساتھ کوئی شکوہ شکایت، جزع فزع یا رونا پیٹنا نہیں ہوتا، بلکہ یہ کہہ کر صبر کیا جاتا ہے کہ اگر بچے فوت ہو گئے تو وہ اللہ کا مال تھے، ہم بھی اللہ کا مال ہیں اور اس کے پاس واپس جانے والے ہیں۔

4 گناہ کی عمر سے مراد بلوغت ہے، کیونکہ جن تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے ان میں ایک بچہ بھی ہے جب تک بالغ نہ ہو۔ [دیکھیے أبو داؤد : ٤٤٠١]

5 اس حدیث کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ جب نابالغ بچے کی وفات پر یہ اجر ہے تو جوان بچے کی وفات پر تو بالاولیٰ اس اجر کی امید ہے اور دوسرا یہ کہ یہ ثواب صرف نابالغ بچوں کی وفات پر ہے، کیونکہ ان کی کمزوری اور بے بسی کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی زیادہ رحمت ہوتی ہے اور حدیث کے الفاظ ہیں: « بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إِيَّاهُمْ » اور اس لیے بھی کہ جوان اولاد سے بعض اوقات ان کی سرکشی یا نافرمانی سے طبیعت میں رنج بھی آ جاتا ہے، جب کہ چھوٹے بچوں پر شفقت ہی شفقت ہوتی ہے، اس لیے ان کی موت کا صدمہ زیادہ ہوتا ہے اور ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرا مطلب الفاظ کے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پہلا مطلب بھی کچھ بعید نہیں اور ” إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ “

میں وہ بھی شامل ہے۔
6 ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے بچے سب جنتی ہیں۔

٧۔ بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ الْقَبْرِ : اصْبِرِي

7۔ باب: مرد کا عورت کو قبر کے پاس یہ کہنا کہ صبر کر

١٢٥٢۔ حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِامْرَأَةٍ عِنْدَ قَبْرٍ وَهِيَ تَبْكِي فَقَالَ : « اتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِي » [انظر : ١٢٨٣، ١٣٠٢، ٧١٥٤۔ أخرجه مسلم : ٩٢٦ مطولاً]

1252۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے قریب رو رہی تھی تو آپ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈر اور صبر کر۔''

فوائد: 1 اس سے معلوم ہوا کہ مرد اجنبی عورت کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتا ہے۔
2 اس حدیث میں ''قبر کے پاس'' کے الفاظ اس واقعہ کے بیان کے لیے ہیں، جب رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو یہ نصیحت کی۔ اس لیے امام بخاری نے باب میں حدیث کے الفاظ شامل کر دیے، ورنہ یہ نصیحت گھر اور بازار میں بھی اپنی اور اجنبی عورتوں کو کرنی چاہیے۔ یہ حکم صرف قبر کے پاس تک محدود نہیں، دلیل اس کی « مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا » [مسلم : ٤٩] والی حدیث ہے۔
3 شرح ابن عثیمین میں ہے: ''انسان کو جو مصائب غم فکر یا دوسری صورتوں میں پیش آتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جو آدمی کے گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں، یہ وہ ہیں جن پر آدمی صبر کرے، ثواب کی نیت رکھے یا نہ رکھے۔ دوسرے وہ جو کفارہ بننے کے ساتھ اجر و ثواب حاصل ہونے کا باعث بھی بنتے ہیں، یہ وہ ہیں جن پر آدمی صبر کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی نیت بھی رکھے۔ اس لیے آدمی کو مصیبت آنے پر صرف صبر ہی نہیں بلکہ ثواب کی نیت اور اس کی امید بھی رکھنی چاہیے۔ دلیل اس کی معروف حدیث ہے: « إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَ إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى » [بخاري : ١] ''تمام اعمال نیتوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں اور ہر آدمی کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔'' سیوطی نے ''الاشباہ والنظائر'' میں کہا ہے کہ ''موطا کے سوا سنن اور مسانید میں سے کسی کا مصنف نہیں جس نے یہ حدیث روایت نہ کی۔''
4 یہ حدیث دلیل ہے کہ عورتیں قبر کی زیارت کر سکتی ہیں۔ بعض اہل علم نے عورتوں کے لیے قبر کی زیارت کو مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے اور دلیل میں یہ حدیث پیش کی ہے: « لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ » [أبو داوٗد : ٣٢٣٦] ''رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی۔'' ان حضرات نے زیر شرح حدیث کا

جواب یہ دیا ہے کہ یہ خاص واقعہ ہے جس کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں، جب کہ لعنت والی حدیث عام ہے۔ اس لیے عام قاعدہ مقدم ہے۔ مگر اکثر اہلِ علم کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: « نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا » ”میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا تو تم ان کی زیارت کیا کرو۔“ [مسلم : ۹۷۷] سنن ابی داؤد (۳۲۶۸) میں اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں: « فَإِنَّ فِي زِيَارَتِهَا تَذْكِرَةً » ”کیونکہ ان کی زیارت میں (موت کی) یاد دہانی ہے۔“ اس حدیث کی رو سے پہلے قبروں کی زیارت منع تھی، جب اجازت ہو گئی تو اس میں مرد اور عورتیں سب شامل ہو گئے، کیونکہ موت کی یاد دہانی اور نصیحت کی سب کو ضرورت ہے۔ رہی ” زَائِرَاتِ الْقُبُورِ “ پر لعنت والی حدیث تو شیخ ناصر الدین البانی اور دوسرے کئی محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے، البتہ اس حدیث کو « أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ » [ترمذي : ۱۰۵۶] کے الفاظ کے ساتھ شیخ البانی نے حسن قرار دیا ہے، یعنی ”رسول اللہ ﷺ نے کثرت کے ساتھ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی۔ خلاصہ یہ کہ عورتوں کے لیے کثرت کے ساتھ قبروں کی زیارت کے لیے جانا ممنوع ہے، کیونکہ ان میں صبر کی کمی ہوتی ہے، البتہ کبھی کبھار جا سکتی ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ” زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ “ سے مراد بھی کثرت سے قبروں پر جانے والی عورتیں ہی ہیں، کیونکہ کبھی کبھار قبروں پر جانے والی عورتوں کا لقب ” زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ “ نہیں ہوتا۔

٨ - بَابُ غُسْلِ الْمَيِّتِ وَوُضُوءِهِ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ

8- باب: پانی اور بیری کے ساتھ میت کا غسل اور وضو

وَحَنَّطَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ابْنًا لِسَعِيدِ ابْنِ زَيْدٍ وَحَمَلَهُ وَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا : اَلْمُسْلِمُ لَا يَنْجُسُ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا. وَقَالَ سَعْدٌ : لَوْ كَانَ نَجِسًا مَا مَسِسْتُهُ . وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « اَلْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ » [راجع : ۲۸۳]

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کو میت والی خوشبو لگائی، اسے اٹھایا اور نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مسلم نہ زندہ نجس ہوتا ہے اور نہ مُردہ۔ اور سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر وہ نجس ہوتا تو میں اسے ہاتھ تک نہ لگاتا۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا: ”مومن ناپاک نہیں ہوتا۔“

فائدہ: بخاری اس باب سے ان احادیث کے ضعف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جن میں ہے کہ جو شخص میت کو غسل دے وہ غسل کرے اور جو اسے اٹھائے وہ وضو کرے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ابو داؤد (۳۱۶۱) نے ” عَنْ عَمْرِو بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ “ کے طریق سے مرفوعاً بیان کیا ہے: « مَنْ غَسَّلَ الْمَيِّتَ فَلْيَغْتَسِلْ، وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ » ”جو میت کو غسل دے وہ غسل کرے اور جو اسے اٹھائے وہ وضو کرے۔“ اس کے راوی ثقہ ہیں سوائے عمرو بن

عمیر کے کہ وہ معروف نہیں۔ اور ترمذی (۹۹۳) اور ابن حبان (۱۱۶۱) نے " عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ " اسی طرح روایت کی ہے، مگر یہ روایت معلول ہے، کیونکہ ابو صالح نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔ اور ابو حاتم نے کہا: درست یہ ہے کہ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور ابو داؤد نے اسے روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ منسوخ ہے (دیکھیے ابو داؤد: ۳۱۶۲) مگر اس کا ناسخ بیان نہیں کیا اور حاکم نے اپنی تاریخ میں ذہلی کا قول نقل کیا ہے کہ اس مسئلے میں کوئی حدیث ثابت نہیں کہ جو شخص میت کو غسل دے وہ غسل کرے۔" (فتح الباری) امام بخاری نے جو آثار ذکر کیے ہیں ان سے وہ یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ صحابہ میت کو غسل دینے والے پر غسل واجب نہیں سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک اس کی وجہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ مومن زندہ ہو یا مردہ نجس نہیں ہوتا، تو جب وہ نجس نہیں تو اسے غسل دینے سے غسل کیسے لازم ہو گیا۔ باب میں مذکور آثار اپنے مطلب میں واضح ہیں۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا اثر مصنف ابن ابی شیبہ (۴۶۹/۲، ح: ۱۱۱۳۹) نے نقل کیا ہے کہ عائشہ بنت سعد (بن ابی وقاص) نے بیان کیا کہ (ان کے والد) سعد رضی اللہ عنہ کو سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ عنہ کے جنازے کی اطلاع دی گئی جب کہ وہ عقیق میں تھے تو انھوں نے انھیں غسل دیا اور کفن دیا اور میت والی خوشبو لگائی، پھر گھر آ کر غسل کیا، پھر کہا: میں نے انھیں غسل دینے کی وجہ سے غسل نہیں کیا، اگر وہ نجس ہوتے تو میں انھیں ہاتھ نہ لگاتا بلکہ میں نے گرمی کی وجہ سے غسل کیا ہے۔ اور سعد رضی اللہ عنہ کے اس اثر کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ عالم کو چاہیے کہ جب وہ ایسا عمل کرے جس سے دیکھنے والوں کو غلطی میں پڑنے کا امکان ہو تو وہ انھیں اصل بات بتا دے، تاکہ وہ کسی بھول میں پڑ کر کوئی غلط مطلب نہ نکالیں۔

تنبیہ: شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے "احکام الجنائز (ص: ۵۳)" میں ابو داؤد اور ترمذی کی مذکورہ حدیثوں میں سے بعض کو مسلم کی شرط پر صحیح اور بعض کو حسن کہا ہے اور کہا ہے کہ ابن قیم رحمہ اللہ نے تہذیب السنن (۳۵۴/۲، ح: ۳۰۳۲) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے گیارہ طرق سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ طرق دلیل ہیں کہ حدیث محفوظ ہے اور ابن القطان نے اسے صحیح کہا ہے۔ اسی طرح ابن حزم نے المحلی (۲۳۱/۱، ۳۶۴/۱۲) اور حافظ ابن حجر نے تلخیص (۳۷۱/۱) میں صحیح کہا ہے۔ امر کا حکم تو وجوب کے لیے ہوتا ہے، مگر ہم میت کو غسل دینے کے بعد غسل کو اور اٹھانے کے بعد وضو کو واجب نہیں کہتے، بلکہ مستحب کہتے ہیں، یعنی اگر کوئی کرلے تو افضل ہے اور ثواب ہے، نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں۔ واجب نہ کہنے کی وجہ دو حدیثیں ہیں، پہلی یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِيْ غَسْلِ مَيِّتِكُمْ غُسْلٌ إِذَا غَسَّلْتُمُوْهُ، فَإِنَّ مَيِّتَكُمْ لَيْسَ بِنَجِسٍ، فَحَسْبُكُمْ أَنْ تَغْسِلُوْا أَيْدِيَكُمْ » [حاكم: ۵۴۳/۱، ح: ۱۴۲۶۔ البيهقي: ۴۵۷/۱، ح: ۱۴۶۲، عن ابن عباس، و قال الحاكم: صحيح على شرط البخاري ووافقه الذهبي، و إنما هو حسن الإسناد كما قال الحافظ في التلخيص لأن فيه عمرو بن عمرو، و فيه كلام و قد قال الذهبي نفسه في "الميزان" بعد أن ساق أقوال الأئمة فيه: حديث صالح حسن] "جب تم اپنی میت کو غسل دو تو اس غسل دینے کی وجہ سے تم پر کوئی غسل لازم نہیں، کیونکہ تمھاری میت نجس نہیں ہے، اس لیے تمھیں اتنا ہی کافی ہے کہ اپنے ہاتھ دھو لو۔" دوسری حدیث یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: « كُنَّا

نَغْسِلُ الْمَيِّتَ فَمِنَّا مَنْ يَغْتَسِلُ وَ مِنَّا مَنْ لَا يَغْتَسِلُ » [الدارقطني : ١٨٢٠ـ خطيب في تاريخه : ٤٢/٣، بإسناده صحيح كما قال الحافظ] ”ہم میت کو غسل دیتے تھے پھر ہم میں سے بعض غسل کر لیتے تھے اور بعض غسل نہیں کرتے تھے۔“ (احکام الجنائز، ص: ۵۴) خلاصہ یہ کہ میت کو غسل دینے والے کے لیے غسل فرض نہیں، البتہ مستحب اور کارِثواب ضرور ہے۔ اس میں حکمت ایک تو یہ ہے کہ غسل دیتے وقت میت کے جسم سے نکلنے والی کسی چیز کے چھینٹے پڑنے کا امکان ہوتا ہے، غسل کرنے سے اس کی صفائی کا اطمینان ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں میت کو دیکھنے سے اور موت کے منظر سے طبیعت میں جو ضعف پیدا ہوتا ہے اس کا علاج ہو جاتا ہے۔

١٢٥٣ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ الْأَنْصَارِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَتِ ابْنَتُهُ فَقَالَ : « اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا ـ أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُورٍ ـ فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي » فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ فَأَعْطَانَا حِقْوَهُ فَقَالَ : « أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ » تَعْنِي إِزَارَهُ . [راجع : ١٦٧ـ أخرجه مسلم : ٩٣٩]

1253۔ اُم عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے جب آپ کی بیٹی فوت ہوئی اور آپ نے فرمایا: ”اسے تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا اگر مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ دفعہ پانی اور بیری کے ساتھ غسل دو اور آخری بار غسل میں کافور یا کچھ کافور ڈال لینا، پھر جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔“ جب ہم فارغ ہوئیں تو ہم نے آپ کو اطلاع دی، آپ نے ہمیں اپنا تہ بند دیا اور فرمایا: ”اسے اس کے جسم پر لپیٹ دو۔“ ” حِقْوَهُ “ کا معنی ہے: اپنا تہ بند۔

فوائد ومسائل: 1 میت کو غسل دینا فرض ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔ یہ غسل اس لیے نہیں کہ میت نجس ہوتی ہے، بلکہ مزید صفائی اور طہارت کے لیے غسل دیا جاتا ہے، حتی کہ صحابہ نے اس ہستی کو بھی غسل دیا جو غسل کے بغیر ہی طاہر بھی تھے اور مطہر بھی۔ یہ غسل ایک دفعہ تو واجب ہے، تین دفعہ افضل ہے اور ضرورت ہو تو اس سے زیادہ طاق عدد میں دیا جا سکتا ہے۔

2 ” شِعَارٌ “ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم کے ساتھ ملا رہے اور ” دِثَارٌ “ اس کپڑے کو جو سب کپڑوں کے اوپر ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا تہ بند اُن کے جسم پر لپیٹنے کے لیے دیا، تاکہ وہ ان کے جسم سے ملا رہے اور انھیں اس کی برکت حاصل رہے۔ یہ برکت رسول اللہ ﷺ کا خاصہ تھا، آپ کے تھوک، پسینے، بالوں اور کپڑوں سے صحابہ برکت حاصل کرتے تھے، مگر آپ کے بعد صحابہ نے کسی صحابی کے کپڑوں وغیرہ کو، حتی کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے کپڑوں یا دوسری چیزوں کو بطورِ تبرک

استعمال نہیں کیا۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کے غسل کے لیے پانی کے ہمراہ صفائی کرنے والی کوئی چیز بھی استعمال کرنی چاہیے، وہ بیری کے پتے ہوں یا صابن یا شیمپو وغیرہ اور بہتر ہے کہ وہ خوشبو دار ہو۔ آخری مرتبہ پانی میں کافور ملا کر میت پر ڈال دیا جائے، کیونکہ کافور دافع تعفن ہے، اس سے میت میں جلدی بد بو پیدا نہیں ہوتی اور جسم جلدی ڈھیلا نہیں ہوتا، کافور کے ساتھ کوئی اور خوشبو بھی ملا سکتے ہیں۔

4 یہ بھی معلوم ہوا کہ مرد کو مرد غسل دیں گے اور عورت کو عورتیں، ہاں! خاوند اور بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں۔

5 نبی ﷺ غیب نہیں جانتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم فارغ ہو تو مجھے اطلاع دینا۔“

6 نبی ﷺ اپنی بیٹیوں اور اولاد پر بے حد شفیق تھے، دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ بھی آپ حسب مراتب صلہ رحمی فرماتے تھے۔

٩۔ بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ أَنْ يُغْسَلَ وِتْرًا

١٢٥٤۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهُ فَقَالَ: «اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي» فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ فَقَالَ: «أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ»

١٢٥٤م ـ فَقَالَ أَيُّوبُ: وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ بِمِثْلِ حَدِيثِ مُحَمَّدٍ، وَكَانَ فِي حَدِيثِ حَفْصَةَ: «اغْسِلْنَهَا وِتْرًا»، وَكَانَ فِيهِ: «ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا»، وَكَانَ فِيهِ أَنَّهُ قَالَ: «ابْدَؤُوا بِمَيَامِنِهَا، وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا»، وَكَانَ فِيهِ أَنَّ أُمَّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: وَمَشَطْنَاهَا ثَلَاثَةَ قُرُونٍ. [راجع: ١٦٧ - أخرجه

9۔ باب: طاق مرتبہ دھونے کا مستحب ہونا

1254۔ ام عطیہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے جب ہم آپ کی بیٹی کو غسل دے رہی تھیں تو آپ نے فرمایا: ”اسے تین یا پانچ یا اس سے زیادہ دفعہ پانی اور بیری کے ساتھ غسل دو اور آخری بار میں کافور ڈال لینا، پھر جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔“ جب ہم فارغ ہوئیں اور ہم نے آپ کو اطلاع دی، تو آپ نے ہمیں اپنا تہ بند دیا اور فرمایا: ”اسے اس کے جسم پر لپیٹ دو۔“

۱۲۵۴م۔ پھر ایوب نے کہا: اور مجھے حفصہ (بنت سیرین) نے بھی محمد (بن سیرین) کی حدیث کی طرح بیان کیا۔ اور حفصہ کی حدیث میں ہے: ”اسے طاق عدد میں غسل دو۔“ اور اس میں یہ الفاظ تھے: ”تین یا پانچ یا سات بار (دھونا)۔“ اور اس میں یہ بھی تھا کہ آپ نے فرمایا: ”اس کی دائیں جانبوں اور وضو کی جگہوں سے شروع کرنا۔“ اور اس میں یہ

مسلم : ٩٣٩]

تھا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اور ہم نے اس کے بالوں میں کنگھی کر کے انھیں تین مینڈھیاں بنا دیا۔

فائدہ اس حدیث کی شرح اس سے پچھلی حدیث (١٢٥٣) میں گزر چکی ہے، مزید فائدہ اس میں یہ ہے کہ میت کے بالوں کو کنگھی کر کے تین مینڈھیاں بنا کر اس کی پچھلی طرف ڈال دینا چاہیے۔

١٠ - بَابٌ : يُبْدَأُ بِمَيَامِنِ الْمَيِّتِ

10- باب: (غسل) میت کی داہنی طرفوں سے شروع کیا جائے

١٢٥٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي غَسْلِ ابْنَتِهِ: «ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا، وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا» [راجع: ١٦٧ - أخرجه مسلم: ٩٣٩]

1255- أم عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کے متعلق فرمایا: ”اس کی دائیں جانبوں اور وضو کے مقامات سے ابتدا کرنا۔“

فائدہ یہ حدیث (١٦٧) اور (١٢٥٤) میں گزر چکی ہے۔

١١ - بَابُ مَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنَ الْمَيِّتِ

11- باب: میت کے وضو کے مقامات سے ابتدا کرنا

١٢٥٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا غَسَّلْنَا بِنْتَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَنَا وَنَحْنُ نَغْسِلُهَا: «ابْدَؤُوا بِمَيَامِنِهَا، وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا» [راجع: ١٦٧ - أخرجه مسلم: ٩٣٩]

1256- أم عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب ہم نے نبی ﷺ کی بیٹی کو غسل دیا تو آپ نے ہمیں فرمایا، جب ہم اسے غسل دے رہی تھیں: ”اس کی دائیں جانبوں اور وضو کے مقامات سے ابتدا کرنا۔“

فائدہ اس کی شرح (١٢٥٣) میں گزر چکی ہے۔

١٢ - بَابٌ: هَلْ تُكَفَّنُ الْمَرْأَةُ فِي إِزَارِ الرَّجُلِ؟

١٢٥٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ حَمَّادٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: تُوُفِّيَتْ بِنْتُ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ لَنَا: «اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي» فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ، فَنَزَعَ مِنْ حِقْوِهِ إِزَارَهُ وَقَالَ: «أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ» [راجع: ١٦٧ - أخرجه مسلم: ٩٣٩]

12 - باب: کیا عورت کو مرد کے تہ بند کا کفن دیا جا سکتا ہے؟

1257 - اُم عطیہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کی بیٹی فوت ہو گئی تو آپ نے ہمیں فرمایا: ”اسے تین یا پانچ دفعہ یا اس سے زیادہ دفعہ دھوؤ اگر تم مناسب سمجھو، پھر جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔“ چنانچہ جب ہم فارغ ہو گئیں تو ہم نے آپ کو اطلاع دی تو آپ نے اپنی کمر سے اپنا تہ بند اتارا اور فرمایا: ”اسے اس کے جسم پر لپیٹ دو۔“

فائدہ: حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت واضح ہے۔ حدیث (١٢٥٣) میں گزر چکی ہے۔

١٣ - بَابٌ: يُجْعَلُ الْكَافُورُ فِي الْأَخِيرَةِ

١٢٥٨ - حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: تُوُفِّيَتْ إِحْدَى بَنَاتِ النَّبِيِّ ﷺ فَخَرَجَ فَقَالَ: «اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا - أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُورٍ - فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي» قَالَتْ: فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ، فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ فَقَالَ: «أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ» [راجع: ١٦٧ - أخرجه مسلم: ٩٣٩]

13 - باب: کافور کو آخری بار میں ڈالا جائے

1258 - اُم عطیہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کی بیٹیوں میں سے ایک فوت ہو گئی تو آپ آئے اور آپ نے فرمایا: ”اسے تین یا پانچ دفعہ یا اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ دفعہ پانی اور بیری کے ساتھ غسل دو اور آخری بار میں کافور - یا کچھ کافور - ڈال دو، جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔“ تو جب ہم فارغ ہو گئیں تو ہم نے آپ کو اطلاع دی، تو آپ نے اپنا تہ بند ہمیں دیا اور فرمایا: ”اسے اس کے جسم کے ساتھ ملا کر لپیٹ دو۔“

١٢٥٩ - وَعَنْ أَيُّوبَ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ

1259 - اور ایوب نے حفصہ (بنت سیرین) سے، انھوں

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا بِنَحْوِهِ . [راجع : ١٦٧ ـ أخرجه مسلم : ٩٣٩]

نے اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت کیا۔

وَ قَالَتْ : إِنَّهُ قَالَ : « اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ » قَالَتْ حَفْصَةُ : قَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : وَجَعَلْنَا رَأْسَهَا ثَلَاثَةَ قُرُونٍ . [راجع : ١٦٧ ـ أخرجه مسلم : ٩٣٩]

اور (اس میں یہ ہے کہ) اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ نے فرمایا: ''اسے تین بار یا پانچ بار یا سات بار غسل دو یا اس سے بھی زیادہ بار اگر تم مناسب سمجھو۔'' حفصہ نے کہا کہ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اور ہم نے اس کے سر کی تین مینڈھیاں بنا دیں۔

فائدہ بعض لوگوں نے کہا کہ کافور آخری بار غسل کے پانی میں نہیں بلکہ اس خوشبو کے ساتھ لگایا جائے جو غسل کے بعد میت کو لگائی جاتی ہے، مگر رسول اللہ ﷺ کے صاف لفظوں میں آخری غسل کے پانی میں کافور ملانے کے حکم کے بعد ان لوگوں کا یہ کہنا بڑی دلیری ہے۔

١٤ـ بَابُ نَقْضِ شَعَرِ الْمَرْأَةِ

14۔ باب: عورت کے بال کھولنا

وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ : لَا بَأْسَ أَنْ يُنْقَضَ شَعَرُ الْمَيِّتِ .

اور ابن سیرین نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ میت کے بال کھولے جائیں۔

١٢٦٠ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ أَيُّوبُ : وَسَمِعْتُ حَفْصَةَ بِنْتَ سِيرِينَ قَالَتْ : حَدَّثَتْنَا أُمُّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : أَنَّهُنَّ جَعَلْنَ رَأْسَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةَ قُرُونٍ نَقَضْنَهُ، ثُمَّ غَسَلْنَهُ، ثُمَّ جَعَلْنَهُ ثَلَاثَةَ قُرُونٍ . [راجع : ١٦٧ ـ أخرجه مسلم : ٩٣٩]

1260۔ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ان (غسل دینے والیوں نے) رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کی تین مینڈھیاں بنائیں۔ (اس طرح کہ) انھوں نے سر کے بال کھولے، انھیں دھویا، پھر انھیں تین مینڈھیاں بنا دیا۔

فوائد 1 بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کنگھی کرنے سے میت کے کچھ بال ٹوٹ جاتے ہیں، اس لیے اس کے بال اسی طرح سینے پر ڈال دینے چاہییں، مگر اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے بعد ایسی بات بے کار ہے۔ اول تو نرمی کے ساتھ کنگھی کرنے سے ایسا نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو آخر اس میں حرج کیا ہے۔ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا فوت شدہ عورتوں کو غسل دیا کرتی تھیں،

اگر ان کا یہ عمل درست نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی طرف وحی کر کے اس کی اصلاح فرما دیتا۔ صحیح ابن حبان (۳۰۳۳) میں ہے کہ اُم عطیہ ؓ کو رسول اللہ ﷺ نے بالوں کی تین مینڈھیاں بنانے کا حکم دیا تھا۔

2 سر کے بال کھولنے کا مقصد ان کی اچھی طرح صفائی ہے اور مینڈھیاں بنانا کھلے بالوں سے بہتر ہوتا ہے۔

۱۵۔ بَابٌ : كَيْفَ الْإِشْعَارُ لِلْمَيِّتِ ؟

وَقَالَ الْحَسَنُ : الْخِرْقَةُ الْخَامِسَةُ تَشُدُّ بِهَا الْفَخِذَيْنِ وَالْوَرِكَيْنِ تَحْتَ الدِّرْعِ .

15۔ باب: میت پر کپڑا کیسے لپیٹا جائے؟

اور حسن نے کہا: (عورت کے لیے) پانچواں کپڑا وہ ہے جس کے ساتھ قمیص کے نیچے دونوں رانوں اور سرینوں کو کس کر لپیٹ دیا جائے۔

فائدہ حسن بصری ؒ کے قول سے ظاہر ہے کہ اس سے پہلے یہ الفاظ ہیں کہ عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا۔ ابن ابی شیبہ (۴۶۵/۲، ح: ۱۱۰۸۷) نے اسے سند کے ساتھ اسی طرح بیان کیا ہے۔ اور جوزقی نے صحیح اسناد کے ساتھ اُم عطیہ ؓ سے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: « فَكَفَّنَّاهَا فِي خَمْسَةِ أَثْوَابٍ وَ خَمَّرْنَاهَا كَمَا يُخَمَّرُ الْحَيُّ » ”ہم نے نبی ﷺ کی بیٹی کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا اور اسے اسی طرح کپڑے سے ڈھانپ دیا، جیسے زندہ کو ڈھانپا جاتا ہے۔“ (فتح الباری)

١٢٦١ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَنَّ أَيُّوبَ أَخْبَرَهُ قَالَ : سَمِعْتُ ابْنَ سِيرِينَ يَقُولُ : جَاءَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ مِنَ اللَّاتِي بَايَعْنَ ، قَدِمَتِ الْبَصْرَةَ تُبَادِرُ ابْنًا لَهَا فَلَمْ تُدْرِكْهُ، فَحَدَّثَتْنَا قَالَتْ : دَخَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهُ فَقَالَ : « اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي » قَالَتْ : فَلَمَّا فَرَغْنَا أَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ فَقَالَ : « أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ » وَلَمْ يَزِدْ

1261۔ ایوب نے کہا: میں نے ابن سیرین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اُم عطیہ ؓ، جو انصار کی ان عورتوں میں سے تھیں جنھوں نے (رسول اللہ ﷺ کی) بیعت کی تھی، وہ جلد از جلد اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے بصرہ آئیں، مگر اسے پا نہ سکیں، تو انھوں نے ہمیں بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کی بیٹی کو غسل دے رہی تھیں کہ آپ ﷺ ہمارے پاس آئے اور فرمایا: ”اسے تین یا پانچ یا اگر مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ دفعہ پانی اور بیری کے ساتھ غسل دو، آخری دفعہ میں کافور ڈال لینا اور جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔“ جب ہم فارغ ہوئیں تو آپ نے اپنا تہ بند ہمیں دیا اور فرمایا:

عَلَى ذٰلِكَ ، وَلَا أَدْرِي أَيُّ بَنَاتِهِ، وَزَعَمَ أَنَّ الْإِشْعَارَ : الْفُفْنَهَا فِيهِ .

"اسے اس کے جسم پر لپیٹ دو۔" اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔ (ابن سیرین نے کہا) اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ آپ کی بیٹیوں میں سے کون سی تھی اور (ایوب یا محمد بن سیرین نے) کہا کہ اشعار کا معنی ہے کہ میت کو اس کے جسم کے ساتھ لگنے والے کپڑے میں لپیٹا جائے۔

وَكَذٰلِكَ كَانَ ابْنُ سِيرِينَ يَأْمُرُ بِالْمَرْأَةِ أَنْ تُشْعَرَ وَلَا تُؤْزَرَ . [راجع : ١٦٧ـ أخرجه مسلم : ٩٣٩]

اور ابن سیرین بھی یہی کہتے تھے کہ عورت کے جسم کے ساتھ لگنے والا کپڑا لپیٹ دیا جائے، تہ بند کی طرح نہ باندھا جائے۔

فوائد ومسائل: 1 اس کے بعض فوائد (۱۲۵۳) میں گزر چکے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری عورت کے لیے پانچ کپڑوں کے کفن کے قائل ہیں، کیونکہ انھوں نے باب کے عنوان میں حسن بصری کا یہی قول ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تکفین اور غسلِ میت میں حسن بصری کی بات معتبر ہے، کیونکہ انھوں نے یہ مسائل اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے سیکھے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فوت شدہ عورتوں کو غسل دیتی تھیں۔ اسی طرح ابن سیرین نے بھی انھی سے یہ مسائل سیکھے تھے۔ وہ پانچ کپڑے اس طرح بنتے ہیں: پہلے تہ بند، پھر قمیص، پھر خمار، یعنی سر پر باندھا جانے والا کپڑا، پھر دو لفافے۔ [كَذَا قَالَ شَيْخُنَا الْإِمَامُ الْحَافِظُ مُحَمَّدُ الْجُونْدَلْوِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى] اس کے متعلق ایک مرفوع روایت بھی آئی ہے، لیلیٰ بنت قانف ثقفیہ نے کہا: میں ان عورتوں میں شامل تھی جنھوں نے ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ کو ان کی وفات کے بعد غسل دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے ہمیں تہ بند دیا، پھر قمیص، پھر خمار، پھر بڑی چادر، پھر اس کے بعد انھیں ایک اور کپڑے میں لپیٹا گیا۔ [أبو داود : ٣١٥٧] مگر یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس میں نوح بن حکیم ثقفی مجہول ہے، اسی طرح داؤد نامی راوی بھی معلوم نہیں کون ہے۔ البتہ جوزقانی والی حدیث کو حافظ ابن حجر نے صحیح الاسناد کہا ہے، اس لیے پانچ کپڑوں کی مضبوط دلیل وہی ہے جو اوپر ہمارے استاذ صاحب سے نقل کی گئی ہے۔

2 امام ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے احکام الجنائز (ص: ۶۳) میں لکھا ہے کہ کفن تین چادریں ہونا چاہیے، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انھوں نے کہا: «أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيْضٍ سَحُوْلِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ لَيْسَ فِيهِنَّ قَمِيْصٌ وَلَا عِمَامَةٌ (أُدْرِجَ فِيهَا إِدْرَاجًا) » "یعنی رسول اللہ ﷺ کو تین سفید سوتی کپڑوں کا کفن دیا گیا جو (یمن کی) سحول نامی بستی کے بنے ہوئے تھے، ان تین کپڑوں میں نہ قمیص تھی نہ ہی پگڑی (ان تین کپڑوں

میں آپ کو لپیٹ دیا گیا)۔" البانی ﷫ نے اس کی تخریج اس طرح لکھی ہے: " أخرجه الستة وابن الجارود (٢٥٩) والبيهقي (٣٩٩/٣) وأحمد (٤٠/٦، ٩٣، ١١٨، ١٦٥، ١٩٢، ٢٠٣، ٢٣١، ٢٦٤) زائد الفاظ احمد (۲۴۸۶۹) کے ہیں۔" اس کے بعد البانی ﷫ نے لکھا ہے کہ "کفن مرد اور عورت دونوں کا ایک جیسا ہی ہے (یعنی تین چادریں)، کیونکہ ان میں فرق کی کوئی دلیل نہیں۔ رہی لیلیٰ بنت قانف ثقفیہ کی حدیث تو اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔" شیخ البانی کی دلیل واضح ہے، مگر امام بخاری کے اشارے کو اگر مدنظر رکھا جائے تو عورت کے لیے پانچ کپڑوں میں بھی کوئی حرج نہیں (ان شاء اللہ تعالیٰ) اور امام بخاری ﷫ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

3 وَلَا أَدْرِي أَيُّ بَنَاتِهِ : یہ ایوب کا قول ہے۔ صحیح مسلم میں اس بیٹی کا نام زینب ﷞ ہے، بعض روایات میں ام کلثوم ﷞ ہے۔ یہ بیٹی ان دونوں میں سے کوئی ایک ہو سکتی ہے، دونوں بھی ہو سکتی ہیں، اس طرح کہ ام عطیہ ﷞ نے دونوں کو غسل دیا ہو، کیونکہ وہ فوت شدہ عورتوں کو غسل دیا کرتی تھیں۔ البتہ وہ رقیہ ﷞ نہیں ہو سکتیں، کیونکہ وہ اس وقت فوت ہوئیں جب رسول اللہ ﷺ مدینہ سے غائب تھے اور بدر کے معرکہ میں مصروف تھے۔ (ملخص من الفتح)

١٦ - بَابٌ : هَلْ يُجْعَلُ شَعَرُ الْمَرْأَةِ ثَلَاثَةَ قُرُونٍ ؟

16۔ باب: کیا عورت کے بالوں کی تین مینڈھیاں بنائی جائیں؟

١٢٦٢ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أُمِّ الْهُذَيْلِ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ضَفَرْنَا شَعَرَ بِنْتِ النَّبِيِّ ﷺ، تَعْنِي : ثَلَاثَةَ قُرُونٍ .

وَقَالَ وَكِيعٌ : قَالَ سُفْيَانُ : نَاصِيَتَهَا وَقَرْنَيْهَا .

[راجع : ١٦٧ - أخرجه مسلم : ٩٣٩]

1262۔ اُم عطیہ ﷞ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے نبی ﷺ کی بیٹی کے بالوں کی تین مینڈھیاں بنا دیں۔

سفیان نے کہا: ایک پیشانی کے بالوں کی اور دو دونوں طرفوں کی۔

فائدہ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ عورت کے بالوں کو چوٹی یا مینڈھی بنائے بغیر کھلا رکھا جائے اور سینے پر چہرے کے دونوں طرف ڈال دیا جائے۔ ان حضرات کے مطابق میت کے بالوں میں کنگھی بھی نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سب کچھ اُم عطیہ ﷞ کی صریح و صحیح احادیث کے خلاف ہے اور محض رائے پر مبنی ہے۔ صحیح مسلم (۹۳۹) میں اُم عطیہ ﷞ کی حدیث میں " مَشَطْنَاهَا " کے الفاظ بھی موجود ہیں کہ ہم نے ان کے بالوں میں کنگھی کی۔ اگر یہ الفاظ نہ بھی ہوتے تو مینڈھیاں بنانے کا عمل کنگھی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

١٧- بَابٌ: يُلْقَى شَعَرُ الْمَرْأَةِ خَلْفَهَا

١٢٦٣- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَتْنَا حَفْصَةُ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: تُوُفِّيَتْ إِحْدَى بَنَاتِ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَتَانَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «اغْسِلْنَهَا بِالسِّدْرِ وِتْرًا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا، أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذَلِكَ، وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا - أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُورٍ - فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي» فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ، فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ، فَضَفَرْنَا شَعَرَهَا ثَلَاثَةَ قُرُونٍ، وَأَلْقَيْنَاهَا خَلْفَهَا. [راجع: ١٦٧- أخرجه مسلم: ٩٣٩]

17- باب: عورت کے بال اس کے پیچھے ڈال دیے جائیں

1263- أم عطیہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی بیٹیوں میں سے ایک فوت ہوگئی تو نبی ﷺ ہمارے پاس آئے اور فرمایا: ''اسے بیری کے ساتھ طاق عدد میں تین یا پانچ یا اگر مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ مرتبہ غسل دو اور آخری دفعہ میں کافور - یا کچھ کافور - ملا لو، پھر جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔'' چنانچہ جب ہم فارغ ہوگئیں تو ہم نے آپ کو اطلاع دی تو آپ نے اپنا تہ بند ہماری طرف پھینکا، پھر ہم نے اس کے بالوں کی تین مینڈھیاں بنا دیں اور انھیں اس کے پیچھے ڈال دیا۔

فائدہ: پچھلی حدیث کا فائدہ ملاحظہ کریں۔

١٨- بَابُ الثِّيَابِ الْبِيضِ لِلْكَفَنِ

١٢٦٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ يَمَانِيَةٍ بِيضٍ، سَحُولِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ لَيْسَ فِيهِنَّ قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ. [انظر: ١٢٧١، ١٢٧٢، ١٢٧٣، ١٣٨٧، وانظر في الجنائز، باب: ٦٩- أخرجه مسلم: ٩٤١]

18- باب: کفن کے لیے سفید کپڑے لینا

1264- عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تین سفید یمنی سوتی کپڑوں کا کفن دیا گیا جو سحول بستی کے بنے ہوئے تھے، نہ ان میں قمیص تھی نہ پگڑی۔

فوائد: 1 حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے جو پسند فرمایا وہی سب سے بہتر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کو اس مقصد کی صریح حدیث اپنی شرط کے مطابق سند کے ساتھ نہیں ملی تو انھوں نے

اس حدیث سے استدلال کیا۔ صریح حدیث اس مقصد کی اصحاب السنن نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « اَلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ، فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ، وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ » [أبو داوٗد : ٤٠٦١] ''سفید کپڑے پہنا کرو، کیوں کہ وہ تمھارے بہترین کپڑوں میں سے ہیں اور اپنے مردوں کو ان کا کفن دو۔'' سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: « فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ » [ترمذي : ٢٨١٠] ''کیونکہ وہ زیادہ پاکیزہ اور زیادہ عمدہ ہیں۔'' دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

امام ترمذی نے کہا: " وَتَكْفِيْنُهُ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيْضٍ أَصَحُّ مَا وَرَدَ فِيْ كَفَنِهِ " [ترمذي : ٩٩٧] یعنی نبی ﷺ کے کفن کے متعلق سب سے زیادہ صحیح احادیث یہی ہیں کہ آپ کو تین سفید کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ مستحب یہ ہے کہ سوتی لکیردار کپڑے کا کفن دیا جائے، ممکن ہے ان کا استدلال ابو داوٗد (۳۱۵۲، ۳۱۵۱) کی حسن حدیث سے ہو: « كُفِّنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ثَوْبَيْنِ وَبُرْدٍ حِبَرَةٍ » ''یعنی رسول اللہ ﷺ کو دو کپڑوں اور ایک لکیر دار سوتی یمنی چادر کا کفن دیا گیا۔'' مگر مسلم (۹۴۱) اور ترمذی (۹۹۶) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ صحابہ نے وہ چادر اتار لی تھی اور عبد الرزاق (۶۱۷۳) نے " مَعْمَرٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ " نقل کیا ہے کہ آپ کو یمنی لکیردار چادر میں خشک کیا گیا، پھر وہ آپ سے اتار لی گئی۔ (یہ مرسل ہے) البتہ ان حضرات کے لیے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کے عموم سے استدلال کیا جا سکتا ہے: « كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَلْبَسَهَا الْحِبَرَةَ » [بخاري : ٥٨١٣۔ مسلم : ٢٠٧٩] ''نبی ﷺ کو سب سے محبوب لباس جو آپ ﷺ زیب تن فرماتے تھے یمنی لکیردار چادر تھی۔'' (فتح الباری) اس لیے لکیردار سفید کپڑے کا کفن بھی دیا جا سکتا ہے۔

2 علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: سنت یہی تین کپڑے ہیں، پگڑی باندھنا بدعت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے زمانے کے لوگ زندگی بھر شادی اور غمی کے رسوم اور بدعات میں گرفتار رہتے ہیں اور مرتے وقت بھی بے چاری میت کا پیچھا نہیں چھوڑتے، کہیں کفن خلافِ سنت رکھتے ہیں، کہیں لفافہ کے اوپر پھر ایک چادر ڈالتے ہیں، کہیں میت پر شامیانہ تانتے ہیں، کہیں تیجا، دسواں، چہلم کرتے ہیں، کہیں قبر میں پیری مریدی کا شجرہ رکھتے ہیں، کہیں قبر پر چراغ جلاتے ہیں، کہیں صندل شرینی چادر چڑھاتے ہیں، کہیں قبر پر مجمع اور میلہ کرتے ہیں اور اس کا نام عرس رکھتے ہیں، کہیں قبر کو پختہ کرتے ہیں، اس پر عمارت اور گنبد اٹھاتے ہیں، یہ سب امور بدعت اور ممنوع ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی آنکھ کھولے اور ان کو نیک توفیق دے۔ (آمین یا رب العالمین) (تیسیر الباری)

١٩ ـ بَابُ الْكَفَنِ فِي ثَوْبَيْنِ

19۔ باب: دو کپڑوں میں کفن دینا

١٢٦٥ ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ

1265۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک آدمی عرفات میں ٹھہرا ہوا تھا، اسی دوران میں وہ اپنی

اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ وَاقِفٌ بِعَرَفَةَ إِذْ وَقَعَ عَنْ رَاحِلَتِهِ فَوَقَصَتْهُ - أَوْ قَالَ: فَأَوْقَصَتْهُ - قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: « اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلَا تُحَنِّطُوهُ، وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا » [انظر : ١٢٦٦، ١٢٦٧، ١٢٦٨، ١٨٣٩، ١٨٤٩، ١٨٥٠، ١٨٥١۔ أخرجه مسلم : ١٢٠٦]

اونٹنی سے گرا اور اس اونٹنی نے اس کی گردن توڑ دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے پانی اور بیری کے ساتھ غسل دو اور اسے دو کپڑوں میں کفن دو اور اسے میت والی خوشبو نہ لگانا، نہ ہی اس کا سر ڈھانپنا، کیونکہ وہ قیامت کے دن لبیک کہتا ہوا اُٹھے گا۔''

فوائد 1 فَوَقَصَتْهُ، أَوْ قَالَ فَأَوْقَصَتْهُ: راوی کو شک ہے کہ فعل مجرد ہے یا مزید فیہ۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے: اس نے اس کی گردن توڑ دی۔

2 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت سے احرام منقطع نہیں ہوتا، اس لیے اگر کوئی احرام کی حالت میں فوت ہو جائے تو اس کا احرام باقی رہتا ہے۔ اسے کفن دیتے وقت اس کا سر نہیں ڈھانکنا چاہیے، نہ ہی اسے خوشبو لگانی چاہیے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ موت سے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، اس لیے اسے تین کپڑوں میں کفن دینا چاہیے، سر کو بھی ڈھانپنا چاہیے اور خوشبو بھی لگانی چاہیے، مگر یہ اس حدیث کے خلاف ہے۔ رہی وہ حدیث جس میں ہے: « إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ » (جب انسان فوت ہوتا ہے تو اس سے اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے) تو اس کے بعد اس میں استثنا بھی ہے: « إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ » [مسلم : ١٦٣١] ''مگر تین چیزوں سے: صدقہ جاریہ سے یا اس علم سے جس سے لوگوں کو نفع پہنچے یا نیک اولاد سے جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔'' ایک حدیث میں ہے کہ رباط کی حالت میں فوت ہونے والے کا عمل ختم نہیں ہوتا، بلکہ جاری رہتا ہے۔ [دیکھیے ترمذي : ١٦٢١، وقال: حديث حسن صحيح] اور ہر عمل منقطع کہنے والے حضرات کا قاعدہ ہے کہ جب کسی آیت یا حدیث میں ایک دفعہ تخصیص ہو جائے تو اس میں قیاس سے بھی مزید تخصیص ہو سکتی ہے، یہاں تو حدیث سے مزید تخصیص ہو رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محرم کے فوت ہونے پر اس کے احرام کو باقی رکھنے کا حکم دیا۔ صریح احادیث کے بعد اپنی یا اپنے کسی بڑے کی رائے پر جمود نہایت خطرناک ہے۔

3 ابن بطال نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اگر کوئی نیک عمل شروع کرے اور موت کی وجہ سے اسے پورا نہ کر سکے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اسے وہ عمل کرنے والوں میں لکھ دے گا۔ (فتح الباری)

4 سنن نسائی میں ہے: « فِي ثَوْبَيْهِ اللَّذَيْنِ أَحْرَمَ فِيهِمَا » [نسائي: ١٩٠٤] ''اسے اس کے انھی دو کپڑوں کا کفن دو جن میں اس نے احرام باندھا تھا۔''

٢٠ - بَابُ الْحَنُوطِ لِلْمَيِّتِ

20۔ باب: میت کو خوشبو لگانا

١٢٦٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ وَاقِفٌ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِعَرَفَةَ إِذْ وَقَعَ مِنْ رَاحِلَتِهِ فَأَقْصَعَتْهُ - أَوْ قَالَ: فَأَقْعَصَتْهُ - فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلَا تُحَنِّطُوهُ، وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا» [راجع: ١٢٦٥ - أخرجه مسلم: ١٢٠٦]

1266۔ ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اس اثنا میں کہ ایک آدمی عرفات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ٹھہرا ہوا تھا کہ اچانک اپنی اونٹنی سے گر گیا تو اس کی اونٹنی نے اسے کچل ڈالا - یا (یہ کہا کہ) اسے فوراً مار ڈالا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے پانی اور بیری کے ساتھ غسل دو اور اسے دو کپڑوں میں کفن دو اور اسے نہ خوشبو لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانکو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن لبیک کہتا ہوا اٹھائے گا۔"

فوائد ومسائل: 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کے فوت ہونے پر اسے کفن دیتے ہوئے نہ خوشبو لگانا جائز ہے نہ سر ڈھانکنا اور جب کوئی شخص محرم نہ ہو تو اس کا سر بھی ڈھانپنا چاہیے اور اسے خوشبو بھی لگانی چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میت کو خوشبو لگانا اور سر ڈھانکنا مسلمانوں کے ہاں ایک مسلّم بات تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے محرم میت کے لیے ان دونوں سے منع فرما دیا اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ وہ قیامت کو لبیک کہتا ہوا اٹھے گا۔

2 اس حدیث کی روایات میں تین الفاظ آئے ہیں: "وَقَصَ" یا "أَوْقَصَ" گردن توڑ دی۔ "أَقْصَعَتْهُ" (بتقديم الصاد) "أَيْ هَشَمَتْهُ" اس نے اسے کچل ڈالا۔ "أَقْعَصَتْهُ" (بتقديم العين) "مِنْ قُعَاصِ الْغَنَمِ" اس نے اسے فوراً مار ڈالا۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کے احرام میں سر نہ ڈھانکنے کی پابندی ہے، چہرے کی نہیں۔ (فتح الباری)

٢١ - بَابٌ: كَيْفَ يُكَفَّنُ الْمُحْرِمُ؟

21۔ باب: محرم کو کفن کیسے دیا جائے؟

١٢٦٧ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ: أَنَّ رَجُلًا وَقَصَهُ بَعِيرُهُ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اغْسِلُوهُ

1267۔ ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی کے اونٹ نے اس کی گردن توڑ دی، جب کہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ تھے اور وہ احرام کی حالت میں تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا: "اسے پانی اور بیری کے ساتھ غسل دو اور اسے دو کپڑوں

بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلَا تُمِسُّوهُ طِيبًا، وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا » [راجع : ١٢٦٥ـ أخرجه مسلم : ١٢٠٦]

میں کفن دو اور اسے نہ خوشبو لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانکو، کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ لبیک کہہ رہا ہو گا۔''

١٢٦٨ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرٍو وَأَيُّوبَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ : كَانَ رَجُلٌ وَاقِفٌ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِعَرَفَةَ، فَوَقَعَ عَنْ رَاحِلَتِهِ ، قَالَ أَيُّوبُ : فَوَقَصَتْهُ، وَقَالَ عَمْرٌو : فَأَقْصَعَتْهُ، فَمَاتَ فَقَالَ : « اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلَا تُحَنِّطُوهُ، وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، قَالَ أَيُّوبُ : يُلَبِّي، وَقَالَ عَمْرٌو : مُلَبِّيًا » [راجع : ١٢٦٥ـ أخرجه مسلم : ١٢٠٦]

1268۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی عرفات میں نبی ﷺ کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا تو وہ اپنی اونٹنی سے گر پڑا۔ ایوب نے کہا: تو اس کی اونٹنی نے اس کی گردن توڑ دی اور عمرو نے کہا: اس نے اسے کچل دیا تو وہ فوت ہو گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے پانی اور بیری کے ساتھ غسل دو اور اسے دو کپڑوں میں کفن دو اور نہ اسے خوشبو لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانکو، کیونکہ وہ قیامت کے دن لبیک کہتا ہوا اٹھایا جائے گا۔''

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفن ان کپڑوں میں بھی دیا جا سکتا ہے جو میت نے یا کسی اور نے پہلے پہنے ہوں اور یہ کہ لبیک کہنا احرام ختم ہونے تک جاری رہتا ہے اور یہ کہ کفن کے لیے تین کپڑے ضروری نہیں ہیں۔ (فتح الباری)

٢٢ـ بَابُ الْكَفَنِ فِي الْقَمِيصِ الَّذِي يُكَفُّ أَوْ لَا يُكَفُّ وَمَنْ كُفِّنَ بِغَيْرِ قَمِيصٍ

22۔ باب: اس قمیص میں کفن دینا جو سلی ہوئی ہو یا نہ سلی ہوئی ہو اور قمیص کے بغیر کفن دینا

١٢٦٩ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، قَالَ : حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا : أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أُبَيٍّ لَمَّا تُوُفِّيَ، جَاءَ ابْنُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! أَعْطِنِي قَمِيصَكَ أُكَفِّنْهُ فِيهِ وَصَلِّ عَلَيْهِ، وَاسْتَغْفِرْ لَهُ، فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ ﷺ قَمِيصَهُ فَقَالَ : « آذِنِّي أُصَلِّي عَلَيْهِ » فَآذَنَهُ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ

1269۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبد اللہ بن اُبی فوت ہوا تو اس کا بیٹا نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! مجھے اپنی قمیص دیں، تاکہ میں اسے اس میں کفن دوں اور اس کا جنازہ پڑھیں اور اس کے لیے استغفار کریں۔ نبی ﷺ نے اسے اپنی قمیص دے دی اور فرمایا: ''مجھے اطلاع دینا میں اس کا جنازہ پڑھوں گا۔'' اس نے آپ کو اطلاع دی اور جب آپ نے اس کا جنازہ پڑھنے کا

جَذَبَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ: أَلَيْسَ اللّٰهُ نَهَاكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ؟ فَقَالَ: «أَنَا بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ، قَالَ: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ [التوبة: ٨٠]» فَصَلَّى عَلَيْهِ فَنَزَلَتْ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا﴾ [التوبة: ٨٤] [انظر: ٤٦٧٠، ٤٦٧٢، ٥٧٩٦ وانظر في الجنائز، باب: ٨٤ـ أخرجه مسلم: ٢٤٠٠، ٢٧٧٤]

ارادہ کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کھینچ لیا اور کہا: کیا اللہ نے آپ کو منافقین کا جنازہ پڑھنے سے منع نہیں فرمایا؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے دو باتوں کا اختیار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''ان کے لیے استغفار کر یا نہ کر، اگر تو ستر بار ان کے لیے استغفار کرے گا تب بھی اللہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا۔'' خیر آپ نے اس کا جنازہ پڑھا، پھر یہ آیت اتری: ''ان میں سے کوئی بھی مرجائے تو کبھی اس کا جنازہ نہ پڑھنا۔''

١٢٧٠ـ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، سَمِعَ جَابِرًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَى النَّبِيُّ ﷺ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أُبَيٍّ بَعْدَ مَا دُفِنَ، فَأَخْرَجَهُ فَنَفَثَ فِيهِ مِنْ رِيقِهِ وَأَلْبَسَهُ قَمِيصَهُ. [انظر: ١٣٥٠، ٣٠٠٨، ٥٧٩٥ـ أخرجه مسلم: ٢٧٧٣]

1270۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ عبداللہ بن اُبی کے دفن کیے جانے کے بعد آئے اور اسے نکالا، پھر اس میں اپنی تھوک کے ساتھ پھونک ماری اور اسے اپنی قمیص پہنائی۔

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے جو باب باندھا ہے شارحین نے اس میں " يُكَفُّ أَوْ لَا يُكَفُّ " کو تین طرح پڑھنے کا امکان ذکر کیا ہے: اول یہ کہ یاء پر ضمہ اور کاف پر فتحہ مع تشدید الفاء " كَفَّ يَكُفُّ " (نَصَرَ يَنْصُرُ) مضاعف سے مضارع مجہول ہے۔ قاموس میں ہے: " كَفَّ الثَّوْبَ، خَاطَ حَاشِيَتَهُ وَهُوَ الْخِيَاطَةُ " یعنی اس کا معنی کپڑے کی سلائی کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی قمیص میں کفن دیا جا سکتا ہے جو سلی ہوئی ہو اور ایسی میں بھی جو سلی ہوئی نہ ہو، یعنی ویسے ہی کپڑے میں چاک بنا کر قمیص کی طرح گلے میں ڈال دی جائے۔ عبداللہ بن اُبی کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیص دی، ظاہر ہے وہ سلی ہوئی ہوگی، تو جب ایسی قمیص میں کفن دیا جا سکتا ہے تو اَن سلی میں بالاولی دیا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ کفن کی چادروں کے زیادہ مشابہ ہے۔ بخاری کا مقصد ان لوگوں کا رد ہے جو صرف اَن سلی قمیص کا کفن جائز سمجھتے ہیں۔ عبداللہ بن اُبی کو آپ کے قمیص دینے سے سلی ہوئی قمیص میں کفن دینے کا جواز ظاہر ہے۔ یہ معنی سب سے صحیح ہے۔ دوسرا امکان " يَكُفُّ " مضاعف سے مضارع معلوم ہے، یعنی وہ قمیص عذاب کو روکے یا نہ روکے نبی ﷺ نے قمیص صرف عبداللہ بن اُبی کے بیٹے اور خاندان کی تالیفِ قلب کے لیے دی۔ تیسرا امکان یہ ہے کہ یہ اصل میں " يَكْفِي " تھا، ناقص یائی، کسی کاتب کی غلطی سے یاء رہ گئی، مطلب یہ کہ قمیص میں کفن دیا جا سکتا ہے خواہ وہ میت کے جسم کے لیے کافی ہو یا نہ ہو۔ عبداللہ بن اُبی بہت لمبے قد کا

تھا جب کہ رسول اللہ ﷺ معتدل قد والے تھے، ظاہر ہے آپ کی قمیص اس کے جسم پر پوری تو نہیں آ سکتی تھی۔ یہ آخری دونوں معنی تکلف ہیں۔

2 یہاں ایک سوال ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین کا جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے، حالانکہ ابھی تک آیت: ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ [التوبۃ : ۸٤] (اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اس کا کبھی جنازہ نہ پڑھنا) نازل نہیں ہوئی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت: ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ [التوبۃ : ۸۰] (ان کے لیے بخشش مانگ یا ان کے لیے بخشش نہ مانگ) میں اگرچہ آپ کو بظاہر استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا، مگر عمر رضی اللہ عنہ نے آیت: ﴿ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴾ [المنافقون : ٦] (اللہ انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا) سے جنازہ کی ممانعت سمجھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے بخشنا ہی نہیں تو استغفار کا کیا فائدہ۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے صریح الفاظ میں ممانعت نہ ہونے کی وجہ سے عبد اللہ بن اُبی کے بیٹے اور خاندان کی دل جوئی کے لیے جنازہ پڑھا دیا، جس کے نتیجے میں ان میں سے بہت سے لوگ مخلص مسلمان ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ ملہم آدمی تھے، انھیں الہام ہوتا تھا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی موافقت میں نہی کا صاف حکم نازل فرما دیا، فرمایا: ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ﴾ [التوبۃ : ۸٤] ”اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اس کا کبھی جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔“

3 عبد اللہ بن اُبی کے بیٹے کا نام بھی عبد اللہ تھا۔ پہلے اس کا نام حباب تھا۔ ابن اُبی کی کنیت اسی کے نام پر ابو الحباب تھی، بعد میں رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام بدل کر عبد اللہ رکھ دیا۔ یہ مخلص اور صالح آدمی تھے، بدر اور بعد کی جنگوں میں شریک ہوئے اور یوم یمامہ یعنی مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ کے موقع پر شہید ہوئے۔ ابن اُبی سنہ ۹ ہجری میں فوت ہوا۔

4 دوسرا سوال یہ ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ عبد اللہ بن اُبی کے دفن کے بعد آئے، اسے قبر سے نکالا اور اس پر پھونک کے ساتھ تھوک بھی ڈالی اور اسے اپنی قمیص پہنائی۔ یہ حدیث بظاہر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں ہے کہ جب عبد اللہ بن اُبی فوت ہوا تو اس کا بیٹا نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! مجھے اپنی قمیص دیجیے، میں اسے اس میں کفن دوں گا، تو آپ نے اسے اپنی قمیص دے دی اور فرمایا: ”مجھے اطلاع دینا، میں اس پر جنازہ پڑھوں گا۔“ پھر جب آپ نے اس پر نماز کا ارادہ کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کھینچا۔ ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ان کے یہ کہنے کا کہ ”آپ نے اسے اپنی قمیص دے دی“ مطلب یہ ہے کہ آپ نے اسے قمیص دینے کا وعدہ فرما لیا۔ آپ کا وعدہ کر لینا گویا دے دینا ہی تھا، کیونکہ آپ کا وعدہ پورا ہونا یقینی تھا۔ اسی طرح جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ”دفن کیے جانے کے بعد“ کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس کی قبر میں اتار دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن اُبی کے گھر والوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق سمجھا کہ آپ کو آنے میں تکلیف ہو گی، اس لیے انھوں نے جلدی کی اور آپ ﷺ کی آمد سے پہلے ہی اس کو تیار کر کے جنازہ پڑھا دیا، جب آپ وہاں پہنچے تو وہ اسے قبر میں اتار چکے تھے، آپ نے اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے اسے قبر سے نکلوایا اور اسے قمیص پہنانے اور اس کا جنازہ پڑھنے کا وعدہ پورا فرمایا۔ ایک تطبیق

یہ بھی دی گئی ہے کہ آپ نے پہلے اس کے بیٹے کو اپنی ایک قمیص دی تھی، پھر جب وہاں پہنچے تو قبر سے نکال کر اپنی ایک اور قمیص اسے پہنا دی۔ تیسری تطبیق یہ ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بات نہیں کہ آپ نے قبر سے نکلوانے کے بعد اسے اپنی قمیص پہنائی، کیونکہ حدیث کے لفظ یہ ہیں: « فَوَضَعَهُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَأَلْبَسَهُ قَمِيصَهُ » یعنی آپ نے اسے اپنے گھٹنوں پر رکھا اور اسے اپنی قمیص پہنائی۔ تو ہوسکتا ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے اختصار کے ساتھ اس سارے اکرام کا ذکر کر دیا جو آپ نے اس کے دفن سے پہلے کیا تھا اور جو بعد میں کیا۔ اُن کا ارادہ واؤ کے ساتھ ترتیب کا نہیں تھا۔ (ملخص فتح الباری)

٢٣۔ بَابُ الْكَفَنِ بِغَيْرِ قَمِيصٍ

23۔ باب: قمیص کے بغیر کفن دینا

١٢٧١۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كُفِّنَ النَّبِيُّ ﷺ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ سُحُولٍ كُرْسُفٍ، لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ. [راجع: ١٢٦٤۔ أخرجه مسلم: ٩٤١]

1271۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو روئی کے تین سفید دھوئے ہوئے کپڑوں میں کفن دیا گیا، جن میں نہ کوئی قمیص تھی نہ کوئی پگڑی۔

١٢٧٢۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ، لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ. [راجع: ١٢٦٤۔ أخرجه مسلم: ٩٤١]

1272۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ جن میں نہ قمیص تھی اور نہ کوئی پگڑی۔

فوائد: 1 "سُحُوْلٌ" "سَحْلٌ" کی جمع ہے: سفید کپڑے۔ (فتح الباری) اس کے علاوہ "سَحَلَ" بمعنی "غَسَلَ" بھی آتا ہے۔ "أَثْوَابٌ سُحُوْلٌ" کا معنی ہوگا: "مَغْسُوْلَةٌ" یعنی دھوئے ہوئے۔ (کرمانی) اس سے پہلے ابواب میں "سُحُوْلِيَّةٌ" ہے، اس کا معنی ہے: سحول بستی کے بنے ہوئے۔

2 بخاری کے بعض نسخوں میں یہ باب نہیں ہے، بلکہ ان احادیث کو پچھلے باب کے تحت ہی ذکر کیا گیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ پچھلے باب کے عنوان میں ''قمیص کے بغیر کفن'' کے الفاظ موجود ہیں۔ نئے باب کی صورت میں یہ پچھلے باب کی ایک فصل ہوگا۔

٢٤۔ بَابُ الْكَفَنِ بِلَا عِمَامَةٍ

24۔ باب: پگڑی کے بغیر کفن دینا

١٢٧٣۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ،

1273۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ، لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ. [أخرجه مسلم : ٩٤١]

سحول بستی کے بنے ہوئے تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا، جن میں نہ قمیص تھی اور نہ پگڑی۔

فائدہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کوئی معزز آدمی ہو تو اسے کفن میں پگڑی بھی پہنائی جا سکتی ہے، مگر رسول اللہ ﷺ سے زیادہ معزز کون ہوگا؟

٢٥ـ بَابٌ : اَلْكَفَنُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ

25۔ باب: کفن میت کے سارے مال میں سے ہوگا

وَبِهِ قَالَ عَطَاءٌ وَالزُّهْرِيُّ وَعَمْرُو بْنُ دِينَارٍ وَقَتَادَةُ. وَقَالَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ : اَلْحَنُوطُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ. وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ : يُبْدَأُ بِالْكَفَنِ، ثُمَّ بِالدَّيْنِ، ثُمَّ بِالْوَصِيَّةِ. وَقَالَ سُفْيَانُ : أَجْرُ الْقَبْرِ وَالْغَسْلِ هُوَ مِنَ الْكَفَنِ.

عطاء، زہری، عمرو بن دینار اور قتادہ نے ایسے ہی کہا ہے۔ اور عمرو بن دینار نے کہا: (میت کے لیے) خوشبو سارے مال میں سے ہوگی۔ اور ابراہیم نے کہا: (میت کے مال میں سے) پہلے کفن ہوگا، پھر قرض، پھر وصیت۔ اور سفیان نے کہا: قبر اور غسل دینے کی اجرت کفن ہی میں شامل ہوگی۔

١٢٧٤ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ : أُتِيَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَوْمًا بِطَعَامِهِ، فَقَالَ : قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَكَانَ خَيْرًا مِنِّي، فَلَمْ يُوجَدْ لَهُ مَا يُكَفَّنُ فِيهِ إِلَّا بُرْدَةٌ، وَقُتِلَ حَمْزَةُ أَوْ رَجُلٌ آخَرُ خَيْرٌ مِنِّي ، فَلَمْ يُوجَدْ لَهُ مَا يُكَفَّنُ فِيهِ إِلَّا بُرْدَةٌ، لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ قَدْ عُجِّلَتْ لَنَا طَيِّبَاتُنَا فِي حَيَاتِنَا الدُّنْيَا، ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِي. [انظر : ١٢٧٥، ٤٠٤٥]

1274۔ ابراہیم بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ ایک دن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس ان کا کھانا لایا گیا تو انھوں نے کہا: مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) قتل کیے گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے، تو انھیں کفن دینے کے لیے صرف ایک چادر ملی۔ اور حمزہ (رضی اللہ عنہ) یا ایک اور آدمی قتل کیے گئے جو مجھ سے بہتر تھے تو انھیں کفن دینے کے لیے صرف ایک چادر ملی۔ میں ڈرتا ہوں کہ ہماری عمدہ نیکیاں ہمیں ہماری دنیا کی زندگی ہی میں دے دی گئی ہیں، پھر وہ رونے لگ گئے۔

فوائد ومسائل: 1 امام بخاری کا مطلب یہ ہے کہ میت کے مال میں سے سب سے پہلے کفن دفن کے اخراجات لیے جائیں گے، پھر قرض، پھر وصیت اور پھر وارثوں کو ان کے حصے دیے جائیں گے۔ اس کی دلیل میں حدیث لائے ہیں اور تائید میں انھوں نے چار جلیل القدر تابعین کے اقوال پیش کیے ہیں اور بتایا ہے کہ میت کی تیاری کے تمام اخراجات سب سے پہلے اس کے مال میں سے ادا کیے جائیں گے، وہ اس کا غسل ہو یا خوشبو یا کفن یا قبر کی اجرت۔ اس کے بعد قرض، پھر وصیت، پھر باقی وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ مصعب بن عمیر اور حمزہ ؓ کے ترکے میں صرف ایک ایک چادر ملی مگر آپ ﷺ نے یہ استفسار نہیں کیا کہ ان پر کوئی قرض تو نہیں؟ اس بات پر تقریباً اتفاق ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ اخراجات اس کے ثلث مال میں سے کیے جائیں، مگر یہ بات درست نہیں۔ ابن حزم کا خیال ہے کہ پہلے قرض ادا کیا جائے، اگر قرض ادا کرنے کے بعد اس کے مال میں سے کچھ نہ بچے تو مسلمان اس کی تکفین و تجہیز و تدفین کا بندوبست کریں۔ مگر بخاری کی بات صحیح ہے۔

2 عبدالرحمٰن بن عوف ؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اس کے باوجود ان کا یہ کہنا ان کی کسرِ نفسی ہے، ورنہ مومن کا عمل ضائع نہیں ہوتا۔

3 ہمارے ہاں میت کے دفن کے بعد اس کے مال میں سے وہ رسوم ادا کی جاتی ہیں جو درحقیقت ہندوؤں کی رسوم ہیں، مثلاً تیجا، ساتواں، دسواں، چالیسواں اور ان رسموں کی ترغیب دینے والوں اور رسمیں کرنے والوں کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ وہ یتیموں کا مال کھا رہے ہیں اور اگر ان کے اقارب یہ خرچ کر رہے ہیں تو کفار سے مشابہت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

4 ایک جاہلانہ رسم یہ ہے کہ عورت کے فوت ہونے پر اس کے والدین یا بھائی کفن دیتے ہیں، یہ بھی خالص ہندوانہ رسم ہے، کیونکہ ان میں عورت کو ورثہ نہیں دیا جاتا، اس لیے اس کی تلافی جہیز اور اس قسم کی چیزوں سے کی جاتی ہے۔

5 یہ روایت "إبراهيم بن سعد بن إبراهيم بن عبد الرحمن بن عوف، عن أبيه، عن جده إبراهيم بن عبد الرحمن" ہے۔

٢٦ ـ بَابٌ: إِذَا لَمْ يُوجَدْ إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ

26۔ باب: جب (میت کے لیے) ایک ہی کپڑا ملے

١٢٧٥ ـ حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِيهِ إِبْرَاهِيمَ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أُتِيَ بِطَعَامٍ وَكَانَ صَائِمًا فَقَالَ: قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ

1275۔ ابراہیم بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ عبدالرحمٰن ابن عوف ؓ کے پاس کھانا لایا گیا اور وہ روزے سے تھے، تو انھوں نے کہا: مصعب بن عمیر (ؓ) قتل کیے گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے، انھیں ایک ایسی چادر کا کفن دیا گیا کہ اگر

عُمَيْرٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّي، كُفِّنَ فِي بُرْدَةٍ، إِنْ غُطِّيَ رَأْسُهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ، وَإِنْ غُطِّيَ رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهُ، وَأُرَاهُ قَالَ: وَقُتِلَ حَمْزَةُ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّي، ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ - أَوْ قَالَ: أُعْطِينَا مِنَ الدُّنْيَا مَا أُعْطِينَا - وَقَدْ خَشِينَا أَنْ تَكُونَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا، ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِي حَتَّى تَرَكَ الطَّعَامَ. [راجع: ١٢٧٤]

ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پاؤں کھل جاتے اور اگر ان کے پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر کھل جاتا۔ (راوی نے کہا) اور میرا خیال ہے کہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ حمزہ (ﷺ) قتل کیے گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے، پھر ہمارے لیے دنیا فراخ کر دی گئی، جتنی فراخ کر دی گئی۔ یا کہا: ہمیں دنیا سے وہ کچھ عطا کیا گیا جو عطا کیا گیا۔ اور ہم ڈرتے ہیں کہ ہماری نیکیاں ہمیں جلدی دے دی گئی ہوں، پھر رونے لگ گئے حتیٰ کہ کھانا بھی چھوڑ دیا۔

فوائد ومسائل: 1 مطلب یہ ہے کہ اگر دفن کے لیے صرف ایک کپڑا ملے تو اسی میں کفن دے کر دفن کر دیا جائے، مزید انتظار میں دیر نہ کی جائے۔

2 اس حدیث سے عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ کی تواضع اور اللہ کا خوف واضح ہو رہا ہے، صحابہ کرام ﷺ سبھی کا یہ حال تھا، مصعب بن عمیر اور حمزہ ﷺ کی وہ بے سروسامانی اور دنیا سے بے رغبتی ظاہر ہو رہی ہے جس کی کوئی مثال آج ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔ حالانکہ مصعب بن عمیر ﷺ مکہ کے اندر نہایت خوشحالی اور ناز ونعمت میں پلے تھے، جب وہ مسلمان ہوئے تو گھر والوں نے ان سے قطع تعلق کر لیا اور لباس تک چھین لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں مدینہ والوں کو قرآن پڑھانے کے لیے بھیجا، ان کی دعوت سے مدینہ کے ہر گھر میں اسلام کا چرچا ہو گیا۔ خوبصورت اتنے تھے کہ جنگ اُحد میں مشرک ابن قمئہ نے انھیں رسول اللہ ﷺ سمجھ کر شہید کر دیا اور اعلان کر دیا کہ میں نے محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا ہے۔ دفن کرتے وقت جب ان کی چادر ان کے جسم پر پوری نہ آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے سر پر چادر اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۔ حمزہ ﷺ کا بھی یہی معاملہ ہوا۔

3 اس حدیث سے باب والا مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کفن کے لیے ایک ہی کپڑا ملے تو اس میں کفن دیا جائے، اگر وہ چھوٹا ہو تو اصل شرم گاہ کو ڈھانپنا ہے، اس کے بعد پاؤں کی نسبت سر کو ڈھانپنا اہم ہے۔

٢٧- بَابٌ: إِذَا لَمْ يَجِدْ كَفَنًا إِلَّا مَا يُوَارِي رَأْسَهُ أَوْ قَدَمَيْهِ غَطَّى رَأْسَهُ

27- باب: جب کفن اتنا ہی ملے جو سر کو چھپائے یا پاؤں کو تو اس کا سر چھپا دے

١٢٧٦- حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، حَدَّثَنَا

1276- خباب ﷺ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم

أَبِي، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، حَدَّثَنَا شَقِيقٌ، حَدَّثَنَا خَبَّابٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ نَلْتَمِسُ وَجْهَ اللَّهِ فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللَّهِ، فَمِنَّا مَنْ مَاتَ لَمْ يَأْكُلْ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا، مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا، قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ فَلَمْ نَجِدْ مَا نُكَفِّنُهُ إِلَّا بُرْدَةً، إِذَا غَطَّيْنَا بِهَا رَأْسَهُ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ، وَ إِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَأْسُهُ، فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهُ، وَأَنْ نَجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ مِنَ الْإِذْخِرِ. [انظر: ۳۸۹۷، ۳۹۱۳، ۳۹۱٤، ٤٠٤٧، ٤٠٨٢، ٦٤٣٢، ٦٤٤٨۔ أخرجه مسلم: ۹٤٠]

نے نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت کی، ہم اللہ کا چہرہ ڈھونڈتے تھے اور ہمارا اجر اللہ پر ثابت ہوگیا، پھر ہم میں سے کوئی تو وہ تھا جس نے اپنے اجر میں سے کچھ نہیں کھایا، ان میں سے ایک مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے اور ہم میں سے کوئی وہ ہے جس کے لیے اس کا پھل پک گیا اور وہ اسے چن رہا ہے۔ وہ (مصعب رضی اللہ عنہ) اُحد کے دن قتل کیے گئے تو ہمیں ایک چادر کے سوا انھیں کفن دینے کے لیے کچھ نہ ملا، جب ہم اس کے ساتھ ان کا سر ڈھانپتے تو ان کے قدم نکل جاتے اور جب ہم ان کے پاؤں ڈھانپتے تو ان کا سر نکل آتا، تو نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کا سر ڈھانپ دیں اور ان کے پاؤں پر کچھ اذخر گھاس ڈال دیں۔

فائدہ: اس حدیث کے فوائد (۷۵) اور (۱۲۷۴) میں گزر چکے ہیں۔

۲۸۔ بَابُ مَنِ اسْتَعَدَّ الْكَفَنَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ

28۔ باب: جس شخص نے نبی ﷺ کے زمانے میں اپنا کفن تیار کر لیا تو آپ نے اس پر انکار نہیں کیا

۱۲۷۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتِ النَّبِيَّ ﷺ بِبُرْدَةٍ مَنْسُوجَةٍ فِيهَا حَاشِيَتُهَا ـ أَتَدْرُونَ مَا الْبُرْدَةُ؟ قَالُوا: الشَّمْلَةُ، قَالَ: نَعَمْ ـ قَالَتْ: نَسَجْتُهَا بِيَدِي فَجِئْتُ لِأَكْسُوَكَهَا، فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ ﷺ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا، فَخَرَجَ إِلَيْنَا وَ إِنَّهَا إِزَارُهُ، فَحَسَّنَهَا فُلَانٌ فَقَالَ: اكْسُنِيهَا، مَا

1277۔ سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس ایک بُردہ لے کر آئی جس کا کنارہ بھی اس کے ساتھ بُنا ہوا تھا ۔ کیا تم جانتے ہو ''بُردہ'' کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: (ہاں) اوپر لپیٹنے والی چادر، کہا: ہاں ۔ اس عورت نے کہا: میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بنا ہے، تاکہ میں آپ کو پہننے کے لیے دوں۔ نبی ﷺ نے اس سے وہ چادر لے لی، آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی، پھر آپ باہر نکلے تو آپ

أَحْسَنَهَا! قَالَ الْقَوْمُ: مَا أَحْسَنْتَ، لَبِسَهَا النَّبِيُّ ﷺ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا، ثُمَّ سَأَلْتَهُ وَعَلِمْتَ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ؟ قَالَ: إِنِّي وَاللّٰهِ! مَا سَأَلْتُهُ لِأَلْبَسَهُ، إِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِتَكُونَ كَفَنِي. قَالَ سَهْلٌ: فَكَانَتْ كَفَنَهُ. [انظر: ۲۰۹۳، ۵۸۱۰، ۶۰۳۶]

نے وہ تہ بند باندھی ہوئی تھی۔ فلاں شخص نے اس کی تعریف کی اور کہا: یہ کتنی اچھی ہے! آپ یہ مجھے پہننے کے لیے دے دیں۔ صحابہ نے کہا: تم نے اچھا نہیں کیا، نبی ﷺ نے اسے پہنا ہوا تھا اور آپ کو اس کی ضرورت تھی، پھر تم نے اسے نبی ﷺ سے مانگ لیا جب کہ تم جانتے ہو کہ آپ کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اسے آپ سے اس لیے نہیں مانگا کہ اسے پہنوں گا، میں نے تو آپ سے صرف اس لیے مانگی ہے کہ وہ میرا کفن بنے۔ سہل نے کہا: پھر وہ اس کا کفن بنی۔

فوائد ① فَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ: اسے کاف کے فتحہ کے ساتھ مجہول بھی پڑھا گیا ہے اور اس کے کسرہ کے ساتھ معروف بھی۔ اگر معروف ہو تو مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس کے اس عمل کا انکار نہیں کیا اور اگر مجہول پڑھا جائے تو مطلب یہ ہے کہ صحابہ نے پہلے اس پر انکار کیا کہ تم نے آپ سے چادر کیوں مانگی، پھر جب اس صحابی نے اسے کفن کے لیے مانگنے کا ذکر کیا تو کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔

② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی اپنا کفن پہلے تیار کر کے رکھ سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ نکالا کہ زندگی میں اپنی قبر بھی بنوا سکتا ہے، مگر یہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے ثابت نہیں، اس لیے اس سے اجتناب لازم ہے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں فوت ہوگا، فرمایا: ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ [لقمان: ۳۴] "اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔"

③ صحیح بخاری کی "کتاب الادب (۶۰۳۶)" میں اس حدیث میں ہے کہ اس آدمی نے کہا: «رَجَوْتُ بَرَكَتَهَا حِينَ لَبِسَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» "نبی ﷺ کے اسے پہننے کی وجہ سے میں نے اس کی برکت کی امید رکھی۔" اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام ؓ نبی ﷺ سے تعلق رکھنے والی چیزوں سے برکت حاصل کرتے تھے، خواہ وہ آپ کے کپڑے ہوں یا برتن یا آپ کے بال ہوں یا تھوک یا آپ کی کوئی اور چیز ہو، مگر یہ برکت رسول اللہ ﷺ کا خاصہ تھی۔ بعض لوگوں نے اس سے صالحین کی چیزوں سے تبرک کا استدلال کیا ہے مگر اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ صحابہ نے نبی ﷺ کے سوا کسی کی کسی چیز کو برکت کے لیے استعمال کیا ہو، حتیٰ کہ کسی صحابی سے ثابت نہیں کہ اس نے ابوبکر و عمر ؓ یا خلفائے اربعہ یا عشرہ مبشرہ یا اصحاب بدر یا اصحاب بیعت رضوان میں سے کسی کی کسی چیز کو برکت حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا ہو۔ اس کے علاوہ کسی

آدمی کی چیزوں سے تبرک اس کے لیے بھی فتنہ بن سکتا ہے جس سے نبی ﷺ محفوظ تھے اور یہ صالحین کی تعریف میں غلو کا دروازہ بھی ہے جو آخر کار شرک تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لیے ہمیں " مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِيْ " کو مدِنظر رکھ کر دین میں نئی ایجادات سے اجتناب کرنا چاہیے۔

4 طبرانی (۵۹۲۰) نے زمعہ بن صالح کی روایت میں مزید یہ بیان کیا ہے کہ آپ نے اپنے لیے اور چادر بنانے کا حکم دیا مگر آپ چادر پوری بُنی جانے سے پہلے فوت ہو گئے۔ (فتح الباری)

5 اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا کمال خلق ظاہر ہے کہ آپ نے ایک عورت سے بھی ہدیہ قبول فرما لیا اور آپ کی بے انتہا سخاوت بھی ظاہر ہے جس کا سب صحابہ کو علم تھا کہ آپ کسی سائل کے سوال کو رد نہیں کرتے اور صحابہ کرام ﷺ کی آپ سے محبت اور آپ سے برکت حاصل کرنے کا شوق بھی کہ وہ اس کپڑے میں کفن پانے کے خواہش مند تھے جو آپ کے جسم مبارک سے لگا ہو۔

۲۹۔ بَابُ اتِّبَاعِ النِّسَاءِ الْجَنَائِزَ

29۔ باب: عورتوں کا جنازوں کے ساتھ جانا

۱۲۷۸۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أُمِّ الْهُذَيْلِ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا. [راجع: ۳۱۳۔ أخرجه مسلم: ۹۳۸]

1278۔ اُم عطیہ ؓ سے روایت ہے کہ ہم عورتوں کو جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا اور ہمیں منع کی سخت تاکید نہیں کی گئی۔

فوائد 1 کوئی صحابی جب یہ کہے کہ " ہمیں حکم دیا گیا" یا " ہمیں منع کیا گیا" تو حکم دینے یا منع کرنے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ ہوتے ہیں۔ بخاری، مسلم اور دوسرے محدثین کے نزدیک ان الفاظ سے آنے والی حدیث مرفوع ہوتی ہے، کیونکہ صحابہ کو امر و نہی کرنے والے رسول اللہ ﷺ ہی تھے۔

2 عورتوں کے جنازوں کے ساتھ جانے سے مراد قبرستان یا جنازگاہ جانا ہے، اگر مسجد میں جنازہ ہو تو عورتیں مسجد میں جا سکتی ہیں۔ سعد بن ابی وقاص ؓ فوت ہوئے تو اُم المومنین عائشہ ؓ نے کہا: انھیں مسجد میں لاؤ، تاکہ میں بھی جنازہ پڑھوں۔ ان کی اس بات پر اعتراض کیا گیا تو انھوں نے کہا: «وَاللّٰهِ! لَقَدْ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنَيْ بَيْضَاءَ فِي الْمَسْجِدِ: سُهَيْلٍ وَأَخِيْهِ» [مسلم: ۹۷۳] " اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے بیضاء نامی عورت کے دو بیٹوں سہیل اور اس کے بھائی کا جنازہ مسجد میں پڑھا تھا۔"

3 نہی تحریم کے لیے ہوتی ہے اور بعض اوقات تنزیہہ کے لیے بھی، یہاں نہی کی تاکید نہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ عورتوں کے لیے یہ نہی تنزیہی ہے، انھیں قبرستان نہیں جانا چاہیے۔ نہی کا کم از کم تقاضا یہی ہے کہ یہ عورتوں کے لیے مکروہ ہے، حرام

نہیں، اس لیے اگر کوئی عورت چلی جائے تو اس پر سختی نہ کی جائے۔

٣٠- بَابُ حَدِّ الْمَرْأَةِ عَلَى غَيْرِ زَوْجِهَا

30- باب: عورت کا اپنے خاوند کے سوا کسی اور پر سوگ کرنا

١٢٧٩- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ عَلْقَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: تُوُفِّيَ ابْنٌ لِأُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الثَّالِثُ دَعَتْ بِصُفْرَةٍ، فَتَمَسَّحَتْ بِهِ، وَقَالَتْ: نُهِينَا أَنْ نُحِدَّ أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثٍ إِلَّا بِزَوْجٍ.

[راجع: ٣١٣- أخرجه مسلم: ٩٣٨ بقطعة ليست في هذه الطريق، وجاء مطولاً في الطلاق (٦٦)]

1279- محمد بن سیرین نے کہا: اُم عطیہ ﷞ کا ایک بیٹا فوت ہو گیا، جب تیسرا دن ہوا تو انھوں نے زرد رنگ کی خوشبو منگوائی اور اسے اپنے آپ پر مل لیا اور کہا کہ ہمیں خاوند کے سوا کسی اور پر تین راتوں سے زیادہ سوگ سے منع کیا گیا ہے۔

١٢٨٠- حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ نَافِعٍ، عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أَبِي سَلَمَةَ قَالَتْ: لَمَّا جَاءَ نَعْيُ أَبِي سُفْيَانَ مِنَ الشَّامِ دَعَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا بِصُفْرَةٍ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ، فَمَسَحَتْ عَارِضَيْهَا وَذِرَاعَيْهَا وَقَالَتْ: إِنِّي كُنْتُ عَنْ هَذَا لَغَنِيَّةً، لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ، فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا» [انظر: ١٢٨١، ٥٣٣٤، ٥٣٣٩، ٥٣٤٥- أخرجه مسلم: ١٤٨٦ بذكر المنبر و في الطلاق (٥٩) «حميم» بدل «أبو سفيان»، و بلفظه أخرجه في الطلاق (٦٢)]

1280- زینب بنت ابی سلمہ سے روایت ہے کہ جب شام سے ابو سفیان ﷛ کی موت کی اطلاع آئی تو اُم حبیبہ ﷝ نے تیسرے دن زرد رنگ کی خوشبو منگوائی اور اسے اپنے رخساروں اور بازوؤں پر مل لیا اور کہنے لگیں: یقیناً مجھے اس کی کوئی ضرورت نہ تھی، اگر میں نے نبی ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا: ''کسی عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے، سوائے خاوند کے کہ وہ اس پر چار ماہ اور دس راتیں سوگ کرے گی۔''

١٢٨١- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ

1281- زینب بنت ابی سلمہ نے کہا: میں نبی ﷺ کی

عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُحِدُّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا» [راجع: ١٢٨٠۔ أخرجه مسلم: ١٤٨٦ بزيادة وهو كذا في الطلاق (٥٩) و (٦٢)]

زوجہ اُم حبیبہ ؓ کے پاس گئی تو انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''کسی عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے سوائے خاوند کے، چار ماہ اور دس راتیں۔''

١٢٨٢۔ ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حِينَ تُوُفِّيَ أَخُوهَا، فَدَعَتْ بِطِيبٍ فَمَسَّتْ بِهِ، ثُمَّ قَالَتْ: مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ، غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ: «لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُحِدُّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا» [انظر: ٥٣٣٥۔ أخرجه مسلم: ١٤٨٧، و أخرجه في الطلاق (٥٩) مختصرًا]

1282۔ پھر میں زینب بنت جحش ؓ کے پاس گئی جب ان کا بھائی فوت ہوا تو انھوں نے کچھ خوشبو منگوائی اور اسے اپنے آپ پر لگایا، پھر کہا: مجھے خوشبو کی کوئی ضرورت نہیں سوائے اس بات کے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے منبر پر سنا، آپ فرما رہے تھے: ''کسی عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر سوگ کرے سوائے خاوند کے، چار ماہ اور دس دن۔''

فوائد ومسائل: 1 '' إِحْدَادٌ '' باب افعال سے ہے، مجرد ''نَصَرَ يَنْصُرُ'' سے بھی آتا ہے: عورت کا کسی میت پر سوگ کرنا، یعنی ہر طرح کی زینت ترک کرنا، خواہ لباس یا زیور یا سرمہ یا خوشبو وغیرہ، غرض خاوند کو جماع کی طرف راغب کرنے والی تمام چیزیں۔ مرد کے لیے احداد یا سوگ یعنی ترکِ زینت ہے ہی نہیں۔ دل کے غم کی بات الگ ہے، اس پر نہ کسی کا اختیار ہے نہ اس پر کوئی مؤاخذہ ہے، مگر لباس وغیرہ میں زینت ترک کرنا نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے نہ ہی صحابہ کرام ؓ میں سے کسی ایک سے، البتہ عورت چونکہ کمزور ہے اس لیے کسی قرابت دار یا دوسرے شخص کی وفات کے صدمے پر عورت کے لیے تین راتوں تک سوگ جائز ہے، واجب نہیں۔ ہاں، خاوند کی وفات پر اسے سوگ کرنا لازم ہے، اگر حاملہ ہو تو اسے بچہ پیدا ہونے تک اور اگر حاملہ نہ ہو تو چار مہینے دس راتوں تک سوگ کرنا واجب ہے۔ امام بخاری نے '' عَلَى غَيْرِ زَوْجِهَا '' کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عورت خاوند کے سوا کسی بھی میت پر تین راتیں سوگ کر سکتی ہے، خواہ وہ اس کا رشتہ دار ہو یا کوئی اجنبی تعلق دار۔

2 حدیث (۱۲۸۰) میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر شام سے آنے میں "شام" کا لفظ راوی کا وہم ہے، کیونکہ تاریخ کے علماء کا اتفاق ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ مدینہ میں فوت ہوئے۔ میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں شام کا لفظ سفیان بن عیینہ کی روایت کے سوانہیں دیکھا، میں سمجھتا تھا کہ "ابوسفیان" سے پہلے "اِبْنُ" کا لفظ رہ گیا ہے، کیونکہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں شام سے ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی موت کی اطلاع آئی تھی جو شام کے امیر تھے۔ مگر بخاری نے عدتوں کے ابواب میں مالک اور سفیان ثوری دونوں کے طریق سے "عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ نَافِعٍ" یہ روایت بیان کی ہے، دونوں میں سے کسی میں بھی شام کا لفظ نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں "ابن" وغیرہ کا لفظ ساقط نہیں ہوا، بلکہ اس سے مراد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر ہی ہے، البتہ اس میں لفظ "شام" سفیان بن عیینہ کا وہم ہے۔ (خلاصہ فتح الباری) بعض اہل الرائے نے اس پر کہا ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ حدیث کی جن کتابوں میں اس حدیث میں لفظ "مِنَ الشَّامِ" نہیں ان کی یہ حدیث بخاری کی اس حدیث سے زیادہ صحیح ہے، مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ سفیان بن عیینہ کی صحیح روایت وہی ہے جس میں ان کی خطا بھی موجود ہے۔ [كَذَا قَالَ الْأُسْتَاذُ الْجُوْنَدَلْوِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ]

۳۱۔ بَابُ زِيَارَةِ الْقُبُورِ

31۔ باب: قبروں کی زیارت کرنا

۱۲۸۳۔ حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِامْرَأَةٍ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ: «اتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِي» قَالَتْ: إِلَيْكَ عَنِّي، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيبَتِي، وَلَمْ تَعْرِفْهُ، فَقِيلَ لَهَا: إِنَّهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَأَتَتْ بَابَ النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِينَ فَقَالَتْ: لَمْ أَعْرِفْكَ، فَقَالَ: «إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى» [راجع: ۱۲۵۲۔ أخرجه مسلم: ۹۲۶]

1283۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے پاس رو رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ سے ڈر اور صبر کر۔" اس نے کہا: مجھ سے ہٹ جاؤ، تم پر میری مصیبت نہیں پڑی۔ اور اس نے آپ کو نہیں پہچانا، پھر اسے بتایا گیا کہ وہ تو نبی ﷺ تھے، تو وہ نبی ﷺ کے دروازے پر آئی اور اس نے آپ کے ہاں کوئی دربان نہیں پائے، کہنے لگی: میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "صبر تو پہلی چوٹ کے وقت ہوتا ہے۔"

فائدہ اس کی شرح (۱۲۵۲) میں گزر چکی ہے۔

٣٢۔ بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «يُعَذَّبُ الْمَيِّتُ بِبَعْضِ بُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ» إِذَا كَانَ النَّوْحُ مِنْ سُنَّتِهِ

32۔ باب: نبی ﷺ کا فرمان کہ "میت کو اس کے گھر والوں کے کچھ قسم کے رونے سے عذاب دیا جاتا ہے" جب بین کرنا اس کا طریقہ ہو

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ [التحريم: ٦] وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» [راجع: ٨٩٣] فَإِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ سُنَّتِهِ، فَهُوَ كَمَا قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ [الأنعام: ١٦٤] وَهُوَ كَقَوْلِهِ: ﴿وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ﴾ ذُنُوبًا ﴿اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ﴾ [فاطر: ١٨] وَمَا يُرَخَّصُ مِنَ الْبُكَاءِ فِي غَيْرِ نَوْحٍ، وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا، وَذٰلِكَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ» [انظر: ٣٣٣٥]

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔" اور نبی ﷺ نے فرمایا: "تم سب نگران ہو اور اپنی رعیت کے بارے میں پوچھے جانے والے ہو۔" اور جب بین کرنا اس کا طریقہ نہ ہو تو وہ اس طرح ہے جیسے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اُٹھائے گی۔" اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: "اور اگر (گناہوں سے) لدی ہوئی کوئی جان اپنے بوجھ کی طرف بلائے گی، تو اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھایا جائے گا۔" اور نوحہ کے بغیر جس رونے کی اجازت ہے۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی جان جو ظلم سے قتل کی جاتی ہے اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے پر واقع ہوتا ہے، کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کا طریقہ نکالا۔"

١٢٨٤۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ وَمُحَمَّدٌ قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَخْبَرَنَا عَاصِمُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَرْسَلَتِ ابْنَةُ النَّبِيِّ ﷺ إِلَيْهِ: إِنَّ ابْنًا لِي قُبِضَ فَأْتِنَا، فَأَرْسَلَ يُقْرِئُ السَّلَامَ وَيَقُولُ: «إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى،

1284۔ اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی ایک بیٹی نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ میرا ایک بیٹا فوت ہو رہا ہے، اس لیے آپ ہمارے پاس آئیں۔ آپ نے پیغام بھیجا کہ آپ سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں: "اللہ ہی کا ہے جو اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور اس کے ہاں ہر چیز کا ایک مقرر وقت ہے، اس لیے وہ صبر کرے

فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ » فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَأْتِيَنَّهَا، فَقَامَ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ، فَرُفِعَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهُ تَتَقَعْقَعُ ، قَالَ : حَسِبْتُهُ أَنَّهُ قَالَ : كَأَنَّهَا شَنٌّ، فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، فَقَالَ سَعْدٌ : يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا هَذَا؟ فَقَالَ : « هَذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللَّهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ، وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ » [انظر : ٥٦٥٥، ٦٦٠٢، ٦٦٥٥، ٧٣٧٧، ٧٤٤٨ـ أخرجه مسلم : ٩٢٣ بدون ذكر «أبي وزيد ورجال »]

اور ثواب کی نیت رکھے۔" اس نے پھر آپ کی طرف قسم ڈال کر پیغام بھیجا کہ آپ ضرور اس کے پاس آئیں۔ آپ اٹھے اور آپ کے ساتھ سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، اُبی ابن کعب، زید بن ثابت اور کچھ اور آدمی تھے۔ بچے کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اور اس کی جان لرز رہی تھی۔ راوی نے کہا: میرا خیال ہے کہ یہ کہا: گویا وہ پرانا مشکیزہ ہے، تو آپ ﷺ کی آنکھیں بہ پڑیں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ کیا؟ آپ نے فرمایا: "یہ رحم ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے اور اللہ اپنے بندوں میں سے بہت رحم کرنے والوں ہی پر رحم فرماتا ہے۔"

١٢٨٥ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ، حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : شَهِدْنَا بِنْتًا لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، قَالَ : وَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ، قَالَ : فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ، قَالَ : فَقَالَ : « هَلْ مِنْكُمْ رَجُلٌ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ ؟ » فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ : أَنَا، قَالَ : « فَانْزِلْ » قَالَ : فَنَزَلَ فِي قَبْرِهَا . [انظر : ١٣٤٢]

1285۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی ایک بیٹی کے جنازے میں شریک ہوئے اور رسول اللہ ﷺ قبر کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں، آپ نے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی ہے جو آج رات عورت کے پاس نہ گیا ہو؟" ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر اترو" تو وہ اس کی قبر میں اترے۔

١٢٨٦ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ : أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ : تُوُفِّيَتْ ابْنَةٌ لِعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِمَكَّةَ، وَجِئْنَا لِنَشْهَدَهَا وَحَضَرَهَا ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَإِنِّي لَجَالِسٌ بَيْنَهُمَا

1286۔ عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ نے کہا: عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی مکہ میں فوت ہوگئی، ہم اس کے جنازے میں شریک ہونے کے لیے گئے، اس جنازے میں ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے، میں ان کے درمیان بیٹھا تھا۔ یا یہ کہا کہ میں ان میں سے ایک کے پاس بیٹھا تھا کہ

ـ أَوْ قَالَ: جَلَسْتُ إِلَى أَحَدِهِمَا، ثُمَّ جَاءَ الْآخَرُ ـ فَجَلَسَ إِلَى جَنْبِي ـ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا لِعَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ: أَلَا تَنْهَى عَنِ الْبُكَاءِ؟ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: « إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ » [أخرجه مسلم: ٩٢٨، و في الجنائز (٢٣)]

دوسرے صاحب بھی آ گئے اور میری ایک جانب بیٹھ گئے۔ تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عمرو بن عثمان سے کہا: کیا آپ رونے سے منع نہیں کرتے؟ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''یقیناً میت کو اس کے گھر والوں کے اس پر رونے سے عذاب ہوتا ہے۔''

١٢٨٧ـ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: قَدْ كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ بَعْضَ ذَلِكَ، ثُمَّ حَدَّثَ قَالَ: صَدَرْتُ مَعَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْ مَكَّةَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ إِذَا هُوَ بِرَكْبٍ تَحْتَ ظِلِّ سَمُرَةٍ فَقَالَ: اذْهَبْ، فَانْظُرْ مَنْ هَؤُلَاءِ الرَّكْبُ، قَالَ: فَنَظَرْتُ فَإِذَا صُهَيْبٌ، فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: ادْعُهُ لِي، فَرَجَعْتُ إِلَى صُهَيْبٍ فَقُلْتُ: ارْتَحِلْ فَالْحَقْ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، فَلَمَّا أُصِيبَ عُمَرُ دَخَلَ صُهَيْبٌ يَبْكِي يَقُولُ: وَا أَخَاهُ وَا صَاحِبَاهُ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: يَا صُهَيْبُ! أَتَبْكِي عَلَيَّ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: « إِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبَعْضِ بُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ » [انظر: ١٢٩٠، ١٢٩٢ـ أخرجه مسلم: ٩٢٧، و في الجنائز (٢٢) و (٢٣)]

1287۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ بھی کچھ ایسی بات کہا کرتے تھے۔ پھر انھوں نے بیان کیا کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے واپس لوٹا، جب ہم بیداء میں پہنچے تو اچانک انھوں نے ایک کیکر کے درخت کے نیچے کچھ شتر سوار دیکھے، کہنے لگے: جاؤ اور دیکھو یہ شتر سوار کون ہیں؟ میں نے دیکھا تو صہیب رضی اللہ عنہ تھے، میں نے انھیں بتایا تو کہنے لگے: انھیں میرے پاس بلاؤ۔ میں دوبارہ صہیب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور اُن سے کہا: چلو امیر المومنین سے ملو۔ تو جب عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو صہیب رضی اللہ عنہ آئے، وہ رو رہے تھے اور کہتے تھے: ہائے میرا بھائی، ہائے میرا ساتھی، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے صہیب! کیا تم مجھ پر رو رہے ہو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''میت کو اس کے گھر والوں کے کچھ قسم کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔''

١٢٨٨ـ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: فَلَمَّا مَاتَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ذَكَرْتُ ذَلِكَ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَقَالَتْ: رَحِمَ اللَّهُ عُمَرَ، وَاللَّهِ! مَا حَدَّثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ لَيُعَذِّبُ الْمُؤْمِنَ

1288۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب عمر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں نے اس کا ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا تو انھوں نے کہا: اللہ عمر (رضی اللہ عنہ) پر رحم کرے، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اس کے گھر والوں کے اس پر

بُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ، وَلَكِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ لَيَزِيدُ الْكَافِرَ عَذَابًا بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ» وَقَالَتْ: حَسْبُكُمُ الْقُرْآنُ: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ [الأنعام: ١٦٤] قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عِنْدَ ذَلِكَ: وَاللَّهُ ﴿هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى﴾ [النجم: ٤٣]

رونے سے عذاب دیتا ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”اللہ تعالیٰ کافر کو اس کے گھر والوں کے اس پر رونے سے عذاب زیادہ کر دیتا ہے۔“ اور کہا: تمھیں قرآن کافی ہے: ”اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اُٹھائے گی۔“ اس موقع پر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے (سورۂ نجم کی) یہ آیت (۴۳) پڑھی: ”اور اللہ ہی ہے جس نے ہنسایا اور رُلایا۔“

قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: وَاللَّهِ! مَا قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا شَيْئًا. [أخرجه مسلم: ٩٢٩، و في الجنائز (٢٣)]

ابن ابی ملیکہ نے کہا: اللہ کی قسم: (اس پر) ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ نہیں کہا۔

١٢٨٩ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: إِنَّمَا مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى يَهُودِيَّةٍ يَبْكِي عَلَيْهَا أَهْلُهَا فَقَالَ: «إِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ عَلَيْهَا وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا» [أخرجه مسلم: ٩٣٢]

1289۔ عمرہ بنت عبد الرحمن سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، انھوں نے کہا: بات تو یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی عورت کے پاس سے گزرے جس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں اور اسے اس کی قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔“

١٢٩٠ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ ابْنُ مُسْهِرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ وَهُوَ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَمَّا أُصِيبَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَعَلَ صُهَيْبٌ يَقُولُ: وَا أَخَاهُ، فَقَالَ عُمَرُ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ

1290۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو صہیب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ہائے میرا بھائی! تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ”یقیناً میت کو زندوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔“

بِبُكَاءِ الْحَيِّ ﴾ [راجع : ١٢٨٧ـ أخرجه مسلم : ٩٢٧، وفي الجنائز (٢٢) و (٢٣)]

فوائد ومسائل: 1 ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی مشہور حدیث ہے: ﴿ إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ ﴾ ''میت کو اس کے گھر والوں کے اس پر رونے سے عذاب ہوتا ہے'' اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ حدیث سنائی تو انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے فرمایا ہے: ''کافر کے گھر والوں کے اس پر رونے سے اللہ تعالیٰ اس کا عذاب زیادہ کر دیتا ہے۔'' کیونکہ ان کے خیال میں یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی رونے والے کا عذاب خود اس کو دینے کی بجائے کسی دوسرے کو دیا جائے، اس کے لیے انھوں نے قرآن مجید کی آیت کا حوالہ دیا کہ ''کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔'' اور حدیث (١٢٨٩) میں ہے کہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے کہا کہ بات یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی عورت کے پاس سے گزرے جس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں حالانکہ اسے اس کی قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کی آیت کے حوالے سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو جو ان کی بھول یا غلطی قرار دیا اسے بعض منکرین حدیث نے اس بات کی دلیل بنا لیا کہ کوئی حدیث اگر صحیح بھی ہو مگر قرآن کے خلاف ہو تو اسے رد کر دیا جائے گا، جس طرح عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو رد کر دیا۔ حالانکہ یہ بات سرے ہی سے غلط ہے، کیونکہ کوئی صحیح حدیث قرآن مجید کے خلاف ہو ہی نہیں سکتی۔ محدثین نے اصولِ حدیث میں حدیث کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ قرآن مجید اور صریح عقل کے خلاف نہ ہو۔ جب کوئی بات رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے تو وہ قرآن مجید یا صریح عقل کے خلاف ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر کوئی صحیح حدیث بظاہر قرآن مجید یا صریح عقل کے خلاف ہو تو اسے فوراً رد نہیں کر دینا چاہیے، کیونکہ یقیناً اس میں ہماری سمجھ کا قصور ہے۔ اگر دیانت داری سے غور کیا جائے تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے اور ایسی صورت نکل سکتی ہے کہ اپنی اپنی جگہ پر دونوں درست ہوں۔ اسے دونوں کو جمع کرنا کہا جاتا ہے، اصطلاح میں اسے تطبیق بھی کہا جاتا ہے۔ اگر خود کی سمجھ میں نہ آئے تو کسی عالم سے پوچھ لینا چاہیے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے ذریعے اس حدیث اور آیت کی تطبیق بیان کی ہے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ تطبیق یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ کہ ''میت کو اس کے گھر والوں کے اس پر رونے سے عذاب ہوتا ہے'' ان کی وضاحت ان کے والد ماجد امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جو ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: ﴿ إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبَعْضِ بُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ ﴾ ''یعنی میت کو اس کے گھر والوں کے اس پر بعض قسم کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔'' ہر قسم کے رونے سے عذاب نہیں ہوتا، اگر میت کے گھر والے صرف رونے تک رہیں، نہ چیخیں، نہ چلائیں اور نہ بین کریں تو اس سے نہ رونے والوں کو عذاب ہوتا ہے نہ میت کو۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں اپنے نواسے کے قریب الموت ہونے پر آنسو آئے اور آپ نے اس رونے کو اللہ کی طرف سے دل میں ڈالا

جانے والا رحم قرار دیا اور جیسا کہ اپنی بیٹی کے دفن کے موقع پر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ اسی طرح اگر مرنے والا زندگی میں اپنا فریضہ ادا کرتے ہوئے گھر والوں کو ماتم کرتے ہوئے چیخنے چلانے، بین کرنے، چہرہ پیٹنے، سینہ کوبی کرنے اور کپڑے پھاڑنے سے منع کرتا رہا ہے، پھر اس کے مرنے کے بعد کوئی یہ حرکت کرتا ہے تو اس میں میت کا کچھ قصور نہیں، اس لیے اس سے اس پر کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کی پیش کردہ آیت: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ [الأنعام : ١٦٤] کا یہی مطلب ہے، اسی طرح اس کی ہم معنی آیت: ﴿ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ ﴾ [فاطر : ١٨] کا بھی یہی مطلب ہے۔ لیکن اگر مرنے والے کا اپنا طریقہ نوحہ خوانی، چیخ و پکار اور چہرہ و سینہ کوبی تھا، یا وہ جانتا تھا کہ گھر والے اس کے مرنے کے بعد یہ کام کریں گے، پھر اس نے انھیں منع نہیں کیا تو اس کے بعد اس کی میت پر اس کے گھر والوں کے بین کرنے اور چیخنے چلانے کی وجہ سے اسے بھی عذاب ہوگا۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان کے گناہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جب وہ گھر کا نگران و نگہبان تھا تو یہ جانتے ہوئے بھی کہ اگر اس نے گھر والوں کو منع نہ کیا تو وہ ہر صورت اس کے مرنے پر روئیں پیٹیں گے، بین کریں گے، کپڑے پھاڑیں گے اور سینہ کوبی کریں گے، اس نے انھیں منع نہیں کیا تو حقیقت میں ان کے ان افعال کا سبب وہ خود ہے اور سبب بننے کی وجہ سے وہ بھی مجرم ہے۔ اسے دوسروں کے گناہ کی نہیں، بلکہ اپنے جرم کی سزا مل رہی ہے، جیسا کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے کو بھی ہر ظالمانہ قتل کی سزا ملتی ہے، کیونکہ اس نے قتل ناحق کا طریقہ جاری کیا، جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ مائدہ (۳۲) میں ہے اور صحیح بخاری کے اس ترجمۃ الباب میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر قرآن مجید کی سورۂ عنکبوت (۱۲، ۱۳) میں فرمایا: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ؗ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے ان لوگوں سے کہا جو ایمان لائے کہ تم ہمارے راستے پر چلو اور لازم ہے کہ ہم تمھارے گناہ اٹھا لیں، حالانکہ وہ ہرگز ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں، بے شک وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ اور یقیناً وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کئی اور بوجھ بھی۔ اور یقیناً وہ قیامت کے دن اس کے متعلق ضرور پوچھے جائیں گے جو وہ جھوٹ باندھا کرتے تھے۔''

2 ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کوئی بات سنتیں جسے وہ اچھی طرح نہ سمجھتیں تو اسے دوبارہ پوچھتیں یہاں تک کہ اسے سمجھ لیتیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ)) ''جس کا حساب لیا گیا اسے عذاب دیا جائے گا'' تو عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا: ﴿ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴾ [الانشقاق : ٨] یعنی جسے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا اس کا حساب آسان ہوگا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس سے مراد صرف اعمال نامہ پیش کرنا ہے، لیکن جس سے حساب میں پوچھ گچھ کی گئی وہ ہلاک ہوگیا۔'' [بخاري : ١٠٣] ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو ''مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ'' حدیث خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سن کر اس کے قرآن کے خلاف ہونے کا سوال پیدا ہوا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھ لیا تو آپ نے اسے حل فرما دیا۔ اسی طرح اگر وہ زندوں کے رونے سے میت کو

عذاب کی حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنتیں تو یقیناً سوال کر کے حل کروا لیتیں، مگر جب رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے تو ان کا سوال حل نہ ہو سکا۔ انھوں نے عمر یا ابن عمر رضی اللہ عنہ کو جھوٹا پھر بھی نہیں کہا، بلکہ یہ کہا کہ وہ بھول گئے یا ان سے خطا ہوگئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات نہیں کہی۔ حالانکہ یہ ان دونوں کی خطا نہیں بلکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خطا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ دیکھو تم ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی عالی ہستی کے متعلق خطا کا لفظ بول رہے ہو اور اتنی بڑی گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہو تو اسے غور کرنا چاہیے کہ اگر اسے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خطا نہ کہیں تو میت کو عذاب والی یہ حدیث صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی، جن سے بڑا فقیہ امت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی ہے ہی نہیں، پھر اسے ان سب کی خطا کہنا پڑے گا، حالانکہ اس حدیث اور آیت: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ [الأنعام : ١٦٤] میں کوئی مخالفت ہی نہیں۔ اب آپ خود سوچ لیں کہ خطا کس کی بنے گی۔

3 اگر ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات پر تھوڑا سا مزید غور کیا جائے تو خود انھوں نے جو حدیث رسول اللہ ﷺ سے بیان کی ہے کہ اصل حدیث یہ تھی کہ "اللہ تعالیٰ کافر کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے اس کا عذاب زیادہ کر دیتا ہے۔" اس پر بھی ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ [الأنعام : ١٦٤] والا سوال پیدا ہوتا ہے کہ گھر والوں کے رونے سے کافر کا عذاب زیادہ کیسے ہو سکتا ہے، اس میں بھی گھر والوں کے رونے کا بوجھ مرنے والے کافر پر پڑ رہا ہے، پھر جو جواب اس کا ہوگا وہی ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کی حدیث کا ہوگا۔

4 ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کہا: " وَاللّٰهُ هُوَ أَضْحَكَ وَ أَبْكٰى " تو اس موقع پر ان کے یہ سورۂ نجم کی آیت پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہنسانا اور رلانا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے، گھر والوں کے رونے میں میت کا کیا دخل ہے کہ اسے اس سے عذاب ہو، گویا وہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی تائید کر رہے ہیں۔ مگر اس بات کی خوب وضاحت ہو چکی ہے کہ گھر والوں کے رونے میں میت کا دخل ہو تو اسے عذاب ہوتا ہے، دخل نہ ہو تو نہیں ہوتا۔

5 رہا ابن ابی ملیکہ کا یہ کہنا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی بات سن کر ابن عمر رضی اللہ عنہما بالکل خاموش رہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس اس کا جواب نہیں تھا، بلکہ جس طرح وہ کھجور والی پہیلی کا حل جاننے کے باوجود خاموش رہے تھے اسی طرح انھوں نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی بات پر بولنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے علاوہ سب لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے جنازے کے موقع پر آئے ہوئے تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر بات کرنا مناسب نہیں سمجھا، ورنہ وہ ہر ضروری موقع پر یہ حدیث بیان کرتے تھے اور انھوں نے اسے بیان کرنا کبھی ترک نہیں کیا۔

6 " إِنَّ ابْنًا لِيْ قُبِضَ " کا لفظی معنی تو یہی ہے کہ میرا ایک بیٹا فوت ہو گیا ہے، مگر فوت ہونے کے قریب ترجمہ اس لیے کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تو وہ ابھی تک زندہ تھا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت: ﴿ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ ﴾ [المائدۃ : ٦] ہے کہ یہاں " اِذَا قُمْتُمْ " کا معنی کھڑا ہو جانا نہیں بلکہ کھڑا ہونے کا ارادہ یا کھڑے ہونے کے قریب ہونا ہے۔

❼ اس حدیث میں پہلے ذکر کردہ فوائد کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بیان کردہ فوائد میں سے چند یہ ہیں: ① قریب الموت آدمی کے لیے صالح اور بزرگ لوگوں سے اس کے پاس آنے کی درخواست کرنا جائز ہے، تاکہ ان کی آمد کی برکت اور ان کی دعا حاصل ہو سکے، اس مقصد کے لیے ان پر قسم ڈال کر بھی درخواست کی جا سکتی ہے۔ ② تعزیت اور بیمار پرسی کے لیے گھر والوں کی اجازت ضروری نہیں، جیسا کہ کئی صحابہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے نواسے کو دیکھنے کے لیے چلے گئے۔ ویسے کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ③ اگر کوئی مسلم قسم ڈال دے تو اسے پورا کرنا مستحب ہے۔ ④ فوت ہونے والے کے اقارب کو اس کی موت سے پہلے صبر کی تلقین کرنی چاہیے، تاکہ جب موت واقع ہو تو وہ اللہ کے فیصلے پر راضی ہو کر پیش آنے والے غم کا صبر کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔ ⑤ جسے بلایا جائے اسے وہ کام بتا دینا چاہیے جس کے لیے اسے بلایا جا رہا ہے۔ ⑥ بات کرنے سے پہلے سلام کہنا چاہیے۔ ⑦ بچہ ہو یا اپنے سے کم مرتبے کا آدمی عیادت کے لیے جانا چاہیے۔ ⑧ اہل فضل کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو اپنے فضل سے محروم نہ کریں خواہ ایک دفعہ ان کی درخواست رد بھی کر چکے ہوں۔ ⑨ امام کے ساتھیوں کو اگر کوئی اشکال پیدا ہو تو انھیں امام سے پوچھ لینا چاہیے۔ ⑩ سوال میں ادب کو ملحوظ رکھنا لازم ہے، جیسے سعد رضی اللہ عنہ نے ''یا رسول اللہ'' کہنے کے بعد سوال کیا۔ ⑪ اس میں اللہ کی مخلوق پر رحم اور شفقت کی ترغیب ہے اور دل کی سختی اور آنکھوں سے آنسو نہ نکلنے کی خرابی کا بیان ہے۔ ⑫ نوحہ کے بغیر رونے میں کوئی حرج نہیں اور اس باب میں اس حدیث کا یہی فائدہ مقصود ہے۔

٣٣- بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النِّيَاحَةِ عَلَى الْمَيِّتِ

وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: دَعْهُنَّ يَبْكِينَ عَلَى أَبِي سُلَيْمَانَ، مَا لَمْ يَكُنْ نَقْعٌ أَوْ لَقْلَقَةٌ. وَالنَّقْعُ: التُّرَابُ عَلَى الرَّأْسِ، وَاللَّقْلَقَةُ: الصَّوْتُ.

33- باب: میت پر بین کرنا ناپسندیدہ کام ہے

اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ان عورتوں کو ابو سلیمان (خالد بن ولید) رضی اللہ عنہ پر رونے دو جب تک سر پر خاک ڈالنا یا چیخنا چلانا نہ ہو۔ ''اَلنَّقْعُ'' کا معنی ہے: سر میں خاک ڈالنا اور ''اَللَّقْلَقَةُ'' کا معنی ہے: چیخنا چلانا۔

فوائد ومسائل 1 باب میں ''مَا يُكْرَهُ'' سے مراد اصطلاحی مکروہ نہیں جس سے مراد وہ کام ہیں جن کا ترک افضل ہے اور کرنے پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ اس سے مراد حرام ہے، کیونکہ اس سے پہلے احادیث میں اس کی وعید گزر چکی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں آیت (۲۲) ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ سے لے کر آیت (۳۷) تک پچیس چیزیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے بعض کا حکم دیا گیا ہے اور بعض سے منع کیا گیا ہے اور آخر میں فرمایا: ﴿كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا﴾ [بني إسرائيل: ٣٨] ''یہ سب کام، ان کا برا تیرے رب کے ہاں ہمیشہ سے ناپسندیدہ ہے۔'' ان میں ''سَيِّئٌ'' (بری) وہ چیزیں ہیں جن سے منع کیا گیا ہے اور وہ چیزیں جن پر عمل کا حکم ہے انھیں بجا نہ لانا بھی ''سَيِّئٌ''

(برا) ہے، ان تمام چیزوں میں سے جو بری ہیں وہ ہمیشہ سے اللہ کے ہاں مکروہ (ناپسندیدہ) ہیں۔ ہمیشگی کا مفہوم "کَانَ" ادا کر رہا ہے۔ واضح رہے کہ مکروہ کا لفظ فقہاء کی اصطلاح میں حرام سے کم تر درجے کا ہے، یعنی جس کا نہ کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہو، مگر قرآن و سنت کی اصطلاح میں مکروہ کا لفظ اکثر حرام کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ ان آیات میں منع کردہ تمام چیزیں حرام ہیں، فقہی اصطلاح والی مکروہ نہیں ہیں۔ اس لیے صحیح بخاری اور ترمذی وغیرہ میں باب قائم کرتے وقت لفظ "کَرَاهِيَةٌ" لکھا جاتا ہے مگر مراد اس سے حرمت ہی ہوتی ہے۔ بعض اوقات کتاب و سنت میں مکروہ کا لفظ فقہاء کے مکروہ کے معنی میں بھی آتا ہے مگر اکثر مقامات میں مکروہ کا لفظ حرام ہی کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت میں ہے۔ (دیکھیے تفسیر القرآن الکریم، سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۳۸)

2 خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شام کے شہر حمص میں ۲۱ھ میں فوت ہوئے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا قول بیہقی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ (۱۱۸/۴، ح: ۱۷۱) میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے، شقیق نے کہا: جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو بنو مغیرہ رضی اللہ عنہ کی عورتیں (جو خالد بن ولید بن مغیرہ رضی اللہ عنہ کی چچا زاد تھیں) جمع ہو کر رونے لگیں تو عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ انھیں منع کریں، ایسا نہ ہو کہ آپ کو ان کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ خبر ملے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ان پر کیا گناہ ہے کہ ابوسلیمان (رضی اللہ عنہ) پر آنسو بہائیں جب تک سر پر خاک ڈالنا یا چیخنا چلانا نہ ہو۔ امام بخاری نے بھی اسے اپنی تاریخ صغیر اور اوسط میں بیان کیا ہے۔

١٢٩١۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ نِيحَ عَلَيْهِ يُعَذَّبُ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ» [أخرجه مسلم: ٤ أوله، وأخرجه: ٩٣٣ آخره]

1291۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''مجھ پر جھوٹ کسی اور پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے، جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنا لے۔'' میں نے نبی ﷺ کو یہ کہتے ہوئے (بھی) سنا ہے: ''جس شخص پر بین کیا جائے اسے اس پر کیے جانے والے بین کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔''

فائدہ: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، یہ حدیث بیان کرتے وقت وہ کوفہ کے امیر تھے اور انھوں نے "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا" والی حدیث یہ یقین دلانے کے لیے بیان کی کہ انھوں نے نوحہ کی وجہ سے میت کو عذاب والی حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے اور وہ آپ پر جھوٹ باندھنے کی وعید سے خوب واقف ہیں، اس لیے وہ آپ پر کسی صورت جھوٹ نہیں باندھ سکتے۔ علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ (کوفہ میں) قرظہ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور ان پر نوحہ کیا گیا تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ آئے اور منبر پر چڑھے، پھر اللہ کی حمد و ثنا کی اور کہا: اسلام میں نوحہ کی کیا گنجائش ہے! اس کے

بعد انھوں نے نوحہ کی وجہ سے عذاب والی حدیث بیان کی۔[دیکھیے ترمذی : ۱۰۰۰]

١٢٩٢- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبِي ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ فِي قَبْرِهِ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ»

تَابَعَهُ عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ . وَقَالَ آدَمُ عَنْ شُعْبَةَ : «الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ عَلَيْهِ» [راجع : ١٢٨٧- أخرجه مسلم : ٩٢٧ و في الجنائز (٢٢) و (٢٣)]

1292۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ اپنے باپ (عمر رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میت کو اس کی قبر میں اس نوحہ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے جو اس پر کیا جائے۔“

عبدان کے ساتھ اس حدیث کو عبد الاعلیٰ نے بھی یزید بن زریع سے روایت کیا، انھوں نے کہا: ہمیں سعید (بن ابی عروبہ) نے بیان کیا، کہا: ہم سے قتادہ نے بیان کیا۔ اور آدم نے شعبہ سے یوں بیان کیا: ”میت کو زندہ کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔“

فائدہ: اس کی تشریح حدیث (۱۲۸۷) اور اس کے بعد والی احادیث میں گزر چکی ہے۔

٣٤- بَابٌ

34۔ باب (بلا عنوان)

١٢٩٣- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ : سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: جِيءَ بِأَبِي يَوْمَ أُحُدٍ قَدْ مُثِّلَ بِهِ، حَتَّى وُضِعَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَقَدْ سُجِّيَ ثَوْبًا، فَذَهَبْتُ أُرِيدُ أَنْ أَكْشِفَ عَنْهُ فَنَهَانِي قَوْمِي ، ثُمَّ ذَهَبْتُ أَكْشِفُ عَنْهُ فَنَهَانِي قَوْمِي ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَرُفِعَ، فَسَمِعَ صَوْتَ صَائِحَةٍ، فَقَالَ: «مَنْ هَذِهِ ؟» فَقَالُوا : ابْنَةُ عَمْرٍو، أَوْ أُخْتُ عَمْرٍو، قَالَ: «فَلِمَ تَبْكِي؟ - أَوْ لَا تَبْكِي - فَمَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتَّى رُفِعَ»

1293۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے کہا: میرے والد کو اُحد کے دن لایا گیا، ان کے ناک کان کاٹ دیے گئے تھے، انھیں لا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا، ان پر ایک کپڑا اڑھایا ہوا تھا، میں نے کپڑا ہٹا کر انھیں کھولنا چاہا تو میری قوم نے مجھے منع کر دیا، میں پھر انھیں کھولنے لگا تو میری قوم نے مجھے منع کر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تو ان (کی میت) کو اٹھا لیا گیا، آپ نے ایک چیخنے والی عورت کی آواز سنی، فرمایا: ”یہ کون ہے؟“ لوگوں نے بتایا کہ عمرو کی بیٹی یا عمرو کی بہن ہے۔ آپ نے فرمایا: ”تو وہ کیوں روتی ہے؟“ یا (فرمایا کہ) ”مت رو، کیونکہ اس کے

[راجع : ١٢٤٤ ـ أخرجه مسلم : ٢٤٧١]

اٹھائے جانے تک فرشتوں نے اس پر اپنے پروں کا سایہ کیے رکھا ہے۔"

فوائد ومسائل: 1 یہ حدیث (۱۲۴۴) میں گزر چکی ہے۔ یہ بلا عنوان باب اصیلی کی روایت میں ہے، ابوذر اور کریمہ کی روایت میں نہیں۔ بہرحال یہ پہلے باب کی ایک فصل کی طرح ہے۔ مطلب یہ کہ بعض صورتیں استثنائی ہوتی ہیں، دیکھیے جابر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی کے آواز کے ساتھ رونے پر رسول اللہ ﷺ نے سختی نہیں فرمائی، صرف نصیحت اور بشارت سنانے پر اکتفا فرمایا ہے۔ "مثلہ" کا معنی ہے: ناک کان، شرم گاہ یا دوسرے اعضا کاٹ دیے جائیں۔

2 عمرو، جابر رضی اللہ عنہ کے دادا تھے، اگر عمرو کی بیٹی تھیں تو جابر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہوئیں اور اگر عمرو کی بہن تھیں تو مقتول کی پھوپھی اور جابر رضی اللہ عنہ کی دادی ہوئیں، یعنی دادا کی بہن۔ (تیسیر الباری) زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ جابر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی فاطمہ بنت عمرو رضی اللہ عنہا تھیں، کیونکہ "کتاب الجنائز (۱۲۴۴)" کے شروع میں "شعبہ عن ابن المنکدر" کے طریق سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ گزر چکی ہے: « فَجَعَلَتْ عَمَّتِي فَاطِمَةُ » یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی وہاں موجود ہوں۔ (فتح الباری)

3 جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن حرام بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے، یہ وہی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آمنے سامنے بلا حجاب کلام کیا اور کہا: "مجھ سے اپنی تمنا بیان کرو۔" تو انھوں نے کہا: پروردگارا! میری تمنا یہ ہے کہ میں واپس دنیا میں جاؤں اور تیری خاطر پھر قتل کیا جاؤں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ آنے والے واپس نہیں بھیجے جاتے۔" [ترمذي : ٣٠١٠ـ ابن ماجه : ١٩٠ ، قال الألباني في تعليقه على ابن ماجه : حسن]

٣٥ـ بَابٌ : لَيْسَ مِنَّا مَنْ شَقَّ الْجُيُوبَ

35۔ باب: جو گریبان پھاڑے وہ ہم میں سے نہیں

١٢٩٤ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا زُبَيْدٌ الْيَامِيُّ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: « لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ » [انظر : ١٢٩٧، ١٢٩٨، ٣٥١٩ـ أخرجه مسلم : ١٠٣]

1294۔ عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "وہ ہم میں سے نہیں جو اپنے رخساروں پر تھپڑ مارے اور گریبان پھاڑے اور کفر کے زمانے جیسی باتیں کرے۔"

فوائد ومسائل: 1 "جاہلیت" سے مراد اسلام سے پہلے فترہ کا زمانہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رونے کے دوران وہ ناجائز باتیں کرے جو جاہلیت میں کی جاتی تھیں، مثلاً تقدیر اور اللہ کے فیصلے پر ناراضی کا اظہار کرے، یا اللہ تعالیٰ کے متعلق بکواس

کرے، یا ہلاکت و بربادی کو آواز دے یا اس کی بے جا تعریف کرے۔

2 "ہم میں سے نہیں" سے مراد یہ نہیں کہ وہ کافر ہو گیا، کیونکہ اہل السنہ کا اتفاق ہے کہ گناہ سے آدمی اسلام سے خارج نہیں ہوتا، اس لیے اہلِ علم نے اس کے کئی معنی کیے ہیں: ایک یہ کہ " لَيْسَ مِنْ سُنَّتِنَا "یعنی اس نے ہمارا نہیں بلکہ کافروں کا طریقہ اختیار کیا۔ ایک معنی یہ ہے کہ وہ ہماری جماعت میں سے نہیں، یعنی یہ حرکت کرنے والوں سے مسلمانوں کو ترکِ تعلق کرنا چاہیے۔ بعض نے یہ معنی کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کی شفاعت نہیں کریں گے۔ سفیان ثوری نے کہا کہ ان لفظوں کی کوئی تاویل نہیں کرنی چاہیے بلکہ انھیں ایسے ہی بیان کرنا چاہیے، تاکہ لوگ اتنے سخت الفاظ سن کر ان کاموں سے باز آجائیں، جیسے باپ نافرمان بیٹے سے کہتا ہے: " لَسْتَ ابْنِيْ " کہ تو میرا بیٹا نہیں۔ "ہم میں سے نہیں" کے الفاظ سے یہ بات بہرحال ثابت ہو رہی ہے کہ یہ کام حرام اور کبیرہ گناہ ہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے یہ کام کرنے والوں سے بری ہونے کا اعلان فرمایا۔ اور یہ کام کرنے والوں کے اللہ کے فیصلے پر ناراض ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان کاموں کی حرمت جاننے کے بعد صریح الفاظ میں انھیں حلال قرار دے یا اللہ تعالیٰ کے متعلق بد زبانی کرے تو "ہم میں سے نہیں" کا یہ معنی کیا جاسکتا ہے کہ وہ مسلمان نہیں۔

3 زین بن المُنَیِّر نے کہا کہ یہ باب اس لیے باندھا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ یہ وعید اس کے لیے ہے جو یہ تینوں کام کرے، ان میں سے ایک کام کرنے پر یہ وعید نہیں، بخاری نے باب کے ساتھ یہ وضاحت کر دی کہ ان تینوں میں سے کوئی ایک کام کرنے والے کے لیے بھی یہی وعید ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: صحیح مسلم (۱۰۳) میں یہ الفاظ ہیں: « أَوْ شَقَّ الْجُيُوْبَ أَوْ دَعَا ...... » یعنی حدیث میں واؤ "أَوْ" کے معنی میں ہے۔ (فتح الباری)

٣٦- بَابُ رِثَاءِ النَّبِيِّ ﷺ سَعْدَ بْنَ خَوْلَةَ

36۔ باب: نبی ﷺ کا سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر غم کا اظہار کرنا

١٢٩٥- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَعُودُنِي عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ وَجَعٍ اشْتَدَّ بِي، فَقُلْتُ: إِنِّي قَدْ بَلَغَ بِي مِنَ الْوَجَعِ وَأَنَا ذُو مَالٍ، وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ، أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي؟ قَالَ: «لَا» فَقُلْتُ: بِالشَّطْرِ؟ فَقَالَ: «لَا» ثُمَّ قَالَ:

1295۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حجۃ الوداع کے موقع پر جب میری بیماری بہت شدید ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ میری بیمار پرسی کے لیے آیا کرتے تھے۔ میں نے کہا: میرا درد اس حد تک پہنچ گیا ہے (جو آپ دیکھ رہے ہیں) اور میں بہت مال دار ہوں اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں اپنے مال کا دو تہائی صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: "نہیں۔" میں نے کہا:

« اَلثُّلُثُ ، وَالثُّلُثُ كَبِيرٌ أَوْ كَثِيرٌ ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ، وَ إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا، حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ » فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أُخَلَّفُ بَعْدَ أَصْحَابِي؟ قَالَ : « إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلًا صَالِحًا إِلَّا ازْدَدْتَ بِهِ دَرَجَةً وَرِفْعَةً، ثُمَّ لَعَلَّكَ أَنْ تُخَلَّفَ حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ، وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ، اَللّٰهُمَّ أَمْضِ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ، وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ ، لٰكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ » يَرْثِي لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ . [راجع : ٥٦۔ أخرجه مسلم : ١٦٢٨]

نصف کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ پھر آپ نے فرمایا: ”ایک تہائی، اور تہائی بہت بڑا یا بہت زیادہ ہے۔ یقیناً یہ بات کہ تم اپنے وارثوں کو غنی ہونے کی حالت میں چھوڑو اس سے بہتر ہے کہ انھیں فقیر چھوڑو، وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اور تم جو خرچ بھی کرو گے جس کے ساتھ تم اللہ کا چہرہ طلب کرو تو اس کے بدلے تمھیں اجر دیا جائے گا، حتیٰ کہ اس (لقمے) پر بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے۔“ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اپنے ساتھیوں سے (مدینہ واپس جانے میں) پیچھے رہ جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: ”تم جتنے بھی پیچھے رہو گے، پھر جو بھی صالح عمل کرو گے اتنا ہی تمھارا درجہ اور تمھاری رفعت زیادہ ہوگی، پھر شاید کہ تم پیچھے چھوڑے جاؤ حتیٰ کہ بہت سی اقوام تمھارے ذریعے نفع حاصل کریں اور بہت سی اقوام کو تمھارے ذریعے نقصان پہنچے۔ اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت پوری کر دے اور انھیں ان کی ایڑیوں پر نہ لوٹا، لیکن بے چارہ سعد بن خولہ!“ اللہ کے رسول ﷺ اس پر غم کا اظہار کر رہے تھے کہ وہ مکہ میں فوت ہو گیا۔

فوائد: 1 اسماعیلی نے کہا: ”رَثَيْتُهُ“ کا معنی ہے: ”مَدَحْتُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ“ یعنی میں نے مرنے کے بعد اس کی مدح کی۔ اور ”رَثَيْتُ لَهُ“ کا معنی ہے: ”إِذَا تَحَزَّنْتَ عَلَيْهِ“ یعنی جب تم اس پر غمزدہ ہو جاؤ۔ ”يَرْثِي لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ سے مراد مشہور مرثیہ خوانی نہیں جس میں میت کی تعریف اور اس کی خوبیوں کا بیان ہوتا ہے، جس سے غم کے جذبات دوبارہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ (فتح الباری) یہاں حافظ رحمہ اللہ نے حدیث ”نَهَى عَنِ الْمَرَاثِي“ (آپ نے مرثیوں سے منع فرمایا) نقل کی ہے اور کہا ہے کہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، مگر انیس الساری میں ہے کہ ”ذہبی نے اس پر تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے: اس میں ابراہیم راوی کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ بوصیری نے کہا: اس کی اسناد میں الہجری ہے جو ”ضعیف جداً“ (بہت ہی ضعیف) ہے، اسے ابن عیینہ، ابن معین اور نسائی وغیرہم نے ضعیف کہا ہے۔“

بندہ عبدالسلام عرض کرتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف بھی ہو تو میت کی تعریف میں مبالغہ اور لوگوں کو جمع کر کے ان کے غم کو ابھار کر انھیں رُلانا نوحہ ہی کی ایک قسم ہے، اس لیے ایسے مرثیوں سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: « كُنَّا نَعُدُّ الْاِجْتِمَاعَ إِلٰى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيْعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ » [مسند أحمد: ٦٩٠٥، حديث حسن صحيح] ''ہم میت کے گھر والوں کے ہاں جمع ہونے اور کھانا تیار کرنے کو نوحہ ہی سے شمار کرتے تھے۔''

2 بعض شیعہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر فاطمہ بنت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ شعر منسوب کیے ہیں جن میں بڑی مہارت سے رونے پیٹنے کے جذبات ابھارے گئے ہیں اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چوٹ کی گئی ہے ۔

مَاذَا عَلٰى مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ أَحْمَدٍ   أَنْ لَا يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ أَنَّهَا   صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

قُلْ لِلْمُغَيَّبِ تَحْتَ أَثْوَابِ الثَّرٰى   إِنْ كُنْتَ تَسْمَعُ صَرْخَتِيْ وَ نِدَائِيَا

قَدْ كُنْتُ ذَاتَ حِمًى بِظِلِّ مُحَمَّدٍ   لَا أَخْشَ مِنْ ضَيْمٍ وَ كَانَ جِمَالِيَا

فَالْيَوْمَ أَخْضَعُ لِلذَّلِيْلِ وَ أَتَّقِيْ   ضَيْمِيْ وَ أَدْفَعُ ظَالِمِيْ بِرِدَائِيَا

فَإِذَا بَكَتْ قُمْرِيَّةٌ فِيْ لَيْلِهَا   شَجَنًا عَلٰى غُصْنٍ بَكَيْتُ صَبَاحِيَا

فَلَأَجْعَلَنَّ الْحُزْنَ بَعْدَكَ مُؤْنِسِيْ   وَلَأَجْعَلَنَّ الدَّمْعَ فِيْكَ وِشَاحِيَا

رافضی لوگ یہ اشعار اکیلے اکیلے اور جماعت کی صورت میں پڑھتے اور روتے پیٹتے اور صحابہ کے متعلق بدزبانی کرتے ہیں۔ ان میں سے پہلے دو شعر زیادہ مشہور ہیں۔ مگر ان دونوں کے متعلق بھی امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲/ ۱۳۴) میں لکھا ہے: '' وَمِمَّا يُنْسَبُ إِلٰى فَاطِمَةَ وَلَا يَصِحُّ '' ''یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف جو کچھ منسوب کیا جاتا ہے ان میں سے یہ دو شعر بھی ہیں اور یہ ثابت نہیں ہیں۔'' افسوس علامہ وحید الزمان رحمہ اللہ نے بھی بلا تحقیق یہ دو شعر لکھ کر انھیں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کیا ہے۔

3 ابوداؤد طیالسی (۱۹۴) نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث '' إبراهيم بن سعد عن الزهري '' کے طریق سے روایت کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ '' يَرْثِيْ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ '' کے الفاظ زہری کے ہیں، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ہاشم بن ہاشم اور سعد بن ابراہیم دونوں نے یہ حدیث عامر بن سعد سے بیان کی ہے اور اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ اسی طرح عائشہ بنت سعد کی اپنے والد سے روایت میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔ (فتح الباری)

4 معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ اتنے ہی ہیں: «لٰكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ» ''لیکن بے چارہ سعد بن خولہ۔'' اس کے بعد زہری نے وضاحت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ اس لیے کہے کہ سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ مہاجر تھے، جنھوں نے اللہ کی خاطر اپنا وطن مکہ چھوڑا تھا، اب مہاجرین میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ مکہ میں فوت ہو جائے۔ مگر سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ اپنی خواہش کے خلاف بیماری کی وجہ سے مکہ میں فوت ہو گئے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے غم کا اظہار کیا۔

5 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے وارث لوگوں سے سوال کرنے پر مجبور ہوں گے، اس لیے آپ نے سعد رضی اللہ عنہ کو تیسرا حصہ صدقہ کرنے کی اجازت دی اور اسے بھی بہت زیادہ قرار دیا اور پس ماندگان کو اس حالت میں چھوڑنے کی تاکید کی کہ وہ غنی ہوں۔

6 رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے دیر تک زندہ رہنے اور ان کے ذریعے سے مسلمانوں کو نفع پہنچنے اور کفار کو نقصان پہنچنے کی جو پیش گوئی فرمائی وہ حرف بحرف پوری ہوئی کہ ان کی سپہ سالاری میں عراق اور ایران فتح ہوئے اور اسلامی مملکت کا حصہ بنے۔ دوسری طرف ہزاروں سال پرانی فارسی حکومت اور آتش پرستی کا نام و نشان مٹ گیا اور وہ سب لوگ مسلمان ہو کر اللہ کی رحمت کے سائے میں آ گئے۔

٣٧ - بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الْحَلْقِ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ

37۔ باب: مصیبت کے وقت بال منڈانا منع ہے

١٢٩٦ - وَقَالَ الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ حَمْزَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جَابِرٍ: أَنَّ الْقَاسِمَ ابْنَ مُخَيْمِرَةَ حَدَّثَهُ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ بْنُ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: وَجِعَ أَبُو مُوسَى وَجَعًا فَغُشِيَ عَلَيْهِ، وَرَأْسُهُ فِي حَجْرِ امْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِهِ، فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهَا شَيْئًا، فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ: أَنَا بَرِيءٌ مِمَّنْ بَرِئَ مِنْهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَرِئَ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ.

[أخرجه مسلم: ١٠٤]

1296۔ ابو بُردہ بن ابو موسیٰ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو شدید درد ہو گیا تو وہ بے ہوش ہو گئے، اس وقت ان کا سر ان کے گھر والوں میں سے ایک عورت کی گود میں تھا (اس نے چیخ ماری اور رونے لگی) تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس کو کچھ بھی نہ روک سکے، جب انھیں ہوش آیا تو انھوں نے کہا: میں اس سے بری ہوں جس سے رسول اللہ ﷺ بری ہیں، کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس عورت سے بری (بے تعلق) ہو گئے جو چیخنے چلانے والی ہے اور جو بال مونڈ دینے والی ہے اور جو کپڑے پھاڑنے والی ہے۔

فوائد: 1 ہندو یہ کام کرتے ہیں کہ میت کے غم میں سر، مونچھ، ابرو سب منڈوا دیتے ہیں، داڑھی تو پہلے ہی منڈواتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔
2 وہ عورت جس کی گود میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا سر تھا ان کی بیوی أم عبد اللہ بنت ابو دومہ تھی، نام ان کا صفیہ بنت دمون تھا، ابو بُردہ کی والدہ تھیں۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے امیر تھے۔ (فتح الباری)
3 "اَلصَّالِقَةُ" کا معنی ہے: روتے ہوئے چیخنے والی۔ یہ لفظ صاد کی بجائے سین سے بھی استعمال ہوتا ہے، اسی لیے اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ﴾ [الأحزاب : ۱۹] ''تو تمھیں تیز زبانوں کے ساتھ تکلیف دیں گے۔'' حدیث میں اگرچہ عورتوں کے لیے مستعمل الفاظ آئے ہیں مگر ایسا کرنے والے مردوں کا بھی یہی حکم ہے۔ صحیح مسلم (۱۰۴) میں مروی حدیث مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: « أَنَا بَرِيْءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَسَلَقَ وَخَرَقَ » ''میں اس سے بری ہوں جو سر منڈوائے اور اونچی آواز سے چیخے اور کپڑے پھاڑ دے۔'' پھر کیا حال ہے ان لوگوں کا جو چھریوں سے اپنے آپ کو زخمی کر لیں اور ایسا کرنے کو نیکی شمار کریں۔

۳۸- بَابٌ : لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ

38- باب: جو رخساروں پر تھپڑ مارے وہ ہم میں سے نہیں

۱۲۹۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ، وَشَقَّ الْجُيُوْبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ »

[راجع : ۱۲۹٤ـ أخرجه مسلم : ۱۰۳]

1297- عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو رخساروں پر تھپڑ مارے اور گریبانوں کو پھاڑے اور کفر کے زمانے جیسی باتیں کرے۔''

فائدہ: اس کی شرح حدیث (۱۲۹۴) میں گزر چکی ہے۔

۳۹- بَابُ مَا يُنْهٰى مِنَ الْوَيْلِ وَدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ

39- باب: مصیبت کے وقت ویل کو پکارنا اور کفر کی باتیں کرنا منع ہے

۱۲۹۸- حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا

1298- عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

الْأَعْمَشُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ، وَشَقَّ الْجُيُوبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ» [راجع: ١٢٩٤۔ أخرجه مسلم: ١٠٣]

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو رخساروں پر تھپڑ مارے اور گریبان پھاڑے اور کفر کے زمانے والی باتیں کرے۔''

فائدہ باب کی حدیث میں ''ویل'' کو پکارنے کا ذکر نہیں، شاید امام بخاری نے اسے یوں نکالا کہ ''یا ویلاہ'' کہنا بھی کفر کے زمانے کی ایک بات ہے۔ بعضوں نے کہا: امام بخاری نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف اشارہ کیا جسے ابن ماجہ نے نکالا اور ابن حبان نے صحیح کہا، اس میں صاف مذکور ہے: «إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ الْخَامِشَةَ وَجْهَهَا وَالشَّاقَّةَ جَيْبَهَا وَالدَّاعِيَةَ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ» [ابن ماجه: ١٥٨٥] ''رسول اللہ ﷺ نے اس عورت پر لعنت کی جو اپنے چہرے کو زخمی کرنے والی ہے اور جو اپنا گریبان پھاڑنے والی ہے اور جو ویل اور ہلاکت کو پکارنے والی ہے۔'' یعنی جو یہ کہے: ہائے میری خرابی! ہائے میں مرگئی! (تیسیر الباری)

٤٠۔ بَابُ مَنْ جَلَسَ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ يُعْرَفُ فِيهِ الْحُزْنُ

40۔ باب: مصیبت کے وقت اس طرح بیٹھنا کہ چہرے پر غم صاف معلوم ہو رہا ہو

١٢٩٩۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى، قَالَ: أَخْبَرَتْنِي عَمْرَةُ، قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا جَاءَ النَّبِيَّ ﷺ قَتْلُ ابْنِ حَارِثَةَ وَجَعْفَرٍ وَابْنِ رَوَاحَةَ جَلَسَ يُعْرَفُ فِيهِ الْحُزْنُ، وَأَنَا أَنْظُرُ مِنْ صَائِرِ الْبَابِ - شَقِّ الْبَابِ - فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنَّ نِسَاءَ جَعْفَرٍ، وَذَكَرَ بُكَاءَهُنَّ! فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْهَاهُنَّ، فَذَهَبَ ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ لَمْ يُطِعْنَهُ، فَقَالَ: «انْهَهُنَّ» فَأَتَاهُ الثَّالِثَةَ، قَالَ: وَاللّٰهِ! غَلَبْنَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَزَعَمَتْ أَنَّهُ قَالَ: «فَاحْثُ فِي أَفْوَاهِهِنَّ

1299۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ کے پاس ابن حارثہ، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کے قتل کی خبر آئی تو آپ اس طرح بیٹھے کہ آپ کے چہرے میں غم صاف معلوم ہو رہا تھا اور میں دروازے کی درز سے دیکھ رہی تھی، اتنے میں آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: جعفر (رضی اللہ عنہ) کی عورتیں رو رہی ہیں۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ انھیں منع کرو۔ چنانچہ وہ گیا اور دوبارہ پھر آپ کے پاس آیا کہ انھوں نے اس کی بات نہیں مانی۔ آپ نے فرمایا: ''انھیں منع کرو۔'' تیسری بار وہ پھر آیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! وہ ہم پر غالب آگئیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ

التُّرَابَ » فَقُلْتُ : أَرْغَمَ اللَّهُ أَنْفَكَ ! لَمْ تَفْعَلْ مَا أَمَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَلَمْ تَتْرُكْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْعَنَاءِ . [انظر : ١٣٠٥، ٤٢٦٣ - أخرجه مسلم : ٩٣٥]

آپ نے فرمایا: ”پھر ان کے مونہوں میں مٹی جھونک دے۔“ تو میں نے کہا: اللہ تیری ناک مٹی میں ملائے! نہ تو نے وہ کام کیا جس کا تمھیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا اور نہ ہی تو نے رسول اللہ ﷺ کو ستانا چھوڑا۔

فوائد 1 ”اَلرَّغْمُ“ ”رُغَامٌ“ سے ہے جس کا معنی مٹی ہے۔ ”أَرْغَمَ“ مٹی میں ملائے، ناک کو مٹی میں ملائے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تجھے ذلیل کرے، یعنی تو مرد تھا تو عورتوں کو ذرا دھکا کر روک دیتا، وہ تجھ سے ہو نہ سکا۔ خیر! نہ سہی تو خاموش تو رہنا تھا، بار بار آپ کو رنج کی ایک خبر دے کر اور رنجیدہ کرنا کون سی عقل مندی ہے۔ ایک تو آپ خود اس وقت رنج میں تھے، دوسرے اس کے بار بار آنے سے آپ کو اور تکلیف ہوئی۔ اللہ ایسی سمجھ سے بچائے۔ (تیسیر الباری)
2 عائشہ رضی اللہ عنہا نے یا پیچھے کے کسی راوی نے اس آدمی کا نام ذکر نہیں کیا، مقصد ستر مسلم ہے، کیونکہ اس میں اس آدمی کی کچھ تنقیص پائی جا رہی ہے۔

١٣٠٠ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، حَدَّثَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ شَهْرًا حِينَ قُتِلَ الْقُرَّاءُ، فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَزِنَ حُزْنًا قَطُّ أَشَدَّ مِنْهُ . [راجع : ١٠٠١ - أخرجه مسلم : ٦٧٧]

1300۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قاری صحابہ (بئر معونہ پر) قتل ہوئے تو آپ ﷺ ایک مہینا قنوت کرتے رہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس سے زیادہ غم کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

فائدہ اس حدیث کی شرح (١٠٠١ تا ١٠٠٤) میں گزر چکی ہے۔

٤١ - بَابُ مَنْ لَمْ يُظْهِرْ حُزْنَهُ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ

41۔ باب: جو مصیبت کے وقت اپنا غم ظاہر نہ کرے

وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ الْقُرَظِيُّ : اَلْجَزَعُ : اَلْقَوْلُ السَّيِّئُ وَالظَّنُّ السَّيِّئُ . وَقَالَ يَعْقُوبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ : ﴿ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ ﴾ [يوسف : ٨٦]

اور محمد بن کعب القرظی نے کہا: ”اَلْجَزَعُ“ (گھبراہٹ) بری بات اور برا گمان ہے۔ اور یعقوب علیہ السلام نے کہا: ”میں تو اپنی ظاہر ہو جانے والی بے قراری اور اپنے غم کی شکایت صرف اللہ کی جناب میں کرتا ہوں۔“

فوائد 1 پچھلے باب میں اس شخص کا ذکر تھا جو مصیبت آنے پر اس طرح بیٹھا ہو کہ اس سے غم کا اظہار ہو رہا ہو اور

اس باب میں اس کا ذکر ہے جو غم کو چھپا جائے اور اس کا اظہار نہ ہونے دے۔ پہلی صورت رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے اور دوسری صورت آپ ﷺ کی تقریر ہے، یعنی یہ عمل آپ ﷺ کے سامنے ہوا مگر آپ نے اس کی تردید نہیں فرمائی۔ حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ دونوں عمل ہی ترجیح کے قابل ہیں۔ پہلا عمل اس لیے راجح ہے کہ وہ آپ کا فعل ہے اور آپ کا فعل عموماً راجح ہوتا ہے اور دوسرا اس لیے کہ وہ صبر اور ضبطِ نفس کی اعلیٰ مثال ہے اور اس پر آپ نے انھیں بشارت بھی دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فعل کو ترجیح اس لیے بھی ہے کہ اس میں اعتدال پایا جاتا ہے جو خیر الامور ہے، اس میں نہ جزع فزع ہے نہ واویلا، نہ ہی لطم خدود، نہ شقِ جیوب اور نہ ہی ایسی سنگ دلی ہے کہ بندے کے دل پر غم کا اثر ہی نہ ہو، بلکہ یہ ایسا فعل ہے جس پر امت کے لوگ آسانی سے عمل کر سکتے ہیں اور پیغمبروں کو اسی لیے نمونہ بنایا جاتا ہے۔ رہا اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا کا عمل تو اس کی بنیاد سنگ دلی پر نہ تھی بلکہ عالی صبر اور ضبطِ نفس پر تھی۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ صبر اور ضبطِ نفس میں ان سے بہت بڑھ کر تھے مگر آپ اگر ایسا کرتے تو امت مشقت میں پڑ جاتی۔

2 " اَلْقَوْلُ السَّيِّئُ " (بری بات) سے مراد ایسی بات ہے جو عموماً غم کو بھڑکا دے، جیسے رافضی لوگوں نے ایسی باتوں کو فن بنا دیا ہے جنھیں سن کر لوگ رونے پیٹنے لگیں اور " اَلظَّنُّ السَّيِّئُ " (برا گمان) وہ گمان ہے جو اللہ تعالیٰ سے نا امید کر دے، نہ یہ امید رہے کہ اس مصیبت کا بدلہ دنیا میں اس سے بہتر ملے گا اور نہ صبر پر آخرت میں ثواب کی امید رہے۔

3 إِنَّمَآ أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِيٓ إِلَى اللَّهِ: " بَثَّ يَبُثُّ " کا لفظی معنی پھیلا دینا ہے، فرمایا: ﴿ وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ﴾ [النساء : ١] ''اور ان دونوں میں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔'' " بَثَّ الرِّيحُ التُّرَابَ " ہوا نے مٹی اڑائی۔ آدمی پر جب مصائب آئیں تو ان سے پیدا ہونے والے جس غم کو وہ چھپا سکے وہ ''حزن'' کہلاتا ہے اور جو چھپا نہ سکے " اَلْبَثُّ " کہلاتا ہے۔ آیت کی باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کا یہ کہنا کہ وہ اپنے کسی طرح کے غم کی شکایت بھی اللہ کے سوا کسی کے حضور نہیں کرتے اس سے باب کا مضمون ثابت ہو گیا۔ (فتح الباری)

١٣٠١ ـ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ: أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: اشْتَكَى ابْنٌ لِأَبِي طَلْحَةَ، قَالَ: فَمَاتَ وَأَبُو طَلْحَةَ خَارِجٌ، فَلَمَّا رَأَتِ امْرَأَتُهُ أَنَّهُ قَدْ مَاتَ هَيَّأَتْ شَيْئًا، وَنَحَّتْهُ فِي جَانِبِ الْبَيْتِ، فَلَمَّا جَاءَ أَبُو طَلْحَةَ قَالَ: كَيْفَ الْغُلَامُ؟ قَالَتْ: قَدْ هَدَأَتْ نَفْسُهُ، وَأَرْجُو أَنْ

1301۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا بیمار ہو گیا اور فوت ہو گیا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر تھے۔ جب ان کی بیوی نے دیکھا کہ وہ فوت ہو گیا ہے تو اس نے (بچے کو غسل اور کفن دے کر) کچھ تیار کیا اور اسے گھر کے ایک کونے میں لٹا دیا۔ جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے کہا: لڑکا کیسا ہے؟ تو اس نے کہا: اسے سکون ہے اور مجھے امید ہے کہ اسے آرام آ گیا ہے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ

يَكُونَ قَدِ اسْتَرَاحَ، وَظَنَّ أَبُو طَلْحَةَ أَنَّهَا صَادِقَةٌ، قَالَ : فَبَاتَ، فَلَمَّا أَصْبَحَ اغْتَسَلَ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ أَعْلَمَتْهُ أَنَّهُ قَدْ مَاتَ، فَصَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ أَخْبَرَ النَّبِيَّ ﷺ بِمَا كَانَ مِنْهُمَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : «لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُبَارِكَ لَكُمَا فِي لَيْلَتِكُمَا»

سمجھے کہ وہ سچ کہہ رہی ہے، چنانچہ وہ رات رہے، جب صبح ہوئی تو انھوں نے غسل کیا، پھر جب انھوں نے نکلنے کا ارادہ کیا تو بیوی نے انھیں بتایا کہ بچہ فوت ہو گیا ہے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے ہمراہ صبح کی نماز پڑھی، پھر نبی ﷺ کو ام سُلیم کا اور اپنا ماجرا سنایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تمھاری رات میں برکت فرمائے گا۔“

قَالَ سُفْيَانُ : فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ : فَرَأَيْتُ لَهُمَا تِسْعَةَ أَوْلَادٍ، كُلُّهُمْ قَدْ قَرَأَ الْقُرْآنَ. [انظر : ٥٤٧٠، وانظر في الأدب، باب : ١١٦ـ أخرجه مسلم : ٢١٤٤ باختلاف]

سفیان نے کہا: انصار کے ایک آدمی نے کہا: پھر میں نے ان دونوں کے نو بچے دیکھے جو سب کے سب قرآن کے قاری تھے۔

فوائد: 1 انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ اُم سُلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند ”مالک“ کی وفات کے بعد ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا تھا، اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک بہت خوبصورت بیٹا ”ابوعمیر“ عطا فرمایا۔ یہ وہی بچہ ہے جس کی بلبل مرگئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے مزاح کرتے ہوئے فرمایا تھا: «يَا أَبَا عُمَيْرٍ ! مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟» ”اے ابوعمیر! تمھاری بلبل کا کیا ہوا؟“ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اس سے حد سے بڑھ کر محبت تھی۔ بچہ بیمار ہو گیا تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اتنا اثر لیا کہ بہت کمزور ہو گئے۔ وہ ہر روز رسول اللہ ﷺ کے پاس جایا کرتے تھے۔ اُم سلیم رضی اللہ عنہا کو علم تھا کہ اس کے خاوند کو بیٹے سے بے پناہ محبت ہے، جب وہ فوت ہوا تو انھیں اندازہ تھا کہ ان کے خاوند کو اس کی موت سے کتنا زبردست صدمہ ہوگا، اللہ کی اس خاص بندی نے سارا غم دل میں چھپا کر خاوند کو اچانک صدمے سے بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے بچے کو غسل دیا، کفن دیا اور تیار کر کے گھر کے ایک کونے میں لٹا کر اوپر کپڑا ڈال دیا اور دل میں صدمے کے پہاڑ کے باوجود خاوند کے لیے بنی سنوری۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے، بیٹے کا حال پوچھا تو انھوں نے وہ الفاظ کہے جو اوپر حدیث میں گزرے ہیں اور ان میں وہ فی الحقیقت سچی تھی، کیونکہ موت کے بعد بچہ واقعی بیماری اور تکلیف سے سکون اور آرام پا چکا تھا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ واقعی اس کی بیماری دور ہو گئی ہے اور اسے آرام آ گیا ہے۔ ایسے کلام کو عربی زبان میں تعریض کہتے ہیں کہ زبان سے نکلنے والے الفاظ سے بولنے والے کی مراد کچھ ہوتی ہے، مگر مخاطب اپنے خیال میں اس کا کچھ اور مطلب مراد لے رہا ہوتا ہے۔ خیر دونوں نے رات گزاری۔ صحیح مسلم (۲۱۴۴/۱۰۷، قبل ح: ۲۴۵۸) میں ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: ابوطلحہ! یہ بتاؤ اگر کچھ لوگ کسی گھر والوں کو کوئی چیز ادھار دیں، پھر اسے واپس مانگیں تو کیا ان کا یہ حق ہے کہ وہ انھیں واپس نہ کریں اور ان سے ناراض ہو جائیں۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: (یہ

ان کا حق) نہیں (ادھار تو انھیں واپس کرنا ہوگا جن کا وہ مال ہے)۔ اُم سلیم نے کہا: تو پھر تم اپنے بیٹے کے بدلے کی اللہ تعالیٰ سے امید رکھو۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر ناراض ہونے لگے کہ تم نے مجھے اس سے پہلے بے خبر رکھا، جب میں آلودہ ہو گیا تو پھر تم نے مجھے میرے بیٹے کے بارے میں بتایا۔ پھر وہ چل پڑے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور جو کچھ ہوا تھا انھیں بتایا۔ (ملخص فتح الباری)

2 رسول اللہ ﷺ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کے اس صبر اور ضبطِ غم پر انھیں ان کی رات میں برکت کی دعا دی، فرمایا: «بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمَا فِي لَيْلَتِكُمَا» ''اللہ تمھارے لیے تمھاری اس رات میں برکت عطا فرمائے۔'' اور خوش خبری بھی دی، جیسا کہ اس روایت میں ہے کہ فرمایا: ''امید ہے اللہ تمھارے لیے تمھاری اس رات میں برکت عطا فرمائے گا۔'' چنانچہ وہ امید سے ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بیٹا عطا فرمایا، جس کا نام انھوں نے ''عبداللہ'' رکھا۔

3 قَالَ سُفْيَانُ: یہ سفیان بن عیینہ ہیں اور جس انصاری نے انھیں یہ بات بتائی وہ عبایہ بن رفاعہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبایہ رضی اللہ عنہ نے ابوطلحہ اور ام سلیم رضی اللہ عنہما کی نو اولادیں دیکھیں جو سب قرآن کے قاری تھے مگر سنن سعید بن منصور اور متعدد کتب احادیث میں ہے کہ عبایہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اس لڑکے (عبداللہ) کی نو اولادیں دیکھیں جنھوں نے پورا قرآن پڑھا ہوا تھا۔ اس حدیث میں بیٹے کی اولاد کو ان کی اولاد کہا گیا ہے۔ ابن سعد اور دوسرے علمائے انساب نے اس کے گیارہ بیٹوں اور چار بیٹیوں کا ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری)

4 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ام سلیم رضی اللہ عنہا کے اس قصے میں مزید یہ فوائد بھی ہیں: ① مشکل کام کو اختیار کرنا اور رخصت کے باوجود عزیمت پر قائم رہنا۔ ② مصیبت میں تسلی رکھنا۔ ③ بیوی کا خاوند کے لیے بننا سنورنا اور اسے جماع کے لیے راغب کرنا اور ہر اس کام کی کوشش کرنا جس میں خاوند کی بہتری ہو۔ ④ بوقتِ ضرورت تعریض کا جائز ہونا بشرطیکہ اس سے کسی کا حق تلف نہ ہو۔ ⑤ ام سلیم رضی اللہ عنہا کا یہ سارا عمل ان کے بے پناہ صبر، اللہ کا حکم تسلیم کرنے اور اس صدمے کا اچھا بدلہ ملنے کی امید کی وجہ سے تھا، کیونکہ اگر وہ فوراً ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بتا دیتیں تو اُن کی طبیعت مکدر ہو جاتی اور ام سلیم رضی اللہ عنہا کا وہ مقصد حاصل نہ ہوتا جو انھوں نے دل میں رکھا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی نیت کا صدق دیکھا تو ان کی تمنا پوری فرما دی اور اولادوں سے نواز دیا۔ ⑥ نبی ﷺ کی دعا قبول ہونا۔ ⑦ جو شخص اللہ کی خاطر کوئی چیز ترک کرے اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر بدلہ عطا فرماتا ہے۔ ⑧ اس سے ام سلیم رضی اللہ عنہا کے دل کی مضبوطی، رائے کی عمدگی اور ارادے کی قوت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ کتاب الجہاد (٢٨٨٠) اور مغازی (٤٠٦٤) میں آ رہا ہے کہ وہ جنگ میں شریک ہوتی تھیں، مجاہدین کی خدمت کرتیں اور دوسرے کام سرانجام دیتی تھیں، جن میں وہ اکثر عورتوں سے منفرد تھیں۔ (فتح الباری)

٤٢۔ بَابُ الصَّبْرِ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى

42۔ باب: اصل صبر پہلی چوٹ کے وقت ہے

وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: نِعْمَ الْعِدْلَانِ، وَنِعْمَ

اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بہت اچھے ہیں اونٹ پر دونوں جانب

الْعِلَاوَةُ : ﴿ الَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۞ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾ [البقرة : ١٥٦، ١٥٧] وَقَوْلُهُ تَعَالَى : ﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴾ [البقرة : ٤٥]

لادے ہوئے دو بورے اور اچھا ہے ان کے درمیان اوپر رکھا ہوا بورا: ''وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: یقیناً ہم اللہ کا مال ہیں اور یقیناً ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے بہت سی مہربانیاں اور عظیم رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔'' اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو اور یقیناً وہ بہت بڑی ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر۔''

فوائد تحقیق 1 عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اونٹ پر لدے ہوئے دو بوروں کے ساتھ تیسرا بورا آدمی کو ملے تو بہت خوشی ہوتی ہے، اسی طرح مصیبت پر صبر کرنے والوں اور '' إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ '' کہنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے یہ تین انعام بہت ہی اچھے ہیں۔ پہلا انعام ان کے رب کی طرف سے بہت سی مہربانیاں، دوسرا انعام عظیم رحمت (تنوین تعظیم کی ہے) اور تیسرا انعام ہدایت یافتہ ہونے کی سند۔

2 وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ : حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: گویا مصنف اس آیت کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی عمل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ سفر کے دوران انھیں ان کے بھائی قثم کی وفات کی اطلاع ملی تو انھوں نے '' إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ '' پڑھا، پھر راستے سے ایک طرف ہو کر اونٹ بٹھایا اور دو رکعتیں پڑھیں، جن میں دیر تک مشغول رہے، پھر یہ کہتے ہوئے اٹھے: ﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ [البقرة : ٤٥] اسے طبری نے اپنی تفسیر میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: « كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى » ''نبی ﷺ کو جب کوئی مشکل معاملہ پیش آتا تو آپ نماز پڑھتے تھے۔'' اسے ابو داؤد (۱۳۱۹) نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ طبری نے کہا: صبر نفس کو اس کی پسندیدہ چیزوں سے روکنا اور اس کی خواہش سے ہٹانا ہے، اسی لیے جو نہ گھبرائے اسے صابر کہا جاتا ہے، کیونکہ اس نے اپنے نفس کو روک لیا ہوتا ہے۔ اور رمضان کو صبر کا مہینا اس لیے کہتے ہیں کہ روزہ دار کھانے پینے سے اپنے آپ کو روکے رکھتا ہے۔ (فتح الباری)

١٣٠٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ ثَابِتٍ، قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « اَلصَّبْرُ عِنْدَ

1302۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اصل صبر پہلی چوٹ کے وقت ہوتا ہے۔''

الصَّدْمَةِ الْأُولَى »[راجع : ١٢٥٢ـ أخرجه مسلم : ٩٢٦]

فائدہ حدیث (۱۲۵۲) میں اس حدیث کا کچھ حصہ گزر چکا ہے۔ قرآن میں جو آیا ہے: ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ [البقرة: ٤٥] اس سے یہی صبر مراد ہے، ورنہ رو پیٹ کر تو سب کو صبر آ جاتا ہے۔ (تیسیر الباری)

٤٣ـ بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : « إِنَّا بِكَ لَمَحْزُونُونَ »

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : « تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ »

١٣٠٣ـ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ، حَدَّثَنَا قُرَيْشٌ ـ هُوَ ابْنُ حَيَّانَ ـ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : دَخَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَلَى أَبِي سَيْفٍ الْقَيْنِ، وَكَانَ ظِئْرًا لِإِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِبْرَاهِيمَ فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ، ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَإِبْرَاهِيمُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ، فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ تَذْرِفَانِ ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! ؟ فَقَالَ : « يَا ابْنَ عَوْفٍ ! إِنَّهَا رَحْمَةٌ » ثُمَّ أَتْبَعَهَا بِأُخْرَى فَقَالَ ﷺ : « إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ، وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا، وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ ! لَمَحْزُونُونَ »

رَوَاهُ مُوسَى، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

43۔ باب: نبی ﷺ کا قول: ''یقیناً ہم تیری وجہ سے غم زدہ ہیں''

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے بیان کیا: ''آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غم کرتا ہے۔''

1303۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابو سیف لوہار کے پاس گئے جو ابراہیم علیہ السلام کو دودھ پلانے والی کا خاوند تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابراہیم کو لیا، اسے چوما اور سونگھا۔ اس کے بعد ہم پھر اس کے پاس گئے جب ابراہیم جان دے رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں بہنے لگیں۔ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اور آپ بھی (رو رہے ہیں)؟ آپ نے فرمایا: ''اے ابن عوف! یہ رحم ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اس کے بعد اور آنسو گرائے اور کہا: ''بے شک آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غم کرتا ہے اور ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہتے جس پر ہمارا رب راضی ہو اور یقیناً ہم تیری جدائی کی وجہ سے اے ابراہیم! ضرور غمزدہ ہیں۔''

اس حدیث کو موسیٰ نے سلیمان بن مغیرہ سے، انھوں نے ثابت سے، انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے

[انظر في الأدب، باب : ۱۰۹ ـ أخرجه مسلم : ۲۳۱۵ نحوه] نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

فوائد 1 وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ !؟ (اور آپ بھی یا رسول اللہ !؟): اس میں تعجب کا اظہار ہے۔ بات کے شروع میں ''واؤ'' کے لفظ کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے ایک جملہ ہے جس پر ''واؤ'' کے ساتھ عطف ڈالا جا رہا ہے۔ گویا پوری بات اس طرح تھی کہ لوگ مصیبت پر صبر نہیں کرتے بلکہ روتے ہیں اور ''آپ بھی یا رسول اللہ!'' یہ کام کر رہے ہیں؟ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو تعجب اس بات پر ہوا کہ آپ ہمیشہ صبر کی تلقین فرماتے ہیں اور جزع فزع سے منع کرتے ہیں، اس لیے انھوں نے یہ سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: ''اے ابن عوف! یہ رحم ہے۔'' یعنی آنسوؤں کا نکلنا نہ بے صبری ہے نہ جزع فزع، بلکہ یہ وہ رحم ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہوا ہے۔ مصیبت کے وقت دل کو غم ہونا، آنکھوں سے آنسو نکلنا انسان کی فطرت ہے، اس میں آدمی مجبور ہے، اس لیے اس پر عذاب نہیں ہوگا۔

2 رسول اللہ ﷺ کی ساری اولاد ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی، صرف ابراہیم علیہ السلام ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ صحیح مسلم (۲۳۱۵) میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، میں نے اس کا نام اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا ہے۔'' پھر آپ نے اسے ام سیف کے سپرد کر دیا جو ابوسیف لوہار کی بیوی تھی۔ پھر (ایک دن) آپ چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ گیا، ہم ابوسیف کے پاس پہنچے، وہ اپنی دھونکنی کے ساتھ ہوا دھونک رہا تھا اور کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے جلدی جلدی رسول اللہ ﷺ سے پہلے جا کر کہا: ابوسیف! ٹھہر جاؤ، رسول اللہ ﷺ آ گئے ہیں، وہ رک گیا۔ نبی ﷺ نے بچے کو منگوایا، اسے اپنے ساتھ چمٹایا اور جو اللہ نے چاہا آپ نے کہا۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اسے دیکھا وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جان دے رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ نے کہا: ''آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غم کرتا ہے اور ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہتے جس پر ہمارا رب راضی ہو، اللہ کی قسم! اے ابراہیم! یقیناً ہم تیری وجہ سے ضرور غم زدہ ہیں۔''

3 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: اس پر اتفاق ہے کہ ابراہیم ذوالحجہ سنہ ۸ ہجری میں پیدا ہوا۔ البتہ وفات کے متعلق واقدی نے جزم کے ساتھ کہا ہے کہ وہ دس ربیع الاول سنہ ۱۰ ہجری میں فوت ہوا اور ابن حزم نے کہا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے تین ماہ پہلے فوت ہوا۔ (فتح الباری) شیخ ابن عثیمین نے کہا: یہ دونوں باتیں درست نہیں، کیونکہ ان تاریخوں میں اس کی وفات ممکن ہی نہیں، نہ بارہ ربیع الاول میں اور نہ ہی آپ کی وفات سے تین ماہ پہلے بارہ ذوالحجہ میں۔ صحیح متفق علیہ احادیث میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے دن سورج گرہن ہوا تھا جبکہ سورج گرہن ان تاریخوں میں ممکن ہی نہیں۔ اس لیے فلکیات کے ماہر مؤرخین کی تحقیق یہ ہے کہ وہ ۲۹ شوال کو فوت ہوا۔ یہی بات واقعہ کے مطابق ہے، دوسری باتیں درست نہیں۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا بیٹا ابراہیم علیہ السلام اٹھارہ ماہ کی عمر میں فوت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا جنازہ نہیں پڑھا۔ [أبو داوٗد : ۳۱۸۷، و إسناده حسن كما قال الحافظ في الإصابة، و قال ابن حزم : هذا خبر صحيح، والصواب ما قال الحافظ از أحكام الجنائز للألباني : ۸۰/۱]

4 اس حدیث سے جائز غم اور رونے کی وضاحت ہو رہی ہے، یعنی جو آنکھ کے آنسوؤں اور دل کی رقت کے ساتھ ہو وہ جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے غم کا ایسے لفظوں میں اظہار بھی کر سکتے ہیں جو اللہ کی رضا کے مطابق ہوں، جیسے نبی ﷺ نے فرمایا اور جیسے یعقوب علیہ السلام نے کہا: ﴿يَٰٓأَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ﴾ [یوسف: ٨٤] ''ہائے میرا غم یوسف پر!'' البتہ چیخنا چلانا، ضرب خدود، شق جیوب اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے الفاظ کہنا جائز نہیں۔

5 کسی ایسے شخص کو ''یا'' کے ساتھ مخاطب کر سکتے ہیں جو نہ سنتا ہو نہ سمجھتا ہو، جیسے آپ نے اپنے لخت جگر کو اس کی وفات کے موقع پر '' يَا إِبْرَاهِيمُ '' کہہ کر مخاطب فرمایا اور جیسے آدمی کسی بھی فوت ہونے والے کو مخاطب کرتا ہے، مثلاً '' اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ '' اور جیسے چاند کو کہا جاتا ہے: '' رَبِّيْ وَ رَبُّكَ اللّٰهُ ـ'' غرض لفظ ''یا'' کے ساتھ خطاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مخاطب سن رہا ہے اور سمجھ رہا ہے۔

6 اس حدیث سے بچوں سے محبت، ان پر شفقت، انھیں چومنے، سونگھنے اور سینے سے لگانے کا مسنون ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

7 اپنے بچوں کو ان کی ماں کے سوا دوسری خواتین کا دودھ پلایا جا سکتا ہے۔

٤٤ ـ بَابُ الْبُكَاءِ عِنْدَ الْمَرِيضِ

44۔ باب: مریض کے پاس رونا

١٣٠٤ ـ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: اشْتَكَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَكْوَى لَهُ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُهُ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ فَوَجَدَهُ فِي غَاشِيَةِ أَهْلِهِ، فَقَالَ: «قَدْ قَضَى؟» قَالُوا: لَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَبَكَى النَّبِيُّ ﷺ، فَلَمَّا رَأَى الْقَوْمُ بُكَاءَ النَّبِيِّ ﷺ بَكَوْا، فَقَالَ: «أَلَا تَسْمَعُونَ، إِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ، وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا ـ وَأَشَارَ إِلَى لِسَانِهِ ـ أَوْ يَرْحَمُ، وَ إِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ

1304۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنے ایک مرض میں بیمار ہوئے، تو نبی ﷺ عبدالرحمن ابن عوف، سعد بن ابی وقاص اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی بیمار پرسی کے لیے ان کے پاس آئے تو انھیں اپنے گھر والوں کے گھیرے میں پایا، آپ نے فرمایا: ''کیا فوت ہو گئے؟'' انھوں نے کہا: نہیں، یا رسول اللہ! تو نبی ﷺ رو پڑے۔ جب صحابہ نے نبی ﷺ کو روتے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تم سنتے نہیں؟ بے شک اللہ آنکھ کے آنسو کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا، نہ ہی دل کے غم کی وجہ سے عذاب دیتا ہے، لیکن وہ۔ زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اس کے ساتھ عذاب دیتا ہے یا رحم کرتا ہے اور میت کو اس کے گھر والوں کے اس

بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ » وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَضْرِبُ فِيهِ بِالْعَصَا، وَيَرْمِي بِالْحِجَارَةِ، وَيَحْثِي بِالتُّرَابِ . [انظر في الجنائز، باب : ٤٣ و في الطلاق، باب : ٢٤۔ أخرجه مسلم : ٩٢٤ بدون الزيادة الأخيرة : « إن الميت »]

پر رونے سے عذاب ہوتا ہے۔"

اور عمر رضی اللہ عنہ اس معاملے میں ڈنڈے مارتے تھے، پتھر پھینکتے تھے اور ان کے منہ میں خاک جھونکتے تھے۔

فوائد: 1 اس وقت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بے ہوش تھے، جیسا کہ صحیح مسلم (۹۲۴) میں ہے۔ لوگوں کا جم گھٹا دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا کہ شاید وہ فوت ہو گئے ہیں۔ باب کے ساتھ اس حدیث کی موافقت یہ ہے کہ جب کسی بیمار پر موت کی علامات ظاہر ہوں تو اس کے پاس رونا جائز ہے مگر ایسا جس سے اس کے گھر والوں کو حوصلہ ملے کہ ان کے غم میں اور بھی شریک ہیں۔ ایسا رونا جس سے ان کا حوصلہ ٹوٹے اور وہ بے صبرے ہو جائیں جائز نہیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے " أَلَا تَسْمَعُوْنَ " کے ساتھ ایسے رونے سے منع فرما دیا۔ آج کل شدید بیمار کے پاس سورۂ یٰسٓ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، جس سے مریض اور اس کے گھر والوں کا حوصلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں " اِقْرَءُوْا عَلٰى مَوْتَاكُمْ يٰسٓ " (اپنے قریب الموت لوگوں پر یٰسٓ پڑھو) روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہیں، نہ ہی سورۂ یٰسٓ کی کوئی فضیلت دوسری سورتوں کے علاوہ ثابت ہے۔ سورۂ یٰسٓ کی یہی فضیلت کیا کم ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے جس سے بڑھ کر کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔

2 یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد کا ہے، کیوں کہ اس میں عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ موجود تھے مگر انھوں نے آپ کے رونے پر کوئی سوال نہیں کیا، جب کہ ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر آپ کے آنسوؤں پر انھوں نے پوچھ لیا تھا کہ یا رسول اللہ! آپ بھی؟ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اس مرض سے شفا عطا فرمائی تھی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوت ہوئے تھے۔

3 عمر رضی اللہ عنہ کا رونے پیٹنے والوں کو ڈنڈے مارنا، پتھر پھینکنا اور ان کے منہ میں خاک جھونکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مطابق تھا جس میں ہے کہ آپ نے جعفر رضی اللہ عنہ کی وفات پر رونے والیوں کی شکایت کرنے والے صاحب کو انھیں منع کرنے کا کہا اور آخر میں اسے ان کے منہ میں خاک جھونکنے کا حکم دیا تھا، جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث میں آ رہا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا انھیں ڈنڈے مارنا اور پتھر پھینکنا انھیں منع کرنے کے حکم کی تعمیل تھی اور خاک جھونکنا " فَاحْثُ فِيْ أَفْوَاهِهِنَّ التُّرَابَ " کی تعمیل تھی اور یہ کام عمر رضی اللہ عنہ جیسا دلیر بندہ ہی کر سکتا تھا، اسی لیے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بار بار شکایت کرنے والے صحابی کے متعلق کہا جو کچھ کہا۔

٤٥ـ بَابُ مَا يُنْهَى عَنِ النَّوْحِ وَالْبُكَاءِ وَالزَّجْرِ عَنْ ذٰلِكَ

45۔ باب: نوحہ کرنے اور رونے سے منع کرنا اور اس پر جھڑکنا

١٣٠٥ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَوْشَبٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِي عَمْرَةُ، قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَقُولُ: لَمَّا جَاءَ قَتْلُ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَجَعْفَرٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ جَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْرَفُ فِيهِ الْحُزْنُ، وَأَنَا أَطَّلِعُ مِنْ شَقِّ الْبَابِ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ نِسَاءَ جَعْفَرٍ، وَذَكَرَ بُكَاءَهُنَّ، فَأَمَرَهُ بِأَنْ يَنْهَاهُنَّ، فَذَهَبَ الرَّجُلُ ثُمَّ أَتَى فَقَالَ: قَدْ نَهَيْتُهُنَّ، وَذَكَرَ أَنَّهُنَّ لَمْ يُطِعْنَهُ، فَأَمَرَهُ الثَّانِيَةَ أَنْ يَنْهَاهُنَّ، فَذَهَبَ ثُمَّ أَتَى فَقَالَ: وَاللّٰهِ! لَقَدْ غَلَبْنَنِي - أَوْ غَلَبْنَنَا، الشَّكُّ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَوْشَبٍ - فَزَعَمَتْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «فَاحْثُ فِي أَفْوَاهِهِنَّ التُّرَابَ» فَقُلْتُ: أَرْغَمَ اللّٰهُ أَنْفَكَ! فَوَاللّٰهِ! مَا أَنْتَ بِفَاعِلٍ وَمَا تَرَكْتَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْعَنَاءِ.

[راجع: ١٢٩٩ـ أخرجه مسلم: ٩٣٥]

1305۔ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ جب زید بن حارثہ اور جعفر اور عبد اللہ بن رواحہ ؓ کے قتل کی خبر آئی تو نبی ﷺ اس طرح بیٹھے کہ آپ میں غم پہچانا جا رہا تھا، میں دروازے کی درز سے دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں آپ کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! جعفر کی عورتیں، اور اس نے ان کے رونے کا ذکر کیا، تو آپ نے اسے حکم دیا کہ انھیں منع کرے۔ وہ آدمی گیا، پھر آیا اور کہنے لگا: میں نے انھیں منع کیا اور اس نے بتایا کہ انھوں نے اس کا کہنا نہیں مانا۔ آپ نے اسے دوبارہ حکم دیا کہ انھیں منع کرے۔ وہ گیا اور پھر آ کر کہنے لگا: اللہ کی قسم! وہ مجھ پر یا کہا کہ ہم پر غالب آ گئی ہیں۔ عائشہ ؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پھر ان کے مونہوں میں خاک جھونک دے۔'' تو میں نے کہا: اللہ تیری ناک مٹی میں ملائے، اللہ کی قسم! تو نہ یہ کام کرنے والا ہے اور نہ ہی تو نے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینا چھوڑا ہے۔

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد (۱۲۹۹) میں گزر چکے ہیں۔

١٣٠٦ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: أَخَذَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَ الْبَيْعَةِ: أَنْ لَا نَنُوحَ، فَمَا وَفَتْ مِنَّا امْرَأَةٌ غَيْرَ

1306۔ اُم عطیہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہم سے بیعت لی کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی تو پانچ عورتوں کے سوا ہم میں سے کسی نے وہ عہد پورا نہیں کیا: ام سلیم، ام العلاء، معاذ ؓ کی بیوی جو ابو سبرہ کی بیٹی تھی اور دو اور عورتیں، یا

خَمْسُ نِسْوَةٍ : أُمُّ سُلَيْمٍ، وَأُمُّ الْعَلَاءِ ، وَابْنَةُ أَبِي سَبْرَةَ امْرَأَةُ مُعَاذٍ، وَامْرَأَتَيْنِ، أَوِ ابْنَةُ أَبِي سَبْرَةَ، وَامْرَأَةُ مُعَاذٍ وَامْرَأَةٌ أُخْرَى . [انظر : ٤٨٩٢، ٧٢١٥۔ أخرجه مسلم : ٩٣٦ بدون «وامرأة أخرى»]

یوں کہا کہ ابو سبرہ کی بیٹی اور معاذ رضی اللہ عنہ کی بیوی اور ایک اور عورت۔

فائدہ: قاضی عیاض نے کہا: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ بیعت کرنے والی عورتوں میں سے صرف یہ پانچ عورتیں اپنے عہد پر قائم رہیں، یہ مطلب نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والی تمام عورتوں میں سے صرف یہ پانچ اپنے عہد پر قائم رہیں۔ (فتح الباری) کیونکہ تمام عورتوں کے متعلق تو ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہی نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ وہ بہت زیادہ تھیں۔

٤٦۔ بَابُ الْقِيَامِ لِلْجَنَازَةِ

46۔ باب: جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا

١٣٠٧۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا حَتّٰى تُخَلِّفَكُمْ »

1307۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ تمھیں پیچھے چھوڑ جائے۔''

قَالَ سُفْيَانُ : قَالَ الزُّهْرِيُّ : أَخْبَرَنِي سَالِمٌ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ : أَخْبَرَنَا عَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ . زَادَ الْحُمَيْدِيُّ : « حَتّٰى تُخَلِّفَكُمْ أَوْ تُوضَعَ » [انظر : ١٣٠٨۔ أخرجه مسلم : ٩٥٨]

سفیان نے یوں کہا کہ زہری نے کہا: مجھے سالم نے اپنے باپ سے خبر دی، انھوں نے کہا: ہمیں عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ حمیدی نے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: ''یہاں تک کہ وہ تمھیں پیچھے چھوڑ جائے یا اسے رکھ دیا جائے۔''

٤٧۔ بَابٌ : مَتٰى يَقْعُدُ إِذَا قَامَ لِلْجَنَازَةِ ؟

47۔ باب: جب جنازے کو دیکھ کر کھڑا ہو تو کب بیٹھے؟

١٣٠٨۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنْ

1308۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کوئی جنازہ دیکھے تو اگر

عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ جِنَازَةً، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَاشِيًا مَعَهَا فَلْيَقُمْ حَتَّى يُخَلِّفَهَا أَوْ تُخَلِّفَهُ، أَوْ تُوضَعَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُخَلِّفَهُ» [راجع: ١٣٠٧ـ أخرجه مسلم: ٩٥٨]

وہ اس کے ساتھ چلنے والا نہ ہو تو کھڑا ہو جائے یہاں تک کہ وہ جنازے کو پیچھے چھوڑ دے یا جنازہ اسے پیچھے چھوڑ دے یا اسے پیچھے چھوڑنے سے پہلے اسے زمین پر رکھ دیا جائے۔"

١٣٠٩ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنَّا فِي جِنَازَةٍ، فَأَخَذَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِيَدِ مَرْوَانَ فَجَلَسَا قَبْلَ أَنْ تُوضَعَ، فَجَاءَ أَبُو سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَأَخَذَ بِيَدِ مَرْوَانَ، فَقَالَ: قُمْ فَوَاللَّهِ! لَقَدْ عَلِمَ هَذَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَانَا عَنْ ذَلِكَ. فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: صَدَقَ. [انظر: ١٣١٠ـ أخرجه مسلم: ٩٥٩ باختلاف]

1309۔ سعید مقبری کے والد (کیسان) سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک جنازہ میں تھے تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروان کا ہاتھ پکڑا اور دونوں جنازہ نیچے رکھے جانے سے پہلے بیٹھ گئے۔ اتنے میں ابوسعید رضی اللہ عنہ آئے تو انھوں نے مروان کا ہاتھ پکڑ کر کہا: کھڑے ہو جاؤ، کیونکہ اللہ کی قسم ہے کہ اس (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) کو معلوم ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا ہے۔ تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوسعید (رضی اللہ عنہ) نے سچ کہا ہے۔

٤٨ـ بَابُ مَنْ تَبِعَ جِنَازَةً فَلَا يَقْعُدُ حَتَّى تُوضَعَ عَنْ مَنَاكِبِ الرِّجَالِ فَإِنْ قَعَدَ أُمِرَ بِالْقِيَامِ

۴۸۔ باب: جو آدمی جنازے کے ساتھ ہو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک جنازہ کندھوں سے اتار کر (زمین پر) نہ رکھ دیا جائے، اگر کوئی بیٹھ جائے تو اسے کھڑا ہونے کے لیے کہا جائے

١٣١٠ـ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ يَعْنِي ابْنَ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا رَأَيْتُمُ الْجِنَازَةَ، فَقُومُوا، فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَقْعُدْ حَتَّى تُوضَعَ» [راجع: ١٣٠٩ـ أخرجه مسلم: ٩٥٩]

1310۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم جنازے کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، پھر جو اس کے ساتھ جائے وہ جب تک جنازہ رکھا نہ جائے نہ بیٹھے۔"

٤٩- بَابُ مَنْ قَامَ لِجَنَازَةِ يَهُودِيٍّ

١٣١١- حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ مِقْسَمٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: مَرَّ بِنَا جَنَازَةٌ، فَقَامَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ وَقُمْنَا بِهِ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّهَا جِنَازَةُ يَهُودِيٍّ! قَالَ: «إِذَا رَأَيْتُمُ الْجِنَازَةَ فَقُومُوا»

[أخرجه مسلم: ٩٦٠ بزيادة «إن الموت فزع» وانها يهودية]

١٣١٢- حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا عَمْرُو ابْنُ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى قَالَ: كَانَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ وَقَيْسُ بْنُ سَعْدٍ قَاعِدَيْنِ بِالْقَادِسِيَّةِ، فَمَرُّوا عَلَيْهِمَا بِجَنَازَةٍ، فَقَامَا، فَقِيلَ لَهُمَا: إِنَّهَا مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ - أَيْ مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ - فَقَالَا: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّتْ بِهِ جِنَازَةٌ فَقَامَ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّهَا جِنَازَةُ يَهُودِيٍّ! فَقَالَ: «أَلَيْسَتْ نَفْسًا؟» [أخرجه مسلم: ٩٦١]

١٣١٣- وَقَالَ أَبُو حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ: كُنْتُ مَعَ قَيْسٍ وَسَهْلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَقَالَا: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ.

وَقَالَ زَكَرِيَّا، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى:

49۔ باب: جو کسی یہودی (یا کافر) کے جنازے کے لیے کھڑا ہو جائے

1311۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے کہا: ہمارے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو نبی ﷺ اس کی وجہ سے کھڑے ہو گئے اور ہم بھی کھڑے ہو گئے، ہم نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے۔ آپ نے فرمایا: "جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جایا کرو۔"

1312۔ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نے کہا: سہل بن حُنیف اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہما قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں لوگ ایک جنازہ لے کر ان کے پاس سے گزرے تو وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ انھیں کہا گیا کہ وہ اس علاقے کے لوگوں یعنی ذمی کافروں سے ہے۔ تو انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے، آپ کو بتایا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے، تو آپ نے فرمایا: "کیا یہ ایک جان نہیں ہے؟"

1313۔ ابو حمزہ نے اعمش سے، انھوں نے عمرو سے، انھوں نے ابن ابی لیلیٰ سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا: میں قیس اور سہل رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا تو ان دونوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔

اور زکریا نے شعبی سے، انھوں نے ابن ابی لیلیٰ سے

كَانَ أَبُو مَسْعُودٍ، وَقَيْسٌ يَقُومَانِ لِلْجَنَازَةِ . روایت کی کہ ابو مسعود اور قیس رضی اللہ عنہما جنازے کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔

فائدہ: ان تمام ابواب اور احادیث سے ظاہر ہے کہ جو لوگ جنازے کے ساتھ نہ جا رہے ہوں انھیں جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جانا چاہیے اور جب تک وہ وہاں سے گزر نہ جائے کھڑے رہنا چاہیے۔ آخری باب کی حدیث میں آپ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ موت ایک گھبراہٹ والی چیز ہے، میت خواہ مسلم کی ہو یا کافر کی اسے دیکھ کر غفلت سے بیٹھے رہنا مناسب نہیں بلکہ کھڑے ہو جانا چاہیے۔ بعض احادیث میں ہے کہ آپ فرشتوں کی خاطر کھڑے ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو ابواب قائم کیے ہیں اور احادیث ذکر کی ہیں ان سے ظاہر ہے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ جو لوگ جنازے کے ساتھ جا رہے ہیں جب تک جنازہ لوگوں کے کندھوں سے زمین پر رکھ نہ دیا جائے انھیں بیٹھنا نہیں چاہیے۔ اگر کوئی بیٹھ جائے تو اسے کھڑے ہونے کے لیے کہنا چاہیے۔ رکھے جانے سے مراد زمین پر رکھا جانا ہے، یہی راجح ہے۔ جن احادیث میں ہے کہ جب تک میت کو لحد میں نہ رکھا جائے ساتھ جانے والوں کو کھڑا رہنا چاہیے وہ احادیث مرجوح ہیں۔ اور جو لوگ جنازے کے ساتھ نہیں جا رہے انھیں جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جانا چاہیے اور جب تک جنازہ آگے نہ بڑھ جائے کھڑے رہنا چاہیے۔ مگر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے۔

شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ''احکام الجنائز'' میں لکھتے ہیں: ''مسئلہ (۵۵) جنازے کے لیے کھڑے ہونے کا حکم منسوخ ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: ① جنازہ پاس سے گزرنے پر کھڑا ہونا۔ ② جنازے کے ساتھ جانے والوں کا قبر کے پاس پہنچنے پر اس کے زمین پر رکھے جانے تک کھڑے رہنا۔ اس کی دلیل علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس کے کئی الفاظ آئے ہیں۔ اول: «قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْجِنَازَةِ فَقُمْنَا، حَتّٰى جَلَسَ فَجَلَسْنَا » [ابن ماجه : ١٥٤٤۔ مسلم : ٩٦٢/٨٤۔ طحاوي : ٤٨٨/١، ح : ٢٨٠٣۔ طيالسي : ١٤٥۔ أحمد : ٦٣١، ١٠٩٤، ١١٦٧] ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم بھی کھڑے ہو گئے، پھر آپ بیٹھے رہے تو ہم بھی بیٹھے رہے۔'' دوم: « كَانَ يَقُوْمُ فِي الْجَنَائِزِ ثُمَّ جَلَسَ بَعْدُ » [مالك : ٢٣٦/٢، ح : ٧٩٧۔ و عنه الشافعي في الأم : ٣١٨/١۔ أبو داوٗد : ٣١٧٥] ''آپ جنازوں میں کھڑے ہوتے تھے، پھر بعد میں بیٹھ گئے۔'' سوم: واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ کے طریق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں بنوسلمہ میں ایک جنازے میں حاضر ہوا، میں کھڑا رہا تو مجھے نافع بن جبیر نے کہا: بیٹھ جاؤ، میں تمھیں اس کے متعلق ایک پختہ دلیل بتاؤں گا۔ مجھے مسعود بن حکم الزرقی نے بیان کیا کہ انھوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کوفہ کے رحبہ (قادسیہ کے قریب ایک جگہ) میں سنا، وہ کہہ رہے تھے: « كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا بِالْقِيَامِ فِي الْجَنَازَةِ، ثُمَّ جَلَسَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَ أَمَرَنَا بِالْجُلُوْسِ » [أخرجه الشافعي (٣١٨/١) و أحمد : (٦٢٣) و طحاوي : (٤٨٨/١، ح : ٢٨٠١)] ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنازے میں کھڑا ہونے کا حکم دیا تھا، پھر اس کے بعد

آپ بیٹھ گئے اور آپ نے انھیں بیٹھنے کا حکم دیا۔" چہارم: اسی طریق سے ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں ایک اور لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ الفاظ یہ ہیں: « قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ الْجَنَائِزِ حَتّٰى تُوْضَعَ وَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، ثُمَّ قَعَدَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَأَمَرَهُمْ بِالْقُعُوْدِ » [ابن حبان : ٣٠٥٥، ٣٠٥٦، السنن الكبرى للبيهقي : ٦٨٨٦] "رسول اللہ ﷺ جنازوں کے ساتھ ان کے نیچے رکھے جانے تک کھڑے رہے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے رہے، پھر اس کے بعد آپ بیٹھ گئے اور لوگوں کو بھی بیٹھنے کا حکم دے دیا۔" پنجم: « مِنْ طَرِيْقِ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ مَسْعُوْدِ بْنِ الْحَكَمِ الزُّرَقِيِّ ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ : شَهِدْتُ جِنَازَةً بِالْعِرَاقِ، فَرَأَيْتُ رِجَالًا قِيَامًا يَنْتَظِرُوْنَ أَنْ تُوضَعَ ، وَ رَأَيْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُشِيْرُ إِلَيْهِمْ : أَنِ اجْلِسُوا، فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا بِالْجُلُوْسِ بَعْدَ الْقِيَامِ » [أخرجه الطحاوي : ٤٨٨/١، ح : ٢٨٠٢۔ بسند حسن] "اسماعیل بن مسعود بن حکم الزرقی نے اپنے والد سے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں عراق میں ایک جنازے کے ساتھ شریک ہوا تو میں نے کچھ آدمیوں کو دیکھا وہ جنازہ نیچے رکھے جانے کا انتظار کر رہے تھے اور میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ انھیں اشارہ کر رہے تھے کہ بیٹھ جاؤ، کیونکہ نبی ﷺ نے انھیں کھڑے ہونے کے بعد بیٹھنے کا حکم دے دیا تھا۔"

٥٠ ـ بَابُ حَمْلِ الرِّجَالِ الْجِنَازَةَ دُوْنَ النِّسَاءِ

50۔ باب: جنازہ مرد اٹھائیں نہ کہ عورتیں

١٣١٤ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : « إِذَا وُضِعَتِ الْجِنَازَةُ وَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰى أَعْنَاقِهِمْ، فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ : قَدِّمُوْنِيْ، وَ إِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ : يَا وَيْلَهَا ، أَيْنَ يَذْهَبُوْنَ بِهَا ؟ يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ، وَلَوْ سَمِعَهُ صَعِقَ » [انظر : ١٣١٦، ١٣٨٠]

1314۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب میت کو (چارپائی پر) رکھا جاتا ہے اور مرد اسے اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں تو اگر وہ نیک ہو تو کہتا ہے: مجھے آگے لے جاؤ۔ اور اگر نیک نہ ہو تو کہتا ہے: ہائے خرابی! مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ انسان کے سوا ہر چیز اس کی آواز سنتی ہے اور اگر وہ اسے سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔"

فائدہ: اس بات پر اتفاق ہے کہ جنازہ مرد اٹھائیں گے نہ کہ عورتیں، کیونکہ عورتیں کمزور ہوتی ہیں، اس کے علاوہ جنازے کے ساتھ جانے سے ان کا مردوں سے اختلاط ہوگا اور جنازہ اٹھانے سے ان کا حجاب کھلنے کا خطرہ ہے۔ بخاری کا

استدلال "وَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ" سے ہے، یعنی میت کو مرد اٹھا لیتے ہیں۔ اگرچہ اس سے عورتوں کی واضح نفی نہیں ہوتی مگر حدیث میں اسے مسلمانوں کا معمول بیان کیا گیا ہے۔ عورتوں کے جنازہ نہ اٹھانے کی اس سے بھی واضح حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: « نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا » [بخاري : ١٢٧٨] ''ہمیں جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا ہے اور ہم پر اس میں سختی نہیں کی گئی۔'' البتہ اگر کسی جگہ مرد موجود ہی نہ ہوں تو اضطرار کے احکام لاگو ہوں گے۔

٥١۔ بَابُ السُّرْعَةِ بِالْجِنَازَةِ

51۔ باب: جنازے کو لے کر جلدی چلنا

وَقَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنْتُمْ مُشَيِّعُونَ، وَامْشِ بَيْنَ يَدَيْهَا وَخَلْفَهَا وَعَنْ يَمِينِهَا، وَعَنْ شِمَالِهَا . وَقَالَ غَيْرُهُ : قَرِيبًا مِنْهَا .

اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جنازے کو رخصت کرنے والے ہو، اس کے آگے اور اس کے پیچھے اور اس کے دائیں اور بائیں چلو۔ اور انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور لوگوں نے کہا: اس کے قریب رہو۔

١٣١٥ ۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ : حَفِظْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : « أَسْرِعُوا بِالْجِنَازَةِ، فَإِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُونَهَا، وَإِنْ يَكُ سِوَى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُونَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ » [أخرجه مسلم : ٩٤٤]

1315۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنازے کو جلدی لے جاؤ، اگر وہ نیک ہے تو تم اسے بھلائی کی طرف پہنچاؤ گے اور اگر وہ اس کے علاوہ ہے تو ایک شر ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتارو گے۔''

فوائد 1 جلدی لے جانے سے مراد دوڑنا نہیں بلکہ عام چال سے کچھ تیز چلنا ہے، کیونکہ دوڑنا وقار کے منافی ہے اور دوڑنے سے لوگوں کا ساتھ چلنا مشکل ہے اور کوئی بھی اپنے مہمان کو دوڑ کر رخصت نہیں کرتا۔ مقصد یہ ہے کہ جنازہ اٹھا کر آہستہ آہستہ نہیں چلنا چاہیے بلکہ جلدی میت کو اس کی منزل پر پہنچانا چاہیے۔ انس رضی اللہ عنہ کے اثر کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ چلنے میں لوگوں کی رفتار مختلف ہوتی ہے، اس لیے تیزی کے ساتھ جنازہ اسی صورت میں لے جایا جا سکتا ہے جب لوگ اس کے چاروں طرف چل رہے ہوں۔ اس کے علاوہ رخصت کرنے والے ہمیشہ صرف پیچھے یا صرف آگے نہیں ہوتے بلکہ چاروں طرف سے جانے والے مہمان کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جنازے کے پیچھے ہی چلنا چاہیے، آگے چلنا جائز نہیں، مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « اَلرَّاكِبُ خَلْفَ الْجِنَازَةِ

وَالْمَاشِيْ مِنْهَا حَيْثُ شَاءَ » ”سوار جنازے کے پیچھے چلے اور پیدل اس کے جس طرف چاہے چلے۔“ حافظ ابن حجر نے کہا: اسے اصحاب سنن نے روایت کیا اور ابن حبان اور حاکم نے مغیرہ بن شعبہ کی مرفوع حدیث کو صحیح کہا۔ (فتح الباری) اور انیس الساری (۲۱۸۰) میں اسے صحیح کہا ہے۔ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: « رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَمْشُوْنَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ » [أبو داؤد : ۳۱۷۹، حدیث صحیح] ”میں نے نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ جنازے کے آگے چلتے تھے۔“

2 اور انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور لوگوں نے کہا: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: میرے گمان میں ان ”اور لوگوں“ سے مراد صحابی رسول عبد الرحمن بن قُرط رضی اللہ عنہ ہیں۔ سعید بن منصور نے کہا: ہمیں مسکین بن میمون نے بیان کیا کہ ہمیں عروہ بن رُویم نے کہا کہ عبد الرحمن بن قُرط رضی اللہ عنہ ایک جنازے میں شریک تھے، انھوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ آگے بڑھ گئے ہیں اور کچھ بہت پیچھے رہ گئے ہیں تو ان کے حکم پر جنازہ رکھ دیا گیا، پھر انھوں نے پتھر پھینک کر لوگوں کو جمع کیا، جب سب اکٹھے ہو گئے تو ان کے کہنے پر جنازہ اٹھایا گیا، پھر انھوں نے کہا: اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں چلو۔ (فتح الباری)

3 ”جنازے کو جلدی لے جاؤ“ میں سب سے پہلے ضروری بات یہ ہے کہ جتنی جلدی اس کے غسل، کفن، جنازے اور دفن سے فارغ ہو سکو اتنی جلدی یہ کام کرو۔ کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو تم جلد از جلد اسے اس کے بہترین مقام پر پہنچا دو گے اور اگر نیک نہیں تو تم جلد از جلد اس سے فارغ ہو جاؤ گے۔ آج کل لوگ میت کی تیاری اور دفن میں جو دیر کرتے ہیں یہ نبی ﷺ کے حکم کے خلاف ہے، البتہ اگر کوئی اچانک فوت ہو جائے اور اس پر سکتہ یا بے ہوشی وغیرہ کا خیال ہو تو اس کی موت کا یقین ہونے تک اسے دفن نہیں کرنا چاہیے۔

4 اگر کوئی کہے کہ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے کفن دفن میں دو دن کی تاخیر کیوں کی کہ آپ سوموار کو فوت ہوئے اور بدھ کی رات آپ کو دفن کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ایک خاص سبب تھا، وہ یہ کہ آپ کے بعد سب سے ضروری کام خلیفہ کا تقرر تھا، تاکہ امت خلیفہ کے بغیر نہ رہے، اس لیے جب خلافت کی بیعت مکمل ہو گئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کا جنازہ پڑھا اور آپ کو دفن کر دیا۔ (ابن عثیمین)

5 اس حدیث سے برے لوگوں کی صحبت سے جلد از جلد دور ہو جانے کا سبق ملتا ہے۔

٥٢- بَابُ قَوْلِ الْمَيِّتِ وَهُوَ عَلَى الْجَنَازَةِ: قَدِّمُونِي

52۔ باب: میت کا چارپائی پر پڑے ہوئے یہ کہنا کہ مجھے آگے لے چلو

١٣١٦- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ:

1316۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: ”جب میت کو (چارپائی پر) رکھا جاتا ہے، پھر مرد اسے اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں تو اگر

« إِذَا وُضِعَتِ الْجِنَازَةُ فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ، فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ: قَدِّمُونِي، وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ لِأَهْلِهَا: يَا وَيْلَهَا! أَيْنَ يَذْهَبُونَ بِهَا؟ يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ، وَلَوْ سَمِعَ الْإِنْسَانُ لَصَعِقَ » [راجع: ١٣١٤]

وہ نیک ہو تو کہتا ہے: مجھے آگے لے چلو۔" اور اگر نیک نہ ہو تو اپنے گھر والوں سے کہتا ہے: ہائے اس کی خرابی، اسے کہاں لے جا رہے ہیں؟ اس کی آواز انسان کے سوا ہر چیز سنتی ہے اور اگر انسان اسے سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔"

فوائد: 1 یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے میت کی آواز ہم سے مخفی رکھی ہے، اگر ہم اسے سنتے تو بے ہوش ہو جاتے، اس کے علاوہ اگر اس کی آواز سنائی دیتی تو میت کے گھر والوں اور دوستوں کی زبردست دل شکنی ہوتی اور میت کی رسوائی تو ظاہر ہی ہے۔ اسی طرح اس کے " قَدِّمُونِي " (مجھے آگے لے جاؤ) کو سننے سے ہو سکتا ہے کہ بدعتی لوگ اس کے زیادہ معتقد ہو کر اس کی قبر کو مزار بنا لیتے، اس کا وسیلہ اور اس کی پرستش شروع ہو جاتی۔ (ابن عثیمین) 2 " لَصَعِقَ " (مارے دہشت کے دم نکل جائے): یہ بھی اللہ کی حکمت ہے، اگر آدمی بھی اس کی آواز سنتے تو ایمان بالغیب نہ رہتا، سب مومن ہو جاتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے منشا کے خلاف ہے، کیونکہ اسے دوزخ اور بہشت دونوں کا آباد کرنا منظور ہے۔ (تیسیر الباری)

٥٣- بَابُ مَنْ صَفَّ صَفَّيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً عَلَى الْجِنَازَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ

53- باب: امام کے پیچھے جنازے کے لیے دو یا تین صفیں بنانا

١٣١٧- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، عَنْ أَبِي عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى عَلَى النَّجَاشِيِّ، فَكُنْتُ فِي الصَّفِّ الثَّانِي أَوِ الثَّالِثِ. [انظر: ١٣٢٠، ١٣٣٤، ٣٨٧٧، ٣٨٧٨، ٣٨٧٩، وانظر في الجنائز، باب: ٥٦- أخرجه مسلم: ٩٥٢ بدون قوله « فكنت ...... الخ »]

1317- جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی پر نماز جنازہ پڑھی اور میں دوسری یا تیسری صف میں تھا۔

فوائد: 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جنازہ پڑھنے والے زیادہ ہوں تو دو یا تین یا زیادہ صفیں بنا لینی چاہییں، کیونکہ ظاہر ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نجاشی رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع دی اور صحابہ کو اس کا جنازہ پڑھنے کے لیے ساتھ جانے کو کہا تو کافی لوگ ساتھ گئے ہوں گے۔ اگر جنازہ پڑھنے والے لوگ کم ہوں تو کیا ان کی بھی ضرور تین صفیں بنانی

چاہییں؟ تو واضح رہے کہ لوگ کم ہوں یا زیادہ رسول اللہ ﷺ سے تین صفیں بنانے کی کوئی حدیث صحیح نہیں۔ اس لیے ضرورت کے مطابق تین یا اس سے کم یا اس سے زیادہ صفیں بنا سکتے ہیں۔

2 اس حدیث میں جابر رضی اللہ عنہ نے شک کے ساتھ دو یا تین صفوں کا ذکر کیا ہے مگر صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں ان کی روایت میں بغیر شک کے کل دو صفیں بنانے کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس میں جابر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ أَخًا لَكُمْ قَدْ مَاتَ، فَقُومُوا فَصَلُّوا عَلَيْهِ، قَالَ : فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا صَفَّيْنِ »[مسلم : ٦٦/٩٥٢۔ ابن ماجه : ١٥٣٦۔ نسائي : ١٩٧٣] ”تمھارا ایک بھائی فوت ہو گیا ہے، اٹھو اور اس کا جنازہ پڑھو۔“ تو ہم کھڑے ہوئے اور آپ نے ہماری دو صفیں بنائیں۔“ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حدیث (۱۳۲۰) میں جابر رضی اللہ عنہ سے تعلیقاً جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ میں دوسری صف میں تھا، اس لیے حاضرین کی تعداد کے لحاظ سے جتنی صفیں بنالی جائیں درست ہیں۔ مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث: «مَنْ صَلَّى عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوفٍ فَقَدْ أَوْجَبَ »[ترمذي : ١٠٢٨] (جس شخص پر تین صفیں نماز جنازہ پڑھیں اس نے جنت واجب کر لی) صحیح نہیں، کیونکہ اس میں محمد بن اسحاق نے ” عَنْ “ کے لفظ کے ساتھ روایت کی ہے جب کہ وہ مدلس ہیں۔

٥٤۔ بَابُ الصُّفُوفِ عَلَى الْجِنَازَةِ

54۔ باب: نمازِ جنازہ میں صفیں

١٣١٨۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : نَعَى النَّبِيُّ ﷺ إِلَى أَصْحَابِهِ النَّجَاشِيَّ، ثُمَّ تَقَدَّمَ فَصَفُّوا خَلْفَهُ، فَكَبَّرَ أَرْبَعًا . [راجع : ١٢٤٥۔ أخرجه مسلم : ٩٥١]

1318۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو نجاشی کی موت کی اطلاع دی، پھر آپ آگے ہوئے اور صحابہ نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں، پھر آپ نے چار تکبیریں کہیں۔

١٣١٩۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي مَنْ شَهِدَ النَّبِيَّ ﷺ : أَتَى عَلَى قَبْرٍ مَنْبُوذٍ، فَصَفَّهُمْ وَكَبَّرَ أَرْبَعًا، قُلْتُ : مَنْ حَدَّثَكَ ؟ قَالَ : ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا . [راجع : ٨٥٧۔ اخرجه مسلم : ٩٥٤ باختلاف]

1319۔ شعبی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے اس شخص نے بیان کیا جو نبی ﷺ کے پاس موجود تھا کہ آپ ایک الگ تھلگ قبر پر آئے تو صحابہ کی صفیں بنائیں اور چار تکبیریں کہیں۔ (شیبانی کہتے ہیں:) میں نے (شعبی سے) کہا: آپ کو کس نے بیان کیا؟ تو انھوں نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے۔

١٣٢٠ـ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا هِشَامُ ابْنُ يُوسُفَ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «قَدْ تُوُفِّيَ الْيَوْمَ رَجُلٌ صَالِحٌ مِنَ الْحَبَشِ، فَهَلُمَّ فَصَلُّوا عَلَيْهِ» قَالَ: فَصَفَفْنَا، فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْهِ وَنَحْنُ مَعَهُ صُفُوفٌ.

1320۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”آج حبش کا ایک صالح آدمی فوت ہوگیا، آؤ اس پر نمازِ جنازہ پڑھیں۔“ تو ہم نے صفیں بنا لیں، پھر نبی ﷺ نے اس پر نماز پڑھی اور ہم آپ کے ساتھ صفوں میں تھے۔

قَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ: كُنْتُ فِي الصَّفِّ الثَّانِي. [راجع: ١٣١٧ـ أخرجه مسلم: ٩٥٢ مختصراً]

ابو الزبیر نے جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ میں دوسری صف میں تھا۔

فائدہ: ابن بطال نے کہا: بخاری نے عطا رحمہ اللہ کے قول کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی جو عبدالرزاق نے ابن جریج سے بیان کیا ہے، انھوں نے کہا: میں نے عطا سے کہا: کیا لوگوں کے لیے جنازے میں صفیں درست کرنا ضروری ہے، جس طرح وہ نماز میں درست کرتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: نہیں۔ اس میں صرف تکبیریں کہتے اور بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اور ابن المُنَیِّر نے کہا: مصنف نے پچھلا باب اس لیے دہرایا ہے کہ اس میں دو سے زیادہ صفوں کی بات جزم سے نہیں تھی۔ اس باب میں لفظ ”صُفُوفٌ“ سے معلوم ہوا کہ دو سے زیادہ صفیں بنائی جا سکتی ہیں، تین ہوں یا چار یا زیادہ۔ (ملخص فتح الباری)

٥٥ـ بَابُ صُفُوفِ الصِّبْيَانِ مَعَ الرِّجَالِ عَلَى الْجَنَائِزِ

55۔ باب: جنازوں میں مردوں کے ساتھ بچوں کی صفیں

١٣٢١ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَامِرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ بِقَبْرٍ قَدْ دُفِنَ لَيْلًا، فَقَالَ: «مَتَى دُفِنَ هَذَا؟» قَالُوا: الْبَارِحَةَ، قَالَ: «أَفَلَا آذَنْتُمُونِي؟» قَالُوا: دَفَنَّاهُ فِي ظُلْمَةِ اللَّيْلِ فَكَرِهْنَا أَنْ نُوقِظَكَ، فَقَامَ

1321۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جس میں میت کو رات میں دفن کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: ”اسے کب دفن کیا گیا ہے؟“ لوگوں نے بتایا: گزشتہ رات۔ آپ نے فرمایا: ”تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟“ انھوں نے کہا: ہم نے اسے رات کے اندھیرے میں دفن کیا، اس لیے ہم نے آپ کو

فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ . قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : وَ أَنَا فِيهِمْ، فَصَلَّى عَلَيْهِ . [راجع : ٨٥٧- أخرجه مسلم : ٩٥٤ باختلاف]

اطلاع دینا پسند نہیں کیا۔ اس پر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صفیں بنالیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں بھی ان میں موجود تھا تو آپ نے اس پر نماز پڑھی۔

فائدہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے زمانے میں بالغ نہیں ہوئے تھے، کیونکہ جب وہ حجۃ الوداع میں آئے تو بلوغت کے قریب تھے۔ اس سے باب کا مسئلہ ثابت ہوا کہ بچے مردوں کے ساتھ صف میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ نکلا کہ جس نے میت کے جنازے پر نماز نہ پڑھی ہو وہ اس کی قبر پر نماز پڑھ سکتا ہے اور یہ بھی نکلا کہ رات کو دفن کرنے میں کوئی قباحت نہیں، چاروں خلیفہ رات ہی کو دفن ہوئے، بلکہ رسول اللہ ﷺ بھی بدھ کی رات کو دفن ہوئے اور جس حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے شاید وہ اوائلِ اسلام کی ہے، پھر آپ نے اس کی اجازت دے دی۔ (تیسیر الباری)

٥٦- بَابُ سُنَّةِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَائِزِ

56۔ باب: جنازوں پر نماز کا مسنون طریقہ

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « مَنْ صَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ » [راجع : ٤٧] وَقَالَ : « صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ » [انظر : ٢٢٨٩] وَقَالَ : « صَلُّوا عَلَى النَّجَاشِيِّ » [راجع : ١٣١٧] سَمَّاهَا صَلَاةً ، لَيْسَ فِيهَا رُكُوعٌ وَلَا سُجُودٌ وَلَا يُتَكَلَّمُ فِيهَا، وَفِيهَا تَكْبِيرٌ وَتَسْلِيمٌ .

اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جنازے پر نماز پڑھی۔'' اور آپ نے فرمایا: ''اپنے ساتھی پر نماز پڑھو۔'' اور آپ نے فرمایا: ''نجاشی پر نماز پڑھو۔'' آپ نے اس کا نام ''صلاۃ'' رکھا، اس میں نہ رکوع ہے نہ سجود اور اس میں کلام نہیں کیا جاتا اور اس میں تکبیر بھی ہے اور سلام بھی۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ : لَا يُصَلِّي إِلَّا طَاهِرًا، وَلَا يُصَلِّي عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبِهَا، وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ .

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما باوضو ہونے کے بغیر نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی اسے سورج طلوع ہونے یا غروب ہونے کے وقت پڑھتے تھے اور رفع الیدین کرتے تھے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ : أَدْرَكْتُ النَّاسَ وَأَحَقُّهُمْ عَلَى جَنَائِزِهِمْ مَنْ رَضُوهُمْ لِفَرَائِضِهِمْ، وَإِذَا أَحْدَثَ يَوْمَ الْعِيدِ أَوْ عِنْدَ الْجَنَازَةِ يَطْلُبُ الْمَاءَ وَلَا يَتَيَمَّمُ، وَإِذَا انْتَهَى إِلَى الْجَنَازَةِ وَهُمْ يُصَلُّونَ يَدْخُلُ مَعَهُمْ

اور حسن (بصری) نے کہا: میں نے لوگوں کو پایا کہ ان کے جنازوں (کی امامت) کے سب سے زیادہ حق دار وہی ہوتے تھے جنھیں وہ اپنی فرض نمازوں (کی امامت) کے لیے پسند کرتے تھے۔ اور جب عید کے دن یا جنازے کے

بِتَكْبِيرَةٍ.

وقت آدمی کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ پانی تلاش (کر کے وضو) کرے، تیمم نہ کرے اور جب کسی جنازے کے پاس پہنچے اور لوگ نماز پڑھ رہے ہوں تو ''اللہ اکبر'' کہہ کر ان کے ساتھ ملے۔

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: يُكَبِّرُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالسَّفَرِ وَالْحَضَرِ أَرْبَعًا. وَقَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: تَكْبِيرَةُ الْوَاحِدَةِ اسْتِفْتَاحُ الصَّلَاةِ، وَقَالَ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا﴾ [التوبة: ٨٤] وَفِيهِ صُفُوفٌ وَإِمَامٌ.

اور ابن مسیب نے کہا: رات ہو یا دن، سفر ہو یا حضر چار تکبیریں کہے۔ اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک تکبیر نماز شروع کرنے کی ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اس کی کبھی نماز جنازہ نہ پڑھنا۔'' اور اس نماز میں صفیں ہوتی ہیں اور امام بھی ہوتا ہے۔

١٣٢٢- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ مَرَّ مَعَ نَبِيِّكُمْ ﷺ عَلَى قَبْرٍ مَنْبُوذٍ، فَأَمَّنَا فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، فَقُلْنَا: يَا أَبَا عَمْرٍو! مَنْ حَدَّثَكَ؟ قَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا. [راجع: ٨٥٧- أخرجه مسلم: ٩٥٤ باختلاف]

1322- شیبانی نے شعبی سے روایت کی، انھوں نے کہا: مجھے اس شخص نے بیان کیا جو تمھارے نبی ﷺ کے ساتھ ایک الگ تھلگ قبر کے پاس سے گزرا تو آپ نے ہماری امامت کروائی اور ہم نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں۔ (شیبانی کہتے ہیں:) ہم نے (شعبی سے) کہا: اے ابو عمرو! آپ کو کس نے بیان کیا؟ انھوں نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے۔

فوائد ومسائل: 1 ترجمۃ الباب کے الفاظ '' سُنَّةُ الصَّلَاةِ '' میں نماز جنازہ کی شرائط اور فرائض وسنن سبھی شامل ہیں، یعنی جس طریقے سے رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ ادا کرتے تھے، صرف نماز جنازہ کی سنتیں اور مستحبات مراد نہیں۔

2 بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر نماز جنازہ شروع ہو جائے اور کسی شخص کو خطرہ ہو کہ اگر وہ وضو کرنے لگے تو نماز نکل جائے گی، تو اگر پانی موجود بھی ہو تو تیمم کر کے نماز میں شامل ہو جائے۔ اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ نماز جنازہ درحقیقت دعا کی ایک صورت ہے، اصل نماز نہیں ہے، کیونکہ اس میں نہ رکوع ہے نہ سجود، اس لیے اس میں وضو کا وہ اہتمام ضروری نہیں جو دوسری نمازوں میں ضروری ہے، کیونکہ ان نمازوں میں پانی موجود ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں، فرمایا: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [المائدة: ٦] ''پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔'' امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ نماز جنازہ میں نماز کی تمام شرائط وارکان اور فرائض وسنن کا خیال رکھا جائے گا، صرف اس میں رکوع اور سجدہ نہیں، اور اس کی حکمت بالکل واضح ہے کہ جنازہ میں میت سامنے ہونے کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ رکوع وسجود میت کو کیا جا رہا

ہے۔ ان دو ارکان کے علاوہ باقی بھی چیزیں نماز والی ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ نے اس کا نام ''صلاۃ'' رکھا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کا جنازہ پڑھنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا﴾ [التوبۃ: ۸۴] ''اور ان میں سے جو کوئی مر جائے کبھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھنا۔'' اور نبی ﷺ نے متعدد احادیث میں اس کا نام ''صلاۃ'' رکھا ہے، چنانچہ امام بخاری نے یہاں ان میں سے تین احادیث کا تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ بھی دوسری نمازوں کی طرح ''اللہ اکبر'' سے شروع ہوتی ہے اور سلام پر ختم ہوتی ہے۔ اگر کوئی بعد میں آئے تو اسے بھی ''اللہ اکبر'' کہہ کر نماز میں شامل ہونا پڑے گا۔ دوسری نمازوں کی طرح اس میں کلام جائز نہیں، اس لیے اس میں دوسری نمازوں کی طرح وضو بھی ضروری ہے اور تیمم صرف پانی نہ ہونے کی صورت میں کیا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ دوسری نمازوں کی طرح اس میں قبلہ کی طرف رخ بھی ضروری ہے اور فاتحہ کی قراءت بھی ضروری ہے۔ اس میں صفیں بھی ہوتی ہیں اور امام بھی۔ اس کے بعد امام صاحب نے بعض صحابہ اور تابعین کے آثار تائید کے لیے پیش کیے ہیں۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہمیشہ باوضو ہی نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے اور دوسری نمازوں کی طرح عین طلوع یا غروب آفتاب کے وقت نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جب کہ طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز کے سوا کسی عمل کی ممانعت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اسے نمازوں کی طرح ایک نماز سمجھتے تھے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ کی تکبیروں میں رفع الیدین کرتے تھے، یہ بھی دلیل ہے کہ وہ اسے نمازوں میں سے ایک نماز سمجھتے تھے۔ حسن بصری نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز جنازہ کی امامت کا سب سے زیادہ حق دار اس کو سمجھتے تھے جسے وہ اپنی فرض نمازوں کی امامت کے لیے پسند کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ اسے دوسری نمازوں کی طرح نماز سمجھتے تھے، اگر وہ اسے صرف دعا سمجھتے تو ان چیزوں کا اہتمام نہ کرتے۔

3 وَإِذَا أَحْدَثَ ...... : اور جب عید کے دن یا جنازے کے وقت آدمی کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ پانی تلاش کر کے وضو کرے، تیمم نہ کرے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: یہ الفاظ امام بخاری کے ترجمۃ الباب کے بھی ہو سکتے ہیں اور حسن بصری کے قول کا باقی حصہ بھی۔ مجھے حسن بصری سے اس مسئلے میں مختلف قول ملے ہیں۔ چنانچہ سعید بن منصور کی روایت میں ہے کہ حسن بصری سے اس آدمی کے متعلق سوال کیا گیا جو جنازے کے وقت بے وضو ہو، اگر وضو کرنے لگے تو جنازہ نکل جاتا ہے؟ انھوں نے کہا: تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ اور ابن ابی شیبہ (۴۹۸/۲، ح: ۱۱۴۷۵) کی روایت میں ہے کہ تیمم نہ کرے اور وضو کے بغیر نماز نہ پڑھے۔ (فتح الباری) معلوم یہ ہوتا ہے کہ اگر امام بخاری نے یہ حسن بصری کا قول نقل کیا ہے تو انھوں نے اس کے اس قول کو راجح قرار دیا ہے جو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ اور اگر ان کا اپنا قول ہے تو اس سے ان کا موقف صاف واضح ہو رہا ہے۔

4 نماز جنازہ کی تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین کرنا چاہیے یا نہیں؟ امام بخاری نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ذکر کیا ہے کہ وہ ان تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔ یہ اگرچہ صحابی کا عمل ہے، مگر حکماً مرفوع ہے، کیونکہ صحابی یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا، نہ یہ اسرائیلیات سے تعلق رکھنے والی بات ہے اور نہ ہی اس میں قیاس کا دخل ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کی سند صحیح

ہے، اس کے علاوہ یہ روایت مرفوع بھی آئی ہے۔ چنانچہ فتح الباری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت پر شیخ عبدالعزیز ابن باز نے حاشیہ پر لکھا ہے: ''اسے دارقطنی نے العلل میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جید سند کے ساتھ مرفوعاً (نبی ﷺ کا عمل) روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ درست یہ ہے کہ یہ موقوف یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل ہے، کیونکہ اسے مرفوع یعنی رسول اللہ ﷺ کا عمل عمر بن شبہ کے سوا کسی نے بیان نہیں کیا۔ مگر زیادہ ظاہر بات یہی ہے کہ اس علت کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ عمر بن شبہ راوی ثقہ ہے، اس لیے اس کا مرفوع بیان کرنا قبول کیا جائے گا، کیونکہ یہ ثقہ کے بیان کردہ زائد الفاظ ہیں جو ائمہ حدیث کے ہاں راجح قول کے مطابق قبول کیے جائیں گے اور یہ جنازے کی تکبیرات میں رفع الیدین کی دلیل ہو گی۔'' جنازے میں رفع الیدین سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ نماز ہے اور اس میں رکوع و سجود چھوڑ کر نماز کے دوسرے سب شروط و ارکان و سنن ہوں گے، اس لیے اسے وضو کے بغیر پڑھنا درست نہیں ہوگا۔

5 جنازے کا مسنون طریقہ بیان کرتے ہوئے امام صاحب نے اس میں چار تکبیرات کا ذکر کیا ہے، جن میں سے پہلی تکبیر نماز شروع کرنے کی تکبیر ہوگی۔ اگر کوئی جنازے کے درمیان آئے تو اسے بھی ''اللہ اکبر'' کہہ کر جنازے میں شامل ہونا ہوگا اور وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد تکبیریں پوری کر کے سلام پھیرے گا۔ اگر جنازہ صرف دعا اور استغفار ہی ہے تو اس میں شامل ہونے کے لیے تکبیر کی کیا ضرورت ہے؟

6 ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث لانے کا مطلب یہ ہے کہ جنازہ ایک نماز ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے صفیں بنائیں، پھر امامت کروائی۔ اگر یہ صرف دعا اور استغفار ہو تو صفیں بنانے، امامت کرنے، تکبیر سے شروع کرنے، سلام کے ساتھ ختم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے اس میں رکوع و سجود کے سوا نماز کی ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھا جائے گا جو دوسری نمازوں میں ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔

۵۷۔ بَابُ فَضْلِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ

57۔ باب: جنازوں کے ساتھ جانے کی فضیلت

وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : إِذَا صَلَّيْتَ فَقَدْ قَضَيْتَ الَّذِي عَلَيْكَ . وَقَالَ حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ : مَا عَلِمْنَا عَلَى الْجِنَازَةِ إِذْنًا وَلَكِنْ مَنْ صَلَّى ثُمَّ رَجَعَ فَلَهُ قِيرَاطٌ .

اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تم نے نماز جنازہ پڑھ لی تو تم نے (میت کا) وہ حق ادا کر دیا جو تم پر واجب تھا۔ اور حُمید بن ہلال نے کہا: ہمیں جنازے کے بعد اجازت لینے کی بات (سلف سے) معلوم نہیں ہوئی، لیکن جو نماز پڑھ کر واپس آ جائے اسے ایک قیراط ملے گا۔

فائدہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جنازے میں شریک سب لوگوں کے لیے قبرستان جانا ضروری نہیں، اگر کوئی جائے تو زیادہ ثواب ہے۔ حُمید بن ہلال کا قول لانے کا مقصد ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اگر کوئی صرف

نماز پڑھ کر گھر جانا چاہے تو وارثوں سے اجازت لے کر جائے۔ حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس مطلب کی کچھ مرفوع احادیث ذکر کر کے ان کا ثابت نہ ہونا بیان کیا ہے۔ امام بخاری نے حمید بن ہلال کا قول لا کر ایسی احادیث کے ناقابل قبول ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آج کل میت کے بعض وارث خود ہی جنازے کے بعد اعلان کرتے ہیں کہ جو جانا چاہے اسے ہماری طرف سے اجازت ہے، یہ اعلان نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ خیر القرون میں اس کا سراغ نہیں ملتا۔ بعض حضرات یہ اعلان کرتے ہیں کہ ''قل'' فلاں دن فلاں وقت پر ہوگا، یہ اجتماع نوحہ ہونے کے علاوہ ہندوؤں کی رسم ہونے کی وجہ سے بھی ناجائز ہے۔

١٣٢٣- حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ نَافِعًا يَقُولُ: حُدِّثَ ابْنُ عُمَرَ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ يَقُولُ: مَنْ تَبِعَ جِنَازَةً فَلَهُ قِيرَاطٌ. فَقَالَ: أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَلَيْنَا. [راجع: ٤٧- أخرجه مسلم: ٩٤٥ مع الحديث الآتي]

1323۔ نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بیان کیا گیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو جنازے کے ساتھ جائے اسے ایک قیراط ملے گا، تو انھوں نے کہا: ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے ہمیں بہت زیادہ حدیثیں بیان کر دی ہیں۔

١٣٢٤- فَصَدَّقَتْ - يَعْنِي عَائِشَةَ - أَبَا هُرَيْرَةَ وَقَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُهُ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: لَقَدْ فَرَّطْنَا فِي قَرَارِيطَ كَثِيرَةٍ.

1324۔ تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی اور کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم نے بہت زیادہ قیراطوں کا نقصان کیا ہے۔

﴿فَرَّطْتُ﴾ [الزمر: ٥٦] ضَيَّعْتُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ. [راجع: ٤٧- أخرجه مسلم: ٩٤٥ مع الحديث السابق]

(سورۂ زمر میں) '' فَرَّطْتُ '' کا معنی ہے کہ میں نے اللہ کے حکم کو ضائع کیا۔

فوائد: 1 أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَلَيْنَا: ان الفاظ سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مطلب یہ نہیں تھا کہ معاذ اللہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جھوٹے ہیں، بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ انھوں نے بہت حدیثیں بیان کی ہیں، اس میں بھولنے کا بھی امکان ہے۔ '' أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَلَيْنَا '' کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس عمل کا بہت زیادہ اجر بتا دیا ہے۔ سنن سعید بن منصور میں ولید بن عبدالرحمٰن کی روایت میں اور مسند مسدد اور مسند احمد (۴۴۵۳) میں صحیح سند کے ساتھ یہ الفاظ ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: «اُنْظُرْ مَا تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» ''دیکھو تم رسول اللہ ﷺ سے کیا بیان کر رہے ہو۔'' تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑ کر عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے گئے اور ان سے کہنے لگے: ام المومنین! میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے؟

تو انھوں نے کہا: « اَللّٰهُمَّ نَعَمْ ! » ”ہاں! میں نے سنا ہے۔“ اس پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: « إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَشْغَلُنِي عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَرْسُ الْوَدِيِّ وَلَا صَفْقٌ بِالْأَسْوَاقِ، إِنِّي إِنَّمَا كُنْتُ أَطْلُبُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَةً يُعَلِّمُنِيْهَا وَ أُكْلَةً يُطْعِمُنِيْهَا » ”مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس رہنے سے نہ تو کھجوروں کے پودے زمین میں لگانے کی وجہ سے کوئی رکاوٹ تھی، نہ بازار میں خرید وفروخت کی وجہ سے، میں رسول اللہ ﷺ سے یا تو علم کی کسی بات کی طلب رکھتا تھا جو آپ مجھے سکھا دیتے یا ایک لقمے کی جو آپ مجھے کھلا دیتے۔“ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: « أَنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ! كُنْتَ أَلْزَمَنَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَعْلَمَنَا بِحَدِيْثِهِ » ”واقعی اے ابوہریرہ! تم ہم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے والے اور آپ کی حدیث کو ہم سے زیادہ جاننے والے تھے۔“

2 اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اگر کسی بات میں شک ہوتا تو وہ اس کی تحقیق کر لیا کرتے تھے اور جب بات درست ثابت ہوتی تو اسے قبول کرنے میں دیر نہیں کرتے تھے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی تصدیق کے بعد زیادہ قیراط حاصل کرنے میں کوتاہی پر افسوس کا اظہار کیا۔

3 حافظ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس قصے سے ظاہر ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حفظ میں دوسرے صحابہ سے کس قدر ممتاز تھے اور ان کے پاس حدیث کا علم کتنا زیادہ تھا، حتیٰ کہ خود ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس بات کا اقرار کیا اور یہ کہ علماء کا ایک دوسرے کی بات پر تعجب کرنا قدیم سے آ رہا ہے اور یہ کہ عالم کو جس بات کا علم نہ ہو اسے نئی بات انوکھی معلوم ہوتی ہے اور یہ کہ جس شخص کو کوئی بات اچھی طرح معلوم ہو اسے اس شخص کے اعتراض کی پروا نہیں کرنی چاہیے جسے وہ بات معلوم نہ ہو۔

4 حافظ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مجھے یہ حدیث ابوہریرہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ دس صحابہ سے ملی ہے جن میں سے پانچ کی سندیں صحیح ہیں اور پانچ کی ضعیف ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے ان سب کی تفصیل لکھی ہے۔ (فتح الباری)

5 امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ قرآن کی آیتوں میں جو لفظ وارد ہیں اگر حدیث میں کہیں وہی لفظ آتا ہے تو اس کے ساتھ قرآن کے لفظ کی بھی تفسیر کر دیتے ہیں، یہاں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے کلام میں ” فَرَّطْنَا “ کا لفظ آیا اور قرآن میں بھی ﴿ فَرَّطْتُ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ ﴾ [الزمر : ٥٦] آیا ہے تو اس کی تفسیر کر دی، یعنی میں نے اللہ کا حکم کچھ ضائع کر دیا۔ (تیسیر الباری)

٥٨ - بَابُ مَنِ انْتَظَرَ حَتّٰى تُدْفَنَ

58۔ باب: جو شخص دفن تک ٹھہر کر انتظار کرے

١٣٢٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ : قَرَأْتُ عَلَى ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ

1325۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص جنازے میں شریک ہو، یہاں تک کہ نماز پڑھی جائے اس کے لیے ایک قیراط ہے اور جو دفن کیے

عَنْهُ فَقَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ، ح حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، حَدَّثَنَا يُونُسُ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجُ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتَّى يُصَلِّيَ فَلَهُ قِيرَاطٌ، وَمَنْ شَهِدَ حَتَّى تُدْفَنَ كَانَ لَهُ قِيرَاطَانِ» قِيلَ: وَمَا الْقِيرَاطَانِ؟ قَالَ: «مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ» [راجع: ٤٧- أخرجه مسلم: ٩٤٥]

جانے تک شریک رہے اس کے لیے دو قیراط ہیں۔" آپ ﷺ سے پوچھا گیا: وہ دو قیراط کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "دو عظیم پہاڑوں کی طرح۔"

فائدہ اس حدیث کے بعض فوائد حدیث (۴۷) میں گزر چکے ہیں۔ دو عظیم پہاڑوں کی طرح، یعنی دنیا کا قیراط مت سمجھو جو درہم کا بارھواں حصہ ہوتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آخرت کے قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہیں۔ (تیسیر الباری)

٥٩- بَابُ صَلَاةِ الصِّبْيَانِ مَعَ النَّاسِ عَلَى الْجَنَائِزِ

59۔باب: جنازوں پر لوگوں کے ساتھ بچوں کا نماز پڑھنا

فائدہ اس سے پہلے باب (۵۵) میں امام بخاری بچوں کا مردوں کی صفوں میں جنازے کی نماز میں کھڑا ہونا بیان کر آئے ہیں، گو اس سے یہ بھی نکلتا تھا کہ بچے جنازے کی نماز پڑھیں مگر اس باب سے اس مطلب کو صاف کر دیا کہ صرف بالغ مردوں ہی کو نہیں بچوں کو بھی جنازے کی نماز میں شریک ہونا چاہیے اور وہ بھی قیراط حاصل کرنے والوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔

١٣٢٦- حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ أَبِي بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَامِرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَتَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَبْرًا، فَقَالُوا: هَذَا دُفِنَ أَوْ دُفِنَتِ الْبَارِحَةَ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: فَصَفَّنَا خَلْفَهُ، ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا. [راجع: ٨٥٧- أخرجه مسلم: ٩٥٤ باختلاف]

1326۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر پر آئے تو لوگوں نے بتایا کہ اسے گزشتہ رات دفن کیا گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تو ہم نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں، پھر آپ نے اس پر نماز پڑھی۔

فائدہ اس حدیث کے فوائد حدیث (٨٥٧) اور (١٣٢١) میں گزر چکے ہیں۔

٦٠ـ بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَائِزِ بِالْمُصَلَّى وَالْمَسْجِدِ

60۔ باب: عیدگاہ اور مسجد میں جنازوں پر نماز پڑھنا

١٣٢٧ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: نَعَى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ النَّجَاشِيَّ صَاحِبَ الْحَبَشَةِ يَوْمَ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، فَقَالَ: «اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ» [راجع: ١٢٤٥ـ أخرجه مسلم: ٩٥١ مع الحديث الآتي]

1327۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس دن نجاشی (رحمہ اللہ) کی وفات کی اطلاع دی جس دن وہ فوت ہوا اور آپ نے فرمایا: ''اپنے بھائی کے لیے بخشش کی دعا کرو۔''

١٣٢٨ـ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَفَّ بِهِمْ بِالْمُصَلَّى، فَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا. [راجع: ١٢٤٥ـ أخرجه مسلم: ٩٥١ مع الحديث السابق]

1328۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عیدگاہ میں ان کی صفیں بنائیں اور آپ نے اس پر چار تکبیریں کہیں۔

١٣٢٩ـ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ الْيَهُودَ جَاؤُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِرَجُلٍ مِنْهُمْ وَامْرَأَةٍ زَنَيَا، فَأَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا قَرِيبًا مِنْ مَوْضِعِ الْجَنَائِزِ عِنْدَ الْمَسْجِدِ. [انظر: ٣٦٣٥، ٤٥٥٦، ٦٨١٩، ٦٨٤١، ٧٣٣٢، ٧٥٤٣ـ أخرجه مسلم: ١٦٩٩ بدون ذكر «الجنائز»]

1329۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہود نبی ﷺ کے پاس اپنے ایک مرد اور ایک عورت کو لے کر آئے جنھوں نے زنا کیا تھا، تو آپ نے ان کے بارے میں حکم دیا اور ان دونوں کو مسجد کے پاس جنازوں کی جگہ کے قریب رجم کر دیا گیا۔

فوائد 1 پہلی حدیث میں نجاشی رحمہ اللہ کے لیے استغفار کے حکم کا ذکر ہے، دوسری حدیث میں وضاحت ہے کہ آپ نے ''مصلیٰ'' میں صحابہ کی صفیں بنا کر نجاشی رحمہ اللہ کے جنازے میں چار تکبیریں کہیں۔

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاں لکھا ہے: ابن بطال نے ابن حبیب سے نقل کیا ہے کہ ''مصلی الجنائز'' (جنازگاہ) مدینہ میں مسجد نبوی کے ساتھ مشرق کی جانب ملی ہوئی تھی۔ (فتح الباری) اور ''بَابُ الرَّجْمِ بِالْمُصَلّٰی'' کی شرح میں لکھا ہے کہ ''اَلْمُصَلّٰی'' سے مراد وہ جگہ ہے جس کے پاس عید اور جنازے پڑھے جاتے تھے۔ یہ بقیع الغرقد (قبرستان) کی طرف واقع ہے اور صحیح مسلم (۱۶۹۴) میں ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: «فَأَمَرَنَا أَنْ نَرْجُمَهُ، فَانْطَلَقْنَا بِهِ إِلٰى بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ» ''نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اسے رجم کر دیں تو ہم اسے بقیع الغرقد کی طرف لے گئے۔'' (فتح الباری) واضح رہے کہ بقیع الغرقد (قبرستان) بھی مسجد نبوی کے مشرق کی جانب ہے۔ مسجد اور قبرستان کے درمیان ایک وسیع میدان تھا جسے ''مصلی'' کہا جاتا تھا، جس میں نمازِ عید اور نمازِ جنازہ پڑھی جاتی تھیں اور اسی میدان کے کسی حصے میں زانیوں کو رجم بھی کیا جاتا تھا۔

3 ''مُصَلّٰی'' میں جنازوں کے علاوہ نمازِ عید بھی پڑھی جاتی تھی۔ اس سے مسجد میں جنازہ بھی ثابت ہو گیا۔ بعض لوگ مسجد میں جنازہ پڑھنا جائز نہیں سمجھتے، کیونکہ ان کے نزدیک میت نجس ہے، اسے مسجد میں لانا جائز نہیں۔ مگر ان کی یہ بات درست نہیں، کیونکہ مومن زندہ ہو یا فوت شدہ نجس نہیں ہوتا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ» [بخاري: ۲۸۵] ''مومن نجس نہیں ہوتا۔'' آپ ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے فوت ہونے کے بعد انھیں بوسہ دیا، حدیث کے الفاظ ہیں: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ وَهُوَ مَيِّتٌ» [ترمذي: ۹۸۹، حديث صحيح] نبی ﷺ نجس کو بوسہ کیسے دے سکتے تھے؟ مسجد میں جنازے کے جواز کی دلیل صحیح مسلم کی حدیث (۹۷۳) بھی ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ انھیں مسجد کے اندر لاؤ، تاکہ میں بھی ان کا جنازہ پڑھوں۔ ان کی اس بات کا انکار کیا گیا تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے دو بیٹوں سہیل رضی اللہ عنہ اور اس کے بھائی کا جنازہ مسجد میں پڑھا تھا۔ مسجد میں جنازہ ناجائز بتانے والوں نے اس میں یہ بات نکالی ہے کہ صحابہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس بات کا انکار کیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ عمل صحابہ کے نزدیک جائز نہیں تھا، مگر یہ بات اس لیے درست نہیں کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے انکار کا رد کیا اور رسول اللہ ﷺ کے عمل کا حوالہ دیا تو سب نے اُن کی بات تسلیم کی۔ معلوم ہوا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو یہ مسئلہ یاد تھا، صحابہ کو نہیں۔ اور ابن ابی شیبہ (۴۴/۳، ح: ۱۱۹۶۸) وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں پڑھا اور صہیب رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں پڑھا اور ابن سعد (۲۰۶/۳) نے ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: «أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَ عُمَرَ صُلِّيَ عَلَيْهِمَا فِي الْمَسْجِدِ تُجَاهَ الْمِنْبَرِ» ''ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا جنازہ مسجد میں منبر کے سامنے (رکھ کر) پڑھا گیا تھا۔'' اس کا تقاضا ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ کے جواز پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (ملخص فتح الباری)

سنن ابی داود (۳۱۹۱) میں جو آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا شَيْءَ لَهُ» ''جس نے مسجد میں کسی میت کا جنازہ پڑھا اس کے لیے کوئی چیز نہیں۔'' تو اول تو ابوداود کے نسخوں میں اختلاف

ہے، کسی میں " فَلَا شَيْءَ لَهُ " ہے اور کسی میں " فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ " ہے، یعنی اس پر کوئی حرج نہیں، پھر اس کی سند میں ایک راوی صالح مولی توأمہ متکلم فیہ ہے، ایسی روایت سند کے لحاظ سے صحیح مسلم میں مروی رسول اللہ ﷺ کے عمل سے بہت کم درجے کی ہے، خصوصاً جس عمل کی تائید آپ ﷺ کی وفات کے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے جنازوں کے مسجد میں ہونے سے ہوتی ہے، جس پر اس وقت موجود تمام صحابہ و تابعین کا اجماع ہے کہ کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔

4 یہودیوں کے رجم پر " کِتَابُ الْحُدُوْدِ " میں مفصل بات ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

٦١۔ بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنِ اتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ عَلَى الْقُبُورِ

61۔ باب: قبروں پر مسجدیں بنانا حرام ہے

وَلَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ضَرَبَتِ امْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلَى قَبْرِهِ سَنَةً، ثُمَّ رُفِعَتْ، فَسَمِعُوا صَائِحًا يَقُولُ: أَلَا هَلْ وَجَدُوا مَا فَقَدُوا؟ فَأَجَابَهُ الْآخَرُ: بَلْ يَئِسُوا فَانْقَلَبُوا.

اور جب حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم فوت ہوئے تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال خیمہ لگائے رکھا، پھر اس نے اٹھا لیا تو انھوں نے ایک پکارنے والے کو سنا جو کہہ رہا تھا، سنو! کیا ان لوگوں نے اسے پا لیا جسے انھوں نے گم کیا تھا؟ تو دوسرے نے اس کے جواب میں کہا: بلکہ وہ ناامید ہو گئے اور واپس چلے گئے۔

فوائد: 1 قبروں پر مسجدیں بنانے کا مطلب خاص قبر کے اوپر یا اس کے آس پاس مسجد بنانا ہے، اس میں مصلحت یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رفتہ رفتہ لوگ قبر والوں کی پرستش کرنے لگیں، جیسے پہلے بت پرستوں کا حال ہوا، اس لیے آپ نے اس دروازے ہی کو بند کرنے کے لیے قبر کے پاس بھی مسجد بنانے سے منع کر دیا۔ جب قبر پر یا قبر کے آس پاس اللہ کے لیے نماز منع ہوئی تو قبر پرستی کس درجہ منع ہوگی!؟ عاقل کو سمجھ لینا چاہیے۔ (تیسیر الباری)

2 باب میں قبروں پر مسجدیں بنانے کے لیے " مَا يُكْرَهُ " یعنی " مکروہ " کا لفظ بولا گیا ہے، یاد رہے کہ یہاں لفظ مکروہ کا وہ مطلب نہیں جو فقہاء نے مقرر کیا ہے، یعنی جس کا نہ کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہو بلکہ قرآن و سنت اور محدثین کی اصطلاح میں مکروہ کا لفظ اکثر حرام کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں آیت (۲۳) سے لے کر آیت (۳۷) تک پچیس چیزیں بیان فرمائی ہیں، جن میں سے بعض کا حکم دیا ہے اور بعض سے منع فرمایا ہے، آخر میں فرمایا: ﴿ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴾ [بني إسرائيل : ٣٨] " یہ سب کام، ان کا برا تیرے رب کے ہاں ہمیشہ سے ناپسندیدہ ہے۔" اس آیت میں مکروہ سے مراد بالاتفاق حرام ہے۔ اس لیے صحیح بخاری اور ترمذی وغیرہ میں باب قائم کرتے وقت لفظ کراہیت لکھا ہوتا ہے مگر مراد اس سے حرمت ہی ہوتی ہے، بعض اوقات کتاب و سنت میں مکروہ کا لفظ فقہاء والے مکروہ کے

معنی میں بھی آتا ہے، جس کا اندازہ اس مقام پر غور کرنے سے ہو جاتا ہے۔ البتہ یہاں مکروہ بمعنی حرام ہے، کیونکہ اس کام پر حدیث میں لعنت آئی ہے جو حرمت کی دلیل ہے۔ نبی ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا: « لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ » [بخاري : ٣٤٥٤] ''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔''

3 حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ سنہ ۹۷ ہجری میں فوت ہوئے، ثقہ تابعی ہیں، نسائی نے اُن سے روایت لی ہے۔ ان کے ایک بیٹے کا نام بھی حسن ہے، گویا یہ ایک لڑی میں اکٹھے تین حسن ہوئے۔ ان کی مذکورہ بیوی کا نام فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما ہے جو ان کی چچا زاد ہیں۔ اس اثر کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ قبر کے پاس اگر خیمہ لگایا جائے تو اس میں نماز تو پڑھی جائے گی۔ خصوصاً عورتیں تو وہیں نماز پڑھیں گی۔ اس لیے وہاں خیمہ بنانا قبر کے پاس مسجد بنانا ہی ہوگا اور اگر قبر قبلہ کی طرف ہو تو حرمت اور بڑھ جائے گی۔ (فتح الباری)

4 اگر پہلے قبر بنی ہوئی ہو پھر اس پر مسجد بنا دی جائے تو اس مسجد کو گرا دینا واجب ہے، کیوں کہ اس کا حکم قبر کا ہے اور قبروں میں نماز پڑھنا جائز نہیں اور ایسی مسجد کا نتیجہ شرک کا فروغ ہے اور اگر مسجد پہلے سے بنی ہوئی ہو اور میت کو وہاں بعد میں دفن کیا گیا ہو تو میت کو قبر سے نکال کر دوسری قبروں کے پاس لے جا کر دفن کرنا واجب ہے۔ افسوس! مسلمانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اپنی تقریباً ہر مسجد میں کوئی نہ کوئی قبر بنا کر اس پر پختہ عمارت بنا رکھی ہے، جو " سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا " کی بجائے " سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا " کی واضح مثال ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے واضح لفظوں میں اس سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: « نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ، وَأَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ، وَأَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ » [مسلم : ٩٧٠] ''رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا کہ قبر پختہ بنائی جائے اور یہ کہ اس پر بیٹھا جائے اور یہ کہ اس پر کوئی عمارت بنائی جائے۔'' بلکہ آپ ﷺ نے ایسی تمام عمارتوں کو گرا کر قبروں کو دوسری قبروں کے برابر کر دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے داماد ابو الہیاج الاسدی بیان کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: « أَلَا أَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِيْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ » [مسلم : ٩٦٩] ''کیا میں تمھیں اس کام پر نہ مقرر کروں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا، وہ یہ کہ تم جو بھی مورتی ہے اسے مٹا دو اور جو بھی اونچی قبر ہے اسے برابر کر دو۔''

5 فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کا یہ فعل میت کے قریب رہ کر دل کو تسلی دینے کی ایک کوشش تھی جس سے کچھ حاصل نہ تھا، کیونکہ ایسا کرتے ہوئے وہ اس حقیقت سے آنکھیں بند کر رہی تھیں جسے مانے بغیر چارہ ہی نہیں تھا اور جو ان کے محبوب شوہر حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کے دفن کی صورت میں اپنا آپ منوا چکی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعلیم کے لیے وہ دو صاحب بھیج دیے جن کا قول " أَلَا هَلْ وَجَدُوْا " سے آخر تک بیان ہوا ہے۔ وہ دو فرشتے بھی ہو سکتے ہیں، وہ دو صالح جن بھی اور دو صالح آدمی بھی جنھوں نے اس خاتون کے خیمہ اٹھا کر واپس جاتے ہوئے آپس میں مکالمہ کر کے اسے سمجھانے کی کوشش کی

کہ قبر پر خیمہ لگا کر بیٹھ رہنے سے کچھ حاصل نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو شرعی دلائل کے مطابق ہونے کی وجہ سے پیش کیا ہے، شرعی دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا۔

6 صحیح بخاری میں "بَابُ الْجَرِيْدِ عَلَى الْقَبْرِ" (قبل الحدیث: ۱۳۶۱) میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عبد الرحمن کی قبر پر خیمہ لگا ہوا دیکھا تو کہا: « انْزِعْهُ يَا غُلَامُ! فَإِنَّمَا يُظِلُّهُ عَمَلُهُ » "لڑکے! اس خیمے کو ہٹا دو، کیونکہ اسے صرف اس کا عمل سایہ کرے گا۔" ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ بات قرآن و حدیث کے مطابق ہے جب کہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کا عمل ان کا ایک جذباتی کام تھا جس کا نادرست ہونا ان کے خیمہ اٹھا کر چلے جانے سے واضح ہو گیا۔

۱۳۳۰۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ هِلَالٍ - هُوَ الْوَزَّانُ - عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ: « لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدًا » قَالَتْ: وَلَوْ لَا ذٰلِكَ لَأَبْرَزُوا قَبْرَهُ غَيْرَ أَنِّي أَخْشَى أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا. [راجع: ٤٣٥۔ أخرجه مسلم: ٥٢٩ عن عائشة، و أخرجه: ٥٣١ عن عائشة و ابن عباس]

1330۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی اس بیماری میں جس میں آپ فوت ہوئے فرمایا: "اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔" عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر کو ظاہر کر دیتے مگر میں اس سے ڈرتی ہوں کہ اسے مسجد بنا لیا جائے۔

فوائد تخریج 1 صحیح مسلم (۵۳۲) میں جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے فوت ہونے سے پانچ دن پہلے آپ سے سنا: « أَلَا وَ إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ، إِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ » "سنو! جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ اپنے نبیوں اور اپنے نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیتے تھے، سنو! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا، میں تمھیں اس سے منع کرتا ہوں۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ صرف انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مسجدیں نہیں بناتے تھے بلکہ اپنے نیک لوگوں کی قبروں کے ساتھ بھی یہ معاملہ کیا کرتے تھے، نبی ﷺ نے امت کو اس کام سے صاف الفاظ میں منع فرما دیا۔

2 قبروں کو مسجدیں بنانے کا مطلب یہ ہے کہ خود ان کی پرستش کرنے لگے، یا قبروں پر مسجدیں اور گرجے بنا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے یہ کام کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔ اسی طرح جو لوگ ایک مقرر وقت پر ہر ہفتے یا ہر مہینے یا ہر سال کسی قبر پر جمع ہوتے ہیں اور میلہ کرتے ہیں وہ بھی گویا اس قبر کو مسجد بناتے ہیں۔ عربی زبان میں ایسے اجتماع کو عید کہتے ہیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا » [أبو داود: ۲۰۴۲، حدیث صحیح] "میری قبر کو میلہ نہ بنانا۔"

3 جس قبر کی پرستش ہونے لگے شریعت کی نگاہ میں وہ بت ہے خواہ وہ کتنے نیک آدمی کی قبر ہو، اس میں اس صالح آدمی کا کوئی قصور نہیں ہوگا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دعا کی: « اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ ، لَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ » [مسند أحمد : ٧٣٥٨، و قال المحقق : إسناده قوي] ”اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جائے، اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر لعنت کی جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔“ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی دعا قبول فرمائی، چنانچہ نہ وہاں کوئی میلہ لگتا ہے اور نہ کوئی شخص اس کی پرستش کی جرأت کر سکتا ہے۔

4 ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر قبرستان میں بنانے کی بجائے گھر میں اس لیے بنائی گئی کہ مجھے خطرہ تھا کہ اگر وہ قبرستان میں بنائی گئی اور سب لوگوں کے سامنے ہوئی تو پہلی امتوں کی طرح کچھ لوگ اسے سجدہ گاہ بنا لیں گے اور آپ کی عبادت کرنے لگیں گے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہاں حدیث کے الفاظ یہی ہیں: « غَيْرَ أَنِّيْ أَخْشٰى ...... » (مگر میں اس سے ڈرتی ہوں ......) اور ”كتاب الجنائز (١٣٩٠)“ کے آخر میں اس کے الفاظ یہ ہیں: « غَيْرَ أَنَّهُ خَشِيَ أَوْ خُشِيَ ...... » ”مگر آپ ﷺ اس بات سے ڈرے یا اس بات کا خطرہ محسوس کیا گیا ......۔“ اگر یہ الفاظ ہوں کہ آپ ﷺ اس سے ڈرے تو مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو گھر میں آپ کی وصیت کے مطابق دفن کیا گیا، کیونکہ آپ اس بات سے ڈرے ......۔ اور اگر الفاظ یہ ہوں کہ اس بات کا خطرہ محسوس کیا گیا کہ اسے مسجد نہ بنا لیا جائے تو یہ خطرہ محسوس کرنے والے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے صحابہ ہوں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی واضح وصیت کی وجہ سے آپ ﷺ کو گھر میں دفن کیا گیا، تاکہ آپ کی قبر سجدہ گاہ نہ بن جائے، یا صحابہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے اجتہاد کی وجہ سے آپ کی قبر کو باہر اس لیے نہیں بنایا گیا کہ اسے سجدہ گاہ نہ بنا لیا جائے۔

5 ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات اس وقت کی ہے جب مسجد نبوی کی توسیع نہیں ہوئی تھی۔ جب مسجد کی توسیع کی گئی اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے حجرے بھی مسجد میں شامل کر دیے گئے تو اس وقت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مثلث کی شکل میں بنایا گیا، تاکہ کعبہ کی طرف رخ کرنے والے کا منہ قبر کی طرف نہ ہو سکے۔ (فتح الباري)

٦٢- بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى النُّفَسَاءِ إِذَا مَاتَتْ فِيْ نِفَاسِهَا

62- باب: نفاس والی عورت کی نماز جنازہ جب وہ بچہ جننے کے دوران فوت ہو جائے

١٣٣١- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ ، عَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى امْرَأَةٍ مَاتَتْ فِيْ نِفَاسِهَا، فَقَامَ عَلَيْهَا وَسَطَهَا .

1331- سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کے پیچھے ایک عورت (أم کعب رضی اللہ عنہا) کی نماز جنازہ پڑھی جو نفاس کے دوران فوت ہوئی تھی، تو آپ ﷺ اس کے درمیان کے مقابل کھڑے ہوئے۔

[راجع : ٣٣٢۔ أخرجه مسلم : ٩٦٤]

فائدہ: اس باب کی ضرورت دو وجوں سے ہے، ایک یہ کہ نفاس والی عورت نے نماز نہیں پڑھنی ہوتی، حیض اور نفاس ایک طرح کی نجاست ہے، اس لیے خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید اس کا جنازہ پڑھنا جائز نہ ہو، تو امام صاحب نے یہ حدیث لا کر ثابت کیا کہ اس حالت میں فوت ہونے والی عورت کا جنازہ پڑھا جائے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیث میں بچہ جننے کے دوران فوت ہونے والی عورت کو شہید کہا گیا ہے اور شہید کا جنازہ عموماً نہیں پڑھا جاتا تو یہ حدیث لا کر واضح کیا کہ جنازے کے بغیر دفن معرکہ کے شہداء کی شان ہے، شہداء کی دوسری قسموں کا جنازہ پڑھا جائے گا۔ امام کو مرد اور عورت کے جنازے میں کہاں کھڑا ہونا چاہیے یہ بات اگلے باب میں آ رہی ہے۔

٦٣۔ بَابٌ: أَيْنَ يَقُومُ مِنَ الْمَرْأَةِ وَالرَّجُلِ؟

63۔ باب: مرد اور عورت کے جنازے میں امام کہاں کھڑا ہو؟

١٣٣٢۔ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى امْرَأَةٍ مَاتَتْ فِي نِفَاسِهَا فَقَامَ عَلَيْهَا وَسَطَهَا. [راجع : ٣٣٢۔ أخرجه مسلم : ٩٦٤]

1332۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے پیچھے ایک عورت کی نماز جنازہ پڑھی جو نفاس کے دوران فوت ہوئی تھی تو آپ اس کے درمیان کے مقابل کھڑے ہوئے۔

فوائد: 1 امام بخاری نے اس حدیث سے مرد اور عورت کے جنازے میں امام کے کھڑے ہونے کے مقام کا استدلال کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں وہ مرد اور عورت دونوں کا حکم ایک ہی مانتے ہیں، کیونکہ اگر کسی صحیح حدیث میں مرد کے لیے الگ مقام کا ذکر نہ آیا ہو تو مرد اور عورت کے جنازے کا کوئی فرق نہیں۔ اس باب کے ساتھ انھوں نے اشارہ کیا ہے کہ ان کے نزدیک وہ حدیث صحیح نہیں جو ابو داؤد (۳۱۹۴) اور ترمذی (۱۰۳۴) میں ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک مرد کا جنازہ پڑھایا تو اس کے سر کے برابر کھڑے ہوئے اور ایک عورت کا جنازہ پڑھایا تو اس کی سرین کے برابر کھڑے ہوئے، تو علاء بن زیاد نے ان سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ ایسے ہی کرتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: ہاں! اور احمد (۱۳۱۱۴) اور ابن ماجہ (۱۴۹۴) میں اس حدیث کے الفاظ "سرین" کی بجائے یہ ہیں کہ آپ عورت کے درمیان کے برابر کھڑے ہوئے۔ اگرچہ یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر نہیں مگر دوسرے محدثین کے نزدیک مرد اور عورت کے جنازے میں فرق کی یہ حدیث صحیح ہے۔ چنانچہ ناصر الدین البانی، شعیب الارناؤوط، ابن باز اور متعدد اہل علم نے اسے صحیح کہا ہے۔

اس لیے مرد اور عورت کے جنازے میں اس فرق کو ملحوظ رکھنا سنت ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں عورت کی میت کے

درمیان کھڑے ہونے کا ذکر ہے، مرد کے متعلق اس میں صراحت نہیں، اس لیے مرد کے جنازے میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کرنا ہوگا۔

2 بعض لوگوں نے ان سب احادیث سے الگ ہی موقف اختیار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ مرد ہو یا عورت دونوں کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہونا چاہیے، مگر یہ موقف صحیح احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے درست نہیں، پھر اس کی بنیاد بھی محض رائے اور قیاس پر ہے، کسی آیت یا حدیث پر نہیں۔

٦٤- بَابُ التَّكْبِيرِ عَلَى الْجَنَازَةِ أَرْبَعًا

64۔ باب: جنازے میں چار تکبیریں کہنا

وَقَالَ حُمَيْدٌ: صَلَّى بِنَا أَنَسٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَكَبَّرَ ثَلَاثًا، ثُمَّ سَلَّمَ، فَقِيلَ لَهُ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ثُمَّ كَبَّرَ الرَّابِعَةَ، ثُمَّ سَلَّمَ.

اور حُمید نے کہا: ہمیں انس رضی اللہ عنہ نے جنازے کی نماز پڑھائی تو تین تکبیریں کہیں پھر سلام پھیر دیا۔ لوگوں نے انھیں بتایا تو انھوں نے قبلہ کی طرف منہ کیا، پھر تکبیر کہی، پھر سلام پھیر دیا۔

١٣٣٣- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، وَخَرَجَ بِهِمْ إِلَى الْمُصَلَّى، فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ. [راجع: ١٢٤٥- أخرجه مسلم: ٩٥١]

1333۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی (رحمہ اللہ) کی موت کی اس دن اطلاع دی جس دن وہ فوت ہوا اور آپ صحابہ کو لے کر عید گاہ کی طرف گئے، آپ نے ان کی صفیں بنائیں اور اس پر چار تکبیریں کہیں۔

١٣٣٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، حَدَّثَنَا سَلِيمُ بْنُ حَيَّانَ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى عَلَى أَصْحَمَةَ النَّجَاشِيِّ، فَكَبَّرَ أَرْبَعًا.

1334۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اصحمہ نجاشی (رحمہ اللہ) پر نماز پڑھی تو آپ نے چار تکبیریں کہیں۔

وَقَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَ عَبْدُ الصَّمَدِ، عَنْ سَلِيمٍ: أَصْحَمَةَ. وَ تَابَعَهُ عَبْدُ الصَّمَدِ. [راجع:

اور یزید بن ہارون اور عبدالصمد نے سُلیم سے اس کا نام ''اصحمہ'' روایت کیا ہے۔ اور عبدالصمد نے بھی ایسے ہی

۱۳۱۷۔ أخرجه مسلم : ۹۵۲] روایت کیا ہے۔

فوائد ومسائل: 1 انس رضی اللہ عنہ کے عمل سے معلوم ہوا کہ جنازے میں کم از کم چار تکبیریں ضروری ہیں، اگر کوئی شخص بھول کر کچھ تکبیریں چھوڑ دے اور سلام پھیرنے کے بعد اسے بتایا جائے تو اسے قبلہ کی طرف منہ کر کے رہ جانے والی تکبیر کہہ کر سلام پھیرنا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں بھول پر سجدۂ سہو نہیں، کیوں کہ اصل نماز ہی میں رکوع وسجود نہیں تو سہو میں بالا والی سجدہ نہیں ہوگا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے درمیان بھول کی وجہ سے بات کی جائے تو ساری نماز دہرانے کی ضرورت نہیں۔

2 امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں اور بعد والی احادیث میں چار تکبیروں والی احادیث ہی بیان کی ہیں، اس سے زیادہ والی نہ بیان کی ہیں نہ ان کی طرف اشارہ کیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ وہ جنازے کی تکبیرات چار ہی راجح سمجھتے ہیں۔ مگر صحیح احادیث میں اس سے زیادہ تکبیریں بھی آئی ہیں، چنانچہ مسلم (۹۵۷) نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے پانچ تکبیریں کہیں اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع بیان کیا۔ شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے احکام الجنائز میں مسئلہ (۷۴) کے تحت لکھا ہے: ”جنازے پر چار تکبیریں کہے یا پانچ، نو تکبیروں تک، یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جس پر عمل کر لے کافی ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ کبھی ایک طریقے پر عمل کرے کبھی دوسرے پر، جیسا کہ اس طرح کے دوسرے کاموں کا معاملہ ہے، مثلاً نماز میں دعائے استفتاح اور درود ابراہیمی کے مختلف الفاظ اور اس جیسے دوسرے مسائل ہیں۔ اور اگر ایک ہی طریقے پر عمل کرنا ہے تو وہ چار تکبیریں ہیں، کیونکہ اس کی احادیث دوسروں سے بہت زیادہ ہیں۔“ اس کے بعد شیخ رحمہ اللہ نے ان احادیث کا ذکر کیا ہے جس میں چار تکبیروں کا ذکر ہے اور ان احادیث کا بھی جن میں پانچ کا ذکر ہے یا اس سے زیادہ نو تک کا ذکر ہے اور ان کی سندیں ذکر کر کے انھیں صحیح یا حسن کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے احکام الجنائز، مسئلہ نمبر (۷۴)۔

3 شیخ البانی رحمہ اللہ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چار سے زیادہ تکبیرات کہنے کا عمل ذکر کرتے ہوئے تعلیق میں لکھا ہے: ”صحابہ کے ان صحیح آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ پانچ اور چھ تکبیرات پر عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعد بھی جاری رہا، اس لیے چار تکبیروں پر اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں۔ ابن حزم نے ”المحلی“ میں اس دعویٰ کے باطل ہونے کی خوب تحقیق کی ہے۔ (المحلی ۳/ ۳۴۷، ۳۴۸)

اجماع کا دعویٰ کرنے والوں کی دو دلیلیں ہیں، پہلی دلیل اجماع کا دعویٰ ہی ہے جس کا باطل ہونا اس بات سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح سندوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چار سے زیادہ تکبیریں کہنا ثابت ہے۔ ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے آخری جو جنازہ پڑھایا اس میں آپ نے چار تکبیریں کہیں۔ یہ دلیل اس لیے صحیح نہیں کہ یہ حدیث جن سندوں سے آئی ہے وہ سب ایک دوسرے سے بڑھ کر ضعیف ہیں، اس لیے اس کے ساتھ صحیح احادیث کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ حافظ نے ”تلخیص (۲/ ۲۸۷)“ میں اور ان سے پہلے حازمی نے ”الاعتبار (ص: ۱۲۵)“ میں اور بیہقی نے ”السنن الکبرٰی (۴/ ۶۱، ح: ۶۹۲۸)“ میں کہا ہے: ”رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ“

"یہ روایت متعدد سندوں سے روایت کی گئی ہے جو سب ضعیف ہیں۔" مزید تفصیل کے لیے دیکھیے احکام الجنائز، مسئلہ نمبر (۷۴)۔

٦٥۔ بَابُ قِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلَى الْجَنَازَةِ

65۔ باب: نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا

وَقَالَ الْحَسَنُ: يَقْرَأُ عَلَى الطِّفْلِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَيَقُولُ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَسَلَفًا وَأَجْرًا.

اور حسن (بصری) نے کہا: بچے کے جنازے میں سورۂ فاتحہ پڑھے اور یوں کہے: اے اللہ! اسے ہمارے لیے پہلے جا کر آنے والوں کے لیے سامان تیار کرنے والا اور آگے چلنے والا اور اجر کا باعث بنا دے۔

١٣٣٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدٍ، عَنْ طَلْحَةَ قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، ح حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَلَى جَنَازَةٍ، فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، قَالَ: لِيَعْلَمُوا أَنَّهَا سُنَّةٌ.

1335۔ طلحہ بن عبداللہ بن عوف سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے ایک نمازِ جنازہ پڑھی تو انھوں نے فاتحۃ الکتاب پڑھی اور کہا: (میں نے فاتحہ اونچی آواز کے ساتھ اس لیے پڑھی ہے) تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ سنت ہے۔

فوائد و مسائل: 1 سب سے پہلے تو یہ جان لینا ضروری ہے کہ نمازِ جنازہ میں بلکہ کسی بھی نماز میں زبان کے ساتھ نیت کے الفاظ ادا کرنا رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں، نیت صرف دل کا فعل ہے۔ نیت کے الفاظ خود ساختہ ہیں اور انھیں زبان سے ادا کرنا بدعت ہے۔
2 بعض لوگ جنازے میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے بلکہ "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، تَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ" پڑھتے ہیں۔ بعض اس میں "وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ" کا اضافہ بھی کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ دعا جنازے میں پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے کسی حدیث میں ثابت نہیں، جب کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اونچی آواز سے فاتحہ پڑھ کر کہا: "(میں نے اسے اونچی آواز سے اس لیے پڑھا ہے) تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ سنت ہے۔" ظاہر ہے کہ صحابی کا کسی عمل کو سنت کہنا یہی معنی رکھتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور سنت سے مراد نبی ﷺ کا طریقہ ہے، فقہی

اصطلاح والی سنت نہیں کہ کرلو تو ثواب ہے نہ کرو تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی صریح حدیث ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں، اس لیے یہ نماز کی طرح نمازِ جنازہ کا رکن ہے جس کے بغیر جنازہ نہیں ہوتا۔ سنن نسائی (۱۹۸۷) میں اس حدیث میں فاتحہ کے ساتھ ایک اور سورت پڑھنے کا ذکر بھی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ طلحہ بن عبد اللہ بن عوف کہتے ہیں: « صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى جَنَازَةٍ، فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ وَجَهَرَ حَتّٰى أَسْمَعَنَا، فَلَمَّا فَرَغَ أَخَذْتُ بِيَدِهِ، فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ : سُنَّةٌ وَحَقٌّ » ''میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے ایک نماز جنازہ پڑھی تو انھوں نے سورۂ فاتحہ اور ایک اور سورت پڑھی اور اتنی بلند آواز سے پڑھی کہ ہمیں سنا دی، جب فارغ ہوئے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تو انھوں نے کہا: یہ سنت اور حق ہے۔'' یہ حدیث صحیح ہے، کیونکہ سعد سے آگے سند صحیح بخاری والی ہی ہے اور اس سے پہلے راوی بھی ثقہ ہیں۔ خاص جنازے میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کی یہ حدیث صحیح بخاری میں ہونے کی وجہ سے امت کے اجماع کے ساتھ صحیح ہے۔ اس کے علاوہ جنازہ ایک نماز ہے، اس کے نماز ہونے کے دلائل اس سے پہلے امام بخاری پیش کر چکے ہیں اور نماز خواہ کوئی ہو اگر اس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے تو وہ ہوتی ہی نہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ » [بخاري : ٧٥٦] ''جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی کوئی نماز نہیں۔'' ہمارے ہاں عجیب معاملہ ہے، بدعتی حضرات نمازِ جنازہ میں نہ سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں نہ کوئی اور سورت اور سلام پھیرنے کے بعد کہتے ہیں اتنی دفعہ فاتحہ پڑھو اور اتنی دفعہ قل شریف پڑھو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے سلام پھیرنے کے بعد اور دفن کرنے سے پہلے کوئی دعا ثابت نہیں۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: « كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ، فَقَالَ : اسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ وَ سَلُوْا لَهُ بِالتَّثْبِيْتِ، فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ » [أبوداوٗد : ٣٢٢١، صحيح] ''نبی ﷺ جب میت کو دفن کر کے فارغ ہو جاتے تو اس کے پاس ٹھہر جاتے اور یہ کہتے: ''اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اسے ثابت قدم رکھنے کی دعا کرو، کیونکہ اب اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔'' اللہ کے بندے! نمازِ جنازہ کے اندر جہاں سورۂ فاتحہ پڑھنی تھی تم نے پڑھی نہیں، نہ کسی کو پڑھنے دی بلکہ سب کو فاتحہ پڑھنے سے روک دیا اور سلام پھیرنے کے بعد فاتحہ اور قل یاد آ گئے جو اس مقام پر ثابت ہی نہیں، اب فاتحہ یا قل کا کیا فائدہ؟ ع

صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

3 جنازے میں فاتحہ اور سورت کی قراءت آہستہ آواز سے ہونی چاہیے، جیسا کہ سنن نسائی میں صحیح حدیث (۱۹۸۹) ہے، ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: « اَلسُّنَّةُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ أَنْ يَقْرَأَ فِي التَّكْبِيْرَةِ الْأُوْلٰى بِأُمِّ الْقُرْآنِ مُخَافَتَةً، ثُمَّ يُكَبِّرَ ثَلَاثًا، وَالتَّسْلِيْمُ عِنْدَ الْآخِرَةِ » ''جنازے پر نماز میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں ام القرآن کی قراءت آہستہ آواز سے کرے، پھر تین تکبیریں کہے اور آخری تکبیر کے وقت سلام پھیر دے۔'' اسی بات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جنازے میں سورۂ فاتحہ اور ایک اور سورت بلند آواز سے پڑھی تو بعد میں وضاحت کی کہ میں نے یہ اس لیے کیا

ہے تاکہ تمھیں علم ہو جائے کہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ قراءت سنت اور حق ہے۔ آج کل حدیث پر عمل کرنے والوں کے سوا سب لوگ اس حق سے محروم ہیں، حتیٰ کہ ان کے بڑے بڑے علماء کے جنازوں میں دیکھا گیا ہے کہ امام صاحب نمازِ جنازہ میں پورا ایک منٹ بھی نہیں لگاتے، عموماً پینتیس یا چالیس سیکنڈ میں میت پر جنازے کے حق سے فارغ ہو جاتے ہیں، خواہ وہ کتنا بڑا مسلمانوں کا قائد ہو یا کوئی شیخ القرآن والحدیث۔

4 جنازے پر نبی ﷺ نے متعدد دعائیں کی ہیں اور بلند آواز سے بھی کی ہیں، اس کی دلیل صحیح مسلم کی حدیث (۹۶۳) ہے، عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت کی نمازِ جنازہ پڑھی تو میں نے آپ کی دعا میں سے یہ دعا حفظ کر لی، آپ کہہ رہے تھے: « اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ، وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ، وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ، وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهِ، وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ عَذَابِ النَّارِ » (اے اللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم کر، اسے عافیت دے، اسے معاف کر دے اور اس کی مہمانی باعزت کر اور اس کے داخل ہونے کی جگہ وسیع کر دے اور اسے پانی، برف اور اولوں کے ساتھ دھو دے اور اسے گناہوں سے اس طرح صاف کر دے جس طرح تو نے سفید کپڑے کو میل سے صاف کیا اور اسے اس کے گھر کے بدلے بہتر گھر، گھر والوں کے بدلے بہتر گھر والے اور بیوی کے بدلے بہتر بیوی عطا کر اور اسے جنت میں داخل کر اور اسے قبر کے عذاب اور آگ کے عذاب سے پناہ دے) عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: "حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ وہ میت میں ہوتا۔" یہ حدیث دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے جنازے کی دعائیں متعدد پڑھیں جن میں سے ایک دعا یہ تھی اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آپ نے وہ دعائیں بلند آواز سے پڑھیں، اگر آپ آہستہ آواز سے پڑھتے تو عوف بن مالک رضی اللہ عنہ یہ دعا کیسے حفظ کرتے۔ خصوصاً آج کل جب لوگوں کو نمازِ پنجگانہ کی دعائیں یاد نہیں جنازے کی دعائیں یاد رکھنے والے کتنے ہوں گے، امام اگر بلند آواز سے سنت کے مطابق دعائیں کرے تو لوگوں کو بھی یہ دعائیں یاد ہو جائیں گی۔

٦٦ - بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْقَبْرِ بَعْدَ مَا يُدْفَنُ

66۔ باب: میت کے دفن کیے جانے کے بعد قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا

١٣٣٦ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ مَرَّ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى قَبْرٍ مَنْبُوذٍ فَأَمَّهُمْ وَصَلَّوْا خَلْفَهُ، قُلْتُ: مَنْ حَدَّثَكَ

1336۔ سلیمان شیبانی نے کہا: میں نے شعبی سے سنا، انھوں نے کہا: مجھے اس شخص نے بیان کیا جو نبی ﷺ کے ہمراہ ایک الگ تھلگ قبر کے پاس سے گزرا تو آپ نے ان کی امامت کروائی اور صحابہ نے آپ کے پیچھے نمازِ جنازہ

هٰذَا يَا أَبَا عَمْرٍو !؟ قَالَ : ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا. [راجع : ٨٥٧- أخرجه مسلم : ٩٥٤ باختلاف]

پڑھی۔ (شیبانی نے کہا:) میں نے پوچھا: اے ابو عمرو! آپ کو یہ حدیث کس نے بیان کی؟ انھوں نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے۔

فائدہ: اس کے بعض فوائد حدیث (٨٥٧) میں گزر چکے ہیں۔

١٣٣٧- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ ابْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ أَسْوَدَ رَجُلًا أَوِ امْرَأَةً كَانَ يَقُمُّ الْمَسْجِدَ فَمَاتَ وَلَمْ يَعْلَمِ النَّبِيُّ ﷺ بِمَوْتِهِ، فَذَكَرَهُ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ : « مَا فَعَلَ ذٰلِكَ الْإِنْسَانُ ؟ » قَالُوا : مَاتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! قَالَ : « أَفَلَا آذَنْتُمُونِي؟ » فَقَالُوا : إِنَّهُ كَانَ كَذَا وَكَذَا قِصَّتُهُ ، قَالَ : فَحَقَرُوا شَأْنَهُ، قَالَ : « فَدُلُّونِي عَلَى قَبْرِهِ » فَأَتَى قَبْرَهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ . [راجع : ٤٥٨- أخرجه مسلم : ٩٥٦ مطولاً]

1337- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کالا مرد یا عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا، وہ فوت ہو گیا اور نبی ﷺ کو اس کے مرنے کا علم نہیں ہوا، آپ نے ایک دن اسے یاد کیا اور فرمایا: ”اس انسان کا کیا ہوا؟“ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! وہ فوت ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ”تو تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی؟“ انھوں نے کہا: بات یہ تھی اور وہ تھی، اس کا قصہ بیان کیا، غرض انھوں نے اس کے معاملے کو معمولی سمجھا۔ آپ نے فرمایا: ”مجھے اس کی قبر بتاؤ۔“ چنانچہ آپ اس کی قبر پر آئے اور اس کا جنازہ پڑھا۔

فوائد: 1 اس کے بعض فوائد حدیث (458) میں گزر چکے ہیں۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جس نے کسی میت کا جنازہ نہ پڑھا ہو وہ اس کی قبر پر جنازہ پڑھ سکتا ہے اور اس کے ساتھ وہ لوگ بھی شریک ہو سکتے ہیں جو پہلے اس کا جنازہ پڑھ چکے ہوں۔ اس سے متعدد بار جنازے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

2 علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر   تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

”دنیا کی نظر میں معمولی نظر آنے والوں کو حقارت سے مت دیکھو، تجھے کیا معلوم کہ اس گرد میں کوئی سوار ہو۔“

یہ کالا مرد یا کالی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دینے والی پوری دنیا کے بادشاہوں سے اللہ کے نزدیک درجہ اور مرتبہ میں زائد تھی کہ اللہ کے حبیب سید ولد آدم ﷺ نے ڈھونڈ کر اس کی قبر پر نماز پڑھی۔ واہ رے قسمت! آپ کے جوتے اٹھانے کی سعادت اگر ہمیں جنت میں نصیب ہو جائے تو ایسی دنیا کی لاکھوں سلطنتیں اس پر سے تصدق کر دیں۔ (تیسیر الباری)

٦٧- بَابٌ: اَلْمَيِّتُ يَسْمَعُ خَفْقَ النِّعَالِ

67۔ باب: میت جوتوں کی حرکت کی آواز سنتی ہے

١٣٣٨- حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ. قَالَ: وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا ابْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتُوُلِّيَ وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ حَتَّى إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ فَأَقْعَدَاهُ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ ﷺ؟ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ، فَيُقَالُ: انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ، أَبْدَلَكَ اللَّهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ» قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا، وَأَمَّا الْكَافِرُ أَوِ الْمُنَافِقُ فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ، فَيُقَالُ: لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ، ثُمَّ يُضْرَبُ بِمِطْرَقَةٍ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً بَيْنَ أُذُنَيْهِ، فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ» [انظر: ١٣٧٤- أخرجه مسلم: ٢٨٧٠ مختصرًا]

1338۔ انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا: ”جب بندے کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اسے پیٹھ کے پیچھے چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چل دیتے ہیں، تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ (اس وقت) اس کے پاس دو فرشتے آ جاتے ہیں اور اسے بٹھا لیتے ہیں اور اسے کہتے ہیں: تو اس آدمی محمد ﷺ کے متعلق کیا کہتا تھا؟ وہ کہتا ہے: میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ تو اسے کہا جاتا ہے: آگ میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ، اللہ نے تجھے اس کے بدلے جنت میں ٹھکانا دے دیا ہے۔“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تو وہ دونوں ٹھکانوں کو دیکھتا ہے۔ رہا کافر یا منافق تو وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ تو کہا جاتا ہے: نہ تو نے خود جانا اور نہ (جاننے والوں کے) پیچھے چلا۔ پھر اسے لوہے کے گرز سے کانوں کے درمیان ایک ضرب لگائی جاتی ہے، تو وہ ایسی چیخ مارتا ہے جسے جنوں اور انسانوں کے سوا اس کے پاس والی ساری مخلوق سنتی ہے۔“

فوائد: 1 وَتُوُلِّيَ وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ: ”تُوُلِّيَ“ کو معروف بھی پڑھتے ہیں اور مجہول بھی۔ اگر معروف پڑھیں تو تنازع فعلین کی صورت بن جاتی ہے کہ ”أَصْحَابُهُ“ ”تَوَلّٰى“ کا فاعل ہے یا ”ذَهَبَ“ کا۔ معنی یہ ہوگا کہ اس کے ساتھی پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اور اگر اسے ”تُوُلِّيَ“ (مجہول) پڑھا جائے تو معنی ہوگا: اسے پیٹھ کے پیچھے چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چل دیتے ہیں۔

2 مطلب یہ ہے کہ ابھی وہ اپنے ساتھیوں کے جاتے ہوئے ان کے جوتوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آ جاتے ہیں۔ اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ انھیں جاتے ہوئے سن کر ان کی طرف سے کسی بھی قسم کی مدد سے مایوس ہو جائے اور اسے یقین ہو جائے کہ اب معاملہ اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں۔ اس کے علاوہ اس میں قبر کے اندر جلد از جلد باز پرس شروع ہونے کا بیان بھی ہے۔

3 بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ بات نکالی ہے کہ مُردے باہر کے لوگوں کی آواز سنتے ہیں، ورنہ وہ لوگوں کے جوتوں کی آواز کیسے سنتے؟ مگر ان لوگوں کی یہ بات درست نہیں، کیوں کہ خاص واقعے سے عام حکم کے لیے استدلال درست نہیں ہوتا۔ اس مسئلے میں قرآن و حدیث کا عام حکم یہ ہے کہ مُردے دنیا کے لوگوں کی آواز نہیں سنتے۔ قرآن و حدیث میں اس کے متعدد دلائل موجود ہیں: ① سورۂ نمل میں ہے: ﴿ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴾ [النمل : ۸۰۔ الروم : ۵۲] ”بے شک تو نہ مُردوں کو سناتا ہے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سناتا ہے، جب وہ پیٹھ پھیر کر پلٹ جائیں۔“ ② سورۂ فاطر میں ہے: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ﴾ [فاطر : ۲۲] ”بے شک اللہ سنا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تو ہرگز اسے سنانے والا نہیں جو قبروں میں ہے۔“ یہ آیات اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں کہ مُردے نہیں سنتے۔ جو لوگ ان کے سننے کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ ان آیتوں میں مُردوں اور بہروں سے مراد کفار ہیں جنھیں حق سنائی نہیں دیتا، انھیں مُردوں اور بہروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مگر ان حضرات کی یہ بات درست ہونے کے باوجود یہ آیات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ فوت شدہ مُردے زندہ لوگوں کی بات نہیں سنتے، کیونکہ اگر مُردے سنتے ہوں تو ایمان نہ لانے والوں کو مُردوں کے ساتھ کس چیز میں تشبیہ دی جا رہی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مُردے نہیں سنتے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے سنانا چاہے سنا سکتا ہے مگر یہ بات کہ وہ کسے سنانا چاہتا ہے خود اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کے بتانے کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی، کیونکہ آخرت کے معاملے میں عقل اور قیاس کا کوئی دخل نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ سے صرف دو موقعوں پر مُردوں کے سننے کا ذکر آیا ہے، ایک اس حدیث میں کہ مُردہ آدمی جانے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور دوسرا بدر کے موقع پر نبی ﷺ کا کنویں میں پھینکے ہوئے مشرک مقتولین سے خطاب۔ ہمیں یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ان موقعوں پر مُردوں کا سماع حق اور ثابت ہے، ان کے علاوہ قرآن مجید کے فرمان کے مطابق کوئی مُردہ نہیں سنتا۔ اگر کوئی کہے کہ جب ان دو موقعوں پر سنتا ہے تو ان کے علاوہ کیوں نہیں سنتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ غیب سے تعلق رکھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس میں رائے اور قیاس کا کچھ دخل نہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ کے اپنے نبی کو بتانے کے مطابق مُردوں کے سننے کا ذکر ہے وہاں ان کا سننا حق ہے اور جہاں اس نے نہیں بتایا وہ خود اس کی صراحت کے مطابق نہیں سنتے۔ ③ سورۂ مومنون میں ہے: ﴿ وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴾ [المومنون : ۱۰۰] ”اور ان کے پیچھے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے ایک پردہ ہے۔“ واضح رہے کہ ”وَرَاءُ“ کا معنی آگے بھی ہے اور پیچھے بھی۔ یہاں دونوں معنی مراد ہیں کہ قبر میں جانے کے بعد میت اور ان لوگوں کے درمیان قیامت تک کے

لیے پردہ حائل ہو جاتا ہے، نہ وہ اُن لوگوں کی کوئی بات دیکھتے یا سنتے ہیں جنھیں وہ پیچھے چھوڑ آئے ہیں، نہ ہی پیچھے رہنے والے ان کی کوئی بات جان سکتے ہیں سوائے اُن باتوں کے جو رسول اللہ ﷺ نے وحی الٰہی سے بیان فرمائی ہیں۔ اور آگے سے پردہ کا مطلب یہ ہے کہ قبروں میں دفن ہونے والوں کے آگے ایک اور عالم برزخ (پردے والا جہان) آ رہا ہے، جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی ان کے سامنے نہیں آتی، وہ بھی قیامت تک ان کے لیے پردے میں ہوتی ہے۔ البتہ کافر کے لیے آخرت کے عذاب کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزہ وہ قیامت تک چکھتا رہے گا، اسی طرح اہلِ ایمان کے لیے راحت و نعمت میسر ہوتی ہے۔ دونوں برزخوں کا ذکر احادیث میں ہے اور آیات میں بھی۔ (دیکھیے سورۂ مومن: (۴۵، ۴۶) ④ سورۂ فاطر میں ہے: ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾ [فاطر: ۱۳، ۱۴] ”یہی اللہ تمھارا پروردگار ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے مالک نہیں۔ اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر وہ سن لیں تو تمھاری درخواست قبول نہیں کریں گے اور قیامت کے دن تمھارے شرک کا انکار کر دیں گے اور تجھے ایک پوری خبر رکھنے والے کی طرح کوئی خبر نہیں دے گا۔“ یہ آیت واضح دلیل ہے کہ فوت شدہ لوگ زندہ لوگوں کی بات نہیں سنتے، کیونکہ مشرکینِ مکہ ابراہیم، اسماعیل علیہما السلام اور اس طرح کے بلند مرتبہ انبیاء اور اولیاء کو بھی پکارتے تھے، تو جب اتنے بلند مرتبہ لوگ اپنے پکارنے والوں کی پکار نہیں سنتے تو ادنیٰ درجہ کے مُردے کس طرح سن سکتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ یہ آیت بتوں کے بارے میں ہے تو پھر بھی یہ دعویٰ حق رہتا ہے کہ مُردے نہیں سنتے، کیونکہ جب وہ اپنے بتوں کو پکارتے ہیں تو وہ اپنے خیال میں ان بزرگوں اور داتاؤں کو پکار رہے ہوتے ہیں جن کے وہ بت ہیں، اسی طرح قبر پرست حضرات قبر کو اپنی فریاد نہیں سنا رہے ہوتے بلکہ قبر والے بزرگ کو اپنے حالات سنا رہے ہوتے ہیں، ان سب کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ﴾ [فاطر: ۱۴] ”اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سنیں گے۔“ پھر یہ فرمایا: ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ﴾ [فاطر: ۱۴] ”اور وہ قیامت کے دن تمھارے شرک کا انکار کر دیں گے۔“ تو کیا بت ان کے شرک کا انکار کریں گے؟ اتنی واضح آیات کے بعد اگر کوئی مُردوں کے سننے پر اصرار کرتا ہے تو اسے لازم ہے کہ ”خفق نعال“ اور بدر کے مشرک مقتولین کے بجائے کوئی عام حکم والی دلیل پیش کرے۔

⑤ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ» [نسائي: ۱۲۸۲۔ دارمي: ۲۸۱۶] ”اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں بہت چلتے پھرتے رہنے والے ہیں، وہ مجھے میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔“ نسائی اور دارمی کے علاوہ بھی بہت سے محدثین نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کو سلام کہتا ہے وہ سلام آپ ﷺ خود نہیں سنتے بلکہ وہ سلام آپ کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ تو جب نبی ﷺ سلام کہنے والوں کا

سلام خود نہیں سنتے تو پھر وہ کون ہے جو سلام کہنے والوں کا سلام خود سنتا ہو۔ اکثر لوگ یہاں ایک روایت بیان کرتے ہیں: «مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا أُبْلِغْتُهُ » ''جو میری قبر کے پاس مجھ پر صلاۃ بھیجے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر صلاۃ بھیجے وہ مجھے پہنچا دی جاتی ہے۔'' یہ روایت موضوع یعنی من گھڑت ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوٰی (۲۷/۲۴۱) میں اسے موضوع کہا ہے اور علامہ البانی نے السلسلة الضعيفة (۲۰۳) میں اس کے غیر ثابت ہونے پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔ مُردوں کے سننے کے متعلق آلوسی زادہ کی کتاب " اَلْآيَاتُ الْبَيِّنَاتُ فِيْ عَدَمِ سِمَاعِ الْأَمْوَاتِ " بہترین کتاب ہے جس کے حُسن کو شیخ البانی کے مقدمہ نے چار چاند لگا دیے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مُردے کسی زندہ کی بات نہیں سنتے سوائے ان دو مواقع کے جن کا رسول اللہ ﷺ نے ذکر فرمایا ہے۔

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جوتے پاک ہوں تو آدمی قبرستان میں جا سکتا ہے۔ بعض لوگ جوتوں سمیت قبرستان میں جانا منع سمجھتے ہیں، ان کی دلیل وہ روایت ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کے درمیان ایک آدمی کو دیکھا جس نے جوتے پہنے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: « يَا صَاحِبَ السِّبْتِيَّتَيْنِ ! أَلْقِهِمَا » ''اے سبتی جوتوں والے! اپنے جوتے اتار دے۔'' [أبو داوٗد : ۳۲۳۰۔ نسائي : ۲۰۴۸۔ ابن ماجه : ۱۵۶۸ ، اور دوسری کتب احادیث۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے اور مسند احمد کی تعلیق والوں نے اسے صحیح کہا ہے۔ دیکھیے مسند أحمد : ۲۰۷۸۴ ، ۲۰۷۸۷ ، ۲۰۷۸۸] سبتی جوتے وہ ہوتے تھے جن کے چمڑے سے بال صاف کیے ہوتے تھے۔ یہ ایک خاص واقعہ ہے جس کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ اس سے ہر شخص کو کسی بھی قسم کا جوتا پہن کر قبرستان میں جانے سے منع نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً اس لیے کہ دنیا کی تمام مسجدوں سے افضل مسجدوں میں جوتا پہن کر جا سکتے ہیں بلکہ جوتا پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں، حتیٰ کہ مسجدِ نبوی کے اندر آپ ﷺ خود جوتا پہن کر نماز پڑھتے تھے، صحابہ بھی جوتے پہن کر نماز پڑھتے تھے۔ ایک دن عین نماز کے دوران جبریل علیہ السلام نے آپ کو بتایا کہ آپ کے جوتوں میں گندگی لگی ہوئی ہے تو آپ نے جوتے اتار دیے، تو صحابہ نے بھی اتار دیے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے پوچھا کہ تم نے جوتے کیوں اتارے؟ انھوں نے کہا: آپ نے جوتے اتارے تو ہم نے بھی اتار دیے۔ آپ نے فرمایا: « إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ، فَإِنْ رَأَى فِيْ نَعْلَيْهِ قَذَرًا أَوْ قَالَ : أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيْهِمَا » [أبو داوٗد : ۶۵۰، حديث صحيح] ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اپنے جوتے دیکھے، اگر ان میں کوئی گندگی نظر آئے تو اسے رگڑ دے اور ان جوتوں میں نماز پڑھ لے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ مسجدِ نبوی میں وہ جوتے پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے جن پر گندگی نہ ہو، خواہ کسی قسم کے ہوں، سبتی یا غیر سبتی، تو قبرستان مسجدِ نبوی سے زیادہ پاک نہیں ہے، اس لیے اس شخص کو جوتے اتارنے کے حکم کی سب سے صحیح توجیہ یہ ہے کہ ان میں کوئی گندگی ہو گی جس کی وجہ سے آپ نے انھیں اتارنے کا حکم دیا، ورنہ قبرستان میں صاف جوتے پہن کر جا سکتے ہیں۔ حدیث ''میت جانے والوں کے جوتوں کی آواز سنتی ہے'' سے واضح طور پر ظاہر ہے کہ قبرستان میں جوتوں سمیت جانا مسلمانوں کا عام معمول تھا۔

5 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے میت کو اٹھا کر بٹھا دیتے ہیں، منکرین حدیث اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قبر میں اتنی جگہ نہیں ہوتی کہ اٹھ کر بیٹھ سکے، قبر کھود کر دیکھیں تو میت میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا اس پر ہمارا ایمان ہے اور وہ حق ہے، اگر حدیث کی یہ بات تمھاری سمجھ میں نہیں آتی تو قرآن کے متعلق تم کیا کہو گے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ﴾ [محمد : ۲۷] ”تو کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے، ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوں گے۔“ اب قرآن کا کہنا یہ ہے، جب کہ ہمارے سامنے بے شمار کافر مرتے ہیں مگر ہمیں ان کے چہرے اور پشتوں پر مار کا کوئی نشان نظر نہیں آتا، تو کیا ہم قرآن کا بھی انکار کر دیں گے۔ نہیں اللہ کا فرمان حق ہے، آخرت کے معاملات پوری طرح ہماری سمجھ میں نہیں آسکتے، مگر قرآن و حدیث ہی کی مدد سے ہم کچھ نہ کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ دیکھیے ایک شخص کپڑا اوڑھ کر سویا ہوا ہے قرآن مجید کی صراحت کے مطابق نیند کی حالت میں اس کی روح فوت ہو کر اللہ کے پاس جا چکی ہے، فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ [الزمر : ۴۲] ”اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور ان کو بھی جو نہیں مریں ان کی نیند میں، پھر اسے روک لیتا ہے جس پر اس نے موت کا فیصلہ کیا اور دوسری کو ایک مقرر وقت تک بھیج دیتا ہے۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔“ اس کے باوجود روح کا جسم میں اتنا تصرف موجود ہے کہ وہ نیند میں دیکھتا ہے کہ وہ کھڑا ہے، بیٹھا ہوا ہے اور آ جا رہا ہے، بعض اوقات حد سے بڑھ کر راحت میں ہے، بعض اوقات سخت عذاب سے گزر رہا ہے۔ جب چھوٹی وفات کا یہ حال ہے تو بڑی وفات میں اسے رنج و راحت کا احساس کیوں نہیں ہو سکتا۔

6 مَا تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ ﷺ : بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ اس کے سامنے موجود ہوتے ہیں، اس لیے اس سے پوچھا جاتا ہے کہ اس آدمی کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ کیونکہ ” هٰذَا “ اسم اشارہ قریب کے لیے ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ بعض اوقات ” هٰذَا “ کے ساتھ اشارہ ذہن میں موجود چیز کی طرف بھی ہوتا ہے، جیسا ہرقل والی لمبی حدیث میں ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کا خط آنے پر تحقیق کے لیے عرب کے لوگوں کو بلوایا، اس وقت ابوسفیان اور اس کے تقریباً تیس ساتھی تجارت کے لیے شام گئے ہوئے تھے، بادشاہ کے لوگ انھیں تلاش کر کے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے ترجمان کے ذریعے پہلا سوال یہ کیا: « أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا بِهٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ ؟ » ”تم میں سے نسب کے لحاظ سے اس آدمی کے سب سے زیادہ قریب کون ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی ہے؟“ ابوسفیان نے کہا: میں نسب میں ان سب سے زیادہ قریب ہوں۔ اس نے ابوسفیان کو سامنے بٹھا لیا اور اس کے ساتھیوں کو پیچھے بٹھا کر ترجمان سے کہا کہ ان سے کہو: « إِنِّيْ سَائِلٌ هٰذَا عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ » [بخاري : ۷] ”میں اس سے اس آدمی کے متعلق سوال کرنے والا ہوں۔“ اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ وہاں موجود نہیں تھے، ورنہ خط بھیجنے کی

ضرورت ہی نہیں تھی، پھر بھی وہ آپ کا ذکر " هٰذَا الرَّجُلِ " کے ساتھ کر رہا ہے، کیونکہ خط کی وجہ سے آپ اس کے اور ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے ذہن میں حاضر تھے، اسے حضور ذہنی کہتے ہیں۔ قبر میں بھی " هٰذَا الرَّجُلِ " کے ساتھ سوال اسی حضور ذہنی کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اگر واقعی رسول اللہ ﷺ وہاں قبر میں موجود ہوتے ہوں تو آپ کو مسجد میں جھاڑو دینے والی عورت کو چند دن نہ دیکھنے پر یہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی کہ اس عورت کا کیا بنا؟ اس کے علاوہ جس نے نبی ﷺ کو دیکھا نہ ہو اس سے پوچھنا کہ بتاؤ تم اس آدمی کے متعلق کیا کہتے ہو ایسا سوال ہوگا جس کا جواب اس کے بس ہی میں نہیں۔ جب آپ زندہ تھے تو جن لوگوں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا وہ بعض اوقات کسی اور کے متعلق خیال کر لیتے تھے کہ وہ نبی ﷺ ہیں۔ جیسا کہ ہجرت کے موقع پر جن لوگوں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا وہ کافی دیر تک ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ سمجھتے رہے۔ جب دھوپ آنے پر انھوں نے کھڑے ہو کر آپ پر کپڑے کا سایہ کیا تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ نبی ﷺ تو یہ ہیں۔ یہ تفصیل اس لیے لکھی گئی ہے کہ اس حدیث میں صرف " هٰذَا الرَّجُلُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " ہے۔ اس کے علاوہ ایک صحیح حدیث میں جو متعدد کتب احادیث میں موجود ہے اس " هٰذَا الرَّجُلُ " کی وضاحت موجود ہے۔ اس حدیث کے الفاظ سے یہ سوال سرے ہی سے ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں: « مَا هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ » "یہ آدمی جو تم میں بھیجا گیا وہ کیا ہے؟" یہ مسلّم قاعدہ ہے کہ قرآن کی آیات ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں، اسی طرح احادیث بھی ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں۔ حدیث کے ان الفاظ کے لیے دیکھیے ابوداوٗد (۴۷۵۳)، شعب الایمان بیہقی (۳۹۰)، مصنف ابن ابی شیبہ (۱۲۰۵۹)، مسند طیالسی (۷۸۹)، مسند احمد (۱۸۵۳۴) اور متعدد کتب احادیث۔

7 لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ : یعنی نہ تو نے خود جانا نہ کسی جاننے والے کے پیچھے لگا۔ بعض حضرات اس سے یہ بات نکالتے ہیں کہ کسی ایک امام کی تقلید ضروری ہے، مگر اس سے یہ بات نکالنا محض سینہ زوری اور زبردستی ہے، اس لیے کہ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ وہ صرف اس کی پیروی کرے جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، فرمایا: ﴿ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ﴾ [الأعراف : ۳] "اس کے پیچھے چلو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا اور دوستوں کے پیچھے مت چلو۔" اور اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی چیز صرف قرآن و حدیث ہے۔ ظاہر ہے کہ اب رسول اللہ ﷺ فوت ہو چکے ہیں اور وہ امام بھی جن کی لوگ تقلید کرتے ہیں، اس لیے اب ہم نہ براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے علم حاصل کر سکتے ہیں نہ ان اماموں میں سے کسی امام سے جن کی تقلید لوگ کرتے ہیں، لامحالہ کسی ایسے عالم ہی سے پوچھا جائے گا جو قرآن و حدیث کا علم رکھتا ہو یا اس عالم سے جو کسی امام کے اقوال کا علم رکھتا ہو۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا قبر میں یہ کہا جائے گا کہ نہ تو نے خود فلاں امام کے اقوال کو جانا اور نہ ایسے شخص کے پیچھے چلا جو فلاں امام کے اقوال جانتا ہو، یا یہ کہا جائے گا کہ نہ تو نے خود قرآن و سنت کا علم حاصل کیا نہ کسی ایسے شخص کے پیچھے چلا جو قرآن و سنت کا علم رکھتا ہو۔ لوگ جن اماموں کی تقلید کرتے ہیں ہجرت سے ایک سو سال تک دنیا میں ان کا علمی وجود تک نہ تھا، ان سے پہلے فوت ہونے والوں کو فرشتے کس چیز کے متعلق کہتے تھے کہ نہ تو نے خود اسے جانا اور نہ ہی کسی

کے پیچھے چلا۔ ظاہر ہے وہ صرف اور صرف یہ بات قرآن وسنت کے متعلق کہتے تھے، کیونکہ اماموں کے اقوال تو تھے ہی نہیں۔
آج بھی کوئی عام آدمی جو عالم نہیں ہے کسی عالم ہی سے جا کر مسئلہ پوچھے گا، کیونکہ اب نہ رسول اللہ ﷺ موجود ہیں نہ وہ امام جن کی تقلید کی جاتی ہے۔ اب عالم سے اس کا سوال دو طرح سے ہو سکتا ہے: ایک یہ کہ آپ مجھے بتائیں کہ اس مسئلہ میں فلاں امام صاحب کیا فرماتے ہیں اور یہ کہ آپ مجھے یہ بتائیں کہ اس مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم کیا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ ہر شخص کو کسی عالم سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم پوچھنا چاہیے نہ کہ کسی امام کا قول، کیونکہ اس کا قول نہ قرآن ہے نہ حدیث اور نہ ہی وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ بلکہ یہ وہ ہے جس کی پیروی سے اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر منع فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾ [الأعراف: ۳] ''اور اس کے سوا اور دوستوں کے پیچھے مت چلو۔''

٦٨ ـ بَابُ مَنْ أَحَبَّ الدَّفْنَ فِي الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ أَوْ نَحْوِهَا

68۔ باب: جو شخص ارضِ مقدس یا اس جیسی جگہ میں دفن ہونا پسند کرے

١٣٣٩ ـ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَلَمَّا جَاءَهُ صَكَّهُ فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ فَقَالَ: أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ، فَرَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِ عَيْنَهُ وَقَالَ: ارْجِعْ فَقُلْ لَهُ: يَضَعُ يَدَهُ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ، فَلَهُ بِكُلِّ مَا غَطَّتْ بِهِ يَدُهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ، قَالَ: أَيْ رَبِّ! ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ الْمَوْتُ، قَالَ: فَالْآنَ، فَسَأَلَ اللَّهَ أَنْ يُدْنِيَهُ مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «فَلَوْ كُنْتُ ثَمَّ لَأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَى جَانِبِ الطَّرِيقِ عِنْدَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ» [انظر: ٣٤٠٧۔ أخرجه مسلم: ٢٣٧٢]

1339۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ موت کے فرشتے کو موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا، جب وہ ان کے پاس آیا تو انھوں نے اسے تھپڑ مار دیا، وہ اپنے رب کے پاس واپس گیا اور کہا: تو نے مجھے اس بندے کے پاس بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ دوبارہ درست کر دی اور فرمایا: واپس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ کسی بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھے تو اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں ہر بال کے بدلے اس کے لیے ایک سال ہے۔ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: اے رب! پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر موت! کہا: تو پھر ابھی سہی۔ تو انھوں نے اللہ سے درخواست کی کہ وہ انھیں ارضِ مقدس سے اتنا قریب کر دے جتنے فاصلے پر پتھر پھینکنے سے پہنچ جاتا ہے۔ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے) کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں وہاں ہوتا تو تمھیں راستے کے کنارے

پر ریت کے سرخ ٹیلے کے پاس ان کی قبر دکھاتا۔“

فوائد ومسائل: 1 ارضِ مقدس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ (دیکھیے مائدہ: ۲۱) مراد اس سے سرزمینِ شام ہے، اس میں بیت المقدس ہے، جو ان تین مقامات میں سے ایک ہے جن کے سوا کجاوے باندھ کر (تیاری کر کے) سفر کرنا منع ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو ارضِ مقدس کفار کے قبضے سے واپس لینے کی بہت خواہش تھی، جو اس وقت جبارین کے قبضے میں تھا۔ چنانچہ انھوں نے فرعون سے نجات کے بعد صحرائے سینا میں بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اے میری قوم! ارضِ مقدس میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دی ہے۔ مگر قوم نے نہایت گستاخانہ الفاظ کے ساتھ ان کا حکم ٹھکرا دیا، جس کے نتیجے میں اللہ نے بنی اسرائیل کا ارضِ مقدس میں داخلہ چالیس سال تک کے لیے حرام ٹھہرا دیا۔ یہ واقعہ سورۂ مائدہ کی آیت (۲۰) سے (۲۶) تک میں موجود ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بنی اسرائیل وہاں نہ جا سکے، اس لیے آخری وقت میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی کہ جب وہ ارضِ مقدس میں داخل نہیں ہو سکے تو وہ انھیں بیت المقدس سے اتنا قریب کر دے جتنا پتھر پھینکنے سے پہنچ جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ آدمی ایسی فضیلت والی جگہ میں دفن ہونے کی خواہش کر سکتا ہے۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ دعا کیا کرتے تھے: « اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ » [بخاري : ۱۸۹۰] ”اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت دے اور میری موت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں کر دے۔“

2 ”أَوْ نَحْوِهَا (یا اس جیسی جگہ)“ سے مراد حرم مکہ مکرمہ اور حرم مدینہ منورہ ہے، کیونکہ روئے زمین پر یہ تین مقامات ہی ایسے ہیں جو زمین کے دوسرے مقامات سے افضل ہیں۔ باقی ساری زمین کے کسی حصے میں کوئی ایسی خوبی نہیں جو اسے دوسرے حصوں سے افضل بناتی ہو۔ البتہ ارضِ جہاد ہونے کی وجہ سے یا علم کے حصول کے لیے یا تجارت کے لیے یا اقارب یا دوستوں یا اہلِ علم و فضل کی ملاقات یا سیر و سیاحت وغیرہ کے لیے کسی بھی جگہ جانے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر ان صورتوں میں اس زمین کی خوبی ان اسباب کی وجہ سے ہے اور وہ بھی جب تک ان کاموں کی ضرورت ہو۔ ورنہ کسی کی جائے پیدائش یا جائے وفات یا کسی کی قبر ہونے کی وجہ سے یا کسی بھی وجہ سے ان تین جگہوں کے سوا زمین کے کسی حصے میں کوئی خوبی نہیں جو اسے دوسرے حصوں سے افضل ٹھہراتی ہو۔ دیکھیے صحیح بخاری (۱۱۸۹) کے فوائد۔

3 بعض حضرات نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ خواہش اس لیے کی تھی کہ شام ارضِ محشر ہے، اس کے قریب دفن ہونے سے انھیں دور نہیں جانا پڑے گا، مگر یہ بات بے دلیل ہے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی یا گفتگو میں اس کا کوئی قرینہ بھی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو قیامت کے دن ملنے والی سواریوں کے سامنے فاصلے کی کمی بیشی کی کچھ حیثیت نہیں۔ [دیکھیے بخاري : ٦٥٢٢]

4 بعض حضرات نے لکھا ہے کہ چونکہ ارضِ مقدس میں انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں، اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اس کے قریب دفن

ہونے کی خواہش کی، مگر ارضِ مقدس کی فضیلت تو حدیث کے مطابق مسجد اقصیٰ کی وجہ سے ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ﴾ [بني إسرائيل : ۱] ”پاک ہے وہ جو رات کے ایک حصے میں اپنے بندے کو حرمت والی مسجد سے بہت دور کی اس مسجد تک لے گیا جس کے ارد گرد کو ہم نے بہت برکت دی ہے۔“ ”بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ“ کی تفسیر امام المفسرین طبری نے یہ کی ہے: ” اَلَّذِيْ جَعَلْنَا حَوْلَهُ الْبَرَكَةَ لِسُكَّانِهٖ فِيْ مَعَايِشِهِمْ وَ أَقْوَاتِهِمْ وَ حُرُوْثِهِمْ وَ غُرُوْسِهِمْ “ ”یعنی وہ مسجد اقصیٰ جس کے گرد ہم نے اس کے رہنے والوں کے لیے ان کی معیشتوں، خوراکوں، کھیتوں اور درختوں میں برکت رکھی ہے۔“ رہی یہ بات کہ موسیٰ علیہ السلام نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کے قرب کے حصول کے لیے یہ خواہش کی تھی اور یہ کہ برکت کا یہ مطلب ہے، تو یہ بات اس لیے درست نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی اس خواہش کے وقت وہاں صرف ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام کی قبریں ہی ہو سکتی ہیں، کیونکہ یعقوب اور یوسف علیہما السلام کی قبریں تو مصر میں ہیں، باقی بنی اسرائیل کے تمام انبیاء موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے۔ ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی قبروں کے وجود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سرزمین شام مسجد بیت المقدس کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے مبارک اور مقدس ٹھہر چکی تھی، جس طرح مکہ مکرمہ بیت اللہ کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے سے مقدس و مبارک ٹھہر چکا تھا، کیونکہ زمین پر اللہ کی عبادت کے لیے سب سے پہلے بنایا جانے والا گھر اس میں تھا، جس کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر اسماعیل علیہ السلام کو اس کے پاس ٹھہرایا۔ (دیکھیے ابراہیم: ۳۷) اور پھر باپ بیٹے نے اللہ تعالیٰ کی نشان دہی پر پہلی بنیادوں پر اس کی دوبارہ تعمیر کی۔ (دیکھیے حج: ۲۶۔ بقرہ: ۱۲۷) اس لیے جس طرح بیت اللہ اور مکہ کا تقدس اور مبارک ہونا کسی قبر کی وجہ سے نہیں بالکل اسی طرح بیت المقدس کا تقدس اور مبارک ہونا بھی کسی قبر کی وجہ سے نہیں بلکہ اس مسجد کی وجہ سے ہے جو مکہ والی مسجد کے چالیس سال بعد تعمیر کی گئی۔ [دیکھیے بخاري : ۳۳۶٦] ظاہر ہے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے کی بات ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے محفوظ رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الأنبياء : ۷۱] ”ہم اسے اور لوط کو بچا کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے جہانوں کے لیے برکت رکھی۔“ معلوم ہوا کہ وہ سرزمین ابراہیم علیہ السلام کی وہاں آمد سے پہلے ہی مبارک تھی۔ غرض یہ کہنا کہ موسیٰ علیہ السلام نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کی وجہ سے ارضِ مقدس کے قریب دفن ہونے کی خواہش کی تھی کسی بھی دلیل یا قرینے سے خالی ہے۔

5 اس حدیث پر ملحدین اور منکرینِ حدیث سخت اعتراض کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے تھپڑ کیوں مارا اور ان کے تھپڑ سے فرشتے کی آنکھ کیسے نکل گئی جب کہ فرشتے تو بہت قوت والے ہوتے ہیں، پھر کیا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا مقرر وقت آ چکا تھا یا نہیں؟ اگر آ چکا تھا تو اس میں تاخیر کیسے ہو گئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ [الأعراف : ۳٤] ”پھر جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو وہ ایک گھڑی نہ پیچھے ہوتے ہیں اور نہ آگے ہوتے ہیں۔“ اور اگر وقت معین نہیں ہوا تھا تو فرشتہ ان کے پاس پہلے کیوں چلا گیا۔ ان سوالوں کے جواب کے لیے چند باتیں مدنظر

رہنی چاہییں، پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیائے کرام علیہم السلام کا یہ اکرام ہوتا ہے کہ ان کی اجازت سے ان کی روح قبض کی جاتی ہے۔ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: « كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ وَهُوَ صَحِيحٌ : إِنَّهُ لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، ثُمَّ يُخَيَّرَ » [بخاري : ٤٤٦٣] ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے: ''کوئی نبی فوت نہیں کیا گیا یہاں تک کہ اسے جنت میں اس کی جگہ دکھائی جاتی ہے، پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے۔'' دوسری بات یہ ہے کہ بلا اجازت کسی کے گھر میں گھسنا جائز نہیں حتیٰ کہ جھانکنا بھی جائز نہیں۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک سوراخ سے جھانکا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سلائی تھی، جس کے ساتھ سر میں کھجلی کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: ''اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو میں یہ سلائی تمھاری آنکھ میں مار دیتا، اجازت مانگنے کا حکم نظر ہی کی وجہ سے تو ہے۔'' [بخاري : ٦٢٤١] تیسری بات یہ ہے کہ نظر نہ آنے والی مخلوق جب کسی مادی وجود کی شکل میں ہو تو اس پر اس شکل والے بعض اثرات ہو جاتے ہیں، جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک نوجوان صحابی کا گھر میں ایک بڑے سانپ کو دیکھ کر اس کے جسم میں نیزہ گاڑنے کا ذکر ہے، اس میں ذکر ہے کہ سانپ کے مرنے کے ساتھ ہی وہ صحابی بھی فوت ہو گیا۔ راوی کا بیان ہے: « فَمَا يُدْرٰى أَيُّهُمَا كَانَ أَسْرَعَ مَوْتًا، اَلْحَيَّةُ أَمِ الْفَتٰى » یعنی معلوم نہیں ہو سکا کہ ان میں سے پہلے کون مرا، وہ سانپ یا وہ جوان؟ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا: دعا کریں کہ اللہ اس نوجوان کو زندہ کر دے۔ آپ نے فرمایا: ''اپنے ساتھی کے لیے استغفار کرو۔'' پھر فرمایا: ''مدینہ میں کچھ جن ہیں جو مسلمان ہو گئے ہیں......'' لمبی حدیث ہے۔ [مسلم، باب قتل الحيات : ٢٢٣٦] دیکھیے یہاں جن سانپ کی شکل میں آیا تو سانپوں کی طرح ہی نیزے سے مارا گیا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی کام میں بھی ''کیوں'' کا سوال نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴾ [الأنبیاء : ٢٣] ''اس سے نہیں پوچھا جاتا اس کے متعلق جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جاتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴾ [الحج : ١٨] ''بے شک اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴾ [البروج : ١٦] ''وہ کر گزرنے والا ہے جو چاہتا ہے۔'' ہاں وہ خود کسی کام کی حکمت بتا دے تو اس کا کرم ہے، بندہ غور و فکر کر کے اس کی حکمت کچھ نہ کچھ سمجھ سکتا ہے مگر وہ اس کی اپنی سمجھ ہو گی، یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کام سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہی ہے۔ پانچویں بات یہ ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں آئے تو بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ فرشتہ ہے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے تو انھوں نے انھیں نہیں پہچانا، ورنہ وہ کبھی بھنا ہوا بچھڑا نہ لاتے، پھر وہی فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس گئے تو انھوں نے بھی انھیں نہیں پہچانا، بلکہ یہ کہا: ﴿ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴾ [الحجر : ٦٢] ''تم تو ایسے لوگ ہو جن کی جان پہچان نہیں۔'' حدیثِ جبریل میں ہے کہ فرشتے کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اس کا تم سے زیادہ علم نہیں تھا۔'' [نسائي، کتاب الإيمان و شرائعه : ٤٩٩١]

اب آپ اس حدیث پر غور کریں، فرشتہ انسانی شکل میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور آتے ہی کہنے لگا: « أَجِبْ رَبَّكَ »

"اپنے رب کے پاس چلو۔" صحیح مسلم (۲۳۷۲) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی اس حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ کسی نبی کو ملک الموت کا اس طرح کہنا موسیٰ علیہ السلام کے علم میں نہ تھا۔ انھوں نے اسے فرشتہ سمجھا ہی نہیں، کوئی شیطان یا دشمن سمجھا جو بلا اجازت گھر میں گھس آیا ہے اور بلا اجازت گھر کے اندر دیکھنے پر آنکھ نکال دینے کی اجازت ہے اور یہاں تو یہ صاحب بلا اجازت گھر کے اندر گھس آئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت قوت عطا فرمائی تھی، اس سے پہلے ان کے مکے سے ایک قبطی پار ہو چکا تھا۔ بلا اجازت در آنے پر موسیٰ علیہ السلام نے غصے سے اسے جو تھپڑ مارا تو اس کی آنکھ نکل گئی۔ اس واقعہ میں ایسی کوئی بات نہیں جو خلاف عقل ہو۔ رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو موسیٰ علیہ السلام کی موت کے اصل وقت سے پہلے کیوں بھیج دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ کسی سے پوچھ کر کوئی کام نہیں کرتا، نہ کسی میں جرأت ہے کہ اس سے پوچھے کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اتنی بات ضرور ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، ہمیں وہ حکمت معلوم ہو سکے یا معلوم نہ ہو سکے۔ اس واقعہ پر اگر غور کریں تو اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ملک الموت کو یہ سمجھانا چاہتے ہوں کہ لوگوں کی روح تم اپنی قوت سے قبض نہیں کرتے بلکہ میرے حکم کی وجہ سے تم میں یہ استعداد پیدا ہوتی ہے۔ دیکھ لو! میرے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ تمام تر قوت کے باوجود تم ان کا ایک تھپڑ نہیں سہہ سکے اور اپنی آنکھ سے محروم ہو گئے۔ مگر یہ حکمت یا کوئی اور حکمت جو ہم سوچ سمجھ کر نکالیں اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی مراد اس واقعہ سے یہی تھی۔

6 عِنْدَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ: عثمانی خلیفہ عبدالحمید نے موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر قبہ بنوایا تھا مگر اس کا کچھ اعتبار نہیں، درحقیقت موسیٰ علیہ السلام کی قبر معلوم نہیں، یہود کو بھی اس کا علم نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نشانی بتائی اس سے قبر کی تعیین نہیں ہو سکتی، جب تک آپ خود وہاں نہ ہوں اور خود نہ دکھائیں۔ ملا علی قاری نے موضوعات (۴۰۲) میں لکھا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی قبر معلوم نہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سوا کسی کی قبر بالتعیین معلوم نہیں۔

٦٩- بَابُ الدَّفْنِ بِاللَّيْلِ

69۔ باب: رات کے وقت دفن کرنا

وَدُفِنَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَيْلًا.

اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا گیا۔

١٣٤٠- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ عَلَى رَجُلٍ بَعْدَ مَا دُفِنَ بِلَيْلَةٍ، قَامَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ وَكَانَ سَأَلَ عَنْهُ، فَقَالَ: «مَنْ هَذَا؟» فَقَالُوا: فُلَانٌ دُفِنَ الْبَارِحَةَ، فَصَلَّوْا عَلَيْهِ. [راجع: ٨٥٧]

1340۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی پر نماز جنازہ پڑھی اس کے بعد کہ اسے رات کو دفن کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ آپ اور آپ کے صحابہ کھڑے ہوئے، آپ نے اس کے متعلق پوچھا تھا اور فرمایا تھا: "یہ کون ہے؟" صحابہ نے کہا: یہ فلاں ہے جسے گزشتہ رات دفن کر دیا گیا تھا، تو انھوں نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔

أخرجه مسلم : ٩٥٤ باختلاف]

فائدہ یہ حدیث (۸۵۷) پر گزر چکی ہے۔ یہ باب اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ بعض لوگ رات کے وقت میت کو دفن کرنا درست نہیں سمجھتے، اس حدیث کے ساتھ امام صاحب نے ان کا رد کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کو رات کے وقت دفن کرنے پر اعتراض نہیں کیا بلکہ صحابہ کو یہ فرمایا کہ تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی۔ اور اپنی بات کی تائید میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کرنا ذکر کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے عبید بن السباق سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عشاء کی نماز کے بعد دفن کیا۔ [المصنف لابن أبي شيبة : ٣١/٣، ح : ١١٨٣١] تمام صحابہ کا اس میں شرکت کرنا اور کسی کا اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ رات کے وقت دفن کرنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت دفن کیا تھا۔ [بخاري : ٤٢٤٠] رات کے وقت دفن سے منع کرنے والوں نے صحیح ابن حبان سے جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بطور دلیل پیش کی ہے: « فَزَجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقْبَرَ الرَّجُلُ لَيْلًا إِلَّا أَنْ يُضْطَرَّ الْإِنْسَانُ إِلٰى ذٰلِكَ » [صحيح ابن حبان : ٣١٠٣] ”کہ نبی ﷺ نے رات کے وقت آدمی کو دفن کرنے سے منع کیا الا یہ کہ انسان اس کے لیے مجبوری ہو جائے۔“ مگر مسلم (۹۴۳) نے اس کا سبب بیان کیا ہے کہ آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ آپ کے صحابہ میں سے ایک آدمی کو بے کار سا کفن دے کر رات کو دفن کر دیا گیا تھا تو آپ نے اس وقت تک رات کو دفن کرنے سے منع فرما دیا جب تک آپ ﷺ اس کا جنازہ پڑھیں الا یہ کہ اس کی مجبوری ہو جائے۔ (فتح الباری)

٧٠۔ بَابُ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ عَلَى الْقَبْرِ

70۔ باب: قبر پر مسجد بنانا

١٣٤١۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ ﷺ ذَكَرَتْ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ يُقَالُ لَهَا : مَارِيَةُ، وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَأُمُّ حَبِيبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَتَتَا أَرْضَ الْحَبَشَةِ، فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيرَ فِيهَا، فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ : « أُولٰئِكَ إِذَا مَاتَ مِنْهُمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، ثُمَّ صَوَّرُوا فِيهِ

1341۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ بیمار ہوئے تو آپ کی کچھ بیویوں نے ایک گرجے کا ذکر کیا جو انھوں نے حبشہ کی سرزمین میں دیکھا تھا، اسے ماریہ کہا جاتا تھا، اُم سلمہ اور اُم حبیبہ رضی اللہ عنہما حبشہ میں گئی تھیں، چنانچہ انھوں نے اس کی خوبصورتی کا اور اس میں موجود تصویروں کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کا کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے، پھر اس میں یہ تصویریں بنا دیتے، یہ لوگ اللہ

تِلْكَ الصُّورَةَ، أُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ » کے ہاں ساری مخلوق سے برے ہیں۔''

[راجع : ٤٢٧۔ أخرجه مسلم : ٥٢٨]

فائدہ اس مسئلے پر مفصل گفتگو اسی ''کتاب الجنائز'' کے باب (۶۱) میں گزر چکی ہے، اس سے بھی پہلے حدیث (۴۲۷) میں بھی کچھ کلام گزرا ہے۔

٧١۔ بَابُ مَنْ يَدْخُلُ قَبْرَ الْمَرْأَةِ ؟

١٣٤٢۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : شَهِدْنَا بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ، فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ، فَقَالَ : « هَلْ فِيكُمْ مِنْ أَحَدٍ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ ؟ » فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ : أَنَا، قَالَ : « فَانْزِلْ فِي قَبْرِهَا » فَنَزَلَ فِي قَبْرِهَا، فَقَبَرَهَا . قَالَ ابْنُ مُبَارَكٍ : قَالَ فُلَيْحٌ : أُرَاهُ يَعْنِي الذَّنْبَ . قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ : ﴿لِيَقْتَرِفُوا﴾ [الأنعام : ١١٣] أَيْ لِيَكْتَسِبُوا.

[راجع : ١٢٨٥]

71۔ باب: عورت کی قبر میں کون داخل ہو؟

1342۔ انس ؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی ایک بیٹی کے جنازے میں شریک ہوئے، رسول اللہ ﷺ قبر پر بیٹھے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں، آپ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی ہے جس نے آج رات جماع نہ کیا ہو؟'' ابوطلحہ ؓ نے کہا: میں حاضر ہوں، آپ نے فرمایا: ''تو تم اس کی قبر میں اترو۔'' تو وہ اس کی قبر میں اترے اور انھیں قبر میں رکھا۔ ابن مبارک نے کہا کہ فلیح نے کہا: آپ کی مراد تھی کہ کون ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: '' لِيَقْتَرِفُوا '' کا معنی ہے: تاکہ وہ بھی وہ گناہ کریں۔

فوائد 1 نبی ﷺ کی یہ بیٹی ام کلثوم ؓ تھیں۔ طحاوی نے مشکل الآثار (۴۵۱۴) میں جزم کے ساتھ یہی کہا ہے اور کہا ہے کہ اس کی وفات سنہ ۹ ہجری میں ہوئی۔ مسند احمد (۱۳۳۹۸) کی ایک روایت میں رقیہ ؓ کا ذکر ہے مگر وہ اس کے راوی حماد بن سلمہ کی غلطی ہے، کیونکہ رقیہ ؓ تو بدر کے موقع پر فوت ہوئیں، جب رسول اللہ ﷺ موجود نہیں تھے۔ (احکام الجنائز از البانی، ص: ۱۰۲)

2 حدیث کے الفاظ یہ ہیں: « هَلْ فِيكُمْ مِنْ أَحَدٍ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ ؟ » اس میں '' لَمْ يُقَارِفْ '' کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: جس نے آج رات کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ امام بخاری ؒ کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ انھوں نے اس کی تائید کے لیے فلیح کا قول اور آیت میں '' لِيَقْتَرِفُوا '' کا معنی '' لِيَكْتَسِبُوا '' پیش کیا ہے۔ دوسرے اہلِ علم کا کہنا یہ ہے کہ یہاں '' لَمْ يُقَارِفْ '' کا معنی ہے جس نے آج رات جماع نہ

کیا ہو۔ حافظ ابن حزم نے اس معنی کی تائید میں کہا ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ فخر کیسے کر سکتے ہیں کہ آج رات میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اور یہی معنی صحیح ہے، کیونکہ مسند احمد (١٣٣٩٨) میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رقیہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَا يَدْخُلِ الْقَبْرَ رَجُلٌ قَارَفَ أَهْلَهُ ، فَلَمْ يَدْخُلْ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ الْقَبْرَ » ''وہ آدمی قبر میں نہ اترے جس نے اپنے اہل سے جماع کیا ہو۔ تو عثمان رضی اللہ عنہ قبر میں داخل نہیں ہوئے۔'' اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر حماد بن سلمہ کا وہم ہے۔ اس حدیث میں '' قَارَفَ أَهْلَهُ '' سے معنی متعین ہو گیا کہ اس سے مراد اہل سے جماع کرنا ہے۔ اس میں عثمان رضی اللہ عنہ کا صدق بھی صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ اس میں ان پر کچھ حرف آتا تھا مگر انھوں نے سچ اختیار کیا اور قبر میں نہیں اترے۔ علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قدرتی طور پر عثمان رضی اللہ عنہ کے اپنی کسی لونڈی کے ساتھ اس عمل سے رنج پہنچا اور آپ نے اس تدبیر سے عثمان رضی اللہ عنہ کو قبر میں اترنے سے روک دیا۔ لیکن عثمان رضی اللہ عنہ اس میں معذور تھے، کیونکہ اہلیہ کی بیماری لمبی ہو گئی اور انھیں معلوم نہ تھا کہ اس دن ان کی وفات ہو جائے گی۔ مگر اس کی بجائے یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے ایک مسئلہ امت کو سمجھایا ہے کہ عورت کو قبر میں اتارنے کا حق اگرچہ اس کے خاوند اور محرم رشتہ داروں کو زیادہ ہے، فرمایا: ﴿ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ﴾ [الأنفال : ٧٥] (اور رشتے دار اللہ کی کتاب میں، ان کے بعض بعض کے زیادہ حق دار ہیں) مگر میت کی قبر میں اسی کو اترنا چاہیے جس نے اس رات اپنے اہل سے جماع نہ کیا ہو اگرچہ وہ رشتہ دار نہ ہو بلکہ بالکل اجنبی ہو، کیونکہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصاری تھے، جن کا ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کوئی نسبی رشتہ نہ تھا۔ آج کل بعض جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کی میت کی چارپائی کو بھی غیر محرم نہیں اٹھا سکتا، مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت جب غیر محرم عورت کو قبر میں اتار سکتا ہے تو اس کی چارپائی کو کیوں نہیں اٹھا سکتا؟

3 اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کو دفن کرنا مردوں کا کام ہے۔ مدینہ میں اس وقت بہت سی عورتیں موجود تھیں مگر آپ نے اپنی بیٹی کو غیر محرم مرد کے ہاتھوں قبر میں اتروایا ہے، مگر کسی عورت کے ہاتھوں یہ فریضہ سرانجام نہیں دیا۔

٧٢- بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الشَّهِيدِ

١٣٤٣- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ يَقُولُ:

72- باب: شہید کی نماز جنازہ

1343- جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اُحد کے مقتولوں میں سے دو، دو کو ایک ہی کپڑے میں اکٹھا کرتے تھے، پھر فرماتے: ''ان میں سے قرآن کے زیادہ یاد ہے؟'' جب آپ کو ان میں سے ایک کا اشارہ کیا جاتا تو آپ اسے لحد میں آگے رکھ دیتے اور آپ نے فرمایا: ''میں

«أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟» فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ، وَقَالَ: «أَنَا شَهِيدٌ عَلَى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» وَأَمَرَ بِدَفْنِهِمْ فِي دِمَائِهِمْ، وَلَمْ يُغَسَّلُوا، وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ. [انظر: ١٣٤٥، ١٣٤٦، ١٣٤٧، ١٣٤٨، ١٣٥٣، ٤٠٧٩]

قیامت کے دن ان کے حق میں گواہ ہوں گا۔" اور آپ نے انھیں ان کے خونوں سمیت دفن کرنے کا حکم دیا اور نہ انھیں غسل دیا گیا اور نہ ان کا جنازہ پڑھا گیا۔

١٣٤٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمًا فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: «إِنِّي فَرَطٌ لَكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ، وَإِنِّي وَاللّٰهِ! لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ، وَإِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ، وَ إِنِّي وَاللّٰهِ! مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي، وَلٰكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا» [انظر: ٣٥٩٦، ٤٠٤٢، ٤٠٨٥، ٦٤٢٦، ٦٥٩٠ - أخرجه مسلم: ٢٢٩٦]

1344- عقبہ بن عامر ﷜ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک دن نکلے اور آپ نے اُحد والوں پر نماز پڑھی جس طرح آپ میت پر نماز پڑھتے تھے، پھر منبر کی طرف پلٹے اور فرمایا: "یقیناً میں پہلے جا کر تمھارے لیے تیاری کرنے والا ہوں اور میں تمھارے حق میں شہادت دینے والا ہوں اور یقیناً میں اللہ کی قسم! اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں یا زمین کی چابیاں دی گئی ہیں اور یقیناً میں اللہ کی قسم! تمھارے بارے میں اس بات سے نہیں ڈرتا کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، لیکن میں تمھارے بارے میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا میں رغبت کرنے لگو گے۔"

فوائد ومسائل: 1 امام بخاری ؒ نے شہید کی نماز جنازہ کے متعلق دو حدیثیں ذکر کی ہیں: پہلی جابر ﷜ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے اُحد کے شہداء کا جنازہ نہیں پڑھا۔ دوسری عقبہ بن عامر ﷜ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے کئی سال بعد شہدائے اُحد پر نماز پڑھی، جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ امام ؒ نے دونوں حدیثیں نقل کر دی ہیں مگر واضح الفاظ میں فیصلہ نہیں کیا کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں۔ واضح رہے کہ اس مسئلہ میں اہل علم کے تین اقوال ہیں: ایک یہ کہ شہید کا نماز جنازہ ضرور پڑھنا چاہیے، دوسرا یہ کہ شہید کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں اور تیسرا یہ کہ شہید کا جنازہ مستحب ہے: ضروری نہیں۔ ان میں سے تیسرا قول صحیح ہے۔ پہلا قول اس لیے درست نہیں کہ بدر اور دوسرے کئی غزوات کے شہداء کے جنازے کا حدیث میں کوئی ذکر نہیں۔ دوسرا قول اس لیے کہ بعض مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے شہید کا جنازہ پڑھا ہے، جیسا کہ شیخ البانی ؒ نے "احکام الجنائز" میں چار احادیث کا ذکر کیا ہے، جن میں سے دو کو انھوں نے صحیح اور دو کو حسن قرار دیا ہے۔

یہاں وہ دو حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں جو صحیح ہیں اور کسی نے انھیں ضعیف نہیں کہا: ① شداد بن ہاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ پر ایمان لے آیا اور آپ کے ساتھ رہنے لگا، پھر کہنے لگا کہ میں تو آپ کے ساتھ مہاجر بن کر رہوں گا، تو نبی ﷺ نے اس کے (قیام و طعام کے) متعلق اپنے کچھ صحابہ کو تاکید کر دی، پھر جب ایک جنگ ہوئی تو نبی ﷺ کو غنیمت میں کچھ قیدی ملے، آپ نے انھیں تقسیم کر دیا اور اس کا حصہ بھی رکھا اور اس کے ساتھیوں کو اس کا حصہ دے دیا۔ وہ ان کی سواری کے جانور چرایا کرتا تھا، جب وہ آیا تو صحابہ نے اس کا حصہ اس کے سپرد کر دیا۔ وہ کہنے لگا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: یہ تمھارا حصہ ہے جو نبی ﷺ نے غنیمت میں سے تمھارے لیے رکھا ہے۔ وہ اسے لے کر نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ میں نے تمھارا حصہ رکھا ہے۔'' اس نے کہا: میں اس کے لیے تو آپ کا ساتھی نہیں بنا بلکہ میں تو اس لیے آپ کا ساتھی بنا ہوں کہ مجھے یہاں۔ اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا ۔ کوئی تیر لگے اور میں مر جاؤں اور جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: ''اگر تم اللہ سے سچ کا معاملہ کرو گے تو وہ بھی تم سے سچ کا معاملہ کرے گا۔'' پھر کچھ عرصہ بعد وہ سب (دوبارہ) دشمن سے لڑنے کے لیے گئے تو اس اعرابی کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس اس حال میں لایا گیا کہ اسے وہیں تیر لگا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ وہی ہے؟'' صحابہ نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''اس نے اللہ سے سچ کا معاملہ کیا تو اللہ نے بھی اس سے سچ کا معاملہ کیا۔'' پھر نبی ﷺ نے اپنے جبے میں اسے کفن دیا، پھر اسے آگے رکھا اور اس پر نماز پڑھی، تو آپ کی نماز میں سے جو الفاظ ظاہر ہوئے ان میں یہ الفاظ بھی تھے: ''اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے جو تیرے راستے میں ہجرت کر کے آیا ہے اور شہید ہو کر قتل ہوا ہے، میں اس پر گواہ ہوں۔'' [نسائي : ١٩٥٣، إسناده صحيح] ② دوسری حدیث صحیح بخاری میں عقبہ بن عامر جُہنی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، جس کے فوائد بیان کیے جا رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ شہید کی نمازِ جنازہ مستحب اور ثواب کا کام ہے، واجب نہیں۔

2 جو حضرات شہید کا جنازہ جائز قرار نہیں دیتے وہ شہدائے اُحد پر آٹھ سال بعد آپ کے نمازِ جنازہ پڑھنے کی تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد ان کے لیے دعا کرنا ہے، مگر '' صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ '' (میت پر نماز کی طرح) کے الفاظ میں اس تاویل کی گنجائش نہیں، پھر تو تمام اموات پر دعا ہی کرنی چاہیے، نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ بہر حال اس کی تاویل کر لی جائے تو سنن نسائی میں شداد بن ہاد رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث کی کیا تاویل کی جائے گی جو اس سے پہلے فائدے میں گزری ہے۔

3 اس حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ آپ نے شہدائے اُحد کا جنازہ آٹھ سال بعد پڑھا۔ حافظ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: غزوۂ اُحد شوال سنہ ۳ ہجری میں ہوا اور نبی ﷺ ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری میں فوت ہوئے، اس کے مطابق آٹھ سال کے لفظ میں مجاز ہے، ورنہ یہ مدت پورے سات سال اور مزید آدھے سال سے کچھ کم بنتی ہے۔

4 اس حدیث سے شہداء کا غائبانہ جنازہ بھی ثابت ہو رہا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ نمازِ جنازہ کے بعد آپ منبر کی طرف چلے، اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے مسجد میں یہ جنازہ پڑھا اور پھر منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا۔

5 جابر رضی اللہ عنہ نے اُحد کے شہداء کے متعلق '' قَتْلَى أُحُدٍ '' (اُحد کے مقتول) کا لفظ استعمال کیا، حالانکہ وہ سب شہداء تھے۔

اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سادہ بیانی ظاہر ہو رہی ہے کہ انھوں نے کسی تکلف کے بغیر انھیں مقتول کہا۔ آج کل ہر ایک کو شہید کا سرٹیفکیٹ دے دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ ہندو اور سکھ اپنے مرداروں کو شہید کہہ رہے ہیں۔ مسلمان صحافی شکاگو میں مرنے والے کافر مزدوروں کو شہیدانِ شکاگو لکھ رہے ہیں، جنھوں نے کبھی نماز بھی نہیں پڑھی انھیں شہادت کا سرٹیفکیٹ دیا جا رہا ہے۔ [اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ]

6 منبر کے استعمال سے معلوم ہوا کہ جس طریقے سے آواز بلند ہو سکے وہ اختیار کرنا چاہیے، ''منبر'' کا معنی آواز بلند کرنے کا آلہ ہے، گویا منبر کا انگریزی ترجمہ لاؤڈ سپیکر ہے، اس لیے لاؤڈ سپیکر میں نماز پڑھانے اور خطبہ دینے میں کوئی حرج نہیں، جس طرح عینک لگا کر قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کہ اس سے حروف موٹے اور صاف نظر آتے ہیں۔

7 نبی ﷺ اپنی امت کے لیے '' فَرَطٌ '' ہیں، یعنی پہلے جا کر امت کے لوگوں کی ضرورتوں اور آسائشوں کا بندوبست کرنے والے اور ان کے حق میں شہادت دینے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان خوش نصیبوں میں شامل فرمائے۔

8 نبی ﷺ کا حوض اب بھی موجود ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اب اسے دیکھ رہا ہوں۔'' یہ نہیں فرمایا: « كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ » ''گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔'' آپ نے '' إِنَّ ''، لام تاکید اور قسم کے ساتھ یہ بات نہایت تاکید کے ساتھ فرمائی۔

9 نبی ﷺ کی شریعت اور آپ کی امت کے لوگوں کے ذریعے سے جو فتوحات ہوئیں وہ انھی فتوحات کی طرح ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہوئیں، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کر دی گئیں۔'' اور سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں صرف جزیرۂ عرب اور اس کے ارد گرد کے علاقے فتح ہوئے تھے، شام، عراق، مصر اور زمین کے مشرق میں چین تک اور مغرب میں افریقہ تک کو خلفائے اسلام نے فتح کیا، تو گویا ان سب کو نبی ﷺ ہی نے فتح کیا۔

10 اس حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ کی قسم! میں تمھارے بارے میں اس سے نہیں ڈرتا کہ تم میرے بعد شرک کرو گے'' اس سے بعض شرک کے بیماروں اور قبر پرستوں نے یہ بات بنائی ہے کہ اب قیامت تک امتِ محمد ﷺ کا کوئی آدمی مشرک نہیں ہو سکتا، خواہ وہ صریح شرک کرتا رہے۔ جب کہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ امت کے بہت سے لوگ صریح شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں، قبروں کا طواف ہو رہا ہے، ان کی طرف سجدے کیے جا رہے ہیں، ان کے نام کی نذریں نیازیں دی جا رہی ہیں۔ غیر اللہ سے فریاد کرنا، انبیاء و اولیاء کو عالم الغیب اور مختار سمجھنا، ان سے وہ چیزیں مانگنا جو مخلوق کے اختیار ہی میں نہیں نام نہاد مسلمانوں کا عام معمول ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو، اہلِ بیت کو اور شیخ عبد القادر جیلانی کو مدد کے لیے پکارنا تو ان کا شعار بن چکا ہے۔ قرآن کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے مشرکین جب سمندر میں طوفانی موجوں کی زد میں آ جاتے تو اکیلے اللہ کو پکارتے تھے، مگر اب بعض مسلمان ایسے موقع پر بھی شیخ عبد القادر جیلانی، بہاء الحق یا کسی اور پیر کو پکارتے اور ان سے کشتی کنارے لگانے کی فریاد کرتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اب امتِ محمدیہ میں قیامت تک کوئی مشرک ہو ہی نہیں سکتا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے امت کے بعض لوگوں کے شرک میں مبتلا ہو جانے کی پیش گوئی فرمائی

ہے، چنانچہ ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِيْ بِالْمُشْرِكِيْنَ، وَحَتّٰى تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي الْأَوْثَانَ » [أبو داوٗد : ٤٢٥٢ ـ ترمذي : ٢٢١٩ ـ مسند أحمد : ٢٢٤٥٢ ، حديث صحيح] ''قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے بعض قبائل مشرکین سے جا ملیں گے اور یہاں تک کہ میری امت کے کچھ قبائل اوثان کی عبادت کریں گے۔'' یاد رہے ''أَوْثَانٌ'' میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے، خواہ بت ہو یا قبر یا کوئی درخت یا دریا یا جانور۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ میری امت کے کچھ قبائل شرک میں گرفتار ہو جائیں گے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہوگا کہ ''میں اس بات سے نہیں ڈرتا کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، لیکن میں تمھارے بارے میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا میں رغبت کرنے لگو گے۔'' اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے خطاب فرما رہے تھے اور صحابہ کے متعلق شرک میں مبتلا ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا اور واقعی کوئی صحابی شرک میں گرفتار نہیں ہوا۔ ہاں! صحابہ کی آپس میں لڑائیاں ضرور ہوئیں، مگر کسی صحابی کا شرک کرنا کسی روایت سے ثابت نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ شرک سے پاک رہنے کی یہ بشارت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق تھی، البتہ ان کے بارے میں دنیوی حرص میں مبتلا ہونے کا خطرہ تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خبردار کر دیا، لیکن بعد کے لوگوں کے شرک میں مبتلا نہ ہونے کی آپ نے کوئی بات نہیں کی، بلکہ دوسرے موقعوں پر بعد میں آنے والے بعض مسلمانوں کے اوثان کی عبادت کرنے اور مشرکین کے ساتھ جا ملنے کی خبر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت امتِ مسلمہ کے زوال اور ادبار کا سب سے بڑا باعث یہی شرک ہے، فرمایا: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ﴾ [الروم : ٤١، ٤٢] ''خشکی اور سمندر میں فساد ظاہر ہوگیا، اس کی وجہ سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمایا، تاکہ وہ انھیں اس کا کچھ مزہ چکھائے جو انھوں نے کیا ہے، تاکہ وہ باز آجائیں۔ کہہ دے زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے، ان کے اکثر مشرک تھے۔''

٧٣ ـ بَابُ دَفْنِ الرَّجُلَيْنِ وَالثَّلَاثَةِ فِي قَبْرٍ

73۔ باب: دو یا تین آدمیوں کو ایک قبر میں دفن کرنا

١٣٤٥ ـ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبٍ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّ

1345۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُحد کے مقتولوں میں سے دو، دو کو اکٹھا (دفن) کرتے تھے۔

النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ .
[راجع : ١٣٤٣]

فائدہ باب میں دو یا تین کو ایک قبر میں دفن کرنے کا ذکر ہے جب کہ حدیث میں دو آدمیوں کو ایک قبر میں اکٹھا دفن کرنے کا ذکر ہے۔ اس میں ان احادیث کی طرف اشارہ ہے جو صحیح ہیں مگر بخاری کی شرط پر نہیں، جن میں تین آدمیوں کو ایک قبر میں دفن کرنے کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُحد کے دن انصار رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ہمیں زخم آئے ہیں اور سخت تھکاوٹ ہوگئی ہے، آپ نے فرمایا: ''گہری اور کھلی قبریں کھودو اور دو دو اور تین تین کو ایک قبر میں دفن کر دو۔'' [أبو داؤد : ٣٢١٥] اس سے معلوم ہوا کہ اگر حالات کی وجہ سے ہر ایک کو الگ دفن کرنا مشکل ہو تو دو دو یا تین تین کو ایک قبر میں دفن کیا جا سکتا ہے۔

٧٤- بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ غَسْلَ الشُّهَدَاءِ

74- باب: جس نے شہداء کو غسل دینا جائز نہیں سمجھا

١٣٤٦- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبٍ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «ادْفِنُوهُمْ فِي دِمَائِهِمْ» يَعْنِي: يَوْمَ أُحُدٍ، وَلَمْ يُغَسِّلْهُمْ . [راجع : ١٣٤٣]

1346- جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''انھیں ان کے خونوں سمیت دفن کرو۔'' یعنی اُحد کے دن، اور آپ نے انھیں غسل نہیں دیا۔

فوائد 1 یہ حدیث دلیل ہے کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، طہارت کی حالت میں ہو یا جنبی ہو یا عورت حائضہ ہو، کسی کو غسل نہیں دیا جائے گا، جیسا کہ حنظلہ الغسیل رضی اللہ عنہ جنابت کی حالت میں شہید ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ فرشتے انھیں غسل دے رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرشتوں کا غسل ہی کافی سمجھا، اگر ضروری ہوتا تو آپ بھی انھیں غسل دلواتے۔ خونوں سمیت دفن کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جن کپڑوں میں وہ شہید ہوتے ہیں ان کے ساتھ ہی انھیں دفن کر دیا جائے۔

2 بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شہید کو غسل دینا ضروری ہے، کیونکہ ان کے خیال میں خون نجس ہے اور میت کو نجاست سے پاک کرنا ضروری ہے، مگر صریح احادیث کے بعد یہ کہنا کہ شہداء کو غسل دینا ضروری ہے، بہت بڑی دیدہ دلیری ہے، جو مومن کی شان کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہنا کہ آدمی کا خون نجس ہے بالکل بے دلیل ہے، ہر حرام چیز نجس نہیں ہوتی۔ جن حضرات نے اسے نجس کہا ہے ان کی دلیل پر تعجب ہوتا ہے، ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں آپ نے عورتوں کو خونِ حیض کھرچنے اور ملنے کے بعد دھونے کا حکم دیا ہے۔ مگر ہر خون کو پیشاب پاخانے کی جگہ سے نکلنے والے خون کی طرح

قرار دینا قیاس مع الفارق ہے۔ آپ نے شہداء کو ان کپڑوں سمیت دفن کرنے کا حکم دیا جن پر ان کا خون لگا ہوا تھا، تو کیا آپ نے شہداء کو نجاست سمیت دفن کرنے کا حکم دیا تھا!؟ اس کے علاوہ وہ حدیث جس میں رات پہرہ دینے والے انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کو دشمن کے تین تیر لگنے کا ذکر ہے، اس میں ہے کہ اس نے زخم پر زخم کھانے کے باوجود نماز جاری رکھی۔ اگر آدمی کا خون نجس ہوتا تو وہ ہرگز نماز جاری نہ رکھتا، یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عمل کی اصلاح فرما دیتے۔ صحیح بخاری میں "بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ الْوُضُوءَ إِلَّا مِنَ الْمَخْرَجَيْنِ : مِنَ الْقُبُلِ وَالدُّبُرِ" میں ہے کہ حسن بصری نے کہا: ''مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے چلے آئے ہیں۔'' پھر وہ خون کس طرح نجس ہوگا جس کے متعلق جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے اُحد کے مقتولوں کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « لَا تُغَسِّلُوهُمْ، فَإِنَّ كُلَّ جُرْحٍ ، أَوْ كُلَّ دَمٍ يَفُوحُ مِسْكًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ » [مسند أحمد : ١٤١٨٩، حديث صحيح] ''انھیں غسل نہ دو، کیونکہ ہر زخم یا ہر خون قیامت کے دن کستوری کی خوشبو سے مہک رہا ہوگا۔''

٧٥۔ بَابُ مَنْ يُقَدَّمُ فِي اللَّحْدِ؟

75۔ باب: لحد میں کسے آگے رکھا جائے؟

وَسُمِّيَ اللَّحْدَ لِأَنَّهُ فِي نَاحِيَةٍ، وَكُلُّ جَائِرٍ : مُلْحِدٌ . ﴿ مُلْتَحَدًا ﴾ [الكهف : ٢٧] : مَعْدِلًا، وَلَوْ كَانَ مُسْتَقِيمًا كَانَ ضَرِيحًا .

اور بغلی قبر کا نام لحد اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ ایک جانب میں ہوتی ہے اور دین سے ہٹا ہوا ہر شخص ملحد ہوتا ہے۔ (سورۂ کہف میں مذکور) "مُلْتَحَدًا" کا معنی ہے (اللہ سے) ہٹ کر جانے کی جگہ (پناہ گاہ)۔ اور اگر قبر ایک جانب کی بجائے سیدھی ہو تو اسے "ضَرِيح" کہا جاتا ہے۔

١٣٤٧ ۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، أَخْبَرَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ، حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ يَقُولُ : « أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ ؟ » فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ، وَقَالَ : « أَنَا شَهِيدٌ عَلَى هٰؤُلَاءِ » وَأَمَرَ بِدَفْنِهِمْ بِدِمَائِهِمْ، وَلَمْ

1347۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُحد کے مقتولین میں سے دو، دو آدمیوں کو ایک کپڑے میں اکٹھا کرتے تھے، پھر فرماتے: ''ان میں سے قرآن کسے زیادہ یاد ہے؟'' جب آپ کو ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ اسے لحد میں آگے رکھتے اور آپ نے فرمایا: ''میں ان لوگوں پر گواہ ہوں۔'' اور آپ نے انھیں خونوں سمیت دفن کرنے کا حکم دیا اور آپ نے نہ ان پر نماز پڑھی اور نہ انھیں غسل دلایا۔

يُصَلِّ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يُغَسِّلْهُمْ. [راجع: ١٣٤٣]

١٣٤٨- وَأَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لِقَتْلَى أُحُدٍ: «أَيُّ هَؤُلَاءِ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟» فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ إِلَى رَجُلٍ قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ قَبْلَ صَاحِبِهِ. وَقَالَ جَابِرٌ: فَكُفِّنَ أَبِي وَعَمِّي فِي نَمِرَةٍ وَاحِدَةٍ.

وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ: حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ، حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ. [راجع: ١٣٤٣]

1348- جابر بن عبد اللہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اُحد کے مقتولین کے متعلق فرماتے ہیں: ''ان میں سے قرآن کسے زیادہ یاد ہے؟'' جب آپ کے لیے ان میں سے کسی آدمی کی طرف اشارہ کیا جاتا، تو آپ اسے لحد میں اس کے ساتھی سے آگے رکھ دیتے۔ اور جابر ؓ نے کہا: تو میرے والد اور میرے چچا کو ایک ہی چادر میں کفن دیا گیا۔

اور سلیمان بن کثیر نے (اپنی روایت میں یوں) کہا: مجھ سے زہری نے بیان کیا، انھوں نے کہا: مجھ سے اس نے بیان کیا جس نے جابر ؓ سے سنا۔

فوائد 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر دو یا زیادہ میتوں کو ایک قبر میں دفن کیا جائے تو سب سے آگے قبلہ کی طرف اسے رکھا جائے گا جسے قرآن زیادہ یاد ہو، جس طرح امامت کے لیے اسے آگے کیا جائے گا جسے قرآن زیادہ یاد ہو۔ اس سے قرآن کریم کے حافظ اور عالم کی فضیلت ظاہر ہے۔

2 قبر کی بناوٹ دو طرح کی جاتی ہے: ایک یہ کہ ضرورت کے مطابق گڑھا کھود کر اس کے درمیان میں میت کو رکھنے کے لیے جگہ گہری کھودی جاتی ہے، اس میں میت کو رکھ کر اس کے اوپر پتھر یا لکڑی وغیرہ کے تختے رکھے جاتے ہیں، پھر گڑھے میں مٹی ڈال دی جاتی ہے، اسے ضریح یا شق کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زمین میں گڑھا کھود کر قبلہ کی طرف اس گڑھے سے آگے کی طرف زمین نیچے کی طرف کھودی جاتی ہے اور اتنی جگہ بنائی جاتی ہے جس میں میت پوری آ سکے، اسے لحد کہتے ہیں، کیونکہ یہ درمیان سے ہٹ کر ایک طرف ہوتی ہے۔ انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے اس وقت مدینہ میں ایک آدمی لحد بناتا تھا اور دوسرا ضریح بناتا تھا، صحابہ نے کہا: ہم اپنے رب سے استخارہ کرتے ہیں اور دونوں کی طرف آدمی بھیجتے ہیں، جو بعد میں آئے اسے ہم چھوڑ دیں گے۔ غرض دونوں کی طرف آدمی بھیجا گیا، لحد بنانے والا پہلے آ گیا تو صحابہ نے نبی ﷺ کے لیے لحد تیار کی۔ [دیکھیے ابن ماجہ: ١٥٥٧، حسن صحیح]

3 ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا» [أبو داود: ٣٢٠٨] ''لحد ہمارے لیے ہے اور شق ہمارے سوا دوسرے لوگوں کے لیے ہے۔'' مدینہ میں دونوں طرح کی قبریں بنانے والے حضرات سے ظاہر ہے کہ شرع میں دونوں طرح کی قبر بنانا جائز ہے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ نے جو ''اَللَّحْدُ لَنَا'' فرمایا اس کا

مطلب یہ ہے کہ ہماری پسند لحد ہے اور دوسروں کی پسند شق ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ کی اکثر زمین ایسی ہے کہ اس میں لحد بن سکتی تھی، البتہ ایسی جگہ جو پتھریلی ہو یا جہاں ریت والی مٹی ہو وہاں لحد بن ہی نہیں سکتی، وہاں شق ہی بنانی پڑے گی۔ چنانچہ گڑھا کھود کر کچی اینٹوں کی دیواریں بنا کر میت کو اس میں رکھ کر اوپر کچی اینٹوں کی ڈاٹ بنا دی جاتی ہے اور اوپر مٹی ڈال دی جاتی ہے یا اوپر پتھر یا لکڑی کے تختے رکھ کر مٹی ڈال دی جاتی ہے۔

٧٦۔ بَابُ الْإِذْخِرِ وَالْحَشِيشِ فِي الْقَبْرِ

76۔ باب: قبر میں اذخر اور خشک گھاس بچھانا

١٣٤٩۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَوْشَبٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: « حَرَّمَ اللَّهُ مَكَّةَ، فَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَا لِأَحَدٍ بَعْدِي، أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُعَرِّفٍ » فَقَالَ الْعَبَّاسُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: إِلَّا الْإِذْخِرَ لِصَاغَتِنَا وَقُبُورِنَا، فَقَالَ: « إِلَّا الْإِذْخِرَ »

1349۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے مکہ کو حرم بنایا، سو وہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی ایک کے لیے (حلال) ہوگا، میرے لیے بھی صرف دن کی ایک گھڑی کے لیے حلال ہوا ہے۔ نہ اس کی گھاس کاٹی جائے، نہ اس کے درخت کاٹے جائیں، نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اس میں گری ہوئی کسی چیز کو اٹھایا جائے مگر جو اس کا اعلان کرے۔“ تو عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: مگر اذخر (کی اجازت دیں) جو ہمارے سناروں اور قبروں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”مگر اذخر (کی اجازت ہے)۔“

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: « لِقُبُورِنَا وَبُيُوتِنَا » وَقَالَ أَبَانُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ مِثْلَهُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: « لِقَيْنِهِمْ وَبُيُوتِهِمْ »

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ ”(اذخر) ہماری قبروں اور ہمارے گھروں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔“ اور صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے ایسے ہی سنا ہے۔ اور مجاہد نے طاؤس سے جو روایت کی اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، اس میں ہے کہ ”(یہ) لوہاروں اور گھروں کے کام آتی ہے۔“

[انظر: ١٥٨٧، ١٨٣٣، ١٨٣٤، ٢٠٩٠، ٢٤٣٣، ٢٧٨٣، ٢٨٢٥، ٣٠٧٧، ٣١٨٩، ٤٣١٣ عن مجاهد مرسلاً، وانظر في الإيمان، باب: ٤١ وفي البيوع، باب:

٢٨ـ أخرجه مسلم : ١٣٥٣ بزيادة لا يوم الفتح ولا هجرة ،و أما قطعة الفتح ولا هجرة ففي الإمارة: (٨٥)]

فوائد ومسائل: 1 " الإِذْخِرُ " ایک خوشبو دار گھاس ہوتی ہے۔ "اَلْخَلٰی " تر گھاس اور " اَلْحَشِيْشُ " خشک گھاس۔ حدیث میں "اذخر" کی اجازت کا ذکر ہے، مگر امام صاحب نے باب میں اذخر کے ساتھ حشیش کا بھی ذکر کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اذخر کی اجازت سے ہر قسم کی گھاس کی اجازت مراد ہے، کیونکہ ان کاموں کے لیے گھاس کا خوشبو دار ہونا ضروری نہیں۔ گھروں، قبروں اور سناروں کے لیے ہر قسم کی گھاس استعمال ہوتی تھی۔ قبروں میں گھاس کا استعمال ایک تو میت کے نیچے بچھانے کا ہے، اگر زمین گیلی ہو اور دوسرا میت کو قبر میں رکھ کر اس کے اوپر تختوں کے درمیان درزیں بند کرنے کے لیے، تاکہ مٹی نیچے نہ گرے۔ اسی طرح گھروں کی چھتوں میں شہتیر اور لکڑیاں رکھ کر ان کے اوپر گھاس بچھائی جاتی تھی، تاکہ اس کے اوپر مٹی ڈالی جائے تو وہ نیچے نہ گرے۔

2 " قَيْنٌ " سے مراد کاریگر ہے، سنار ہو یا لوہار۔ اس حدیث کے مزید فوائد "کتاب الحج" میں آئیں گے۔ (ان شاء اللہ)

٧٧ـ بَابٌ : هَلْ يُخْرَجُ الْمَيِّتُ مِنَ الْقَبْرِ وَاللَّحْدِ لِعِلَّةٍ ؟

77۔ باب: کیا میت کو قبر اور لحد سے کسی وجہ سے نکالا جا سکتا ہے؟

١٣٥٠ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ عَمْرٌو : سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : أَتَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أُبَيٍّ بَعْدَ مَا أُدْخِلَ حُفْرَتَهُ، فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ، فَوَضَعَهُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَنَفَثَ عَلَيْهِ مِنْ رِيقِهِ، وَأَلْبَسَهُ قَمِيصَهُ، فَاللّٰهُ أَعْلَمُ، وَكَانَ كَسَا عَبَّاسًا قَمِيصًا .

1350۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عبد اللہ بن اُبي کو اس کی قبر میں داخل کر دیے جانے کے بعد تشریف لائے، آپ نے اس کے متعلق حکم دیا تو اسے نکالا گیا۔ آپ نے اسے اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا اور اس پر اپنا تھوک ڈالا اور اسے اپنی قمیص پہنائی۔ سو (اس کا سبب) اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔ اور اس نے عباس رضی اللہ عنہ کو قمیص پہنائی تھی۔

سُفْيَانُ قَالَ : وَقَالَ أَبُو هَارُونَ : وَكَانَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَمِيصَانِ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَلْبِسْ أَبِي قَمِيصَكَ الَّذِي يَلِي جِلْدَكَ . قَالَ سُفْيَانُ : فَيُرَوْنَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَلْبَسَ عَبْدَ اللّٰهِ قَمِيصَهُ

سفیان نے کہا: اور ابو ہارون (یحییٰ) نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو قمیصیں پہنی ہوئی تھیں تو عبد اللہ (بن اُبي) کے بیٹے نے آپ سے کہا: یا رسول اللہ! میرے والد کو وہ قمیص پہنائیں جو آپ کے جسم کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ سفیان

مُكَافَأَةً لِمَا صَنَعَ . [أخرجه مسلم : ٢٧٧٣]

نے کہا: اس لیے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عبد اللہ (بن اُبی) کو اپنی قمیص اس قمیص کے بدلے پہنائی جو اس نے عباس (رضی اللہ عنہ) کو پہنائی تھی۔

١٣٥١ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : لَمَّا حَضَرَ أُحُدٌ دَعَانِي أَبِي مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ : مَا أُرَانِي إِلَّا مَقْتُولًا فِي أَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ ، وَإِنِّي لَا أَتْرُكُ بَعْدِي أَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَإِنَّ عَلَيَّ دَيْنًا فَاقْضِ، وَاسْتَوْصِ بِأَخَوَاتِكَ خَيْرًا، فَأَصْبَحْنَا، فَكَانَ أَوَّلَ قَتِيلٍ وَدُفِنَ مَعَهُ آخَرُ فِي قَبْرٍ، ثُمَّ لَمْ تَطِبْ نَفْسِي أَنْ أَتْرُكَهُ مَعَ الْآخَرِ، فَاسْتَخْرَجْتُهُ بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ، فَإِذَا هُوَ كَيَوْمِ وَضَعْتُهُ هُنَيَّةً غَيْرَ أُذُنِهِ. [انظر : ١٣٥٢]

1351۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اُحد کا موقع آیا تو میرے والد نے مجھے (اس) رات بلایا اور کہا: میرا اپنے متعلق گمان یہی ہے کہ میں نبی ﷺ کے ان اصحاب میں سے ہوں گا جو سب سے پہلے قتل ہوں گے اور میں اپنے بعد رسول اللہ ﷺ کی ذات کے سوا تم سے زیادہ اپنا کوئی پیارا نہیں چھوڑوں گا۔ اس لیے (میری وصیت ہے کہ) مجھ پر کچھ قرض ہے وہ ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ غرض صبح ہوئی تو وہ پہلے مقتول تھے اور ان کے ساتھ ایک اور آدمی کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔ پھر میرے دل نے گوارا نہیں کیا کہ میں انھیں دوسرے آدمی کے ساتھ رہنے دوں، تو میں نے انھیں چھ ماہ بعد نکالا تو کان کے تھوڑے سے حصے کے سوا وہ اسی طرح تھے جس طرح اس دن تھے جب میں نے انھیں (قبر میں) رکھا تھا۔

١٣٥٢ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ ابْنُ عَامِرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : دُفِنَ مَعَ أَبِي رَجُلٌ، فَلَمْ تَطِبْ نَفْسِي حَتَّى أَخْرَجْتُهُ، فَجَعَلْتُهُ فِي قَبْرٍ عَلَى حِدَةٍ . [راجع : ١٣٥١]

1352۔ جابر (بن عبد اللہ) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میرے والد کے ساتھ ایک اور آدمی کو دفن کیا گیا، مجھے اچھا نہ لگا تو میں نے اپنے باپ کو نکال کر ایک الگ قبر میں رکھا۔

فوائد 1 ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر میت کو قبر سے نکالنے کی کوئی وجہ ہو تو اسے نکالا جا سکتا ہے، اس وجہ کا تعلق میت سے بھی ہو سکتا ہے کہ میت کے فائدے کے لیے اسے نکالا جائے، جیسے عبد اللہ بن اُبی کو نکال کر اسے اپنی قمیص

پہنائی اور اس پر اپنا تھوک ڈالا، تاکہ اسے آپ کی برکت حاصل ہو اور وہ عذاب سے بچ جائے، مگر اس کے نفاق کی وجہ سے اسے قمیص پہنانے، اس پر لعاب مبارک ڈالنے اور اس کا جنازہ پڑھنے سے اسے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ [فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ] شارحین نے میت کے فائدے کے لیے اسے قبر سے نکالنے کی اور وجہیں بھی لکھی ہیں، مثلاً یہ کہ دفن کرتے وقت میت کا رخ غلطی سے قبلے کے سوا کسی اور طرف کر دیا گیا ہو، یا میت کو غسل کے بغیر ہی دفن کر دیا گیا ہو، یا سیلاب یا بارش کی وجہ سے قبر بیٹھ گئی ہو، یا کسی سڑک کی تعمیر کے وقت قبر اس کے درمیان آ رہی ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وجہ کا تعلق میت کے ساتھ نہ ہو بلکہ زندہ لوگوں کی کسی ضرورت یا خواہش سے ہو، جیسے عبداللہ بن اُبی کو قبر سے نکالنے کی ایک وجہ اس کے مخلص مسلمان بیٹے اور اس کے خاندان اور ساتھیوں کی دلجوئی بھی تھی اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے جنگِ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس (رضی اللہ عنہ) کو جو کفار کی طرف سے قیدی بن کر آئے تھے، اپنی قمیص پہنائی تھی۔ اس مقام پر سفیان نے پوری سند بیان نہیں کی، نہ ہی پوری حدیث ذکر کی ہے، دوسری جگہ " بَابُ الْكِسْوَةِ لِلْأُسَارَى (۳۰۰۸) " میں یہ پوری حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے موجود ہے۔ انھوں نے کہا: جب بدر کا دن ہوا تو قیدیوں کو لایا گیا، عباس (رضی اللہ عنہ) پر کوئی کپڑا نہیں تھا، نبی ﷺ نے ان کے لیے کوئی قمیص تلاش کی، صحابہ نے دیکھا تو عبداللہ بن اُبی کی قمیص ان کے جسم پر پوری تھی۔ (عباس رضی اللہ عنہ لمبے تھے) نبی ﷺ نے وہ انھیں پہنا دی، اسی لیے نبی ﷺ نے اس موقع پر اپنی قمیص اتار کر عبداللہ بن اُبی کو پہنا دی۔ ابن عیینہ نے کہا: اس کا نبی ﷺ پر ایک احسان تھا تو آپ نے چاہا کہ اسے اس کا بدلہ دے دیں۔ (فتح الباری) میت کی بجائے زندہ لوگوں کی ضرورت کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قبر میں کسی شخص کی کوئی قیمتی چیز رہ گئی ہو، تو اسے نکالنے کے لیے قبر کھولی جائے اور ایک وجہ وہ ہے جس کی بنا پر جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو نکال کر الگ دفن کیا تھا کہ ان کے دل نے گوارا نہیں کیا کہ وہ ایک اور آدمی کے ساتھ ایک قبر میں رہیں، تو انھوں نے اپنے دل کی خوشی کے لیے انھیں نکال کر الگ دفن کر دیا۔

2 اگر کوئی اعتراض کرے کہ جابر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل حجت نہیں، کیونکہ یہ صحابی کا فعل ہے تو اس کا جواب اسی حدیث میں موجود ہے کہ انھوں نے اُحد میں اپنے والد کی شہادت کے چھ ماہ بعد انھیں قبر سے نکال کر الگ دفن کیا تھا۔ معلوم ہوا یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہے، اگر یہ فعل جائز نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ منع فرما دیتے۔

3 اس حدیث سے جابر رضی اللہ عنہ کے والد کی رسول اللہ ﷺ سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے اکلوتے لختِ جگر کو صاف کہا کہ میں تم سے زیادہ کسی کو عزیز نہیں رکھتا، البتہ رسول اللہ ﷺ مجھے تم سے بھی بڑھ کر عزیز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ سے ایسی ہی محبت تھی اور ایسی ہی محبت سے ایمان کامل نصیب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ا۟قْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ١ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ [التوبة : ٢٤] " کہہ دے اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور رہنے کے مکانات جنھیں تم

پسند کرتے ہو، تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ » [بخاري : ١٤ ، ١٥] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا جب تک میں اسے اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' اس کا امتحان اس طرح ہوتا ہے کہ ایک طرف رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہو، اس کے مقابلے میں والد، اولاد، پیر، مرشد، امام غرض کسی کی بات آ جائے تو محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے مقابلے میں سب کی بات ٹھکرا دے ؂

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں　　　ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر آتا ہے پروانہ

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی محبت عطا فرمائے۔

4 یہاں ایک سوال ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبد اللہ بن حرام رضی اللہ عنہ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ اپنے متعلق میرا گمان یہی ہے کہ میں نبی ﷺ کے ان اصحاب میں سے ہوں گا جو سب سے پہلے قتل ہوں گے۔ حافظ رحمہ اللہ نے اس کے دو سبب لکھے ہیں: ایک یہ کہ حاکم نے مستدرک (۴۹۱۵) میں واقدی سے ذکر کیا ہے کہ ان کے اس گمان کا سبب ایک خواب تھا جس میں انھوں نے مبشر بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، جو بدر میں شہید ہوئے تھے کہ وہ انھیں کہہ رہے ہیں: تم ان دنوں میں ہمارے پاس آنے والے ہو۔ انھوں نے نبی ﷺ کو یہ خواب سنایا تو آپ نے فرمایا: ''یہ شہادت ہے۔'' (اس روایت میں واقدی ہے جو محدثین کے ہاں کمزور ہے) دوسرا سبب یہ کہ ابن السکن نے ابونضرہ کے طریق سے یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس میں ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کے والد نے کہا: « إِنِّيْ مُعَرِّضٌ نَفْسِيْ لِلْقَتْلِ » کہ ''میں اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کرنے والا ہوں۔'' اس عزم کی وجہ سے انھوں نے یہ پیش گوئی کی۔ (اس سے معلوم ہوا کہ ان کا ارادہ فدائی کارروائی کا تھا۔ اس سے ضرورت کے وقت فدائی کارروائی کا جواز بلکہ استحباب ظاہر ہو رہا ہے۔)

5 جابر رضی اللہ عنہ کے والد کا یہ کہنا کہ میں نبی ﷺ کے ان اصحاب میں سے ہوں گا جو قتل ہوں گے اس وجہ سے تھا کہ نبی ﷺ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میرے بعض اصحاب قتل ہوں گے، جیسا کہ مغازی میں وضاحت کے ساتھ آ رہا ہے۔ (فتح الباری)

6 جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے ساتھ دفن ہونے والے عمرو بن جموح انصاری رضی اللہ عنہ تھے، وہ جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے بھائی نہیں بلکہ دوست اور ان کے بہنوئی تھے، جابر رضی اللہ عنہ نے تعظیم کے لیے انھیں اپنا چچا کہہ دیا ہے۔ (دیکھیے بخاری: ۱۳۴۸) ابن اسحاق نے مغازی (سیرۃ لابن ہشام: ۹۸/۲) میں کہا ہے کہ مجھے میرے والد نے بنوسلمہ کے کچھ آدمیوں سے بیان کیا کہ جب عبد اللہ بن حرام اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما شہید ہوئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''ان دونوں کو اکٹھے دفن کرو، کیونکہ یہ دنیا میں دلی دوست تھے۔'' (فتح الباری)

7 چھ ماہ کے بعد عبد اللہ بن حرام رضی اللہ عنہ کے جسم کا صحیح سلامت نکلنا اس بات کی دلیل نہیں کہ شہید وہی ہے جس کا جسم زمین نہ

کھائے، بلکہ بعض شہداء کے جسموں کو بھی مٹی کھا جاتی ہے اور بعض اوقات کفار کے اجسام بھی مدت کے بعد صحیح نکل آتے ہیں، اس لیے اسے نیکی یا شہادت کی علامت قرار نہیں دیا جا سکتا، نہ ہی میت کے مٹی ہو جانے کو شہادت قبول نہ ہونے کی علامت قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس بات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کون مقبول ہے اور کون مردود۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ شہید تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اعلیٰ درجے کی شہادت عطا فرمائی، اگرچہ ان کے کان کا کچھ حصہ مٹی نے بوسیدہ کر دیا تھا۔

8 اس حدیث میں جابر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی معلوم ہو رہی ہے کہ انھوں نے اپنے والد کی وصیت کے مطابق ان کا قرض ادا کیا اور اپنی بہنوں کا اس قدر خیال رکھا کہ کسی کنواری لڑکی سے نکاح کی خواہش کو قربان کر کے بہنوں کی تربیت اور نگہداشت کے لیے ثیبہ سے نکاح کیا، جیسا کہ ان کے اونٹ کے قصہ میں مذکور ہے۔

٧٨- بَابُ اللَّحْدِ وَالشَّقِّ فِي الْقَبْرِ

78۔ باب: قبر کو لحد یا شق کی صورت میں بنانا

١٣٥٣- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ، ثُمَّ يَقُولُ: «أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟» فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ، فَقَالَ: «أَنَا شَهِيدٌ عَلَى هَؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» فَأَمَرَ بِدَفْنِهِمْ بِدِمَائِهِمْ، وَلَمْ يُغَسِّلْهُمْ. [راجع: ١٣٤٣]

1353۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اُحد کے مقتولوں میں سے دو، دو آدمیوں کو اکٹھا کرتے، پھر فرماتے: ”ان دونوں میں سے قرآن کسے زیادہ یاد ہے؟“ جب آپ کے لیے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ اسے لحد میں آگے کر دیتے، پھر آپ نے فرمایا: ”میں قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گا۔“ غرض آپ نے انھیں ان کے خونوں سمیت دفن کرنے کا حکم دیا اور انھیں غسل نہیں دلوایا۔

فائدہ: حدیث (١٣٤٣) اور اس کے بعد کی احادیث میں اس حدیث کے فوائد گزر چکے ہیں۔ حدیث میں لحد کا ذکر ہے جب کہ باب میں لحد اور شق دونوں کا ذکر ہے۔ حدیث میں ان الفاظ سے کہ ”زیادہ قرآن والے کو لحد میں آگے کرتے“ سے ظاہر ہے کہ دونوں کے لیے لحد بنائی گئی تھی۔ اس سے لحد کی افضلیت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ لحد کی مشقت کے باوجود دونوں کے لیے لحد بنانا اس کے افضل ہونے کی دلیل ہے۔ "اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ آپ آگے لحد میں زیادہ قرآن والے کو رکھتے ہوں اور دوسرے کو اسی قبر کی شق میں رکھ دیتے ہوں، کیونکہ اتنی کھلی لحد بنانے میں بڑی مشقت ہے۔ (فتح الباری)

٧٩- بَابٌ : إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ هَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ، وَهَلْ يُعْرَضُ عَلَى الصَّبِيِّ الْإِسْلَامُ ؟

79- باب : جب بچہ مسلمان ہو جائے اور مر جائے تو کیا اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی؟ اور کیا بچے کو اسلام قبول کرنے کے لیے کہا جائے؟

وَقَالَ الْحَسَنُ وَشُرَيْحٌ وَإِبْرَاهِيمُ وَقَتَادَةُ : إِذَا أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا فَالْوَلَدُ مَعَ الْمُسْلِمِ . وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مَعَ أُمِّهِ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ، وَلَمْ يَكُنْ مَعَ أَبِيهِ عَلَى دِينِ قَوْمِهِ. وَقَالَ : الْإِسْلَامُ يَعْلُو وَلَا يُعْلَى .

اور حسن، شریح، ابراہیم اور قتادہ نے کہا: جب ماں باپ میں سے ایک مسلمان ہو جائے تو بچہ مسلمان کے ساتھ ہو گا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی ماں کے ساتھ نہایت کمزور مسلمانوں میں سے تھے، اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے دین پر نہیں تھے۔ اور (نبی ﷺ یا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے) فرمایا: اسلام غالب رہتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا۔

١٣٥٤- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ : أَنَّ عُمَرَ انْطَلَقَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي رَهْطٍ قِبَلَ ابْنِ صَيَّادٍ، حَتَّى وَجَدُوهُ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ عِنْدَ أُطُمِ بَنِي مَغَالَةَ، وَقَدْ قَارَبَ ابْنُ صَيَّادٍ الْحُلُمَ، فَلَمْ يَشْعُرْ حَتَّى ضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ لِابْنِ صَيَّادٍ : « تَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ؟ » فَنَظَرَ إِلَيْهِ ابْنُ صَيَّادٍ فَقَالَ : أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ الْأُمِّيِّينَ، فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ لِلنَّبِيِّ ﷺ : أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ؟ فَرَفَضَهُ وَقَالَ : « آمَنْتُ بِاللَّهِ وَبِرُسُلِهِ » فَقَالَ لَهُ : « مَاذَا تَرَى ؟ » قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ : « يَأْتِينِي صَادِقٌ وَكَاذِبٌ، فَقَالَ

1354- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ ایک گروہ کے ہمراہ ابن صیاد کی طرف گئے تو اسے بنو مغالہ کے محل کے پاس بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے پایا۔ ابن صیاد بالغ ہونے کے قریب تھا، اسے اسی وقت پتا چلا جب نبی ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ مارا، پھر آپ نے ابن صیاد سے کہا: ”کیا تم شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟“ اس نے آپ کی طرف دیکھا اور کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ ان پڑھ لوگوں کے رسول ہیں۔ پھر ابن صیاد نے نبی ﷺ سے کہا: کیا آپ شہادت دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ تو نبی ﷺ نے اسے چھوڑ دیا اور فرمایا: ”میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔“ پھر آپ نے اسے کہا: ”تمھیں کیا نظر آتا ہے؟“ اس نے کہا:

النَّبِيُّ ﷺ : « خُلِطَ عَلَيْكَ الْأَمْرُ » ثُمَّ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ : « إِنِّي قَدْ خَبَأْتُ لَكَ خَبِيئًا » فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ : هُوَ الدُّخُّ، فَقَالَ : « اخْسَأْ، فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ » فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : دَعْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ ! أَضْرِبْ عُنُقَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « إِنْ يَكُنْهُ فَلَنْ تُسَلَّطَ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْهُ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ »
[انظر : ٣٠٥٥، ٦١٧٣، ٦٦١٨- أخرجه مسلم : ٢٩٣٠]

میرے پاس ایک سچا اور ایک جھوٹا آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم پر معاملہ گڈ مڈ کر دیا گیا ہے۔'' پھر نبی ﷺ نے اسے کہا: ''میں نے تمھارے لیے ایک بات چھپا کر رکھی ہے (بتاؤ وہ کیا ہے؟)'' ابن صیاد نے کہا: وہ ''الدُّخ'' ہے۔ آپ نے فرمایا: ''دفع ہو جا، تو اپنی حد سے آگے نہیں جا سکے گا۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے چھوڑیں میں اس کی گردن اڑا دوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ وہی (دجال) ہے تو تم اس پر قابو نہیں پاؤ گے اور اگر یہ وہ نہیں تو تمھارے لیے اسے قتل کرنے میں کوئی خیر نہیں۔''

١٣٥٥ - وَقَالَ سَالِمٌ : سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : انْطَلَقَ بَعْدَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ إِلَى النَّخْلِ الَّتِي فِيهَا ابْنُ صَيَّادٍ، وَهُوَ يَخْتِلُ أَنْ يَسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ ابْنُ صَيَّادٍ، فَرَآهُ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ، يَعْنِي فِي قَطِيفَةٍ لَهُ فِيهَا رَمْزَةٌ أَوْ زَمْرَةٌ، فَرَأَتْ أُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، وَهُوَ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ، فَقَالَتْ لِابْنِ صَيَّادٍ : يَا صَافِ ! - وَهُوَ اسْمُ ابْنِ صَيَّادٍ - هَذَا مُحَمَّدٌ ﷺ، فَثَارَ ابْنُ صَيَّادٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ »

1355۔ سالم نے کہا: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کھجور کے ان درختوں کی طرف گئے جن میں ابن صیاد تھا۔ آپ چھپ کر جا رہے تھے، تاکہ ابن صیاد کی کوئی بات اس سے پہلے سن لیں کہ وہ آپ کو دیکھے۔ نبی ﷺ نے اسے ایک چادر لے کر لیٹے ہوئے دیکھا، جس میں وہ کچھ اشارے کر رہا تھا یا کچھ گنگنا رہا تھا۔ ابن صیاد کی ماں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا جب کہ آپ کھجوروں کی اوٹ لیے آ رہے تھے، اس نے ابن صیاد سے کہا: اے صاف! - یہ ابن صیاد کا نام تھا - یہ محمد ﷺ ہیں۔ تو ابن صیاد اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ اسے رہنے دیتی تو وہ اپنی حقیقت واضح کر دیتا۔''

وَقَالَ شُعَيْبٌ فِي حَدِيثِهِ : فَرَفَصَهُ، رَمْرَمَةٌ أَوْ زَمْزَمَةٌ . وَقَالَ عُقَيْلٌ : رَمْرَمَةٌ . وَقَالَ مَعْمَرٌ : رَمْزَةٌ .

اور (زہری کے شاگردوں سے) شعیب نے اپنی حدیث میں ''فَرَفَصَهُ'' کہا (یعنی بلا نقطہ صاد کے ساتھ)

[انظر : ۱۳۸۸، ۲۶۳۸، ۳۰۳۳، ۳۰۵۶، ٦١٧٤۔ أخرجه مسلم : ۲۹۳۱]

اور انھوں نے کہا: "رَمْرَمَةٌ" یا "زَمْزَمَةٌ" (یعنی شک کے ساتھ)۔ اور عقیل نے کہا: "رَمْرَمَةٌ" (یعنی شک کے بغیر)۔ اور معمر نے "رَمْزَةٌ" کہا۔

فوائد و مسائل: 1 یہ باب امام بخاری رحمہ اللہ نے اس لیے قائم کیا ہے کہ بچہ اگر مسلمان ہو جائے تو اس کا اسلام معتبر ہے، جب اس کا اسلام معتبر ہے تو اس کے فوت ہونے پر اس کا جنازہ بھی پڑھا جائے گا۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے، اس لیے یہاں امام صاحب نے باب میں سوالیہ انداز میں کہا ہے: "هَلْ يُعْرَضُ عَلَى الصَّبِيِّ الْإِسْلَامُ ؟" "یعنی کیا بچے کو اسلام قبول کرنے کے لیے کہا جائے گا؟ مگر "كِتَابُ الْجِهَادِ (۳۰۵۵)" میں ایسے الفاظ میں باب باندھا ہے جن سے ظاہر ہے کہ انھیں اس بات کا یقین ہے کہ (سمجھ دار) بچے کا اسلام معتبر ہے اور اختلاف کرنے والوں کے اختلاف کی کوئی حیثیت نہیں۔ چنانچہ باب کے الفاظ یہ ہیں: "كَيْفَ يُعْرَضُ الْإِسْلَامُ عَلَى الصَّبِيِّ ؟" "بچے کو اسلام قبول کرنے کے لیے کس طرح کہا جائے؟" حقیقت یہ ہے کہ بچہ اگر سمجھ دار ہو تو اس کا اسلام معتبر ہے۔ علی بن ابی طالب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم بچپن میں مسلمان ہو گئے تھے۔

باب میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ والدین میں سے اگر ایک مسلمان ہو جائے، پھر ان کا کوئی بچہ فوت ہو جائے تو اسے مسلمان سمجھ کر اس کا جنازہ پڑھا جائے گا یا کافر سمجھ کر جنازہ نہیں پڑھا جائے گا؟ امام صاحب نے چار جلیل القدر تابعین کا فتویٰ ذکر کیا ہے کہ والدین میں سے جو مسلمان ہو بچہ اس کے ساتھ ہوگا، خواہ وہ باپ ہو یا ماں۔ اس کے علاوہ یہ دلیل ذکر کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی ماں کے ساتھ "مُسْتَضْعَفِيْنَ" میں سے تھے، علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: "ہوا یہ تھا کہ جنگ بدر کے چند روز بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ماں لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا مسلمان ہو گئی تھیں، لیکن ان کے شوہر عباس (رضی اللہ عنہ) اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے بلکہ اپنی قوم قریش کے دین پر قائم تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی ماں کے ساتھ کمزور مسلمانوں میں گنے جاتے تھے جن کا ذکر قرآن شریف کی اس آیت میں ہے: ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ [النساء: ۹۸] "مگر وہ نہایت کمزور مرد اور عورتیں اور بچے۔" یہ حدیث اسی باب میں خود بخاری نے باسند بیان کی ہے۔" (تیسیر الباری) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ عباس (رضی اللہ عنہ) پہلے ہی ایمان لے آئے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مصلحت کے لیے مکہ میں ٹھہرے رہے تھے، مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ وہ بدر میں کفار کی طرف سے آئے اور گرفتار ہوئے اور فدیہ دے کر رہا ہوئے۔ حافظ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ انھوں نے فتح مکہ کے سال کے شروع میں ہجرت کی اور فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ (واللہ اعلم)

2 بچہ والدین میں سے اس کے ساتھ ہوگا جو مسلمان ہے، اس کی دلیل امام بخاری نے یہ دی ہے کہ "اَلْإِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى" "یعنی اسلام غالب ہوتا ہے، مغلوب نہیں ہوگا۔ اگر بچے کو والدین میں سے کافر کے حوالے کیا جائے تو یہ غلبہ اسلام کے خلاف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے وضاحت نہیں کی کہ "اَلْإِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یا رسول

اللہ ﷺ کا۔ حافظ صاحب لکھتے ہیں: یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بھی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بجائے دوسرے صحابی سے مروی ہے، چنانچہ دار قطنی (۳۶۲۰) اور محمد بن ہارون رویانی نے اپنی مسند (۷۸۳) میں عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اسے متصل مرفوع بیان کیا ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی ہے، جیسا کہ ابن حزم نے المحلی (۳۷۱/۵) میں کہا ہے: " وَمِنْ طَرِيْقِ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : إِذَا أَسْلَمَتِ الْيَهُوْدِيَّةُ أَوِ النَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْيَهُوْدِيِّ أَوِ النَّصْرَانِيِّ يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا، اَلْإِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى . " "جب کوئی یہودی عورت یا عیسائی عورت مسلمان ہو جائے جو کسی یہودی یا عیسائی کی بیوی ہو تو میاں بیوی کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے گا۔ اسلام غالب ہوتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا۔" (فتح الباری)

3 اَلْإِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى : غلبہ دو قسم کا ہے: ایک دلیل و برہان کے ساتھ اور ایک سیف و سنان کے ساتھ، یعنی دنیا میں حکومت حاصل ہونے کے ساتھ۔ پہلا غلبہ اسلام کو ہمیشہ سے حاصل ہے، دوسرا غلبہ حاصل کرنا مسلمانوں سے مطلوب ہے، کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں، مگر آخر کار ہو کر رہے گا: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ [التوبۃ : ۳۳] "وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا، تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے۔"

4 ابن صیاد ایک یہودی لڑکا تھا، مدینہ میں نبی ﷺ کو بعض نشانیوں سے اس کی نسبت یہ شبہ ہوا تھا کہ شاید یہی ایک زمانے میں دجال ہو جائے گا، پورا بیان اس کا ان شاء اللہ اپنے باب میں آئے گا۔ امام بخاری یہ حدیث اس باب میں اس لیے لائے ہیں کہ اس سے باب کا مطلب، یعنی نبی ﷺ کا ابن صیاد کے سامنے اسلام پیش کرنا ثابت ہوتا ہے، حالانکہ وہ اس وقت نابالغ بچہ تھا۔ (تیسیر الباری)

5 زہری کے شاگرد یونس کے لفظ ہیں: " فَرَفَضَهٗ " یعنی رسول اللہ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا، اس کے سوال کے جواب میں نہ ہاں کہا نہ ناں، گول مول سا جواب دے دیا کہ میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔ زہری کے شاگرد شعیب کے لفظ ہیں: " فَرَفَصَهٗ " یعنی صاد بے نقطہ کے ساتھ، اس کا معنی ہے: آپ نے اس کے لات جمائی اور ایک روایت میں انھوں نے " فَرَصَّهٗ " کہا، صاد کی تشدید کے ساتھ، یعنی اسے دبا کر بھینچا۔ " رَمْزَةٌ " کا معنی اشارہ ہے، " زَمْزَةٌ " گنگناہٹ اور " زَمْرَمَةٌ " اور " زَمْزَمَةٌ " دونوں کا معنی ہلکی سی آواز ہے۔

6 یہاں ایک سوال ہے کہ ابن صیاد نے نبی ﷺ کے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا تو آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو اسے قتل کرنے کی اجازت کیوں نہ دی؟ جواب اس کا یہ ہے کہ وہ ابھی نابالغ تھا، اس کے علاوہ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ نے مدینہ میں آ کر یہود سے صلح کا معاہدہ کیا تھا کہ انھیں ان کے حال پر چھوڑا جائے گا۔ [اللامع الصبیح]

۱۳۵۶ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ـ وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ ـ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ

1356۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا تو نبی ﷺ اس

عَنْهُ قَالَ : كَانَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ ﷺ فَمَرِضَ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُهُ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ : « أَسْلِمْ » فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ، وَهُوَ عِنْدَهُ ، فَقَالَ لَهُ : أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ، فَأَسْلَمَ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ يَقُولُ : « الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ » [انظر : ٥٦٥٧]

کی بیمار پرسی کے لیے آئے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ گئے اور اسے کہا: ''مسلمان ہو جا۔'' اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس ہی تھا۔ اس نے اسے کہا: ابو القاسم ﷺ کی بات مان لو، تو وہ مسلمان ہو گیا۔ نبی ﷺ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے: ''اللہ کی حمد ہے کہ اس نے اسے آگ سے بچا لیا۔''

فوائد: 1 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم سے خدمت لی جا سکتی ہے اور بیمار ہونے پر اس کی بیمار پرسی کرنی چاہیے، خصوصاً جب اس کے مسلمان ہونے کی امید ہو۔ جب آدمی کسی مریض کی عیادت کے لیے جائے تو اس سے اس کے فائدے کی بات ضرور کرنی چاہیے، غیر مسلم ہو تو اسے اسلام کی دعوت دینی چاہیے اور مسلمان ہو تو اسے فرائض کی پابندی اور گناہوں سے توبہ کی نصیحت کرنی چاہیے۔ دینی معاملات میں کسی یاد دہانی کی ضرورت ہو تو وہ کی جائے، مثلاً قرض ادا کرنا یا کسی سے قطع تعلق ہو تو اسے ختم کرنا وغیرہ۔

2 مریض سے محبت اور شفقت کا معاملہ کرنا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے سر کے پاس بیٹھ گئے، یہ قرب کے اظہار کی ایک صورت ہے۔

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام قبول کرنے یا کسی نیکی کی دعوت ملنے پر والدین سے پوچھنا چاہیے، جیسا کہ اس لڑکے نے والد کی طرف دیکھا، لیکن اگر وہ اسلام لانے سے یا کسی فرض کی ادائیگی سے منع کریں تو ان کی بات نہیں ماننی چاہیے۔ پوچھنے کا مطلب صرف ان کی رائے معلوم کرنا، ان کی دل جوئی اور انھیں بھی اس نیک کام میں شریک کرنا ہے۔ اگر وہ اسلام لانے سے روکیں یا اللہ کی نافرمانی پر اصرار کریں تو ان کی بات نہیں ماننی چاہیے، فرمایا: ﴿ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾ [العنکبوت : ۸] ''اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کے بارے میں تجھے کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مان۔'' اور نبی ﷺ نے فرمایا: « لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ » [مسند أحمد : ۱۰۹۵] ''اللہ عزوجل کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔''

4 اس حدیث سے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے کے اہل کتاب آپ کے نبی ہونے کو جانتے تھے، تبھی اس لڑکے کے والد نے اسے اسلام قبول کرنے کی تلقین کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ﴾ [البقرۃ : ۱۴۶] ''وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی وہ اسے پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔''

5 سمجھ دار لڑکے کو اسلام کی دعوت دی جا سکتی ہے اور دینی چاہیے۔ باب سے حدیث کا تعلق یہی ہے۔

6 سمجھ دار لڑکا جو کفر و اسلام کو سمجھتا ہو، اگر کفر پر فوت ہو تو وہ جہنمی ہوگا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ایمان لانے پر

اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اسے آگ سے بچا لیا۔ حافظ رحمہ اللہ نے اس پر لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ بچہ اگر کفر و اسلام کو سمجھنے کے باوجود اسلام نہ لائے تو اسے عذاب ہوگا، مگر اس پر شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''اس میں نظر ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ صراحت نہیں کہ وہ لڑکا نابالغ تھا۔ (ضروری نہیں کہ غلام کے لفظ سے نابالغ ہی مراد ہو، موسیٰ علیہ السلام نے تو معراج کے موقع پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی '' هٰذَا الْغُلَامُ '' کہہ دیا تھا۔ بخاری: ۳۲۰۷) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: « رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ » [مسند أحمد : ۹٤۰] ''تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔'' ان میں سے ایک '' الصَّغِيْرُ حَتّٰى يَبْلُغَ '' ہے، یعنی بچہ جب تک بالغ نہ ہو۔''

7 آدمی کے ہاتھ پر کسی کو ہدایت ہو جائے تو اس پر خوشی ہوتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اسلام لانے پر خوش ہوئے۔

8 آدمی آخری وقت میں بھی کلمہ پڑھ لے تو اللہ کے ہاں اس کا اسلام قبول ہے، بشرطیکہ نزع کا معاملہ شروع نہ ہوا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ » [ابن ماجه : ٤۲۵۳] ''بے شک اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی توبہ قبول فرماتا رہتا ہے جب تک نزع کا عالم طاری نہ ہو۔''

۱۳۵۷ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ : قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ : سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ : كُنْتُ أَنَا وَأُمِّي مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ، أَنَا مِنَ الْوِلْدَانِ وَأُمِّي مِنَ النِّسَاءِ . [انظر : ٤۵۸۷، ٤۵۸۸، ٤۵۹۷]

1357۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اور میری والدہ مستضعفین یعنی بہت کمزور لوگوں میں سے تھے، میں بچوں میں سے اور میری والدہ عورتوں میں سے۔

فائدہ قرآن مجید میں ان لوگوں کو جنھوں نے مسلمان ہونے کے باوجود ہجرت نہ کی سخت وعید سنائی گئی، فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ قَالُوْٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ [النساء : ۹۷] ''بے شک وہ لوگ جنھیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، کہتے ہیں تم کس کام میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم اس سرزمین میں نہایت کمزور تھے۔ وہ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔'' مگر ان میں سے ''مستضعفین'' کو مستثنیٰ قرار دیا گیا، چنانچہ فرمایا: ﴿ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴾ [النساء : ۹۸، ۹۹] ''مگر وہ نہایت کمزور مرد اور عورتیں اور بچے جو نہ کسی تدبیر کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں۔ تو یہ لوگ، اللہ قریب ہے کہ انھیں معاف کر دے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد معاف کرنے

والا، نہایت بخشنے والا ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی والدہ لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے ساتھ نہایت کمزور مسلمانوں میں سے تھے، جو مکہ میں مسلمان تو ہو گئے تھے لیکن مشرکین نے انھیں ہجرت سے روک دیا تھا۔ ایسے حالات میں بچہ ماں باپ میں سے اس کے ساتھ شمار ہو گا جو مسلمان ہے، اس لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی والدہ کے ساتھ مسلمان مستضعفین میں شمار ہوئے، کیونکہ عباس (رضی اللہ عنہ) تو غزوۂ بدر کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بچے کے ماں باپ میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو بچہ مسلمان سمجھا جائے گا اور اسی حالت میں اگر فوت ہو جائے تو اس کا جنازہ پڑھا جائے گا۔ باب اور احادیث سے یہی مقصود ہے۔

١٣٥٨ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: يُصَلَّى عَلَى كُلِّ مَوْلُودٍ مُتَوَفًّى، وَإِنْ كَانَ لِغَيَّةٍ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ وُلِدَ عَلَى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ، يَدَّعِي أَبَوَاهُ الْإِسْلَامَ أَوْ أَبُوهُ خَاصَّةً، وَإِنْ كَانَتْ أُمُّهُ عَلَى غَيْرِ الْإِسْلَامِ، إِذَا اسْتَهَلَّ صَارِخًا صُلِّيَ عَلَيْهِ، وَلَا يُصَلَّى عَلَى مَنْ لَا يَسْتَهِلُّ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ سِقْطٌ، فَإِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يُحَدِّثُ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟» ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ [الروم: ٣٠] الْآيَةَ. [انظر: ١٣٥٩، ١٣٨٥، ٤٧٧٥، ٦٥٩٩ـ أخرجه مسلم: ٢٦٥٨]

1358۔ ابن شہاب (زہری) نے کہا: ہر فوت ہونے والے بچے کا جنازہ پڑھا جائے گا خواہ وہ زنا کے نتیجے میں پیدا ہوا ہو، کیونکہ وہ فطرت اسلام پر پیدا ہوا ہے۔ جس کے ماں باپ دونوں یا خاص طور پر اس کا باپ اسلام کا دعویٰ کرتا ہو، خواہ اس کی ماں غیر مسلم ہو۔ جب وہ پیدا ہوتے وقت چیخ کر رویا ہو تو اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور جو رویا نہ ہو تو اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا، کیونکہ وہ ضائع شدہ بچہ ہے، کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو بھی بچہ ہے وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی، جیسے چوپایہ پورے بدن کے چوپائے کو جنم دیتا ہے، کیا تم ان میں سے کسی کو ناک یا کان کٹا ہوا دیکھتے ہو؟" پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (یہ آیت) تلاوت کرتے ہیں: "اللہ کی اس فطرت کے مطابق جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا کیا (اللہ کی پیدائش کو کسی طرح بدلنا (جائز) نہیں، یہی سیدھا دین ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)۔"

١٣٥٩ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَخْبَرَنَا

1359۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟»، ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ [الروم: ٣٠] [راجع: ١٣٥٨ـ أخرجه مسلم: ٢٦٥٨]

نے فرمایا: ''جو بھی بچہ ہے وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی، جیسے چوپایہ پورے بدن والے چوپائے کو جنم دیتا ہے، کیا تم ان میں سے کوئی ناک یا کان کٹا دیکھتے ہو؟'' پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (یہ آیت) تلاوت کرتے ہیں: ''اللہ کی اس فطرت کے مطابق جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی پیدائش کو کسی طرح بدلنا (جائز) نہیں، یہی سیدھا دین ہے (اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)۔''

فوائد: 1 لِغَيَّةٍ: ''غَيَّةٌ'' سے مراد زنا ہے، یعنی خواہ وہ بچہ ایک گمراہی یعنی زنا کے نتیجے میں پیدا ہوا ہو۔ ''وَلَدُ الزِّنَا'' کو ''وَلَدُ الْغَيَّةِ'' اور دوسرے کو ''وَلَدُ الرَّشْدَةِ'' کہتے ہیں۔ ''تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ'' یہ لفظ مجہول استعمال ہوتا ہے مگر ترجمہ معلوم کا کیا جاتا ہے، یعنی چوپایہ بچہ جنتا ہے۔

2 ''فِطْرَةٌ'' کا لفظی معنی پیدائش ہے، مراد دینِ اسلام ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر انسان اس عقل اور سمجھ پر رہے جو اللہ نے اس میں پیدا فرمائی ہے تو اسلام کے سوا کوئی بات قبول نہ کرے۔ اس کا یہودی، عیسائی یا مجوسی ہونا ماں باپ یا ماحول سے متاثر ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

3 زہری نے دو باتیں کہی ہیں: ایک یہ کہ جس بچے کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں یا ان میں سے ایک مسلمان ہو تو بچے کو دنیوی احکام میں مسلمان قرار دیا جائے گا اور اس کا جنازہ پڑھا جائے گا، حتیٰ کہ اگر وہ زنا کے نتیجے میں پیدا ہوا ہو اور اس کے والدین، یعنی زانی و زانیہ دونوں یا ایک خصوصاً باپ مسلمان ہو، پھر بھی بچے کو مسلمان سمجھ کر اس کا جنازہ پڑھا جائے گا، خواہ اس کی ماں غیر مسلم ہو۔ مسلم ولد الزنا کے جنازے کے جواز پر اتفاق ہے، ابن عبد البر نے کہا کہ قتادہ کے سوا کسی نے یہ نہیں کہا کہ ولد الزنا کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ (فتح الباری) دوسری بات یہ کہ بچہ پیدا ہوتے وقت اگر روئے تو اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور اگر نہ روئے تو جنازہ نہیں پڑھا جائے گا، کیونکہ وہ نامکمل پیدا ہونے والا ہے، مگر اس مسئلہ میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ جب حمل کو چار ماہ کی مدت گزر جائے تو اس کے ضائع ہونے پر جنازہ پڑھا جائے گا، کیونکہ اس میں روح پھونکی جا چکی ہوتی ہے۔ اس سے پہلے وہ محض گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا۔ دلیل اس کی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «وَالسِّقْطُ يُصَلَّى عَلَيْهِ» [أبو داود: ٣١٨٠] ''نامکمل بچے کا جنازہ پڑھا جائے گا۔'' یہ حدیث صحیح ہے جب کہ وہ حدیث ضعیف ہے جس میں بچے کے جنازے کے لیے پیدا ہوتے وقت رونے کی شرط کا ذکر ہے۔ (احکام الجنائز

از البانی، ص:٨١) "كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ" پر مفصل کلام "بَابُ أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ (١٣٨٦)" میں آئے گا۔ (ان شاء اللہ)

٨٠ - بَابٌ: إِذَا قَالَ الْمُشْرِكُ عِنْدَ الْمَوْتِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

١٣٦٠- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِأَبِي طَالِبٍ: «يَا عَمِّ! قُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ» فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ: يَا أَبَا طَالِبٍ! أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ، وَيَعُودَانِ بِتِلْكَ الْمَقَالَةِ، حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ: هُوَ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبَى أَنْ يَقُولَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَمَا وَاللَّهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ» فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ﴾

[التوبة: ١١٣] الْآيَةَ. [انظر: ٣٨٨٤، ٤٦٧٥، ٤٧٧٢، ٦٦٨١- أخرجه مسلم: ٢٤]

80- باب: جب مشرک موت کے وقت "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کہہ لے

1360۔ سعید بن مسیب اپنے والد (مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس گئے، دیکھا تو اس کے پاس ابو جہل بن ہشام اور عبداللہ بن اُمیہ بن مغیرہ موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو طالب سے کہا: "چچا! "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کہہ لے، یہ ایسا کلمہ ہے کہ میں اللہ کے پاس تیرے لیے اس کی شہادت دوں گا۔" تو ابو جہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ نے (جو سخت مشرک تھے) کہا: ابو طالب! تم (اپنے باپ) عبدالمطلب کے دین سے پھرے جاتے ہو؟ غرض رسول اللہ ﷺ اس کے سامنے یہ کلمہ پیش کرتے رہے اور وہ دونوں وہی بات کہتے رہے حتیٰ کہ ابو طالب نے ان سے آخری بات جو کی یہ تھی کہ وہ عبدالمطلب کے دین پر قائم ہے اور اس نے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کہنے سے انکار کر دیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سنو! اللہ کی قسم میں تمھارے لیے بخشش کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے تمھارے لیے دعا سے منع نہ کر دیا جائے۔" تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: "اس نبی (اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے) کبھی جائز نہیں (کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں، خواہ وہ قرابت دار ہوں، اس

کے بعد کہ ان کے لیے صاف ظاہر ہوگیا کہ یقیناً وہ جہنمی ہیں)۔“

فوائد ومسائل: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں موت کے وقت "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کہنے والے کے بارے میں وضاحت نہیں کی کہ اس کا ایمان معتبر ہے یا نہیں، کیونکہ اس میں تفصیل ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کی صراحت آئی ہے کہ موت کے سکرات اور عذاب کی علامات دیکھ لینے کے بعد ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں، جیسا کہ فرمایا: ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [المؤمن: 84، 85] ”پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو انھوں نے کہا ہم اس اکیلے اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے ان کا انکار کیا جنھیں ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے تھے۔ پھر یہ نہ تھا کہ ان کا ایمان انھیں فائدہ دیتا، جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ یہ اللہ کا طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکا اور اس موقع پر کافر خسارے میں رہے۔“ اور فرمایا: ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓي اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَھُمْ كُفَّارٌ﴾ [النساء: 18] ”اور توبہ ان لوگوں کی نہیں جو برے کام کیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجاتی ہے تو وہ کہتا ہے بے شک میں نے اب توبہ کر لی اور نہ ان کی ہے جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہوتے ہیں۔“ ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب تک موت کا یقین نہ ہوا ہو اور موت کی نشانیاں ظاہر نہ ہوئی ہوں اس وقت تک مشرک کا "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کہنا معتبر ہے، کیونکہ ان کے ظاہر ہو جانے کے بعد ایمان فائدہ نہیں دیتا۔ ابو طالب کو بھی آپ نے نزع سے پہلے ایمان لانے کے لیے کہا ہوگا، کیونکہ وہ حالت شروع ہونے کے بعد تو بڑے سے بڑا کافر بھی ایمان لے آتا ہے، مگر اس وقت کا ایمان فائدہ نہیں دیتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق فرمایا: ﴿اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [یونس: 90] ”یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے پا لیا تو اس نے کہا میں ایمان لے آیا کہ حق یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرماں برداروں سے ہوں۔“ مگر اسے جواب یہ ملا: ﴿آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ [یونس: 91] ”کیا اب؟ حالانکہ بے شک تو نے اس سے پہلے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں سے تھا۔“

2 اس حدیث سے بری صحبت کی نحوست معلوم ہوتی ہے، اگر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ وہاں نہ ہوتے تو عین ممکن تھا کہ ابو طالب رسول اللہ ﷺ کے اصرار پر ایمان قبول کر لیتا۔

3 ابو طالب کا نام عبد مناف تھا، ابوجہل کا نام عمرو بن ہشام تھا اور عبداللہ بن ابی امیہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی تھا اور رسول اللہ ﷺ سے سخت عداوت اور بغض رکھتا تھا، پھر فتح مکہ کے سال مسلمان ہوگیا اور اچھے اسلام والا ہوگیا، طائف کے دن اسے تیر لگا جس سے فوت ہوگیا۔

4 ابو طالب کے رسول اللہ ﷺ پر بڑے احسان تھے، اس نے اپنے بچوں سے زیادہ آپ کو پالا اور پرورش کی تھی اور آپ کو کافروں کی ایذا سے بچاتا رہا، اس لیے آپ نے محبت کی وجہ سے فرمایا: ''میں تمھارے لیے دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو توقع تھی کہ آپ کو اس کے لیے استغفار سے منع کر دیا جائے گا اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ آپ اس کے لیے دعا کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرکین کے لیے استغفار سے منع کر دیا، خواہ وہ کتنے قرابت دار ہوں۔ یہ آیت اترنے پر آپ نے اس کے لیے دعا ترک کر دی۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ابو طالب کی وفات شرک پر ہوئی۔ اس حدیث سے یہ نکلا کہ مرنے کے قریب بھی اگر مشرک شرک سے توبہ کر لے تو اس کا ایمان صحیح ہے۔ باب کا یہی مطلب ہے۔

5 شیعہ اور ان سے متاثر لوگوں کا کہنا ہے کہ ابو طالب مومن تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مرتے وقت کہا کہ میں ملتِ عبد المطلب پر مرتا ہوں جب کہ عبد المطلب فترۃ کے زمانے کے آدمی تھے اور ملت ابراہیم علیہ السلام پر تھے اور یہ کہ ابو طالب مرتے وقت آہستہ آہستہ '' لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ '' کہہ رہا تھا۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ اسی حدیث میں ہے: ((وَ أَبٰى أَنْ يَقُوْلَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)) ''ابو طالب نے '' لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ '' کہنے سے انکار کر دیا۔'' تو کیا ملتِ ابراہیم '' لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ '' سے انکار کا نام ہے؟ اگر وہ آہستہ آہستہ '' لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ '' پڑھ رہا ہوتا تو اسے انکار کرنے والا کیوں کہا گیا۔ رہی فترۃ کی بات تو وہ بھی درست نہیں، کیونکہ اس وقت سماوی دین عیسائیت موجود تھا اور مکہ میں شرک سے بے زار لوگوں مثلاً ورقہ بن نوفل نے شرک چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی تھی اور قریش کو علم تھا کہ بت پرستی کا رواج تین چار سو سال قبل عمرو بن لُحی نے ڈالا تھا اور یہ کہ ان کے رواج دینِ ابراہیم و اسماعیل کے خلاف ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری (۴۲۸۸) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کعبہ سے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی صورتیں باہر نکلوائیں، ان کے ہاتھوں میں فال کے تیر تھے، آپ نے فرمایا: ''یقیناً یہ لوگ (قریش) جانتے ہیں کہ ان دونوں پیغمبروں نے کبھی فال نہیں نکالی۔'' پھر قریش کعبہ کے متولی تھے اور انھوں نے وہاں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، کیا یہ ملتِ ابراہیم کی پیروی تھی؟ بعض شیعہ کا کہنا ہے کہ ابو طالب دوبارہ زندہ ہوئے اور مسلمان ہو کر فوت ہوئے، مگر یہ درست نہیں، کیوں کہ مرنے کے بعد کسی کافر کو زندہ کر دیا جائے تو وہ ایمان ہرگز نہیں لائے گا، یہ ممکن ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ [الأنعام : ۲۷، ۲۸] ''اور کاش! تو دیکھے جب وہ آگ پر کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے اے کاش! ہم واپس بھیجے جائیں اور اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔ بلکہ ان کے لیے ظاہر ہو گیا جو وہ اس سے پہلے چھپاتے تھے اور اگر انھیں واپس بھیج دیا جائے تو ضرور پھر وہی کریں گے جس سے انھیں منع کیا گیا تھا اور بلاشبہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔'' اس سے ایسی تمام روایات کا باطل ہونا واضح ہے جو شیعہ حضرات یا سیوطی صاحب وغیرہ نقل کرتے ہیں، سند کے لحاظ سے بھی ایسی روایات ناقابل اعتبار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث کہ ''ابو طالب کو آگ کی

دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا'' اس کے ایمان کے دعوے کی صاف تردید کرتی ہے۔

٨١ - بَابُ الْجَرِيدِ عَلَى الْقَبْرِ

وَأَوْصَى بُرَيْدَةُ الأَسْلَمِيُّ أَنْ يُجْعَلَ فِي قَبْرِهِ جَرِيدَانِ . وَرَأَى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فُسْطَاطًا عَلَى قَبْرِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ فَقَالَ : انْزِعْهُ يَا غُلَامُ ! فَإِنَّمَا يُظِلُّهُ عَمَلُهُ . وَقَالَ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدٍ : رَأَيْتُنِي وَنَحْنُ شُبَّانٌ فِي زَمَنِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَإِنَّ أَشَدَّنَا وَثْبَةً الَّذِي يَثِبُ قَبْرَ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ حَتَّى يُجَاوِزَهُ . وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ : أَخَذَ بِيَدِي خَارِجَةُ فَأَجْلَسَنِي عَلَى قَبْرٍ، وَأَخْبَرَنِي عَنْ عَمِّهِ يَزِيدَ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ : إِنَّمَا كُرِهَ ذَلِكَ لِمَنْ أَحْدَثَ عَلَيْهِ . وَقَالَ نَافِعٌ : كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَجْلِسُ عَلَى الْقُبُورِ .

81- باب: قبر پر کھجور کی ٹہنی لگانا

ابو بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی دو ٹہنیاں رکھی جائیں۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالرحمن کی قبر پر ایک خیمہ دیکھا تو کہا: لڑکے! اسے اتار دے، کیونکہ اسے صرف اس کا عمل سایہ کرے گا۔ اور خارجہ بن زید نے کہا: میں نے اپنے آپ کو دیکھا جب ہم عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جوان تھے کہ ہم میں سے سب سے بڑی چھلانگ لگانے والا وہ ہوتا تھا جو چھلانگ لگا کر عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کو پار کر جاتا تھا۔ اور عثمان بن حکیم نے کہا: خارجہ (بن زید) نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک قبر پر بٹھا دیا اور مجھے اپنے چچا یزید بن ثابت سے بیان کیا کہ یہ (قبر پر بیٹھنا) اس کے لیے ناپسندیدہ ہے جو قبر پر پیشاب پاخانہ کرے۔ اور نافع نے کہا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قبروں پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔

١٣٦١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : أَنَّهُ مَرَّ بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ فَقَالَ : « إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ » ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً، فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ، ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً، فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! لِمَ صَنَعْتَ هَذَا ؟

1361- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے جنھیں عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا: ''ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہو رہا، ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔'' پھر آپ نے کھجور کی ایک تازہ ٹہنی لی اور اسے چیر کر دو حصے کر لیا، پھر ہر قبر میں ایک گاڑ دی۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے یہ کام کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: ''شاید جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ

فَقَالَ : « لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا » ہوں ان کا عذاب ہلکا رہے۔“

[راجع : ۲۱٦۔ أخرجه مسلم : ۲۹۲]

فوائد: 1 اس حدیث کے بعض فوائد (۲۱۶) میں گزر چکے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو قبروں پر کھجور کی ٹہنیاں گاڑنے کے عمل کو ان دو آدمیوں کے ساتھ خاص نہیں سمجھا بلکہ عام سمجھا، اس لیے اس کی پیروی کے لیے اپنی قبر میں دو ٹہنیاں رکھنے کی وصیت کی۔ بعض حضرات نے کہا کہ انھوں نے یہ وصیت اس لیے کی کہ سبز ٹہنیاں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں، مگر اللہ کی تسبیح تو ہر چیز کرتی ہے، اس میں خشک وتر کا کوئی فرق نہیں، فرمایا: ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾ [بني إسرائيل : ٤٤] ”اور کوئی بھی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔“ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ابن رشید نے کہا کہ بخاری کے بیان کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل ان دو آدمیوں کے ساتھ خاص ہے، اس لیے انھوں نے اس کے بعد ساتھ ہی ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کر دیا ہے کہ میت کو صرف اس کا عمل سایہ کرے گا۔“ باب کے ساتھ مناسبت واضح ہے کہ جس طرح خیمے کے سائے کا میت کو کوئی فائدہ نہیں اسی طرح ٹہنی گاڑنے یا درخت لگانے کا بھی میت کو کوئی فائدہ نہیں۔ یاد رہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل سنت ہے آپ کا ترک بھی سنت ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے صرف ان دو قبروں پر ٹہنیاں گاڑی ہیں، وہ بھی اس لیے کہ آپ کو معلوم ہوا کہ انھیں عذاب دیا جا رہا ہے، ان کے علاوہ کسی قبر پر یہ عمل نہیں کیا، اگر یہ عمل سنت ہوتا اور اس سے ہر میت کو فائدہ پہنچتا تو یقیناً آپ اسے دوسری قبروں پر بھی کرتے۔ آپ کے بعد خلفائے راشدین اور کبار صحابہ نے بھی یہ عمل نہیں کیا۔ اگر وہ اس کا کچھ فائدہ سمجھتے یا اسے سنت سمجھتے تو وہ ہر میت کی قبر پر ضرور ہی ٹہنیاں گاڑتے، کیونکہ ان سے بڑھ کر مرنے والے مسلمانوں کا کوئی خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بریدہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے اور اجتہاد کبھی درست ہوتا ہے کبھی خطا۔ اب یہ معلوم ہونے کی بھی کوئی صورت نہیں کہ فلاں میت کو عذاب ہو رہا ہے کیونکہ وحی منقطع ہو چکی، اب صرف کشف قبور کے دعوے داروں کی لاف زنی اور زہر فروشی رہ گئی ہے۔ قبروں پر ٹہنیاں لگانے والا کوئی شخص یہ اہتمام بھی نہیں کرتا کہ پہلے معلوم کرے کہ کون عذاب میں گرفتار ہے، پھر اس کی قبر پر اس امید کے ساتھ تازہ ٹہنی لگائے کہ شاید اس کے خشک ہونے تک اس کے عذاب میں تخفیف رہے۔ اگرچہ ان دونوں کے عذاب کی تخفیف صرف ٹہنیوں کی وجہ سے نہیں تھی، اس میں ٹہنیاں گاڑنے والے کی ذات گرامی اور ان کی فعلی شفاعت کا بھی دخل تھا۔ [صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ]

2 امام بخاری کے ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے کہ وہ قبر پر بیٹھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک جس طرح قبر پر عمارت بنانے سے یا خیمہ لگانے سے میت کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، صرف اس کے عمل سے اسے سایہ حاصل ہوتا ہے، اسی طرح قبر پر بیٹھنے یا اس پر چھلانگ لگانے سے میت کا کچھ نقصان بھی نہیں۔ اس کے لیے انھوں نے مدینہ کے مشہور فقہائے سبعہ میں سے جو کبار تابعین ہیں، خارجہ بن زید بن ثابت کا اثر نقل کیا ہے کہ جب وہ جوان تھے تو انھوں نے دیکھا کہ جوانوں میں سے سب سے بڑی چھلانگ لگانے والا وہ ہوتا تھا جو چھلانگ لگا کر عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کو پار کر جاتا تھا، مراد ان کے قد اور

ان کی قبر کی لمبائی کا بیان ہے۔ اس اثر کے ضمن میں یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ تابعین کے زمانے میں جوان لڑکے قبر پر چھلانگ لگانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ رہیں وہ احادیث جن میں قبر پر بیٹھنے کی کراہت کا ذکر ہے، تو اس سے مراد قبر پر قضائے حاجت کی ممانعت ہے، اس کے لیے انھوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے کہ یہ اس کے لیے مکروہ ہے جو قبر پر قضائے حاجت کرے، ساتھ ہی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ذکر کیا ہے کہ وہ قبر پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابیِ رسول ہیں اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی ہیں۔ سنہ ۱۱ ہجری میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ ہونے والی جنگِ یمامہ میں انھیں تیر لگا اور وہ راستے میں فوت ہو گئے۔

واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث میں قبر پر بیٹھنے سے مطلقاً منع کیا گیا ہے، جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: « نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ » [مسلم : ۹۷۰] ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ قبر کو پختہ بنایا جائے اور اس سے کہ اس پر بیٹھا جائے اور اس سے کہ اس پر کوئی عمارت بنائی جائے۔“ ترمذی (۱۰۵۲) میں اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں: « وَ أَنْ تُوْطَأَ » یعنی اس سے منع کیا کہ قبر کو روندا جائے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « لَأَنْ يَّجْلِسَ أَحَدُكُمْ عَلٰى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابَهُ فَتَخْلُصَ إِلٰى جِلْدِهِ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّجْلِسَ عَلٰى قَبْرٍ » [مسلم : ۹۷۱] ”تم میں سے کوئی شخص کسی انگارے پر بیٹھے جو اس کے کپڑے جلا دے اور اس کی جلد تک پہنچ جائے تو یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر بیٹھے۔“ اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: « رَآنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰى قَبْرٍ، فَقَالَ : لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ » [مسند أحمد : ۲۴۰۰۹/۳۹] ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ”اس قبر والے کو ایذا نہ دو۔“ حافظ ابن حجر اور مسند احمد کے محققین نے اس روایت کی سند کو صحیح کہا ہے۔ اس حدیث میں میت کے اکرام کا ذکر ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا » [أبو داوٗد : ۳۲۰۷، حديث صحيح] ”میت کی ہڈی توڑنا اس کے زندہ ہوتے ہوئے (اس کی ہڈی) توڑنے کی طرح ہے۔“ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ترجمۃ الباب کے مطابق ”خیر القرون“ کے لوگوں نے قبر پر بیٹھنے کی ممانعت سے ان پر قضائے حاجت کی ممانعت مراد لی ہے مگر مرفوع احادیث کے مطلق الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے قبر پر کسی طرح بھی نہیں بیٹھنا چاہیے، نہ قبر کے اوپر اور نہ قبر کی مجاوری کی صورت میں۔ (واللہ اعلم)

۸۲ - بَابُ مَوْعِظَةِ الْمُحَدِّثِ عِنْدَ الْقَبْرِ وَقُعُوْدِ أَصْحَابِهِ حَوْلَهُ

82۔ باب: محدث کا قبر کے پاس نصیحت کرنا اور اس کے ساتھیوں کا اس کے اردگرد بیٹھنا

﴿ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ ﴾ [المعارج : ۴۳] (قرآن کے الفاظ): ﴿ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ ﴾ میں

الْأَجْدَاثُ: الْقُبُورُ، ﴿بُعْثِرَتْ﴾ [الانفطار : ٤] : أُثِيرَتْ، بَعْثَرْتُ حَوْضِي، أَيْ : جَعَلْتُ أَسْفَلَهُ أَعْلَاهُ، الْإِيفَاضُ : الْإِسْرَاعُ، وَقَرَأَ الْأَعْمَشُ : « إِلَى نَصْبٍ » [المعارج : ٤٣] : إِلَى شَيْءٍ مَنْصُوبٍ يَسْتَبِقُونَ إِلَيْهِ، وَالنُّصْبُ وَاحِدٌ، وَالنَّصْبُ مَصْدَرٌ، ﴿يَوْمُ الْخُرُوجِ﴾ [ق : ٤٢] مِنَ الْقُبُورِ ﴿يَنْسِلُونَ﴾ [يس : ٥١] يَخْرُجُونَ .

" اَلْأَجْدَاثُ " کا معنی ہے: قبریں۔ (سورۂ انفطار میں) " بُعْثِرَتْ " کا معنی ہے: الٹ پلٹ دی جائیں گی، (جیسا کہ عرب کہتے ہیں) : " بَعْثَرْتُ حَوْضِيْ " "میں نے حوض کے نیچے کی مٹی اوپر کر دی۔" " اَلْإِيفَاضُ " دوڑنا۔ اوراعمش نے پڑھا: " إِلٰى نَصْبٍ " یعنی کسی نصب کردہ چیز کی طرف جس کی طرف وہ دوڑ کر جاتے ہوں۔ اور " اَلنُّصْبُ " واحد ہے اور " اَلنَّصْبُ " مصدر ہے۔ (سورۂ قٓ میں) ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ﴾ سے مراد اپنی قبروں سے نکلنے کا دن ہے۔ (سورۂ یٰسٓ میں) " يَنْسِلُونَ " کا معنی ہے: نکل پڑیں گے۔

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق قرآن کے کئی الفاظ کی تفسیر قبر کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ذکر کر دی ہے۔ ان الفاظ کا تعلق باب میں مذکور نصیحت سے بھی ہے۔

١٣٦٢۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ، قَالَ : حَدَّثَنِي جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كُنَّا فِي جَنَازَةٍ فِي بَقِيعِ الْغَرْقَدِ، فَأَتَانَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَعَدَ وَقَعَدْنَا حَوْلَهُ، وَمَعَهُ مِخْصَرَةٌ، فَنَكَّسَ فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِمِخْصَرَتِهِ، ثُمَّ قَالَ : « مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ، مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوسَةٍ إِلَّا كُتِبَ مَكَانُهَا مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، وَإِلَّا قَدْ كُتِبَ شَقِيَّةً أَوْ سَعِيدَةً » فَقَالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ ؟ فَمَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيَصِيرُ إِلَى عَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ

1362۔ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم ایک جنازہ میں بقیع الغرقد (قبرستان) میں تھے کہ نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور بیٹھ گئے، ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے، آپ کے پاس ایک چھڑی تھی، آپ نے سر جھکایا اور چھڑی کے ساتھ زمین پر نکتے لگانے لگے، پھر آپ نے فرمایا: "تم میں سے جو بھی شخص ہے یا (فرمایا) جو بھی جاندار ہے اس کی جگہ جنت یا آگ میں لکھ دی گئی ہے اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ وہ بدقسمت ہے یا خوش قسمت۔" تو ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ ! کیا ہم اپنے لکھے ہوئے پر بھروسا نہ کریں اور عمل چھوڑ دیں؟ پھر ہم میں سے جو خوش نصیبوں سے ہوگا وہ ضرور خوش قسمت لوگوں کے عمل کی

فَسَيَصِيرُ إِلَى عَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ، قَالَ : « أَمَّا أَهْلُ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا أَهْلُ الشَّقَاوَةِ فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ » ثُمَّ قَرَأَ : ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ﴾ [الليل : ٥] الآيَةَ . [انظر : ٤٩٤٥، ٤٩٤٦، ٤٩٤٧، ٤٩٤٨، ٤٩٤٩، ٦٢١٧، ٦٦٠٥، ٧٥٥٢ـ أخرجه مسلم : ٢٦٤٧]

طرف چلا جائے گا اور جو ہم میں سے بدنصیب ہو گا وہ بدقسمت لوگوں کے عمل کی طرف چلا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: ''جو خوش قسمت ہیں ان کے لیے خوش قسمتی کے کام آسان کر دیے جائیں گے اور جو بدقسمت ہیں ان کے لیے بدقسمتی کے کام آسان کر دیے جائیں گے۔'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''پس لیکن وہ جس نے دیا اور (نافرمانی سے) بچا (اور اس نے سب سے اچھی بات کو سچ مانا تو یقیناً ہم اسے آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ اور لیکن وہ جس نے بخل کیا اور بے پروائی کی اور اس نے سب سے اچھی بات کو جھٹلا دیا تو یقیناً ہم اسے مشکل راستے کے لیے سہولت دیں گے)۔''

فوائد 1 اس حدیث میں قبر کے پاس موجود لوگوں کو نصیحت کا ذکر ہے، جب وقت میں اس کی گنجائش ہو، مثلاً قبر کی تیاری ہو رہی ہو یا لوگ ابھی آ رہے ہوں تو عالم کو اس وقت سے فائدہ اٹھا کر نصیحت کرنی چاہیے اور لوگوں کو اس کے گرد بیٹھ کر نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنازہ کے موقع پر یہ نصیحت فرمائی۔ آپ نے جنازے کے علاوہ قبروں کے پاس کبھی قرآن خوانی یا وعظ کی مجلس قائم نہیں فرمائی۔ اس حدیث سے بعض بدعتی لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ قبروں کے پاس بیٹھ کر قرآن خوانی کرنا، وعظ کی مجلس لگانا اور جلسہ کرنا جائز ہے، حالانکہ یہ جنازے کے موقع کی بات ہے، جب لوگ جنازے کے لیے آئے ہوئے ہیں، نہ کہ قرآن خوانی یا جلسہ کرنے کے لیے جمع ہونے کی بات ہے۔ عام حالات میں تو رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث پچھلے باب کے فوائد میں گزر چکی ہے۔

2 اس حدیث میں تقدیر کا بیان بھی ہے اور یہ کہ آدمی کو تقدیر میں اپنے لکھے ہوئے پر بھروسا کر کے بیٹھ نہیں رہنا چاہیے، کیونکہ جب صحابہ نے پوچھا کہ کیا ہم اپنے لکھے ہوئے پر بھروسا کر کے عمل چھوڑ دیں تو آپ نے فرمایا کہ ''عمل کرو، کیونکہ ہر شخص کو اس کام کے لیے آسانی دی جائے گی جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔'' پھر یہ بھروسا کر کے عمل کو چھوڑ دینا حقیقت میں اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے، کیونکہ آدمی کو معلوم ہی نہیں کہ اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے، اس کا علم تو اسے تب ہوتا ہے جب وہ کام واقع ہو جاتا ہے۔ پھر جب آدمی کا رزق لکھا ہوا ہے اس کے باوجود وہ اپنی تقدیر پر بھروسا کر کے

رزق کے حصول کے لیے جدو جہد ترک نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے مسلسل محنت کرتا رہتا ہے، تو آخرت کے معاملے میں تقدیر پر بھروسا کر کے عمل ترک کرنے کا کیا جواز ہے۔ اقبال نے کہا ہے ؎

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

٨٣ - بَابُ مَا جَاءَ فِي قَاتِلِ النَّفْسِ

83۔ باب: اپنے آپ کو قتل کرنے والے کا حکم

١٣٦٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا مُتَعَمِّدًا، فَهُوَ كَمَا قَالَ، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ عُذِّبَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ» [انظر: ٤١٧١، ٤٨٤٣، ٦٠٤٧، ٦١٠٥، ٦٦٥٢ - أخرجه مسلم: ١١٠ مطولاً]

1363۔ ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اسلام کے سوا کسی اور ملت کی جھوٹی قسم جان بوجھ کر کھائے تو وہ اسی طرح ہے جیسے اس نے کہا اور جو شخص اپنے آپ کو لوہے کی کسی چیز کے ساتھ قتل کرے اسے اسی کے ساتھ جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔“

١٣٦٤ - وَقَالَ حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنِ الْحَسَنِ، حَدَّثَنَا جُنْدَبٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ، فَمَا نَسِينَا وَمَا نَخَافُ أَنْ يَكْذِبَ جُنْدَبٌ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «كَانَ بِرَجُلٍ جِرَاحٌ، فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَقَالَ اللَّهُ: بَدَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ» [انظر: ٣٤٦٣ - أخرجه مسلم: ١١٣ مطولاً و بدون ذكر «بدرني عبدي»]

1364۔ حسن (بصری) سے روایت ہے کہ ہمیں جندب رضی اللہ عنہ نے اس مسجد میں بیان کیا، پھر نہ ہم بھولے اور نہ ہمیں ڈر ہے کہ جندب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ پر جھوٹ بولیں گے، آپ نے فرمایا: ”ایک آدمی کو کئی زخم لگے ہوئے تھے، اس نے اپنے آپ کو قتل کر دیا تو اللہ نے فرمایا: میرے بندے نے مجھ سے جلدی کی، اس لیے میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔“

١٣٦٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «الَّذِي يَخْنُقُ نَفْسَهُ

1365۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”وہ شخص جو اپنا گلا گھونٹ دے وہ آگ میں اسے گھونٹتا رہے گا اور جو اپنے آپ کو نیزہ وغیرہ مارے وہ اپنے آپ کو

يَخْنُقُهَا فِي النَّارِ، وَالَّذِي يَطْعُنُهَا يَطْعُنُهَا فِي النَّارِ» آگ میں نیزہ مارتا رہے گا۔"

[انظر: ۵۷۷۸۔ أخرجه مسلم: ۱۰۹ مطولاً باختلاف]

فوائد ومسائل: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب اس لیے باندھا ہے کہ خودکشی کرنے والے کا جنازہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟ مگر انھوں نے اسے مبہم رکھا ہے۔ بعض لوگ اس کے جنازے کو جائز نہیں سمجھتے، کیونکہ جب اسے آگ ہی میں رہنا ہے تو جنازے کا کیا فائدہ اور بعض کہتے ہیں: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ [النساء: ۴۸] "بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا۔" اس آیت کے تحت چونکہ خودکشی شرک نہیں اس لیے اس کی بخشش ہو سکتی ہے، لہٰذا اس کا جنازہ پڑھنا چاہیے، کیونکہ وہ گناہ گار مسلمان ہے اور گناہ گار کا جنازہ پڑھنا چاہیے۔ بعض کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اشراف، مثلاً علماء و حکام اس کا جنازہ نہ پڑھیں، تاکہ عام لوگ اس گناہ سے باز رہیں، البتہ عام لوگ جنازہ پڑھیں۔ یہی بات درست ہے۔ حافظ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: شاید بخاری نے اس باب کے ساتھ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہو جو صحیح ہے مگر بخاری کی شرط پر نہیں، اس لیے انھوں نے اس کی طرف صرف اشارے پر اکتفا کیا ہے۔ اس میں ہے: «أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَتَلَ نَفْسَهُ بِمَشَاقِصَ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ» [مسلم: ۹۷۸] "نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے اپنے آپ کو چوڑے تیر کے ساتھ قتل کر دیا تھا تو آپ نے اس کا جنازہ نہیں پڑھا۔" سنن نسائی (۱۹۶۴) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَمَّا أَنَا فَلَا أُصَلِّي عَلَيْهِ» "لیکن میں تو اس کا جنازہ نہیں پڑھوں گا۔" اس صحیح حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعلق فرمایا کہ میں اس کا جنازہ نہیں پڑھوں گا، البتہ دوسروں کو جنازہ پڑھنے سے منع نہیں فرمایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ دین میں مقام و مرتبہ رکھنے والے لوگ خودکشی کرنے والے کا جنازہ نہ پڑھیں، البتہ عوام اس کا جنازہ پڑھیں، کیونکہ اہل السنہ کا اتفاق ہے کہ گناہ گار مسلمان کا جنازہ پڑھا جائے گا۔

2 آئندہ کے لیے کسی کام کی قسم کھائی جائے کہ میں یہ کام کروں گا یا نہیں کروں گا تو اسے سچا یا جھوٹا نہیں کہا جاتا بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس نے قسم پوری کی یا قسم توڑ دی۔ جھوٹی قسم وہ ہوتی ہے جو گزشتہ کسی کام کے متعلق کھائی جائے، مثلاً کوئی قسم کھائے کہ میں نے فلاں کام کیا ہے، جب کہ اس نے وہ کام نہ کیا ہو، یا قسم کھائے کہ میں نے فلاں کام نہیں کیا جب کہ اس نے وہ کام کیا ہو۔ یہ کبیرہ گناہوں میں شامل ہے اور سچی توبہ کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ اب اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ان الفاظ کے ساتھ جھوٹی قسم کھائے کہ میں نے فلاں کام کیا ہے، اگر نہ کیا ہو تو میں یہودی ہوں یا ہندو، حالانکہ اس نے وہ کام نہیں کیا، یا جھوٹی قسم کھائے کہ میں نے فلاں کام نہیں کیا، اگر کیا ہو تو میں یہودی ہوں یا ہندو، حالانکہ اس نے وہ کام کیا ہو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ اسی طرح ہے جیسے اس نے کہا، یعنی وہ یہودی یا ہندو ہو گیا۔ اس پر سوال یہ ہے کہ کیا وہ واقعی کافر ہو جائے گا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اگر وہ یہودی یا ہندو ہونے کو حلال سمجھتا ہے تو وہ واقعی مرتد ہو جائے گا، کیونکہ کفر کو حلال سمجھنے

والا بھی کافر ہے اور اگر کوئی شخص اسے حلال نہیں سمجھتا تو اس کے لیے یہ الفاظ ڈانٹنے کے لیے سمجھے جائیں گے۔ اور اگر وہ آئندہ کے لیے ایسی قسم کھاتا ہے کہ اگر اس نے فلاں کام کیا تو ہندو یا یہودی ہو گا تو یہ قسم واقع ہی نہیں ہوتی، بلکہ " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " کہے اور استغفار کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِيْ يَمِيْنِهٖ : بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى، فَلْيَقُلْ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ » [ابن ماجه : ٢٠٩٦] ''جو شخص قسم کھائے اور اپنی قسم میں کہے: لات وعزیٰ کی قسم، تو وہ " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ " کہے۔'' اور اگر وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے کہ آئندہ فلاں کام کرے گا یا نہیں کرے گا، پھر اس قسم کو توڑ دے تو قسم کا کفارہ ادا کرے۔

3 خودکشی کرنے والے کے متعلق حدیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں نے اس پر جنت حرام کر دی'' یا یہ کہ ''وہ جہنم میں اسی آلے سے خودکشی کرتا رہے گا جس کے ساتھ اس نے خودکشی کی۔'' اور صحیح مسلم (۱۰۹) میں اس کے متعلق ہمیشہ ہمیشہ کے الفاظ آئے ہیں، تو اس کے متعلق اہلِ علم نے فرمایا ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب مومن ابدی جہنمی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ [النساء : ٤٨] ''بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا۔'' اس لیے خودکشی کرنے والا صرف اس صورت میں ابدی جہنمی ہے جب وہ اس فعل کو حلال سمجھے، کیونکہ کبیرہ گناہ کو حلال سمجھنے سے آدمی مسلمان نہیں رہتا اور اگر وہ خودکشی کو حرام ہی سمجھتا ہے تو آیت بالا کی روشنی میں اس پر جنت حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سزا کے بغیر شروع ہی میں جنت میں نہیں جائے گا، اس کے ساتھ بھی ان شاء اللہ کا لفظ لگانا ضروری ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بغیر سزا کے بھی جنت میں بھیج سکتا ہے۔ خودکشی کرنے والے کے ابدی جہنمی نہ ہونے کی ایک اور دلیل وہ حدیث ہے جو جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف ہجرت کی، ان کے ساتھ ان کی قوم کے ایک اور آدمی نے بھی ہجرت کی، ان لوگوں کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی تو وہ آدمی بیمار ہو گیا اور گھبرا گیا، چنانچہ اس نے چوڑے پھل والا تیر لیا اور اس کے ساتھ اپنے ہاتھ کی انگلیوں کے جوڑ کاٹ دیے، جس سے اس کے ہاتھوں سے خون بہنے سے وہ فوت ہو گیا۔ طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں اچھی حالت میں دیکھا، دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ کو ڈھانپے ہوئے ہے، تو اس نے اسے کہا: تمھارے رب نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا: اس نے مجھے اپنے نبی کی طرف ہجرت کی وجہ سے بخش دیا۔ انھوں نے پوچھا: کیا بات ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے اپنا ہاتھ ڈھانپ رکھا ہے؟ اس نے کہا: مجھے کہا گیا ہے کہ اپنے جس حصے کو تم نے خود خراب کیا ہے ہم اسے درست نہیں کریں گے۔ طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ خواب رسول اللہ ﷺ کو سنایا تو آپ نے کہا: « اَللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ » [مسلم : ١١٦] ''یا اللہ! اور اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے۔'' یہ حدیث دلیل ہے کہ خودکشی کرنے والا مسلمان ہے اور وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، اس لیے اس کا جنازہ پڑھا جا سکتا ہے اور اس کے حق میں دعا بھی کی جا سکتی ہے۔

٨٤ - بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ وَالِاسْتِغْفَارِ لِلْمُشْرِكِينَ

84۔ باب: منافقین کی نمازِ جنازہ اور مشرکین کے لیے بخشش کی دعا نا جائز ہونا

رَوَاهُ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ١٢٦٩]

اسے ابن عمر ؓ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

١٣٦٦- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا مَاتَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ دُعِيَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ، فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَثَبْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَتُصَلِّي عَلَى ابْنِ أُبَيٍّ وَقَدْ قَالَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا: كَذَا وَكَذَا؟ أُعَدِّدُ عَلَيْهِ قَوْلَهُ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ: «أَخِّرْ عَنِّي يَا عُمَرُ!» فَلَمَّا أَكْثَرْتُ عَلَيْهِ قَالَ: «إِنِّي خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ، لَوْ أَعْلَمُ أَنِّي إِنْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِينَ فَغُفِرَ لَهُ لَزِدْتُ عَلَيْهَا» قَالَ: فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَلَمْ يَمْكُثْ إِلَّا يَسِيرًا، حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَتَانِ مِنْ بَرَاءَةَ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا﴾ إِلَى ﴿وَهُمْ فَٰسِقُونَ﴾ [التوبة: ٨٤] قَالَ: فَعَجِبْتُ بَعْدُ مِنْ جُرْأَتِي عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ، وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. [انظر: ٤٦٧١]

1366۔ ابن عباس ؓ نے عمر بن خطاب ؓ سے بیان کیا کہ انھوں نے کہا: جب عبداللہ بن اُبی ابن سلول فوت ہوا تو رسول اللہ ﷺ کو اس کا جنازہ پڑھنے کے لیے بلایا گیا، جب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تو میں آپ کی طرف جھپٹا اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ ابن اُبی پر نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ اس نے فلاں فلاں دن ایسے ایسے کہا تھا؟ میں اس کی باتیں گن گن کر بتا رہا تھا، اس پر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ”عمر! مجھ سے یہ باتیں نہ کرو۔“ جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: ”مجھے (جنازہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کا) اختیار دیا گیا تھا، تو میں نے یہ بات پسند کی ہے، اگر مجھے معلوم ہو کہ میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں تو اس کی بخشش ہو جائے گی تو میں اس سے زیادہ بھی کروں۔“ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر نماز پڑھی، پھر آپ واپس آ گئے، پھر آپ تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے کہ سورۂ توبہ کی دو آیتیں نازل ہوئیں: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا﴾ سے ﴿فَٰسِقُونَ﴾ تک تو بعد میں مجھے اس دن رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی جرأت پر تعجب ہوا اور اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔

فائدہ: یہاں یہ حدیث ابن عباس عن عمر ؓ کے طریق سے ہے، اس سے پہلے حدیث (۱۲۶۹) میں تقریباً یہی

روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے گزر چکی ہے، اس کے فوائد وہاں ملاحظہ کریں۔ اس حدیث سے عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ان کی رائے کے موافق آیات اتریں، جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں ان کی رائے کے موافق آیات اتریں۔

٨٥ - بَابُ ثَنَاءِ النَّاسِ عَلَى الْمَيِّتِ

85۔ باب: لوگوں کا میت کی تعریف کرنا

١٣٦٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: مَرُّوا بِجَنَازَةٍ فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَجَبَتْ» ثُمَّ مَرُّوا بِأُخْرَى فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا فَقَالَ: «وَجَبَتْ» فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «مَا وَجَبَتْ؟» قَالَ: «هَذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَهَذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ» [انظر: ٢٦٤٢- أخرجه مسلم: ٩٤٩ مطولاً]

1367۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ ایک جنازہ لے کر گزرے، صحابہ نے اس کی تعریف کی، تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”واجب ہوگئی۔“ پھر ایک اور جنازہ لے کر گزرے اور صحابہ نے اس کی برائی کی، تو آپ نے فرمایا: ”واجب ہوگئی۔“ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: ”واجب ہوگئی“ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: ”تم نے اس پہلے شخص کی تعریف کی تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور تم نے اس دوسرے کی برائی کی تو اس کے لیے آگ واجب ہوگئی، تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔“

فائدہ: اس حدیث میں ایک جنازے والے کی تعریف اور دوسرے کی مذمت کا مجمل ذکر آیا ہے، مستدرک حاکم میں انس رضی اللہ عنہ ہی سے اس کی وضاحت آئی ہے کہ پہلے جنازے کے متعلق صحابہ نے کہا: « جِنَازَةُ فُلَانٍ الْفُلَانِيِّ كَانَ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَعْمَلُ بِطَاعَةِ اللَّهِ وَيَسْعَى فِيهَا » ”یہ فلاں شخص کا جنازہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا تھا اور اللہ کی اطاعت کرتا اور اس کی کوشش کرتا تھا۔“ اور دوسرے کے متعلق کہا: « جِنَازَةُ فُلَانٍ الْفُلَانِيِّ كَانَ يُبْغِضُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، وَيَعْمَلُ بِمَعْصِيَةِ اللَّهِ وَيَسْعَى فِيهَا » ”فلاں کا جنازہ ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول سے بغض رکھتا تھا اور اللہ کی نافرمانی کرتا تھا اور اس کی کوشش کرتا تھا۔“ [مستدرك حاكم: ٥٣٣/١، ح: ١٣٩٧، وقال: حديث صحيح على شرط مسلم] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلا شخص مخلص مومن تھا اور دوسرا منافق مسلمان تھا، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کوئی مومن بغض نہیں رکھ سکتا۔ حافظ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مسند احمد (۲۲۵۵۵) میں ابوقتادہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھا جس کی صحابہ نے مذمت کی تھی اور دوسرے کا جنازہ پڑھا۔ (فتح الباری)

١٣٦٨- حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ ، حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي الْفُرَاتِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ : قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ وَقَدْ وَقَعَ بِهَا مَرَضٌ، فَجَلَسْتُ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَمَرَّتْ بِهِمْ جَنَازَةٌ فَأُثْنِيَ عَلَى صَاحِبِهَا خَيْرًا، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : وَجَبَتْ، ثُمَّ مُرَّ بِأُخْرَى فَأُثْنِيَ عَلَى صَاحِبِهَا خَيْرًا، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : وَجَبَتْ، ثُمَّ مُرَّ بِالثَّالِثَةِ فَأُثْنِيَ عَلَى صَاحِبِهَا شَرًّا فَقَالَ : وَجَبَتْ، فَقَالَ أَبُو الْأَسْوَدِ : فَقُلْتُ : وَمَا وَجَبَتْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ !؟ قَالَ : قُلْتُ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « أَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهُ أَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ، أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ » فَقُلْنَا : وَثَلَاثَةٌ، قَالَ :« وَثَلَاثَةٌ » فَقُلْنَا : وَاثْنَانِ ؟ قَالَ : « وَاثْنَانِ » ثُمَّ لَمْ نَسْأَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ .

[انظر : ٢٦٤٣]

1368۔ ابو الاسود سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں مدینہ آیا، وہاں بیماری پھیلی ہوئی تھی، میں عمر بن خطاب ؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا، اس جنازے والے کی تعریف کی گئی۔ عمر ؓ نے کہا: واجب ہوگئی، پھر لوگ ایک اور جنازہ لے کر گزرے تو اس جنازے والے کی بھی تعریف کی گئی، تو عمر ؓ نے کہا: واجب ہوگئی، پھر لوگ تیسرا جنازہ لے کر گزرے تو اس جنازے والے کی برائی کی گئی، تو عمر ؓ نے کہا: واجب ہوگئی۔ ابو الاسود کہتے ہیں کہ میں نے کہا: کیا چیز واجب ہوگئی اے امیر المومنین!؟ تو انھوں نے کہا: میں نے ویسے ہی کہا ہے جیسے نبی ﷺ نے کہا تھا: ''جس کسی مسلمان کے اچھا ہونے کی چار آدمی شہادت دیں اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے۔'' ہم نے کہا: اگر تین شہادت دیں؟ تو فرمایا: ''تین بھی۔'' ہم نے کہا: اگر دو شہادت دیں؟ تو فرمایا: ''دو بھی۔'' پھر ہم نے آپ سے ایک کے متعلق سوال نہیں کیا۔

فوائد: 1 پچھلی حدیث میں جو فرمایا کہ ''تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو'' اس سے مراد سب سے پہلے صحابہ کرام ؓ ہیں، کیونکہ وہ ناحق کسی کی تعریف یا مذمت کرنے والے نہیں تھے۔ ان کے بعد پوری امتِ مسلمہ کے وہ لوگ جو صحابہ کرام ؓ کے نقشِ قدم پر چلنے والے صادق و امین ہیں، ان کی گواہی بھی اللہ کے ہاں معتبر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ [البقرة : ١٤٣] ''اور اسی طرح ہم نے تمھیں سب سے بہتر امت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر شہادت دینے والے ہو اور رسول تم پر شہادت دینے والا بنے۔'' فتح الباری میں ہے کہ محمد بن کعب قرظی نے جابر ؓ سے یہ حدیث انس ؓ کی حدیث کی طرح بیان کی تو یہ آیت بطور شاہد پڑھی۔ [حاکم : ٢/ ٢٩٤، ح : ٣٠٦١۔ ابن أبي حاتم : ١٣٣٤] داودی نے کہا: اس معاملے میں اہلِ فضل وصدق کی شہادت معتبر ہے، فاسق لوگوں کی نہیں، کیونکہ عموماً وہ اپنے جیسوں کی تعریف کرتے ہیں، اسی طرح اس کی شہادت بھی قبول نہیں جسے میت کے ساتھ عداوت ہو، کیونکہ دشمن کی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔ اس حدیث میں امت کی فضیلت کا بیان ہے

اور یہ کہ حکم ظاہر پر لگایا جائے گا۔

نووی نے کہا: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میت کے لیے لوگوں کی تعریف کی وجہ سے جنت اس صورت میں واجب ہوتی ہے جب اہلِ فضل تعریف کریں اور واقع میں بھی وہ شخص تعریف کے قابل ہو، ایسا شخص جنتی ہے، اگر وہ فی الواقع ایسا نہ ہو تو جنت واجب نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس بھی اسی طرح سمجھ لیں۔ نووی (١٩/٧) نے کہا: صحیح بات یہ ہے کہ حدیث اپنے عموم پر ہے اور جس شخص کے فوت ہونے پر اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کی تعریف ڈال دے تو یہ اس کے جنتی ہونے کی دلیل ہے، خواہ اس کے اعمال اس کے جنتی ہونے کا تقاضا کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں، کیونکہ اعمال اللہ کی مشیت کے ماتحت ہیں، وہ چاہے تو اس کے گناہ معاف فرما کر اسے جنتی بنا دے۔ اللہ کی طرف سے سب لوگوں کے دلوں میں اس کی تعریف کا الہام اس کے جنتی ہونے کو متعین کر دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے تعریف کرنے کا فائدہ ہے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو احمد (١٣٥٤١)، ابن حبان (٣٠٢٦) اور حاکم (٣٧٨/١) نے حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس مرفوع بیان کی ہے: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيَشْهَدُ لَهُ أَرْبَعَةٌ أَهْلُ أَبْيَاتٍ مِنْ جِيرَانِهِ الْأَدْنَيْنَ أَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ مِنْهُ إِلَّا خَيْرًا، إِلَّا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَتَبَارَكَ: قَدْ قَبِلْتُ قَوْلَكُمْ وَغَفَرْتُ لَهُ مَا لَا تَعْلَمُونَ» ”کوئی بھی مسلمان جو فوت ہو تو اس کے قریب ترین چار ہمسائے شہادت دیں کہ وہ اس کے متعلق خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے، تو اس کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تمھاری شہادت قبول کی اور جو تم نہیں جانتے وہ میں نے اسے بخش دیا۔“ (صاحب انیس الساری نے کہا: یہ حدیث حسن ہے) رہا وہ جس کے شر کی شہادت دی جائے اس کے متعلق حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ اس کا انجام ایسا ہی ہے، لیکن ایسا اس کے متعلق ہی ہوتا ہے جس کی برائی اس کی نیکی پر غالب ہو۔ (فتح الباری ملخصاً)

2 جب لوگ کسی مسلم کے متعلق شہادت دیں کہ وہ اس کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے عیوب اور گناہوں پر پردہ ڈالے رکھا ہے۔ ایسے شخص کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يَسْتُرُ اللَّهُ عَلَى عَبْدٍ فِي الدُّنْيَا إِلَّا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» [مسلم: ٢٥٩٠] ”جس بندے پر اللہ تعالیٰ دنیا میں پردہ ڈالے رکھتا ہے قیامت کے دن بھی اللہ اس پر پردہ ڈالے رکھے گا۔“ اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلم کا مستور العیب ہونا بھی اللہ کے ہاں بہت بڑی بات ہے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: «كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ، وَإِنَّ مِنَ الْمُجَاهَرَةِ أَنْ يَعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا، ثُمَّ يُصْبِحَ وَقَدْ سَتَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَيَقُولَ: يَا فُلَانُ! عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا، وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللَّهِ عَنْهُ» [بخاري: ٦٠٦٩] ”میری ساری امت کو معافی دے دی گئی ہے سوائے کھلم کھلا نافرمانی کرنے والوں کے اور بے حیائی میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی رات کو ایک کام کرے، پھر اس حال میں صبح کرے کہ اللہ نے اس پر پردہ ڈال دیا ہو اور وہ یہ کہہ رہا ہو: اے فلاں! آج رات میں نے یہ یہ کام کیا ہے، جب کہ رات بھر اس کا رب اس پر

پردہ ڈالتا رہا اور وہ صبح اس حال میں کرتا ہے کہ اپنے آپ پر اس کے پردے کو کھول رہا ہوتا ہے۔"

3 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص میں کوئی خیر یا شر ہو تو ضرورت کے لیے اس کا ذکر کیا جا سکتا ہے اور یہ وہ غیبت نہیں جو حرام ہے، کیونکہ صحابہ نے ایک میت کی تعریف کی اور ایک کی مذمت کی۔

4 ایک سوال اس حدیث پر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فوت شدگان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے، تو آپ ﷺ کے سامنے لوگوں نے ایک میت کو برا کہا مگر آپ نے انھیں نہیں ٹوکا، اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ فوت شدگان کو برا کہنے سے منع کرنے والی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: «لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلٰى مَا قَدَّمُوا» [بخاري : ۱۳۹۳] "فوت شدگان کو گالی مت دو، کیونکہ انھوں نے جو کچھ آگے بھیجا اس کے پاس پہنچ گئے۔" اس میں مُردوں کو گالی دینے سے منع کیا گیا ہے مگر ان کی برائی کے بیان سے منع نہیں کیا گیا۔ قرآن مجید میں کفار کے نام لے کر اور نام لیے بغیر ان کی برائیاں اور ان کے ظلم و ستم بیان کیے گئے ہیں مگر کسی کو گالی نہیں دی گئی۔ قرآن مجید میں مشرکین کے خداؤں کو بھی گالی دینے سے منع کیا گیا ہے، فرمایا: ﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ [الأنعام : ۱۰۸] "اور انھیں گالی نہ دو جنھیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، پس وہ زیادتی کرتے ہوئے کچھ جانے بغیر اللہ کو گالی دیں گے۔" مگر ان کے باطل ہونے اور ان کے نقائص کو تو بار بار بیان کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کسی کو گالی دینا اور چیز ہے اور اس کی برائی بیان کرنا اور چیز ہے۔ جو لوگ "وَلَا تَسُبُّوا" کا ترجمہ "برا بھلا نہ کہو" کرتے ہیں یہ ترجمہ محلِ نظر ہے۔

5 عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں اللہ کے ہاں میت کے حق میں چار آدمیوں کی شہادت پر اس کے جنت میں داخلے کی بشارت ہے، تین کی شہادت پر اور دو کی شہادت پر بھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک آدمی کی شہادت کا سوال نہیں کیا، اس کی وجہ بعض شارحین نے یہ لکھی ہے کہ شہادت کے لیے کم از کم دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

٨٦ - بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ

وَقَوْلُهُ تَعَالَى : ﴿ إِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ﴾ [الأنعام : ٩٣] اَلْهُوْنُ : هُوَ الْهَوَانُ، وَالْهَوْنُ : الرِّفْقُ . وَقَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ : ﴿ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴾ [التوبة : ١٠١] وَقَوْلُهُ تَعَالَى : ﴿ وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۚ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ

86۔ باب: قبر کے عذاب کا بیان

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "(اور کاش تو دیکھے) جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں، نکالو اپنی جانیں، آج تمھیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا (اس کے بدلے جو تم اللہ پر ناحق باتیں کہتے تھے۔)" "اَلْهُوْنُ" (ہاء کے ضمہ کے ساتھ) کا معنی ذلت ہے اور "اَلْهَوْنُ" (ہاء کے فتحہ کے ساتھ) کا معنی نرمی ہے۔ اور اللہ جل ذکرہ کا فرمان ہے:

تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ [غافر : ٤٥، ٤٦]

''عنقریب ہم انھیں دو بار عذاب دیں گے، پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔'' اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور آلِ فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا، جو آگ ہے، وہ اس پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی، آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔''

فوائد: 1 امام بخاری نے یہ باب اس لیے قائم کیا ہے کہ بعض لوگ عذابِ قبر کے سرے ہی سے منکر ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ثواب و عذاب کا معاملہ قیامت کے دن ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ [آل عمران : ١٨٥] ''اور تمھیں تمھارے اجر قیامت کے دن ہی پورے دیے جائیں گے۔'' اس لیے قیامت سے پہلے کوئی عذاب یا ثواب نہیں۔ ایک دلیل اس کی وہ یہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید میں انسان کی صرف دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے، فرمایا: ﴿قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا﴾ [المؤمن : ١١] ''وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور تو نے ہمیں دو دفعہ زندہ کیا، سو ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا۔'' ان دو موتوں اور دو زندگیوں کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے خود فرما دی ہے: ﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ [البقرۃ : ٢٨] ''تم کیسے اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تمھیں زندگی بخشی، پھر وہ تمھیں موت دے گا، پھر تمھیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' اگر قبر میں عذاب یا ثواب مانا جائے تو دو موتوں اور دو زندگیوں کی بجائے تین زندگیاں اور تین موتیں ماننا پڑیں گی۔ اس کے علاوہ جسے قبر ملی ہی نہیں اسے جلا دیا گیا یا وہ کسی درندے کی خوراک بن گیا، اس کے لیے عذابِ قبر کا کچھ مطلب ہی نہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قبر میں عذاب صرف روح کو ہوتا ہے جسم کو نہیں، کیونکہ کفار کے جسم ہمارے سامنے ہوتے ہیں اور قبر کھول کر بھی دیکھی جائے تو ان پر عذاب کا کوئی نشان نہیں ہوتا۔ فرعون کی لاش اور دوسرے کئی لوگوں کی حنوط شدہ لاشیں سب کے سامنے ہیں، ان پر عذاب کا کوئی نشان نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سب اقوال کے رد کے لیے یہ باب قائم کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی ختم ہونے کے ساتھ مرتے وقت بھی اور موت کے بعد قیامت سے پہلے بھی عذاب و ثواب ہوتا ہے اور جس طرح نیکی اور بدی میں روح اور جسم دونوں شریک تھے اسی طرح ثواب و عذاب میں بھی دونوں شریک ہوتے ہیں۔ موت کے بعد روح کو بدن میں لوٹایا جاتا ہے اور میت کے جسم کے ہر ذرے کے ساتھ روح کا تعلق جوڑا جاتا ہے، خواہ وہ جلایا جا چکا ہو یا اسے کسی درندے نے کھا لیا ہو، خواہ ویسے ہی اس کے اجزا بکھر چکے ہوں۔ چونکہ ان اقوال کے قائلین اپنی بات کے خلاف احادیث کو خواہ وہ بالکل صحیح ہوں یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ اخبارِ احاد ہیں اور ان کے خیال

میں خبر واحد سے یقین حاصل نہیں ہوتا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے احادیث سے پہلے تین آیات بھی ذکر کی ہیں جن سے قیامت سے پہلے بعض لوگوں کے لیے عذاب ثابت ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ہر انسان کو قبر ملتی ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴾ [عبس : ۱۷ تا ۲۲] ''مارا جائے انسان! وہ کس قدر ناشکرا ہے۔ اس نے اسے کس چیز سے پیدا کیا۔ ایک قطرے سے اس نے اسے پیدا کیا، پس اس کا اندازہ مقرر کیا۔ پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا۔ پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں رکھوایا۔ پھر جب وہ چاہے گا اسے اٹھائے گا۔'' یہاں اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو نطفہ سے پیدا کرنے کے ساتھ اسے قبر میں رکھوانے کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح فرمایا: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ﴾ [هود : ٦] ''اور زمین میں کوئی چلنے والا (جاندار) نہیں مگر اس کا رزق اللہ ہی پر ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے۔'' تفسیر القرآن الکریم (۷۹/۲) میں ہے: ''یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم ہی کا مزید بیان ہے۔ '' مُسْتَقَرٌّ '' اور '' مُسْتَوْدَعٌ '' کی تفسیر اگرچہ لوگوں نے کئی طرح سے بیان کی ہے، مگر الفاظ کے پیشِ نظر واضح مطلب یہی نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ تمام جگہیں بھی جانتا ہے جہاں انسان نے کچھ مدت کے لیے ٹھہرنا ہے، خواہ باپ کی پشت ہو یا ماں کا رحم، یا زمین کا کوئی حصہ جہاں اس نے زندگی میں ٹھہرنا ہے اور اللہ تعالیٰ وہ جگہیں بھی جانتا ہے کہ جن کے سپرد انسان نے مرنے کے بعد ہونا ہے، خواہ وہ زمین میں کھودی ہوئی کوئی جگہ ہو یا کسی جانور کا پیٹ یا جو جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اس کے سپرد ہونے کے لیے لکھی ہے وہ سب کچھ اس کے لیے قبر ہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو موت اور قبر دینے کا ذکر فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴾ [عبس : ٢١] ''پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں رکھوایا۔'' پھر قیامت کو زندہ ہو کر اسے دوزخ کے سپرد ہونا ہے یا جنت کے، یہ سب اس کے لیے '' مُسْتَوْدَعٌ '' (سونپے جانے کی جگہ) ہیں۔''

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح احادیث میں میت کو قبر میں رکھے جانے کے بعد اس کے پاس دو فرشتوں کے آنے اور اسے اٹھا کر بٹھانے کا ذکر ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور قبر میں باز پرس اور راحت یا عذاب کا معاملہ اس آدمی سے ہوتا ہے جس کے بدن میں روح لوٹائی جاتی ہے، کیونکہ زندگی میں نیکی اور بدی میں روح اور بدن دونوں شریک تھے۔ اس سلسلے میں اس آدمی والی حدیث بھی قابل ذکر ہے جس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ وہ اس کے مرنے کے بعد اسے جلا دیں اور اس کی آدھی راکھ خشکی میں اور آدھی سمندر میں اڑا دیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: « فَأَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ، وَأَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ، ثُمَّ قَالَ : لِمَ فَعَلْتَ؟ قَالَ : مِنْ خَشْيَتِكَ وَأَنْتَ أَعْلَمُ، فَغَفَرَ لَهُ » [بخاري : ۷۵۰۶] ''پھر اللہ نے سمندر کو حکم دیا تو اس نے وہ سب اکٹھا کر دیا جو اس میں تھا اور خشکی کو حکم دیا تو اس نے وہ سب اکٹھا کر دیا جو اس میں تھا، پھر فرمایا: تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے کہا: تیرے ڈر سے اور تو خوب جاننے والا ہے، تو اللہ نے اسے بخش دیا۔'' اگر عذاب و ثواب کا معاملہ صرف روح سے ہے تو سمندر اور خشکی سے راکھ اکٹھی کر کے زندہ

کرنے کے بعد سوال و جواب کی کیا ضرورت ہے؟ سیدھا روح سے سوال کر لیا جاتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو قبر میں دفن کیا جائے اس سے سوال و جواب اس گڑھے میں ہوتے ہیں جس میں وہ دفن ہے اور وہی اس کی قبر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو منافقین کے متعلق فرمایا: ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ﴾ [التوبۃ : ۸٤] ''اور ان میں سے جو کوئی مر جائے تو تو اس کا کبھی جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴾ [التکاثر : ۱، ۲] ''تمھیں ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی حرص نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبرستان جا دیکھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴾ [الانفطار : ٤] ''اور جب قبریں الٹ دی جائیں گی۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ﴾ [العادیات : ۹] ''تو کیا وہ نہیں جانتا جب قبروں میں جو کچھ ہے باہر نکال پھینکا جائے گا۔'' ان سب آیات میں قبر سے مراد وہ گڑھا ہے جس میں آدمی کو دفن کیا جاتا ہے۔ اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو اس پر ٹھہر جاتے اور فرماتے: « اسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ، وَسَلُوْا لَهُ بِالتَّثْبِيْتِ، فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ » [أبو داوٗد : ۳۲۲۱، صحیح] ''اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدم رکھنے کی دعا کرو، کیونکہ اب اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔'' اس کے علاوہ مسجد کی صفائی کرنے والی خاتون کی قبر پر جنازہ پڑھنے اور دو قبروں پر کھجور کی ٹہنی گاڑنے کی احادیث سے بھی ظاہر ہے کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے اور اسی میں ان سے سوال و جواب اور ثواب یا عذاب ہوتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا معاملہ ہے جنھیں زمین میں دفن کیا جاتا ہے، رہے وہ لوگ جو پانی میں غرق ہو گئے یا جنھیں درندے کھا گئے یا جو جل کر راکھ ہو گئے، تو ان کی قبریں وہی مقامات ہیں جہاں ان کے اجزا پڑے ہوئے ہیں اور وہیں انھیں ثواب یا عذاب ہو رہا ہے، قبر کے سوال و جواب بھی وہیں ہوتے ہیں، کیونکہ مرنے والے کسی بھی شخص کے بدن کے اجزا خواہ کہیں ہوں زمین ہی کے کسی نہ کسی حصے میں موجود رہتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا ﴾ [المرسلات : ۲۵، ۲٦] ''کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ زندوں کو اور مُردوں کو۔'' حتیٰ کہ جسے کسی گڑھے میں دفن کیا جائے اس کے اجزا بھی ضروری نہیں کہ وہیں رہیں، وہ بھی وہاں سے مختلف جگہوں پر بکھر سکتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ ہر میت کی روح کا تعلق اس کے بدن کے ہر جزو کے ساتھ کر کے قیامت تک اسے راحت عطا کر دیتا ہے یا عذاب سے دو چار کر دیتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد آیات و احادیث سے اس عذاب کو ثابت کیا ہے جسے عذابِ قبر کہتے ہیں۔ یہ برحق ہے اور اس کے متعلق تواتر سے احادیث آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مرنے والوں اور دنیا میں زندہ لوگوں کے درمیان قیامت تک کے لیے پردہ حائل کر دینے کا ذکر فرمایا ہے، جس کے نتیجے میں میت دوبارہ زندوں کی طرف واپس نہیں آ سکتی، نہ زندوں کو اس کے احوال کی خبر ہوتی ہے اور نہ میت کو زندوں کے احوال کی خبر ہوتی ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾ [المومنون : ۹۹، ۱۰۰] ''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو کہتا ہے اے میرے رب! مجھے واپس بھیجو، تاکہ میں جو کچھ چھوڑ آیا ہوں

اس میں کوئی نیک عمل کرلوں۔ ہرگز نہیں، یہ تو ایک بات ہے جسے وہ کہنے والا ہے اور ان کے پیچھے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے ایک پردہ ہے۔"

جن لوگوں نے عذابِ قبر کا انکار اس لیے کیا ہے کہ وہ دکھائی نہیں دیتا انھیں اپنے ایمان کی تجدید کرنی چاہیے، کیونکہ ایمان کی بنیاد ہی یہ ہے کہ آدمی اللہ اور اس کے رسول کی بات پر ایمان لائے اور اس کا یقین رکھے، خواہ وہ اسے نظر آئے یا نظر نہ آئے، اسے ایمان بالغیب کہتے ہیں اور قرآن مجید سے ہدایت اور سیدھی راہ اسی شخص کو ملتی ہے جو غیب پر ایمان رکھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ [البقرة : ۲، ۳] "یہ کامل کتاب، اس میں کوئی شک نہیں، بچنے والوں کے لیے سراسر ہدایت ہے۔ وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے اور اس میں سے جو ہم نے انھیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی ہے کہ تمھارے اور میت کے درمیان ایک پردہ حائل ہے، جس کی وجہ سے تم اس پر گزرنے والے احوال نہیں جان سکتے۔ میت پر گزرنے والے احوال نظر آنا تو بہت دور کی بات ہے، ہمیں تو اپنے پاس سوئے ہوئے آدمی پر گزرنے والے احوال کا پتا نہیں ہوتا، بلکہ اندازہ تک نہیں ہوتا کہ وہ کن لذتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے یا کن مصیبتوں سے دوچار ہے۔ اور جن لوگوں نے عذابِ قبر کا انکار اس لیے کیا ہے کہ اللہ نے انسان کے لیے دو موتیں اور دو زندگیاں طے کر رکھی ہیں، اگر قبر میں روح کے لوٹانے کو اور قیامت سے پہلے میت کے لیے عذاب یا راحت کو تسلیم کیا جائے تو قیامت سے پہلے تین موتیں اور تین زندگیاں ماننا پڑیں گی، اس لیے عذابِ قبر کی بات درست نہیں۔ مگر اس بنا پر عذابِ قبر کا انکار درست نہیں، کیونکہ ان دو زندگیوں سے مراد وہ کامل زندگیاں ہیں جن کے ساتھ آدمی اپنے بدن کے ساتھ زمین پر چلتا پھرتا ہے اور ان دو موتوں سے مراد ان زندگیوں کے برعکس کا زمانہ ہے، جس میں وہ اپنے بدن کے ساتھ زمین پر چل پھر نہیں سکتا۔ دنیا کی اس زندگی کے دوران روزانہ ایک بار یا کئی بار اس کی روح قبض کی جاتی ہے اور پھر اسی دن یا دوسرے دن لوٹا دی جاتی ہے، فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ [الزمر : ۴۲] "اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور ان کو بھی جو نہیں مریں ان کی نیند میں، پھر اسے روک لیتا ہے جس پر اس نے موت کا فیصلہ کیا اور دوسری کو ایک مقرر وقت تک بھیج دیتا ہے۔"

تو جس طرح زندگی میں آدمی روزانہ موت سے دوچار ہوتا ہے، وہ سوتے وقت پڑھتا ہے: « اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَأَحْيَا » "اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور زندہ ہوں گا۔" اور بیدار ہونے پر پڑھتا ہے: « اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ » [بخاري : ۶۳۱۴] "سب حمد اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں موت دینے کے بعد زندہ کر دیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔" یعنی جس طرح دنیوی زندگی میں قرآن و حدیث کی تصریح کے مطابق ایک طرح کی نامکمل موت آدمی پر بار بار آتی ہے، جس کے باوجود وہ مرتا نہیں بلکہ اس حالت میں خواب کی صورت میں وہ بے حد خوشی یا بے حد تکلیف بھی محسوس کرتا ہے اور اس کی اس کیفیت سے پاس بیٹھنے والے بے خبر ہوتے ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد

قیامت سے پہلے روح کا بدن کی طرف ایک ناتمام حالت میں لوٹایا جانا قرآن وحدیث کی تصریحات سے ثابت ہے، جس سے اسے ایک ناتمام زندگی حاصل ہوتی ہے، جسے ہم سمجھ نہیں سکتے، اس لیے فرمایا: ﴿ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ [البقرۃ: ١٥٤] ”بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔“ وہ ایسی زندگی ہے جس کے باوجود آدمی دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ نہیں ہوتا، نہ ہی اس کا بدن حرکت کر سکتا ہے، البتہ قبر میں رکھے جانے کے بعد روح کے لوٹنے کی وجہ سے وہ جانے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے، فرشتوں کے سوالوں کا صحیح یا غلط جواب دیتا ہے جس کے نتیجے میں قیامت کے دن تک یا تو راحت اور نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے یا عذاب سے دوچار ہوتا ہے۔

2 عذابِ قبر کے منکرین نے اپنے انکار کا آسان حل یہ تلاش کیا ہے کہ احادیث کو اخبارِ احاد کہہ کر رد کر دیا جائے، چنانچہ وہ صرف عذابِ قبر نہیں ہر اس بات کو جو اُن کے خلاف ہو اسی بہانے سے رد کر دیتے ہیں، حالانکہ کسی بات پر ایمان اور عمل کے لیے تواتر ضروری نہیں، حتی کہ قرآن مجید کے لیے بھی تواتر شرط نہیں، نبی ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی آپ سے قرآن کی چند آیات سنتا اور اپنی قوم کو جا کر سناتا تو وہ اسے قرآن مانتے اور اس پر عمل کرتے تھے، اسی طرح وہ آپ کی احادیث کا ذکر کرتا تو وہ ان پر عمل کرتے، کسی نے یہ نہیں کہا کہ جب تک اتنے آدمی ہمیں آ کر نہیں بتائیں گے ہم نہ اس پر ایمان لائیں گے نہ عمل کریں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کے لیے اپنی صحیح میں باقاعدہ ایک کتاب لکھی ہے ”كِتَابُ أَخْبَارِ الْآحَادِ“ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہاں تفصیل سے بات ہوگی۔

3 امام صاحب نے عذابِ قبر کے ثبوت کے لیے تین آیات ذکر کی ہیں، پہلی آیت میں (موت کے وقت) فرشتوں کے کفار کی طرف اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے یہ کہنے کا ذکر ہے کہ اپنی جانیں نکالو، آج تمھیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا، اس کے بدلے جو تم اللہ پر ناحق باتیں کہتے تھے اور تم اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: طبری (۴۶۲/۹) اور ابن ابی حاتم (۴۱۰/۹) نے علی بن ابی طلحہ کے (معتبر) طریق سے لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: « هٰذَا عِنْدَ الْمَوْتِ وَالْبَسْطُ : الضَّرْبُ » ”یعنی یہ موت کے وقت کی بات ہے اور ہاتھ پھیلانے کا مطلب مارنا ہے۔“ اسی مفہوم کی آیت سورۂ قتال میں ہے: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ﴾ [محمد: ٢٧] ”تو کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے اس حال میں کہ ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوں گے۔“ ظالموں کو مارنے کا یہ معاملہ اگرچہ دفن سے پہلے کا ہے مگر بہرحال قیامت سے پہلے واقع ہونے والا ہے۔ اسے عذابِ قبر کے ضمن میں اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس کا اکثر حصہ قبر ہی میں ہونے والا ہے اور اس لیے کہ اکثر مرنے والے قبر میں دفن کیے جاتے ہیں، ورنہ کافروں کو اور ان نافرمانوں کو جنھیں اللہ تعالیٰ عذاب دینا چاہے موت کے بعد عذاب دیا جاتا ہے، خواہ انھیں دفن نہ کیا گیا ہو اور یہ معاملہ مخلوق سے پردے میں ہوتا ہے، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے۔ (فتح الباری) سورۂ انعام کی آیت (۹۳): ﴿ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ﴾ (آج تمھیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا) واضح دلیل ہے کہ قیامت سے پہلے بھی عذاب وثواب کا معاملہ ہوگا۔

4 دوسری آیت: ﴿ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ ...... ﴾ کہ عنقریب ہم انھیں دو بار عذاب دیں گے، پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ تفسیر القرآن الکریم میں ہے: ''یعنی ایک تو دنیا میں غم و اندوہ اور فکر مندی کا عذاب، جس میں منافقین ہمیشہ مبتلا رہتے ہیں، فرمایا: ﴿ يَحۡسَبُونَ كُلَّ صَيۡحَةٍ عَلَيۡهِمۡ ﴾ [المنافقون : ٤] کہ وہ ہر لمحہ اپنے آپ کو خطرے میں محسوس کرتے ہیں، ہر بلند آواز کو اپنے خلاف گمان کرتے ہیں اور پھر یہ رسوائی بھی کہ کفار اور مسلمانوں میں سے انھیں اپنا سمجھنے کے لیے کوئی تیار نہ تھا اور مرنے کے بعد قبر کے عذاب کو دوسرا عذاب فرمایا۔ یا '' مَّرَّتَيۡنِ '' سے مراد موت کے وقت فرشتوں کی مار ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَضۡرِبُونَ وُجُوهَهُمۡ وَأَدۡبَٰرَهُمۡ ﴾ [محمد : ٢٧] ''وہ ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوں گے۔'' پھر قبر کا عذاب، اس کے بعد '' عَذَابٍ عَظِيمٍ '' سے مراد جہنم کا عذاب ہے۔ '' مَّرَّتَيۡنِ '' کا معنی بار بار بھی آتا ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ ثُمَّ ٱرۡجِعِ ٱلۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ يَنقَلِبۡ إِلَيۡكَ ٱلۡبَصَرُ خَاسِئٗا وَهُوَ حَسِيرٞ ﴾ [الملك : ٤] ''پھر بار بار نگاہ لوٹا، نظر تیری طرف ناکام ہو کر پلٹ آئے گی اور وہ تھکی ہوئی ہو گی۔'' یعنی دنیا میں مال و اولاد، پریشانیوں اور ذلتوں کے ذریعے سے، پھر موت کے وقت، پھر قبر کے اندر بار بار عذاب دے کر آخر کار جہنم میں پہنچا دیں گے، یہ معنی بہت جامع ہے۔'' معلوم ہوا منافقین کو آخرت کے عذاب عظیم سے پہلے بھی دو بار عذاب ہوگا جس میں عذاب قبر بھی شامل ہے۔

5 وَحَاقَ بِـَٔالِ فِرۡعَوۡنَ سُوٓءُ ٱلۡعَذَابِ : تفسیر القرآن الکریم میں ہے: ''وہ مرد مومن تو آل فرعون کی سازشوں کے برے نتائج سے بچ کر دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو گیا، مگر آل فرعون کو دنیا اور آخرت کے دوہرے عذاب نے گھیر لیا، دنیا میں وہ سمندر میں غرق ہوئے اور '' ٱلنَّارُ يُعۡرَضُونَ عَلَيۡهَا غُدُوّٗا وَعَشِيّٗا '' یعنی سمندر میں غرق کیے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں گھیرنے والے دو بدترین عذابوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک قیامت تک ہونے والا عذاب، عذاب قبر یا عذاب برزخ ہے، جو موت اور آخرت کے درمیانے وقفے میں انھیں آگ کی صورت میں ہو رہا ہے، جس پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں، خواہ ان کے جسم سمندری جانوروں کی خوراک بنے ہوں یا کسی عجائب گھر میں محفوظ ہوں یا خاک میں مل گئے ہوں، ان کا ہر ذرہ جہاں بھی ہے وہی اس کی قبر ہے اور قیامت تک اسے یہ عذاب ہوگا۔ صبح و شام سے مراد ہر وقت ہے اور یہ محاورہ عربی ہی نہیں ہر زبان میں بولا جاتا ہے۔ اور '' وَيَوۡمَ تَقُومُ ٱلسَّاعَةُ أَدۡخِلُوٓاْ ءَالَ فِرۡعَوۡنَ أَشَدَّ ٱلۡعَذَابِ '' یہ دوسرا عذاب ہے جو قیامت کے دن شروع ہوگا۔ یہ آیت عذاب قبر کی واضح دلیل ہے۔ اب عذاب قبر کے متعلق احادیث کا بیان ہوتا ہے۔

١٣٦٩ ـ حَدَّثَنَا حَفۡصُ بۡنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعۡبَةُ، عَنۡ عَلۡقَمَةَ بۡنِ مَرۡثَدٍ، عَنۡ سَعۡدِ بۡنِ عُبَيۡدَةَ، عَنِ الۡبَرَاءِ بۡنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: « إِذَا أُقۡعِدَ الۡمُؤۡمِنُ فِي قَبۡرِهِ أُتِيَ ثُمَّ شَهِدَ أَنۡ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، فَذٰلِكَ قَوۡلُهُ :

1369۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب مومن کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے تو اس کے پاس (فرشتے) آتے ہیں، پھر وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور اس آیت کا یہی مطلب ہے: ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے پختہ

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ﴾ [إبراهيم : ۲۷]

بات کے ساتھ خوب قائم رکھتا ہے (دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں)۔''

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهٰذَا، وَزَادَ : ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ . [انظر : ٤٦٩٩۔ أخرجه مسلم : ٢٨٧١]

شعبہ کی دوسری روایت میں بھی اسی طرح ہے اور اس میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ یہ آیت " يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا " عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

١٣٧٠۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، حَدَّثَنِي نَافِعٌ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ، قَالَ : اطَّلَعَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى أَهْلِ الْقَلِيبِ، فَقَالَ : « وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؟ » فَقِيلَ لَهُ : تَدْعُو أَمْوَاتًا ؟ فَقَالَ : « مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهُمْ، وَلٰكِنْ لَا يُجِيبُونَ » [انظر : ٣٩٨٠، ٤٠٢٦]

1370۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (بدر کے) کنویں والوں کو جھانکا اور فرمایا: ''کیا تم نے اس وعدے کو سچا پایا جو تمھارے رب نے کیا تھا؟'' آپ سے کہا گیا: آپ مُردوں کو بلا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں، لیکن وہ جواب نہیں دیتے۔''

١٣٧١۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : إِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : « إِنَّهُمْ لَيَعْلَمُونَ الْآنَ أَنَّ مَا كُنْتُ أَقُولُ لَهُمْ حَقٌّ » وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى : ﴿ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ﴾ [النمل : ٨٠] [انظر : ٣٩٧٨، ٣٩٧٩، ٣٩٨١۔ أخرجه مسلم : ٩٣٢ مطولاً]

1371۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے تو یہ کہا تھا: ''یقیناً وہ اب جان رہے ہیں کہ جو میں انھیں کہتا تھا وہ حق ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''بلاشبہ تو مُردوں کو نہیں سناتا۔''

١٣٧٢۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ شُعْبَةَ، سَمِعْتُ الْأَشْعَثَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : أَنَّ يَهُودِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ، فَقَالَتْ لَهَا : أَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ

1372۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک یہودی عورت آئی، اس نے کہا: اللہ تمھیں عذابِ قبر سے بچائے، تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عذابِ قبر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''ہاں ! قبر کا عذاب

عَذَابَ الْقَبْرِ، فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَقَالَ: «نَعَمْ، عَذَابُ الْقَبْرِ» قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعْدُ صَلَّى صَلَاةً إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

ہے۔" عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پھر میں نے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے جو بھی نماز پڑھی آپ نے عذابِ قبر سے پناہ مانگی۔

زَادَ غُنْدَرٌ: «عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ» [راجع: ١٠٤٩ـ أخرجه مسلم: ٥٨٦ مطولاً بلفظ مختلف، وأخرجه: ٩٠٣ مطولاً]

غندر نے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے: "قبر کا عذاب حق ہے۔"

١٣٧٣ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّهُ سَمِعَ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا تَقُولُ: قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَطِيبًا فَذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِي يَفْتَتِنُ فِيهَا الْمَرْءُ، فَلَمَّا ذَكَرَ ذَلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُونَ ضَجَّةً. [راجع: ٨٦ـ أخرجه مسلم: ٩٠٥ مطولاً]

1373۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ ﷺ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے قبر کی آزمائش کا ذکر فرمایا، جس میں آدمی کا امتحان ہوتا ہے، تو جب آپ نے اس کا ذکر کیا تو مسلمان چیخیں مار کر رو پڑے۔

١٣٧٤ـ حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ، وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ فَيَقُولَانِ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ ﷺ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ، فَيُقَالُ لَهُ: انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبْدَلَكَ اللَّهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ، فَيَرَاهُمَا

1374۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے منہ پھیر کر چل پڑتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں اور اسے کہتے ہیں: تو اس آدمی (یعنی) محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو جو مومن ہے وہ یہ کہتا ہے: میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو اس سے کہا جاتا ہے: آگ میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ، اللہ نے تجھے اس کے بدلے

جَمِيعًا »

میں جنت میں ٹھکانا دے دیا ہے، تو وہ ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھتا ہے۔‘‘

قَالَ قَتَادَةُ : وَذُكِرَ لَنَا : أَنَّهُ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى حَدِيثِ أَنَسٍ : قَالَ : « وَأَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهُ : مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ : لَا أَدْرِي، كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ، فَيُقَالُ : لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ، وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً، فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ » [راجع : ۱۳۳۸۔ أخرجه مسلم : ۲۸۷۰ مختصرًا]

قتادہ نے کہا: اور ہمیں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس کے لیے اس کی قبر وسیع کر دی جاتی ہے۔ پھر قتادہ نے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرنا شروع کر دی، فرمایا: ’’لیکن جو منافق یا کافر ہے اسے کہا جاتا ہے: تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟ وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا، میں وہی کہا کرتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ تو کہا جاتا ہے: نہ تو نے جانا اور نہ (کسی جاننے والے کے) پیچھے چلا اور اسے لوہے کے گرزوں کے ساتھ ایک ضرب لگائی جاتی ہے، تو وہ ایسی زبردست چیخ مارتا ہے جسے دو بھاری مخلوقوں (جنوں اور انسانوں) کے سوا وہ سب سنتے ہیں جو اس کے قریب ہوتے ہیں۔‘‘

فوائد: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں چھ احادیث ذکر کی ہیں، پہلی حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اس میں قبر کے اندر فرشتوں کے سوال کے جواب میں مومن کے ثابت قدم رہنے کا ذکر ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ آیت عذابِ قبر کے بارے میں اتری، جب کہ یہاں مذکور حدیث میں عذابِ قبر کا ذکر نہیں، اس لیے بعض شارحین کو مشکل پیش آئی کہ بخاری نے یہ حدیث عذابِ قبر کے بیان میں کیوں ذکر کی ہے۔ اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قبر میں ایمان والوں کو ثابت قدم رکھتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایمان سے محروم لوگوں کو فرشتوں کے سوالوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہیں ہوتی، جس کا نتیجہ عذاب ہی ہے۔ اس آیت میں بھی یہ بات ذکر ہوئی ہے: ﴿ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴾ [إبراهيم : ۲۷] ’’اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔‘‘ دوسرا جواب یہ ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد تابعین نے روایت کی ہے، یہاں ان سے بیان کرنے والے سعد بن عبیدہ ہیں، سعد اور ایک اور تابعی خیثمہ نے بھی براء رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو مختصر بیان کیا ہے۔ ان کی حدیث صحیح مسلم (۲۸۷۱/۷۴) اور نسائی (۲۰۵۶) میں ہے۔ جب کہ زاذان ابو عمر نے اسے براء رضی اللہ عنہ سے مفصل بیان کیا ہے، بخاری کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے۔ ان کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « اِسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ » ’’عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔‘‘ اور اس میں ہے: « وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُوْلَانِ لَهُ : مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ : رَبِّيَ اللّٰهُ، فَيَقُوْلَانِ

لَهُ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ: دِيْنِيَ الْإِسْلَامُ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ قَالَ: فَيَقُوْلُ: هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُوْلَانِ: وَمَا يُدْرِيْكَ؟ فَيَقُوْلُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ، زَادَ فِيْ حَدِيْثِ جَرِيْرٍ: فَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [إبراهيم: ٢٧] الْآيَةَ، فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ قَدْ صَدَقَ عَبْدِيْ، فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ، قَالَ: فَيَأْتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا، قَالَ: وَيُفْتَحُ لَهُ فِيْهَا مَدَّ بَصَرِهِ، قَالَ: وَإِنَّ الْكَافِرَ فَذَكَرَ مَوْتَهُ قَالَ: وَتُعَادُ رُوْحُهُ فِيْ جَسَدِهِ، وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ، لَا أَدْرِيْ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ، لَا أَدْرِيْ، فَيَقُوْلَانِ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ، لَا أَدْرِيْ، فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ كَذَبَ، فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ، وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ، قَالَ: فَيَأْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا، قَالَ: وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ أَضْلَاعُهُ، زَادَ فِيْ حَدِيْثِ جَرِيْرٍ: ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهُ أَعْمٰى أَبْكَمُ، مَعَهُ مِرْزَبَّةٌ مِنْ حَدِيْدٍ، لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا، قَالَ: فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ» [أبو داود: ٤٧٥٣]

”اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھا دیتے ہیں اور اسے کہتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے، وہ اسے پھر کہتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے۔ پھر اسے کہتے ہیں: یہ آدمی جو تم میں بھیجا گیا کون ہے؟ وہ کہتا ہے: وہ اللہ کا رسول ﷺ ہے۔ وہ کہتے ہیں: تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے: میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تو اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ چنانچہ اللہ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے: ”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے خوب قائم رکھتا ہے۔“ پھر آسمان سے ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، سو اس کے لیے جنت کا بستر بچھاؤ اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو اور اسے جنت کا لباس پہنا دو، فرمایا: پھر اس کے پاس اس کی ہوا اور خوشبو آنے لگتی ہے۔ فرمایا: اور اس کے لیے قبر نگاہ کی حد تک کھلی کر دی جاتی ہے۔ پھر کافر کی موت کا ذکر کیا، فرمایا: اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھا دیتے ہیں اور اسے کہتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! میں نہیں جانتا۔ پھر اسے کہتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! میں نہیں جانتا۔ پھر کہتے ہیں: یہ آدمی جو تم میں بھیجا گیا کون ہے؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! میں نہیں جانتا۔ تو آسمان سے ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ اس نے غلط کہا، لہٰذا اس کے لیے آگ کا بستر بچھا دو اور اسے آگ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے آگ کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ فرمایا: پھر اس کی طرف اس کی گرمی اور زہریلی بو آنے لگتی ہے، کہا: پھر اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں، پھر اس پر ایک گونگا اندھا مقرر کر دیا جاتا ہے، جس کے پاس لوہے کا گرز ہوتا ہے، اگر اس سے پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے، وہ اسے ایک ضرب لگاتا ہے، جسے دو بھاری مخلوقوں (جن اور انسان) کے سوا مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز سنتی ہے۔“ اس حدیث کو

ابوعوانہ نے صحیح کہا ہے، اسی طرح شیخ البانی نے بھی صحیح کہا ہے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی اس حدیث جیسی حدیث انس رضی اللہ عنہ سے اس باب کے آخر میں موجود ہے۔ خلاصہ یہ کہ براء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عذابِ قبر کا واضح ذکر ان کی مفصل حدیث میں موجود ہے۔ بخاری نے "نَزَلَتْ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ" والی روایت کے ساتھ اُس حدیث کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

2 باب کی دوسری حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بدر کے کنویں میں پھینکے جانے والے چوبیس کافروں کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خطاب کیا اور صحابہ کے سوال پر کہ آپ مُردوں سے بات کر رہے ہیں فرمایا: ''تم میری بات ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ بدر کے کفار نے آپ کی بات کو سنا اور یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ﴾ [النمل : ٨٠] (بے شک تو نہ مُردوں کو سناتا ہے) اور ﴿ مَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ [فاطر : ٢٢] (تو ہرگز اسے سنانے والا نہیں جو قبروں میں ہے) سے مستثنیٰ ہے۔ مُردوں کے سننے کے مسئلہ کی تفصیل کے لیے حدیث (١٣٣٨) کے فوائد ملاحظہ کریں۔

3 اس باب کی تیسری حدیث اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا کہ ''وہ اب جان رہے ہیں کہ جو میں انھیں کہتا تھا وہ حق ہے'' بظاہر یہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے خلاف ہے، مگر درحقیقت یہ ان کی حدیث کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ الفاظ بھی کہے ہوں جو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے روایت کیے ہیں اور وہ بھی جو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیے ہیں۔ رہا ام المومنین رضی اللہ عنہا کا "اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى" سے استدلال تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس آیت میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مُردے نہیں سنتے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو سنانا چاہے جو سننے ہی سے عاری ہے تو یہ ناممکن نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ ﴾ [الأحزاب : ٧٢] ''ہم نے امانت کو آسمان، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا۔'' اور فرمایا: ﴿ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآىِٕعِيْنَ ﴾ [حم السجدة : ١١] ''تو اس نے آسمان سے اور زمین سے کہا آؤ خوشی سے یا مجبوری سے، دونوں نے کہا ہم خوشی سے آ گئے۔'' تو جب اللہ تعالیٰ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو سنا سکتا ہے تو میت کو واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز بھی سنا سکتا ہے اور سناتا ہے۔ اسی طرح اس نے بدر کے مقتولین کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنوا دی بلکہ اللہ کے حکم سے انھوں نے زندوں سے بھی زیادہ سنی۔ ''کتاب المغازی (٣٩٧٦)'' میں قتادہ کا قول آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کیا حتیٰ کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنی، مقصد انھیں ڈانٹنا اور انتقام لینا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب روح کو بدن میں لوٹایا جاتا ہے اس وقت فرشتے اس آدمی سے یہ سوال کرتے ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ صرف روح سے باز پُرس ہوتی ہے یا صرف جسم سے، تو ان دونوں کی بات درست نہیں۔ (ملخص فتح الباری)

4 باب کی چوتھی حدیث ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عذابِ قبر حق ہے۔ ایک اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے، انھوں نے کہا: میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت میرے پاس ایک

یہودی عورت بیٹھی تھی جو کہہ رہی تھی: کیا تمھیں معلوم ہے کہ قبروں میں تمھاری آزمائش کی جاتی ہے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اس پر رسول اللہ ﷺ گھبرا گئے اور فرمایا: « إِنَّمَا تُفْتَنُ يَهُوْدُ » ''صرف یہودیوں کی آزمائش کی جاتی ہے۔'' اس کے بعد چند راتیں گزری تھیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « هَلْ شَعَرْتِ أَنَّهُ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ ؟ » ''کیا تمھیں پتا چلا کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ قبروں میں تمھاری آزمائش کی جاتی ہے؟'' [مسلم : ٥٨٤] عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اس کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو پہلے یہ علم نہیں تھا کہ قبروں میں مسلمانوں کی بھی آزمائش ہوتی ہے، آپ یہی سمجھتے تھے کہ یہود و کفار ہی کی آزمائش ہوتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو آگاہ فرمایا کہ قبر کی آزمائش مسلمانوں کی بھی کی جاتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: اس سے بھی زیادہ صریح مسند احمد کی روایت ہے، جس کی سند بخاری کی شرط پر ہے (شعیب الارناؤوط کے مطابق شیخین کی شرط پر ہے) کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کی خدمت کرتی تھی، تو عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے ساتھ کوئی بھی نیکی کرتیں تو وہ کہتی: اللہ تعالیٰ تمھیں عذاب قبر سے بچائے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ! کیا قبر میں کوئی عذاب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: « كَذَبَتْ يَهُوْدُ، لَا عَذَابَ دُوْنَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ » ''یہودی غلط کہتے ہیں، قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔'' پھر آپ جتنی مدت اللہ نے چاہا ٹھہرے رہے، پھر ایک دن آپ عین دوپہر کے وقت نکلے اور آپ اپنی بلند آواز سے کہہ رہے تھے: « أَيُّهَا النَّاسُ ! اسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَإِنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ حَقٌّ » [مسند أحمد (مختصرًا) : ٢٤٥٢٠] ''لوگو! عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگو، کیونکہ قبر کا عذاب حق ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو پہلے یہ علم نہیں تھا کہ قبر کا عذاب مسلمانوں کو بھی ہوتا ہے، آپ پہلے یہی سمجھتے تھے کہ قبر میں صرف یہود کو عذاب ہوتا ہے، پھر اللہ کی وحی سے آپ کو مدینہ کے آخری ایام میں معلوم ہوا کہ قبر میں سب کا امتحان ہوتا ہے۔ (فتح الباری)

5 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس تطبیق میں ایک اشکال ہے کہ امام بخاری نے عذابِ قبر کے ثبوت کے لیے جو آیات لکھی ہیں وہ تو مکی ہیں، پہلی آیت: ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ [إبراھیم : ٢٧] ہے اور دوسری آیت: ﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ﴾ [المؤمن : ٤٦] ہے، تو جب آپ کو مدینہ کے آخری ایام میں وحی کے ذریعے سے عذابِ قبر ہونے کی خبر دی گئی تو آپ مکہ میں نازل ہونے والی آیات کے ساتھ عذابِ قبر کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ پہلی آیت میں صرف ایمان والوں کے حسنِ انجام کا ذکر ہے، دوسرے لوگوں کا انجام اس کے مفہوم مخالف سے لیا جاتا ہے (جو ہر جگہ حجت نہیں ہوتا)۔ رہا آلِ فرعون کا عذاب تو وہ آیت اس کے بارے میں تو صریح ہے کہ آلِ فرعون کو صبح و شام عذاب ہوتا ہے، چلیں دوسرے کفار کو بھی اس میں شامل کر لیں اور اس کا نبی ﷺ نے کبھی انکار نہیں کیا، آپ پہلے صرف مسلمانوں کے لیے عذابِ قبر کا انکار کرتے تھے، مشرکین و یہود کے لیے نہیں، پھر آپ کو بتایا گیا کہ موحدین میں سے بھی جسے اللہ چاہے عذاب دے سکتا ہے، تو آپ ﷺ باقاعدگی کے ساتھ عذابِ قبر سے پناہ مانگنے لگے اور امت کو بھی اس کی تعلیم دینے لگے۔ (فتح الباری)

٨٧ ـ بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

87۔ باب: عذابِ قبر سے پناہ مانگنا

١٣٧٥ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَوْنُ بْنُ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ: «يَهُودُ تُعَذَّبُ فِي قُبُورِهَا»

1375۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، انھوں نے کہا: نبی ﷺ باہر نکلے جب سورج غروب ہو چکا تھا تو آپ نے ایک آواز سنی، فرمایا: ''یہود کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔''

وَقَالَ النَّضْرُ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا عَوْنٌ، سَمِعْتُ أَبِي، سَمِعْتُ الْبَرَاءَ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [أخرجه مسلم: ٢٨٦٩]

نضر نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی، انھوں نے کہا: ہمیں عون نے بیان کیا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا، انھوں نے کہا: میں نے براء رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

١٣٧٦ ـ حَدَّثَنَا مُعَلًّى، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ مُوسَى ابْنِ عُقْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي ابْنَةُ خَالِدِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ: أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. [انظر: ٦٣٦٤]

1376۔ ام خالد بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ عذابِ قبر سے پناہ مانگ رہے تھے۔

١٣٧٧ ـ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْعُو: «اَللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ» [أخرجه مسلم: ٥٨٨ باختلاف]

1377۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ دعا کرتے (اور یوں کہا کرتے) تھے: ''اے اللہ! میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور آگ کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

فوائد: 1 اس باب کی احادیث کا تعلق بھی پچھلے باب سے ہے، مگر ان کے لیے الگ باب اس لیے باندھا ہے کہ پچھلے باب میں عذاب قبر ثابت کرنا مقصود تھا اور یہاں اس سے پناہ مانگنا مقصود ہے۔ (فتح الباری)

2 امام صاحب نے اس باب کی پہلی حدیث کے آخر میں حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ پہلی سند میں عون نے اپنے والد ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے "عَنْ" کے لفظ کے ساتھ حدیث بیان کی ہے، ان سے سننے کی صراحت نہیں کی، دوسری سند میں عون نے صراحت کی ہے کہ میں نے یہ حدیث اپنے والد سے سنی ہے۔ اس حدیث میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کی سند میں تین صحابی ہیں جنھوں نے ایک دوسرے سے روایت کی ہے: ابو جحیفہ، براء بن عازب اور ابو ایوب رضی اللہ عنہم۔

3 اس باب کی پہلی حدیث پر ایک سوال ہے کہ اس میں عذاب قبر سے پناہ مانگنے کا ذکر نہیں تو باب سے اس کی مناسبت کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ خفی کو جلی پر ترجیح دیتے ہیں، تاکہ پڑھنے والا غور کرے اور اس میں استنباط کا ملکہ پیدا ہو۔ ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی کہا کرتے تھے کہ امام بخاری صرف فقیہ نہیں ہیں، بلکہ فقیہ گر یعنی فقیہ تیار کرنے والے آدمی ہیں۔ یہاں حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے، جیسا کہ اسی باب کی حدیث (۱۳۷۷) میں ہے اور قبرستان میں جب لحد بنانے میں کچھ دیر تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «اِسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ» [أبو داؤد: ٤٧٥٣] "عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔" تو جب آپ نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے اور آپ نے قبرستان میں جانے پر صحابہ کو عذاب قبر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا تو یہود کو دیے جانے والے عذاب قبر کی آواز سن کر تو آپ نے بالاولیٰ عذاب قبر سے پناہ مانگی ہوگی۔

تنبیہ: حدیث (۱۳۷۷) کے اکثر فوائد حدیث (۸۳۲) اور (۸۳۳) میں گزر چکے ہیں۔

٨٨ - بَابُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْغِيبَةِ وَالْبَوْلِ

88۔ باب: قبر کا عذاب غیبت اور پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے

١٣٧٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: «إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ مِنْ كَبِيرٍ» ثُمَّ قَالَ: «بَلَى، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعَى بِالنَّمِيمَةِ، وَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ» قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ

1378۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: "ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور انھیں کسی بڑی بات کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ہے۔" پھر فرمایا: "کیوں نہیں، ان میں سے ایک تو چغلی کھاتا پھرتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔" پھر آپ نے ایک تازہ ٹہنی لی اور اسے توڑ کر اس کے دو حصے

عُودًا رَطْبًا فَكَسَرَهُ بِاثْنَتَيْنِ، ثُمَّ غَرَزَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى قَبْرٍ، ثُمَّ قَالَ: « لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا » [راجع: ۲۱۶۔ أخرجه مسلم: ۲۹۲]

کیے، پھر ہر ایک کو ایک ایک قبر پر گاڑ دیا، پھر فرمایا: ”امید ہے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں ان کا عذاب ہلکا کر دیا جائے۔“

فائدہ: اس حدیث کے اکثر فوائد حدیث (۲۱۶) میں گزر چکے ہیں۔ یہاں ایک سوال ہے کہ امام صاحب نے باب میں غیبت کا ذکر کیا ہے، جب کہ حدیث میں " النَّمِيمَةُ " (چغلی) کا ذکر ہے تو مطابقت کیسے ہوئی؟ جواب اس کا یہ ہے کہ غیبت کا لفظ عام ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کسی مسلمان کی عدم موجودگی میں اس کا ذکر اس بات کے ساتھ کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں: اگر کسی کا ذکر برائی کے ساتھ دوسرے کے پاس فساد ڈالنے کے لیے کرے تو یہ غیبت کے ساتھ " النَّمِيمَةُ " بھی ہے اور اگر اس مقصد کے بغیر اس کی برائی بیان کرے تو صرف غیبت ہے اور غیبت کی یہ دونوں قسمیں حرام ہیں۔ اس لیے امام صاحب نے " النَّمِيمَةُ " والی حدیث پر غیبت کا باب باندھا ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: « وَمَا يُعَذَّبَانِ إِلَّا فِي الْبَوْلِ وَالْغِيبَةِ » [مسند أحمد: ۲۰۳۷۳] ”ان دونوں کو پیشاب اور غیبت ہی کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔“ مسند احمد کے محققین نے کہا ہے: " إِسْنَادُهُ قَوِيٌّ "۔ عین ممکن ہے کہ امام بخاری نے اپنی شرط کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے یہ حدیث ذکر نہ کی ہو اور حدیث صحیح ہونے کی وجہ سے اپنے معمول کے مطابق باب میں اس کی طرف اشارہ کر دیا ہو۔

۸۹ - بَابُ الْمَيِّتِ يُعْرَضُ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ

89۔ باب: میت کا ٹھکانا صبح و شام اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے

۱۳۷۹ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: « إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ، إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيُقَالُ: هَذَا مَقْعَدُكَ حَتَّى يَبْعَثَكَ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ » [انظر: ۳۲۴۰، ۶۵۱۵۔ أخرجه مسلم: ۲۸۶۶]

1379۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اس کا ٹھکانا صبح و شام اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنت والوں سے ہو تو جنت والوں سے اور اگر آگ والوں سے ہو تو آگ والوں سے اور اسے کہا جاتا ہے: یہی تیرا ٹھکانا ہے، حتیٰ کہ اللہ تجھے قیامت کے دن اٹھائے۔“

فائدہ یہاں ایک سوال ہے کہ صبح و شام تو سورج کے طلوع و غروب سے وجود میں آتے ہیں، جب کہ قبر اور عالم برزخ میں اس کا وجود ہی نہیں، تو اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے سامنے ان کا ٹھکانا صبح و شام کیسے پیش کیا جاتا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ صبح و شام ایک محاورہ ہے، مراد اس سے ہمیشگی ہوتی ہے، یعنی دونوں کے سامنے ان کا ٹھکانا ہر وقت پیش کیا جاتا ہے، جنت والوں کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے جو ہر وقت کھلا رہتا ہے اور جہنم والوں کے لیے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے جو ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صبح و شام سے مراد ہر وقت ہے اور یہ محاورہ عربی زبان ہی نہیں ہر زبان میں بولا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کے متعلق فرمایا: ﴿ وَ لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴾ [مريم : ٦٢] ”اور ان کے لیے اس میں ان کا رزق صبح و شام ہوگا۔“

٩٠ - بَابُ كَلَامِ الْمَيِّتِ عَلَى الْجِنَازَةِ

90۔ باب: میت کا چارپائی پر بات کرنا

١٣٨٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : « إِذَا وُضِعَتِ الْجِنَازَةُ فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ، فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ : قَدِّمُونِي قَدِّمُونِي، وَ إِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ : يَا وَيْلَهَا ! أَيْنَ يَذْهَبُونَ بِهَا ؟ يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ، وَلَوْ سَمِعَهَا الْإِنْسَانُ لَصَعِقَ » [راجع : ١٣١٤]

1380۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب جنازہ (چارپائی پر) رکھا جاتا ہے اور مرد اسے اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں تو اگر وہ نیک ہو تو کہتا ہے: مجھے آگے لے چلو، مجھے آگے لے چلو اور اگر وہ نیک نہ ہو تو کہتا ہے: ہائے خرابی! اسے کہاں لے جا رہے ہیں؟ انسان کے سوا ہر چیز اس آواز کو سنتی ہے اور اگر انسان اسے سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔“

فائدہ اس حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے حدیث (۱۳۱۶)۔

٩١ - بَابُ مَا قِيلَ فِي أَوْلَادِ الْمُسْلِمِينَ

91۔ باب: مسلمانوں کے بچوں کے بارے میں کیا کہا گیا ہے؟

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : « مَنْ مَاتَ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ، كَانَ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ أَوْ دَخَلَ الْجَنَّةَ »

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا: ”جس شخص کے تین بچے فوت ہو جائیں جو گناہ کی عمر کو نہ پہنچے ہوں تو وہ اس کے لیے آگ سے رکاوٹ بن جائیں گے یا وہ جنت

میں داخل ہو جائے گا۔“

فائدہ یہ حدیث (۱۲۵۱) میں گزر چکی ہے۔

١٣٨١۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَا مِنَ النَّاسِ مُسْلِمٌ يَمُوتُ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ، إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إِيَّاهُمْ» [راجع: ١٢٤٨]

1381۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں میں سے کوئی بھی مسلمان جس کے تین بچے فوت ہو جائیں جو گناہ کی عمر کو نہ پہنچے ہوں اسے اللہ تعالیٰ ان بچوں پر مزید رحمت کی وجہ سے جنت میں داخل کر دے گا۔“

فائدہ اس حدیث کی شرح (۱۲۴۸) میں گزر چکی ہے، یہاں مطلب یہ ہے کہ جب بچہ والدین کے لیے آگ سے رکاوٹ بنے گا تو وہ خود تو بالاولیٰ جنت میں جائے گا۔

١٣٨٢۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، أَنَّهُ سَمِعَ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ» [انظر: ٣٢٥٥، ٦١٩٥]

1382۔ براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب (رسول اللہ ﷺ کا بیٹا) ابراہیم علیہ السلام فوت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں اس کے لیے ایک دودھ پلانے والی ہے۔“

فائدہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اس باب میں یہ حدیثیں لانے سے ظاہر ہے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ مسلمانوں کے فوت ہونے والے نابالغ بچے جنت میں جائیں گے۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے، بعض نے اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا ہے، بعض نے کہا: والدین تو بچوں کی وفات پر صبر کی وجہ سے جنت میں جائیں گے، بچوں کے جنت میں جانے کا کیا سبب ہے؟ اس کا جواب باب کی پہلی حدیث میں ہے: «بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إِيَّاهُمْ» ”ان بچوں پر مزید رحمت کی وجہ سے۔“

٩٢۔ بَابُ مَا قِيلَ فِي أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ

92۔ باب: مشرکوں کے بچوں کے بارے میں کیا کہا گیا ہے؟

١٣٨٣۔ حَدَّثَنِي حِبَّانُ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَخْبَرَنَا

1383۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ، فَقَالَ: «اللَّهُ إِذْ خَلَقَهُمْ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ» [انظر: ٦٥٩٧- أخرجه مسلم: ٢٦٦٠]

سے مشرکوں کے بچوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "اللہ نے جب انھیں پیدا کیا تو وہ خوب جاننے والا تھا کہ وہ کیا کرنے والے تھے۔"

١٣٨٤- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ذَرَارِيِّ الْمُشْرِكِينَ، فَقَالَ: «اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ» [انظر: ٦٥٩٨، ٦٦٠٠- أخرجه مسلم: ٢٦٥٩]

1384۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے مشرکوں کی اولادوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "اللہ اسے خوب جاننے والا تھا جو وہ کرنے والے تھے۔"

١٣٨٥- حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَثَلِ الْبَهِيمَةِ تُنْتَجُ الْبَهِيمَةَ هَلْ تَرَى فِيهَا جَدْعَاءَ؟» [راجع: ١٣٥٨- أخرجه مسلم: ٢٦٥٨]

1385۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی، جیسے چوپایہ چوپائے کو جنم دیتا ہے، کیا تم ان میں کوئی کان یا ناک کٹا ہوا دیکھتے ہو؟"

٩٣- بَابٌ

93۔ باب (بلاعنوان)

١٣٨٦- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ ابْنُ حَازِمٍ، حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ: «مَنْ رَأَى مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا؟» قَالَ:

1386۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ جب (صبح کی) نماز پڑھ لیتے تو اپنا منہ ہماری طرف کر لیتے اور فرماتے: "آج رات تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟" اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو وہ

فَإِنْ رَأَى أَحَدٌ قَصَّهَا فَيَقُولُ مَا شَاءَ اللّٰهُ، فَسَأَلَنَا يَوْمًا فَقَالَ: « هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمْ رُؤْيَا ؟ » قُلْنَا: لَا، قَالَ: « لٰكِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي، فَأَخَذَا بِيَدِي فَأَخْرَجَانِي إِلَى الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ جَالِسٌ وَ رَجُلٌ قَائِمٌ، بِيَدِهِ كَلُّوبٌ مِنْ حَدِيدٍ » قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا عَنْ مُوسَى: « إِنَّهُ يُدْخِلُ ذٰلِكَ الْكَلُّوبَ فِي شِدْقِهِ حَتّٰى يَبْلُغَ قَفَاهُ، ثُمَّ يَفْعَلُ بِشِدْقِهِ الْآخَرِ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَيَلْتَئِمُ شِدْقُهُ هٰذَا، فَيَعُودُ فَيَصْنَعُ مِثْلَهُ، قُلْتُ: مَا هٰذَا ؟ قَالَا: انْطَلِقْ، فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ عَلٰى قَفَاهُ، وَ رَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى رَأْسِهِ بِفِهْرٍ أَوْ صَخْرَةٍ فَيَشْدَخُ بِهِ رَأْسَهُ، فَإِذَا ضَرَبَهُ تَدَهْدَهَ الْحَجَرُ، فَانْطَلَقَ إِلَيْهِ لِيَأْخُذَهُ، فَلَا يَرْجِعُ إِلٰى هٰذَا حَتّٰى يَلْتَئِمَ رَأْسُهُ، وَعَادَ رَأْسُهُ كَمَا هُوَ، فَعَادَ إِلَيْهِ فَضَرَبَهُ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا ؟ قَالَا: انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا إِلٰى ثَقْبٍ مِثْلِ التَّنُّورِ، أَعْلَاهُ ضَيِّقٌ وَأَسْفَلُهُ وَاسِعٌ، يَتَوَقَّدُ تَحْتَهُ نَارًا، فَإِذَا اقْتَرَبَ ارْتَفَعُوا حَتّٰى كَادَ أَنْ يَخْرُجُوا، فَإِذَا خَمَدَتْ رَجَعُوا فِيهَا، وَفِيهَا رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا ؟ قَالَا: انْطَلِقْ، فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا عَلٰى نَهَرٍ مِنْ دَمٍ فِيهِ رَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى وَسَطِ النَّهَرِ » قَالَ يَزِيدُ وَوَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ: « وَعَلٰى شَطِّ النَّهَرِ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ

اسے بیان کرتا اور اللہ جو چاہتا آپ اس خواب کے بارے میں فرماتے۔ تو ایک دن آپ نے ہم سے پوچھا اور فرمایا: ”تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟“ ہم نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: ”لیکن میں نے آج رات دو آدمی دیکھے جو میرے پاس آئے، انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ارضِ مقدس کی طرف لے گئے۔ وہاں دیکھا تو ایک آدمی بیٹھا ہے اور ایک آدمی کھڑا ہے، اس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا ہے۔“ ہمارے بعض ساتھیوں نے موسیٰ سے بیان کیا: ”وہ اس آنکڑے کو اس کی باچھ (ہونٹوں کے کنارے) میں ڈالتا ہے، یہاں تک کہ اس کی گُدی تک پہنچ جاتا ہے، پھر وہ اس کی دوسری باچھ کے ساتھ بھی ایسے ہی کرتا ہے اور (اتنے میں) اس کی وہ (پہلی) باچھ جڑ جاتی ہے، تو وہ دوبارہ اس کے ساتھ ایسے ہی کرتا ہے۔ میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: آگے چلو، تو ہم چل پڑے، یہاں تک کہ ایک آدمی کے پاس پہنچے جو اپنی گُدی پر (سیدھا) لیٹا ہوا تھا اور اس کے سر پر ایک آدمی ایک پتھر یا چٹان لے کر کھڑا تھا، وہ اس کے ساتھ اس کے سر کو کچلتا تھا، تو جب وہ اسے مارتا تو پتھر لڑھک جاتا، وہ اسے لینے کے لیے جاتا تو ابھی واپس نہیں آتا تھا کہ اس کا سر پھر جڑ جاتا اور اسی طرح ہو جاتا جس طرح پہلے تھے، تو واپس آ کر وہ اسے پھر مارتا۔ میں نے کہا: یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا: آگے چلو، ہم پھر چل پڑے تو تنور جیسے ایک گڑھے پر پہنچے جو اوپر سے

حِجَارَةٌ، فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِي فِي النَّهَرِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ رَمَى الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِي فِيهِ، فَرَدَّهُ حَيْثُ كَانَ، فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ لِيَخْرُجَ رَمَى فِي فِيهِ بِحَجَرٍ، فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ، فَقُلْتُ : مَا هَذَا ؟ قَالَا : انْطَلِقْ، فَانْطَلَقْنَا، حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ، فِيهَا شَجَرَةٌ عَظِيمَةٌ، وَفِي أَصْلِهَا شَيْخٌ وَصِبْيَانٌ، وَإِذَا رَجُلٌ قَرِيبٌ مِنَ الشَّجَرَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ نَارٌ يُوقِدُهَا، فَصَعِدَا بِي فِي الشَّجَرَةِ وَأَدْخَلَانِي دَارًا لَمْ أَرَ قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهَا، فِيهَا رِجَالٌ شُيُوخٌ وَشَبَابٌ وَنِسَاءٌ وَصِبْيَانٌ، ثُمَّ أَخْرَجَانِي مِنْهَا فَصَعِدَا بِي الشَّجَرَةَ، فَأَدْخَلَانِي دَارًا هِيَ أَحْسَنُ وَأَفْضَلُ، فِيهَا شُيُوخٌ وَشَبَابٌ .

تنگ اور نیچے سے کھلا تھا، اس کے نیچے آگ جل رہی تھی، جب وہ آگ اس گڑھے کے منہ کے قریب آتی تو وہ اوپر آ جاتے یہاں تک کہ وہ نکلنے کے قریب ہو جاتے، پھر جب وہ دھیمی ہوتی تو وہ پھر اس میں واپس ہو جاتے اور اس میں کچھ ننگے مرد اور ننگی عورتیں تھیں۔ میں نے کہا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا: آگے چلو، ہم پھر چل پڑے یہاں تک کہ ہم خون کی ایک نہر پر پہنچے جس کے وسط میں ایک آدمی کھڑا تھا۔" یزید اور وہب بن جریر نے جریر بن حازم سے بیان کیا: ''نہر کے کنارے پر ایک اور آدمی ہے جس کے سامنے پتھر پڑے ہیں، تو وہ آدمی جو نہر میں ہے، کنارے کی طرف آتا ہے، جب وہ نکلنے لگتا ہے تو وہ آدمی اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے اور اسے وہیں واپس کر دیتا ہے جہاں وہ تھا۔ چنانچہ جب بھی وہ آدمی (کنارے کی طرف) آتا کہ باہر نکلے تو دوسرا اس کے منہ پر پتھر مارتا اور وہ وہیں لوٹ جاتا جہاں تھا۔ میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: آگے چلو، تو ہم چل پڑے، یہاں تک کہ ہم ایک سرسبز باغ میں پہنچے، اس میں ایک بہت بڑا درخت تھا، اس کی جڑ میں ایک بوڑھا اور کچھ بچے تھے۔ دیکھا تو اس درخت کے قریب ایک آدمی ہے جس کے آگے آگ ہے، وہ اسے بھڑکا رہا ہے۔ پھر وہ دونوں مجھے لے کر درخت پر چڑھ گئے اور مجھے ایک گھر میں لے گئے جس سے خوبصورت گھر میں نے کبھی نہیں دیکھا، اس میں کچھ بوڑھے، کچھ جوان، کچھ عورتیں اور کچھ بچے تھے۔ پھر انھوں نے مجھے اس سے نکالا اور مجھے لے کر درخت کے اوپر چڑھ گئے اور مجھے ایک اور گھر میں لے گئے

جو اس سے بھی خوبصورت اور بہتر تھا، اس میں کچھ بوڑھے اور کچھ جوان تھے۔

قُلْتُ: طَوَّفْتُمَانِي اللَّيْلَةَ، فَأَخْبِرَانِي عَمَّا رَأَيْتُ، قَالَا: نَعَمْ، أَمَّا الَّذِي رَأَيْتَهُ يُشَقُّ شِدْقُهُ فَكَذَّابٌ يُحَدِّثُ بِالْكَذْبَةِ، فَتُحْمَلُ عَنْهُ حَتَّى تَبْلُغَ الْآفَاقَ، فَيُصْنَعُ بِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَالَّذِي رَأَيْتَهُ يُشْدَخُ رَأْسُهُ فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ وَلَمْ يَعْمَلْ فِيهِ بِالنَّهَارِ، يُفْعَلُ بِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَالَّذِي رَأَيْتَهُ فِي الثَّقْبِ فَهُمُ الزُّنَاةُ، وَالَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّهَرِ آكِلُوا الرِّبَا، وَالشَّيْخُ فِي أَصْلِ الشَّجَرَةِ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهُ فَأَوْلَادُ النَّاسِ، وَالَّذِي يُوقِدُ النَّارَ مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ، وَالدَّارُ الْأُولَى الَّتِي دَخَلْتَ دَارُ عَامَّةِ الْمُؤْمِنِينَ، وَأَمَّا هٰذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَاءِ، وَأَنَا جِبْرِيلُ وَهٰذَا مِيكَائِيلُ، فَارْفَعْ رَأْسَكَ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي، فَإِذَا فَوْقِي مِثْلُ السَّحَابِ، قَالَا: ذَاكَ مَنْزِلُكَ، قُلْتُ: دَعَانِي أَدْخُلْ مَنْزِلِي، قَالَا: إِنَّهُ بَقِيَ لَكَ عُمُرٌ لَمْ تَسْتَكْمِلْهُ فَلَوِ اسْتَكْمَلْتَ أَتَيْتَ مَنْزِلَكَ» [راجع: ٨٤٥۔ أخرجه مسلم: ٢٢٧٥ القطعة الأولى منه]

میں نے کہا: تم دونوں نے مجھے آج رات خوب پھرایا ہے، اب مجھے اس کے متعلق بتاؤ جو میں نے دیکھا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، تو وہ شخص جسے تم نے دیکھا کہ اس کی باچھ چیری جا رہی تھی تو وہ بہت بڑا جھوٹا ہے، جو جب جھوٹ بولتا ہے تو وہ جھوٹ اس سے چل کر دنیا کے کناروں تک پہنچ جاتا ہے، اس کے ساتھ قیامت تک یہی معاملہ کیا جاتا رہے گا۔ اور جسے تم نے دیکھا کہ اس کا سر کچلا جا رہا ہے تو یہ وہ آدمی ہے جسے اللہ نے قرآن کا علم عطا کیا، پھر وہ رات کو اس سے غافل ہو کر سویا رہا اور دن کو اس پر عمل نہیں کیا، اس کے ساتھ قیامت کے دن تک یہی کچھ کیا جائے گا۔ اور جنھیں تم نے تنور میں دیکھا وہ زانی لوگ ہیں۔ اور جسے تم نے نہر میں دیکھا وہ سود خور ہے اور وہ بزرگ جو درخت کی جڑ کے قریب (بیٹھا) ہے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں اور وہ بچے جو اُن کے اردگرد ہیں وہ لوگوں کے بچے ہیں اور جو آگ بھڑکا رہا ہے وہ آگ کا دربان مالک ہے۔ اور پہلا گھر جس میں تم داخل ہوئے وہ عام مومنوں کا گھر ہے اور جو یہ گھر ہے تو یہ شہداء کا گھر ہے اور میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہے۔ اب اپنا سر اٹھاؤ! میں نے اپنا سر اٹھایا تو میرے اوپر بادل جیسا کچھ تھا، انھوں نے کہا: وہ تمھارا گھر ہے۔ میں نے کہا: مجھے چھوڑو کہ میں اپنے گھر جاؤں۔ انھوں نے کہا: ابھی تمھاری کچھ عمر باقی ہے جو تم نے پوری نہیں کی، اگر پوری کر

لو گے تو اپنے گھر آ جاؤ گے۔"

فوائد ومسائل: 1 مومنوں کی اولاد تو جنتی ہے، لیکن کفار کی اولاد میں جو نابالغی کی حالت میں فوت ہو جائیں بہت اختلاف ہے۔ امام بخاری کا موقف یہ ہے کہ وہ جنتی ہیں، کیونکہ گناہ کے بغیر عذاب نہیں ہو سکتا اور وہ بچے معصوم فوت ہوئے ہیں، گناہ کی عمر کو پہنچے ہی نہیں۔ اور اللہ نے فرمایا: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ [بني إسرائيل: ١٥] "اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں، یہاں تک کہ کوئی پیغام پہنچانے والا بھیجیں۔" بعض نے کہا کہ اللہ کو اختیار ہے اور اس کی مشیت پر موقوف ہے، چاہے جنت میں لے جائے یا جہنم میں۔ بعض نے کہا: اپنے ماں باپ کے ساتھ وہ بھی جہنم میں رہیں گے۔ بعض نے کہا: وہ خاک ہو جائیں گے۔ بعضوں نے کہا: اعراف میں رہیں گے۔ بعض نے کہا: ان کا امتحان لیا جائے گا۔ بعض نے کہا: اس میں توقف کرنا چاہیے، یعنی کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے اور بعض نے کہا: اس میں امساک کرنا چاہیے، یعنی اس پر بحث ہی نہیں کرنی چاہیے۔

2 امام بخاری رحمہ اللہ نے ان تمام اقوال میں سے دو اقوال کی دلیلیں ذکر کی ہیں، دیگر اقوال کی دلیلیں کمزور ہونے کی وجہ سے ان کی طرف توجہ نہیں کی اور ان دو اقوال کی دلیلوں کی ترتیب کے ساتھ اپنے موقف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ باب کی پہلی دو حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کی اولاد کے بارے میں فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا کیا تو وہ خوب جانتا تھا کہ اگر وہ بڑے ہوئے تو کیا عمل کریں گے۔" اگر اس کے علم میں ہے کہ وہ بڑے ہو کر اچھے کام کرنے والے تھے تو جنت میں جائیں گے، ورنہ جہنم میں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے علم کے مطابق سلوک کرے گا۔ بظاہر اس حدیث سے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ مشرکوں کی اولاد کے بارے میں توقف کرنا چاہیے۔ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: بظاہر یہ حدیث مشکل ہے، کیونکہ اللہ کے علم میں جو ہوتا ہے وہ ضرور ظاہر ہوتا ہے، تو اس کے علم میں تو یہی تھا کہ وہ بچپن میں فوت ہو جائیں گے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ قطعی بات تو یہی تھی کہ وہ بچپن میں فوت ہو جائیں گے اور یقیناً پروردگار کو اس کا علم تھا، مگر اس کے ساتھ پروردگار یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ زندہ رہتے تو نیک بخت ہوتے یا بد بخت۔ اور مشروطی امور کا واقع ہونا ضروری نہیں، جیسے خضر علیہ السلام نے ایک نابالغ لڑکے کی نسبت یہ کہا تھا کہ (ہم ڈرے کہ) اگر یہ لڑکا بڑا ہوا تو شرارت اور کفر سے اپنے ماں باپ کو ستائے گا۔ (تیسیر الباری)

3 دوسرا قول جو امام بخاری رحمہ اللہ کی ترجیح ہے یہ ہے کہ مشرکین کے نابالغ بچوں کا حکم دنیوی لحاظ سے اپنے ماں باپ والا ہی ہے کہ حالتِ جنگ میں اگر شب خون کے دوران وہ مارے جائیں تو کچھ مؤاخذہ نہیں۔ اگر گرفتار ہو کر آئیں تو انھیں غلام بنایا جائے گا اور ان کے مرنے پر ان کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا، مگر آخرت کے لحاظ سے وہ جنتی ہیں۔ رہا یہ سوال کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ کیوں فرمایا: "اللہ کو خوب علم ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے۔" تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ توقف ان کے متعلق وحی آنے سے پہلے فرمایا تھا، جب وحی کے ذریعے فیصلہ ہو گیا کہ وہ جنتی ہیں تو آپ نے اس کی صراحت فرما دی، جیسا کہ بعد والی دو حدیثوں میں مذکور ہے۔

4 كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ: اس حدیث سے امام بخاری نے اپنا موقف ثابت کیا کہ جب ہر بچہ اسلام کی فطرت

پر پیدا ہوتا ہے تو اگر وہ بچپنے ہی میں مر جائے تو اسلام پر مرے گا اور جب اسلام پر مرا تو بہشتی ہوگا۔ اسلام کے دین میں سب سے بڑا جزو توحید ہے، تو ہر بچے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید کی قابلیت ہوتی ہے۔ اگر بری صحبت میں نہ رہے تو ضرور موحد ہو، لیکن مشرک ماں باپ اور عزیز و اقارب اس فطرت سے اس کا دل پھرا کر شرک میں پھنسا دیتے ہیں۔ (تیسیر الباری) تفسیر القرآن الکریم میں سورۂ روم کی آیت (٣٠): ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ﴾ کے تحت لکھا ہے: " فِطْرَتَ " کا معنی پیدائش ہے۔ ''اللہ کی فطرت'' سے مراد وہ حالت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ اللہ کی توحید اور دینِ اسلام ہے، جو ہر آدمی کے دل میں پیدائش کے ساتھ ہی رکھ دی گئی ہے کہ تیرا خالق و مالک اللہ ہے اور تو اس کا بندہ اور غلام ہے، لہٰذا تیرے لیے اس پر قائم رہنا لازم ہے۔ اگر انسان کو اس کی طبعی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور بیرونی اثرات سے اس کے دل و دماغ کو محفوظ رکھا جائے تو وہ توحید اور دینِ فطرت ہی اختیار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے " أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ " کے ساتھ آدم علیہ السلام کی اولاد کے ہر فرد سے اپنے رب ہونے کا عہد لیا ہے اور اسی عہد کے متعلق باز پرس ہوگی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ إِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ، ثُمَّ يَقُوْلُ: ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ [الروم : ٣٠] [بخاري، كتاب التفسير، باب : " لا تبديل لخلق الله " : ٤٧٧٥] ''کوئی بچہ نہیں جو پیدا ہو مگر وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، جیسے جانور پیدا ہوتا ہے تو صحیح سالم جانور پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم نے ان میں سے کوئی کان یا ناک کٹا ہوا دیکھا ہے؟'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ [الروم : ٣٠] ''اللہ کی اس فطرت کے مطابق جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی پیدائش کو کسی طرح بدلنا (جائز) نہیں، یہی سیدھا دین ہے۔'' اسود بن سریع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: « أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَعَثَ سَرِيَّةً يَوْمَ خَيْبَرَ فَقَاتَلُوا الْمُشْرِكِيْنَ، فَأَمْضٰى بِهِمُ الْقَتْلُ إِلَى الذُّرِّيَّةِ، فَلَمَّا جَاءُوْا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى قَتْلِ الذُّرِّيَّةِ ؟ فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّمَا كَانُوْا أَوْلَادَ الْمُشْرِكِيْنَ، قَالَ: وَهَلْ خِيَارُكُمْ إِلَّا أَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ ؟ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! مَا مِنْ نَسَمَةٍ تُوْلَدُ إِلَّا عَلَى الْفِطْرَةِ، حَتّٰى يُعْرِبَ عَنْهَا لِسَانُهَا » [مستدرك حاكم : ١٢٣/٢، ح : ٢٥٦٦، و صححه الحاكم ووافقه الذهبي و صححه الألباني في سلسلة الأحاديث الصحيحة : ٤٠٢] ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ایک دستہ بھیجا، انھوں نے مشرکین سے جنگ کی، یہاں تک کہ قتل کرتے کرتے وہ بچوں تک جا پہنچے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھیں بچے قتل کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟'' انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! وہ مشرکین کی اولاد ہی تو تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے بہترین لوگ مشرکین کی اولاد ہی تو ہیں، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! کوئی جان پیدا نہیں ہوتی مگر فطرت پر، یہاں تک کہ اس کی زبان اس کے

مطالب کا اظہار کرنے لگتی ہے۔" عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: « أَلَا إِنَّ رَبِّيْ أَمَرَنِيْ أَنْ أُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ، مِمَّا عَلَّمَنِيْ يَوْمِيْ هٰذَا، كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ، وَ إِنِّيْ خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِيْنِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحْلَلْتُ لَهُمْ، وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُشْرِكُوْا بِيْ مَا لَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا » [مسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها، باب الصفات التي يعرف بها...... : ۲۸۶۵] "سنو! میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس نے مجھے آج کے دن میں جو کچھ سکھایا ہے تمھیں اس میں سے چند وہ باتیں سکھاؤں جن سے تم واقف نہیں ہو، (وہ فرماتا ہے:) ہر وہ مال جو میں نے کسی بندے کو عطا کیا ہے وہ حلال ہے اور میں نے اپنے تمام بندوں کو "حُنَفَاءَ" (ایک اللہ کے ہو جانے والے) پیدا کیا ہے اور ہوا یہ کہ ان کے پاس شیاطین آئے اور انھوں نے ان کو ان کے دین سے پھیر دیا اور ان کے لیے وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں اور انھوں نے ان کو حکم دیا کہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنائیں جن کی میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔"

5 جن حضرات کا کہنا ہے کہ مشرکین کے نابالغ فوت ہونے والے بچوں کا قیامت کے دن امتحان ہوگا اس کے متعلق حافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ پاگل اور زمانہ فترت میں فوت ہونے والے کے متعلق صحیح اسانید کے ساتھ احادیث موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بچوں کے امتحان والی احادیث کی اسانید معتبر نہیں ہیں۔

6 چوتھی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس عظیم درخت کی جڑ میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس بچوں کو دیکھا تو جبریل علیہ السلام نے ان کے متعلق کہا: « وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهُ فَأَوْلَادُ النَّاسِ » "یعنی ابراہیم علیہ السلام کے ارد گرد جو بچے ہیں وہ لوگوں کے بچے ہیں۔" یہی حدیث امام صاحب نے "كِتَابُ التَّعْبِيْرِ (۷۰۴۷)" میں ایک اور طریق سے بیان کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: « وَ أَمَّا الْوِلْدَانُ الَّذِيْنَ حَوْلَهُ فَكُلُّ مَوْلُوْدٍ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ، قَالَ : فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ » "رہے وہ بچے جو ابراہیم علیہ السلام کے ارد گرد ہیں یہ وہ تمام بچے ہیں جو فطرت پر فوت ہوئے۔" تو مسلمانوں میں سے کسی نے کہا: یا رسول اللہ! اور مشرکوں کے بچے بھی (جنتی ہیں)؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اور مشرکین کے بچے بھی (جنتی ہیں)۔" یہ صحیح حدیث مشرکین کے بچوں کے جنتی ہونے کی صریح دلیل ہے، اس لیے امام صاحب اسے "بَابُ مَا قِيْلَ فِيْ أَوْلَادِ الْمُشْرِكِيْنَ" کے آخر میں لائے ہیں اور "كِتَابُ التَّعْبِيْرِ" والا طریق یہاں ذکر نہ کرنے کی وجہ امام صاحب کی عادت ہے کہ وہ خفی کو جلی پر ترجیح دیتے ہیں اور حدیث کے طرق جمع کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

٩٤ - بَابُ مَوْتِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ

94۔ باب: سوموار کے دن کی موت

۱۳۸۷ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ

1387۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے

هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ: فِي كَمْ كَفَّنْتُمُ النَّبِيَّ ﷺ؟ قَالَتْ: فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ، لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ، وَقَالَ لَهَا: فِي أَيِّ يَوْمٍ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَتْ: يَوْمَ الِاثْنَيْنِ، قَالَ: فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟ قَالَتْ: يَوْمُ الِاثْنَيْنِ، قَالَ: أَرْجُو فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَ اللَّيْلِ، فَنَظَرَ إِلَى ثَوْبٍ عَلَيْهِ كَانَ يُمَرَّضُ فِيهِ، بِهِ رَدْعٌ مِنْ زَعْفَرَانٍ، فَقَالَ: اغْسِلُوا ثَوْبِي هٰذَا وَزِيدُوا عَلَيْهِ ثَوْبَيْنِ فَكَفِّنُونِي فِيهَا، قُلْتُ: إِنَّ هٰذَا خَلَقٌ، قَالَ: إِنَّ الْحَيَّ أَحَقُّ بِالْجَدِيدِ مِنَ الْمَيِّتِ، إِنَّمَا هُوَ لِلْمُهْلَةِ فَلَمْ يُتَوَفَّ حَتّٰى أَمْسٰى مِنْ لَيْلَةِ الثُّلَاثَاءِ، وَدُفِنَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ.

[راجع: ١٢٦٤۔ أخرجه مسلم: ٩٤١ مختصرًا]

پاس گئی، انھوں نے کہا: تم نے نبی ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا؟ (عائشہ رضی اللہ عنہا نے) کہا: سحول بستی کے بنے ہوئے تین سفید کپڑوں میں جن میں نہ قمیص تھی نہ پگڑی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کس دن فوت ہوئے؟ انھوں نے کہا: سوموار کے دن۔ کہا: تو یہ کون سا دن ہے؟ کہا: سوموار کا دن ہے۔ کہا: میں اپنے اس وقت سے رات تک کے درمیان (موت کی) امید رکھتا ہوں، پھر انھوں نے اس کپڑے کو دیکھا جس میں ان کی بیماری کے دن گزرے تھے کہ اس پر زعفران کا کچھ نشان تھا، تو کہا: میرا یہ کپڑا دھو دینا اور اس کے ساتھ دو اور کپڑے ملا کر مجھے ان میں کفن دینا۔ میں نے کہا: یہ تو پرانا ہے۔ انھوں نے کہا: زندہ آدمی نئے کپڑوں کا زیادہ حق دار ہے، کیونکہ مردے کا کفن تو خون اور پیپ کے لیے ہے۔ پھر اس دن ابوبکر رضی اللہ عنہ فوت نہیں ہوئے، یہاں تک کہ منگل کی رات کی شام آگئی اور صبح سے پہلے انھیں دفن کر دیا گیا۔

فوائد 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے جمعہ کے دن وفات کی فضیلت کا باب نہیں باندھا، حالانکہ بعض احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ احادیث جن میں جمعہ کے دن وفات کی فضیلت کا ذکر ہے امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ثابت نہیں یا ان کی شرط پر نہیں ہیں، اس لیے انھوں نے اسی حدیث پر اکتفا کیا ہے جو ان کی شرط پر ہے اور وہ سوموار کے دن موت ہے۔ اس میں فضیلت کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی وفات کے لیے اس دن کا انتخاب کیا۔ اب اگرچہ اپنی موت کا دن کسی کے اختیار میں نہیں ہے، مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آپ کی وفات کے دن اپنی وفات کی خواہش کرنے سے معلوم ہوا کہ آدمی اس کی خواہش تو کر سکتا ہے اور دعا بھی کر سکتا ہے، آگے اللہ کی مرضی، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی: «اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» ''اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور میری موت تیرے رسول ﷺ کے شہر میں واقع ہو۔'' [بخاری: ۱۸۹۰] حالانکہ شہادت اور کسی خاص جگہ موت آنا بندے کے اختیار میں نہیں ہے۔ سوموار کے دن کو آپ کی وفات کا دن ہونے کے شرف کے علاوہ

یہ شرف بھی حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسی دن پیدا ہوئے اور اسی دن آپ پر وحی نازل ہوئی اور اس دن نفل روزہ مسنون ہے۔ [دیکھیے مسلم، باب استحباب صیام ثلاثة أیام من کل شهر ...... : ۱۱٦۲] اور ہر ہفتے میں سوموار اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور ہر مومن بندے کو بخش دیا جاتا ہے، سوائے اس بندے کے جس کی اپنے بھائی کے ساتھ باہمی دشمنی ہو۔ کہا جاتا ہے: ان دونوں کو رہنے دو یہاں تک کہ واپس پلٹیں۔[دیکھیے مسلم، باب النھي عن الشحناء والتھاجر : ۲٥٦٥]

2 جمعہ کے دن موت کی فضیلت والی حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''وہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے: « مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ » [ترمذي : ۱۰۷٤] ''جو بھی مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہو اللہ تعالیٰ اسے قبر کی آزمائش سے محفوظ رکھتا ہے۔'' اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد میں ضعف ہے اور ابو یعلیٰ (۴۱۱۳) نے انس رضی اللہ عنہ سے اس کی ہم معنی حدیث روایت کی ہے اور اس کی اسناد اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔'' (فتح الباری) حافظ رحمہ اللہ کے علاوہ بہت سے محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے، مثلاً سیوطی "في الجامع الصغیر (۸۰۸۹)"، عبدالرحمن مبارک پوری "في تحفة الأحوذي (٤/١٦٠)" اور احمد شاکر "في تخریج المسند" اور شعیب الارناؤوط نے مسند احمد (۶۵۸۲) کی تخریج میں کہا: "إسناده ضعیف" اور سیر اعلام النبلاء (۳۳۷/۱۱) کی تعلیق میں "إسناده منقطع" کہا ہے۔ البتہ شیخ البانی نے مجموع طرق کی وجہ سے کہیں اسے ''حسن'' لکھا ہے، کہیں ''حسن لغیرہ'' اور کہیں ''حسن یا صحیح''۔ (تیسیر الوصول الی احادیث الرسول) اتنے محدثین کے ضعف کا حکم لگانے کے بعد مجموع طرق کی وجہ سے اسے حسن یا صحیح ماننے پر دل کو اطمینان نہیں ہوتا، بلکہ بخاری کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم)

3 ابن سعد (۲۰۲/۳) نے "زهري عن عروة عن عائشة" کے طریق سے روایت کی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مرض کی ابتدا اس سے ہوئی کہ انھوں نے سات جمادی الآخرہ سوموار کے دن غسل کیا۔ سردی تھی اس لیے انھیں بخار ہو گیا جو انھیں پندرہ دن رہا اور وہ بائیس جمادی الآخرہ سنہ ۱۳ ہجری منگل کی رات فوت ہو گئے۔ اور زین بن مُنَیِّر نے اشارہ کیا ہے کہ ان کی سوموار کے دن فوت ہونے کی خواہش کے باوجود ایک دن بعد وفات میں حکمت یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ کے بعد آپ کے جانشین بنے، اس لیے مناسب یہی تھا کہ اُن کی وفات نبی ﷺ کے بعد ہو۔ (واللہ اعلم)

4 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دھوئے ہوئے کپڑے میں کفن دیا جا سکتا ہے اور رات کو دفن کرنا جائز ہے۔ اس کے علاوہ اس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت، ان کی فراست اور وفات کے وقت ثابت قدمی ظاہر ہے اور یہ کہ اپنے سے کم تر سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے اور کرنا چاہیے۔ (فتح الباری)

٩٥ـ بَابُ مَوْتِ الْفَجْأَةِ الْبَغْتَةِ

95۔ باب: اچانک موت کا بیان

١٣٨٨ـ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ

1388۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے

ابْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا، وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ، فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ» [انظر: ٢٧٦٠۔ أخرجه مسلم: ١٠٠٤، وفي الوصية (١٢)]

نبی ﷺ سے کہا: میری ماں اچانک فوت ہوگئی اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ بات کرتی تو صدقہ کرتی، تو اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اسے اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!''

فوائد: 1 ابن رشید نے کہا: ''اس باب کا مقصد یہ ہے کہ مومن کے لیے اچانک موت کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ جب اس آدمی نے اپنی والدہ کے اچانک فوت ہونے کا ذکر کیا تو آپ نے اس پر کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حدیث: «مَوْتُ الْفَجْأَةِ أَخْذَةُ أَسَفٍ» (اچانک موت ناراضگی کی پکڑ ہے) جو ابوداؤد (۳۱۱۰) نے روایت کی ہے، اس میں کلام ہے۔ بخاری نے باب باندھ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔'' مذکورہ حدیث ابوداؤد نے عبید بن خالد سُلمی کی حدیث سے روایت کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، مگر اس کے راوی نے اسے کبھی مرفوع اور کبھی موقوف بیان کیا ہے۔ (فتح الباری) اگرچہ یہ حدیث بخاری کی شرط پر نہیں، مگر بہت سے محدثین نے اسے مرفوع و موقوف دونوں طرح صحیح قرار دیا ہے، ناراضگی کی پکڑ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اچانک موت کی صورت میں آدمی کو نہ توبہ کا موقع ملتا ہے نہ وصیت کا۔ ایک حدیث میں ہے، عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک موت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «رَاحَةٌ لِلْمُؤْمِنِ وَأَخْذَةُ أَسَفٍ لِلْفَاجِرِ» [مسند أحمد: ٢٥٠٤٢] ''(اچانک موت) مومن کے لیے راحت اور فاجر کے لیے ناراضگی کی پکڑ ہے۔'' مگر یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔ دیکھیے مسند احمد (۲۵۰۴۲) پر شعیب الارناؤوط کی تعلیق۔

2 ابن مُنَیِّر نے کہا: شاید بخاری کا مقصد یہ ہو کہ جو شخص اچانک فوت ہو جائے اس کی اولاد کو ان نیک اعمال کے ذریعے سے اس کی تلافی کرنی چاہیے جن میں نیابت ہو سکتی ہے، یعنی جن اعمال کے کرنے کا ثواب زندہ کی طرف سے میت کو پہنچ سکتا ہے۔ (فتح الباری) اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ان اعمال میں سے ایک صدقہ ہے۔ ایصالِ ثواب کی تفصیل اگر اللہ نے چاہا تو صدقہ کے ابواب میں آئے گی۔

٩٦۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا

96۔ باب نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر ؓ کی قبروں کا بیان

﴿فَأَقْبَرَهُ﴾ [عبس: ٢١]: أَقْبَرْتُ الرَّجُلَ: إِذَا جَعَلْتَ لَهُ قَبْرًا، وَقَبَرْتُهُ: دَفَنْتُهُ، ﴿كِفَاتًا﴾

(سورۂ عبس میں جو آیا ہے:) ﴿فَأَقْبَرَهُ﴾ تو عرب لوگ کہتے ہیں: ''أَقْبَرْتُ الرَّجُلَ'' یعنی میں نے اس کے

[المرسلات : ٢٥] : يَكُونُونَ فِيهَا أَحْيَاءً، وَيُدْفَنُونَ فِيهَا أَمْوَاتًا .

لیے قبر بنائی، اور " وَقَبَرْتُهُ " کا معنی ہے: میں نے اسے دفن کیا اور (سورۂ مرسلات میں جو) ﴿ كِفَاتًا ﴾ (کا لفظ ہے اس) کا معنی یہ ہے کہ لوگ زندگی میں زمین پر رہتے ہیں اور فوت ہو کر اس میں دفن کیے جاتے ہیں۔

فائدہ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ: پھر اسے موت دی جو آخرت کی مصلحت کے تحت ضروری تھی، پھر اسے قبر میں رکھوایا، اگر وہ یہ احسان نہ کرتا تو یہ جانوروں کی طرح زمین پر پڑا رہتا، متعفن ہو کر اللہ کی مخلوق کے لیے باعثِ آزار بنتا، اس کی بے حرمتی ہوتی، بے پردہ ہوتا اور بلیاں، کتے اور دوسرے درندے اسے نوچتے۔ "قَبَرَهٗ" (مجرد) قبر میں رکھا اور " أَقْبَرَهٗ " (مزید فیہ باب افعال) قبر میں رکھوایا۔ (تفسیر القرآن الکریم) "كِفَاتًا" " كَفَتَ يَكْفِتُ " (ض) (سمیٹنا، جمع کرنا) سے مصدر بمعنی اسم فاعل ہے، یعنی سمیٹنے والی، جمع کرنے والی۔ زمین زندوں کو سمیٹتی ہے، وہ اسی کے اوپر زندگی گزارتے ہیں، وہ ان کی غلاظتیں سنبھالتی ہے اور مُردوں کو بھی اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ اگر زمین مرنے والے انسانوں اور دوسرے جانوروں کو نہ سمیٹتی تو تعفن سے زندگی دشوار ہو جاتی۔ اس آیت سے مُردوں کو سنبھالنے کے لیے دفن کی دلیل ملتی ہے، جو قومیں اپنے مُردوں کو جلاتی ہیں ان کی راکھ اور ہڈیاں بھی زمین ہی کے سپرد ہوتی ہیں۔

١٣٨٩ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ، عَنْ هِشَامٍ . وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مَرْوَانَ يَحْيَى بْنُ أَبِي زَكَرِيَّا، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيَتَعَذَّرُ فِي مَرَضِهِ : « أَيْنَ أَنَا الْيَوْمَ ؟ أَيْنَ أَنَا غَدًا ؟ » اسْتِبْطَاءً لِيَوْمِ عَائِشَةَ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمِي قَبَضَهُ اللَّهُ بَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي وَدُفِنَ فِي بَيْتِي . [راجع : ٨٩٠- أخرجه مسلم : ٢٤٤٣]

1389۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ اپنی بیماری میں تنگی محسوس کرتے ہوئے اپنی بیویوں سے کہتے تھے: "میں آج کہاں ہوں؟ میں کل کہاں ہوں گا؟" عائشہ رضی اللہ عنہا کے دن کو دور سمجھتے ہوئے (یہ الفاظ کہتے تھے)، تو جب میری باری کا دن آیا تو اللہ نے آپ کو میرے گلے اور میرے سینے کے درمیان قبض فرما لیا اور آپ میرے گھر میں دفن کیے گئے۔

فائدہ " لَيَتَعَذَّرُ " کا معنی لغت اور غریب الحدیث کی کتابوں میں " يَتَعَسَّرُ " لکھا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ بیماری کے دنوں میں ہر روز باری باری دوسری بیوی کے گھر میں منتقل ہونے میں تنگی محسوس کرتے تھے، آپ کی خواہش یہ ایام عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گزارنے کی تھی، کیوں کہ آپ وہاں زیادہ راحت محسوس کرتے تھے اور آپ کو ان کی باری آنے میں دیر محسوس ہوتی تھی، چنانچہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کی بیویاں آپ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر جانے اور وہاں بیماری کے دن گزارنے

کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ انھوں نے آپ کی رضا کو مقدم رکھتے ہوئے اس بات کی اجازت دے دی۔ آخر جب وہ دن آیا جو باری جاری رکھنے کی صورت میں عائشہ ﷞ کی باری کا دن تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح جب قبض کی اس وقت آپ کا سر مبارک عائشہ ﷞ کے گلے اور پھیپھڑے کے درمیان تھا اور آپ ان کے سینے کا سہارا لیے ہوئے تھے۔" المصباح المنیر (٢٦٧/١)" میں ہے: " اَلسَّحْرُ : الرِّئَةُ وَ قِيلَ مَا لَصِقَ بِالْحُلْقُوْمِ وَالْمَرِيْءِ مِنْ أَعْلَى الْبَطْنِ وَ قِيلَ هُوَ كُلُّ مَا تَعَلَّقَ بِالْحُلْقُوْمِ مِنْ قَلْبٍ وَ كَبِدٍ وَ رِئَةٍ ." " لَيَتَعَذَّرُ " کا معنی "عذر کرتے تھے" بھی ہے۔ چنانچہ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں: یہ آپ کی کمال مروت، عنایت اور خوش خلقی تھی کہ دوسری بیویوں سے عائشہ ﷞ کے گھر میں جانے کے لیے معذرت کرتے تھے، حالانکہ آپ پر باری باری رہنا واجب نہ تھا۔ دیکھیے سورۂ احزاب کی آیت (٥١)۔ (تیسیر الباری)

١٣٩٠۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ هِلَالٍ ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ : « لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ » لَوْ لَا ذَلِكَ أُبْرِزَ قَبْرُهُ غَيْرَ أَنَّهُ خَشِيَ أَوْ خُشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا .

1390۔ عائشہ ﷞ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس بیماری میں فرمایا جس سے آپ تندرست نہیں ہوئے: "اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انھوں نے اپنے انبیاء (﷩) کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔" اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھول دی جاتی، مگر آپ ڈرے یا لوگوں کو ڈر ہوا کہ آپ کی قبر مسجد بنالی جائے گی۔

١/١٣٩٠۔ وَعَنْ هِلَالٍ قَالَ : كَنَّانِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَلَمْ يُولَدْ لِي . [راجع : ٤٣٥۔ أخرجه مسلم : ٥٢٩ عن عائشة، و أخرجه : ٥٣١ عن عائشة و ابن عباس]

1/1390۔ اور ہلال نے کہا: عروہ نے میری کنیت رکھی، حالانکہ میری اولاد نہیں ہوئی تھی۔

فائدہ یہ حدیث (٤٣٥) میں گزر چکی ہے۔ ہلال کا قول ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہلال کی عروہ سے ملاقات ثابت ہے، اس لیے اس روایت میں ارسال خفی کا کوئی ڈر نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولاد کے بغیر بھی کنیت رکھی جا سکتی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے چھوٹے بچے سے دل لگی کرتے ہوئے فرمایا: « يَا أَبَا عُمَيْرٍ ! مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ ؟ » [بخاري : ٦١٢٩] "اے ابو عمیر! نغیر پرندے نے کیا کیا؟" ہلال کی کنیت میں اختلاف ہے، مشہور ابو عمرو ہے۔ ایک قول کے مطابق ابو امیہ اور ایک کے مطابق ابو الجہم ہے۔ (فتح الباری)

٢/١٣٩٠ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ سُفْيَانَ

2/1390۔ سفیان تمار نے بیان کیا کہ انھوں نے نبی ﷺ کی قبر دیکھی، وہ اونٹ کی کوہان کی طرح بنائی ہوئی

التَّمَّارِ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ : أَنَّهُ رَأَى قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ مُسَنَّمًا .

تھی۔

١٣٩٠/٣ - حَدَّثَنَا فَرْوَةُ، حَدَّثَنَا عَلِيٌّ، عَنْ هِشَامِ ابْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ : لَمَّا سَقَطَ عَلَيْهِمُ الْحَائِطُ فِي زَمَانِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ، أَخَذُوا فِي بِنَاءِهِ فَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ، فَفَزِعُوا وَظَنُّوا أَنَّهَا قَدَمُ النَّبِيِّ ﷺ، فَمَا وَجَدُوا أَحَدًا يَعْلَمُ ذَلِكَ، حَتَّى قَالَ لَهُمْ عُرْوَةُ : لَا وَاللّٰهِ ! مَا هِيَ قَدَمُ النَّبِيِّ ﷺ، مَا هِيَ إِلَّا قَدَمُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ .

3/1390 ۔ عروہ نے بیان کیا کہ جب (خلیفہ) ولید بن عبدالملک کے زمانے میں (عائشہ رضی اللہ عنہا کے) حجرے کی دیوار گری اور اسے بنانے لگے تو ایک قدم ظاہر ہو گیا، لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ وہ نبی ﷺ کا قدم ہے، تو انھیں کوئی شخص نہ ملا جو اسے جانتا ہو، یہاں تک کہ عروہ (بن زبیر) نے ان سے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! یہ نبی ﷺ کا قدم نہیں ہے، یہ تو عمر رضی اللہ عنہ کا قدم ہے۔

١٣٩١ - وَعَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : أَنَّهَا أَوْصَتْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا : لَا تَدْفِنِّي مَعَهُمْ وَادْفِنِّي مَعَ صَوَاحِبِي بِالْبَقِيعِ، لَا أُزَكَّى بِهِ أَبَدًا . [انظر : ٧٣٢٧]

1391 ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو وصیت کی کہ مجھے نبی ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن نہ کرنا، بلکہ مجھے بقیع میں میرے ساتھ والیوں کے پاس دفن کرنا۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ کے ساتھ دفن ہونے کی وجہ سے میری تعریف کی جائے۔

فوائد 1 سفیان تمار کبار تبع تابعین میں سے ہیں، صحابہ کا زمانہ پایا ہے، مگر میں نے کسی صحابی سے ان کی کوئی روایت نہیں دیکھی۔ صحیح بخاری میں ان کا قول اتنا ہی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کی قبر اونٹ کی کوہان کی طرح بنی ہوئی دیکھی۔ ابونعیم نے ''المستخرج'' میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: '' وَ قَبْرُ أَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ كَذٰلِكَ '' کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی قبر بھی ایسے ہی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر کو کوہان کی طرح بنانا مستحب ہے۔ (فتح الباری)

2 بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قبر اوپر سے ہموار ہونی چاہیے، مگر اس کے لیے ان کی پیش کردہ کوئی دلیل بھی اس مفہوم میں صریح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، کوہان جیسی قبر کی ساخت ہی ایسی ہوتی ہے کہ اس پر بیٹھنا مشکل ہوتا ہے، جب کہ ہموار قبر ایسی جگہ کے مشابہ ہوتی ہے جس پر بیٹھا جائے۔ اس لیے قبر کو کوہان کی طرح بنانا ہی راجح ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے قبر ہموار بنانے کو راجح قرار دینے والوں کی ایک دلیل ابوداؤد (٣٢٢٠) اور حاکم (٥٢٤/١) سے ایک روایت نقل کی ہے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر کہتے ہیں: ''میں (اپنی پھوپھی) عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور میں نے کہا: امی جان! مجھے کمرہ کھول کر رسول اللہ ﷺ اور ان کے دونوں ساتھیوں کی قبریں دکھائیں۔ انھوں نے کمرہ کھولا تو تین قبریں تھیں جو نہ

اونچی تھیں نہ زمین کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ ان پر سرخ میدان کی کنکریاں ڈالی ہوئی تھیں۔" حاکم نے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: "میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ آگے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سر نبی ﷺ کے کندھوں کے برابر تھا اور عمر رضی اللہ عنہ کا سر نبی ﷺ کے پاؤں کے قریب تھا۔" ظاہر ہے کہ اس میں ان قبروں کے اوپر سے ہموار ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔ جنھوں نے اس روایت کو اوپر سے ہموار بنانے کی دلیل بنایا ہے انھوں نے بھی یہ کہا ہے: " فَكَأَنَّهَا كَانَتْ فِي الْأَوَّلِ مُسَطَّحَةً " "تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے وہ ہموار تھیں" مگر ظاہر ہے یہ کوئی دلیل نہیں۔ ایک اور دلیل صحیح مسلم کی حدیث (۹۶۸) ذکر کی ہے جو فضالہ ابن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: « أَمَرَ فَضَالَةُ بْنُ عُبَيْدٍ بِقَبْرِهِ فَسُوِّيَ، ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِتَسْوِيَتِهَا » "یعنی فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے ایک قبر کے متعلق حکم دیا تو اسے برابر کر دیا گیا، پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ اسے برابر کرنے کا حکم دیتے تھے۔" مگر تسویہ کا معنی اوپر سے ہموار کرنے کی بجائے اونچی قبروں کو دوسری قبروں کے برابر کرنا بھی ہو سکتا ہے، بلکہ اس کا ظاہر معنی یہی ہے، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابوالہیاج رحمہ اللہ کو اس کام پر مقرر فرمایا جس پر انھیں رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا: « أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ » [مسلم : ۹۶۹] "جو بھی مورتی ہے اسے مٹا دو اور جو اونچی قبر ہے اسے برابر کر دو۔" ظاہر ہے کہ اونچی قبر برابر کرنے کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ اسے زمین کے برابر کر دو اور ایک یہ کہ اسے عام قبروں کے برابر کر دو۔ زیادہ قرین قیاس دوسرا مطلب ہے۔ آج کل بدعتی لوگ قبروں پر مربع سا چبوترہ بنا کر اس کے اوپر ہموار سنگ مرمر کی سل لگا دیتے ہیں۔ ان کی مخالفت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قبر کو کوہان کی طرح بنایا جائے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کوہان نما قبر کے متعلق لکھا ہے: " وَرَجَّحَ الْمُزَنِيُّ التَّسْنِيمَ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى بِأَنَّ الْمُسَطَّحَ يُشْبِهُ مَا يُصْنَعُ لِلْجُلُوْسِ بِخِلَافِ الْمُسَنَّمِ، وَ رَجَّحَهُ ابْنُ قُدَامَةَ بِأَنَّهُ يُشْبِهُ أَبْنِيَةَ أَهْلِ الدُّنْيَا وَهُوَ مِنْ شِعَارِ أَهْلِ الْبِدَعِ فَكَانَ التَّسْنِيمُ أَوْلَى . " "یعنی مزنی نے قبر کو کوہان کی طرح بنانے کو معنوی طور پر راجح قرار دیا ہے، کیونکہ ہموار اس کے مشابہ ہوتی ہے جسے بیٹھنے کے لیے بنایا جائے جب کہ کوہان نما اس طرح نہیں ہوتی اور ابن قدامہ نے اسے اس لیے راجح قرار دیا کہ ہموار قبر دنیا داروں کی بنائی ہوئی قبروں کے مشابہ ہوتی ہے اور یہ اہلِ بدعت کا شعار ہے، اس لیے کوہان کی طرح بنانا ہی بہتر ہے۔" (فتح الباری)

3 **تو ایک قدم ظاہر ہو گیا:** یہ خلیفہ ولید بن عبد الملک کے زمانے کی بات ہے، انھوں نے مدینہ میں اپنے مقرر کردہ امیر عمر بن عبد العزیز کو لکھا جو رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے مکانات خرید چکے تھے کہ انھیں گرا دو اور مسجد وسیع کر دو، چنانچہ انھوں نے انھیں گرانے کا حکم دے دیا، پھر انھوں نے اسے تعمیر کیا۔ جب قبر پر کمرہ بنایا گیا اور پہلا کمرہ گرایا گیا تو تین قبریں ظاہر ہو گئیں، ان پر پڑی ہوئی ریت نیچے گر چکی تھی، تو عمر بن عبد العزیز گھبرا گئے اور خود اٹھ کر انھیں درست کرنا چاہا، مگر رجاء بن حیوہ کے کہنے پر انھوں نے اپنے مولیٰ مزاحم سے کہا: اٹھو! اور انھیں درست کرو۔ یہ روایت آجری نے " الشريعة (۱۸۷۲) " میں مالک بن مغول کے طریق سے رجاء بن حیوہ سے نقل کی ہے اور آجری نے " الشريعة (۱۸۷۱) " ہی میں " شعيب بن إسحاق عن هشام بن عروة " کے طریق سے عروہ سے نقل کی ہے کہ انھوں نے کہا: لوگ قبر کی

طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ وہاں اونچی دیوار بنا دی جائے، تاکہ قبر نماز پڑھنے والے کے سامنے نہ ہو۔ جب پہلی دیوار گرائی گئی تو ایک قدم پنڈلی سمیت ظاہر ہوگیا تو عمر بن عبدالعزیز گھبرا گئے (کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا قدم نہ ہو) تو ان کے پاس عروہ آئے اور کہا: یہ عمر رضی اللہ عنہ کی پنڈلی اور ان کا گھٹنا ہے۔ تو عمر بن عبدالعزیز کی پریشانی دور ہوگئی۔ (فتح الباری)

4 یہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی انتہائی تواضع، عاجزی اور اللہ کے خوف کی دلیل ہے کہ انھوں نے وصیت کی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دو ساتھیوں کے ساتھ حجرے میں دفن نہ کیا جائے، کیونکہ عین ممکن تھا کہ لوگ ان کی اس بات پر تعریف کریں کہ وہ زندگی میں آپ کی ساتھی تھیں، مرنے کے بعد بھی آپ کے ساتھ دفن ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت ابھی تک ایک قبر کی جگہ موجود تھی۔ یہاں ایک سوال ہے کہ اس حدیث کے بعد والی حدیث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ جب قریب الموت ہوئے تو انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ اجازت لینے کے لیے بھیجا کہ انھیں اپنے دو ساتھیوں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے، تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں خود یہاں دفن ہونا چاہتی تھی، مگر اب میں عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی۔ اس روایت کے مطابق تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے لیے قبر کی جگہ عمر رضی اللہ عنہ کو دے چکی تھیں، تو سنہ ۵۷ھ میں اپنی وفات سے پہلے انھوں نے یہ وصیت کیسے کر دی، جب کہ وہ اپنے لیے مختص جگہ عمر رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر چکی تھیں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ پہلے ام المومنین رضی اللہ عنہا یہی سمجھتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد صرف ایک قبر کی جگہ باقی ہے جو انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دے دی، مگر ان کے دفن کے بعد بھی ایک قبر کی جگہ بچ گئی جہاں وہ دفن ہو سکتی تھیں، مگر انھوں نے اللہ سے ڈرتے ہوئے یہ وصیت کی جس کا حدیث میں ذکر ہے۔

تنبیہ: واضح رہے کہ وہ تمام روایات جن میں ذکر ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ایک قبر کی جو جگہ موجود ہے وہاں عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام دفن ہوں گے، ان میں سے کوئی روایت ثابت نہیں۔

١٣٩٢ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ، حَدَّثَنَا حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ الْأَوْدِيِّ، قَالَ : رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ! اذْهَبْ إِلَى أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقُلْ : يَقْرَأُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلَيْكِ السَّلَامَ، ثُمَّ سَلْهَا أَنْ أُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيَّ، قَالَتْ : كُنْتُ أُرِيدُهُ لِنَفْسِي، فَلَأُوثِرَنَّهُ الْيَوْمَ عَلَى نَفْسِي، فَلَمَّا أَقْبَلَ

1392۔ عمرو بن میمون الاودی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انھوں نے کہا: اے عبداللہ بن عمر! ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور کہو: عمر بن خطاب آپ کو سلام کہتا ہے، پھر ان سے درخواست کرو کہ مجھے میرے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جائے۔ انھوں نے کہا: میں وہ جگہ اپنے لیے چاہتی تھی، لیکن آج میں ضرور انھیں اپنے آپ پر ترجیح دوں گی۔ جب وہ واپس آئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تمھارے پاس کیا

قَالَ لَهُ: مَا لَدَيْكَ ؟ قَالَ: أَذِنَتْ لَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! قَالَ: مَا كَانَ شَيْءٌ أَهَمَّ إِلَيَّ مِنْ ذٰلِكَ الْمَضْجَعِ، فَإِذَا قُبِضْتُ فَاحْمِلُونِي ثُمَّ سَلِّمُوا، ثُمَّ قُلْ: يَسْتَأْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَإِنْ أَذِنَتْ لِي فَادْفِنُونِي، وَإِلَّا فَرُدُّونِي إِلَى مَقَابِرِ الْمُسْلِمِينَ.

خبر ہے؟ انھوں نے کہا: اے امیر المومنین! انھوں نے آپ کے لیے اجازت دے دی ہے۔ کہا: مجھے سونے کی اس جگہ سے زیادہ کسی چیز کی فکر نہیں تھی، تو جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے اٹھا کر لے جانا، پھر سلام کہنا اور کہنا کہ عمر بن خطاب اجازت مانگتا ہے، اگر وہ میرے لیے اجازت دے دیں تو مجھے (وہاں) دفن کر دینا، ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان کی طرف واپس لے جانا۔

إِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا أَحَقَّ بِهٰذَا الْأَمْرِ مِنْ هٰؤُلَاءِ النَّفَرِ الَّذِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ، فَمَنِ اسْتَخْلَفُوا بَعْدِي فَهُوَ الْخَلِيفَةُ، فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا، فَسَمَّى: عُثْمَانَ وَعَلِيًّا وَطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ وَسَعْدَ ابْنَ أَبِي وَقَّاصٍ.

(پھر انھوں نے وصیت کرتے ہوئے کہا:) میں اس خلافت کا حق دار ان چند لوگوں سے زیادہ کسی کو نہیں سمجھتا جن سے رسول اللہ ﷺ فوت ہوتے وقت راضی تھے۔ وہ میرے بعد جسے خلیفہ بنا لیں وہی خلیفہ ہوگا، اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ چنانچہ انھوں نے عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کے نام لیے۔

وَوَلَجَ عَلَيْهِ شَابٌّ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: أَبْشِرْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! بِبُشْرَى اللّٰهِ! كَانَ لَكَ مِنَ الْقَدَمِ فِي الْإِسْلَامِ مَا قَدْ عَلِمْتَ، ثُمَّ اسْتُخْلِفْتَ فَعَدَلْتَ، ثُمَّ الشَّهَادَةُ بَعْدَ هٰذَا كُلِّهِ، فَقَالَ: لَيْتَنِي يَا ابْنَ أَخِي! وَذٰلِكَ كَفَافًا، لَا عَلَيَّ وَلَا لِي، أُوصِي الْخَلِيفَةَ مِنْ بَعْدِي بِالْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ خَيْرًا، أَنْ يَعْرِفَ لَهُمْ حَقَّهُمْ، وَأَنْ يَحْفَظَ لَهُمْ حُرْمَتَهُمْ، وَأُوصِيهِ بِالْأَنْصَارِ خَيْرًا الَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ أَنْ يُقْبَلَ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَيُعْفَى عَنْ مُسِيئِهِمْ، وَأُوصِيهِ

اور اتنے میں انصار کا ایک جوان آیا اور اس نے کہا: امیر المومنین! آپ اللہ کی طرف سے بشارت کے ساتھ خوش ہو جائیں! آپ کو اسلام میں وہ پہل حاصل ہے جو آپ کو معلوم ہی ہے، پھر آپ خلیفہ بنے تو عدل کیا، پھر ان سب چیزوں کے بعد شہادت ملی۔ انھوں نے کہا: بھتیجے! کاش یہ سب کچھ برابر برابر ہو جائے، نہ مجھ پر کوئی عذاب ہو اور نہ مجھے کوئی ثواب ملے۔ میرے بعد جو خلیفہ بنے میں اسے مہاجرین اولین کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کا حق پہچانے اور ان کی عزت وحرمت کی حفاظت

بِذِمَّةِ اللّٰهِ وَذِمَّةِ رَسُوْلِهِ ﷺ أَنْ يُوفَى لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ، وَأَنْ يُقَاتَلَ مِنْ وَرَاءِهِمْ، وَ أَنْ لَا يُكَلَّفُوا فَوْقَ طَاقَتِهِمْ . [انظر : ۳۰۵۲، ۳۱۶۲، ۳۷۰۰، ٤٨٨٨، ۷۲۰۷، وانظر في فضائل الصحابة، باب : ۹ و ١٤]

کرے۔ اور میں اسے انصار کے ساتھ بھی اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں جنھوں نے (مہاجرین سے پہلے مدینہ کو اپنا) گھر بنایا اور (ان کے مدینہ آنے سے پہلے) ایمان لائے کہ ان کے نیک کام کرنے والے کی نیکی قبول کی جائے اور ان کے برا کام کرنے والے کو معاف کر دیا جائے۔ اور میں اسے (ذمی لوگوں میں) اللہ کے عہد اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کو پورا کرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ ان کے دفاع کے لیے لڑائی کی جائے اور انھیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

فائدہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے فوت ہونے کے بعد دوبارہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے اجازت مانگنے کی وصیت اس لیے کی کہ ہوسکتا ہے انھوں نے پہلے یہ اجازت دل سے نہ دی ہو۔ امیر المومنین نے اس جگہ دفن ہونے کے لیے بڑی منت اور عاجزی کے ساتھ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے دوبارہ اجازت مانگنے کی وصیت کی۔ چنانچہ دوسری جگہ مکمل روایت میں ہے کہ انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ''میری میت لے جا کر کہنا کہ عمر آپ کو سلام کہتا ہے اور اجازت مانگتا ہے، یہ نہ کہنا کہ امیر المومنین اجازت مانگتے ہیں، کیوں کہ میں اس وقت امیر المومنین نہیں ہوں گا۔'' (بخاری: ۳۷۰۰) اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ ان کی خواہش تھی کہ جس طرح دنیا میں اکٹھے رہے قبر بھی ان کے ساتھ ہی مل جائے اور ایک یہ کہ جب لوگ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر پر آ کر دعا کریں تو وہ بھی ان کے ساتھ دعا میں شامل ہو جائیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی قبروں کے پاس قبر بننے کی تمنا مستحب ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص وعدہ کرے تو اس سے رجوع کر سکتا ہے، اسے پورا کرنا لازم نہیں۔ (فتح الباری)

٩٧ - بَابُ مَا يُنْهَى مِنْ سَبِّ الْأَمْوَاتِ

97- باب: فوت شدہ لوگوں کو گالی دینا منع ہے

١٣٩٣ - حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا»

1393- عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''فوت شدہ لوگوں کو گالی نہ دو، کیونکہ وہ اس چیز کی طرف پہنچ چکے جو انھوں نے آگے بھیجی۔''

وَرَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْقُدُّوسِ عَنِ الْأَعْمَشِ

اور عبد اللہ بن عبد القدوس اور محمد بن انس نے بھی

وَمُحَمَّدُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ الْأَعْمَشِ . تَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ وَابْنُ عَرْعَرَةَ وَابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ . [انظر : ٦٥١٦]

اسے اعمش سے روایت کیا ہے۔ آدم (بن ابی ایاس) کے ساتھ اس حدیث کو علی بن جعد اور (محمد) بن عرعرہ اور ابن ابی عدی نے بھی شعبہ سے روایت کیا ہے۔

فوائد 1 لَا تَسُبُّوْا: یہ "سَبَّ يَسُبُّ" (نَصَرَ يَنْصُرُ) سے نہی کا صیغہ ہے، یہ دراصل "سَبَّةٌ" سے مشتق ہے جس کا معنی "اِسْتٌ" یعنی دُبر ہوتا ہے۔ "سَبَّهُ أَيْ طَعَنَهُ فِيْ إِسْتِهِ" یعنی اس نے اسے دبر میں کچوکا لگایا۔ اسی طرح یہ قبیح گالی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، کیونکہ اس میں بھی مخفی اعضا کا تذکرہ صاف لفظوں میں یا کنائے کے ساتھ کر کے کسی کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

2 مُردوں کو گالی دینا کیوں منع ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فوت شدہ لوگوں کو گالی دینے سے منع فرمایا خواہ مسلمان ہوں یا کافر اور اس کی دو وجہیں بیان فرمائیں: ایک تو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے کہ انھوں نے جو کچھ کیا اس کے پاس پہنچ چکے، اب انھیں اس کا بدلہ مل رہا ہے۔ انھیں گالی دینے کا کوئی فائدہ نہیں، ان کا مالک خود ہی ان سے نمٹ لے گا۔ دوسری وجہ ترمذی میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مُردوں کو گالی مت دو، کیونکہ ایسا کرنے سے تم زندوں کو ایذا دو گے۔'' (ترمذی: ۱۹۸۲۔ البانی نے اسے صحیح کہا ہے، دیکھیے سلسلہ صحیحہ: ۲۳۹۷) کیونکہ کوئی شخص بھی پسند نہیں کرتا کہ اس کے عزیزوں کو گالی دی جائے خواہ وہ کافر ہی ہوں۔

3 قرآن و حدیث میں کفار کی برائیاں کیوں بیان کی گئی ہیں؟ مُردوں کو گالی دینے کی حرمت کے باوجود قرآن و حدیث میں بہت سے فوت شدہ کفار کی برائیاں بیان کی گئی ہیں۔ بعض علماء نے اسے ''مُردوں کو گالی مت دو'' کے منافی سمجھ کر اس کی توجیہ کی ہے کہ یہ اس حکم سے مستثنیٰ صورت ہے، جیسا کہ غیبت کی بعض صورتیں حرمت سے مستثنیٰ ہیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ کسی کافر کی غیبت سے منع کیا ہی نہیں گیا، نہ ہی اس کی برائی بیان کرنا منع ہے، بلکہ اگر مقصد کسی کو کسی شخص کے شر سے بچانا ہو یا شہادت ادا کرنا ہو تو مسلمان کی برائی بھی بیان کی جا سکتی ہے۔ اس حدیث میں جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ سب و شتم ہے، گندی گالی دینا ہے۔ مُردوں کو گالی دینا حرام ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، کیونکہ انھیں گالی دینے کا کوئی فائدہ نہیں، ہاں! اگر کوئی شخص زندہ ہے اور وہ گالی دینے میں پہل کرتا ہے تو اسے جواب میں اتنی ہی گالی دینا جائز ہے گو صبر افضل ہے۔ اسی طرح زندہ کافر کو ذلیل کرنے کے لیے گالی دینا ضرورت کے وقت جائز ہے، جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ کے موقع پر کہا تھا: «أُمْصُصْ بِبَظْرِ اللَّاتِ، أَنَحْنُ نَفِرُّ عَنْهُ وَنَدَعُهُ؟» [بخاري : ٢٧٣١] ''جاؤ لات کی شرمگاہ کو چوسو، کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟'' اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے اُحد کے دن سباع کو کہا تھا: «يَا سِبَاعُ! يَا ابْنَ أُمِّ أَنْمَارٍ مُقَطِّعَةِ الْبُظُورِ» [بخاري: ٤٠٧٢] ''اے سباع! اے عورتوں کی شرمگاہوں کا ختنہ کرنے والی اُم انمار کے بیٹے!''

4 قرآن مجید میں ہے: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [الأنعام : ١٠٨] ''اور انھیں گالی نہ دو جنھیں یہ لوگ

اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔" تفسیر القرآن الکریم میں ہے: یہ آیت سدِّ ذرائع کی دلیل ہے، یعنی اگر ایک جائز کام کسی بڑی خرابی کا ذریعہ بنتا ہو تو اس جائز کام کو بھی چھوڑنا ضروری ہے، یعنی اگر تم مشرکین کے معبودوں کو گالی دو گے تو وہ جہالت سے اللہ تعالیٰ کو گالی دیں گے اور تم اس کا سبب بنو گے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کے ماں باپ کو گالی دینے سے منع فرمایا کہ اس طرح تم خود اپنے والدین کو گالی دینے کا سبب بن جاؤ گے۔ [دیکھیے بخاري، کتاب الأدب، باب : لا یسب الرجل والدیه : ۵۹۷۳]

۹۸- بَابُ ذِكْرِ شِرَارِ الْمَوْتَى

۱۳۹٤- حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ أَبُو لَهَبٍ عَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ لِلنَّبِيِّ ﷺ : تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ فَنَزَلَتْ : ﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴾ [المسد : ۱] [انظر : ۳۵۲۵، ۳۵۲٦، ٤۷۷۰، ٤۸۰۱، ٤۹۷۱، ٤۹۷۲، ٤۹۷۳- أخرجه مسلم : ۲۰۸ مطولاً]

98- باب: بہت برے فوت شدہ لوگوں کا ذکر

1394- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ابولہب لعنۃ اللہ علیہ نے نبی ﷺ سے کہا: تمھارے لیے سارا دن ہلاکت ہو، تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴾ [اللھب : ۱] "اور ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور وہ (خود) ہلاک ہو گیا۔"

فوائد: 1 پچھلے باب میں فوت شدہ لوگوں کو گالی دینے سے منع کرنے کا ذکر ہے۔ بعض شارحین نے "لَا تَسُبُّوْا" کا معنی "برا بھلا نہ کہو" کیا ہے اور اس پر یہ سوال وارد کیا ہے کہ قرآن مجید میں بہت سے مشرکین کا نام لے کر ان کے برے افعال کا ذکر کیا گیا ہے اور ان پر لعنت بھی کی گئی ہے، اس کی ایک مثال ابولہب کے بارے میں پوری ایک سورت ہے۔ ان حضرات کے خیال میں یہ "لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ" کے خلاف ہے۔ اسی طرح ایک جنازے کے متعلق لوگوں نے اچھی تعریف کی تو آپ نے فرمایا: « وَجَبَتْ » یعنی جنت واجب ہو گئی اور دوسرے جنازے کا ذکر لوگوں نے برائی سے کیا تو آپ نے فرمایا: « وَجَبَتْ » یعنی آگ واجب ہو گئی، مگر آپ نے اس جنازے کی برائی بیان کرنے والوں کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ ان حضرات کے خیال میں یہ بھی "لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ" کے خلاف ہے۔ پھر اس سوال کا جواب ان حضرات نے یہ دیا ہے کہ فوت شدہ کافروں کی برائی بیان کرنا جائز ہے، البتہ مسلمانوں کی برائی بیان کرنا جائز نہیں۔ مگر یہ جواب دینے کی ضرورت تب ہے جب "سَبَّ يَسُبُّ" کا معنی کسی کی برائی بیان کرنا ہو۔ مگر جیسا کہ پچھلے باب کی شرح میں واضح کیا گیا ہے کہ کسی کی برائی بیان کرنا گالی نہیں، بلکہ بعض اوقات مسلمان کی برائی بیان کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے جب اس کی برائی پر خاموش رہنے سے خطرہ ہو کہ وہ لوگوں کی گمراہی کا باعث بنے گا، جیسے حدیث کے راویوں کا معاملہ ہے۔ اس

لیے امام بخاری ﷫ نے یہ باب اس لیے باندھا ہے کہ فوت شدہ لوگوں کو گالی دینا منع ہے، ان کی برائیاں بیان کر کے ان کے انجام کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اس لیے ضرورت کے وقت ان کے برے اعمال کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

2 ابولہب رسول اللہ ﷺ کا چچا تھا، نام عبد العزیٰ بن عبد المطلب تھا۔ " لَهَبٌ " شعلے کو کہتے ہیں۔ "ابولہب" شعلے والا۔ رخساروں کی خوبصورتی اور سرخی کی وجہ سے یا طبیعت کی تیزی اور جوش کی وجہ سے ابولہب کے نام سے مشہور ہوا، پھر جہنمی ہونے کی وجہ سے واقعی شعلے والا بن گیا۔ اس شخص کو رسول اللہ ﷺ سے سخت عداوت تھی، باوجود اس کے کہ چچا باپ کی طرح ہوتا ہے۔ یہ ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا اور ایذا پہنچانے کی کوشش کرتا تھا۔ آپ کے دشمنوں میں سے یہ واحد شخص تھا جس کا نام لے کر قرآن میں اس کے برے انجام کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

3 " تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ " کے دو معنی ہو سکتے ہیں: پہلا یہ کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور وہ خود ہلاک ہو گیا۔ یہ معنی تو ظاہر ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں اور وہ (فی الواقع) ہلاک ہو گیا۔ یہ معنی فراء نے کیا ہے، یعنی اس کے رسول اللہ ﷺ کے متعلق " تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ " کے الفاظ کے ساتھ بددعا کے مقابلے میں اہلِ ایمان کی بددعا کی جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ فرما دیے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں، پھر بتایا کہ وہ ہلاک ہو چکا۔ (تفسیر القرآن الکریم)

4 بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ سورت اور سورۂ عبس آپ کی قبر کے پاس نہیں پڑھنی چاہیے، کیونکہ آپ کو تکلیف ہوگی، لیکن یہ فضول بات ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز میں بھی نہیں پڑھنی چاہیے، یہ بھی بے کار بات ہے۔ ان حضرات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینے والی بات قرآن میں نازل فرمائی اور آپ اپنی وفات تک اس کی تلاوت کرتے رہے۔ یہ حضرات تھوڑا سا غور کریں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کبھی غالب کے اس شعر کو بھی پڑھ لیا کریں ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

"اے غالب! ہم نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دی ہے، کیونکہ وہ ذات پاک ہی محمد ﷺ کا مرتبہ و مقام جانتی ہے۔"

ہمارے اس قسم کے حضرات موحدین کے متعلق لوگوں سے کہتے ہیں کہ دیکھنا ان کی بات ہرگز نہ سننا، یہ قرآن کی آیات پڑھ پڑھ کر لوگوں کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ گویا قرآن کی آیات آدمی کو گمراہ کر دیتی ہیں۔ ان کے نزدیک عوام الناس کو قرآن مجید کا ترجمہ نہیں پڑھنا چاہیے، کیونکہ اس سے ان کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے، انھیں اسی پر اکتفا کرنا چاہیے جو مولوی صاحبان انھیں بتاتے ہیں۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ ان کے شرک و بدعت پر مبنی مسائل کی حقیقت سے لوگ آگاہ نہ ہو جائیں۔ ایسے ہی لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے ہند میں مدتوں قرآن مجید کا ترجمہ فارسی یا اردو میں کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ آخر شاہ ولی اللہ ﷫ نے فارسی میں اور ان کے نامور بیٹوں شاہ عبد القادر نے بامحاورہ ترجمہ اردو میں اور شاہ رفیع الدین نے لفظی ترجمہ اردو میں کیا۔ اسی کی برکت ہے کہ عوام براہِ راست قرآن کا ترجمہ پڑھ کر حقیقی دین سے واقف ہو رہی ہے اور شرک و بدعت

کا اندھیرا چھٹ رہا ہے۔ ہمارے استاذ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے قصور کے ایک آدمی کا واقعہ سنایا جو مولویوں کے بیان سن سن کر نبی ﷺ کو بشر نہیں مانتا تھا، نہ ہی ایک خاص مسلک کی پابندی سے نکلنا جائز سمجھتا تھا۔ اس کے اخلاص کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے عجیب طریقے سے اس کی رہنمائی فرمائی۔ خواب میں اسے ایک آدمی ملا جس نے قرآن مجید کھول کر سورۂ کہف کی آخری آیت دکھائی کہ یہ آیت پڑھو: ﴿ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴾ [الکھف : ۱۱۰] ''کہہ دے میں تو تم جیسا ایک بشر ہی ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو لازم ہے کہ وہ عمل کرے نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔'' صبح اٹھا تو وہ ایک مولوی صاحب کے پاس گیا اور ان سے خواب میں دکھائی گئی آیت کا مطلب پوچھا، اتفاق سے مولوی صاحب دیوبندی تھے، انھوں نے اس کا ترجمہ بتایا اور بہت اچھی طرح سے سمجھایا کہ نبی ﷺ بنی آدم میں سے ایک بشر تھے، ہاں! اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی سے سرفراز فرمایا اور اپنا نبی اور رسول بنا کر بھیجا تھا۔ وہ بندہ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ سن کر نبی ﷺ کا بشر ہونا مان گیا۔ کچھ مدت کے بعد خواب میں اسے وہی پہلا آدمی ملا اور اس نے اسے سورۂ نساء کی آیت (۵۹) دکھائی کہ یہ آیت پڑھو: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔'' تو وہ پھر انھی مولوی صاحب کے پاس گیا اور قرآن کھول کر اس آیت کا مطلب پوچھا۔ مولوی صاحب کہنے لگے اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تم اہل حدیث ہونا چاہتے ہو۔ اللہ اکبر، ایک عام بندہ آیت کا ترجمہ اور مطلب سمجھ کر متبع رسول بن گیا، مگر افسوس مولوی صاحب تقلید کی زنجیر سے آزاد نہ ہو سکے، سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے : ﴿ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴾ [الشورٰی : ۱۳] ''اللہ اپنی طرف چن لیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اپنی طرف راستہ اسے دیتا ہے جو رجوع کرے۔''

[اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَ أَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ

تَمَّ كِتَابُ الصَّلَاةِ مِنْ صَحِيْحِ الْبُخَارِيِّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ]

فہرست مصادر ومراجع

نمبر شمار	کتاب	ناشر	تفصیل طبع	اجزاء
1	السنن الكبرى للبيهقي	دارالكتب العلمية ـ بيروت	ط الثالثة 1424هـ - 2003ء	11
2	الطبقات الكبرى لابن سعد	دار صادر ـ بيروت	ط الأولى 1386هـ - 1968ء	8
3	المصنف لابن أبي شيبة	مكتبة الرشد ـ الرياض	ط الأولى 1409هـ - 1989ء	7
4	الموطأ لمالك بن أنس	مؤسسة زايد بن سطلان	ط الأولى 1425هـ - 2004ء	8
5	المستدرك على الصحيحين للحاكم	دار الكتب العلمية ـ بيروت	ط الأولى 1411هـ - 1990ء	4
6	صحيح ابن حبان	مؤسسة الرسالة ـ بيروت	ط الأولى 1408هـ - 1988ء	18
7	صحيح ابن خزيمة	المكتب الإسلامي ـ بيروت	ط الثانية 1424هـ - 2003ء	2
8	المصنف عبد الرزاق	المجلس العلمي ـ الهند	ط الثانية 1403هـ - 1993ء	12
9	الشمائل المحمدية للترمذي	المكتبة التجارية ـ مكة	ط الأولى 1413هـ - 1993ء	1
10	مسند الإمام أحمد	مؤسسة الرسالة	ط الأولى 1421هـ - 2001ء	50
11	المختصر النصيح للمهلب	دار التوحيد ـ رياض	ط الأولى 1430هـ - 2009ء	4
12	مسند أبي داوٗد الطيالسي	دار هجر ـ مصر	ط الأولى 1419هـ - 1989ء	4
13	مسند أبي يعلى الموصلي	دار الحديث ـ القاهرة	ط الأولى 1434هـ - 2013ء	10
14	كتاب المصاحف	الفاروق الحديثة ـ مصر/ القاهرة	ط الأولى 1423هـ - 2002ء	1
15	الأم للشافعي	دار المعرفة ـ بيروت	بدون طبعة 1410هـ - 1990ء	8

16	شرح معاني الآثار	عالم الكتب	ط الأولى 1414ھ - 1994ء	5
17	المعجم الكبير للطبراني	مكتبه ابن تيمية - القاهرة	الطبعة الثانية	25
18	الفقه على المذاهب الأربعة	دار الكتب العلمية - بيروت	ط الثانية 1424ھ - 2003ء	5
19	مسند الدارمي	دار المغني للنشرو التوزيع	ط الأولى 1421ھ - 2000ء	4
20	السنن الكبرى للنسائي	مؤسسة الرسالة - بيروت	ط الأولى 1421ھ - 2001ء	12
21	مستخرج أبي عوانة	دار المعرفة - بيروت	ط الأولى 1419ھ - 1998ء	5
22	مسند البزار	مكتبة العلوم والحكم المدينة المنورة	ط الأولى 1430 ھ - 2009 ء	18
23	جزء القراءة خلف الإمام للبخاري	المكتبة السلفية	ط الأولى 1400ھ - 1980ء	1
24	سنن الدار قطني	مؤسسة الرسالة - بيروت	ط الأولى 1424ھ - 2004ء	5
25	العلل للدار قطني	دار طيبة - رياض	ط الأولى 1405ھ - 1985ء	15
26	معرفة السنن والآثار	جامعة الدراسات الإسلامية - كراچی	ط الأولى 1412ھ - 1991ء	15
27	المعجم الأوسط للطبراني	دار الحرمين - القاهرة		10
28	إرواء الغليل للألباني	المكتب الإسلامي - بيروت	ط الثانية 1405ھ - 1985ء	9
29	تاريخ الطبري	دار التراث - بيروت	ط الثانية 1387 ھ	11
30	التاريخ الكبير للبخاري	دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد دكن		8
31	غريب الحديث لإبراهيم الحربي	جامعة أم القرى مكة المكرمة	ط الأولى 1405ھ - 1985ء	3
32	مسند الشافعي	دار الكتب العلمية - بيروت	1400ھ - 1980ء	1

33	التلخيص الحبير	دار الكتب العلمية ـ بيروت	ط الاولى 1409 هـ - 1989ء	4
34	حلية الأولياء وطبقات الأصفياء	دار الكتب العلمية ـ بيروت	1409 هـ - 1989ء	10
35	سير أعلام النبلاء	مؤسسة الرسالة	ط الثالثة 1405 هـ - 1985ء	25
36	صحيح الجامع الصغير للألباني	المكتب الإسلامي		2
37	المنتخب من مسند عبد بن حميد	مكتبة السنة ـ القاهرة	ط الأولى 1408هـ - 1988ء	1
38	غوامض الأسماء المبهمة	عالم الكتب ـ بيروت	ط الأولى 1407هـ - 1987ء	2
39	الفتاوى العالمكيرية	المطبعة الكبرى الأميرية ـ مصر	ط الثانية 1310هـ	6
40	المعجم الصغير للطبراني	المكتب الإسلامي ـ بيروت	ط الأولى 1405هـ - 1985ء	2
41	المحلى بالآثار	دار الفكر ـ بيروت		12
42	مسند السراج	إدارة العلوم الأثرية ـ فيصل آباد	1423هـ - 2002ء	1
43	شرح مشكل الآثار	مؤسسة الرسالة ـ بيروت	ط الأولى 1415هـ - 1994ء	16
44	أنساب الأشراف	دار الفكر ـ بيروت	ط الأولى 1417هـ - 1996ء	13
45	سلسلة الأحاديث الصحيحة	مكتبة المعارف ـ رياض	ط الأولى 1995ء تا 2002ء	6
46	المخلصيات	وزارة الأوقاف ـ قطر	ط الأولى 1429هـ - 2008ء	4
47	الثقات لابن حبان	دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد هند	ط الأولى 1393هـ - 1973ء	9
48	مشاهير علماء الأمصار لابن حبان	دار الوفاء ـ المنصورة	ط الأولى 1411 هـ - 1991ء	1
49	البداية والنهاية	دار هجر	ط الأولى 1417هـ - 1997ء	21

50	قرة العينين برفع اليدين	دار الأرقم ـ كويت	ط الأولى 1404هـ ـ 1983ء	1
51	التهذيب في فقه الإمام الشافعي	دار الكتب العلمية	ط الأولى 1418هـ ـ 1997ء	8
52	كتاب الأوائل لأبي عروبة	دار ابن حزم ـ بيروت	ط الأولى 1424هـ ـ 2003ء	1
53	مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح	إدارة البحوث العلمية هند	ط الثالثة 1404هـ ـ 1984ء	9
54	زاد المعاد في هدي خير العباد	دار عطاءات العلم ـ رياض	ط الثالثة 1440هـ ـ 2019ء	8
55	الكنى والأسماء	عمارة البحث العلمي المدينة المنورة	ط الأولى 1404هـ ـ 1984ء	2
56	هداية المستنير	المكتبة الإسلامية ـ القاهرة	ط الأولى 1424هـ ـ 2003ء	1
57	القبس في شرح الموطأ	دار الغرب الإسلامي	ط الأولى 1491هـ ـ 1992ء	1
58	أسد الغابة في معرفة الصحابة	دار الكتب العلمية	ط الأولى 1415هـ ـ 1994ء	8
59	الاستيعاب في معرفة الأصحاب	دار الجيل ـ بيروت	ط الأولى 1412هـ ـ 1994ء	4
60	جوامع السيرة النبوية	دار الكتب العلمية		1
61	فقه السيرة للغزالي	دار القلم ـ دمشق	ط الأولى 1427هـ ـ 2006ء	1
62	المبدع في شرح المقنع	دار الكتب العلمية	ط الأولى 1418هـ ـ 1997ء	8
63	تاريخ المدينة لابن شبة	دار الكتب العلمية	1417هـ ـ 1996ء	4
64	السيرة النبوية لابن حبان	الكتب الثقافية ـ بيروت	ط الثالثة 1417هـ ـ 1996ء	2

65	نصب المجانيق لنسف قصة الغرانيق	دار الكتب العربي- بيروت	ط الثالثة 1417هـ - 1996ء	1
66	فقه السنة	دار الكتب العربي - بيروت	ط الثالثة 1397هـ - 1977ء	3
67	قيام الليل للمروزي	حديث أكادمي- فيصل آباد	ط الأولى 1408هـ - 1988ء	1
68	الأم (صحيح سنن أبي داوُد)	مؤسسة غراس	ط الأولى 1423هـ - 2002ء	8
69	قاعدة في التوسل والوسيلة	مكتبة الفرقان - عجمان	ط الأولى 1422هـ - 2001ء	1
70	الضعفاء الكبير للعقيلي	دار الكتب العلمية - بيروت	ط الأولى 1404هـ - 1984ء	4
71	شعب الإيمان للبيهقي	مكتبة الرشد - رياض	ط الأولى 1423هـ -2003ء	14
72	تاريخ بغداد	دار الكتب العلمية	ط الأولى 1417هـ -1996ء	24
73	أحكام الجنائز للألباني	المكتب الإسلامي	ط الرابعة 1406هـ - 1986ء	1
74	الاعتبار للحازمي	دائرة المعارف - دكن	ط الثالثة 1359هـ	1
75	الموضوعات الكبرىٰ	مؤسسة الرسالة		1
76	سيرة ابن هشام (ت: السقا)	شركة مكتبة - مصر	ط الثالثة 1375هـ - 1955ء	2
77	مسند الروياني	مؤسسة قرطبة - القاهرة		5
78	تفسير الطبري	دار هجر	ط الأولى 1422هـ -2001ء	26
79	الجامع الصغير مع شرح التنوير	دار السلام - رياض	ط الأولى 1432هـ -2011ء	11
80	تحفة الأحوذي	دار الكتب العلمية		10
81	المصباح المنير	المكتبة العلمية		2
82	تفسير ابن أبي حاتم	مكتبة نزار - السعودية	ط الثالثة 1419هـ	13
83	المجالسة وجواهر العلم	دار ابن حزم- بيروت	ط الأولى 1419هـ - 1998ء	10

84	الدر المنظوم من كلام المصطفى المعصوم ﷺ	بدون ناشر	بدون طبع	1
85	سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة	دار المعارف ـ رياض	ط الأولى 1416ھ ـ 1992ء	14
86	الشريعة للآجري	دار الوطن ـ رياض	ط الثانية 1420 ھ ـ 1999ء	5
87	خلاصة الأحكام للنووي	مؤسسة الرسالة ـ بيروت	ط الأولى 1418ھ ـ 1997ء	2
88	المغني لابن قدامة	مكتبة القاهرة	ط الأولى 1388ھ ـ 1968ء	10
89	التمهيد لابن عبد البر	مؤسسة الفرقان ـ لندن	ط الأولى 1439ھ ـ 2017ء	17
90	إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام	مطبعة السنة المحمدية	بدون الطبعة و تاريخ	2

91	مجموع الفتاوى لابن تيمية	92	الكوكب الدراري في شرح صحيح البخاري (شمس الدين الكرماني)
93	تيسير الوصول إلى أحاديث الرسول	94	شرح النووي على صحيح مسلم
95	مستخرج لأبي نعيم	96	سنن سعيد بن منصور
97	فتح الباري	98	نور العينين (زبير علي زئي)
99	سنن النسائي	100	جزء رفع اليدين (تاج الدين سبكي)
101	سنن أبي داوٗد	102	التحقيق الراسخ في أن أحاديث رفع اليدين ليس لها ناسخ (حافظ محمد گوندلوی)
103	صحيح مسلم	104	رفع اليدين اور آمين (عبدالله روپڑی)
105	صحيح بخاري	106	جلاء العينين (سيد بديع الدين راشدي)
107	جامع الترمذي	108	مسئلة رفع الدين مع آمين بالجهر (مولانا رحمت الله رباني)

109	شرح صحيح البخاري للعثيمين	110	شمس الضحٰى بجواب نور الصباح (حكيم محمود بن إسماعيل سلفي)
111	سنن ابن ماجه	112	جزء رفع اليدين (خالد گھرجاکھی)
113	إرشاد الساري لشرح البخاري للقسطلاني	114	مسئلة رفع اليدين تحريرى مناظره (حافظ عبد المنان نور پورى)
115	أكمل البيان (أشرف سندهو)	116	دلائل الجانبين في تحقيق رفع اليدين (ڈاكٹر محمد بشير صابر)
117	تيسير الباري (علامه وحيد الزمان)	118	الرسائل في تحقيق المسائل (عبد الرشيد أنصاري)
119	معيار الحق (سيد نذير حسين الدهلوي)	120	حصول الفلاح (مولانا محمد أيوب أثري حيدر آبادى)
121	تفسير ابن كثير	122	الكنٰى والأسماء لإمام مسلم
123	فيض الباري	124	غريب الحديث لأبي إسحاق الحربي
125	هداية القاري	126	النهاية في غريب الأثر
127	اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح شمس الدين البرماوي	128	حاشية ابن باز على فتح الباري
129	أنيس الساري	130	زاد المعاد لابن قيم
131	شرح صحيح البخاري لابن بطال	132	فوائد لابن المقري
133	تعليق ابن باز على صحيح البخاري	134	كتاب الصلاة لأبي نعيم
135	تهذيب سنن أبي داوٗد لابن قيم	136	الأجوبة النافعة عن أسئلة لجنة مسجد الجامعة